ہمارے بزرگ اور تقسیم ہند

سیّد قمر عباس بن زین العابدین حسینی ترمذی

سیّد میر سجاد حسین
سفید پوش۔ سیانہ سیداں

سیّد کاظم حسین
ذیلدار۔ گوہلہ

سیّد قاضی محمد شفیع
سجادہ نشین۔ ٹھسکہ میراں جی

سیّد محمد عسکری
نمبردار۔ سید کھیڑی
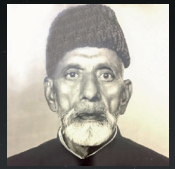
سیّد اختر حسین
کمیٹی چیئرمین۔ پونڈری

سیّد محمد زاہد
ذیلدار گنور۔ ساڈھورہ
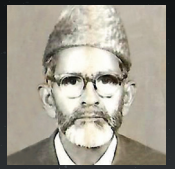
سیّد میر معز الدین
گڑھی کوٹاہہ

سیّد محمد رضا حسین
نمبردار۔ راجگڑھ
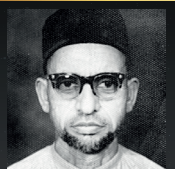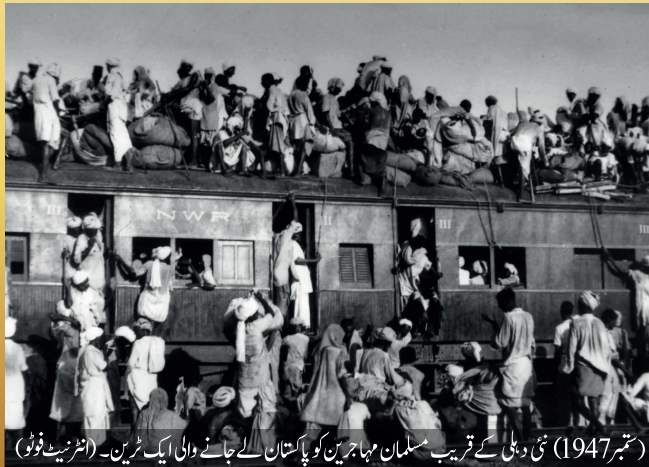
(ستمبر 1947) نئی دہلی کے قریب مسلمان مہاجرین کو پاکستان لے جانے والی ایک ٹرین۔ (انٹرنیٹ فوٹو)

سیّد زین العابدین
والد مؤلف

سیّد قمر عباس
مؤلف

ہمارے بزرگ

اور تقسیم ہند

سیّد قمر عباس بن زین العابدین حسینی ترمذی

نام کتاب	:	ہمارے بزرگ اور تقسیم ہند
تالیف	:	سیّد قمر عباس بن زین العابدین حسینی ترمذی
کمپوزنگ	:	محمد ندیم
ڈیزائن	:	سیّد مشاہد حسین گیلانی
سال اشاعت	:	۱۴۴۲ھ — ۲۰۲۰ء
تعداد	:	۲۵۰
ناشر	:	سیّد قمر عباس
طباعت	:	اسد محمود پرنٹنگ پریس، گوالمنڈی، راولپنڈی
قیمت	:	1,000 روپے

ISBN: 978-969-23054-1-9

فہرست

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

مقدمہ

شروع کرتا ہوں اللہ سبحانہ' و تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے اور اسی کی عطا کردہ توفیق سے جو واحدہ' لا شریک ہے اور جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آل محمد علیہم السّلام پر ابدالآباد درود و سلام۔

برصغیر پاک و ہند میں رہنے والے ترمذی سادات کی ایک بڑی اکثریت کا تعلق سیّد احمد زاہد بن حمزا علی کی اولاد سے ہے۔ احمد زاہد، شجرہ نسب ترمذی سادات کے مطابق، اپنی اولاد اور قبیلہ کے ہمراہ سلطان محمود غزنوی کے دَور میں ترمذ سے ہجرت کر کے ہندوستان کے ایک گاؤں سیانہ سیداں، تحصیل کیتھل ضلع کرنال، میں آباد ہوئے۔ ان کا تعلق حسین اصغر بن علی بن حسین بن علی علیہم السّلام کی اولاد سے ہے۔ حسین اصغر کے حالات اور احادیث پر مشتمل مؤلف کی ایک کتاب مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئی جس میں حسین اصغر کی اولاد، ان کی نسل سے راویان احادیث اور برصغیر میں حسین اصغر کی اولاد کے چند بزرگوں کا ذکر بھی ہے۔ حسین اصغر کے ایک فرزند علی، سر السلسلۃ العلویہ (ص ۷۰) کے مطابق، بنی ہاشم کے جوانمردوں میں سے تھے۔ تاریخ انوار السادات (ص ۳۰۳) کے مطابق علی بن حسین اصغر نے عباسی حکمرانوں کے سادات پر ظلم و ستم کی وجہ سے مدینہ میں روپوشی کی زندگی گزاری۔ علی کے ایک فرزند موسیٰ حمصہ نے حکومتی جبر کے نتیجہ میں مدینہ سے حمص ہجرت کی جب کہ موسیٰ حمصہ کے فرزند حسن حمصہ اور پوتے محمد مدنی عباسی 'خلیفہ' مامون کے زمانہ میں حمص سے ہجرت کر کے ترمذ میں آباد ہوئے۔ محمد مدنی کے ایک فرزند حسن ثانی اور حسن ثانی کے ایک فرزند علی کعکی ہوئے۔ علی کعکی کے فرزند شاہ احمد عرف توختہ نے سب سے پہلے ترمذ سے ہندوستان ہجرت کی۔ ان کا مزار لاہور میں ہے۔ توختہ کے ایک فرزند محمد، محمد کے ایک فرزند عمر علی، عمر علی کے ایک فرزند ابوبکر علی اور ابوبکر علی کے ایک فرزند حمزا علی ہوئے جو ترمذ سے ہندوستان آنے والے احمد زاہد کے والد ہیں۔ ترمذ میں زندگی گزارنے والے احمد زاہد کے آباء کا ذکر تاریخ انوار السادات میں ہے۔

احمد زاہد کی اولاد ہندوستان کے مختلف علاقوں میں کثرت سے پھیلی۔ تقسیم ہند سے پہلے مشرقی پنجاب کے کچھ دیہاتوں میں زندگی بسر کرنے والے ہمارے جن بزرگوں کا ذکر زیرِ نظر کتاب میں ہے وہ برصغیر میں احمد زاہد کی اولاد سے تعلق رکھنے والی ترمذی سادات برادری کا ایک چھوٹا سا حصّہ ہیں۔ مشرقی پنجاب کے گاؤں سیانہ سیداں، گوہلہ، سیدکھیڑی اور ساڈھورہ ان ترمذی سادات کی ملکیت تھے جن کا تعلق احمد زاہد کی اولاد سے ہے۔ تاریخ انوار السادات کے مطابق پونڈری کے ترمذی سادات بھی احمد زاہد کی اولاد ہیں اور کرنال ڈسٹرکٹ گزٹیئر کے مطابق وہ پونڈری کے ایک حصّہ کے مالک تھے۔ قاضی سادات، جو تقسیم ہند سے ایک صدی پہلے سیانہ سیداں سے ہجرت کر کے راجپوتوں کے ایک گاؤں ٹھسکہ میں آباد ہوئے، بھی

احمد زاہد کی اولاد ہیں۔ تاہم راجگڑھ کے سادات زیدی الترمذی اور گمن کھیڑی کے سادات رضوی الترمذی کہلاتے ہیں۔ ان کے ساتھ احمد زاہد کی اولاد سے تعلق رکھنے والے حسینی ترمذی سادات کی تقسیم ہند سے پہلے رشتہ داریاں تھیں۔ پلاکھا کے سادات بھی ترمذی کہلاتے ہیں۔ مذکورہ بالا دیہاتوں میں سے سیانہ، ٹھسکہ، پونڈری، گوہلہ اور گمن کھیڑی ضلع کرنال میں، ساڈھورہ ضلع انبالہ میں اور سیدکھیڑی، راجگڑھ اور پلاکھا ریاست پٹیالہ میں تھے۔ ترمذی سادات کے بزرگوں نے اپنے دیہاتوں میں دوسرے علاقوں کے سادات کو بھی بسایا تھا۔ بعدازاں ان میں سے جن سادات کے پاس اپنے بزرگوں کے بارے میں معلومات نہیں تھیں وہ سب ترمذی کہلانے لگے۔

شجرہ نسب ترمذی سادات کی جو کاپی سیّد نثار علی ترمذی کی کوشش سے مؤلف تک پہنچی اس میں مذکورہ بالا دیہاتوں میں سے صِرف سیانہ سیداں، سیدکھیڑی اور ساڈھورہ میں ترمذی سادات کی تقسیم ہند تک رہنے والی کچھ نسلوں کا ذکر ہے۔ جب کہ گوہلہ میں میراں شاہ حامد عرف حسینی نو بہار کے مزار اور ان کے پروردہ سیّد محمد کی چند نسلوں کا ہی ذکر ہے اور ٹھسکہ میں میراں بھیکہ کے مزار پر ہر سال میلہ لگنے کا ذکر ہے۔ ترمذی سادات کے شجرہ کی یہ کاپی ساڈھورہ کے بزرگ سید محمد بن شاہ محمد بن شاہ لطف حسین بن غلام ضامن نے ۱۹۱۸ء میں بنائی تھی۔ اصل شجرہ جس سے یہ کاپی بنائی گئی سیانہ سیداں کے بزرگوں کے پاس تھا جو ۱۹۴۷ء میں ہندوستان سے پاکستان ہجرت کے دوران راستہ میں رہ گیا۔ ایسے لگتا ہے کہ ساڈھورہ والے اصل شجرہ کی مکمل کاپی نہیں بنا سکے کیونکہ اس میں سیانہ کے بہت کم اور ساڈھورہ کے تقریباً تمام ترمذی سادات کا ذکر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے وقت کی کمی کے باعث ایسا کیا ہو۔ سیدکھیڑی کے سابق رہائشی سیّد احسان علی ترمذی کہتے تھے: ”ساڈھورہ کے بزرگ سیانہ کے بزرگوں سے شجرہ مانگ کر لے گئے تھے۔ دو سال بعد سیانہ کے بزرگ شجرہ واپس لینے کے لیے ساڈھورہ گئے تو ساڈھورہ والوں نے سیانہ والوں کو ایک ہفتہ مہمان رکھا اور اس دوران شجرہ کی ایک کاپی بنائی۔“ ساڈھورہ کے بزرگ سید محمد نے اصل شجرہ کے کچھ حصّوں کو نظر انداز کرنے کا اشارہ خود دیا ہے۔ مثلاً حسین اصغر کے بھائی حسن اصغر کے نام کے ساتھ وہ لکھتے ہیں: ”ان کی اولاد شجرہ سابق میں درج ہے۔“ انہوں نے اسے نقل نہیں کیا۔ مزید بر آں احمد زاہد کے بیٹے شاہ حامد بزرگ کی اولاد میں سے ایک بزرگ سیّد ضیاء الدین بن سیّد میر محمد کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: ”ان کے اوصاف شجرہ سابق میں بہت لکھے ہیں۔ صفحہ ہذا پر گنجائش تحریر نہیں ہے۔“ سیّد ضیاء الدین سیدکھیڑی گاؤں کو آباد کرنے والے بزرگ سید راجو کے پردادا سیّد احمد کے بھائی ہیں۔

اگرچہ اس کتاب میں ایسے بزرگوں کا ذکر بھی ہے جن کے نام تقسیم ہند سے پہلے کسی شجرہ میں نہیں تھے تاہم یہ بزرگ اپنے علاقوں میں سیّد مشہور تھے، سرکاری ریکارڈ میں انہیں سیّد لکھا جاتا تھا اور ان کی رشتہ داریاں ان سادات کے ساتھ تھیں جن کا ذکر شجرہ نسب ترمذی سادات یا کسی اور شجرہ میں ہے۔ اس لیے مؤلف نے بھی ایسے بزرگوں کو سیّد برادری میں شامل کیا جنہیں تقسیم ہند سے پہلے سیّد کہا جاتا تھا۔ تاہم اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غیر سیّدوں کا سیّد کہلانا بھی برصغیر میں عام رہا ہے۔ ۱۸۸۳ء میں پنجاب کی مردم شماری پر اپنی رپورٹ میں سر ڈینزل ابٹسن ’پنجاب کی ذاتیں‘ کے باب میں لکھتے ہیں: ”ہمارے جدول ظاہر کرتے ہیں کہ پنجاب میں ۲۴۸،۱۰۲ سیّد ہیں لیکن یہ کہنا ناممکن ہے کہ ان میں کتنے صحیح

النسب سیّد ہیں۔ کہاوت یہ ہے کہ پچھلے سال میں جولاہا تھا، اس سال میں شیخ ہوں، اگلے سال اگر قیمتیں بڑھ گئیں تو میں سیّد ہوں گا۔ اور اگر سال کی جگہ نسل ہو تو یہ عمل کافی عام ہے۔"

ہر شخص کے صحیح نسب کے بارے میں تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے تاہم سادات کا نسب جانچنے کے لیے علماء انساب نے کچھ معیار بیان کیے ہیں۔ نسابہ السیّد الشریف قمر عباس الاعرجی الحسینی الھمدانی نے اپنی کتاب '**مدرك الطالب في نسب آل ابي طالب الموسوم به معارف الانساب**' میں مشہور نسابہ سیّد ضامن بن شدقم کے حوالہ سے سادات کے نسب کی مندرجہ ذیل چار اقسام بیان کی ہیں:

۱۔ صحیح النسب: ایسا نسب جو نسابین کے نزدیک ہر لحاظ سے ثابت ہو اور اہل عقل و علم، مشہور علماء اور علم الانساب کے استاد اس پر متفق ہوں صحیح النسب کہلاتا ہے۔

۲۔ مقبول النسب: ایسا نسب جو بعض نسابین کے نزدیک ثابت ہو لیکن بعض نے اس کا انکار کیا ہو مقبول النسب کہلاتا ہے۔

۳۔ مشہور النسب: ایسا نسب کہ جہاں سیّد ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہو اور انہیں اپنے نسب کا علم نہ ہو، تاہم قدیم زمانہ سے انہیں سیّد کی حیثیت سے شہرت بلدی حاصل ہو اور سرکاری ریکارڈ میں ان کا اندراج بحیثیت سیّد ہو تو مشہور النسب کہلاتا ہے۔

۴۔ مردود النسب: ایسا نسب کہ جہاں سیّد ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہو مگر اوپر بیان کی گئی تین اقسام کی صفات میں سے کوئی صفت ان میں نہ پائی جاتی ہو تو وہ مردود النسب کہلاتا ہے۔ یعنی ایسا دعویٰ باطل ہے۔

۱۸۹۲ء کے کرنال ڈسٹرکٹ گزٹیئر کے مطابق ضلع کرنال کے سیّد کاشتکاروں کے بارے میں ابٹسن نے اپنی سیٹلمنٹ رپورٹ میں لکھا: "میرے علم کے مطابق سیّد بدترین کاشتکار ہے۔ وہ سستی کا مارا، فضول خرچ، شدید ناآگاہ اور فریب خوردہ ہے۔ جب تک فاقہ کشی کا خوف نہ ہو زمین کاشت نہیں کرتا اور سوچتا ہے کہ اس کے مقدّس نسب کو اس کی پیشانی پر پسینہ آنے کی ضرورت سے بچانا چاہیے۔ اچھے دَور میں اس کے پاس کوئی جانور نہیں، کوئی سرمایہ نہیں اور وہ اپنے مزارع کو خوب دباتا ہے۔ بُرے دَور میں وہ برابر کا غریب، گندا اور مقدّس ہے۔ پورے ضلع میں وہ بد ترین ٹیکس ادا کرنے والا ہے۔ میں ایک ایسے سیّد کو جانتا ہوں جس نے اپنی اناج کی فصل کا تیسرا حصّہ ایک شخص کو اس فصل کے تیار ہونے تک اس کی رکھوالی کرنے پر دیا۔ اگر مزارع کا کرایہ ۱۰ روپے ہے تو وہ ہمیشہ موسم کے شروع میں پانچ روپے کل قیمت لینا خوشی سے قبول کرتا ہے۔" اگرچہ ضلع کرنال میں واقع ترمذی سادات کے دیہاتوں میں عام چھوٹے کاشتکار معاشی طور پر مضبوط نہیں تھے لیکن صورت حال، ہمارے بزرگوں کے مطابق، اتنی مایوس کن بھی نہیں تھی جتنی کہ ابٹسن کی رپورٹ سے ظاہر ہوتی ہے۔ جانور تو تقریباً ہر سیّد کاشتکار نے رکھے ہوئے تھے۔ اکثر سیّد بزرگ محنت سے اپنی زمین کاشت کرتے تھے۔ ان میں بڑے زمیندار بھی تھے اور کچھ کے پاس ذیلدار اور سفید پوش جیسے لوکل اثر و رسوخ رکھنے والے عہدے بھی تھے۔

ہمارے جد حسین اصغر کے پوتے موسیٰ حمصہ مدینہ چھوڑ کر حمص جانے پر مجبور ہوئے۔ موسیٰ حمصہ کے بیٹے حسن

حمصہ اور پوتے محمد مدنی حمص سے ترمذ آئے اور ان کی نسل سے احمد زاہد ترمذ سے ہندوستان آئے۔ ان بزرگوں نے کن حالات میں ہجرت کی اور کن راستوں کو اپنایا آج ہمارے پاس اس بارے میں کوئی مستند معلومات نہیں ہیں۔ اس کتاب کے لکھنے کا مقصد آئندہ نسلوں کے لیے گزشتہ چند نسلوں کے کچھ حالات محفوظ کرنا ہے اور یہ اس لیے بھی اہم ہے کیونکہ ہماری گزشتہ دو نسلوں کے بزرگ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے نتیجہ میں ہونے والی دنیا کی سب سے بڑی ہجرت کا حصّہ بنے۔ انہوں نے اپنے بھرے گھر چھوڑ کر قتل و غارت گری اور لُوٹ مار کا سامنا کرتے ہوئے ہندوستان سے پاکستان ہجرت کی۔ یہ وہ بزرگ ہیں کہ جنھوں نے پاکستان بننے کی قیمت ادا کی اور ان کی قربانیوں کی قدر بھی نہیں کی گئی۔

مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے پاکستان آنے والے مسلمان مہاجرین کہ جن کا حصّہ ہمارے بزرگ بھی تھے اور مغربی پنجاب سے ہجرت کر کے ہندوستان جانے والے ہندو اور سکھ مہاجرین کی تعداد کم از کم ایک کروڑ بیان کی جاتی ہے۔ یہ سب لوگ اپنے بھرے بھرائے گھر چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ قتل ہونے والوں اور ہجرت کی صعوبتوں کے باعث مرنے والوں کی تعداد کا اندازہ کم از کم ۱۰ لاکھ ہے۔ چونکہ مغربی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں کے مقابلہ میں مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے زیادہ جانی نقصان مسلمانوں کا ہوا۔ دونوں طرف ایک لاکھ عورتیں اغوا یا عصمت دری کا شکار ہوئیں۔ صدیوں سے ساتھ رہنے والے انسانوں نے مذہب کے نام کو غلط استعمال کرتے ہوئے ظلم و ستم کی ایسی داستانیں رقم کیں کہ جن کی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایک قیامت صغریٰ تھی کہ جس میں ماؤں نے اپنے بچّوں کو پھینک دیا اور بیمار یا انتہائی ضعیف افراد کے لواحقین انہیں چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے آگے بڑھ گئے۔

دسمبر ۲۰۰۴ء میں سیّد عادل حسین ترمذی، سیّد انوار علی ترمذی اور سیّد نثار علی ترمذی سے مشاورت کے بعد مؤلف نے سیدکھیڑی میں زندگی گزارنے والے اپنے خاندان کے بزرگوں کے حالات پہ کام شروع کیا۔ ۲۰۰۵ء کے آغاز سے ہی مؤلف نے اپنے والد محترم سیّد زین العابدین ترمذی سے سیدکھیڑی میں اپنے بزرگوں کے بارے میں روزانہ کی بنیاد پر معلومات حاصل کرنا شروع کیں۔ یہاں تک کہ یکم مارچ ۲۰۰۵ء کو جب مؤلف سیدکھیڑی گیا تو والد محترم کی طرف سے دی گئی معلومات کے مطابق گاؤں میں کئی نشانیوں جیسے سید راجو کا مزار، مسجد کی عمارت، حویلیاں وغیرہ کو موجود پایا جب کہ کئی نشانیاں جیسے الٰہی بخش کا باغ، امام بارگاہ کی عمارت، قبرستان وغیرہ معدوم ہو چکی تھیں۔ تاہم سیدکھیڑی کی پنچایت کے ممبر نرمل سنگھ نے معدوم ہونے والی نشانیوں کی ۱۹۴۷ء کے بعد کافی عرصہ تک موجودگی کی تصدیق کی۔ تقسیم ہند کے وقت والد محترم کی عمر ۳۰ سال تھی اور وہ نہ صِرف اپنے بزرگوں بلکہ ان کے رشتہ داروں کے بارے میں بھی وسیع معلومات رکھتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد ہونے والی ہجرت کے بھی وہ چشم دید گواہ تھے۔ یہ کتاب سیدکھیڑی میں زندگی گزارنے والے اپنے خاندان کے بزرگوں کے حالات اکٹھے کرنے کے لیے شروع کی گئی تھی۔ تاہم والد محترم سے ملنے والی وسیع معلومات کے نتیجہ میں مؤلف نے اس میں سیدکھیڑی کے بزرگوں کے رشتہ داروں کو بھی شامل کر لیا اور تقسیم ہند کے بعد ہونے والی ہجرت کے واقعات کو بھی اس کا حصّہ بنایا۔ جن دیہاتوں کا ذکر اس کتاب میں ہے تقسیم ہند سے پہلے ان میں زندگی گزارنے والوں اور ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے عینی گواہوں میں سے جو بزرگ بھی مل سکے مؤلف نے ان سے ان کی یادداشتوں کو سُن کر لکھ لیا

تاکہ آئندہ نسلوں کے لیے دنیا کے اس سب سے بڑے اور وحشتناک اجاڑ میں ہمارے بزرگوں پر جو گزری اس کی رُوداد ان کی اپنی زبانی محفوظ ہو جائے۔ اس سلسلہ میں کئی بزرگوں سے مؤلف نے متعدد بار گفتگو کی۔

اس کتاب کے چھ ابواب ہیں۔ پہلے تین ابواب میں مختلف دیہاتوں میں رہنے والے ہمارے بزرگوں کے خاندانوں اور رہن سہن وغیرہ کا ذکر ہے۔ آخری تین ابواب میں ان بزرگوں کی ہندوستان سے پاکستان ہجرت کو ان کی اپنی زبانی تحریر کیا ہے۔ سیانہ سیداں، ٹھسکہ اور پونڈری کے بزرگوں کا ذکر پہلے باب میں، گوہلہ، پلاکھا اور گمن کھیڑی کے بزرگوں کا ذکر دوسرے باب میں اور سید کھیڑی، ساڈھورہ اور راجگڑھ کے بزرگوں کا ذکر تیسرے باب میں ہے۔ اسی ترتیب سے چوتھے، پانچویں اور چھٹے ابواب میں ان دیہاتوں کے اجڑنے کا ذکر ہے۔ پانچویں باب میں 'بھریلی اور بلاھڑا (بڈھلاڈا) کا اجڑنا' بھی شامل کیا ہے اور چھٹے باب میں موضع واڑہ اور اس کے قریبی دیہاتوں سے ہندوؤں کے اجڑنے اور سادات کے وہاں آباد ہونے کا ذکر بھی ہے۔ مؤلف نے تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان میں زندگی گزارنے والے زیادہ سے زیادہ بزرگوں سے معلومات حاصل کرنے کی مقدور بھر کوشش کی۔ تاہم سید کھیڑی، گوہلہ اور سیانہ سیداں کے زیادہ بزرگوں سے مؤلف کا رابطہ ہوا جب کہ باقی دیہاتوں کے کم بزرگ ملے۔ اس لیے اس کتاب میں مذکورہ بالا تین دیہاتوں کے بارے میں باقی دیہاتوں کی نسبت زیادہ معلومات درج ہیں۔ ہندوستان سے پاکستان آنے والے ۱۲۸ بزرگوں سے مؤلف نے معلومات بالمشافہ یا بذریعہ فون حاصل کیں۔ کچھ ایسے افراد سے بھی معلومات ملیں جو تقسیم ہند کے بعد پیدا ہوئے لیکن انہوں نے اپنے والدین یا رشتہ داروں (۴۴ بزرگوں) سے ہندوستان میں ان کے رہنے اور اجڑنے کے واقعات سنے، انہیں یاد رکھا اور مؤلف کے ساتھ گفتگو میں اپنے بزرگوں کے حوالہ سے بیان کیا۔ ان سب کے نام متعلقہ صفحات کے نیچے دیئے گئے حوالہ جات میں وضاحت کے ساتھ درج ہیں۔

یہ کتاب ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند تک چند دیہاتوں میں رہنے والے ہمارے بزرگوں کی نسلوں کے حالات اور ان کی اولاد کی ہندوستان سے پاکستان ہجرت کرنے کے واقعات پر مشتمل ہے۔ ایسے بہت سے بزرگ ہیں کہ جن کی شادیاں ہندوستان میں ہو گئی تھیں اور ان کے کچھ اولاد ہندوستان میں ہوئی اور کچھ پاکستان آ کر ہوئی یا پھر ساری اولاد پاکستان آ کر ہوئی۔ ایسے کنبوں کے انہی افراد کے نام اس کتاب میں ہیں جو ہندوستان میں پیدا ہوئے یا پھر ہجرت کے دوران پیدا ہوئے۔ تاہم ایک دو بزرگوں نے ہجرت کے حوالہ سے اپنی گفتگو میں دو چار ایسے افراد کے نام لیے ہیں جو پاکستان میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان سے پاکستان ہجرت کرنے والے ہمارے جن بزرگوں کے نام مؤلف کو مل سکے ان کا ذکر متعلقہ دیہاتوں کے اجڑنے کے ابواب میں ہے۔

بزرگوں سے معلومات حاصل کرنے میں کئی عزیز و اقارب نے مؤلف کے ساتھ تعاون کیا جن میں سرفہرست نام سیّد انوار علی ترمذی کا ہے کہ جن کی وساطت سے مؤلف کا کئی متعلقہ دیہاتوں کے بزرگوں کے ساتھ رابطہ ہوا اور ان سے حاصل کی گئی قیمتی معلومات اس کتاب کا حصّہ بنیں۔ انوار اپنے آبائی گاؤں واڑہ میں خدمت خلق میں مصروف ہیں۔ واڑہ میں اس وقت بہت سی سہولیات جیسے ہادی فری ہسپتال، صاف پانی کا پلانٹ، مسجد و امام بارگاہ کی تعمیر نو، لڑکیوں کا سرکاری مڈل

سکول، ٹیلی فون، قبرستان کی چار دیواری، زری پاک سے گاؤں تک سولنگ سڑک وغیرہ انوار کی انتھک کوششوں اور مخیر اور باثر افراد کے ساتھ ان کے رابطوں کے نتیجہ میں ہی موجود ہیں۔ سیّد ذوالفقار حسین ترمذی، سیّد صغیر حسین ترمذی اور سیّد انجم علی ترمذی بھی ان عزیز و اقارب میں شامل ہیں جو کئی بزرگوں کے ساتھ مؤلف کے رابطہ کا باعث بنے۔ بھائی سیّد کلب عباس ترمذی اور گھر کے باقی افراد کا تعاون بھی مؤلف کو مسلسل حاصل رہا۔

ابنِ زین العابدین

پہلا باب

سیانہ سیداں

شروع کرتا ہوں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے اور اسی کی عطا کردہ توفیق سے جو واحدہٗ لا شریک ہے اور جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آل محمد علیہم السّلام پر ابدالآباد درود و سلام۔

سیانہ سیداں تقسیم ہند سے پہلے ضلع کرنال کی تحصیل کیتھل میں ایک چھوٹا مگر قدیم گاؤں تھا جو تقریباً ایک ہزار سال تک ترمذی سادات کا مسکن رہا۔ سیّد احمد زاہد بن حمزا علی اپنے بیٹوں شاہ حسین بزرگ، شاہ زید سپہ سالار، شاہ حامد بزرگ اور قبیلہ کے ہمراہ ۴۰۱ ہجری میں ترمذ سے سیانہ آئے جہاں اس وقت جاٹ رہتے تھے جو اس گاؤں کے قدیم باشندے تھے۔ ترمذ سے آنے والے سادات نے شاہ زید کی قیادت میں جاٹوں کے ساتھ جنگ کی، سیانہ کو فتح کیا اور وہاں سکونت اختیار کی۔ ترمذی سادات کے آنے سے پہلے اس گاؤں کو سیانہ برہمناں کہتے تھے۔ بعدازاں اسے سیانہ سیداں کہنے لگے اور آج بھی اس کا یہی نام ہے۔ تقسیم ہند تک تقریباً ایک ہزار سال کے عرصہ کے دوران ترمذی سادات کے بزرگوں کی ایک بڑی تعداد سیانہ سیداں سے ہجرت کر کے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جا بسی۔[1]

خاندان

ترمذی سادات جو تقسیم ہند تک سیانہ سیداں میں رہے وہ شاہ زید بن احمد زاہد کی اولاد تھے اور ان کے دو بڑے خاندان تھے۔ ایک کا تعلق شاہ زید کے بیٹے شاہ سلیمان کی اولاد سے اور دوسرے کا تعلق شاہ زید کے بیٹے شاہ میر کی اولاد سے تھا۔ جن کا تعلق شاہ سلیمان کی اولاد سے تھا انہیں ہاٹو اور جن کا تعلق شاہ میر کی اولاد سے تھا انہیں چڑے کہتے تھے۔[2] کہتے ہیں کہ ہاٹو اور چڑے کے القاب پرانے زمانہ میں ایک قاضی نے ایک مقدمہ کی سماعت کے دوران دیے جس میں ان دونوں خاندانوں کے کچھ افراد فریق تھے۔[3] بعدازاں یہ القاب ان کی پہچان بن گئے اور تقسیم ہند تک سیانہ میں رہنے والی ان خاندانوں کی متعدد نسلیں انہی القاب سے اپنی برادری میں پہچانی اور پکاری جاتی تھیں۔ عطا حسین کے بزرگ تقسیم ہند سے

---

۱ شجرہ نسب ترمذی سادات

۲ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــ لاہور ــ ۱۵ جنوری ۲۰۱۱ء

۳ سیّدہ ثریا بیگم دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــ راولپنڈی ــ ۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء

ایک صدی پہلے سیانہ چھوڑ کر ٹھسکہ میں آباد ہو گئے تھے۔ ان کا تعلق چڑوں سے تھا۔ عطا نے سیانہ کے دونوں خاندانوں کے بارے میں شاعرانہ کلام کہا جو تقسیم ہند کے بعد ہونے والے فسادات کے دوران ضائع ہو گیا۔ ان کا ایک شعر یہ ہے:

یہ ہاٹو خاندان ہے سیانہ کا پرانا
اس نے کبھی اپنے ہمسر کو نہ جانا [۱]

ہاٹوؤں اور چڑوں کی آپس میں مخاصمت کے بارے میں ایک غیر مصدقہ واقعہ سیانہ کے سیّدوں میں نسل در نسل بیان ہوتا رہا۔ یہ واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ زید نے ایک دفعہ اپنے بیٹوں سے کہا کہ جو صبح انہیں نماز پڑھوائے گا وہ ان کا نائب ہو گا۔ شاہ زید کے سات بیٹے میاں، محمود، علی، شہاب الدین، ابو بکر علی، شاہ میر اور شاہ سلیمان تھے۔ اگلے دن صبح شاہ زید کے سب سے چھوٹے بیٹے شاہ سلیمان سب سے پہلے اٹھے، اپنے والد بزرگوار کو پانی کا لوٹا دیا اور نماز پڑھنے کے لیے تیار ہونے میں ان کی مدد کی۔ شاہ زید نے شاہ سلیمان کو اپنا نائب بنانے کا اعلان کر دیا۔ شاہ زید کے اس اعلان پر ان کے بیٹے شاہ میر ناراض ہو کر ترمذ واپس چلے گئے۔ تاہم شاہ میر کی اولاد سیانہ ہی میں رہی۔ شاہ سلیمان اور شاہ میر کی اولاد کی آپس میں لاگت بازی ہو گئی جس کے نتیجہ میں انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف مقدمے کیے اور ہاٹو اور چڑے کے القاب انہیں ملے۔ کچھ عرصہ بعد چڑوں نے ہاٹوؤں کی دعوت کی۔ چڑوں نے جس جگہ کھانے کا انتظام کیا وہاں نیچے بارود رکھا، اس کے اوپر پرالی رکھی اور پھر اس کے اوپر دستر خوان بچھا دیا۔ ہاٹو مہمان آئے تو چڑوں نے انہیں دسترخوان پر بیٹھنے کی دعوت دی۔ جب سب مہمان دسترخوان کے ارد گرد بیٹھ گئے تو میزبانوں نے دسترخوان کے نیچے پرالی کو آگ لگا دی۔ زوردار دھماکہ ہوا اور سب مہمان چشم زدن میں مر گئے۔ تاہم ہاٹوؤں کی ایک عورت اپنے ایک بچّہ کے ساتھ دوسرے گاؤں گئی ہوئی تھی۔ اسی ایک زندہ رہ جانے والے بچّہ سے ہاٹوؤں کی نسل چلی۔[۲]

ہاٹو

تقسیم ہند سے پہلے سیانہ سیداں میں سیّد برادری کے ہاٹو خاندان کے کم از کم مندرجہ ذیل بزرگ رہتے تھے:

بہار بخش

بہار بخش کے والد محمد بخش اور دادا روشن علی تھے۔ وہ سیانہ کے بڑے زمیندار تھے۔ ان کے دو بھائی محمد حسن اور محمد حسین اور دو بہنیں حسنی اور صرفی تھیں۔ بہار بخش اور ان کے دونوں بھائیوں کی شادیاں گوہلہ کے بڑے زمیندار اور ذیلدار محمد بخش کی بیٹیوں سے ہوئیں۔ جب کہ بہار بخش کی بہنوں کی شادیاں ذیلدار محمد بخش کے بیٹوں محمد امیر اور محمد حسین سے ہوئیں۔ بہار بخش کے بھائیوں کی نسل آگے چلی نہ ہی بہار بخش کی بہنوں کے اولاد ہوئی۔ البتہ بہار بخش کے ایک فرزند

---

۱ سیّد محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۲ مارچ ۲۰۱۰ء

۲ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۵ جنوری ۲۰۱۱ء

شبیر حسین ہوئے۔[1] بہار بخش، ان کی اولاد اور آباء کا ذکر شجرہ نسب ترمذی سادات میں ہے۔ ان کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے: بہار بخش بن محمد بخش بن روشن علی بن احسان علی بن خیرات علی بن سیّد کوڑا بن سیّد احمد بن محمد علی بن شمس الدین بن سیّد احمد بن شاہ ولی بن نُور الدین (یا سیّد نگاہی بن وجہ الدین بن ابو سعید بن وجہ الدین) بن اللہ رکھا بن غلام احمد بن ابراہیم بن یعقوب بن سیّد شاہین بن سیّد طاہر شہید بن شاہ نظام الدین بن سیّد ابنِ رسول بن سیّد محمد بن سیّد میربڈا بن شاہ نظام الدین بن سیّد عزالدین بن تاج الدین بن عزالدین بن سیّد عثمان بن شاہ سلیمان بن شاہ زید بن احمد زاہد بن حمزا علی بن ابو بکر علی بن عمر علی بن محمد بن شاہ احمد توختہ بن علی بن حسن بن محمد مدنی بن حسن بن موسیٰ حمصہ بن علی بن حسین اصغر بن علی بن حسین بن علی (علیہم السّلام)۔[2]

شبیر حسین

بہار بخش کے فرزند شبیر حسین اپنے والد اور ان کے بھائیوں کے اکیلے وارث تھے اس لیے ان کی پرورش بڑے لاڈ پیار میں ہوئی۔ وہ اپنے نانا محمد بخش کے گھر گوہلہ جاتے رہتے تھے۔ ان کی شادی کبری دختر محمد بخش سے سیدکھیڑی میں ہوئی۔ شبیر کے دادا، نانا اور سسر تینوں کا نام محمد بخش تھا۔ شبیر اور کبری کے ایک فرزند سجاد حسین ہوئے۔ شبیر کسی بات پر اپنی زوجہ سے ناراض ہو گئے اور انہیں سیدکھیڑی چھوڑ آئے۔ سجاد نے اپنے نانا کے گھر ہوش سنبھالا۔ پانچ سال بعد شبیر اپنی بیوی اور بیٹے کو واپس لے آئے۔ لاڈ پیار میں پلے بڑھے شبیر کو خوشبو لگانے کا بہت شوق تھا۔ وہ جہاں سے گزرتے فضا مہک جاتی تھی۔ وہ شاہ خرچ تھے اس لیے انہیں اپنی زمین بھی رہن رکھنی پڑی۔

شبیر کو کسی بزرگ نے بتایا کہ انہیں موت اونچائی سے گرنے پر آئے گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی سواری سے گریں یا چھت سے۔ بہرحال اوپر سے نیچے گرنا ان کی موت کا باعث ہو گا۔ اس پیشن گوئی کے بعد شبیر نے چھت پہ چڑھنا اور اپنی گھوڑی پر سوار ہونا چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد کسی ضروری کام سے انہیں اپنے نانا کے گھر گوہلہ جانا پڑا۔ صبح کا وقت تھا۔ انہوں نے اپنی زوجہ سے کہا کہ وہ گوہلہ جا رہے ہیں، دوپہر تک واپس آ جائیں گے اور کھانا گھر آ کر کھائیں گے۔ انہوں نے اپنی زوجہ سے ساگ پکا کر رکھنے کا بھی کہا۔ اس کے بعد انہوں نے حسبِ معمول خوشبو لگائی اور بزرگ کی پیشن گوئی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی گھوڑی پر سوار ہو کر گوہلہ روانہ ہو گئے۔ سیانہ سے گوہلہ تک ۱۷ میل کا سفر بخیریت طے ہو گیا لیکن گاؤں میں داخل ہوتے ہی گھوڑی بے قابو ہو گئی۔ ہر چند کوشش کے باوجود گھوڑی ان کے قابو میں نہ آئی اور اسی حالت میں ان کے نانا کے گھر کے دروازہ میں داخل ہوئی۔ دروازہ کی اوپر والی لکڑی سے شبیر کا سر ٹکرایا۔ وہ نیچے گرے اور موقع پر ہی وفات پا

---

۱ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۲ مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ — سیّد قمر عباس بن زین العابدین حسینی ترمذی — ص ۲۶۹ — محمود برادرز پرنٹرز، گوالمنڈی، راولپنڈی — ۱۴۳۶ھ - ۲۰۱۵ء
شجرہ نسب ترمذی سادات

گئے۔ سیانہ میں ان کی زوجہ ان کے لیے کھانا بنا کر ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ لیکن شبیر کی بجائے ان کی لاش پہنچی تو گھر میں کہرام بپا ہو گیا۔[1]

سفید پوش سجاد حسین

سجاد حسین کے والد شبیر حسین عین جوانی میں فوت ہوئے۔ سجاد اس وقت بچّے تھے اور علاقہ میں اپنے والد کی با اثر حیثیت کا عملی وارث بننا ان کے بس میں نہ تھا۔ سیانہ کے سیّدوں کو علاقہ میں شبیر کے ہندو مخالفین کی جانب سے سجاد کو نقصان پہنچانے کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے گوہلہ میں شبیر کے نانکوں سے سجاد کی سرپرستی اور حفاظت کی ذِمّہ داری لینے کا کہا۔ تاہم گوہلہ والوں نے کہا کہ سجاد کے نانکوں کو یہ ذِمّہ داری لینی چاہیے۔ اس پر سیانہ کے سیّدوں نے سید کھیڑی میں سجاد کے نانکوں تک سجاد کے بارے میں اپنے خدشات پہنچائے جس کے نتیجہ میں سجاد کے ماموں محمد نقی ولد محمد بخش سید کھیڑی سے سیانہ آ گئے اور سجاد کے جوان ہونے تک کئی سال وہاں رہے۔ نقی نے سجاد کی سرپرستی اور حفاظت کا فرض بخوبی ادا کیا اور اس حوالہ سے اپنے ذاتی اور خانگی نقصان کی بالکل پرواہ نہ کی۔[2]

سجاد کے آباء کی گزشتہ آٹھ نسلوں میں زمین مستقل طور پر تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ ہر نسل میں ایک بیٹا پیدا ہوا یا پھر نسل ایک ہی بیٹے کی آگے چلی۔ سجاد کے چھ آباء محمد علی، سیّد احمد، سیّد کوڑا، خیرات علی، روشن علی اور بہار بخش کے ہاں ایک ایک فرزند پیدا ہوا جب کہ دو آباء احسان علی اور محمد بخش کے ہاں تین تین فرزند پیدا ہوئے۔ تاہم ان دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک کے دو بیٹے لاولد رہے۔[3] اس طرح دو مرتبہ زمین تقسیم ہوئی لیکن پھر ایک کے پاس جمع ہو گئی۔ جب کہ سیانہ کے دوسرے سیّدوں کی زمین تقسیم ہوتی رہی۔ اسی لیے سجاد کے ہم عصر سیانہ کے سیّدوں کے پاس ان کے مقابلہ میں زمین بہت کم تھی۔

سجاد کو لینڈ لارڈ کہتے تھے۔ وہ آدھے گاؤں کے مالک تھے یعنی ان کی زمین اتنی تھی جتنی سب گاؤں والوں کی ملا کر تھی۔ وہ حکومت کی طرف سے سفید پوش تعینات تھے اور بڑا زمیندار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شریف النفس انسان تھے۔ لوگ ان کا احترام کرتے تھے اور انہیں میر صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔[4] سیّد محمود علی کہتے تھے کہ پیہوہ کا تھانیدار جب ٹرانسفر ہوتا تو اپنی جگہ آنے والے افسر کی راہنمائی کے لیے لکھ کر جاتا تھا: ”اگر صحیح فیصلہ کرنا ہو تو سیّد سجاد حسین کو ثالث مانا جائے کیونکہ وہ بہت ایماندار اور دیانتدار آدمی ہے اور فیصلہ صحیح کرتا ہے۔“[5]

---

۱ سیّدہ اصغری خاتون دختر سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۵ اگست ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

۳ شجرہ نسب ترمذی سادات

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۵ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء

سجاد کے مکان میں دیوان خانہ کا ایک بڑا گیٹ تھا جس کے بعد کھلا صحن اور لمبی دہلیز تھی۔ ایک کافی اونچا چبوترا تھا جس پر مہمانوں کو ٹھہرانے کے لیے کمرے بنے ہوئے تھے۔ لوگوں کے بیٹھنے کے لیے علیحدہ کمرے تھے۔ ان کمروں سے آگے جانوروں کے لیے کھلی جگہ تھی اور بھوسا رکھنے کے لیے کوٹھے بنے ہوئے تھے۔ اس سے آگے ۲۰ فٹ چوڑی اور خاصی لمبی جگہ چھتی ہوئی تھی اور ایک دروازہ لگا ہوا تھا۔ یہاں سردیوں میں جانور باندھتے تھے۔ پھر ایک کنوئی تھی جس کے اردگرد پانچ سات مرلے خالی جگہ تھی۔ اس سے آگے رہائشی مکان تھا جس میں دائیں طرف طویل برآمدہ اور رہائشی کمرے بنے ہوئے تھے۔ سامنے سجاد کے بڑے فرزند اقبال نے اپنے لیے نئے کمرے بنوائے تھے جو سامانا کے مستری شریف نے بنائے تھے۔ بائیں طرف دیوار کے ساتھ چھتی ہوئی دہلیز تھی۔ ادھر سے گلی کی طرف دروازہ تھا۔ مستورات گھر میں آنے جانے کے لیے یہی دروازہ استعمال کرتی تھیں جب کہ مرد دیوان خانہ کے مرکزی دروازہ سے آتے جاتے تھے[1]۔ گائیوں اور بھینسوں کے علاوہ سجاد کے پاس ایک گھوڑی بھی تھی۔ انہیں شکار کرنے کا شوق تھا اور انہوں نے ایک جرمنی کی بنی ہوئی بندوق رکھی ہوئی تھی۔ وہ سیانہ کے جنگل میں ہرن کا شکار کرتے تھے۔[2]

سجاد کے دو کنویں روشن والا اور نواں والا تھے اور تیسرے کنویں درگاہی والا میں وہ احمد حسین ولد جمیل الدین کے ساتھ برابر کے حصہ دار تھے۔[3] سیانہ میں سیّدوں کی بہت سی زمینیں مشترک تھیں جن کے بڑے حصّہ پر جنگل تھا۔ ان زمینوں کا انتظام سجاد کے ہاتھ میں تھا۔ وہ جنگل کو ٹھیکہ پر دیتے اور حاصل ہونے والی آمدنی کو حصہ داروں میں تقسیم کر دیتے تھے۔[4]

سجاد نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے کاظمی دختر محمد امیر سے گوہلہ میں کی۔ کاظمی ان کے والد کی ماموں زاد بہن تھیں۔ سجاد اور کاظمی کے دو بیٹے افضال حسین اور اقبال حسین اور ایک بیٹی اصغری ہوئیں۔ افضال اور اصغری بچپن میں فوت ہو گئے۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد سجاد نے دوسری شادی رضیہ فاطمہ عرف جیا دختر محمد عسکری نمبردار سے سیدکھیڑی میں کی اور ہندوستان میں ان کے تین بیٹے محمد زمان، جرار حسین اور حسنین علی اور چار بیٹیاں اقبال فاطمہ، اصغری خاتون، مشتاق فاطمہ اور اقبال زہرا ہوئیں۔[5] سجاد اور ان کی اولاد کو گاؤں میں دوسروں سے زیادہ پڑھا لکھا سمجھا جاتا تھا۔[6]

---

۱ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

۲ سیّد محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کبیر والا — ۲ دسمبر ۲۰۱۸ء

۳ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۰ جنوری ۲۰۱۱ء

۴ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — یکم ستمبر ۲۰۱۱ء

۵ سیّدہ اصغری خاتون دختر سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۱۶ جون ۲۰۱۸ء

۶ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۰ جنوری ۲۰۱۱ء

اقبال حسین

سجاد کے فرزند اقبال حسین نے سیانہ کے سکول سے تعلیم حاصل کی۔ بڑے ہو کر وہ زمینداری میں اپنے والد کا ہاتھ بٹانے لگے۔ گاؤں میں ان کے پاس چینی کا ایک ڈپو بھی تھا۔[۱] ٹھسکہ کے سیّد محمد مختار کے مطابق: "اقبال کے ساتھ میری دوستی تھی۔ وہ بہت مہمان نواز تھا۔ میں جب بھی سیانہ جاتا اس کے گھر ٹھہرتا تھا۔ وہ میرے ساتھ خوب باتیں کرتا تھا۔"[۲]

اقبال نے ۱۹۳۹ء کے لکھنؤ ایجی ٹیشن میں گرفتاری پیش کی۔[۳]

اقبال کی شادی صفدری دختر محمد نقی سے سید کھیڑی میں ہوئی۔ صفدری ان کے والد کی ماموں زاد بہن تھیں۔[۴] ٹھسکہ کے محمد مختار اپنے چچا قاضی سجاد حسین وغیرہ کے ساتھ اقبال کی شادی میں شرکت کے لیے میراں بھیک کے مزار کی رتھ میں بیٹھ کر آئے۔ یہ رتھ بہت خوبصورت انداز میں سجی ہوئی تھی۔ ٹھسکہ کے سیّد اپنی شادیوں میں اس رتھ کو استعمال کرتے تھے۔ اقبال کے والد سجاد اس رتھ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا: "دولہا اس رتھ میں بیٹھ کر جائے گا۔" سجاد نے جو رتھ اقبال کی شادی کے لیے تیار کی تھی وہ مختار اور ان کے چچا سجاد وغیرہ کو بارات میں جانے کے لیے دے دی اور ان سے میراں بھیک کے مزار والی رتھ اقبال کے لیے لے لی۔[۵] اقبال اور صفدری کے ایک بیٹا اشفاق حسین اور دو بیٹیاں عذرا بتول عرف اجری اور بتول زہرا عرف ادی ہوئیں۔[۶]

محمد زمان

سجاد کے بیٹے محمد زمان نے پرائمری تک تعلیم سیانہ کے سکول سے حاصل کی۔ پیہوہ سکول سے انہوں نے لوئر مڈل پاس کیا جس کے بعد وہ کیتھل چلے گئے اور وہاں سے ایک سال میں جونیئر کا امتحان پاس کیا۔ پھر انہوں نے اسماعیل آباد سکول میں ساتویں کلاس میں داخلہ لیا۔ وہاں وہ سکول کے بورڈنگ ہاؤس میں رہتے تھے۔[۷] اسماعیل آباد سے مڈل کرنے کے بعد انہوں نے نویں کلاس میں پونڈری کے سکول میں داخلہ لیا۔ فرحت کاظمی جو راحت حسین کے کزن تھے پونڈری سکول میں زمان کے ہم جماعت تھے اور ان کا آپس میں مذاق چلتا تھا۔[۸] زمان نے پونڈری سکول میں نویں جماعت ہی پاس کی تھی کہ ان کی شادی عزیز فاطمہ دختر ذیلدار کاظم حسین سے گوہلہ میں ہو گئی۔ زمان کی بارات کے گوہلہ میں دو دن کے قیام کے دوران

---

۱ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء
۲ سیّد محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کبیر والا — ۷ مارچ ۲۰۱۱ء
۳ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء
۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری- ۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
۵ سیّد محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۰ نومبر ۲۰۰۵ء
۶ سیّدہ اصغری خاتون دختر سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۱۶ جون ۲۰۱۸ء
۷ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء
۸ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۷ دسمبر ۲۰۰۸ء

کُشتیاں بھی ہوئیں۔ دولہا کی کُشتی راجگڑھ کے غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار سے ہوئی۔ زمان نے یہ مقابلہ جیت لیا۔ ان کی جیت کی خبر عورتوں سے ہوتی ہوئی ان کی دلہن تک بھی اسی وقت پہنچی۔[۱]

جرار حسین

سجاد کے بیٹے جرار حسین نے سیانہ سکول سے چار جماعتیں پاس کیں۔ پھر انہوں نے راجپورہ سکول میں پانچویں کلاس میں داخلہ لیا۔ وہ سیدکھیڑی میں اپنے نانا محمد عسکری نمبردار کے گھر رہتے تھے اور گاؤں کے دوسرے بچّوں کے ساتھ روزانہ تین میل پیدل چل کر پڑھنے کے لیے سکول جاتے تھے۔ سیدکھیڑی کے خادم حسین ولد نذر حسین ان کے ہم جماعت تھے۔ سکول جاتے ہوئے چھ ماہ گزرے تھے کہ وہ اپنے ہم جماعت خادم کے ساتھ گھر سے بھاگ گئے۔ دو راتیں اور تین دن گھر سے باہر گزارنے کے بعد وہ سیدکھیڑی واپس آ گئے۔ اس واقعہ کے بعد ان کے بڑے بھائی اقبال انہیں سیانہ واپس لے آئے۔ پھر جرار کے والد نے انہیں اسماعیل آباد سکول میں پانچویں کلاس میں داخل کروا دیا۔ جب انہوں نے داخلہ لیا تو ان کے بڑے بھائی محمد زمان اسی سکول سے مڈل کر کے جا چکے تھے۔ جرار اپنے بڑے بھائی کی طرح سکول کے بورڈنگ ہاؤس میں رہتے تھے۔ ٹھسکہ اور گمن کھیڑی میں ان کے عزیز رہتے تھے اور یہ دونوں گاؤں اسماعیل آباد کے قریب تھے۔ جرار عموماً ایک ہفتہ چھٹی کے روز ٹھسکہ میں قاضی محمد شفیع کے گھر اور دوسرے ہفتہ چھٹی کے روز گمن کھیڑی میں کنیز فاطمہ دختر بابو احمد کے گھر چلے جاتے تھے۔ تقسیم ہند کے وقت جرار ساتویں کلاس میں پڑھتے تھے۔[۲]

حسنین علی

سجاد کے بیٹے حسنین علی نے سیانہ سکول سے چار جماعتیں پاس کیں۔ انہوں نے وظیفہ کا امتحان پاس کیا۔ پھر ان کے والد نے انہیں اسماعیل آباد مڈل سکول میں پانچویں کلاس میں داخل کروا دیا۔ وہاں انہیں چار روپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ان دنوں اگر کِسی فوجی کا بچّہ وظیفہ کا امتحان پاس کرتا تو اسے ۱۰ روپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا لیکن شرط یہ تھی کہ وہ بورڈنگ ہاؤس میں رہے۔ اگر کِسی شہری کا بچّہ وظیفہ کا امتحان پاس کرتا تو اسے چار روپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا لیکن شرط یہ تھی کہ وہ مزید تعلیم جاری رکھے۔ حسنین نے جب پانچویں کلاس میں داخلہ لیا تو ان کے بڑے بھائی جرار حسین اسی سکول میں چھٹی کلاس میں تھے۔ حسنین بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح بورڈنگ ہاؤس میں رہتے تھے۔ سیانہ کے ہندو پنڈت کا بیٹا راجہ رام پنڈت، ٹھسکہ کے قریبی گاؤں بھوس تلہ کا محمد رمضان اور بودنی گاؤں کا شیر علی سکول میں حسنین کے ہم جماعت تھے۔ تقسیم ہند کے

---

۱ سیّد محمد زمان ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد ارشد زمان انجم ولد محمد زمان بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۷ دسمبر ۲۰۰۸ء، ۱۹ ستمبر ۲۰۱۰ء

۲ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

وقت حسنین چھٹی کلاس کے طالب علم تھے۔[1]

علی حسین عرف دکنی

علی حسین کے والد غلام علی اور دادا امام علی تھے۔ وہ اپنے بزرگوں کی طرح سیانہ سے حیدرآباد دکن چلے گئے اور وہاں فوج میں ملازم ہو گئے۔ وہ دفعہ دار کی حیثیت سے تعینات تھے اور حیدرآباد کے علاقہ اورنگ آباد میں رہتے تھے۔ ان کے ایک بیٹا محبوب علی اور ایک بیٹی تھیں۔ اپنی بیٹی کی شادی انہوں نے اورنگ آباد ہی میں کی۔ ان کے فرزند محبوب نے اورنگ آباد میں مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد علی حسین سیانہ آ گئے اور باقی زندگی وہیں گزاری۔[2]

علی حسین اور ان کی اولاد کو سیانہ میں دکنی کہتے تھے کیونکہ وہ اور ان کے بزرگ دکن جا کر ملازمت کرتے رہے۔ وہ جب اپنے عزیزوں کو ملنے سیانہ آتے تو ہاتھی پر بیٹھ کر آتے تھے۔ علی حسین کے فرزند محبوب علی اپنے بزرگوں کی طرح ملازمت کے لیے سیانہ سے باہر نہیں گئے۔ وہ زمینداری کرتے تھے۔ ان کی پہلی شادی بھور میں ہوئی اور ان کے ایک فرزند خورشید علی ہوا جو بچپن میں فوت ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد ان کی بیوی بھی فوت ہو گئیں۔[3] محبوب نے دوسری شادی کلثوم سے گھگر سرائے میں کی۔ کلثوم کی تین اور بہنیں تھیں جب کہ بھائی کوئی نہ تھا۔ کلثوم کو ورثہ میں چار سو بیگھے زمین ملی۔ محبوب کی اپنی زمین بھی چار سو بیگھے تھی۔ محبوب اور کلثوم کے دو بیٹے اعجاز علی اور محمود علی ہوئے۔ محبوب اپنے چھوٹے بیٹے محمود کی پیدائش سے پانچ ماہ پہلے عین جوانی میں فوت ہو گئے۔ وہ اپنے والد علی حسین کی زندگی میں فوت ہوئے۔ علی حسین نے اپنی بیوہ بہو کلثوم کی شادی اپنے بھانجے محسن علی ولد نجابت علی سے کر دی جو اسی محلہ میں رہتے تھے[4] اور چڑوں میں سے تھے۔

علی حسین نے اپنے دونوں پوتوں اعجاز اور محمود کی پرورش خود کی۔ اپنے یتیم پوتوں کو پڑھانے کے لیے انہوں نے ایک پٹواری کی خدمات پانچ روپے ماہانہ پر حاصل کیں اور اپنی ایک بھتیجی کے ذِمّہ بھی بچّوں کو پڑھانا لگایا۔ پھر محمود کو پڑھانے کی ذِمّہ داری ان کی پھوپھی شہر بانو کو دی جو سیانہ ہی میں رہتی تھیں جب کہ بڑے پوتے اعجاز کو سامانا بھیج دیا۔ اعجاز وہاں اپنی رشتہ میں پھوپھی بسم اللہ دختر نجابت علی کے پاس رہے۔ دکن میں ملازمت کے دوران علی حسین نے بہت سی اشرفیاں بھی اکٹھی کی تھیں۔ وہ اشرفیاں انہوں نے گاؤں میں چھ مختلف بنیوں کے پاس رکھوا دیں تاکہ ان میں سے ایک یا دو اگر بے ایمان بھی ہو جائیں تو باقی ان کی وفات کے بعد ان کے پوتوں کو مل جائیں۔[5] علی حسین ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۱ء میں فوت ہوئے اور اس وقت ان کے چھوٹے پوتے محمود کی عمر ۱۱ سال تھی۔ انہوں نے مرنے سے پہلے میر سجاد حسین کو اپنے پوتوں کا سرپرست

---

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء
۲ سیّد غلام عباس ولد محمود علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۴ اگست ۲۰۰۷ء
۳ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء
۴ سیّد غلام عباس ولد محمود علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۴ اگست ۲۰۰۷ء
۵ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

بنایا۔[1]

علی حسین اور ان کے بزرگوں کا ذکر شجرہ نسب ترمذی سادات میں ہے۔ ان کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے: علی حسین بن غلام علی بن امام علی بن احمد شاہ بن قاسم بن محبوب علی بن سیّد افضل بن سیّد حسین (اہل علم) بن نُور الدین حسین (یا سیّد نگاہی بن وجہ الدین بن ابو سعید بن وجہ الدین) بن اللہ رکھا بن غلام احمد بن یعقوب بن سیّد شاہین بن سیّد طاہر شہید بن ابنِ علی بن سیّد محمد بن سیّد میربڈا بن شاہ نظام الدین بن عزالدین بن تاج الدین بن عزالدین بن سیّد عثمان بن شاہ سلیمان بن شاہ زید بن احمد زاہد بن حمزا علی بن ابوبکر علی بن عمر علی بن محمد بن شاہ احمد توختہ بن علی بن حسن ثانی بن محمد مدنی بن حسن بن موسیٰ حمصہ بن علی بن حسین اصغر بن علی بن حسین بن علی (علیہم السّلام)۔[2]

اعجاز علی نمبردار

اعجاز علی کے والد محبوب علی اور دادا علی حسین تھے۔ انہوں نے سامانا میں تعلیم حاصل کی۔ وہ جب آٹھویں جماعت میں پہنچے تو خاندانی جھگڑوں کے باعث انہیں سیانہ واپس آنا پڑا۔ بعدازاں انہوں نے آٹھویں جماعت کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پرائیویٹ پاس کیا۔ اس وقت بورڈ وجود میں نہیں آئے تھے اور سب امتحان یونیورسٹی ہی لیتی تھی۔ آٹھویں پاس کرنے کے بعد اعجاز کچھ عرصہ گوہلہ سکول میں مدرس کی حیثیت سے تعینات رہے۔ پھر وہ سیانہ واپس آ گئے اور اپنی زمینوں سے منسلک ہو گئے۔ وہ گاؤں میں نمبردار بھی تھے۔ اعجاز کی شادی سروری بیگم دختر احمد حسین سے سیانہ میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے دو بیٹے سیّد علی اور محمد علی اور دو بیٹیاں سیّدہ بیگم اور جمیلہ بیگم ہوئیں۔

سیّد علی

اعجاز علی کے بڑے بیٹے سیّد علی ۱۹۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے سیانہ کے پرائمری سکول سے چار جماعتیں پاس کر لیں تو اسماعیل آباد مڈل سکول میں داخلہ کا پروگرام بنایا۔ اسماعیل آباد سکول میں داخل ہونے سے پہلے سیّد علی اپنے والد کے ہمراہ ٹھسکہ گئے تو وہاں اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع نے انہیں بتایا کہ اسماعیل آباد سکول میں طلباء بینچوں پر بیٹھتے ہیں۔ سیّد علی کے لیے یہ ایک نئی بات تھی کیونکہ انہیں پتہ نہیں تھا کہ بینچ کیسا ہوتا ہے۔ ان کے پوچھنے پر اصغر نے کچھ تشریح کی لیکن سیّد علی کا تجسّس اس وقت تک قائم رہا جب تک انہوں نے اسماعیل آباد سکول جانا شروع نہیں کر دیا۔ جب سیّد علی نے پانچویں کلاس میں داخلہ لیا تو ان کے عزیزوں میں سے ٹھسکہ کے اصغر مہدی اور گوہلہ کے زائر حسین ولد زوّار حسین نے بھی اسی سکول میں پانچویں کلاس میں داخلہ لیا۔ سیّد علی بورڈنگ ہاؤس میں رہتے تھے۔ وہاں سیانہ کے محمد زمان ولد سجاد حسین بھی

---

۱ سیّد غلام عباس ولد محمود علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۲ شجرہ نسب ترمذی سادات

مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ — ص ۲۶۷

تھے جو اس وقت آٹھویں کلاس میں پڑھتے تھے۔ بورڈنگ ہاؤس میں کھانے کی تقسیم کے وقت ہندو منتظمین کا مسلمان بچّوں کے ساتھ اچھوتوں والا سلوک سیّد علی کو تکلیف پہنچاتا تھا۔ وہ اپنے گاؤں میں بڑی عزّت و وقار کے ساتھ رہتے تھے جب کہ بورڈنگ ہاؤس میں متعصب ہندوؤں کا راج تھا۔ بہرحال اپنے ہندو ہم جماعتوں کے ساتھ سیّد علی کی دوستی تھی اور کبھی کسی سے لڑائی بھی ہو جاتی تھی۔ تقسیم ہند کے وقت سیّد علی آٹھویں کلاس میں پڑھتے تھے جب کہ ان کے چھوٹے بھائی محمد علی تین سال کے تھے۔[1]

محمود علی

محمود علی کے والد محبوب علی اور دادا علی حسین تھے۔ وہ چونکہ گھر میں چھوٹے تھے اور اپنے والد کی وفات کے پانچ ماہ بعد پیدا ہوئے اس لیے وہ اپنے دادا علی حسین کے لاڈلے تھے۔ بہت زیادہ لاڈ پیار کی وجہ سے وہ باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ وہ اچھے مرثیہ خوان اور نوحہ خوان تھے۔ تاہم ان کا زیادہ وقت گتکا کھیلنے اور گانے بجانے میں گزرتا تھا۔[2] وہ عموماً رات کے وقت گھڑا بجاتے اور گانے گاتے تھے۔ سیّد محمود علی خود یہ کہتے تھے: ”میں نے ۳۲ سال کی عمر میں گانے بجانے سے توبہ کی۔“ [3] ان کے دادا نے جو اشرفیاں بنیوں کے پاس رکھی تھیں وہ بھی انہوں نے اپنی شاہ خرچیوں میں اڑا دیں۔ ان کے بڑے بھائی اعجاز چونکہ تعلیم اور ملازمت کے سلسلہ میں گاؤں سے باہر رہے اس لیے انہیں ان اشرفیوں میں سے کچھ بھی نہ ملا۔[4] اگرچہ اعجاز نمبردار تھے لیکن حقیقی نمبرداری محمود نے کی۔

محمود کی شادی ذاکری خاتون سے جندھاں میں ہوئی جو ریاست پٹیالہ میں راجپوتوں کا ایک گاؤں تھا۔ محمود کا رشتہ گوہلہ کے ذیلدار کاظم حسین نے کروایا تھا۔ محمود اور ذاکری خاتون کے تین بیٹے غلام عباس، اکرام عباس اور مختار عباس اور ایک بیٹی اختری بیگم ہندوستان میں ہوئیں۔ غلام عباس پانچ سال کی عمر میں اپنے نانا کے گاؤں چلے گئے اور دو اڑھائی سال وہیں رہے۔ تقسیم ہند کے وقت وہ اپنے نانا کے پاس تھے۔[5]

فدا حسین

محبوب علی ولد علی حسین کے ایک چچا زاد بھائی فدا حسین تھے۔ وہ پولیس میں ملازم تھے۔ ایک دفعہ سپرانٹنڈنٹ پولیس نے کسی بات پر ان کی سرزنش کی تو انہوں نے بھی الٹا جواب دے دیا جس کے نتیجہ میں انہیں معطل کر دیا گیا۔

---

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر، ۱۲ دسمبر ۲۰۱۰ء

۲ سیّد غلام عباس ولد محمود علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۴ اگست ۲۰۰۷ء

۳ سیّد محمود علی ولد محبوب علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد امجد علی رضا ولد عبدالعلی بالمشافہ — لاہور — ۴ اگست ۲۰۰۷ء

۴ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

۵ سیّد غلام عباس ولد محمود علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۴ اگست ۲۰۰۷ء

ملازمت سے معطلی کے بعد وہ ٹھسکہ چلے گئے۔ وہاں انہوں نے ایک شخص کو قتل کر دیا اور گمتھلا جا کر رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد وہ سیانہ واپس آ گئے۔[۱] فدا کی شادی حیدری سے سامانا میں ہوئی۔ ایک دفعہ حیدری پردہ کیے بغیر گھر سے باہر نکلیں۔ کسی نے یہ بات فدا کو بتا دی۔ اس پر فدا اتنے ناراض ہوئے کہ اپنی بیوی کو ان کے والدین کے پاس سامانا چھوڑ آئے اور تا حیات واپس نہ لائے۔ فدا سیانہ میں لاولد فوت ہوئے جب کہ ان کی زوجہ تقسیم ہند کے بعد منڈی بہاؤالدین آکر فوت ہوئیں۔[۲]

جمیل الدین

جمیل الدین کے والد ہدایت حسین تھے۔ وہ زمینداری کرتے تھے اور پٹواری بھی تعینات تھے۔ ان کی ایک بہن جینی تھیں جن کی شادی شہادت علی سے ہوئی۔ جمیل الدین کی شادی سیدکھیڑی میں سیّدوں کے تیسرے محلہ کے رہائشی باقر علی کی بیٹی رتّی سے ہوئی اور ان کے دو بیٹے احمد حسین اور محمد حسن ہوئے۔ اپنے چھوٹے بیٹے محمد حسن کی پیدائش سے دو ماہ پہلے جمیل الدین کا انتقال ہو گیا۔ ان کی بیوہ رتّی اپنے بچّوں کو لے کر اپنے والد باقر علی کے گھر سیدکھیڑی چلی گئیں۔ باقر علی نے اپنی بیٹی رتّی سے وعدہ کیا کہ وہ اپنی زمین اسے دے دیں گے۔ اس وقت تک باقر کی دو ہی بیٹیاں تھیں۔ ایک رتّی بیوہ جمیل الدین تھیں اور دوسری سیدکھیڑی میں سیّدوں کے دوسرے محلہ کے رہائشی دلاور حسین کی زوجہ جعفری تھیں۔ کچھ عرصہ بعد باقر نے دوسری شادی کر لی اور ان کے ایک بیٹا محمد رمضان اور ایک بیٹی بانو پیدا ہوئیں۔ بیٹے کی پیدائش کے بعد باقر نے اپنی بیٹی رتّی سے کیے گئے وعدہ کو پورا کرنے سے معذرت کر لی جس کے بعد رتّی اپنے بچّوں کے ساتھ سیانہ واپس آ گئیں۔[۳]

احمد حسین عرف احمد نفِٹ

جمیل الدین کے بیٹے احمد حسین کا بچپن سیدکھیڑی میں شرارتیں کرتے ہوئے گزرا۔ وہ جوان ہوئے تو پٹیالہ جا کر فوج میں بھرتی ہو گئے۔ وہ بلوچ رجمنٹ میں تعینات تھے۔ فوج میں ملازمت کے دوران انہوں نے پنجابی کا گرمکھی رسم الخط بھی سیکھا۔ احمد لمبے قد، بھرے جسم اور اچھی صحت کے مالک تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران وہ فوج میں ملازم تھے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح احمد کو بھی فوج سے برخاست کر دیا گیا تو وہ سیانہ آ گئے اور اپنے باپ دادا کی طرح زمینداری کرنے لگے۔ وہ اپنے زمانہ کے لحاظ سے ماڈرن طریقہ پر کاشتکاری کرواتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے زمین اچھی طرح تیار کی۔ بارشیں ہوئیں اور خوب چنے پیدا ہوئے۔ ان کے پاس ایک گھوڑی تھی اور ایک اونٹ تھا۔ ان کا ایک کنواں کھبو والا تھا جب کہ دوسرے کنویں درگاہی والا میں وہ سجاد حسین کے ساتھ برابر کے حصہ دار تھے۔ احمد اکثر اپنے

---

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۰ جنوری ۲۰۱۱ء

۲ سیّد غلام عباس ولد محمود علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۴ اگست ۲۰۰۷ء

۳ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء

رشتہ داروں کے ہاں سیدکھیڑی جاتے رہتے تھے۔ وہ کبھی اپنی گھوڑی اور کبھی اونٹ پر بیٹھ کر سیدکھیڑی پہنچ جاتے تھے۔ بیل گاڑی میں سیدکھیڑی کا سفر اس وقت کرتے جب ان کے گھر والے بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔

احمد کی شادی ان کی پھوپھی کی بیٹی ہاشمی دختر شہادت علی سے ہوئی۔ احمد اور ہاشمی کے دو بیٹیاں سروری بیگم اور سلمیٰ ہوئیں۔ ایک بیٹا بھی ہوا جو بچپن میں فوت ہو گیا۔ پہلی بیوی کی موجودگی میں احمد نے دوسری شادی حیدری دختر سجاد حسین سے سیدکھیڑی میں کی۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد حیدری بے اولاد فوت ہو گئیں۔[1] حیدری کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ان کے والد سجاد حسین نے سیدکھیڑی سے ایک چوڑھے کو سیانہ بھیجا تاکہ وہ احمد سے بھورا بیل مانگ کر لے آئے۔ چوڑھا آیا تو وہ احمد کے بھائی محمد حسن سے ملا اور اپنے آنے کا مقصد بتایا۔ احمد حسین اور محمد حسن دونوں بھائیوں کے گھر ایک احاطہ میں تھے اور درمیان میں دیوار نہیں تھی۔ محمد حسن نے اپنے بھائی کو چوڑھے کے آنے کی اطلاع دی اور کہا: ”سجاد نے تمہیں آزمایا ہے کہ پہلے تم اس کے داماد تھے اور اس کے کہنے پر سب کچھ دے دیتے تھے، اب بیل دیتے ہو کہ نہیں۔“ احمد نے چوڑھے سے کہا: ”بیل کھڑا ہے لے جاؤ۔“ سجاد بیل کے آنے پر خوش ہو گئے کہ احمد نے ان کی بیٹی فوت ہو جانے کے باوجود ان کی عزّت کی۔ پھر سجاد نے کوشش کر کے بروالہ میں احمد کا رشتہ کروا دیا۔ بروالہ میں سجاد کی کوئی عزیز داری تھی۔ جس عورت سے احمد کی شادی ہونی تھی اس کے چار بھائی تھے جن میں سے دو رشتہ پر راضی تھے اور دو راضی نہیں تھے۔ وہ دونوں بھائی جو رشتہ پر راضی نہیں تھے بروالہ سے سیانہ آئے اور احمد کی معاشی حیثیت کا اندازہ لگا کر گئے جس کے بعد احمد کی تیسری شادی نصیبن سے ہوئی۔[2]

احمد کی پہلی زوجہ ہاشمی سے بڑی بیٹی سروری بیگم بچپن میں کافی عرصہ سیدکھیڑی رہیں۔ وہاں سیّدوں کے پہلے محلہ میں مخدومہ فاطمہ عرف دومو دختر محمد عسکری نمبردار، ناصری خاتون دختر احمد حسین اور صفدری دختر محمد نقی سے ان کی دوستی تھی[3]۔ احمد کی چھوٹی بیٹی سلمیٰ نے سیانہ میں لڑکوں کے پرائمری سکول سے چار جماعتیں پاس کیں۔[4] احمد نے اپنی بیٹی سروری کی شادی سیانہ میں اعجاز علی ولد محبوب علی سے کی اور چھوٹی بیٹی سلمیٰ کی شادی سیدکھیڑی کے منظور حسین ولد دلاور حسین سے کی۔ منظور سلمیٰ کے والد احمد کے خالہ زاد بھائی تھے اور ان کی یہ دوسری شادی تھی۔[5]

---

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر، ۱۲ دسمبر ۲۰۱۰ء، ۲۰ جنوری ۲۰۱۱ء

۲ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء، ۲۵ مارچ ۲۰۱۹ء

۳ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

۴ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

۵ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

محمد حسن

محمد حسن اپنے والد جمیل الدین اور بڑے بھائی احمد حسین کی طرح کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ان کے پاس ایک گڈا تھا اور ایک رتھ بھی تھی۔ وہ گڈا خود چلاتے تھے اور لوگوں کا سامان مختلف جگہ پہنچاتے تھے۔ یہ ان کی مسلسل آمدنی کا ایک ذریعہ تھا۔ ان کی رتھ کو لوگ شادیوں کے مواقع پر کرایہ پر لیتے تھے۔[۱] ٹلہیڑی کا علی نواز ان کا پگڑی بدل بھائی بنا ہوا تھا۔ ٹلہیڑی راجپوتوں کا ایک گاؤں تھا۔ علی نواز کے خاندان والے مولی کہلواتے تھے۔ محمد حسن اور علی نواز ایک دوسرے کے ہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ علی نواز فوت ہو گیا جس کے بعد محمد حسن کچھ عرصہ ٹلہیڑی نہیں گئے تو علی نواز کا بھائی شاہنواز ان کے پاس آیا اور کہا: "میراں! علی نواز مرا ہے ہم تو نہیں مرے۔" اس کے بعد شاہنواز نے محمد حسن کے ساتھ بڑی دوستی نبھائی۔

محمد حسن کی شادی کلثوم عرف ثمی دختر عنایت علی سے میاں میں ہوئی۔ کلثوم حکیم جی علی حسین کی دوسری بیوی شبیراں کی بہن تھیں۔ محمد حسن اور کلثوم کے ہندوستان میں ایک بیٹا غلام حسن اور ایک بیٹی کنیز فاطمہ ہوئیں۔[۲] کنیز نے سیانہ میں لڑکوں کے سکول میں پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔[۳] ان کی شادی رتن کھیڑی کے شوکت حسین ولد احمد حسین سے ہوئی۔ کنیز کی شادی کے سارے انتظامات محمد حسن کے دوست شاہنواز نے کیے۔[۴]

جن دنوں محمد حسن سیانہ سے باہر ہوتے ان کی زوجہ کلثوم بیلوں کو پانی پلانے کے لیے رضا حسین ولد نُور محمد کو کہتی تھیں۔ رضا کنویں سے پانی بھر کر بیلوں کو پلا دیتے تھے۔ کلثوم بھی رضا کا بہت خیال رکھتی تھیں اور جو چیز وہ کہتے انہیں پکا کر کھلاتی تھیں۔ وہ عموماً رضا سے کہتی تھیں: "بیلوں کو پانی پلا دو، میں تمہارے لیے سویاں پکاتی ہوں۔" رضا سویاں کھانے کے شوق میں خوشی خوشی بیلوں کے لیے پانی بھر کر لے آتے تھے۔[۵] تقسیم ہند کے وقت محمد حسن کے فرزند غلام حسن چھ سال کے تھے۔

شہادت علی

شہادت علی زمینداری کرتے تھے۔ ان کی شادی جینی دختر ہدایت حسین سے سیانہ میں ہوئی۔[۶] شہادت اور جینی کے ایک بیٹا کاظم علی اور تین بیٹیاں کاظمی، ہاشمی اور فضلی عرف بودھو ہوئیں۔[۷] کاظمی کی شادی بھور کے محمد حسین نمبردار

---

۱ سیّدہ ثریا بیگم دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء

۲ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء

۳ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

۴ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء

۵ سیّدہ ثریا بیگم دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء

۶ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۷ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۲ دسمبر ۲۰۱۰ء

ولد بھیک محمد سے ہوئی۔ محمد حسین کی طبیعت میں مزاح تھا۔ وہ اپنی بہن بتول سے بھی مذاق کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ بھور میں تعزیہ کا جلوس نکالا گیا۔ تعزیہ پیپل کے ایک درخت میں پھنس گیا۔ محمد حسین نمبردار نے کہا: ”پیپل کاٹ دو۔“ ان کے کہنے پر کچھ لوگ کلہاڑی لا کر پیپل کو کاٹنے لگے۔ ہندوؤں نے پیپل کاٹنے کی مخالفت کی کیونکہ ان کے نزدیک یہ درخت مقدّس ہے۔ کشیدگی بڑھی تو ہندوؤں نے پولیس کو بلا لیا۔ پولیس نے آکر پیپل کا کاٹنا رکوا دیا۔ تھانیدار نے محمد حسین نمبردار سے کہا: ”تم اسی جوگے ہو۔“ محمد حسین دِل کے مریض تھے۔ کاظمی سے شادی کے ڈیڑھ سال بعد وہ سیانہ اپنے سسرال کے ہاں آئے ہوئے تھے کہ رات کا کھانا کھانے کے بعد ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ انہوں نے کہا: ”میرے بھائی چھوٹو کو بلاؤ۔“ چھوٹو کو نہیں بلایا گیا۔ کچھ دیر بعد محمد حسین فوت ہو گئے۔ انہیں سیانہ ہی میں دفن کر دیا گیا۔ ان کی وفات کے دو ماہ بعد کاظمی کے ایک بیٹی پیدا ہوئی جو چھ ماہ کی عمر میں فوت ہو گئی۔[1] کاظمی پھر سیانہ آ گئیں اور اپنے بھائی کاظم علی کے پاس رہنے لگیں۔ شہادت علی کی دوسری بیٹی ہاشمی کی شادی سیانہ کے احمد حسین ولد جمیل الدین سے ہوئی اور تیسری بیٹی فضلی کی شادی ٹھسکہ کے عطا حسین ولد نُور محمد سے ہوئی۔

کاظم علی

شہادت علی کے فرزند کاظم علی اپنے والد کی طرح زمینداری کرتے تھے اور اپنے جانور چَرانے کے لیے جنگل میں لے جاتے تھے۔ وہ ایک خوش خوراک اور طاقتور شخص تھے۔ وہ دودھ میں آٹا گوندھ کر گھی میں پکاتے اور کھاتے تھے۔ ایک دن کاظم جنگل میں اپنے جانور چَرا رہے تھے کہ ایک چور نے انہیں زیر کر کے لوٹنا چاہا۔ چور نے پیچھے سے آکر ان کی کمر پر زور سے لاٹھی ماری۔ کاظم نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور کہا: ”بھینس پونچھ نہ مار۔“ چور نے بھاگنے میں ہی عافیت سمجھی۔

کاظم کی شادی کبری دختر امداد علی سے سیدکھیڑی میں ہوئی۔ کبری کی ایک بہن کماں تھیں جب کہ بھائی کوئی نہ تھا۔ کاظم اور کبری کے دو بیٹے خورشید علی اور عالم علی اور ایک بیٹی رقیہ ہوئیں۔ رقیہ کی شادی سیانہ ہی میں امیر علی سے ہوئی۔ ان کے ایک بیٹا ہوا جو فوت ہو گیا۔ بعدازاں امیر علی اور رقیہ بھی سیانہ ہی میں فوت ہو گئے۔ کاظم علی عید الفطر کے دن فوت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کی بیوہ کبری نے چھوٹی عید کے دن کبھی نئے کپڑے نہیں پہنے۔ کبری ایک سمجھدار خاتون تھیں۔ وہ اپنے گھر کی چیزیں سنبھال کے رکھتی تھیں۔ اپنے خاوند کی وفات کے بعد اپنے گھر میں ان کا مکمل کنٹرول تھا۔ ان کے بیٹے ہر کام میں ان سے مشورہ کرتے تھے۔ وہ گاؤں میں دادی رڑے والی کے نام سے مشہور تھیں۔ سب گاؤں والوں کو پتہ تھا کہ ضرورت کی کوئی چیز اگر کہیں نہ ملے تو دادی رڑے والی کے پاس مل جائے گی۔ کبری اپنے ایک بازو پہ کلائی سے کُہنی تک چاندی کا ایک چوڑا ہر وقت پہنے رکھتی تھیں۔[2]

۱　سیّدہ زبیدہ بیگم دختر نُور محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۲　سیّدہ ثریا بیگم دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء

خورشید علی و عالم علی

کاظم علی کے بڑے بیٹے خورشید علی اپنی زمین کاشت کرتے تھے جب کہ چھوٹے بیٹے عالم علی اپنے مویشی چَراتے تھے۔[1] ان کے پاس ہر وقت ۵۰، ۶۰ بھینسیں اور ۳۰، ۳۵ گائیں ہوتی تھیں۔ مسیتا دسیوں سال خورشید اور عالم کا نوکر رہا۔ بوڑھا ہونے کے باوجود وہ مشین سے زیادہ باریک پٹھے کاٹتا تھا۔ لال خان بھی پانچ چھ سال ان کا نوکر رہا۔[2] رولیا ڈوگر بھی ان کا نوکر تھا جو زمین پر خورشید کے ساتھ کام کرواتا تھا۔[3] خورشید کو سیدا بولا کہتے تھے کیونکہ انہیں کم سنتا تھا۔[4] عالم صبح اذان سے پہلے اپنے جانور چَرانے کے لیے جنگل لے جاتے اور مغرب کے وقت واپس آتے تھے۔ جنگل میں مچھروں کی کثرت تھی۔ عالم اپنے پاس نیم کی ایک ٹہنی رکھتے اور اسے اپنے پاؤں، ٹانگوں اور ہاتھوں پر مچھر اڑانے کے لیے مارتے رہتے تھے۔ عالم بہت سیدھے سادہ تھے۔ یہاں تک کہ وہ صحیح طرح سے پیسوں کا حساب بھی نہیں رکھ سکتے تھے۔ ان کی والدہ جب ان سے کچھ چیزیں منگواتیں تو پیسوں کا حساب انہیں سمجھا کر بھیجتی تھیں۔[5]

خورشید کی شادی کلثوم دختر عنایت علی سے رمانا میں ہوئی۔ عنایت رمانا میں چوکیدار تھے۔ خورشید اور کلثوم کے ہندوستان میں دو بیٹے تصوّر حسین اور زاہد حسین اور تین بیٹیاں ضیاء، فاطمہ اور رضیہ ہوئیں۔[6] عالم کی شادی کنیز دختر شاہنواز سے کھرکاں میں ہوئی۔ شاہنواز زمینداری کرتے تھے۔ عالم اور کنیز کے ایک بیٹا مظفر حسین اور تین بیٹیاں انعام فاطمہ، اقبال زہرا اور ثریا بیگم ہوئیں۔[7] خورشید اور عالم اَن پڑھ تھے۔ تاہم خورشید نے ہندوستان میں اپنے بڑے بیٹے تصوّر کو تعلیم دلانے کی بھرپور کوشش کی۔ خورشید کے چھوٹے بیٹے زاہد کی عمر تقسیم ہند کے وقت چھ سات سال تھی۔ وہ سیانہ میں سکول پڑھنے نہیں گئے۔ عالم کے بیٹے مظفر اپنے تایا زاد بھائی زاہد کے ہم عمر تھے۔ وہ بھی سیانہ میں سکول پڑھنے نہیں گئے۔

خورشید اور عالم کی کل زمین ۱۲۱۸ بیگھے تھی۔ یہ کچے بیگھے تھے یعنی دو کنال کا ایک بیگھ کہلاتا تھا جب کہ اصل میں چار کنال کا ایک بیگھ ہوتا تھا۔ ان کی زمین کے دو حصّوں پر جنگل تھا۔ خورشید اور عالم کے گھر کو رڑے والا کہتے تھے کیونکہ وہ ایک ٹبہ پر تھا۔ اسی نسبت سے ان کی والدہ کو دادی رڑے والی کہتے تھے۔ گاؤں کے باقی مکانوں کی چھتیں اور ان کے مکان کا صحن برابر سطح پر تھے۔ ان کا مکان ایک ایکڑ جگہ پر بنا ہوا تھا جس کے چاروں طرف پکی چار دیواری تھی۔ ایک صدر گیٹ تھا جو اتنا بڑا تھا کہ اس میں سے ٹرک گزر سکتا تھا۔ چار دیواری کے اندر تین چار کنال جگہ پر رہائشی مکان تعمیر تھا۔ مویشیوں کے

---

۱ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۲۹ جنوری ۲۰۱۱ء

۲ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳ ستمبر ۲۰۱۱ء

۳ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۲۹ جنوری ۲۰۱۱ء

۴ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

۵ سیّدہ ثریا بیگم دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء

۶ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۲۹ جنوری ۲۰۱۱ء

۷ سیّدہ انعام فاطمہ دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لنگر سرائے — ۱۷ نومبر ۲۰۱۸ء

لیے آٹھ شہتیروں کا باڑہ بنا ہوا تھا جہاں مویشی سردیوں میں رات گزارتے تھے۔ گرمیوں میں مویشی چار دیواری کے اندر کھلی جگہ پر رہتے تھے۔ گاؤں کے باقی لوگوں کی طرح خورشید اور عالم بھی اپنے مویشیوں کو رسہ نہیں ڈالتے تھے۔ بھینسیں اور گائیں گھر میں بھی کھلی رہتی تھیں اور جنگل میں چرنے کے لیے بھی کھلی جاتی تھیں۔[1]

خورشید اور عالم کی والدہ، بیگمات اور بیوہ پھوپھی کا سارا دن دودھ بلوتے گزر جاتا تھا۔ وہ دودھ سے گھی نکال کر لسّی کو گھر کے قریب بڑے جوہڑ میں پھینک آتی تھیں۔ کیونکہ گاؤں میں ہر گھر میں دودھ دینے والے جانور تھے اس لیے کسی کو دوسروں سے لسّی لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ خورشید اور عالم صبح و شام بھینسوں، گائیوں کا دودھ دوہتے تھے۔ اتنا دودھ ہوتا تھا کہ اسے بلوتے ہوئے بعض اوقات گھر کی خواتین کو دوپہر کا کھانا تیار کرنے کا وقت نہ ملتا تھا۔ ایسی صورت میں گھر والے چنے بھون کر کھا لیتے تھے۔ خورشید اور عالم کی نہ صِرف رہائش بلکہ کھانا بھی مشترکہ تھا۔ ان کے گھر مَنوں کے حساب سے دودھ بلو کر گھی نکالا جاتا تھا۔ ہر چند دن بعد گھی کے ٹین گڈوں پر لاد کر فروخت کے لیے بھیج دیے جاتے تھے۔ گھر کی خواتین اپنے گھر کی آمدنی میں بہت اہم کردار ادا کرتی تھیں۔

خورشید اور عالم کے گھر میں گوبر کی بڑی بڑی پاتھیاں بناتے تھے۔ ایک تسلے میں جتنا گوبر آتا اسے تھوڑے فاصلہ پر جا کر الٹا دیتے تھے اور اس کی ایک پاتھی بنا دیتے تھے۔ اس طرح بڑی پاتھیوں کے بڑے بڑے ڈھیر لگ جاتے تھے۔ گاؤں کے کسی اور گھر میں اتنی بڑی پاتھیاں نہیں بنتی تھیں کیونکہ کسی کے پاس اتنے مویشی نہیں تھے۔ رات کو دو یا تین پاتھیاں جلاتے جو ساری رات جلتی رہتی تھیں اور ان کے دھوئیں کی وجہ سے مچھر قریب نہیں آتے تھے۔ اس طرح گھر والے اور مویشی رات کو آرام سے سو جاتے تھے۔ گھر کی ایک کوٹھلی میں چنے رکھے تھے۔ ایک دفعہ گھر کے کسی فرد نے چنوں کے اوپر گھی کا دیگچہ رکھ دیا۔ گھر کے افراد معمول کے مطابق کوٹھلی کے نیچے لگے ہوئے دروازہ سے چنے نکال کر استعمال کرتے رہے۔ چنے کچھ کم ہونے کے باعث جھٹکا لگا اور گھی کا دیگچہ الٹ گیا اور سارا گھی چنوں پر گر گیا۔ گھی لگے ہوئے چنے جب بھونتے یا سالن پکاتے تو کھانے میں بہت مزہ دیتے تھے۔

خورشید اور عالم نے گھی کی آمدنی سے کافی سونا، چاندی اکٹھا کیا۔ انہوں نے سونے اور چاندی کو پاندانوں میں رکھ کر بھوس والی کوٹھڑی میں دبا دیا۔ گرمیوں کی ایک رات جب سب گھر والے صحن میں سوئے ہوئے تھے چور آ گئے اور بھوس والے کمرہ کی چھت میں سوراخ کر کے اندر داخل ہو گئے۔ گھر والے بے خبر سوئے رہے اور اپنے کام میں ماہر چور سارا سونا، چاندی نکال کر لے گئے۔ جوہڑ کے پاس بیٹھ کر انہوں نے چوری کیا ہوا مال تقسیم کیا۔ صبح جب گھر والے اٹھے اور انہیں چوری کا پتہ لگا تو خورشید اور عالم چوروں کی تلاش میں باہر نکلے۔ جوہڑ کے پاس انہیں چاندی کا ایک ہار ملا جو چور غلطی سے وہاں چھوڑ گئے تھے۔ خورشید اور عالم نے گاؤں کے محمد صدیق نائی پر بھی شک کیا۔ صدیق کے بارے میں جانوروں کی چوری

---

۱ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۲۹ جنوری، ۵ فروری ۲۰۱۱ء

میں ملوث ہونے کا بھی شک کیا جاتا تھا۔ تاہم خورشید اور عالم کو ان کا سونا، چاندی واپس نہ مل سکا کیونکہ کسی کو چور ثابت نہ کیا جا سکا۔ ان کے گھر میں دو مرتبہ اور چوری ہوئی۔ ایک مرتبہ تو انہیں پتہ چلا کہ چوروں نے اس بات پر تاسف کا اظہار کیا کہ وہ خورشید اور عالم کی والدہ کا بازو کاٹ کر نہیں لائے جس کی وجہ سے چاندی کا چوڑا جو ان کی والدہ نے پہنا ہوا تھا انہیں نہ مل سکا۔ خورشید اور عالم کا گھی کا کاروبار بڑے پیمانہ پر تھا اور وہ پیسے ضرورت کے علاوہ خرچ بھی نہیں کرتے تھے۔ اس لیے گھر میں تین دفعہ چوری ہونے اور اپنی کُل پونجی سے محروم ہو جانے کے باوجود انہوں نے پھر بہت سا سونا، چاندی اور نقد پیسے اکٹھے کیے اور اسے پاندانوں کی بجائے علیحدہ علیحدہ ٹرنکوں میں کمروں کے اندر رکھا۔[1]

تصوّر حسین

خورشید حسین کے بیٹے تصوّر حسین نے سیانہ سکول سے چار جماعتیں پاس کیں اور پھر پیہوہ سکول میں داخلہ لیا۔ پانچویں جماعت پاس کرنے کے بعد وہ بابو راکب کے پاس سامانا چلے گئے۔ بابو راکب سید کھیڑی کے سیّدوں کے دوسرے محلہ کے رہنے والے تھے اور راجپورہ ڈاکخانہ میں ملازم تھے۔ ان کا تبادلہ سامانا ہو گیا تھا۔ چونکہ پیہوہ کا سکول انگلش میڈیم نہ تھا اس لیے تصوّر کو سامانا میں دوبارہ پانچویں کلاس میں داخلہ لینا پڑا۔ سامانا سکول میں بابو راکب کے بیٹے طاہر حسین بھی پڑھتے تھے اور تصوّر کے ہم جماعت تھے۔ تصوّر اور طاہر جب چھٹی جماعت میں ہوئے تو راکب کا تبادلہ دوبارہ راجپورہ ہو گیا۔ راکب کے سامانا سے چلے جانے کے بعد تصوّر سیانہ کے قریب اسماعیل آباد سکول میں آ گئے اور چھٹی جماعت میں داخل ہو گئے۔ وہاں وہ بورڈنگ ہاؤس میں رہتے تھے جہاں سیانہ کے دوسرے بچّے بھی رہتے تھے۔ اسماعیل آباد سکول سے تصوّر نے چھٹی اور ساتویں جماعتیں پاس کیں۔ وہاں انہوں نے آٹھویں جماعت بھی پڑھی[2] لیکن پاس نہ کر سکے اگرچہ ان کی انگلش اچھی تھی۔[3] پھر تصوّر تھانیسر چلے گئے اور وہاں آٹھویں کلاس میں دوبارہ داخلہ لیا۔ تھانیسر میں وہ سیانہ کے برکت کے بہنوئی علیم الدین کے پاس رہتے تھے۔ ابھی وہ آٹھویں جماعت کے طالب علم ہی تھے کہ تقسیم ہند ہو گئی اور انہیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پاکستان آنا پڑا۔[4]

نذر حسین

نذر حسین کے ایک بھائی جعفر حسین تھے جو لاولد رہے۔ نذر کی شادی الفت سے ہوئی اور ان کے ایک بیٹا محمد یٰسین اور ایک بیٹی زیتون ہوئیں۔[5] الفت زوجہ نذر حسین پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ سیانہ کے اکثر بچّوں نے ان سے قرآن مجید

---

۱ سیّدہ ثریا بیگم دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء

۲ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۲۹ جنوری، ۵ فروری ۲۰۱۱ء

۳ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۵ جنوری ۲۰۱۱ء

۴ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۲۹ جنوری ۲۰۱۱ء

۵ سیّدہ انعام فاطمہ دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لنگر سرائے — ۱۷ نومبر ۲۰۱۸ء

پڑھا۔ وہ بچّوں سے چکی پسواتی تھیں اور اسی دوران انہیں سبق بھی پڑھاتی تھیں۔[۱] نذر کی وفات کے بعد چڑوں کے محلہ کے رہائشی رشید علی نے بیوہ الفت کو شادی کا پیغام بھیجا۔ الفت نے شرط رکھی کہ رشید اگر سنّی طریقہ سے نماز پڑھیں تو وہ ان سے نکاح ثانی کے لیے تیار ہیں۔ رشید نے الفت کی شرط کو قبول کر لیا۔ برادری کے کچھ لوگوں نے رشید کے فیصلہ پر تنقید کی۔ یہاں تک کہ سیدھے سادہ عالم علی نے بھی رشید کے فیصلہ پر مایوسی کا اظہار کیا اگرچہ عالم خود سنّی طریقہ سے نماز پڑھتے تھے۔ اس دن وہ مسجد میں نماز پڑھنے گئے تو کافی دیر سجدہ سے سر نہ اٹھایا۔ ظہور علی نے جب سجدہ کو طول دینے کی وجہ پوچھی تو عالم نے کہا: "یہ رشید کا بدلنا ہمیں اچھا نہیں لگا۔" بہرحال رشید جو ہاتھ کھول کے نماز پڑھتے تھے الفت سے شادی کے بعد ہاتھ باندھ کے نماز پڑھنے لگے۔ رشید کی وفات کے بعد الفت نے سیانہ ہی میں تیسری شادی برکت علی سے کی۔[۲] الفت جنھوں نے سیانہ میں تین شادیاں کیں میر سجاد حسین سے کہتی تھیں: "قرآن میں حکم ہے نا کہ بیوہ کو شادی کرنی چاہیے۔" سجاد کہتے تھے: "ہاں ہے۔"[۳]

الفت کے پہلے شوہر نذر حسین مرحوم سے بیٹے محمد یٰسین ایک دن گاؤں کے لڑکوں کے ساتھ کبڈی کھیل رہے تھے کہ مخالف ٹیم کے ایک لڑکے کی ٹانگ ان کے پیٹ پر لگی اور وہ موقع پر ہی وفات پا گئے۔[۴] نذر اور الفت کی بیٹی زیتون کی شادی گمتھلا کے نیک محمد سے ہوئی۔ نذر حسین اور ان کے بھائی جعفر حسین کی کچھ زمین ان کے جدی اختر علی عرف مسیتا ولد کرامت علی کو بھی ملی۔ اختر اور ان کے والدین سیانہ چھوڑ کر گمن کھیڑی جا بسے تھے۔[۵]

ظہور علی

ظہور علی کے والد علی نواز تھے۔ ظہور کی گزر اوقات اپنے والد کی طرح اپنی زمین سے پیدا ہونے والے اناج پر تھی۔ ان کی زمین ۲۱۵۰ بیگھے تھی۔ انہوں نے دس بھینسیں، گائیں رکھی ہوئی تھیں۔[۶] ظہور کو سیانہ کے لوگ اپنی زبان میں جھور کہہ کر پکارتے تھے۔[۷] وہ پکے نمازی تھے اور سیانہ کی جامع مسجد میں اذان دیتے تھے۔ مسجد کے پیش نماز قاضی لطیف کی غیر موجودگی میں وہ نماز بھی پڑھا دیتے تھے۔

ظہور کی شادی سیانہ ہی میں ان کے چچا کی بیٹی قطبن بیگم دختر علی محمد سے ہوئی اور ان کے چار بیٹے منظور علی، رونق علی، منوّر علی اور نُور علی اور چار بیٹیاں اصغری بیگم، انوری بیگم، اکبری بیگم اور اختری بیگم ہوئیں۔ اصغری کی شادی گنگھیڑی کے

---

۱ سیّدہ زبیدہ بیگم دختر نُور محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۲ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۶ جنوری ۲۰۱۱ء

۳ سیّدہ مشتاق فاطمہ دختر سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۲۰ جولائی ۲۰۱۷ء

۴ سیّد منوّر علی ولد ظہور علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — سلانوالی — ۲۱ جولائی ۲۰۱۱ء

۵ سیّدہ انعام فاطمہ دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لنگر سرائے — ۱۷ نومبر ۲۰۱۸ء

۶ سیّد منوّر علی ولد ظہور علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — سلانوالی — ۲۱ جولائی ۲۰۱۱ء

۷ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

جعفر حسین ولد فتح حسین سے ہوئی۔ انوری کی شادی پیہوہ کے محمد تقی سے ہوئی۔ اکبری بیاہ کر گوہلہ گئیں۔ اختری کی شادی کیتھل کے شوکت حسین ولد قطب الدین سے ہوئی۔ ظہور کے بڑے بیٹے منظور ۱۸ سال کی عمر میں فوت ہو گئے تھے۔

ظہور کے گھر دو دفعہ چوری ہوئی۔ پہلی چوری اس وقت ہوئی جب ان کی زوجہ قطبن بیگم عورتوں کی مجلس میں شرکت کے لیے میر سجاد حسین کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ کوئی عورت ان کے گھر میں داخل ہوئی اور ان کا تین کلو سونے اور چاندی کا زیور اٹھا کر لے گئی۔ کوشش کے باوجود چور کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ دوسری مرتبہ ظہور کے جانور چوری ہوئے تو چور پکڑے گئے اور ان کے جانور انہیں مل گئے۔

ظہور کے فرزند رونق علی نے سکول میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ وہ سیانہ کے لڑکوں کے ساتھ کھیلوں میں شریک ہوتے تھے۔ جوان ہوئے تو اپنی زمین خود کاشت کرنے لگے۔ وہ اپنے جانور بھی جنگل میں لے جا کر چَراتے تھے۔ ان کی شادی کیتھل میں ہوئی۔ اسی وقت ان کے چھوٹے بھائی منوّر کا نکاح بھی رضیہ کے ساتھ کر دیا گیا۔ منوّر اگرچہ بچّے تھے لیکن ان کا نکاح کر کے انہیں پانی کا پیالہ پلا دیا گیا۔ منوّر نے سیانہ سکول سے دو جماعتیں پاس کیں۔ کچھ عرصہ تیسری جماعت میں بھی پڑھے لیکن پھر سکول چھوڑ دیا۔ وہ زمین پر اپنے والد اور بڑے بھائی کے لیے روٹی لے کر جاتے تھے۔ تقسیم ہند کے وقت منوّر کی عمر ۱۴ سال تھی۔

ظہور کی زوجہ قطبن بیگم قیام پاکستان سے تقریباً ۱۰ سال پہلے سیانہ میں انتقال کر گئی تھیں۔ اس وقت ان کے چھوٹے بیٹے نُور چھ ماہ کے اور منوّر ساڑھے چار سال کے تھے۔ ظہور کی بیٹی اصغری کے بھی اس وقت ایک چار ماہ کا بیٹا تھا۔ قطبن بیگم کی وفات کے بعد اصغری بیگم نے اپنے چھ ماہ کے بھائی نُور کو بھی دودھ پلایا۔ قطبن بیگم کی ایک بہن الفت تھیں جن کی شادی گوہلہ کے غفور حسین سے ہوئی تھی۔[1]

قاضی لطیف

قاضی لطیف سیانہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھاتے تھے۔ عید گاہ میں عید کی نماز بھی وہ پڑھاتے تھے۔ اردگرد کے ۱۲ دیہاتوں سے لوگ عید کی نماز پڑھنے سیانہ کی عید گاہ میں آتے تھے۔ لوگ قاضی لطیف کی عزّت کرتے تھے اور خدمت بھی کرتے تھے۔[2] قاضی لطیف کی شادی ہاشمی سے ہوئی اور ان کے دو بیٹیاں اصغری اور اکبری ہوئیں۔ تقسیم ہند کے بعد ہونے والے فسادات کے دوران قاضی لطیف عموماً کہتے تھے: ''ایک بندو، نو ہندو'' یعنی ایک مسلمان نو ہندوؤں کو مارے گا۔[3]

قاضی لطیف کی بہن لطیفن کی شادی کیتھل کے قاضی باقر سے ہوئی جو کیتھل بلدیہ میں ملازم تھے۔ قاضی باقر اور لطیفن کے دو بیٹے طاہر حسین اور زائر حسین اور دو بیٹیاں سلمٰی اور ثریا ہوئیں۔ قاضی باقر اپنے بیوی بچّوں کے ساتھ سیانہ میں

---

۱ سیّد منوّر علی ولد ظہور علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — سلانوالی — ۲۱ جولائی ۲۰۱۱ء

۲ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۶ جنوری ۲۰۱۱ء

۳ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — یکم ستمبر ۲۰۱۱ء

رہتے تھے اگرچہ ملازمت کیتھل میں کرتے تھے۔ وہ کوٹ اور پینٹ پہنتے تھے اور سر پر ہیٹ رکھتے تھے۔ گاؤں کے لوگ انہیں انگریز کہتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد جب سیانہ اجڑا تو قاضی باقر کیتھل میں تھے جب کہ ان کے بیوی بچّے سیانہ میں تھے۔[1]

مہدی حسن

مہدی حسن کاشتکاری کرتے تھے۔ ان کی شادی سیانہ ہی کی مریم بی‌بی سے ہوئی۔ مہدی اور مریم کے ایک بیٹا صدیق حسین عرف منگتا اور ایک بیٹی شریفن ہوئیں۔ شریفن کی شادی گوہلہ کے مہدی حسن سے ہوئی۔ مہدی اور ان کے فرزند صدیق سیانہ ہی میں فوت ہو گئے۔ تقسیم ہند کے وقت مریم بیوہ مہدی حسن بہت ضعیف تھیں۔ وہ نذر مرحوم کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھیں۔ اختر علی عرف مسیتا بھی ان کے خاندان سے تھے۔[2] وہ خورشید علی اور عالم علی کی بھی جدی تھیں۔[3]

چڑے

تقسیم ہند سے پہلے سیانہ کی سیّد برادری میں چڑوں کے کم از کم مندرجہ ذیل بزرگ رہتے تھے:

علی حسین عرف حکیم جی

علی حسین کے والد برکت علی تھے۔ وہ حکمت کرتے تھے اور جنات کے عامل تھے۔[4] وہ پیری مریدی بھی کرتے تھے[5] اور سیانہ سے سِیون جا کر رہنے لگے تھے۔[6] حکیم جی کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ جنوں کو پڑھاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی نے انہیں پٹھے کاٹ کر لانے کا کہا۔ حکیم جی نے یہ کام اپنے شاگردوں کے ذِمّہ لگا دیا جو پورے ایکڑ پر لگے ہوئے پٹھے کاٹ کر لے آئے۔ حکیم جی کے بارے میں ایک دفعہ یہ سمجھا گیا کہ وہ مر گئے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ ان کے ورثا انہیں دفن کر دیتے وہ جی اٹھے۔ اس واقعہ کے بعد وہ مزید دس سال زندہ رہے۔[7] ان کے پوتے سیّد شاہد حسین کے

---

۱ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

۲ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۶ جنوری ۲۰۱۱ء
سیّدہ زبیدہ بیگم دختر نُور محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۳ سیّدہ انعام فاطمہ دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لنگر سرائے — یکم جولائی ۲۰۱۸ء

۴ سیّد شاہد حسین ولد احمد حسین عرف بابو احمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۲۶ مئی ۲۰۱۱ء

۵ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۰ جنوری ۲۰۱۱ء

۶ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء

۷ سیّد احمد حسین عرف بابو احمد ولد علی حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّدہ انیس فاطمہ دختر بابو احمد بذریعہ فون — جھنگ — ۱۰ اپریل ۲۰۱۱ء

مطابق: ”حکیم جی نے خود اپنے فوت ہونے کی تاریخ بتائی اور پھر اسی تاریخ کو فوت ہو گئے۔“ [1]

حکیم جی علی حسین نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے ام البنین سے کی اور ان کے دو بیٹے احمد حسین عرف بابو احمد اور دلبر حسین اور ایک بیٹی نواب بیگم ہوئیں۔ ام البنین فوت ہو گئیں تو ان کے بچّوں کو صغریٰ زوجہ زین العابدین ساڈھورہ لے گئیں۔ بابو احمد اور دلبر وہیں پلے، بڑھے اور پڑھے۔ حکیم جی نے دوسری شادی میاں میں شبیراں دختر عنایت علی سے کی اور ان کے ایک فرزند مہدی حسن اور ایک بیٹی سعیدہ ہوئیں۔ حکیم جی کی بڑی بیٹی نواب بیگم کی شادی ساڈھورہ کے محمد زاہد ولد زین العابدین سے ہوئی اور چھوٹی بیٹی سعیدہ کی شادی گوہلہ کے حامد حسین ولد احمد حسین سے ہوئی۔

احمد حسین عرف بابو احمد

حکیم جی علی حسین کے بڑے بیٹے احمد حسین عرف بابو احمد نے ساڈھورہ مسلم ہائی سکول سے میٹرک پاس کیا۔ پھر وہ سیانہ واپس آ گئے اور پٹواری کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی۔ ان کی زمین بھی سیانہ میں تھی۔ بابو احمد کا گھر میر سجاد حسین کے گھر کے ساتھ متصل تھا۔ ان کے گھر کا ایک دروازہ بنیوں کے محلہ میں کھلتا تھا جب کہ دوسرا سجاد کے گھر کی طرف کھلتا تھا۔ بنیوں کے محلہ میں کھلنے والے دروازہ کو وہ بند رکھتے تھے اور سجاد کے گھر کی طرف کھلنے والے دروازہ کو استعمال کرتے تھے۔[2] ان کا گھر پکا اور اچھا بنا ہوا تھا۔ بابو احمد پکے نمازی اور تہجد گزار تھے۔ وہ سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے اور اپنے دونوں بھائیوں کے برعکس دوسروں کے ساتھ گھلنے ملنے والے نہیں تھے۔ وہ کرنال میں بھی کچھ عرصہ پٹواری کی حیثیت سے تعینات رہے۔ بعدازاں ان کی ترقی ہو گئی اور وہ کانو گو بن گئے۔ تقسیم ہند کے وقت وہ پونڈری میں تعینات تھے۔

اپنے والد کی طرح بابو احمد نے بھی دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے حیدری دختر نذر حسین سے سید کھیڑی میں کی۔ حیدری ایک محبّت کرنے والی اور مہمان نواز خاتون تھیں۔ جب گڈے چلانے والے ٹھسکہ یا کسی دوسرے علاقہ سے سامان لے کر سیانہ آتے تو وہ جہاں بھی ٹھہرے ہوتے حیدری اپنے گھر سے ان کے لیے کھانا بنا کر بھیجتی تھیں۔ گڈوں پر سامان لے کر سیانہ آنے والوں میں حیدری ایک سخی خاتون کی حیثیت سے مشہور تھیں۔ سیانہ کے بڑے زمیندار میر سجاد حسین کی والدہ کبریٰ سید کھیڑی کی تھیں اور حیدری کی رشتہ میں پھوپھی لگتی تھیں۔ حیدری کے والد سجاد کی والدہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ حیدری بھی سجاد سے ایسے محبّت کرتی تھیں جیسے ایک بہن اپنے بھائی سے کرتی ہے۔ وہ شام کے وقت باہر برآمدہ میں کھڑی ہو جاتی تھیں اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ یہاں کیوں کھڑی ہیں تو وہ کہتی تھیں کہ ابھی بھائی سجاد نہیں آئے۔

---

۱ سیّد شاہد حسین ولد احمد حسین عرف بابو احمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۲۶ مئی ۲۰۱۱ء

۲ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۶، ۲۰، ۲۳ جنوری ۲۰۱۱ء
سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء
سیّد احمد حسین عرف بابو احمد ولد علی حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّدہ انیس فاطمہ دختر بابو احمد بذریعہ فون — جھنگ — ۱۰ اپریل ۲۰۱۱ء
سیّد شاہد حسین ولد احمد حسین عرف بابو احمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۲۶ مئی ۲۰۱۱ء

جب سجاد آکر اپنے گھر چلے جاتے تو حیدری بھی اپنے گھر کے اندر کمرہ میں چلی جاتی تھیں۔

بابو احمد اور حیدری کے سات بیٹے اور دو بیٹیاں کنیز فاطمہ اور انعام فاطمہ ہوئیں۔ ان کے سب بیٹے سیانہ ہی میں ٹانگوں کی بیماری میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے۔ ایک بیٹا صفدر حسین ۱۸ سال کی عمر تک پہنچا۔ باقی پانچ سے دس سال کی عمر میں ہی فوت ہو گئے۔ حیدری کے پانچ بھائی بھی اسی بیماری میں مبتلا ہو کر سید کھیڑی میں فوت ہوئے تھے۔ یہ بیماری حیدری کی ماں جعفری کے بزرگوں میں نہیں پائی جاتی تھی۔ حیدری کی بیٹیوں کی اولاد میں بھی یہ بیماری نہیں چلی۔ کثیر تعداد میں بیٹوں کی اموات کا صدمہ حیدری اور ان کی ماں جعفری نے ہی اٹھایا۔[1] کسی نے کہا کہ بابو احمد کی زمین تو ان کے بھائیوں کے پاس جائے گی کیونکہ بابو احمد کے سب بیٹے فوت ہو گئے تھے اور دو بیٹیاں تھیں اور ان دنوں بیٹیوں کو زمین نہیں دیتے تھے۔ یہ بات سننے کے بعد حیدری نے اپنے خاوند کی دوسری شادی کروا دی۔[2]

بابو احمد کی دوسری شادی بتول فاطمہ عرف بروالو دختر یاد محمد سے بروالہ میں ہوئی۔ یاد محمد بروالہ میں زمینداری کرتے تھے۔ ان کی بیوی شہر بانو دختر قربان علی تھیں اور ان کے تین بیٹے علی نواز، محمد تقی اور محمد نقی تھے۔ بابو احمد اور بتول فاطمہ کے ایک فرزند شاہد حسین بروالہ میں ۱۹۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ شاہد کی پیدائش کے چھ دن بعد بروالہ اجڑ گیا۔ بتول فاطمہ اپنے چھ دن کے بیٹے کو لے کر اپنے والدین کے ہمراہ بروالہ سے پاکستان آئیں۔[3]

بابو احمد کی بڑی بیٹی کنیز فاطمہ ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئیں۔[4] انہوں نے سیانہ میں لڑکوں کے سکول میں پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔[5] گمن کھیڑی کے مجید حسین نے اپنے بیٹے اختر حسین کے لیے ان کا رشتہ مانگا۔ بابو احمد ٹھسکہ گئے اور وہاں قاضی محمد شفیع اور ان کی زوجہ حیدری بیگم سے ان کے بیٹے محمد مختار کے ساتھ اپنی بیٹی کنیز کا رشتہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور یہ بھی کہا کہ اگر یہ رشتہ نہ ہوا تو وہ گمن کھیڑی کے اختر حسین سے اپنی بیٹی کی شادی کر دیں گے۔ قاضی شفیع اور حیدری بیگم کی طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر بابو احمد نے کنیز کی شادی اختر سے کر دی۔[6] بابو احمد نے اپنی دوسری بیٹی انعام فاطمہ کی منگنی پونڈری کے محمود علی ولد محمد رضا سے کی جنہیں محل والے کہتے تھے۔ انعام فاطمہ کی شادی سے پہلے تقسیم ہند ہو گئی۔[7]

---

۱ سیّد یادگار حسین ولد اختر حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — مظفر گڑھ — ۱۸ فروری ۲۰۱۰ء

۲ سیّد احمد حسین عرف بابو احمد ولد علی حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّدہ نگہت یاسمین دختر بابو احمد بالمشافہ — راولپنڈی — مارچ ۲۰۱۹ء

۳ سیّد شاہد حسین ولد احمد حسین عرف بابو احمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۲۶ مئی ۲۰۱۱ء

۴ سیّد یادگار حسین ولد اختر حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — مظفر گڑھ — ۱۸ فروری ۲۰۱۰ء

۵ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

۶ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۳ مارچ ۲۰۱۰ء

۷ سیّد یادگار حسین ولد اختر حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — مظفر گڑھ — ۲۰ فروری ۲۰۱۰ء

دلبر حسین

حکیم جی علی حسین کے دوسرے بیٹے دلبر حسین اپنی والدہ کی وفات کے وقت بہت چھوٹے تھے۔ ان کی پرورش ان کے بڑے بھائی بابو احمد کی طرح ساڈھورہ میں ہوئی۔ دلبر نے ساڈھورہ سکول سے آٹھ جماعتیں پاس کیں۔ پھر وہ اپنے بڑے بھائی کی طرح سیانہ آکر آباد ہو گئے جہاں ان کی زمین تھی۔[1] ان کا مکان چڑوں کے محلہ میں تھا۔[2] اپنے والد کی وفات کے بعد دلبر نے پیری مریدی بھی کی۔[3] ان کی شادی خاتون دختر باقر حسین سے سارنگا میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک بیٹا اظہر حسین اور ایک بیٹی مضورہ خاتون ہوئیں۔[4]

حکیم جی علی حسین کے تیسرے بیٹے مہدی اپنے والدین کے ساتھ سیون میں رہتے تھے۔[5]

رشید علی

رشید علی کے والد علی محمد تھے۔ وہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔[6] ان کی دو بہنیں کلثوم اور خدیجہ تھیں۔ کلثوم کی شادی گوہلہ کے احمد حسین ولد اکبر علی سے ہوئی۔ کلثوم کی وفات کے بعد ان کی بہن خدیجہ کی شادی بھی احمد حسین سے ہوئی۔ خدیجہ بھی ہندوستان میں ہی فوت ہو گئیں۔[7] رشید کی شادی مجیدن سے سیانہ میں ہوئی اور ان کے تین بیٹے عاشق حسین، علمدار حسین اور سالم حسین ہوئے۔ مجیدن سیانہ میں وفات پا گئیں۔ ان کی وفات کے آٹھ نو سال بعد رشید نے دوسری شادی الفت بیوہ نذر حسین سے سیانہ میں کی اور ان کے ایک بیٹی حرمت پیدا ہوئیں۔ رشید کی دوسری شادی کے بعد ان کی پہلی بیوی سے بیٹے ان سے علیحدہ ہو گئے۔

عاشق حسین و علمدار حسین

رشید کے بڑے فرزند عاشق حسین اپنے بزرگوں کی طرح کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ان کی شادی ممتاز فاطمہ عرف منی

---

۱ سیّد احمد حسین عرف بابو احمد ولد علی حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّدہ انیس فاطمہ دختر بابو احمد بذریعہ فون — جھنگ — ۱۰ اپریل ۲۰۱۱ء

ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۶ جنوری ۲۰۱۱ء

۲ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — یکم ستمبر ۲۰۱۱ء

۳ سیّد احمد حسین عرف بابو احمد ولد علی حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّدہ انیس فاطمہ دختر بابو احمد بذریعہ فون — جھنگ — ۱۰ اپریل ۲۰۱۱ء

۴ سیّدہ مضورہ خاتون دختر دلبر حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — شیخن — ۲۳ جون ۲۰۱۱ء

۵ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء

۶ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

۷ سیّدہ کنیز فاطمہ دختر زوّار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — خیر پور ٹامیوالی — ۲۹ اپریل ۲۰۰۶ء

دختر کاظم حسین سے گوہلہ میں ہوئی اور ان کے ایک فرزند لیاقت حسین ہوا جس نے بچپن میں وفات پائی۔ ۱۹۳۵ء میں عاشق بیمار ہو گئے۔ رشید نے اپنے بیٹے کے علاج میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ پیہوہ ان کے گاؤں سے تین کوس دُور تھا اور وہاں جانے کے لیے جنگل سے گزرنا پڑتا تھا۔ رات کے وقت یہ راستہ خطرناک بھی تھا۔ رشید کو بیٹے کی دوائی لانے کے لیے کئی بار رات کے وقت بھی پیہوہ جانا پڑا۔ عاشق کو دوائیوں سے کوئی افاقہ نہ ہوا اور وہ اسی بیماری میں فوت ہو گئے۔ رشید اپنے جوان بیٹے کی موت کا غم برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے کئی مرتبہ دیوار پر اپنا سر مارا اور زخمی ہو گئے۔ ان کی حالت اتنی خراب ہوئی کہ وہ اپنے بیٹے کے کفن دفن اور نماز جنازہ میں شرکت نہ کر سکے۔ اپنے بیٹے کی وفات کے نو دن بعد رشید بھی فوت ہو گئے۔ ان کی وفات کے دو ماہ بعد ان کی دوسری بیوی الفت سے ان کی بیٹی حرمت پیدا ہوئیں۔

رشید کے دوسرے بیٹے علمدار حسین اپنے بزرگوں کی طرح اپنی زمین کاشت کرتے تھے۔ ان کی شادی ان کے بڑے بھائی عاشق کی بیوہ ممتاز فاطمہ عرف منتی سے ۱۹۳۶ء میں ہوئی۔

سالم حسین

رشید کے تیسرے بیٹے سالم حسین ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے۔ وہ چھ سال کے تھے کہ ان کی والدہ وفات پا گئیں۔ انہوں نے سیانہ سکول سے تعلیم حاصل کی۔ ان کے گھر سے سکول کا فاصلہ کوئی دو ایکڑ تھا کیونکہ انہیں اپنی ساری گلی پار کر کے سکول والی گلی میں جانا پڑتا تھا۔ انہوں نے ۱۹۳۵ء میں پرائمری پاس کی۔سالم کی یادداشت بہت اچھی تھی۔ وہ اپنے بھائی علمدار حسین کے ساتھ مل کر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ سالم اور ان کے بھائی مٹھے والے کنویں سے پینے کا پانی بھر کے لاتے تھے۔ مٹھے والا کنواں ان کے گھر سے تقریباً ایک سوا ایکڑ کے فاصلہ پر تھا۔ ان کے گھر کے سامنے بھی ایک کنوئی تھی جو کئی سال پہلے خشک ہو گئی تھی۔ اس کنوئی کے خشک ہونے کے بارے میں یہ بات گاؤں میں مشہور تھی کہ ہاٹوؤں کی ایک خاتون نے بار بار تعویذ پھینک کر 'خواجہ خضر' کو ناراض کر دیا ہے۔ وہ خاتون بیٹے کی خواہش میں تعویذ کرواتی تھیں اور کنوئی میں پھینک دیتی تھیں۔ [1]

دلدار علی

دلدار علی زمینداری کرتے تھے۔ ان کے تین بیٹے علی حسن، میر حسن اور نُور محمد تھے۔ علی حسن اور میر حسن اپنی زمینوں پر کام کرتے تھے۔ علی حسن کی شادی گوہلہ میں کبریٰ دختر خدا بخش سے ہوئی۔ شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد علی حسن فوت ہو گئے۔ کبریٰ نے پھر شادی نہیں کی اور ساری عمر بیوہ کی حیثیت سے گزاری۔ دلدار کے بیٹے میر حسن نے شادی نہیں کی۔ وہ بھی سیانہ میں فوت ہو گئے۔[2] دلدار کے بیٹے نُور محمد پیری مریدی کرتے تھے اور سیانہ کے قریبی دیہاتوں میں چکر

---

۱ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ واڑہ ــــ ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء، یکم ستمبر ۲۰۱۱ء

۲ سیّدہ زبیدہ بیگم دختر نُور محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ واڑہ ــــ ۲۵ فروری ۲۰۱۱ء

لگاتے رہتے تھے۔ وہ عموماً ٹھسکہ میں میراں بھیکہ کے مزار پر بیٹھے رہتے تھے۔[1] ان کی شادی بتول دختر بھیک محمد سے بھور میں ہوئی اور ان کے دو بیٹے رضا حسین اور عزادار حسین اور ایک بیٹی زبیدہ بیگم ہوئیں۔ زبیدہ کی شادی گوہلہ کے علمدار حسین سے ہوئی۔

رضا حسین

رضا حسین کے والد نُور محمد اور دادا دلدار علی تھے۔ انہیں ان کی تائی کبریٰ بیوہ علی حسن نے پالا۔ رضا کی شادی گوہلہ میں کاظم حسین کی بیٹی مشتاق فاطمہ عرف پھاتی سے ہوئی۔[2] سیانہ کے نزدیک پیہوہ میں میلہ لگتا تو سیانہ کے لوگ بھی میلہ دیکھنے جاتے تھے۔ ایک دفعہ سیانہ سے کچھ لوگ میلہ دیکھنے پیہوہ گئے تو ان میں رضا بھی شامل تھے۔ وہاں فوج میں بھرتی ہو رہی تھی۔ رضا نے بھی اپنا نام بھرتی کے لیے لکھوا دیا۔ فوجیوں نے انہیں ملازمت کے لیے چن لیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔ جلد ہی رضا کو گھر کی یاد ستانے لگی۔ وہ بغیر اجازت گاؤں واپس آ گئے۔ کئی ماہ گزر گئے اور ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہوئی۔ پیہوہ میں میلہ دوبارہ لگا اور فوجی پھر بھرتی کرنے کے لیے وہاں آئے۔ سیانہ سے جو لوگ میلہ دیکھنے گئے ان میں علمدار حسین بھی تھے۔ علمدار نے فوجیوں کو بتایا کہ ان کا ایک بھگوڑا سیانہ میں ہے۔ فوجی رضا کو پکڑنے کے لیے سیانہ آ گئے۔ رضا کی والدہ کو فوجیوں کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے رضا کو گندم رکھنے کے لیے بنائی گئی کوٹھی میں چھپا دیا۔ بھاری بھرکم رضا کے وزن سے کوٹھی عین اس وقت ٹوٹ گئی جب فوجی ان کے گھر میں ان کو تلاش کر رہے تھے۔ فوجیوں نے رضا کو پکڑ لیا اور ساتھ لے گئے۔ رضا پھر مزید تین سال فوج میں رہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد بہت سے دوسرے فوجیوں کی طرح انہیں فوج سے برخاست کر دیا گیا اور وہ گاؤں واپس آ گئے۔[3]

وزیر علی

وزیر علی اپنے بزرگوں کی طرح زمینداری کرتے تھے۔ ان کے تین بیٹے مہدی حسن، تابع حسین اور امتیاز حسین تھے۔ مہدی حسن کے ایک فرزند بندے علی ہوئے۔ بندے علی کی شادی رفیقن دختر رضا حسین سے گوہلہ میں ہوئی۔[4] رفیقن کے والد رضا کا سیانہ کے جنگل کی مشترکہ زمین میں حصّہ تھا۔ سیانہ کے میر سجاد حسین مشترکہ زمین سے ہونے والی

---

۱ سیّد منظور حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء
ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۰ جنوری ۲۰۱۱ء

۲ سیّدہ زبیدہ بیگم دختر نُور محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ/بذریعہ فون — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء، ۲۵ فروری ۲۰۱۱ء

۳ سیّد محمد سبطین ولد طالب حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۴ سیّد بندے علی ولد مہدی حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد حامد حسین ولد بندے علی بذریعہ فون — واڑہ — ۲۹ جنوری ۲۰۱۱ء

آمدنی میں رضا کا حصّہ ان کے کہنے پر ان کی بیٹی رفیقن زوجہ بندے علی کو دیتے تھے۔[1] بندے علی اور رفیقن کے ہندوستان میں ایک بیٹی وحیدہ ہوئیں۔ ایک بیٹا بھی ہوا جو بچپن میں فوت ہو گیا۔

وزیر علی کے بیٹے تابع حسین کے ایک فرزند وصیت حسین عرف مسیتا[2] اور ایک بیٹی ممتاز عرف تاجو ہوئیں۔ تاجو کی شادی گوہلہ کے بندے علی عرف بندو ڈاکیا سے ہوئی۔[3] مسیتا کی شادی پلاسے میں مسیتی سے ہوئی اور ان کے تین بیٹے دلدار حسین، ذوالفقار حسین اور سیّد علی اور دو بیٹیاں زینب بی بی اور بانو ہندوستان میں ہوئیں۔ ذوالفقار اور سیّد علی نے بچپن میں وفات پائی۔ دلدار نے سیانہ سکول سے دو جماعتیں پاس کیں۔ ان کی شادی جنت بی بی دختر مہدی حسن سے پلاکھا میں ہوئی۔ زینب بی بی دختر مسیتا کی شادی گوہلہ کے رستم علی عرف رسما ولد تراب علی سے ہوئی۔[4]

وزیر علی کے بیٹے امتیاز کی شادی پلاکھے میں ہوئی اور ان کے ایک بیٹی انعام فاطمہ ہوئیں۔ امتیاز فوت ہو گئے تو ان کی بیوہ اور بیٹی پلاکھے چلی گئیں۔ ماں اور بیٹی کبھی کبھی سیانہ آتی تھیں۔

نجابت علی

نجابت علی کے تین بیٹے محسن علی عرف بادشاہ حسین، اکبر حسین اور شبیر حسین اور دو بیٹیاں بسم اللہ اور تاجی تھیں۔ بسم اللہ کی شادی سامانا میں ہوئی۔ ان کے خاوند وکیل تھے اور انبالہ میں وکالت کرتے تھے۔ تاجی کی شادی گوہلہ کے یعقوب علی ولد اکبر علی سے ہوئی۔ نجابت کے تینوں بیٹے زمینداری کرتے تھے اور بنیوں کے محلہ میں رہتے تھے۔

نجابت کے بڑے بیٹے محسن علی کی شادی سیانہ ہی میں کلثوم بیوہ محبوب علی سے ہوئی اور ان کے تین بیٹے انور علی، امجد علی اور اسد علی اور تین بیٹیاں محمودہ بیگم عرف مودو، محفوظن عرف پھوجو اور بتول عرف تولو ہوئیں۔ محمودہ بیاہ کر شاہ آباد گئیں۔ محفوظن کی شادی ان کے چچا کے بیٹے سجاد حسین ولد اکبر حسین سے ہوئی۔ تولو بیاہ کر سارنگے گئیں۔ محسن کے بیٹے انور کی شادی گھگر سرائے میں ہوئی۔

نجابت کے دوسرے بیٹے اکبر حسین کے ایک فرزند سجاد حسین تھے جو اپنے نانکے گاؤں گمن کھیڑی جا کر بس گئے تھے۔ نجابت کے تیسرے بیٹے شبیر حسین کے تین بیٹے زاہد حسین، مقبول حسین اور منظور علی اور دو بیٹیاں سیدی اور جمیلہ ہوئیں۔ سیدی کی شادی گوہلہ کے یعقوب علی ولد اکبر علی سے ہوئی۔ یعقوب کی یہ دوسری شادی تھی جو انہوں نے اپنی پہلی

---

۱ سیّد منظور حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۲ سیّد بندے علی ولد مہدی حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد حامد حسین ولد بندے علی بذریعہ فون — واڑہ — ۲۹ جنوری ۲۰۱۱ء

۳ سیّدہ زبیدہ بیگم دختر نُور محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — ۲۵ فروری ۲۰۱۱ء

۴ سیّدہ زینب بی بی دختر وصیت حسین عرف مسیتا (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — ۳ نومبر ۲۰۱۶ء
سیّد دلدار حسین ولد وصیت حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد آصف حسین ولد دلدار حسین بذریعہ فون — سلیمان — ۳ نومبر ۲۰۱۶ء

بیوی کے فوت ہونے کے بعد کی۔ جمیلہ بیاہ کر شاہ آباد گئیں۔ وہ وہیں فوت ہوئیں۔ شبیر کے بیٹے زاہد اور مقبول سیانہ میں اعجاز علی ولد محبوب علی کی زمین پر کھیتی باڑی کرتے تھے۔

نجابت کے خاندان سے ہی تھے مہدی حسن جنھوں نے حفیظن سے شادی کی اور ان کے ایک فرزند احمد حسین اور ایک بیٹی نھو ہوئیں۔ نھو کی شادی تھانیسر کے علیم الدین سے ہوئی۔[۱]

رہن سہن

سیانہ سیداں کے ترمذی سادات نے مختلف ذاتوں اور پیشوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کو بھی اپنے گاؤں میں لا کر بسایا تھا۔ ان میں راجپوت، ڈوگر، سنار، بنیے، چوڑھے اور چمار سب شامل تھے۔ گاؤں میں سب سے زیادہ گھر سیّدوں کے اور ان کے بعد راجپوتوں کے تھے۔ پہلا محلہ ہاٹوؤں کا تھا جس میں سجاد حسین، بابو احمد، احمد حسین، محمد حسن، ظہور علی، نذر حسین، خورشید علی، عالم علی اور مہدی حسن کے گھر تھے۔ ان بزرگوں میں بابو احمد کے علاوہ باقی سب ہاٹو تھے۔ بابو احمد کا تعلق چڑوں سے تھا۔ دوسرا محلہ چڑوں کا تھا جس میں رشید علی، نُور محمد، وصیت علی عرف مسیتا اور بندے علی عرف بندو کے گھر تھے۔ بابو احمد کے بھائی دلبر حسین کا گھر بھی اسی محلہ میں تھا۔ دائیں طرف سیّدوں اور بائیں طرف لوہاروں کے گھر تھے۔ لوہار مرزا کہلاتے تھے۔ ان کے علاوہ دو تین گھر ڈوگروں کے اور علی نواز بنجارہ، نُور محمد بنجارہ اور نھو بنجارہ کے گھر بھی اسی محلہ میں تھے۔ چڑوں کے محلہ کی پچھلی طرف صدیق نائی، ابراہیم نائی اور سراج نائی کے گھر تھے۔ تیسرا محلہ روتوں کا تھا جو راجپوت کہلاتے تھے۔ اس محلہ میں بھی سیّدوں کے کچھ گھر تھے۔ چوتھا محلہ بنیوں کا تھا جس میں ایک طرف سیّد اور دوسری طرف بنیے رہتے تھے۔ اعجاز علی اور محمود علی کے گھر اور زاہد، منظور علی، فدا حسین اور بادشاہ حسین کی حویلیاں اسی محلہ میں تھیں۔ ڈوگر اور پنڈت بھی اس محلہ میں رہتے تھے۔ سکول بھی اسی محلہ میں تھا۔ پانچواں محلہ سناراں محلہ کہلاتا تھا۔ اس محلہ کے مکین ہندو اور سکھ تھے۔ ہندو بنیے تھے جب کہ سکھ مستری اور لوہاروں کے کام کرتے تھے۔[۲] ان کے علاوہ چوڑھوں اور چماروں کے گھر علیحدہ تھے۔ چماروں کے محلہ کی طرف پلکھن کے درخت تھے۔ چوڑھے گوگا پیر کا دن مناتے تھے۔ گوگا پیر سانپوں کا پیر تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ سانپوں کی چارپائی بنا کر لیٹتا تھا۔ چوڑھے شادیوں کے مواقع پر باجا بھی بجاتے تھے۔[۳]

---

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۰ جنوری ۲۰۱۱ء
محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — یکم جولائی ۲۰۱۸ء

۲ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء
ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۳ جنوری ۲۰۱۱ء

۳ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

سیانہ میں دو جوہڑ تھے۔ ایک کھیڑا سے آگے تھا اور اسے پنہاڑ کہتے تھے کیونکہ یہ چھوٹا تھا۔ دوسرا جوہڑ خورشید علی اور عالم علی کے گھر سے آگے تھا۔ یہ بڑا تھا اور اس میں ۱۲ مہینے پانی رہتا تھا۔ اس میں سیانہ کے بچّے بھی نہاتے تھے اور جانور بھی۔[1]

تعلیم

سیانہ سیداں میں ایک پرائمری سکول تھا جس میں چار جماعتوں تک تعلیم دی جاتی تھی۔ سکول سرکاری تھا اس لیے ماسٹر تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ جب تصوّر حسین نے اس سکول میں چار جماعتیں پڑھیں تو عبدالرحمٰن ماسٹر تھے۔ تقسیم ہند کے وقت نذر محمد ماسٹر تعینات تھے۔ سیانہ کے سکول کی عمارت ایک کمرہ پر مشتمل تھی۔[2] اس ہال نما کمرہ میں بیک وقت چار جماعتیں بیٹھتی تھیں اور ان چاروں جماعتوں کو ایک ہی ماسٹر پڑھاتا تھا۔ ماسٹر صاحب سکول کے سب بچّوں کو صبح یکبارگی یہ دعا پڑھواتے تھے: ”یا رَب بارش دے، کھیتوں میں گھاس اور اناج پیدا کر دے، جس کو کھا کر ہم اور ہمارے مویشی تیرا شکر ادا کریں۔“ تعلیم پر توجہ نہ دینے یا شرارتیں کرنے پر ماسٹر بچّوں کو جسمانی سزا بھی دیتے تھے اور اس سلسلہ میں ماسٹر کو بچّوں کے والدین کی اجازت اور حمایت حاصل ہوتی تھی۔ جانو فقیر کو سکول میں داخلہ دِلاتے وقت ان کے چچا سائیں رحیم بخش نے ماسٹر برکت علی سے کہا: ”گوشت تمہارا، ہڈیاں ہماری۔“ سکول کی عمارت کے ساتھ ہی ماسٹر صاحب کی رہائش گاہ تھی۔[3]

اس دور میں گاؤں کے ماحول میں عموماً لڑکیوں کو تعلیم نہیں دی جاتی تھی۔ یہ سیانہ سیداں کا امتیاز تھا کہ یہاں کے سیّدوں کی تین بچیوں، کنیز فاطمہ دختر بابو احمد، سلمٰی دختر احمد حسین اور کنیز فاطمہ دختر محمد حسن، نے لڑکوں کے سکول میں پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔[4] سیانہ کے بچّے عموماً پرائمری تعلیم پر ہی اکتفا کرتے تھے۔ لیکن کچھ بزرگ اپنے بچّوں کو مزید تعلیم دلوانے کے لیے اسماعیل آباد یا پیہوہ کے سکول میں داخل کروا دیتے تھے۔ پیہوہ کا لوئر مڈل سکول سیانہ کے پرائمری سکول کی طرح ورنیکلر تھا یعنی وہاں علاقائی زبان میں تعلیم دی جاتی تھی اور انگریزی نہیں پڑھائی جاتی تھی۔ جب کہ اسماعیل آباد کا مڈل سکول انگلش میڈیم تھا۔ ورنیکلر سکول میں پڑھنے والے بچّوں کو میٹرک سے پہلے جونیئر اور سینئر کے کورس کرنے پڑتے تھے جو دونوں ایک ایک سال کے تھے اور ان میں صرف انگلش پڑھائی جاتی تھی۔

اسماعیل آباد کا سکول سرکاری تھا اور کافی پرانا تھا۔ لوئر مڈل اور مڈل کی کلاسیں تو سکول کی عمارت میں ہوتی تھیں جب کہ پرائمری کی دو کلاسیں بورڈنگ ہاؤس کے مرکزی دروازہ کے اندرونی حصّہ کے ساتھ ہی ہوتی تھیں۔ بورڈنگ ہاؤس کی عمارت کرایہ پر تھی۔ یہ ایک ہندو بنیے کا بڑا کھلا گھر تھا اور بیل گاڑی تک اس کے اندر چلی جاتی تھی۔ اسماعیل آباد سکول میں

---

۱ سیّد منوّر علی ولد ظہور علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — سلانوالی — ۲۱ جولائی ۲۰۱۱ء

۲ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۲۹ جنوری ۲۰۱۱ء

۳ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

۴ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

پڑھنے والے سیانہ کے سیّدوں کے بچّے اسی بورڈنگ ہاؤس میں رہتے تھے۔ محمد زمان ولد سجاد حسین نے اسی بورڈنگ ہاؤس میں رہ کر اسماعیل آباد سکول سے مڈل پاس کیا تھا۔ سیّد علی ولد اعجاز علی، جرار حسین ولد سجاد حسین، حسنین علی ولد سجاد حسین اور تصوّر حسین ولد خورشید علی بھی تقسیم ہند سے پہلے اسی بورڈنگ ہاؤس میں قیام پذیر رہے۔

بورڈنگ ہاؤس کی عمارت میں چار بڑے کمرے تھے جن میں ۴۰ بچّے بیک وقت رہتے تھے۔ یہ بچّے مختلف علاقوں سے اسماعیل آباد پڑھنے کے لیے آتے تھے۔ ہر بچّے کی چارپائی کے ساتھ دیوار میں خانوں والی الماری بنی ہوئی تھی جس میں بچّے اپنے کپڑے، کتابیں اور دوسرا سامان رکھتے تھے۔ ہر بچّہ ہر ماہ ۱۵ سیر آٹا بورڈنگ ہاؤس کے میس کو دیتا تھا۔ یہ آٹا ان کے بزرگ گدھے پر لاد کر بورڈنگ ہاؤس پہنچوا دیتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک سے ڈیڑھ روپیہ تک سبزی، دال کا خرچہ بورڈنگ ہاؤس کے میس میں جمع کرواتے تھے۔ بچّے اپنے گھر سے دیسی گھی لاتے تھے اور اپنی چارپائی کے ساتھ دیوار میں بنی ہوئی الماری میں رکھتے تھے۔ بورڈنگ ہاؤس کے ہندو منتظمین مسلمانوں کو اچھوت سمجھتے تھے۔ رسوئی (باورچی خانہ) میں کتّے جا کر برتن چاٹتے رہتے تھے لیکن مسلمان داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ ایک ہندو پنڈت روٹیاں پکاتا تھا اور ایک ہندو جھیمر برتن صاف کرتا تھا۔ مسلمان بچّے ایک ہاتھ میں پلیٹ اور دوسرے میں کٹوری لے کر رسوئی کے باہر کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہاں ان کی پلیٹ میں روٹی اور کٹوری میں سبزی یا دال ڈال دی جاتی تھی۔ بچّے اپنے کمرے میں آکر اپنی چارپائیوں پر بیٹھتے، گھر سے لائے ہوئے گھی سے اپنی روٹی چپڑتے اور کھانا کھا لیتے تھے۔ اگر کسی وجہ سے کسی وقت روٹی نہ ملتی تو جرار اور حسنین رونے لگتے تھے۔ بورڈنگ ہاؤس کی عمارت میں ایک کنوئی بھی تھی جس کے چار گھاٹ تھے۔ ایک گھاٹ مسلمانوں کا اور تین ہندوؤں کے تھے۔ ہر گھاٹ پر علیحدہ ڈول تھا۔ مسلمان صرف اپنے گھاٹ سے ہی پانی لے سکتے تھے۔ کچھ ہندو لبرل تھے جو مسلمانوں کے ساتھ کھا پی لیتے تھے لیکن ہندوؤں کی اکثریت پرہیز کرتی تھی۔ جب کہ اکثر مسلمان ہندوؤں کے ساتھ کھانے پینے سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔

اسماعیل آباد کے سکول میں طلباء کی اکثریت ہندوؤں کی تھی اگرچہ قصبہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد تقریباً برابر تھی۔ اسماعیل آباد میں اکثر مسلمان ڈوگر تھے۔ اسماعیل آباد کے اردگرد بھی بہت سے مسلمان گاؤں تھے۔ لیکن دیہاتوں میں رہنے والے مسلمان تعلیم کی طرف بہت کم مائل تھے۔ اسماعیل آباد کے بورڈنگ ہاؤس میں رہنے والے ۴۰ بچّوں میں فقط پانچ چھ مسلمان تھے۔ جب سیانہ کے سیّد علی نے پانچویں کلاس میں داخلہ لیا تو ان کے ساتھ ٹھسکہ کے اصغر مہدی اور خلیل، گوہلہ کے زائر حسین، لوٹنی کے یامین اور ٹلہیڑی کے منشی خان بھی اسی کلاس میں داخل ہوئے۔ جب سیّد علی آٹھویں کلاس میں پہنچے تو ان کے ساتھ کلاس میں ایک مسلمان لڑکا رہ گیا تھا۔[1]

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء، ۱۵، ۲۳ جنوری ۲۰۱۱ء

جنگل

سیانہ سیداں کے چاروں اطراف میں جنگل تھا۔[1] اس لیے گاؤں والوں کو ساون اور بھادوں میں بڑے بڑے مچھروں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ جنگل میں ککوڑے، ڈھاک، کریلے اور سینکھیں قدرتی طور پر اگتی تھیں۔[2] پیلو کے درخت بھی تھے جن پر رنگ برنگے پیلو لگتے تھے جو بے حد میٹھے ہوتے تھے۔ لوگ گلے میں ٹہنیوں سے بنی ہوئی ٹوکری لٹکا کر جنگل میں آتے، پیلو توڑ کر ٹوکری بھرتے اور اپنے گھروں میں لے جاتے تھے۔ جنگل میں پنجو کے جھاڑ بھی تھے جن کے ڈیلے لگتے تھے اور جو کھانے میں بہت میٹھے ہوتے تھے۔ جو پنجو ہرے رنگ کے ہوتے ان کا اچار بناتے تھے اور جو پنجو پک جاتے انہیں چوس لیتے تھے۔ پنجو چوستے وقت اس بات کا خیال رکھتے کہ ان کے بیج پیٹ میں نہ جائیں۔ اگر غلطی سے کسی کے پیٹ میں پنجو کے بیج چلے جاتے تو اسے سخت قبض ہو جاتی تھی۔[3]

سیانہ میں عام لوگ معاشی طور پر خوشحال نہیں تھے۔ وہ جنگل کے درخت کاٹتے اور اس طرح مزدوری کر کے اپنا اور اپنے گھر والوں کا پیٹ پالتے تھے۔[4] جنگل کا ٹھیکہ لینے والے جب ڈھاک کے درختوں کو کٹواتے تو مزدوروں کے دو گروہ بناتے تھے۔ پہلا گروہ جو آگے ہوتا ڈھاک کے درختوں کو کاٹ کر گراتا جاتا تھا جب کہ پیچھے آنے والا مزدوروں کا گروہ گرے ہوئے درختوں کی چھانگ کرتا تھا۔ اگلے گروہ میں شامل مزدوروں کو چار آنے فی کس دیہاڑی ملتی تھی اور پچھلے گروہ میں شامل مزدوروں کو تین آنے فی کس مزدوری ملتی تھی۔[5]

ترمذی سادات کے جنگل کی مشترکہ زمین پر اگنے والی خود رو سبزیوں کو میر سجاد حسین ٹھیکہ پر دیتے تھے۔ جنگل کے درختوں کو بھی وہ ٹھیکہ پر دیتے تھے۔ مشترکہ زمین کا معاملہ (زرعی ٹیکس) بھی سجاد ادا کرتے تھے۔ وہ جنگل کی زمین کے حصہ داروں کو بتا دیتے تھے کہ ٹھیکہ سے اتنی آمدنی ہوئی اور اتنا معاملہ ادا ہوا۔ جو منافع ہوتا اسے وہ حصہ داروں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ کبھی حصہ داروں کو یہ بھی بتاتے تھے کہ جتنی آمدنی ہوئی اتنا معاملہ ادا ہو گیا۔ ایسی صورت میں حصہ داروں کو کچھ نہ ملتا تھا۔ حصہ داروں کی طرف سے اس سلسلہ میں کوئی نگرانی نہیں تھی۔ سیاہ و سفید کے مالک سجاد تھے۔ احمد حسین اور بارو بانیا ککوڑوں کا ٹھیکہ لیتے تھے۔ ککوڑوں کو توڑنے کے لیے گاؤں سے مزدوروں کی خدمات حاصل کرتے تھے اور انہیں اس

---

۱ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

۲ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء

۳ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

۴ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء

۵ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

کا معاوضہ دیتے تھے۔ پھر ڈانڈ جا کر لاہور اور امرتسر کے لیے ککوڑے بلٹی کروا دیتے تھے۔[1] سجاد کے فرزند اقبال حسین بھی ککوڑوں کا ٹھیکہ لیتے تھے۔ وہ ککوڑے تڑوا کر پہلے دیوان خانہ میں رکھواتے اور پھر انہیں بوریوں میں بھروا کر بیچنے کے لیے بھیجتے تھے۔[2]

سیانہ میں جو لوگ کچھ خوشحال تھے وہ گائیں، بھینسیں اور بکریاں پالنے اور بیچنے کا کاروبار کرتے تھے۔ سیّدوں کے جانور چونکہ سارا سال جنگل میں مفت چرتے تھے اس لیے جانوروں کا پالنا ایک منافع بخش کاروبار تھا۔[3] جنگل میں چَرنے کے لیے جانوروں کو عموماً رات کے پچھلے پہر لے جاتے تھے۔ سارا دن جانور جنگل میں چَرتے اور شام کو واپس گھروں میں لے آتے تھے۔ جو لوگ جنگل میں جانور چَرانے کے لیے آتے وہ دوپہر کے کھانے کا انتظام عموماً اکٹھا کرتے تھے۔ وہ اپنوں میں سے کِسی کا کٹّا ذبح کرتے تھے۔ کبھی کِسی کا گمشدہ کٹّا انہیں مل جاتا تو اسے پکڑ کر ذبح کر لیتے اور پکاتے تھے۔ روٹی پکانے کے لیے پہلے وہ زمین پہ کچھ جگہ صاف کر کے لیپ کرتے تھے۔ پھر اس پر پاتھیاں رکھ کر جلا دیتے تھے۔ پاتھیوں کے مسلسل جلنے کی وجہ سے لیپ کی ہوئی جگہ سُرخ ہو جاتی تھی۔ پھر وہ کِسی چادر یا کھیس کو بچھا کر اس پر گوندھے ہوئے آٹے کو رکھ کر پھیلا دیتے اور چادر یا کھیس کو لیپ کی ہوئی سرخ جگہ پر الٹا دیتے تھے۔ اس طرح ایک بڑی روٹی تیار ہو جاتی تھی۔ دو تین روٹیاں ۱۰، ۱۵ آدمیوں کا پیٹ بھرنے کے لیے کافی ہوتی تھیں۔[4] چرواہے عموماً ڈھاک کے درختوں پر چڑھ کر بیٹھ جاتے تھے اور جنگل میں چَرنے والے اپنے جانوروں کی نگرانی کرتے تھے۔[5] سیانہ میں جانوروں کے گلوں میں رسہ ڈالا جاتا تھا نہ انہیں باندھا جاتا تھا۔[6] سیانہ کے جنگل میں ہرن کثرت سے پائے جاتے تھے۔ ہرن عموماً جنگل میں چَرنے والے جانوروں کے اوپر سے چھلانگیں لگا کر بھاگتے ہوئے نظر آتے تھے۔[7] جنگلی گائیں جنہیں رانی گائیں کہتے تھے اور رودھ جو گھوڑے سے مشابہ جانور تھا بھی جنگل میں کثرت سے پائے جاتے تھے۔[8]

زمینداری

سیانہ سیداں میں پہلے زمینیں صرف سیّدوں کی تھیں۔ گاؤں میں رہنے والے ہر غیر زمیندار سے سیّد ۵۰ پیسے سالانہ ٹیکس لیتے تھے۔ غیر زمیندار سے مویشی چَرانے کا ٹیکس بھی لیا جاتا تھا کیونکہ مویشی سیّدوں کے جنگلوں میں مفت

---

۱ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — یکم ستمبر ۲۰۱۱ء
۲ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء
۳ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء
۴ سیّدہ ثریا بیگم دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء
۵ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء
۶ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۶ جنوری ۲۰۱۱ء
۷ سیّد محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کبیر والا — ۲ دسمبر 2018ء
۸ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

چَرتے تھے۔ یہ ٹیکس ترمذی سادات کے بزرگوں نے بہت عرصہ پہلے لگائے تھے جو تقسیم ہند تک لاگو تھے۔ ان ٹیکسوں کے عوض غیر زمینداروں کو سیّدوں کی طرف سے سماجی تحفظ اور تعاون حاصل تھا۔ کچھ سیّد بیواؤں نے مختلف اوقات میں کچھ زمینیں فروخت کیں جو ڈوگروں کے پاس تھیں لیکن یہ سیّدوں کی زمینوں کے مقابلہ میں بہت کم تھیں۔

سیانہ کی زمینیں بارانی تھیں۔ بہت سے کنویں مختلف ناموں سے آباد تھے اور کنوؤں کی ایک بڑی تعداد غیر آباد بھی تھی۔ آباد کنوؤں میں مٹھے والا، روشن والا، درگاہی والا، کھبو والا، بوڑے والا، نتھے والا، متھے والا، لفتے والا، نواں والا اور سناراں والا شامل تھے۔ میر سجاد حسین کے دو کنویں روشن والا اور نواں والا تھے جب کہ درگاہی والا میں وہ احمد حسین کے حصہ دار تھے۔ انور علی، امجد علی اور زاہد کے دو کنویں مٹھے والا اور سناراں والا تھے۔ اعجاز اور محمود کا ایک کنواں نتھے والا تھا۔ احمد حسین کا ایک کنواں کھبو والا تھا جب کہ درگاہی والا میں وہ سجاد کے حصہ دار تھے۔ گوہلہ کی طرح سیانہ کی زمین سخت تھی اور پانی کم تھا۔ سارا دن اونٹ یا بیل رہٹ چلاتے پانی پھر بھی دوسرے علاقوں کی نسبت بہت کم نکلتا تھا۔ زمین سے پیداوار بھی سیدکھیڑی جیسے زرخیز علاقوں کی نسبت بہت کم تھی۔ اکثر سیّد سینکڑوں بیگھے زمین کے مالک تھے لیکن ان کے پاس قابلِ کاشت زمین جسے سیراب کرنے کے لیے کنواں بھی کھدوایا جاتا تھا بہت کم تھی۔ سیانہ والوں کی زمین ۵۲،۰۰۰ بیگھے تھی جس میں زیادہ تر شاملات تھی اور ۱۰ فیصد سے بھی کم آباد تھی۔ زمین سے پیداوار کم ہونے کے باعث پانچواں حصّہ بٹائی ملتی تھی۔ یعنی چار حصّے کاشتکار رکھتا تھا اور ایک حصّہ مالک کو ملتا تھا۔ اس لیے زمین بٹائی پر دینے کا فائدہ نہیں تھا۔ اکثر سیّد اپنی زمین خود کاشت کرتے تھے اور اپنی سہولت کے لیے نوکر رکھتے تھے اور کنواں بھی کھدواتے تھے۔ ٹھیکہ پر زمین وہی دیتے تھے جن کے گھر میں خود کاشت کرنے والے مرد نہیں تھے۔[1]

تقسیم ہند سے پہلے سیانہ کے اکثر مکان چھوٹی اینٹ کے بنے ہوئے تھے۔ ایک بڑا پنجواہ تھا جس میں اینٹیں پکتی تھیں۔ گاؤں میں بہت سے مکان، حویلیاں اور کنویں غیر آباد پڑے تھے۔ یہ ان کے تھے جو گاؤں چھوڑ کر کہیں اور جا بسے تھے یا لاوارث مر گئے تھے۔ گاؤں کے لوگ ان بے آباد حویلیوں سے اینٹیں اکھاڑ کر بھی اپنے گھر یا کمرے تعمیر کر لیتے تھے۔[2] سیانہ میں دو گھر سب سے بڑے تھے۔ ایک سجاد حسین کا تھا اور دوسرا خورشید علی و عالم علی کا تھا۔ یہ دونوں گھر ایک ایک ایکڑ جگہ پر بنے ہوئے تھے۔ سجاد کے گھر میں کمرے زیادہ تھے، ایک دیوان خانہ بھی تھا اور ایک کنوئی بھی تھی۔ خورشید و عالم کے گھر میں دیوان خانہ تھا نہ کنوئی اور ان کی لڑکیاں مٹھے والے کنویں سے پانی بھر کر لاتی تھیں۔ ان کی تعمیراتی جگہ بھی سجاد کی تعمیراتی جگہ کے مقابلہ میں کم تھی۔ تاہم خورشید و عالم کے پاس ۳۰، ۳۵ گائیں اور ۵۰، ۶۰ بھینسیں تھیں جب کہ سجاد کے پاس پانچ چھ گائیں اور اتنی ہی بھینسیں تھیں۔[3]

---

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۰، ۲۳ جنوری ۲۰۱۱ء

۲ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۲۹ جنوری ۲۰۱۱ء

۳ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — یکم ستمبر ۲۰۱۱ء

نقل مکانی

زمین کا زرخیز نہ ہونا سیانہ سے ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی طرف ترمذی سادات کے مسلسل انخلاء کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ تھی۔ ہاٹوؤں میں سے کرامت علی اپنے بیوی بچّوں کے ساتھ سیانہ چھوڑ کر گمن کھیڑی میں بس گئے تھے۔ کرامت کا گھر ہاٹوؤں کے محلہ میں میر سجاد حسین کے گھر کے سامنے تھا اور تقسیم ہند کے وقت خالی پڑا تھا۔[۱] چڑوں میں سے اکبر کے بیٹے سجاد نے بھی سیانہ چھوڑ کر گمن کھیڑی جو ان کا نانکا گاؤں تھا کو اپنا مسکن بنایا۔[۲] تقسیم ہند سے ایک صدی پہلے چڑوں میں سے ہی قاضی محمد شفیع کے آباء میں سے ایک بزرگ سیانہ چھوڑ کر ٹھسکہ میں آباد ہو گئے تھے۔[۳] سیانہ میں قاضی شفیع وغیرہ کی آبائی زمین پر ان کے جدّی رشتہ دار قابض تھے۔ بابو احمد ولد حکیم جی علی حسین خود اس بات کا ذکر کرتے تھے۔[۴]

ترمذی سادات کے کچھ بزرگوں یا ان کی اولاد کی سیانہ سیداں سے مختلف علاقوں کی طرف ہجرت کی نشاندہی شجرہ نسب ترمذی سادات میں بھی ہوتی ہے۔ مثلاً شاہ حسین بزرگ بن احمد زاہد کی اولاد سے محمد فصیح ولد محمد رضا، شاہ حسن دیوان ولد محمد سجاد، فضل علی ولد کرامت اللہ دیوان، اولاد پسران محمد ملیح ولد محمد جواد، اولاد محمد اعظم و محمد علی ولد قیام علی مختلف اوقات میں سراء میر اور جونپور میں آباد ہوئے جب کہ سیّد محمد ولد عبداللہ کی اولاد کیتھل جا بسی۔[۵] کتاب تاریخ انوار السادات کے مطابق پونڈری کے ترمذی سادات شاہ حسین بزرگ کی نسل سے ہیں۔[۶]

شاہ حامد بزرگ بن احمد زاہد کی اولاد بھور اور سیدکھیڑی میں آباد ہوئی۔[۷] شاہ حامد بزرگ کی اولاد میں سے شاہ راجو عرف زندہ پیر کا مزار سیدکھیڑی میں ہے۔[۸] شاہ حامد بزرگ کی اولاد میں سے ہی ابا بکر ولد سیّد میر محمد گجرات (محلہ پورچیاں) میں آباد ہوئے۔

شاہ زید بن احمد زاہد کی اولاد مندرجہ ذیل علاقوں میں گئی:

گوہلہ — شاہ زید کے پوتے میراں شاہ حامد عرف حسینی نو بہار ولد شہاب الدین کا مزار گوہلہ میں ہے۔ نو بہار کی نسل ان کے اکلوتے بیٹے سیّد محمد سے چلی جن کے بارے میں کہتے ہیں کہ لے کر پالا۔

---

۱ سیّدہ انعام فاطمہ دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لنگر سرائے — یکم جولائی ۲۰۱۸ء

۲ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — یکم جولائی ۲۰۱۸ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کبیر والا — ۲ دسمبر ۲۰۱۸ء

۵ شجرہ نسب ترمذی سادات

۶ تاریخ انوار السادات المعروف گلستان فاطمہؑ — سیّد ظفریاب حسین حسینی الترمذی — ص ۴۹۹ — القائم آرٹ پریس — لاہور

۷ شجرہ نسب ترمذی سادات

۸ مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ — ص ۲۸۷

بھور — سیّد اسد ولد میاں لہرا

ساڈھورہ — سیّد نظام الدین شاہ ولد سیّد عزالدین، غلام مصطفیٰ ولد مہدی بخش (قصبہ بوڑھہ سے آکر ساڈھورہ آباد ہوا)، اولاد ابراہیم بالہ راجہ ولد علی اصغر، شاہ عبدالوہاب ولد شاہ عبدالحمید کا روضہ ساڈھورہ میں ہے۔

ٹھسکہ — سیّد میر سعید عرف میراں سیّد بھیکہ کا روضہ موضع گھوڑام میں ہے اور دفن بھی اسی روضہ میں ہیں۔ میلہ موضع ٹھسکہ میں (ان کے مزار پر) ہوتا ہے۔

پورب — حامد و سیّد زید ولد شرف الدین، احسان ولد شہاب الدین، اولاد سیّد واصل ولد سیّد افضل، اولاد سیّد حسن ولد سیّد محمد

گجرات — حافظ ولد عبدالمجید

سرہند — اولاد محسن ولد احسان، فتح اللہ ولد بہاؤالدین

گنور ضلع رہتک — یوسف ولد احسان

جونپور — شمس الدین ولد سیّد محمد ولد حسینی نو بہار

گور کھنڈی — اولاد میراں فاضل ولد سعید خان

بجواڑ — اولاد سیّد مصطفیٰ ولد شاہ محمد

چلکانہ — فضل علی ولد شاہ وارث، حسین شاہ ولد سیّد جیون، مہدی حسن ولد احمد حسین، قاسم علی ولد اسحاق علی، عمدہ علی و بہار علی ولد غلام علی، محمد واصل ولد شاہ عبدالرب (وہ بوڑھہ سے چلکانہ آئے)، سیّد یوسف ولد شاہ مرتضیٰ، اولاد سیّد یوسف

بوڑھہ — شاہ عبدالرب ولد شاہ تاج الدین کی قبر بوڑھہ میں ہے۔ سیّد اولیاء ولد شاہ عبدالرب

غازی پور — سیّد جلال ولد عبدالوحید

سہارنپور — یعقوب حسین و محمد یونس و علی حسن ولد یوسف حسین، اولاد نثار علی ولد نُور علی، احسان علی (وکیل) ولد غلام رسول، پسر غلام محمد ولد غلام نبی

انبالہ — اولاد حسن ولد امداد علی

کیتھل — اولاد عبدالستار ولد عبدالغنی

گڑھی کوٹاہہ — دولت علی ولد حسین علی

دکن — احسن علی ولد حسین علی

شاہ نظام الدین ولد شاہ مراد کی اولاد سیانہ میں رہی۔[۱]

---

۱ شجرہ نسب ترمذی سادات

پنڈت

تقسیم ہند تک سیانہ سیداں میں ایک برہمن پنڈت ضرور رہتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ۴۰۱ھ میں ترمذ سے آنے والے سادات نے جس جنگ میں سیانہ کو فتح کیا اس میں برہمن بڑی تعداد میں مارے گئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد ایسا ہوا کہ سیانہ کے سادات کے ہاں جو بچّہ پیدا ہوتا وہ فوت ہو جاتا تھا۔ کسی نے اس وقت کے بزرگ سادات کو بتایا کہ وہ اپنے گاؤں میں ایک برہمن کو ضرور رکھیں۔ بزرگوں نے ایک برہمن پنڈت کو گاؤں میں رکھ لیا۔ وہ پنڈت کو فصلانہ دیتے تھے اور اپنی ہر شادی میں اسے مدعو کرتے تھے۔ شادی میں پنڈت کی شرکت ایک لازمی امر تھا۔ پنڈت کو بھی اپنی اس ناگزیر حیثیت کا احساس تھا جس پہ وہ فخر کرتا تھا۔ یہ سلسلہ سیّدوں کے سیانہ میں تقریباً ایک ہزار سال کے قیام کے دوران قائم رہا۔

تقسیم ہند سے پہلے سیانہ میں رہنے والے پنڈت کا نام راجہ سورج بھان تھا۔ سورج بھان کا ایک بیٹا راجہ پنڈت رام عرف بدھو تھا جو حسنین علی ولد سجاد حسین کا ہم جماعت تھا۔ جب سیانہ میں سیّدوں کا کوئی ہندو مہمان آتا تھا تو پنڈت کے ذِمّہ ہی اس کی آؤ بھگت ہوتی تھی کیونکہ ہندو مسلمانوں کے ہاتھ کا نہیں کھاتے تھے۔ سیّد دکان سے سودا خرید کر پنڈت کو دے دیتے تھے۔ پھر پنڈت ہی ہندو مہمان کے لیے کھانا تیار کرتا اور اسے کھلاتا تھا۔ پنڈت مٹھائی خصوصاً جلیبی، لڈو اور بالو شاہی بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک سیّد نے راجہ سورج بھان کو مٹھائی کھانے کی پیشکش کی۔ سورج بھان نے کہا: ”مجھے دے دو، میں گھر جا کر بچّوں کے ساتھ کھا لوں گا۔“ سیّد نے کہا: ”یہیں بیٹھ کر کھا لو۔“ سیّد کا خیال تھا کہ سورج بھان اکیلا کم مٹھائی کھائے گا جب کہ گھر لے جانے کے لیے زیادہ مٹھائی دینی پڑے گی۔ پنڈت وہیں بیٹھ کر مٹھائی کھانے لگا۔ جب وہ سیّد کی توقع سے زیادہ مٹھائی کھا چکا اور ہاتھ نہ روکا تو سیّد نے کہا: ”پنڈت جی! مٹھائی گھر ہی لے جائیں۔“ [1]

پیہوہ

پیہوہ ہندوؤں کا ایک مقدّس قصبہ تھا اور سیانہ سے تین کوس کے فاصلہ پر واقع تھا۔ وہاں تھانہ، ڈاکخانہ اور بڑا بازار تھے۔ روزمرّہ ضرورت کی چیزیں لینے کے لیے سیانہ والوں کا پیہوہ آنا جانا رہتا تھا۔ عموماً روزانہ کچھ نہ کچھ لوگ سیانہ سے پیہوہ جاتے آتے تھے۔ مریضوں کے لیے دوائی لینی ہوتی تو پیہوہ ہی جاتے تھے۔ اگر سیانہ کے کسی مکین کا منی آرڈر آتا تو ڈاکیا سیانہ سے آئے ہوئے کسی فرد کے ذریعہ پیغام بھیج دیتا تھا اور متعلقہ شخص پیہوہ جا کر منی آرڈر لے آتا تھا۔ سیانہ سے پیہوہ تک جنگل تھا۔ ہاٹوؤں کے محلہ سے پیہوہ جانے کے لیے نکلتے تو چند قدم چلنے کے بعد کھلی جگہ تھی جہاں گاؤں کے لڑکے کبڈی کھیلتے تھے۔ یہیں کبڈی کھیلتے ہوئے نذر مرحوم کا اکلوتا بیٹا یٰسین مخالف ٹیم کے ایک کھلاڑی کی لات پیٹ پر لگنے کی وجہ سے مر گیا تھا۔ اسی کھلی جگہ پر گاؤں کے ہندو ہر سال ہولی مناتے تھے۔ وہ بہت سی لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ لگاتے تھے۔ مسلمان بھی

---

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء، ۱۶ جنوری ۲۰۱۱ء

ہندوؤں کو ہولی مناتے ہوئے دیکھتے تھے۔ کھلی جگہ سے آگے ہندوؤں کا کھیڑا تھا جس کی چھوٹی چار دیواری تھی اور اندر آدمی کے قد جتنا ایک گنبد بنا ہوا تھا۔ کھیڑا کے اطراف میں کھیت تھے جن کے ساتھ کھیتوں کے مالکوں نے باڑ لگائی ہوئی تھی۔ ہندو کہتے تھے: "کھیڑا کی خیر ہو۔" یہ ان کی ایک دُعا تھی جس کا مطلب تھا کہ گاؤں پہ کوئی آفت نہ آئے۔ کھیڑا سے آگے پھر کچھ کھلی جگہ تھی جہاں گاؤں کے لڑکے کھیلتے تھے۔ اس کھلی جگہ کے دونوں اطراف میں کھیت تھے اور آگے جوہڑ تھا جس میں بارشوں اور سیلاب کا پانی جمع ہوتا تھا۔ جوہڑ سے آگے جنگل شروع ہو جاتا تھا۔ جنگل میں دو کلومیٹر چلنے کے بعد ایک کنواں تھا جہاں بھاگی نامی ہندو آنے جانے والوں کو پانی پلاتا تھا۔ مسلمانوں کو پانی کٹورے میں نہیں ملتا تھا بلکہ انہیں پانی چُلوؤں میں لے کر پینا پڑتا تھا۔ بھاگی کو جنگل میں کنواں بنانے والوں نے ملازم رکھا ہوا تھا۔ اس کنویں سے مزید ایک کلومیٹر چلنے کے بعد ایک میدان تھا جس کے بعد نہر کا پل تھا۔ نہر کے پل کے بعد پھر جنگل تھا۔ کچھ دُور چلنے کے بعد مالیانوالہ باغ تھا اور اس سے آگے پیہوہ تھا۔[1]

لڑائی جھگڑے

سیانہ میں سجاد حسین کے اثر و رسوخ اور انصاف پسندی کی وجہ سے آپس کے جھگڑے نہ ہونے کے برابر تھے۔ جمیل الدین کی بہن جینی زوجہ شہادت علی کے نام زمین تھی۔ جینی کی وفات کے بعد جمیل الدین کے بیٹوں احمد حسین اور محمد حسن نے اپنی پھوپھی کی زمین حاصل کرنے کے لیے مقدمہ کر دیا۔ احمد حسین کی بیوی ہاشمی دختر شہادت علی نے اس مقدمہ کی سخت مخالفت کی اور ناراض ہو کر اپنے باپ کے گھر چلی گئیں۔ احمد نے اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے مقدمہ کی پیروی چھوڑ دی۔ محمد حسن نے بھی اپنے بھائی کے گھریلو مسئلہ کی وجہ سے خاموشی اختیار کر لی۔[2]

ایک دفعہ محمود علی نے اپنے والد کے چچازاد بھائی فدا حسین کو کسی بات پر ناراض کر دیا۔ فدا نے پولیس میں ملازمت کی تھی اور بہت غصّے والے تھے۔ انہوں نے محمود کے کھلیان کو آگ لگا دی۔ محمود نے بھی فدا کے ساتھ سخت جھگڑا کیا۔[3]

خورشید علی اور عالم علی کی والدہ کبری سید کھیڑی کے سیّدوں کے دوسرے محلہ کی رہنے والی تھیں۔ اس محلہ کے رہائشی محمد حسن ولد برکت علی سے ان کی رشتہ داری تھی۔ محمد حسن کی وفات کے بعد جب ان کی بیوہ مبارک بیگم عرف ماکھو نے خاوند سے ورثہ میں ملی ہوئی زمین کو سیّدوں کے پہلے محلہ کے امام بارگاہ اولاد ناصر علی اور مسجد اولاد ناصر علی کے نام وقف کر دیا اور نذر حسین اور ناصر حسین کو اس وقف کا متولی قرار دیا تو خورشید اور عالم نے اس وقف کے خلاف راجپورہ عدالت میں دعویٰ استقرار حق کر دیا۔ اپنے دعویٰ میں انہوں نے لکھا کہ وہ متوفی محمد حسن کی بہن کے پوتے ہیں اور اس کے وارث بازگشت ہیں۔ اور یہ کہ بروئے رواج سادات متوفی کی زمین کے حقدار ہیں۔ اور یہ کہ انہوں نے ہر چند بیوہ سے کہا کہ وہ ان

---

۱ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ منڈی بہاؤالدین ــــ ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

۲ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء

۳ سیّد غلام عباس ولد محمود علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ لاہور ــــ ۴ اگست ۲۰۰۷ء

کی حق تلفی نہ کرے لیکن وہ ان کی حق تلفی پر تلی ہوئی ہے۔ اور اراضی متنازعہ کو امام باڑہ اولاد ناصر علی کے نام وقف کر دیا ہے۔ انہوں نے عدالت سے درخواست کی کہ ہبہ نامہ کو بے اثر قرار دیا جائے اور مدعیان کے حق میں ڈگری استقرار حق ملکیت دی جائے۔

نذر حسین اور ناصر حسین متولیان وقف نے اپنے جواب میں عدالت کو بتایا کہ مدعیان بروئے رواج قوم سادات وارثان بازگشت نہیں ہیں۔ نہ وہ متوفی مذکور کے ورثا میں داخل ہیں۔ وہ سیدکھیڑی میں بھی نہیں رہتے جس کی رُو سے ہمشیرہ متوفی کے پوتوں جیسے بعیدی رشتہ دار جو علاقہ غیر کے باشندے ہوں وقف پر معترض ہو سکیں۔مدعیان کو کوئی حق اعتراض حاصل نہیں ہے۔مسمات مبارکی کو اراضی ہبہ کرنے کا پورا اختیار حاصل تھا۔ یہ دعویٰ قابلِ اخراج ہے۔ خورشید اور عالم وقف کے خلاف اپنا مقدمہ بالآخر ہار گئے۔[۱]

اسماعیل آباد سکول میں رتی لال جو ایک بنیے کا لڑکا تھا مسلمانوں پر تنقید کرتا رہتا تھا۔ وہ سیانہ کے سیّد علی سے کہتا تھا: ”تم (یعنی مسلمان) کچھ بھی نہیں ہو۔“ سیّد علی کی اس سے کئی مرتبہ تُو تُو میں میں ہوئی۔ ایک مرتبہ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ سیّد علی نے رتی لال کی چٹیا پھاڑ دی۔ ایک اور ہندو لڑکے میوا سنگھ جو جاٹ تھا سے سیّد علی کی لڑائی ہو گئی۔ میوا سنگھ روڈا تھا۔ سیّد علی نے جوتی اتار کر اس کے سر پر ماری۔ میوا سنگھ کی چیخیں نکل گئیں۔ سیّد علی کے دوسرے ہندو دوستوں نے چھڑوا دیا۔ میوا سنگھ نے دھمکی دی: ”باہر نکلو گے تو میں تمہیں دیکھ لوں گا۔ میرا باپ نمبردار ہے۔“ سیّد علی نے جواب دیا: ”میرا باپ بھی نمبردار ہے۔ میں بھی تمہیں دیکھ لوں گا۔“ [۲]

سیدکھیڑی آنا جانا

سیانہ سیداں کے سادات کی رشتہ داریاں سیدکھیڑی کے سادات کے ساتھ تھیں، اس لیے ان کا سیدکھیڑی آنا جانا رہتا تھا۔ بہار بخش کے بزرگوں کی سیدکھیڑی میں پہلی رشتہ داری سیّدوں کے پہلے محلہ میں مولویوں کے خاندان میں ہوئی تھی۔[۳] بعدازاں بہار بخش کے بیٹے شبیر حسین کی شادی سیدکھیڑی کے سیّدوں کے پہلے محلہ میں کبری دختر محمد بخش سے ہوئی۔ کبری کا تعلق الٰہی بخش کے خاندان سے تھا۔ بہار بخش کے پوتے سجاد حسین ولد شبیر حسین کی دوسری شادی سیدکھیڑی کے سیّدوں کے پہلے محلہ میں رضیہ عرف جیا دختر محمد عسکری نمبردار سے ہوئی۔ جیا کا تعلق حیدر علی کے خاندان سے تھا۔[۴] کاظم علی ولد شہادت علی کی شادی سیدکھیڑی کے سیّدوں کے دوسرے محلہ میں کبری دختر امداد علی سے ہوئی۔[۵] جمیل الدین

---

۱ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۲ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۳ جنوری ۲۰۱۱ء

۳ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۵ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۲۹ جنوری ۲۰۱۱ء

ولد ہدایت حسین کی شادی سیدکھیڑی کے سیّدوں کے تیسرے محلہ میں رلّی دختر باقر علی سے ہوئی۔ احمد حسین ولد جمیل الدین کی دوسری شادی سیدکھیڑی کے سیّدوں کے تیسرے محلہ میں حیدری دختر سجاد حسین سے ہوئی۔[1] احمد حسین عرف بابو احمد ولد علی حسین کی پہلی شادی سیدکھیڑی کے سیّدوں کے پہلے محلہ میں حیدری دختر نذر حسین سے ہوئی۔[2]

احمد حسین ولد جمیل الدین کی دوسری بیوی حیدری فوت ہوئیں تو سیدکھیڑی سے لوگ تین گڈوں پر بیٹھ کر افسوس کرنے کے لیے سیانہ آئے۔ وہاں جب مہمانوں کو ناشتہ دیا گیا تو باقیوں کو سادہ پراٹھے دیئے گئے جب کہ سیدکھیڑی والوں کو آلو والے پراٹھے دیئے گئے۔ گاؤں والوں نے اس امتیازی سلوک پر اعتراض کیا۔[3]

تقسیم ہند سے کچھ پہلے سیانہ کے سیّد علی، جرار حسین، حسنین علی اور تصوّر حسین عموماً اکٹھے سیدکھیڑی جاتے تھے۔ سیدکھیڑی کے عابد حسین، جو سیانہ میں اپنی پھوپھی جیا کے پاس رہتے تھے، بھی اکثر ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ وہ پیہوہ تک بیل گاڑی میں جاتے، وہاں سے بس میں بیٹھ کر تھانیسر جاتے، وہاں سے ٹرین یا بس کے ذریعہ راجپورہ پہنچتے اور وہاں سے پیدل یا کسی بیل گاڑی میں سیدکھیڑی پہنچ جاتے تھے۔ جرار اور حسنین تو سیّدوں کے پہلے محلہ میں اپنے نانا محمد عسکری نمبردار کے گھر ٹھہرتے جب کہ سیّد علی اور تصوّر سیّدوں کے دوسرے محلہ میں مبارکی بیگم عرف ماکھو بیوہ محمد حسن کے گھر چلے جاتے تھے۔ محمد حسن مرحوم کے ساتھ سیّد علی اور تصوّر کے بزرگوں کی رشتہ داری تھی۔ تصوّر کی دادی بھی سیدکھیڑی کی تھیں۔ سیّد علی عموماً سیّدوں کے تیسرے محلہ میں رمضان کے گھر جا کر کھیلتے تھے اور سیّدوں کے دوسرے محلہ میں منظور کے گھر نہیں جاتے تھے اگرچہ منظور سے بھی ان کی رشتہ داری تھی۔ منظور سے ان کے بزرگوں کی نہیں بنتی تھی جب کہ رمضان سے بنتی تھی۔ رمضان کی بیٹی کنیز سیّد علی سے ایک سال بڑی تھیں۔ رمضان کے فرزند مسلم حسین عرف موچھی عموماً سیّد علی کو اپنے ساتھ کنویں پر لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ سیّد علی اپنے نانا احمد حسین کے ساتھ اونٹ پر بیٹھ کر بھی سیدکھیڑی گئے۔ ان کے ساتھ ایک اور اونٹ پر کچھ دوسرے لوگ تھے۔ وہ صبح سیانہ سے چلے اور دوپہر کو ۳۰ کوس دور سیدکھیڑی پہنچ گئے کیونکہ اونٹ بیلوں سے زیادہ تیز چلتے ہیں۔[4] سیانہ کے کئی بزرگوں کی رشتہ داریاں گوہلہ اور ٹھسکہ میں بھی تھیں اور وہاں بھی ان کا آنا جانا رہتا تھا۔

سجاد اور ان کا دیوان خانہ

میر سجاد حسین ۱۲ گاؤں کے سفید پوش تھے۔ ان دیہاتوں کے لوگ اپنے جھگڑوں اور مسائل کے حل کے لیے سجاد کی طرف رجوع کرتے تھے۔ سجاد جو فیصلہ کر دیتے سب اسے مانتے تھے۔ وہ گاؤں میں بڑے تھے اور سیانہ اور اس کے

---

۱ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ سیّد قائم حسین ولد سید محمد (سابق رہائشی سیدکھیڑی) گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۴ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء، ۱۵ جنوری ۲۰۱۱ء

اردگرد دیہاتوں میں ان کی بات چلتی تھی۔ سجاد کے دیوان خانہ میں ایک وقت میں ۱۰۰ آدمی چارپائیوں پر بیٹھتے تھے۔ اپنے دیوان خانہ میں ہی سجاد جھگڑوں کا فیصلہ دونوں فریقوں کا مؤقف سن کر کرتے تھے۔ ان کا فیصلہ جھگڑے کی نوعیت کے مطابق ہوتا تھا۔ کبھی زیادتی کرنے والے کو صِرف تنبیہ کرتے تھے، کبھی دو ڈنڈے مار کر آئندہ ایسی زیادتی نہ کرنے کا کہتے تھے اور اگر معاملہ سنجیدہ ہوتا تو زیادتی کرنے والے کو پولیس کے حوالہ کر دیتے تھے۔ جو ان کی بات مانتا تھا سجاد اس کا ساتھ دیتے تھے۔ تھانیدار اور ڈی سی (ڈپٹی کمشنر) سجاد کی صلاح پر چلتے تھے۔ علاقہ میں اگر جرم ہوتا اور ملزم پکڑا جاتا تو پولیس والے اسے عموماً سجاد کے دیوان خانہ میں لے آتے تھے اور وہیں ملزم سے تفتیش کرتے تھے۔ جسے سجاد چھوڑ دینے کا کہتے پولیس والے اسے چھوڑ دیتے تھے اور جس کے خلاف کارروائی کرنے کا کہتے اسے ساتھ لے جاتے تھے۔ سجاد کی اجازت کے بغیر کسی کو گرفتار کر کے نہیں لے جاتے تھے۔

سیّد سالم حسین نے کہا: "ایک دفعہ بلوچ میرے والد کا بیل چُرا کر لے گئے۔ میرے والد نے جاٹوں کے متعلق شک کا اظہار کیا اور ان کے خلاف پرچہ درج کروا دیا۔ تھانیدار ہر آٹھویں دن سجاد کے دیوان خانہ میں آتا تھا اور جاٹوں کو بلا کر تفتیش کرتا تھا۔" [1]

سیّد منوّر علی نے کہا: "ایک دن میرے والد صبح کی نماز پڑھنے مسجد جانے کے لیے گھر سے نکلے تو دیکھا کہ باڑے میں جانور نہیں ہیں۔ نماز پڑھنے کے بعد میرے والد گھر آئے اور مجھے اٹھایا۔ پھر ہم دونوں اپنے جانوروں کی تلاش کے لیے جنگل میں گئے۔ دوپہر تک مختلف سمتوں میں تلاش کرنے کے باوجود ہمیں اپنے جانور کہیں نظر نہ آئے۔ تھک ہار کر ہم دونوں گھر واپس چلے۔ جونہی ہم گاؤں میں داخل ہوئے ہمیں جرار یا حسنین ملا اور کہا: 'تمہارے جانور بھی مل گئے ہیں اور چور بھی پکڑا گیا ہے۔' یہ سن کر ہماری ساری تھکاوٹ اتر گئی اور ہم خوش خوش سجاد کے دیوان خانہ میں گئے جہاں پولیس بھی تھی اور زخمی چور بھی موجود تھا۔ ہمارے جانور چُرانے والے چار ڈوگر تھے جن کا تعلق سمان پور یا دھولے کنویں سے تھا۔ جب یہ چور ہمارے جانور لے کر جا رہے تھے تو سنسر گاؤں کے پاس انہیں چار پانچ ہندو لڑکے ملے جنہیں شک ہو گیا کہ یہ جانور چُرا کر لے جا رہے ہیں۔ جب انہوں نے چوروں سے پوچھا تو وہ اکڑ دِکھانے لگے۔ لڑکوں نے کہا: 'یہ چور ہیں، انہیں پکڑ لو۔' اس پر دونوں گروہوں میں لڑائی ہوئی اور خوب لاٹھی چلی۔ ڈوگروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگے۔ لیکن ایک چور کو ہندو لڑکوں نے پکڑ لیا۔ لڑکے اس چور اور جانوروں کو سنسر گاؤں لے گئے جہاں پولیس والے پہلے سے کسی کیس کی تفتیش کے سلسلہ میں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے چور اور جانوروں کو پولیس کے حوالہ کر دیا۔ پولیس والوں کے پوچھنے پر چور نے کہا کہ وہ سیانہ سے جانور لائے ہیں۔ پولیس والے چور کو گدھے پر بٹھا کر سجاد کے دیوان خانہ میں لے آئے اور جانور بھی ساتھ لے آئے۔ سجاد نے پولیس والوں کو چوروں کے خلاف کارروائی کرنے کا کہا۔ پولیس نے گرفتار چور کی نشاندہی پر اس کے

---

۱ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء، یکم ستمبر ۲۰۱۱ء

ساتھیوں کو بھی پکڑ لیا۔ اس کیس میں چوروں کو چھ ماہ قید کی سزا ہوئی۔" ①

سیّد تصوّر حسین نے کہا: "سیانہ کے رہائشی رولیا ڈوگر نے ایک دن شاہ پور کے ہندو جاٹوں کی ۱۵، ۲۰ گائیں بھیکا لگا کر جنگل میں بند کر دیں۔ ہندو جاٹ اپنی گائیوں کو ڈھونڈتے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور انہیں اس طرح بند دیکھ کر سمجھ گئے کہ کوئی چوری کی نیت سے ایسا کر گیا ہے۔ وہ چور کو پکڑنے کے لیے وہیں چھپ کر بیٹھ گئے۔ رات کو رولیا ڈوگر جنگل میں گیا تاکہ بند کی ہوئی گائیں لے آئے۔ جب وہ مویشیوں کو نکالنے کی کوشش کرنے لگا تو جاٹوں نے اسے پکڑ لیا اور مار مار کر لہو لہان کر دیا۔ پھر جاٹوں نے پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس نے آکر رولیا ڈوگر کو گرفتار کر لیا اور سجاد کے دیوان خانہ میں لے آئے۔" ②

جان محمد عرف جانو فقیر نے کہا: "جب پولیس والے رولیا ڈوگر کو دیوان خانہ میں لائے تو میں نے دیکھا کہ تھانیدار چارپائی پر بیٹھ گیا اور ایک سپاہی رولیا کو لِٹا کر اس پر چڑھ گیا اور اسے مارنے لگا۔" ③

سیّد تصوّر حسین نے کہا: "رولیا ڈوگر زخمی تھا اور خون اس کے جسم اور کپڑوں پر جما ہوا تھا۔ مکھیاں اس کے منہ اور کپڑوں پر بھنبھنا رہی تھیں۔ سجاد نے پولیس والوں سے کہا کہ وہ رولیا کو لے جائیں اور قانون کے مطابق کارروائی کریں۔ پولیس والے اسے لے گئے اور اس کے خلاف چوری کا کیس درج کیا۔ رولیا ڈوگر کو تین سال کی سزا ہوئی۔ اس نے ملتان جیل میں سزا کاٹی۔" ④

سیّد منوّر علی نے کہا: "ایک دن ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی کہ سیانہ کے لڑکے کبڈی کھیلنے گاؤں سے باہر کھلی جگہ پر چلے گئے۔ ان میں زیادہ لڑکے سیّدوں اور ڈوگروں کے تھے۔ سیّدوں میں نذر حسین مرحوم کا بیٹا یٰسین بھی تھا۔ میں اپنے والد اور بڑے بھائی، جو زمین کاشت کرتے تھے، کے لیے روٹی لے کر گھر سے نکلا۔ لڑکوں کو کبڈی کھیلتے دیکھ کر میں گراؤنڈ کے باہر بیٹھ گیا۔ بنجاروں کا ایک لڑکا، جو میرا ہم عمر تھا اور جس کا نام شاید رفیق تھا، بھی میرے ساتھ بیٹھ کر کبڈی دیکھنے لگا۔ ہم دونوں چونکہ چھوٹے تھے اس لیے کھیل میں شامل نہیں ہو سکتے تھے۔ کچھ دیر کے بعد نذر کا بیٹا یٰسین اپنی باری پر مخالف ٹیم کی طرف گیا تو اسے بیک وقت چار پانچ لڑکوں نے قابو کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں کِسی ایک کی ٹانگ اس کے پیٹ پر لگی۔ ہمیں پتہ نہ چل سکا کہ کِس کی ٹانگ اس کے پیٹ پر لگی۔ یٰسین گرا اور اسی وقت دَم توڑ دیا۔ سب لڑکے پریشان ہو گئے۔ مجھے اور بنجاروں کے لڑکے کو یٰسین کی لاش کے پاس بٹھا کر سب لڑکے گاؤں چلے گئے اور چوکیدار کو ساتھ لے آئے۔ پھر ہم سب یٰسین کی میّت کو گاؤں لے گئے اور میر سجاد حسین کو واقعہ کی اطلاع دی۔ میر صاحب کے کہنے پر یٰسین کو دفن کر دیا گیا۔ یٰسین کا سوتیلا باپ برکت گاؤں سے باہر تھا۔ دو تین دن بعد وہ واپس آیا اور یٰسین کی موت کے واقعہ سے

---

۱ سیّد منوّر علی ولد ظہور علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ سلانوالی ــــ ۲۱ جولائی ۲۰۱۱ء

۲ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ گلاب گرمانی ــــ ۲۶ مئی ۲۰۱۱ء

۳ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ منڈی بہاؤالدین ــــ ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

۴ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ گلاب گرمانی ــــ ۲۶ مئی ۲۰۱۱ء

مطلع ہونے کے فوراً بعد پیہوہ تھانہ میں جا کر کبڈی کھیلنے والوں کے خلاف درخواست دے دی۔ پولیس نے سب لڑکوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ یہاں تک کہ مجھے بھی تھانیدار نے سپاہی بھیج کر دو دفعہ تھانہ بُلایا اور پوچھا: 'کس کی لات یٰسین کے پیٹ پر لگی تھی؟' میں نے دونوں مرتبہ جواب دیا: 'پتہ نہیں۔'" ①

سیّد سالم حسین نے کہا: "نذر کے بیٹے یٰسین کو کبڈی کھیلتے وقت سلیمان ڈوگر ولد برکت ڈوگر کی ٹانگ لگی تھی جس کے باعث یٰسین کی موت واقع ہوئی۔" ②

سیّد غلام حسن نے کہا: "سجاد کے کہنے پر یٰسین کو دفن کر دیا گیا تھا اور گاؤں میں مشہور کر دیا گیا تھا کہ یٰسین کی وفات ہیضہ کی وجہ سے ہوئی ہے۔ لیکن یٰسین کی وفات چونکہ کئی لڑکوں کے سامنے ہوئی تھی اس لیے اس کی موت کی اصل وجہ ایک کھلا راز تھی۔ یٰسین کے سوتیلے باپ برکت نے گاؤں واپس آکر شور مچایا اور کہا: 'میں قبر کھدوا کر لاش نکلواؤں گا اور مقدمہ کروں گا۔' برکت کی کارروائیوں اور ارادوں کے بارے میں سجاد کو بتایا گیا تو انہوں نے برکت کو بلا کر دھمکایا جس کے نتیجہ میں وہ خاموش ہو گیا اور اس طرح یہ معاملہ ختم ہو گیا۔" ③

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: "میرے والد (اعجاز علی) کا اپنے بھائی محمود علی کے ساتھ آبائی مکان کی تقسیم کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ میرے والد اور چچا دونوں نے فیصلہ کے لیے سجاد حسین کی طرف رجوع کیا۔ سجاد آئے اور مکان کے درمیان میں لکیر کھینچ دی۔ دونوں بھائیوں نے سجاد کی تقسیم کو منظور کر لیا اور اس طرح جھگڑا ختم ہو گیا۔" ④

سیّد غلام حسن نے کہا: "گوہلہ کے ایک زمیندار نے ایک بنیے سے قرضہ لیا اور واپس نہ کیا۔ بنیے نے مقدمہ کر دیا۔ شاہ آباد میں ایک عرضی نویس تھا جسے اگر کوئی دستخط دِکھا دیتے تو ہو بہو ویسے دستخط کر دیتا تھا۔ زمیندار نے اس عرضی نویس سے بنیے کے دستخط دکھا کر ایک جعلی دستاویز پر ویسے دستخط کروا لیے اور وہ تحریر عدالت میں پیش کر دی کہ جس کے مطابق بنیے نے پیسوں کی واپس وصولی کا اقرار کیا تھا۔ بنیے نے عدالت میں کہا: 'یہ دستخط میں نے نہیں کیے۔ سیانہ کا سجاد حسین ان کا رشتہ دار ہے۔ اسے ثالث مقرر کر دیں۔ وہ جو فیصلہ کرے گا مجھے منظور ہو گا۔' جب معاملہ سجاد کے پاس آیا تو انہوں نے بنیے سے کہا: 'میں سود واپس لے کر نہیں دوں گا۔ اصل رقم واپس کروا دوں گا۔' بنیے نے کہا: 'اصل رقم ہی لے دیں۔' سجاد نے اصل رقم بنیے کو دِلوا دی۔" ⑤

محمد بشیر نے کہا: "ایک دفعہ سجاد کی بھینسیں چوری ہو گئیں۔ گاؤں کے ایک شخص نے چوروں کو بھینسیں گڑھی کی

---

۱ سیّد منوّر علی ولد ظہور علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — سلانوالی — ۲۱ جولائی ۲۰۱۱ء

۲ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — یکم ستمبر ۲۰۱۱ء

۳ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء

۴ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

۵ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ مارچ 2019ء

طرف لے جاتے دیکھ لیا۔ اس نے سجاد کو بتایا کہ گڑھی والے سکھ ان کی بھینسیں چُرا کر لے گئے ہیں۔ سجاد نے اپنے ایک ملازم کو گڑھی بھیجا۔ ملازم گڑھی پہنچ کر حسب ہدایت وڈیرے کے پاس گیا اور کہا: 'آپ کے آدمی سجاد کی بھینسیں چُرا لائے ہیں۔' سجاد کا نام سُن کر وڈیرے نے کہا: 'بھینسیں باڑے میں کھڑی ہیں، لے جا۔' ملازم بھینسیں لے کر واپس آ گیا۔" [١]

مذہبی ماحول

تقسیم ہند سے پہلے سیانہ سیداں میں کوئی فرقہ بازی نہیں تھی۔ شیعہ بزرگوں کے بچّے سنّیوں کی جامع مسجد میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تھے۔ کچھ بڑے ہوتے تو پھر ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے لگتے تھے۔[٢] اسی طرح سنّی بزرگ عزاداری میں بھرپور شرکت کرتے تھے اور ان کے بچّے محرم میں ساری رات تعزیہ کے گرد بیٹھتے، عَلَم اٹھاتے اور ماتم بھی کرتے تھے۔ دس محرم کو تعزیہ کا جلوس شاہ زید کے مزار پر جا کر ختم ہوتا تھا۔[٣] اعجاز علی اور محمود علی بچپن میں دوسرے بچّوں کی طرح سنّیوں کے ساتھ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے رہے۔ بعدازاں انہوں نے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنی شروع کی جب کہ ان کے دادا آخری عمر تک ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے رہے۔[٤] ظہور علی، قاضی لطیف وغیرہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تھے۔[٥] نُور محمد پیری مریدی کرتے تھے اس لیے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تھے۔ حکیم جی علی حسین، جو سِیون میں اپنے مریدوں کے پاس رہتے تھے، سیانہ آتے تو ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے لیکن جب اپنے مریدوں کے پاس ہوتے تو ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تھے۔ عالم علی ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تھے۔ اعجاز اور محمود کے علاوہ سیانہ کے سیّدوں میں ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے والوں میں سجاد حسین، احمد حسین، محمد حسن، بابو احمد، دلبر حسین، رضا حسین، دلدار حسین اور رشید علی شامل تھے۔ رشید بعد میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے لگے۔[٦] مغل بادشاہ اورنگ زیب کے ظلم سے بچنے کے لیے دوسرے علاقوں کی طرح سیانہ کے شیعہ سیّدوں نے بھی تقیہ کے تحت سنّی مسلک اختیار کر لیا تھا۔ اگلی نسلوں میں کچھ سیّد بزرگ سنّی ہی رہے۔ مسالک مختلف ہونے کے باوجود ان سیّد بزرگوں کی آپس میں رشتہ داریوں کا سلسلہ تقسیم ہند تک مسلسل جاری رہا۔[٧]

---

١ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ١٧ نومبر ٢٠٠٥ء

٢ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ٢٥ دسمبر ٢٠٠٥ء

٣ سیّد منوّر علی ولد ظہور علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — سلانوالی — ٢١ جولائی ٢٠١١ء

٤ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ١٨ نومبر ٢٠١٠ء

٥ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ٥ فروری ٢٠١١ء

٦ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ٢٠، ٢٣ جنوری ٢٠١١ء

٧ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-٢٢ فروری ٢٠٠٥ء

مساجد و امام بار گاہ

سیانہ سیداں میں تین مساجد علیحدہ بنی ہوئی تھیں جب کہ ایک مسجد امام بار گاہ سے ملحقہ تعمیر ہوئی تھی۔[۱] تین علیحدہ مساجد میں ایک جامع مسجد تھی اور دو چھوٹی مساجد تھیں۔ جامع مسجد میں نماز باجماعت ہوتی تھی جب کہ دونوں چھوٹی مساجد اور امام بار گاہ سے ملحقہ مسجد میں لوگ فرادا نماز پڑھتے تھے۔[۲] میر سجاد حسین کے دیوان خانہ کے سامنے کچھ کھلی جگہ تھی جہاں مویشی باندھتے تھے۔ اس کھلی جگہ کے ایک طرف اونچی جگہ پر امام بار گاہ کی عمارت تھی اور اس سے ملحقہ مسجد تھی۔ جامع مسجد بھی وہیں تھی۔[۳] ایک چھوٹی مسجد بنیوں کے محلہ میں اعجاز علی اور محمود علی کے گھر کے ساتھ تھی اور دوسری چھوٹی مسجد چڑوں کے محلہ میں تھی۔ تقسیم ہند سے پہلے جامع مسجد میں ظہور علی اذان دیتے تھے اور قاضی لطیف نماز پڑھاتے تھے۔ عید گاہ گاؤں سے آدھا میل باہر تھی۔ عید کی نماز بھی قاضی لطیف ہی پڑھاتے تھے۔[۴] بارہ گاؤں کے مسلمان اس عید گاہ میں نماز ادا کرتے تھے۔

تقسیم ہند کے وقت سیانہ میں امام بار گاہ کی جو عمارت موجود تھی وہ ۳۳-۱۹۳۲ء میں تعمیر ہوئی تھی۔[۵] گاؤں میں عزاداری کی سرپرستی میر سجاد حسین کرتے تھے۔[۶] وہ سوز خوانی بھی کرتے تھے۔ محمد حسن، گھسیٹا ولد ابراہیم نائی اور سادھو سنار، جو ہندو تھا، سجاد کے سوزی تھے۔[۷] عورتوں کی مجالس سجاد کے گھر میں منعقد ہوتی تھیں جن میں حیدری زوجہ بابو احمد بھی پڑھتی تھیں۔[۸] ان مجالس میں گاؤں کی شیعہ، سنّی سب خواتین شامل ہوتی تھیں۔[۹] گاؤں کے مرد اور خواتین امام بار گاہ میں آکر عَلَم اور تعزیہ کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔ اعجاز علی کے فرزند سیّد علی جب ایک سال کے ہوئے تو انہیں ان کی نانی ہاشمی زوجہ احمد حسین زیر تعمیر امام بار گاہ میں لے گئیں اور عَلَم کے آگے گرم ریت پر لٹا دیا۔ سیّد علی آرام سے لیٹے رہے۔ کچھ دیکھنے والوں نے تعجب کا اظہار بھی کیا کہ بچّہ گرم ریت پر کیسے سکون سے لیٹا ہوا ہے۔ کچھ دیر کے بعد ان کی نانی نے انہیں وہاں سے اٹھایا اور تعزیہ کے قریب لے جا کر لٹا دیا۔ سیّد علی کی نانی مجالس میں شرکت اور نیاز کا اہتمام بڑی

---

۱ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۵ فروری ۲۰۱۱ء

۳ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

۴ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۵ فروری ۲۰۱۱ء

۵ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۶، ۲۳ جنوری ۲۰۱۱ء

۶ مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ — ص ۲۶۹

۷ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۰ ستمبر ۲۰۱۹ء
محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۱ ستمبر ۲۰۱۹ء

۸ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

۹ سیّد منوّر علی ولد ظہور علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — سلانوالی — ۲۱ جولائی ۲۰۱۱ء

عقیدت و احترام سے کرتی تھیں۔[1]

مزار

سیانہ میں کئی بزرگوں کے مزار تھے۔ شاہ زید کا مزار تقریباً ایک ایکڑ احاطہ میں تھا جس کی چھوٹی چار دیواری تھی۔ سیانہ کے سیّد شاہ زید کی اولاد تھے اور شاہ زید کو ہی سب سے بڑا بزرگ مانتے تھے۔ ہر جمعرات کو ان کی قبر پر دیوا جلایا جاتا تھا۔ محرم کے دنوں میں خاص طور پر شاہ زید کے مزار پر سادات کی طرف سے نیاز تقسیم ہوتی تھی۔ عام دنوں میں بھی عقیدت مند چُوری یا کھانے کی کوئی اور چیز لے جا کر تقسیم کرتے تھے۔ شاہ زید کی اولاد میں سے جو مزار پہ جاتا وہ رضاکارانہ طور پر مزار کی صفائی بھی کر دیتا تھا۔ عام دنوں میں گاؤں کے لوگ آتے جاتے مزار پر فاتحہ پڑھتے تھے۔[2] جان محمد عرف جانو فقیر کے مطابق: "شاہ زید کے مزار پر نوبت بجتی تھی۔ لوگ چڑھاوے چڑھاتے تھے اور پیسے بھی ڈال جاتے تھے۔ میں ہر جمعرات کو مزار پر جا کر جھاڑو دیتا تھا۔ اس خدمت کے عوض مجھے ایک آنہ ملتا تھا۔ اگر میں بیمار ہوتا تو پھر بھی ایک آنہ کے لالچ میں مزار پر جھاڑو دینے کے لیے چلا جاتا تھا۔" شاہ زید کے مزار سے آگے ایک بڑا جوہڑ تھا جس میں بارشوں اور سیلاب کا پانی جمع ہوتا تھا۔ اس جوہڑ سے عورتیں چکنی مٹی گھروں میں لپائی کرنے کے لیے نکال کر لے جاتی تھیں۔ شاہ زید کے مزار کے پاس ایک اونچا ٹبہ تھا جس پر نرسلوں کے جھنڈ تھے جن سے قلمیں بنتی تھیں۔ ہاٹوؤں کے محلہ سے نکلتے تو شاہ زید کے مزار کے ساتھ سے ہی ٹلھیڑی کی جانب راستہ جاتا تھا۔[3] سیّد سالم حسین کے مطابق: "شاہ زید کے مزار کا انتظام ساڈھورہ کے سیّد کرتے تھے جو شاہ زید کی اولاد تھے۔ انھوں نے ہی اس مزار کے اردگرد چار دیواری بنوائی تھی۔" شاہ زید، ان کے مزار اور اولاد کا ذکر مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ (ص ۲۶۷۔۲۷۰) میں ہے۔ سیانہ میں شاہ عبداللطیف کا مزار بھی تھا جو ایک دو مرلہ جگہ پر تھا۔ مزار کے اردگرد پانچ چھ فٹ اونچی دیوار تھی۔ یہ مزار ۵۰، ۶۰ فٹ اونچے ٹبہ پر تھا۔[4] شاہ عبداللطیف کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ جلال اور غصہ والے تھے۔[5] سیانہ میں شاہ سلیمان شہید، محمد حاجی اور احسان علی شاہ کے مزار بھی تھے۔ یہ سب مزار چھوٹے تھے۔ احسان علی شاہ کا مزار امام بارگاہ کی چار دیواری کے اندر تھا۔

سیّد سالم حسین نے کہا: "میرا بڑا بھائی عاشق حسین ۱۹۳۵ء میں بیمار ہوا اور دوائیوں سے کوئی افاقہ نہ ہوا تو میرے والد نے مجھے صادق حسین کے پاس گوہلہ بھیجا۔ صادق کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کسی عمل کے ذریعہ کسی بھی بیماری یا نقصان کی اصل وجہ معلوم کر لیتا ہے۔ لوگ اس پر یقین رکھتے تھے۔ گوہلہ ہمارے گاؤں سے ۱۷ میل دُور تھا۔ میں صبح سویرے سیانہ سے پیدل چلا اور مغرب کے وقت گوہلہ پہنچ گیا۔ لوگوں سے پوچھتے پوچھتے میں صادق کے مکان پر پہنچا اور

---

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۳ جنوری ۲۰۱۱ء
۲ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۲۶ مئی ۲۰۱۱ء
۳ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء
۴ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — یکم ستمبر ۲۰۱۱ء
۵ سیّد منوّر علی ولد ظہور علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — سلانوالی — ۲۱ جولائی ۲۰۱۱ء

دروازہ پر دستک دی۔ صادق کی بہن دروازہ پر آئی اور مجھ سے آنے کا مقصد پوچھا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں سیانہ سے آیا ہوں اور مجھے صادق سے اپنے بھائی کی بیماری کے سلسلہ میں ملنا ہے۔ صادق کی بہن نے کہا کہ وہ کسی دوسرے گاؤں گیا ہے اور کل تک واپس آئے گا۔ صادق کی بہن نے مجھے اندر بلا لیا۔ اس نے نماز پڑھی، میں نے بھی نماز پڑھی۔ اس نے کھانا پکایا، مجھے دیا اور خود بھی کھایا۔ پھر صادق کی بہن نے مجھ سے سیانہ میں میرے گھر کی نشانی پوچھی۔ میں نے اسے اپنے گھر کے سامنے اور اطراف میں واقع عمارتیں نشانی کے طور پر بتائیں۔ اس کے بعد صادق کی بہن نے مجھ سے کہا کہ سو جاؤ۔ مجھے اس وقت یہ بات سمجھ نہ آئی کہ صادق کی بہن نے مجھ سے میرے گھر کے بارے میں نشانی کیوں پوچھی ہے۔ کچھ عرصہ بعد مجھے پتہ چلا کہ صادق کی بہن جنات کی عاملہ ہے۔ اس نے ایک جن کو سیانہ میں ہمارے گھر یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر مریض کو کوئی جن تنگ کر رہا ہے تو اسے کہے کہ مریض کو چھوڑ دے اور اگر وہ انکار کرے تو صادق کی بہن کی طرف سے اس کے خلاف عمل کرنے کی دھمکی دے۔ اس جن کو صادق کی بہن نے ہمارے گھر کی نشانی بتا دی۔ جن ہمارے گھر پہنچا تو دیکھا کہ اہل خانہ رو پیٹ رہے ہیں۔ جن نے واپس آکر صادق کی بہن کو بتایا کہ اس کے پہنچنے سے پہلے مریض فوت ہو گیا اور گھر میں ماتم برپا ہے۔ صبح جب میں اٹھا تو صادق کی بہن نے مجھے فوراً سیانہ واپس جانے کا کہا اور یہ بھی کہا کہ جب صادق واپس آئے گا تو وہ اسے سیانہ بھیج دے گی۔ اس نے مجھے میرے بھائی کی وفات کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ صادق کی بہن کے کہنے پر میں اسی وقت سیانہ واپس چل پڑا۔ عصر کے وقت جب میں سیانہ سے دو میل دُور تھا تو گوہلہ کے مسلم حسین اور اختر حسین مجھے ملے۔ وہ کسی کام سے سیانہ آئے تھے اور واپس گوہلہ جا رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: 'کدھر سے آ رہے ہو؟' میں نے انہیں بتایا کہ میں گوہلہ گیا تھا تاکہ صادق سے اپنے بھائی کی بیماری کی وجہ معلوم کرنے کے لیے عمل کرواؤں۔ میں نے مسلم اور اختر سے اپنے بھائی کی خیریت دریافت کی۔ ان دونوں نے عاشق کے جنازے میں شرکت کی تھی لیکن انہوں نے راستہ میں مجھے میرے بھائی کی وفات کی خبر دینا مناسب نہ سمجھا اور مجھ سے کہا: 'تمہارا بھائی خیریت سے ہے۔' جب میں گاؤں کے قریب پہنچا تو مجھے اپنا ایک دوست ملا جس نے مجھے میرے بھائی کی موت کی خبر دی اور یہ بھی بتایا کہ اسے دفن کیا جا چکا ہے۔ میں وہاں سے روتے ہوئے اپنے گھر پہنچا۔" [1]

---

۱ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — یکم ستمبر ۲۰۱۱ء
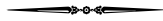
ٹھسکہ میراں جی

تقسیم ہند سے پہلے ٹھسکہ میراں جی تحصیل تھانیسر ضلع کرنال میں راجپوت مسلمانوں کا ایک بڑا قصبہ تھا۔ کچھ گھر ترمذی سادات کے بھی تھے جن کے بزرگ تقسیم ہند سے ایک صدی پہلے سیانہ سیداں سے ہجرت کر کے وہاں آباد ہوئے تھے۔ اورنگ زیب کے دورِ حکومت میں دباؤ اور خوف کے باعث ہندوستان کے باقی علاقوں کی طرح سیانہ سیداں میں بھی شیعہ سادات نے تقیہ کر لیا تھا اور بعدازاں ان میں سے کچھ کی نسلیں سنّی ہی رہیں۔ وہ نکاح اور جنازے پڑھانے اور دوسری مذہبی رسومات کی ادائیگی میں راہنمائی کے لیے ٹھسکہ آتے رہتے تھے اور وہاں کے راجپوت ان کی بہت عزّت کرتے تھے۔ یہی مذہبی اور معاشی تعلق سیانہ کے سادات کا ٹھسکہ آکر آباد ہونے کا باعث بنا۔[۱]

سیانہ کے جو سیّد بزرگ ٹھسکہ آکر آباد ہوئے ان کا تعلق شاہ میر بن شاہ زید بن احمد زاہد کی اولاد سے تھا۔ شاہ میر کی اولاد کو سیانہ میں چڑے کہتے تھے۔سیانہ کے بابو احمد حسین ولد علی حسین ٹھسکہ کے قاضی محمد شفیع ولد محمد حسین کے جدی تھے۔ وہ سیانہ کے سفید پوش میر سجاد حسین کو ساتھ لے کر ٹھسکہ آئے اور دونوں نے قاضی شفیع سے کہا کہ وہ سیانہ واپس آ جائیں تو ان کی جدی زمین کا قبضہ انہیں واپس کر دیا جائے گا۔ تاہم قاضی شفیع نے ٹھسکہ چھوڑ کر سیانہ جانے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ ٹھسکہ میں معاشی طور پر خوشحال تھے اور صاحب عزّت و وقار تھے۔[۲]

خاندان

تقسیم ہند سے پہلے ٹھسکہ میراں جی میں جو ترمذی سادات آباد تھے وہ نُور محمد اور ان کے دو بھائیوں کی اولاد تھے۔ ان کے مندرجہ ذیل بزرگ ٹھسکہ میں رہے:

قاضی نُور محمد

نُور محمد ٹھسکہ میں قاضی متعین تھے اور اسی وجہ سے ان کی اولاد کو قاضیوں کا خاندان کہا جاتا ہے۔ وہ میراں شاہ بھیک کے مزار کے سجادہ نشین بھی تھے۔ ٹھسکہ میں انہوں نے کچھ زمین بھی خریدی۔ سیانہ میں بھی ان کی وراثتی زمین تھی جس پر ان کے جدی رشتہ داروں کا قبضہ تھا۔ ٹھسکہ اور اس کے گردونواح میں نکاح بھی وہ پڑھاتے تھے۔[۳]

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء

۳ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

نُور محمد کے تین بیٹے محمد حسین، عطا حسین اور نذیر حسین اور ایک بیٹی تھیں۔ اپنی بیٹی کی شادی انہوں نے گوہلہ کے ذیلدار محمد بخش کے بیٹے محمد امیر سے کی اور پھر ذیلدار محمد بخش کی دو بیٹیاں اپنے بیٹوں کے ساتھ بیاہ کر لائے۔[1] نُور محمد کی بیوی کا گھر میں کنٹرول تھا۔ گھر میں وہی پکتا تھا جو وہ چاہتی تھیں۔ ایک دن ان کے حکم پر ایسا سالن بنایا گیا جو ان کی بہو مریم النساء زوجہ عطا حسین کو پسند نہیں تھا۔ مریم نے صحن میں لٹکی ہوئی ہانڈی کو رات کے وقت گرا کر توڑ دیا۔ صبح ان کی ساس نے اپنی بہوؤں سے پوچھا: "ہانڈی کس نے توڑی ہے ؟" بہوؤں میں سے ایک نے کہا: "ہو سکتا ہے بلی نے ہانڈی گرا دی ہو۔" لیکن ان کی ساس نے مریم کی طرف اشارہ کر کے کہا: "ہانڈی اس نے توڑی ہے۔" [2]

قاضی محمد حسین

نُور محمد کے بڑے بیٹے محمد حسین گاؤں میں ڈاکخانہ کے انچارج تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد وہ میراں شاہ بھیک کے مزار کے سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ ان کی شادی حمیدن دختر اکبر علی سے گوہلہ میں ہوئی اور ان کے تین فرزند محمد شفیع، لطیف حسین اور سجاد حسین اور دو بیٹیاں کبری اور صغری ہوئیں۔ کبری کی شادی گوہلہ کے زوّار حسین ولد احمد حسین سے اور صغری کی شادی سید کھیڑی کے احمد حسن ولد محمد حسن سے ہوئی۔[3]

محمد حسین بڑھاپے میں بیمار ہوئے تو علاج کی غرض سے دہلی گئے۔ ان کے بڑے بیٹے محمد شفیع ان کے ساتھ تھے۔ ان کی حالت دیکھ کر انہیں ہسپتال میں داخل کر لیا گیا۔ انہیں اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ انہیں دہلی میں زیادہ دن ٹھہرنا پڑے گا اس لیے وہ ضرورت کی کافی چیزیں ساتھ لے کر نہیں گئے تھے۔ ان کے فرزند شفیع کپڑے اور ضرورت کی دوسری چیزیں لینے کے لیے واپس ٹھسکہ آئے۔[4] اسی دوران محمد حسین کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی جس پر انہوں نے ہسپتال کے ذِمّہ داران کو وصیت کی کہ ان کے انتقال کی صورت میں ان کی تجہیز و تکفین ان کے ٹرنک میں موجود کتاب کے مطابق کی جائے۔ اس کے بعد وہ انتقال کر گئے۔ ان کا ٹرنک کھولا گیا تو اس میں کتاب 'تحفتہ العوام' موجود تھی۔ ان کی وصیت کے مطابق شیعہ طریقے سے ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور انہیں دہلی میں ہی دفن کر دیا گیا[5] جب کہ ان کے ورثا میں سے کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

قاضی عطا حسین

نُور محمد کے دوسرے بیٹے عطا حسین پٹواری تھے۔ ان کی زمین تقریباً دو مربعے تھی۔ انہوں نے اپنی زمین پر ایک

---

۱ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۲ سیّدہ افضال فاطمہ دختر مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۰ جولائی ۲۰۱۰ء

۳ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۲۰ نومبر ۲۰۰۵ء

۴ سیّد ذوالفقار حسین ولد لطیف حسین (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — خیرپور ٹامیوالی — ۲۹ اپریل ۲۰۰۶ء

۵ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

باغ بھی لگایا تھا۔ عطا ایک خوبصورت، خوش لباس اور خوش خوراک انسان تھے۔ وہ ترکی ٹوپی سر پر رکھتے، کالی شیروانی زیب تن کرتے اور اچھی قسم کے جوتے پہنتے تھے۔ وہ شاعر تھے اور انہوں نے اپنے کلام کا مجموعہ (دیوان) ہاتھ سے لکھا ہوا تھا جو تقسیم ہند کے بعد اجڑتے ہوئے ضائع ہو گیا۔ ان کی ایک نظم کا آخری شعر یہ ہے:

مصنف نظم سیّد قاضی عطا

خدا بخش دے اس کے جرم و خطا

عطا حسین نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے مریم النساء دختر ذیلدار محمد بخش سے گوہلہ میں کی۔ اپنی شادی کے دن عطا خوبصورت لباس پہنے ہوئے گھوڑے پر سوار تھے۔ ان کی بارات سینکڑوں افراد پر مشتمل تھی۔ ذیلدار محمد بخش نے جتنے باراتی لانے کا کہا تھا عطا اس سے کہیں زیادہ باراتی لے گئے تھے۔ تاہم ذیلدار محمد بخش چونکہ بڑے زمیندار تھے اس لیے زیادہ باراتیوں کے قیام و طعام کا کوئی مسئلہ نہ بنا۔ عطا اور مریم کے دو بیٹیاں عزیز بانو اور حیدری بیگم ہوئیں۔ حیدری بیگم ابھی بہت چھوٹی تھیں کہ ان کی والدہ مریم وفات پا گئیں۔ عطا نے دوسری شادی فضلی عرف بودھو دختر شہادت علی سے سیانہ سیداں میں کی۔ عطا اور فضلی کے دو بیٹیاں محفوظ النساء عرف محفوظن و پھوجی اور سروری بیگم ہوئیں۔ عطا اپنی بڑی دو بیٹیوں کا خصوصی خیال رکھتے تھے کیونکہ ان بچیوں کی والدہ وفات پا چکی تھیں۔ وہ جب دودھ پیتے تو اپنی بیٹیوں بانو اور حیدری کو آواز دے کر کہتے: ”لو یہ برتن دھو دو۔“ ان کی بیٹیاں برتن ان سے لیتیں تو عطا نے ملائی ان کے لیے چھوڑ دی ہوتی تھی جسے وہ برتن دھونے سے پہلے کھا لیتی تھیں۔

عطا نے اپنی بیٹی عزیز بانو کی شادی سید کھیڑی کے محمد یٰسین ولد حسین بخش سے، حیدری بیگم کی شادی ٹھسکہ ہی میں اپنے بھتیجے محمد شفیع ولد محمد حسین سے، محفوظ النساء کی شادی سید کھیڑی کے محمد رمضان ولد باقر علی سے اور سروری بیگم کی شادی گوہلہ کے مسلم حسین ولد ذیلدار محمد امیر سے کی۔ عطا ٹھسکہ میں رہتے تھے لیکن سید کھیڑی اور گوہلہ میں اپنی بیٹیوں کے پاس جاتے رہتے تھے اور ہر بیٹی کے پاس ایک دو ماہ رہ کر آتے تھے۔[1] وہ ہر سال کم از کم دو مرتبہ سید کھیڑی جاتے تھے جہاں ان کی دو بیٹیاں بانو اور محفوظن رہتی تھیں۔ وہاں سیّدوں کے پہلے محلہ میں جعفر حسین نے ایک بکرا رکھا ہوا تھا جو گلی میں بندھا رہتا تھا اور ہر آنے جانے والے کو ٹکر مارنے کی کوشش کرتا تھا لیکن جب عطا اپنی کھونڈی لیے ہوئے گزرتے تو انہیں کچھ نہیں کہتا تھا۔[2]

عطا حسین کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ اپنے نواسوں میں وہ محمد مختار ولد محمد شفیع اور یاور حسین ولد محمد رمضان کے ساتھ سب سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ ان دنوں بیٹیوں کو زمین میں حصّہ نہیں ملتا تھا۔ عطا کی خواہش تھی کہ ان کی زمین ان کے نواسوں مختار اور یاور کے نام ہو جائے۔ کئی بار اظہار کرنے کے باوجود وہ اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکے کیونکہ مختار کے

---

١ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا —١٦ فروری ٢٠١١ء

٢ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ١٤ اکتوبر ٢٠١٠ء

والد قاضی محمد شفیع اس سلسلہ میں ٹال مٹول کرتے رہے۔ شفیع کا خیال تھا کہ اگر عطا کی زمین ان کے بیٹے کے نام ہو گئی تو ان کے بھائی لطیف اور سجاد ان سے ناراض ہو جائیں گے کیونکہ اس طرح وہ زمین انہیں نہیں مل سکے گی جس کے وہ عطا کے بھتیجے ہونے کے ناطے حقدار ہیں۔

عطا کے گھر کے برآمدے میں ایک تخت پوش بچھا رہتا تھا جس پر بیٹھ کر وہ عبادت کرتے تھے۔ وہ رات کے وقت کلمہ کا ورد اونچی مگر باریک آواز میں کرتے تھے۔[1] سید کھیڑی کے سیّد نذر حسین ولد حسین بخش نے عطا حسین کے بارے میں لکھا: "جب تک اس کی پہلی بیوی زندہ رہی وہ شیعہ بنا رہا اور مجالس میں مرثیہ خوانی کرتا تھا۔ لیکن پہلی بیوی کی وفات کے بعد دوسری بیوی آ جانے پر اس نے سنّی مسلک اختیار کر لیا۔" عطا کی پہلی بیوی گوہلہ کے شیعہ خاندان سے تھیں اور دوسری بیوی سیانہ کے سنّی خاندان سے تھیں۔ تاہم عطا کی چاروں بیٹیاں شیعہ عقائد کی حامل تھیں۔

قاضی نذیر حسین

نُور محمد کے تیسرے بیٹے نذیر حسین، جو سیّد نذر حسین کے مطابق شیعہ تھے،[2] خیرپور ٹامیوالی کے ایک سکول میں ہیڈ ماسٹر تعینات تھے۔ انہیں یہ ملازمت ریاست بہاولپور کے وزیراعظم ماسٹر رحیم بخش کی وساطت سے ملی تھی۔ قاضی نذیر کی شادی کلثوم دختر ذیلدار محمد بخش سے گوہلہ میں ہوئی۔ حیدری بیگم دختر عطا حسین ابھی بہت چھوٹی تھیں کہ ان کی والدہ مریم النساء دختر ذیلدار محمد بخش کا انتقال ہو گیا تھا۔ کلثوم جو حیدری کی سگی خالہ تھیں نے ہی حیدری کی پرورش کی۔

نذیر اور کلثوم کے ایک بیٹی اصغری بیگم عرف مسیتی ہوئیں۔ مسیتی کی شادی گوہلہ کے ذیلدار کاظم حسین ولد محمد امیر سے ہوئی۔ کاظم بہت بڑی بارات لے کر مسیتی کو بیاہنے آئے۔ ٹھسکہ اگرچہ قصبہ تھا اور گوہلہ سے کئی گُنا بڑا تھا پھر بھی وہاں کوئی ایسا ڈیرہ نہ بچا جہاں کاظم کے باراتی نہ بیٹھے ہوں۔ ٹھسکہ کے راجپوتوں نے قاضی خاندان کے لیے ہر چیز مہیا کر دی اور باراتیوں کی خاطر مدارت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ قاضی خاندان کے افراد کا کہنا تھا کہ گوہلہ کے ذیلداروں نے عطا حسین کی بارات کا بدلہ لے لیا۔ کاظم کی بارات عطا کی گوہلہ جانے والی بارات سے خاصی بڑی تھی۔ نذیر حسین کی وفات کے بعد ان کی بیوہ کلثوم اکثر گوہلہ جا کر اپنی بیٹی کے پاس رہتی تھیں۔

قاضی احمد حسین

احمد حسین نُور محمد کے بھائی کے بیٹے تھے۔ ان کی شادی درڑ میں حکیمن سے ہوئی اور ان کے ایک فرزند منظور علی عرف منصورا ہوئے۔ درڑ گاؤں کرنال شہر کے قریب تھا۔ منصورا درڑ میں پٹواری تھے۔ وہ کبھی کبھار ہی ٹھسکہ آتے تھے۔ ان کی شادی ان کے ماموں اسماعیل کی بیٹی بتول سے ہوئی اور ان کے ایک فرزند مجید اختر اور دو بیٹیاں انعام فاطمہ اور عزیز فاطمہ

---

۱ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور/کبیر والا — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء، ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

۲ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

ہوئیں۔

قاضی عبدالمجید عرف نتھو

عبدالمجید نُور محمد کے دوسرے بھائی کے فرزند تھے۔ ان کی شادی بتول عرف تولی دختر ولایت علی سے گوہلہ میں ہوئی۔ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔ وہ زمینداری کرتے تھے اور قاضی خاندان کے باقی افراد کے ساتھ ایک ایکڑ جگہ پر بنے ہوئے مشترکہ گھر میں رہتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کی بیوہ تولی وہیں رہتی تھیں اور ان کی پیداوار علیحدہ آتی تھی۔ وہ کبھی اپنے بھائی نذیر نتھو بلّا کے گھر گوہلہ بھی چلی جاتی تھیں۔[1]

قاضی محمد شفیع

محمد شفیع کے والد محمد حسین اور دادا نُور محمد تھے۔ ان کا اصل نام شفقت حسین تھا۔ بعدازاں وہ محمد شفیع کے نام سے مشہور ہو گئے اور کاغذات میں بھی یہی نام لکھا جانے لگا۔[2] لوگ انہیں قاضی شفیع کہہ کر پکارتے تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد قاضی شفیع میراں شاہ بھیک کے مزار کے سجادہ نشین اور گاؤں کے ڈاکخانہ کے انچارج بن گئے۔ ایک کپڑے کی دکان میں بھی وہ برابر کے حصہ دار تھے۔ اپنی زمین پر انہوں نے ایک باغ لگوایا۔ گائیوں، بھینسوں کے علاوہ ان کے پاس دو گھوڑیاں تھیں جن میں سے ایک کا رنگ سرخ اور دوسری کا سفید تھا۔ سفید گھوڑی بعد میں چوری ہو گئی تھی۔ قاضی شفیع نے درڑ سے ۱۲۰ روپے کا ایک اونٹ خریدا تھا۔ اس اونٹ کو خوراک بڑے تسلے میں ڈال کر دی جاتی تھی۔ جب وہ خوراک کھا چکتا تو تسلا اٹھا لیتے تھے۔ لیکن تسلا اٹھانے سے پہلے اونٹ کو کھنگورا مار کر یا کچھ کھڑکا کر بتانا پڑتا تھا۔ بغیر بتائے وہ تسلا اٹھانے نہیں دیتا تھا۔ سیّد اصغر مہدی کے مطابق: "ایک دفعہ باجی (والد) نے مجھے کہا کہ اونٹ کے سامنے سے تسلا اٹھا لو۔ میں نے بغیر کچھ کہے جا کر تسلا اٹھا لیا۔ اونٹ نے اپنے منہ سے میرے سر کے بال پکڑ کر مجھے اوپر اٹھا لیا اور لٹکا دیا۔ میں نے چیخ کر باجی کو بلایا تو وہ آئے اور اونٹ سے میری جان چھڑوائی۔"

قاضی شفیع کی زمین کے کنویں پر لگے ہوئے رہٹ کو اونٹ چلاتا تھا۔ چند گھنٹوں میں پورا کھیت پانی سے بھر جاتا تھا۔ اونٹ موجودہ زمانہ کے ٹیوب ویل والا کام کرتا تھا۔ کنویں پر جانوروں کو پانی پلانے کے لیے علیحدہ جگہ بنی ہوئی تھی۔ گاؤں کے چرواہے اپنی بھیڑ بکریوں کو وہاں پانی پلاتے تھے۔

قاضی شفیع نے اپنی وراثتی زمین کے علاوہ بہت سی زمین خریدی۔ انہوں نے گاؤں کے راجپوتوں سے کہا ہوا تھا کہ اگر ان میں سے کوئی زمین بیچنا چاہے تو ان سے ضرور پوچھ لے۔ اس وقت گاؤں کے ماحول میں ایک دوسرے پر بہت زیادہ

---

۱ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور/کبیروالا — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء، ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء، ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

۲ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء

اعتماد کیا جاتا تھا۔ تقسیم ہند سے کچھ پہلے جو زمینیں قاضی شفیع نے خریدیں ان پر ان کا قبضہ تو ہو گیا تھا لیکن انتقال ابھی نہیں ہوا تھا۔ قاضی شفیع کا خیال تھا کہ وہ مزید زمینیں خرید کر سب کا انتقال اکٹھا کروا لیں گے۔ تاہم ایسا کرنے سے پہلے تقسیم ہند ہو گئی اور وہ زمینیں جو وہ خرید تو چکے تھے لیکن جن کا انتقال ابھی باقی تھا انہیں نہ مل سکیں۔

قاضی شفیع نے ایک دفعہ ایک بیگھ زمین پر سنہری لگائی جو ۱۲۰۰ روپے میں فروخت ہوئی اور وہ گاؤں میں ہزار پتی مشہور ہو گئے۔ وہ تاجر ذہن کے آدمی تھے۔ ٹھسکہ میں پہلے اکثر مکان کچے تھے۔ قاضی شفیع نے ایک بھٹہ لگوایا جس کے بعد سارے مکان پکے بن گئے۔ گاؤں والے پہلے آٹا پسوانے کے لیے اسماعیل آباد جاتے تھے۔ قاضی شفیع آٹا پیسنے والا انجن گاؤں میں لے آئے اور پانی پت کا ایک مکینک ملازم رکھا جو انجن چلاتا تھا۔ گاؤں والے قاضی شفیع کو مانتے تھے اور ان کی عزّت کرتے تھے۔ قاضی شفیع نے کئی اخبار اور رسالے بھی لگوائے ہوئے تھے۔ ٹھسکہ کی مشہور سیاسی شخصیت صوفی عبدالحمید کے ساتھ ان کی دوستی تھی۔

قاضی شفیع ایک کم گو اور با اصول انسان تھے۔ وہ با رعب شخصیت اور مضبوط کردار کے مالک تھے اور گفتگو سے زیادہ عمل پر یقین رکھتے تھے۔ قاضی خاندان میں اپنی ہم عصر نسل کے افراد میں بڑے ہونے کے باعث ان کا کہا مانا جاتا تھا اور سب چھوٹے بڑوں پر ان کا رعب تھا۔ وہ اپنے خاندان کے افراد کے حقوق کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے۔[1]

قاضی شفیع کی شادی ان کے چچا کی بیٹی حیدری بیگم دختر عطا حسین سے ٹھسکہ میں ہوئی۔ قاضی شفیع سنّی تھے جب کہ حیدری بیگم شیعہ تھیں۔ مسالک کے اختلاف کی وجہ سے میاں بیوی میں کبھی کوئی رنجش پیدا نہیں ہوئی۔ قاضی شفیع اپنی زوجہ کو مجالس میں خود چھوڑ آتے تھے۔ ان کی والدہ حمیدن دختر اکبر علی بھی شیعہ تھیں۔[2] گوہلہ میں ہندوؤں کی وجہ سے بڑا گوشت نہیں بناتے تھے۔ حیدری بیگم زوجہ محمد شفیع عموماً دس کلو گوشت بھون کر اپنی خالہ زاد بہن مسیتی زوجہ ذیلدار کاظم حسین کے پاس گوہلہ بھیجتی تھیں۔ گوہلہ سے محمدی بیگم زوجہ ذیلدار محمد امیر حیدری بیگم کے گھر نیاز بھیجتی تھیں۔ قاضی شفیع اور حیدری بیگم کے تین بیٹے محمد مختار، اصغر مہدی اور صغیر حسین اور دو بیٹیاں بشیری بیگم اور مشتاق فاطمہ ہوئیں۔

قاضی شفیع کی بڑی بیٹی بشیری بیگم ٹھسکہ میں ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئیں۔ بشیری بیگم کو ان کے والد نے گھر پہ خود تعلیم دی اور انہیں اس قابل بنایا کہ وہ پرائمری تک کے بچّوں کو پڑھا سکیں۔ ٹھسکہ کی معروف سماجی شخصیت صاحبزادی محمودہ بیگم، بشیری بیگم کی دوپٹہ بدل بہن بنی ہوئی تھیں۔[3] بشیری بیگم اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھیں اور بچپن ہی سے نماز، روزہ اور پردہ کی سختی سے پابند تھیں۔ وہ اپنے والد کی طرح کم گو تھیں اور دوسروں کی برائیاں بیان نہیں کرتی تھیں۔[4] ان

---

۱ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ کبیر والا ــــ ۲۰ نومبر ۲۰۰۵ء، ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۲ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ بہاولپور ــــ ۲۷ جون ۲۰۰۵ء

۳ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ کبیر والا ــــ ۱۰ جنوری ۲۰۱۵ء

۴ سیّد محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ کبیر والا ــــ ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

کے چچا سجاد حسین بچپن میں انہیں ٹھسکہ سے بہاولپور لے آئے اور دو تین ماہ اپنے پاس رکھا۔

بشیری بیگم کی شادی ۱۹۴۰ء میں ان کی خالہ کے بیٹے زین العابدین ولد محمد یٰسین سے ہوئی جو سید کھیڑی کے رہنے والے تھے۔ ابتداء میں قاضی شفیع اس شادی کے حق میں نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سید کھیڑی والے عورتوں کی قدر نہیں کرتے۔ لیکن ان کی زوجہ حیدری بیگم نے ضد کی کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی اپنی بڑی بہن عزیز بانو کے بیٹے سے ہی کریں گی۔ بالآخر قاضی شفیع اپنی مخالفت سے دستبردار ہو گئے۔[۱] گوہلہ کی نثار فاطمہ دختر ذیلدار کاظم حسین کی بشیری بیگم کے ساتھ دوستی تھی۔ نثار فاطمہ ان سے ملنے کے لیے سید کھیڑی آتی تھیں اور ساری ساری رات بیٹھ کر ان سے باتیں کرتی تھیں۔[۲]

قاضی شفیع کی دوسری بیٹی مشتاق فاطمہ ٹھسکہ میں ۱۹۳۱ء یا ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئیں۔ انہوں نے ٹھسکہ گرلز پرائمری سکول سے چار جماعتیں پاس کیں۔ ان کے والد نے ایک مائی کو انہیں سکول چھوڑنے اور لانے کے لیے ملازم رکھ لیا تھا۔ اس لیے انہوں نے پرائمری تک تعلیم کے دوران سکول جاتے آتے ہوئے کبھی خود بستہ نہیں اٹھایا۔ یہ کام مائی ہی کرتی تھی۔ ٹھسکہ میں چونکہ لڑکیوں کے لیے مزید تعلیم کی سہولت نہیں تھی اس لیے مشتاق فاطمہ نے مڈل کا امتحان پرائیویٹ پاس کیا۔ اس کے بعد انہوں نے میٹرک کی تیاری شروع کر دی۔ ان کے والد نے اس مقصد کے لیے دو اساتذہ کی خدمات بھی حاصل کیں۔ تاہم اسی اثناء میں تقسیم ہند ہو گئی اور مشتاق فاطمہ کی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ٹھسکہ میں ہر سال میراں شاہ بھیک کے مزار پر میلہ لگتا تو بچّے بھی اس میں جاتے تھے۔ ایک سال مشتاق فاطمہ کے والد قاضی شفیع نے انہیں میلہ میں جانے سے منع کر دیا اور انہیں کچھ پیسے دیے تاکہ وہ گھر پر ہی چیزیں منگوا کر کھا لیں۔ ان کی سہیلیوں نے میلہ میں جانے کا پروگرام بنایا تو ان کے پاس آکر انہیں بھی اپنے ساتھ جانے کی ترغیب دی۔ اپنے والد کے منع کرنے کے باوجود مشتاق فاطمہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ میلہ میں جانے کی خواہش پہ قابو نہ پا سکیں۔ جب وہ میلہ میں سہیلیوں کے ساتھ گھوم رہی تھیں تو اچانک انہوں نے اپنے والد کو گوہلہ سے آئے ہوئے مسلم حسین اور کچھ دوسرے افراد کے ہمراہ دیکھا۔ ان کے والد نے بھی انہیں سہیلیوں کے ساتھ گھومتے ہوئے دیکھ لیا۔ مشتاق فاطمہ ڈر گئیں کہ اب انہیں والد صاحب سے نافرمانی کی سزا ملے گی۔ تاہم ان کے والد نے انہیں اپنے پاس بلا کر کچھ پیسے اور دیے تاکہ سہیلیوں کے ساتھ میلہ میں بھرپور شرکت کر سکیں۔ ان کے والد نے اپنے پہلے والے حکم پر عمل نہ کرنے کا بھی کوئی حوالہ نہ دیا۔ اس کے بعد سہیلیوں کے اصرار کے باوجود مشتاق فاطمہ کسی بھی سال میلہ میں نہ گئیں۔

ایک مرتبہ مشتاق فاطمہ اپنی بڑی بہن بشیری بیگم سے ملنے کے لیے انعام فاطمہ دختر احمد حسن کے ہمراہ ٹھسکہ سے سید کھیڑی گئیں۔ ان کا پروگرام سید کھیڑی میں ایک ہفتہ ٹھہرنے کا تھا اور اسی شیڈول کے مطابق وہ کپڑے وغیرہ ساتھ لے کر گئیں۔ سید کھیڑی جانے کے شوق میں انہوں نے اعلیٰ قسم کی نئی چوڑیاں بھی پہنیں۔ سید کھیڑی پہنچنے کے بعد پہلے دن ہی

---

۱ سیّدہ بشیری بیگم دختر قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بورے والا

۲ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۳ مارچ ۲۰۱۰ء

سیّدہ زوجہ یاور حسین نے ان کی دعوت کی۔ سیدکھیڑی کے رواج کے مطابق انہوں نے سیّدہ کے ہاں دو وقت کا کھانا کھایا۔ صابرہ خاتون زوجہ صابر حسین نے مشتاق فاطمہ سے ان کی چوڑیوں کے بارے میں پوچھا: ”کہاں سے لیں؟“مشتاق فاطمہ نے کہا: ”ٹھسکہ سے لی ہیں۔“ صابرہ نے کہا: ”تم نے ٹھسکہ کی چوڑیاں کیوں پہنی ہوئی ہیں، سیدکھیڑی میں تو رواج ہے کہ جب گھر میں کوئی خاتون مہمان آتی ہے تو میزبان خواتین اسے چوڑیاں پہناتی ہیں۔“ صابرہ کی یاد دہانی کے بعد مشتاق فاطمہ کی اچھی قسم کی چوڑیاں توڑ دی گئیں اور چوڑیوں والی کو بلا کر عام سی چوڑیاں انہیں پہنا دی گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مشتاق فاطمہ جو ایک ہفتہ سیدکھیڑی رہنے کے لیے آئی تھیں اگلے روز واپس چلی گئیں۔[1]

محمد مختار

قاضی محمد شفیع کے بیٹے محمد مختار ٹھسکہ میں ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنی بڑی بہن بشیری بیگم کی طرح بچپن سے ہی نماز، روزہ کے پابند تھے۔ انہیں ان کے والدین، بہن بھائی اور عزیز و اقارب بندو کہہ کر پکارتے تھے جب کہ دوسرے لوگوں میں وہ مولوی مختار کے نام سے مشہور تھے۔ سیدکھیڑی سے مختار کی خالہ محفوظن کے بیٹے یاور حسین اور خادم حسین ان کے گھر میں رہتے تھے اور ان کے سکول میں پڑھتے تھے۔ یاور ان سے ایک سال بڑے اور خادم ایک سال چھوٹے تھے۔ مختار اور یاور آپس میں گہرے دوست تھے۔ یہاں تک کہ دونوں ایک طرح کا لباس اور ایک طرح کے جوتے پہنتے تھے۔

مختار کی نانی مریم النساء گوہلہ کی رہنے والی تھیں اور وہ مختار کی والدہ کی پیدائش کے کچھ ہی عرصہ بعد وفات پا گئی تھیں۔ مختار اپنی نانی کے عزیزوں کے پاس بچپن میں جب بھی گوہلہ جاتے تو وہاں اپنی نانی کی بہن خدیجن سے نیاز کے سلسلہ میں ان کا جھگڑا ہوتا تھا۔ وہ جب خدیجن سے بار بار نیاز مانگتے تو وہ کہتیں: ”تمہارے حصّہ کی نیاز چوہے لے گئے۔“ مختار اپنی نانی کے بھائی محمد حسین کو بلا کر لاتے تھے تا کہ وہ ان کے حصّہ کی نیاز خدیجن سے ان کو دلوائیں۔

مختار نے ٹھسکہ سکول سے مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ وہ بچپن ہی سے مساوات کے قائل تھے۔ سکول میں ایک دفعہ انہوں نے اپنے استاد سے کہا: ”ایک دن آپ کرسی پر بیٹھا کریں اور ایک دن مجھے بیٹھنے دیا کریں۔“ ٹھسکہ سے مڈل تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے انبالہ میں آریہ ہائی سکول میں داخلہ لیا اور دو سال میں جونیئر سپیشل اور سینئر سپیشل کے امتحانات پاس کیے۔

مختار جب چھٹیوں میں انبالہ سے ٹھسکہ جاتے تو اپنے والد کو اپنی آمد کی پیشگی اطلاع بھجوا دیتے تھے اور ان کے والد ان کے لیے شاہ آباد گھوڑی بھجوا دیتے تھے۔ ایک دفعہ مختار گھر جانے لگے تو ان کے ساتھ ٹھسکہ کے دو لڑکے بھی تھے۔ ایک لڑکا چمار تھا اور دوسرا سیّد جو سناروں کا کام کرتا تھا۔ حسب معمول مختار نے اپنی آمد کی اطلاع اپنے والد کو پیشگی بھجوا دی تھی اور ان کے والد نے بھی گھوڑی شاہ آباد بھجوا دی تھی۔ شاہ آباد سے ٹھسکہ کا فاصلہ نو کوس تھا۔ انبالہ سے ٹرین میں بیٹھ کر شاہ آباد پہنچے تو مساوات کے قائل مختار نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”ہم تینوں باری باری تین تین کوس گھوڑی پہ سوار ہو کر

---

۱ سیّدہ مشتاق فاطمہ دختر قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۷ مارچ ۲۰۰۶ء

جائیں گے۔" مختار نے پہلے اپنے ساتھیوں کو گھوڑی پہ سوار ہو کر سفر کرنے کا کہا اور جب آخری تین کوس رہ گئے تو خود گھوڑی پہ سوار ہوئے۔ ابھی کچھ فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ گھوڑی ایک دم رک گئی۔ مختار گھوڑی کو ایڑ لگاتے لیکن گھوڑی آگے جانے کی بجائے اِدھر اُدھر مڑنے کی کوشش کرتی تھی۔ انہوں نے جب نیچے دیکھا تو ایک چارپائی جتنا لمبا سانپ پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔ انہوں نے پیچھے پیدل آنے والے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر کے خطرے سے آگاہ کیا۔ مختار کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس خطرناک صورت حال سے کس طرح نمٹا جائے۔ انہیں اس بات کا شدّت سے احساس تھا کہ سانپ ان پر حملہ کر کے ان کی موت کا باعث بن سکتا ہے۔ اسی پریشانی اور خوف کی حالت میں انہوں نے دیکھا کہ اچانک گرسلوں کا ایک غول اس طرف آیا۔ پہلے ایک گرسل سانپ پر بیٹھی، پھر دوسری، پھر تیسری اور اس طرح چند ہی لمحوں میں سارے سانپ پر گرسلیں بیٹھ گئیں اور ان چھوٹے پرندوں نے موذی جانور کو چونچیں مار مار کے زخمی کر دیا۔ سانپ زخمی حالت میں راستے سے ہٹ کر بھاگنے لگا۔ راستہ کھل جانے پر مختار نے غیبی امداد پر اللہ کا شکر ادا کیا اور گھوڑی کو ایڑ لگا کر وہاں سے نکل گئے۔

ایک مرتبہ سید کھیڑی سے غلام عباس ولد ایزد بخش انبالہ جانے لگے تو عزیز بانو زوجہ محمد یٰسین نے ان سے کہا: "واپسی پر میرے بھانجے مختار کو اپنے ساتھ لیتے آئیں۔" انبالہ جا کر غلام عباس نے مختار سے کہا: "تمہاری خالہ نے تمہیں سید کھیڑی بلایا ہے۔" مختار نے سکول میں تین روز کے لیے چھٹی کی درخواست دی اور غلام عباس کے ساتھ سید کھیڑی روانہ ہو گئے۔ وہ غلام عباس کو خالو باسی کہتے تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ راجپورہ پہنچے تو مغرب کی اذان ہونے والی تھی۔ افطاری کے لیے کچھ چیزیں خریدیں اور پھر دونوں سید کھیڑی جانے کے لیے تانگے پر سوار ہو گئے۔ خالو باسی شیعہ اور مختار سنّی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ راستہ میں مغرب کی اذان کی آواز آئی تو مختار نے روزہ کھول لیا۔ خالو باسی نے مختار کی سرزنش کی اور کہا: "تم نے روزہ توڑ لیا ہے۔" مختار خاموشی سے افطاری کرتے رہے۔ وہ جب بھی سید کھیڑی آتے ان کی کافی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ ان کی خالہ بانو ان کے لیے کھانے کی چیزیں بنا کر ان کے پاس انبالہ بھی بھیجتی رہتی تھیں۔

انبالہ سے تعلیم کا سلسلہ مکمل کرنے کے بعد مختار اپنے پھوپھا زوّار حسین کے پاس دہلی چلے گئے۔ زوّار حسین دہلی میں سکول ٹیچر تھے۔ مختار نے دہلی سے میٹرک کیا اور بعدازاں وہیں سے پرائیویٹ ادیب فاضل کیا۔ پھر انہوں نے راشننگ کے محکمہ میں کچھ عرصہ ملازمت کی۔ مختار کے چچا لطیف حسین کے فرزند ذوالفقار حسین بھی اسی محکمہ میں کلرک تھے۔ راشننگ محکمہ کا انچارج زیادہ تر کام مختار سے کرواتا تھا، ان پر بھروسا کرتا تھا اور ان کی تعریف کرتا تھا۔ مختار کی سب انسپکٹر کے عہدہ پر ترقی کے لیے سفارش ہوئی لیکن ان کی فائل روک لی گئی۔ انہوں نے انچارج سے شکایت کی۔ جس نے فائل روکی وہ سکھ تھا۔ انچارج نے اسے بلایا تو اس نے مختار کے بارے میں کہا: "یہ نمازیں پڑھتا رہتا ہے۔" انچارج نے مختار سے پوچھا تو انہوں نے کہا: "ڈیوٹی کے دوران دو نمازوں کے اوقات ہیں۔ آپ ڈیوٹی کے بعد مجھ سے مزید آدھ گھنٹہ کام لے لیں۔"

تقسیم ہند سے پہلے مختار کو حبیب بینک میں ملازمت مل گئی تھی۔ وہ اپنے پھوپھا زوّار حسین اور چچا زاد بھائی ذوالفقار حسین کے ساتھ دہلی کے کوچہ پنڈت میں دین محمد کے مکان میں رہتے تھے۔ ایک کمرہ کا مکان تھا جس میں وہ تینوں رہتے تھے۔ روٹی سالن بنانے کے وقت ایک چارپائی کھڑی کر دیتے تھے اور خالی ہو جانے والی جگہ پر بتی والا چولہا جلا کر روٹی سالن

بناتے تھے۔ زوّار حسین روٹی پکاتے تھے جب کہ مختار اور ذوالفقار ہانڈی بناتے تھے۔

ایک دن مختار دہلی میں ایسی جگہ سے گزر رہے تھے جہاں ایک سڑک بن رہی تھی۔ سڑک بنانے والا ٹھیکیدار بھی وہاں ٹہل رہا تھا۔ اس نے طرے والی پگڑی اور شاہی جوتی پہنی ہوئی تھی۔ مختار سے اس کی علیک سلیک ہوئی تو اس نے پوچھا: ”آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟“ مختار نے کہا: ”ٹھسکہ کے۔“ اس نے کہا: ”وہاں تو میراں جی کا مزار ہے۔“ مختار نے کہا: ”میں میراں جی کے خاندان سے ہوں۔“ ٹھیکیدار نے پگڑی اتار کر ایک طرف رکھی اور مختار کے پاؤں میں گر گیا۔ مختار نے اسے پکڑ کر اٹھایا۔ ٹھیکیدار میراں جی کا عقیدت مند تھا۔ دہلی میں ایک چھوٹی سی مسجد سنہری مسجد کے نام سے تھی جس پر 'بنظر میراں شاہ بھیک' لکھا تھا اور نیچے بہادر شاہ ظفر کا نام درج تھا۔ مختار نے اپنے بزرگ کا نام دیکھ کر اس مسجد میں نوافل ادا کیے۔

مختار کی نانی کی بہن کلثوم زوجہ نذیر حسین ان کی شادی گوہلہ میں اپنے بھتیجے ذیلدار کاظم حسین کی بیٹی نثار فاطمہ سے کرنا چاہتی تھیں۔ کاظم کی بھی یہی خواہش تھی۔ کلثوم اور کاظم یہ بھی چاہتے تھے کہ وہ مختار کو مجتہد بننے کے لیے لکھنؤ بھیجیں۔ لیکن مختار کے چچا لطیف حسین نے ان کی شادی اپنی بیٹی اختری سے کرنے پر زور دیا۔ مختار نے اپنے چچا اور والدہ کو کبھی کبھار آپس میں جھگڑتے دیکھا تھا۔ اس لیے وہ اپنے چچا کے ہاں شادی پر مائل بھی نہ تھے۔ تاہم قاضی شفیع نے اپنے بیٹے مختار کی شادی اپنی بھتیجی اختری سے ہی کی۔[1]

اصغر مہدی

قاضی شفیع کے بیٹے اصغر مہدی ٹھسکہ میں ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے چار جماعتیں ٹھسکہ میراں جی کے ورنیکلر مڈل سکول سے پاس کیں۔ مزید تعلیم کے لیے ان کے والد نے انہیں اسماعیل آباد کے انگلش میڈیم سکول میں داخل کروا دیا۔ وہاں سیانہ سیداں کے سیّد علی ان کے ہم جماعت تھے۔ اصغر ٹھسکہ سے اسماعیل آباد ایک میل روزانہ پیدل سکول جاتے تھے۔ ایک سال بعد انہوں نے وہاں تعلیم جاری نہ رکھی تو ان کے والد نے انہیں پھر ٹھسکہ سکول میں داخل کروا دیا۔

اصغر اپنی شرارتوں کی وجہ سے گاؤں میں مشہور تھے۔ انہوں نے کہا: ”ایک دن میری ماں (حیدری بیگم) نے میرے چھوٹے بھائی (صغیر حسین) کو پینے کے لیے دودھ دیا۔ میں نے دودھ مانگا تو ماں جی نے انکار کر دیا اور میرے اصرار کے باوجود مجھے دودھ نہیں دیا۔ میں نے دِل میں تہیہ کیا کہ دودھ تو میں نے بھی کسی نہ کسی طرح پینا ہے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ میں باہر گیا، پانی میں سرخ رنگ ملایا اور اپنے سر پر ڈال لیا۔ میرے سر اور چہرے کا ایک حصّہ اور کپڑے سرخ ہو گئے۔ میں اس حالت میں کراہتا ہوا گھر میں داخل ہوا تو مجھے دیکھ کر سب گھر والے گھبرا گئے۔ باجی (والد) نے پوچھا: 'کیا ہوا؟' میں نے رونے والی آواز میں جواب دیا کہ کریم بخش ڈوم (مراثی) کے لڑکے نے مارا ہے۔ باجی، چاچا لطیف اور کچھ دوسرے لوگ مراثی کے گھر پہنچ گئے۔ دروازہ کھٹکانے پر مراثی باہر آیا اور قاضی خاندان کے افراد کے تیور دیکھ کر گھبرا گیا۔

---

۱ سیّد محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء، ۲۷ اپریل ۲۰۰۶ء، ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

باجی نے کہا: ’تمہارے بیٹے نے اصغر کا سر پھاڑ دیا ہے۔ میرا بچّہ لہولہان ہو گیا ہے۔ اپنے بیٹے کو باہر نکالو۔‘ مراثی کانپتا ہوا اندر گیا اور اپنے بیٹے کو کھینچ کر باہر لے آیا۔ مراثی کا بیٹا بھی کانپ رہا تھا۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولا: ’مجھے تو کچھ پتہ نہیں۔ میری تو اصغر سے لڑائی نہیں ہوئی۔‘ باجی اور ان کے ساتھی مراثی کے لڑکے کو پکڑ کر گھر لے آئے اور مجھ سے پوچھا: ’کیا اسی لڑکے نے تمہیں مارا ہے؟‘ میں نے کہا: ’یہ نہیں ہے۔ وہ شاید گڈریے کا لڑکا تھا۔‘ باجی اور چاچا لطیف وغیرہ گڈریے کے گھر پہنچ گئے۔ اسی اثناء میں ماں جی نے مجھے گھی اور ہلدی ملا کر دودھ پلایا۔ میں نے اپنا ہدف حاصل کر لیا۔ کچھ دیر بعد باجی اور ان کے ساتھی گڈریے کے لڑکے کو پکڑ لائے اور مجھے اس کی شناخت کے لیے کہا۔ میں نے کہا: ’یہ بھی نہیں ہے۔‘ باجی بولے: ’کوئی بات نہیں، صبح پنچایت بٹھائیں گے اور مجرم کو پکڑ لیں گے۔‘ صبح ہوئی تو باجی نماز پڑھنے مسجد چلے گئے۔ ماں جی میرے پاس آئیں اور پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ انہیں میرے سر پر کوئی تبدیلی محسوس نہ ہوئی۔ انہوں نے غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ سر پر کوئی زخم نہیں اور خون کی بجائے رنگ ڈالا ہوا ہے۔ ماں جی نے میری دادی حمیدن اور پھوپھی کبری کو بلایا اور انہیں بتایا کہ میں نے فراڈ کیا ہے۔ فوراً ایک شخص کو باجی کو بلانے کے لیے مسجد بھیجا اس سے پہلے کہ وہ پنچایت بلا لیں۔ باجی گھر آئے تو انہیں میرے فراڈ کے بارے میں بتایا گیا۔ باجی کو بہت غصہ آیا اور وہ ڈنڈا اٹھا کر مجھے مارنے کے لیے آئے۔ میں بستر سے اٹھ کر بھاگا اور اپنے نانا عطا حسین کے مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔ باجی بھی میرے پیچھے چھت پر آ گئے۔ چھت پر کُھنڈ (موٹی لکڑیاں) پڑے تھے۔ میں ان میں گھس گیا۔ باجی مجھے پکڑنے آئے تو میں کھسک کر دوسری طرف ہو گیا۔ باجی اوپر سے چکر لگا کر اس طرف آئے تو میں لکڑیوں کے اندر ہی کھسکتے ہوئے مخالف سمت میں چلا گیا۔ باجی کے ساتھ میری ایک گھنٹہ آنکھ مچولی ہوتی رہی اور وہ مجھے پکڑ نہ سکے۔ تھک ہار کے باجی نیچے اتر گئے اور ہنستے ہوئے کہا: ’وہ شیطان میرے قابو نہیں آیا۔‘“

ایک دفعہ اصغر کے والد قاضی شفیع پانی پت سے ۱۰۰ ٹیڈی بکریاں خرید کر لائے۔ بکریوں کو اینٹوں کے بھٹہ میں ایک خالی جگہ پر رکھا۔ بکریوں کے لیے قاضی شفیع نے ایک ملازم بھی رکھ لیا۔ اس سال برسات کے موسم میں بہت زیادہ بارشیں ہوئیں جس کے نتیجہ میں بکریاں مرنے لگیں۔ کچھ ہی دنوں میں ۸۰ بکریاں مر گئیں۔ اس سے پہلے کہ باقی ۲۰ بکریاں بھی مر جاتیں قاضی شفیع نے پانچ بکریاں اپنی بہن کبری زوجہ زوّار حسین اور ۱۵ بکریاں ذیلدار کاظم حسین کے پاس گوہلہ بھیج دیں۔ اصغر ان دنوں تیسری جماعت میں پڑھتے تھے۔ انہوں نے بکریوں کے ساتھ پیش آنے والے حادثہ پر اپنی زندگی کا پہلا شعر کہا۔ ان دنوں صوفی عبدالحمید اخبار پڑھنے کے لیے روزانہ ڈاکخانہ آتے تھے۔ قاضی شفیع ڈاکخانہ کے انچارج تھے۔ اصغر نے صوفی صاحب کو اپنا پہلا شعر سنایا۔ صوفی صاحب شعر سن کر بہت ہنسے، شعر کی تصحیح کی اور اصغر کو شاباش دی۔ صوفی صاحب جب ڈاکخانہ میں قاضی شفیع سے ملے تو کہا: ”آج میں آپ کو میرانیس کے پوتے کا شعر سناتا ہوں۔“ قاضی شفیع ہمہ تن گوش ہو گئے۔ صوفی صاحب نے اصغر کا یہ شعر سنایا:

ریوڑ بھی آگیا تھا، آکر وہ مر گیا تھا
مدفن بنا ہے ابّا ان کا تیری گلی میں

شعر سنا کر صوفی صاحب ہنسنے لگے۔ قاضی شفیع شام کو گھر آئے اور آتے ہی بید اٹھایا، اصغر کے کان پکڑوائے اور

پٹائی شروع کر دی۔ اصغر کی والدہ چھڑوانے کے لیے آئیں تو قاضی شفیع نے کہا: "میں آج اسے پکا شاعر بناؤں گا۔"

سیّد اصغر مہدی نے کہا: "ٹھسکہ میں میری ماں ۲۰ کلو دودھ سے نکلے ہوئے کھوئے میں بادام اور دیسی گھی وغیرہ ملا کر پنیاں بناتی تھیں۔ میں ماں سے چوری پنیاں نکال کر کھا جاتا تھا۔ میری ماں کو ڈبے میں خالی جگہ دیکھ کر پتہ لگ جاتا تھا لیکن جب وہ پوچھتیں تو میں مکر جاتا تھا۔ میری چاچی حیدری زوجہ لطیف حسین کہتی تھیں: 'گھر کی چوری نہیں لگتی۔' ٹھسکہ میں ایک ہندو کی دکان تھی۔ میں اسے چڑانے کے لیے اس کی دکان پر چھچھڑے پھینک آتا تھا جس پر وہ ہندو بہت چیختا تھا۔" تقسیم ہند کے وقت اصغر چھٹی کلاس میں پڑھتے تھے۔[1]

صغیر حسین

قاضی محمد شفیع کے بیٹے صغیر حسین ٹھسکہ میں دسمبر ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے بہن بھائیوں میں چھوٹے ہونے کی وجہ سے انہیں اپنی والدہ کی خصوصی توجہ اور پیار ملا۔ انہیں ان کے والد نے گاؤں کی مسجد میں قائم مدرسہ میں داخل کروا دیا جہاں ایک نابینا قاری صاحب بچّوں کو قرآن حفظ کرواتے تھے۔ بچّوں کو پڑھاتے ہوئے ایک دن قاری صاحب نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک بچّے کو گردن سے پکڑا اور اس کی کمر پر مکا مارا۔ پھر اس بچّے کے ساتھ بیٹھے ہوئے دوسرے، تیسرے اور چوتھے بچّے کو بھی ایسے ہی پکڑ کر مارا۔ صغیر نے دیکھا کہ دو بچّوں کے بعد مار کھانے کی ان کی باری ہے۔ وہ اٹھ کر بھاگ گئے۔ بچّوں نے شور مچایا: "صغیر بھاگ گیا۔" صغیر نے گھر جا کر اعلان کر دیا: "میں مسجد میں پڑھنے نہیں جاؤں گا۔" کچھ دیر بعد صغیر کے بڑے بھائی اصغر گھر آئے تو انہوں نے اصغر کو قاری صاحب کے مارنے والی بات بتائی۔ اصغر نے کہا: "قاری کو آنے دو، میں اس سے پوچھوں گا۔ وہ کون ہوتا ہے مارنے والا۔" جب اصغر یہ بات کہہ رہے تھے تو قاری صاحب ان کے گھر آ گئے اور کہا: "اصغر میں آگیا ہوں۔" صغیر نے بھاگ کر غسل خانہ میں پناہ لی۔ بعدازاں صغیر کے والدین نے ان سے کہا: "قاری صاحب نے تمہیں تھوڑا ہی مارنا تھا۔ وہ تو دوسرے بچّوں کو مار رہے تھے۔" والدین کے سمجھانے کے باوجود صغیر دوبارہ مدرسہ نہیں گئے۔ پھر صغیر کی بہن مشتاق فاطمہ انہیں کچھ عرصہ اپنے ساتھ لڑکیوں کے سکول میں لے جاتی رہیں۔ چھ سال کے ہوئے تو صغیر کو ان کے والد نے لڑکوں کے سکول میں داخل کروا دیا۔ سکول ان کے گھر سے کچھ فاصلے پر تھا۔ ان کے والد کا نوکر انہیں سکول چھوڑ کر آتا اور واپس گھر لاتا تھا کیونکہ انہیں گاؤں کے راستوں کا اچھی طرح سے پتہ نہیں تھا۔ وہ اپنے بڑے بھائی اصغر کی طرح گھر سے باہر بچّوں کے ساتھ کھیلنے نہیں گئے تھے۔ سکول میں انہوں نے کچی پکی کلاسیں پاس کیں۔ تقسیم ہند کے وقت وہ دوسری کلاس میں پڑھتے تھے۔[2]

ٹھسکہ میں صغیر کے گھر کے قریب عزیزن نامی راجپوت عورت اکیلی رہتی تھی۔ اس کی عمر ۸۰ سال تھی۔ گاؤں

---

۱ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا/بہاولپور/خانیوال — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء، ۳ مارچ ۲۰۱۰ء، ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء، ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

۲ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲ اپریل ۲۰۱۶ء

کے لوگ اسے دادی عزیزن کے نام سے پکارتے تھے۔ اسکا کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔ وہ غریب عورت تھی اور محلّے والے اس کی مدد کرتے رہتے تھے۔ ایک دن صغیر کی والدہ حیدری بیگم نے کھیر پکائی اور انہیں کھیر دینے کے لیے عزیزن کے گھر بھیجا۔ صغیر کھیر کی پلیٹ لے کر عزیزن کے گھر پہنچ گئے۔ عزیزن کے قریب ایک کپڑے سے ڈھکی ہوئی پیڑھی رکھی تھی۔ صغیر کھیر کی پلیٹ اس پہ رکھنے لگے تو عزیزن نے کہا: ”یہاں نہیں، پلیٹ کو چونکی پہ رکھ دو۔“ صغیر نے واپس آکر اپنی والدہ کو بتایا: ”دادی عزیزن کے بیٹی ہوئی ہے۔“ صغیر کی والدہ نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے کہا: ”ایسی غلط بات کیوں کرتے ہو۔“ صغیر نے قسم اٹھائی اور کہا: ”دادی عزیزن نے مجھے وہاں پلیٹ نہیں رکھنے دی۔ بچّی پہ کپڑا ڈالا ہوا ہے۔“ صغیر کی بات سن کر گھر میں موجود سب افراد ہنسنے لگے۔

ایک دفعہ صغیر کے بڑے بھائی اصغر نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں چار آنے ہیں۔ اصغر کے پاس چڑیا کا ایک بچّہ تھا۔ اصغر نے چڑیا کا بچّہ صغیر کو پکڑایا اور ان سے چار آنے لے کر باہر چیز کھانے چلے گئے۔ جب وہ واپس آئے تو دیکھا کہ چڑیا کا بچّہ صغیر کے ہاتھ میں مر چکا ہے۔ صغیر نے اپنے پیسے مانگے تو اصغر نے کہا: ”تم نے میرا چڑیا کا بچّہ مارا، میں نے تمہارے چار آنے مارے۔“ [۱]

قاضی لطیف حسین

لطیف حسین کے والد محمد حسین اور دادا نُور محمد تھے۔ وہ پٹواری تھے اور ٹھسکہ کے قریب مختلف دیہاتوں میں تعینات رہے۔ تقسیم ہند کے وقت وہ شاہ آباد میں تعینات تھے۔[۲] لطیف شاہ آباد اسٹیشن کے ساتھ صوفی عبدالحمید کی کوٹھی میں رہتے تھے۔ ٹھسکہ کے پیرزادہ عبدالعزیز بھی پٹواری تھے اور وہیں رہتے تھے۔ لطیف اور عبدالعزیز کی جوڑی تھی۔ وہ دونوں نمازی اور پرہیزگار تھے اور رشوت نہیں لیتے تھے۔ پیسے لیتے تھے نہ کوئی اور چیز۔ لطیف جھرولی میں بھی تعینات رہے۔ جھرولی گاؤں ٹھسکہ اور شاہ آباد کے درمیان میں تھا۔ ٹھسکہ میں لطیف کی آبائی زمین اور گھر تھے۔ بعدازاں انہوں نے اپنا علیحدہ گھر بنا لیا تھا۔[۳]

قاضی لطیف ایک محبّت کرنے والے انسان تھے۔ ان کے قریبی رشتہ داروں میں سے جب کوئی ان کے گھر جاتا تو وہ کوشش کرتے تھے کہ مہمان ان کے پاس اپنے قیام کو طول دے۔ ان کی طبیعت میں مزاح تھا جس سے دوسرے لوگ لطف اندوز ہوتے تھے۔ لطیف کی شادی حیدری بیگم دختر احمد حسین سے گوہلہ میں ہوئی۔ لطیف سنّی تھے جب کہ حیدری شیعہ

۱ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۲ سیّد ذوالفقار حسین ولد قاضی لطیف حسین (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — خیرپور ٹامیوالی — ۲۹ اپریل ۲۰۰۶ء

۳ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — خانیوال — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

گھرانے سے تھیں۔[1] لطیف اور حیدری کے دو بیٹے ذوالفقار حسین اور محمد اسلم اور دو بیٹیاں اختری بیگم اور رضیہ بیگم ہوئیں۔ اختری کی شادی محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع سے ہوئی۔

ذوالفقار حسین و محمد اسلم

قاضی لطیف حسین کے بیٹے ذوالفقار حسین نے پرائمری تک تعلیم ٹھسکہ سکول سے حاصل کی۔ پھر دہلی جا کر پانچویں کلاس میں داخل ہو گئے۔ دہلی میں وہ اپنے پھوپھا اور ماموں زوّار حسین ولد احمد حسین کے پاس رہتے تھے۔ ذوالفقار نے مڈل پاس کیا تو دہلی میں گڑ بڑ ہو گئی جس کے باعث وہ ٹھسکہ واپس آ گئے۔ ڈیڑھ سال بعد دوبارہ دہلی جا کر تعلیم کا سلسلہ شروع کیا اور ۱۹۴۴ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ بعدازاں انہوں نے دہلی میں راشننگ کے محکمہ میں کلرک کی حیثیت سے نوکری کی۔

ذوالفقار کی شادی انعام فاطمہ دختر احمد حسن سے ٹھسکہ میں ۱۹۴۵ء میں ہوئی۔ چونکہ دولہا اور دلہن ایک ہی گھر میں رہتے تھے اس لیے روایتی بارات نہیں بنائی گئی اور شادی بہت سادگی سے ہوئی۔[2] انعام فاطمہ سید کھیڑی کی رہنے والی تھیں۔ ان کی والدہ کی وفات کے بعد ان کی نانی حمیدن انہیں ٹھسکہ لے آئیں، ان کی پرورش کی اور پھر وہیں اپنے پوتے ذوالفقار کے ساتھ ان کی شادی کر دی۔ سید کھیڑی کے اختر حسین ولد محمد عسکری نمبردار کی شادی گوہلہ میں ہوئی تو انعام فاطمہ کے والد احمد حسن بھی بارات میں گئے۔ انعام فاطمہ ٹھسکہ سے شادی میں شرکت کے لیے گوہلہ گئیں تو وہاں اپنے والد صاحب سے بھی ملاقات کی۔ بشیری بیگم دختر محمد شفیع کی شادی کے بعد انعام فاطمہ انہیں لینے کے لیے محمد مختار اور مشتاق فاطمہ کے ساتھ ٹھسکہ سے سید کھیڑی بھی گئیں۔[3]

ذوالفقار کے چھوٹے بھائی محمد اسلم گاؤں کی مسجد میں قائم مذہبی مدرسہ میں قرآن پاک حفظ کرنے کے لیے جاتے تھے۔ تقسیم ہند کے وقت ان کی عمر سات سال تھی۔[4]

قاضی سجاد حسین

سجاد حسین کے والد محمد حسین اور دادا نُور محمد تھے۔ ریاست بہاولپور کے وزیراعظم ماسٹر رحیم بخش نے انہیں بہاولپور پولیس میں بھرتی کروا دیا اور وہ ترقی کر کے انسپکٹر کے عہدہ تک پہنچ گئے۔[5] سجاد محکمہ پولیس میں بہادر مشہور تھے۔

۱　سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲ اپریل ۲۰۱۶ء

۲　سیّد ذوالفقار حسین ولد قاضی لطیف حسین (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — خیرپور ٹامیوالی — ۲۹ اپریل ۲۰۰۶ء

۳　سیّدہ انعام فاطمہ دختر احمد حسن (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — خیرپور ٹامیوالی — ۲۹ اپریل ۲۰۰۶ء

۴　سیّد ذوالفقار حسین ولد قاضی لطیف حسین (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — خیرپور ٹامیوالی — ۲۹ اپریل ۲۰۰۶ء

۵　سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۲۰ نومبر ۲۰۰۵ء، ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

وزیروں، مشیروں وغیرہ سے ان کے تعلقات تھے۔ وہ خوش لباس اور رکھ رکھاؤ والے تھے۔[1] ایک دفعہ وہ بچھڑے جتنا بڑا کُتّا ٹھسکہ لے آئے اور اسے پیشاب کروانے کی ذِمّہ داری اپنے بھتیجے اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع کو دی۔ اصغر نے کہا: "مجھے کیسے پتہ لگے گا کہ اس نے پیشاب کرنا ہے۔" سجاد نے کہا: "یہ خود بتائے گا۔" کتّے کو جب بھی پیشاب آتا تھا تو وہ دائرہ میں چکر لگاتا تھا اور اصغر اسے باہر لے جاتے تھے۔ گھر سے باہر نکلتے ہی کُتّا پیشاب کر دیتا تھا۔ کُتّا مویشیوں کی نگرانی بھی کرتا تھا اور انہیں موڑتا تھا۔ اگر کوئی گائے یا بھینس کِسی کے کھیت میں گُھس جاتی تو کُتّا اس کی پونچھ پکڑ کر اسے باہر نکال لاتا تھا۔

قاضی سجاد کی ٹھسکہ میں آبائی زمین اور گھر تھے اور انہوں نے جگہ خرید کر اپنا علیحدہ مکان بھی بنوایا تھا۔ اپنے بھائیوں قاضی شفیع اور قاضی لطیف کے برعکس انہوں نے شیعہ عقیدہ کو اپنایا۔[2] لیکن سیدکھیڑی کے سیّد نذر حسین ولد حسین بخش نے ان کے بارے میں لکھا: "سجاد حسین کے بارے میں پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کس مسلک کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔"[3]

سجاد کی پہلی شادی جعفری دختر امیر علی سے گوہلہ میں ہوئی اور ان کے ایک بیٹا مظفر اور تین بیٹیاں صفدری بیگم، محمودہ بیگم اور انوری بیگم ہوئیں۔ اپنے گھر والوں کی مخالفت کے باوجود سجاد نے دوسری شادی خدیجہ خاتون سے پٹیالہ میں کی اور ان کے دو بیٹے مظہر حسین اور ارشد حسین اور ایک بیٹی اقبال فاطمہ ہوئیں۔ سجاد نے اپنی بیٹی صفدری کی شادی سیدکھیڑی کے یاور حسین ولد محمد رمضان سے کی۔ سجاد کا بیٹا مظفر گھر سے بھاگ گیا اور واپس نہ آیا۔

رہن سہن

ٹھسکہ میراں جی بڑا گاؤں ہونے کی وجہ سے قصبہ کہلاتا تھا۔ اس کے بازار میں ضرورت کی تقریباً ہر چیز میسر تھی۔ گاؤں میں ایک سرکاری ہسپتال تھا جہاں ڈاکٹر تعینات ہوتا تھا۔ ٹھسکہ کے ڈاکخانہ سے ہرکارے چھ سات نزدیکی دیہاتوں میں ڈاک تقسیم کرنے جاتے تھے۔[4]

گاؤں میں لڑکوں کا ایک پرائمری سکول تھا جو بعدازاں مڈل سکول بن گیا تھا۔ یہ سکول ورنیکلر تھا یعنی یہاں انگلش نہیں پڑھائی جاتی تھی اور علاقائی زبان میں تعلیم دی جاتی تھی۔ یہاں سے مڈل کرنے کے بعد کِسی دوسرے سکول سے میٹرک کرنے کے لیے پہلے جونیئر اور سینئر کے ایک ایک سال کے کورس کرنے پڑتے تھے جن میں صِرف انگلش پڑھائی جاتی تھی۔[5]

---

۱ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲ اپریل ۲۰۱۶ء

۲ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — خانیوال — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

۳ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۴ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا/خانیوال — ۲۰ نومبر ۲۰۰۵ء، ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

۵ سیّد محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کبیروالا — ۱۰ فروری ۲۰۱۱ء

گمن کھیڑی اور دوسرے قریبی دیہاتوں کے بچّے ٹھسکہ سکول میں پڑھتے تھے۔[۱] گاؤں میں ایک لڑکیوں کا پرائمری سکول تھا۔[۲] پنجاب ڈسٹرکٹ گزٹیئرز کے مطابق ۱۹۰۷ء میں ٹھسکہ کی آبادی ۲،۶۶۴ افراد پر مشتمل تھی۔ ایک سکول، ڈاکخانہ اور پولیس اسٹیشن بھی گاؤں میں تھے۔ مارکنڈا اور سروستی میں طغیانی کی وجہ سے خشک موسم کے علاوہ گاؤں تک رسائی مشکل تھی۔[۳]

قاضی سادات کے گھر

قاضی سادات کے بزرگ نُور محمد اور ان کے دو بھائیوں کے مکان ایک ایکڑ احاطہ میں بنے ہوئے تھے جس کی چار دیواری تھی اور ایک بڑا مرکزی دروازہ تھا۔ رہائشی مکانوں کے علاوہ اس احاطہ میں چار دیواری کے ساتھ کئی کمرے بنے ہوئے تھے۔ ہر کمرہ میں علیحدہ علیحدہ فصلوں کی پیداوار رکھی جاتی تھی۔ تینوں بھائی اپنے مویشی بھی اسی احاطہ میں باندھتے تھے۔ نُور محمد، ان کے بیٹوں محمد حسین، عطا حسین اور نذیر حسین، نُور محمد کے ایک بھائی اور ان کے بیٹے عبدالمجید عرف نتھو اور دوسرے بھائی اور ان کے بیٹے احمد حسین نے اسی احاطہ میں بنے ہوئے اپنے گھروں میں زندگی گزاری۔ نتھو کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی بیوہ بتول عرف تولی وہیں رہتی تھیں۔ اس وقت کے رواج کے مطابق تولی کے خاوند کی زمین ان کے نام ہو گئی تھی اور زمین سے ہونے والی پیداوار کی وہ مالک تھیں۔ احمد حسین کے فرزند منظور علی عرف منصورا اپنے سسرال کے گاؤں درڑ جا کر رہنے لگے تھے۔ نذیر حسین کی وفات کے بعد ان کی بیوہ کلثوم وہاں رہتی تھیں۔ وہ اکثر اپنی بیٹی کے پاس گوہلہ چلی جاتی تھیں۔ عطا حسین نے اسی احاطہ میں ایک بڑا گھر بنا لیا تھا اور وہ اسی میں رہتے تھے۔ محمد حسین کا گھر بھی بڑا تھا جب کہ نذیر حسین، احمد حسین اور عبدالمجید عرف نتھو کا ایک ایک کمرہ تھا۔ صحن سب کا مشترک تھا۔ محمد حسین کے بیٹے محمد شفیع نے اپنے مکان کی سیڑھیوں کے اوپر ٹائلٹ بنوایا تھا جس میں اس وقت کے لحاظ سے ماڈرن فلش سسٹم تھا۔ گندگی نیچے چلی جاتی تھی۔ باہر کی دیوار کے ساتھ نیچے چھوٹا دروازہ لگا ہوا تھا جسے کھول کر چوڑھا گندگی اٹھاتا اور صفائی کر دیتا تھا۔ گاؤں میں دوسرے گھروں کے برعکس چوڑھا اس گھر کے اندر نہیں آتا تھا۔

تقسیم ہند سے کئی سال پہلے محمد شفیع کے بھائیوں لطیف حسین اور سجاد حسین نے احاطہ کے باہر اپنے علیحدہ مکان بنا لیے تھے اور اپنے کنبوں کے ساتھ ان میں رہتے تھے۔ تاہم عطا حسین اور ان کے بھتیجے اور داماد محمد شفیع بڑے احاطہ کے اندر بنائے ہوئے اپنے گھروں میں ہی رہتے تھے۔ بڑے احاطہ کے مرکزی دروازہ کے ساتھ باہر کی طرف چار پانچ مرلے جگہ پر چبوترہ بنا ہوا تھا۔ اس چبوترہ کے ساتھ ہی ڈاکخانہ کی عمارت تھی جو اچھی بنی ہوئی تھی۔ ڈاکخانہ کے پچھلی طرف کی گلی میں لطیف نے اپنا مکان بنوایا تھا۔ اس گلی میں دو راجپوت گھر بھی تھے۔ یہ ایک بند گلی تھی۔ اس گلی سے چند قدم آگے خالی جگہ تھی جسے سجاد نے خرید لیا تھا اور وہاں اپنا مکان بنا لیا تھا۔

---

۱ سیّد غلام سرور ولد فتح حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لنگر سرائے — ۲۳ فروری ۲۰۱۸ء

۲ سیّدہ مشتاق فاطمہ دختر قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۷ مارچ ۲۰۰۶ء

۳ Punjab District Gazetteers, P 220, Vol VI-A, Karnal District, 1918

مشہور راجپوت

ٹھسکہ راجپوت مسلمانوں کا گاؤں تھا۔ سیّدوں کے گھر کافی کم تھے اور ہندوؤں کے گھر ان سے بھی کم تھے۔ ٹھسکہ کے راجپوتوں میں دو شخصیات ملکی سطح پر مشہور ہوئیں۔ ایک ماسٹر رحیم بخش جو ریاست بہاولپور میں مشیر، وزیر اور وزیر اعظم کے عہدوں پر فائز رہے اور دوسرے ان کے بھتیجے صوفی عبدالحمید جو پارلیمنٹ کے ممبر اور پنجاب حکومت میں وزیر رہے۔ یہ دونوں شخصیات قاضی سادات کے لیے عزّت اور ہمدردی کے جذبات رکھتی تھیں۔

ماسٹر رحیم بخش ایک محنتی اور باصلاحیت شخص تھے۔ شروع میں وہ انبالہ سکول میں استاد تھے۔ اس سکول کا استقبالی بینڈ سارے ملک میں مشہور تھا۔ جب وائسرائے ہند کا بہاولپور دورہ کرنے کا پروگرام بنا تو نواب آف بہاولپور (نواب صادق کے والد) انبالہ سکول آئے اور وائسرائے کے استقبال کے لیے سکول کے بینڈ دستے کو بہاولپور لے جانے کے لیے ہیڈ ماسٹر سے بات کی۔ نواب نے ہیڈ ماسٹر سے یہ بھی کہا کہ انہیں اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک اچھے استاد کی ضرورت ہے۔ ہیڈ ماسٹر نے نواب صاحب کو ماسٹر رحیم بخش کی خدمات حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ نواب نے ماسٹر رحیم بخش سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو وہ یہ ذِمّہ داری نبھانے کے لیے تیار ہو گئے۔ بہاولپور پہنچ کر ماسٹر صاحب نے نواب کے بیٹے کی تعلیم و تربیت کا آغاز کر دیا۔ ماسٹر صاحب کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے نواب نے انہیں پہلے اپنا مشیر اور پھر وزیر مقرر کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد نواب صاحب فوت ہو گئے۔ اس وقت نواب کے بیٹے صادق کی عمر چھ سال تھی اور اس عمر میں ان کی تاجپوشی نہیں ہو سکتی تھی۔ نواب مرحوم کا ایک اور بیٹا تھا جس کی ماں طوائف تھی۔ وہ صادق سے عمر میں بڑا تھا۔ طوائف نے اپنے بیٹے کی حکمرانی کا دعویٰ کر دیا۔ ماسٹر رحیم بخش نے نواب صادق کے حق کے لیے مقدمہ کی پیروی کی۔ لندن کی عدالت میں آخری فیصلہ نواب صادق کے حق میں ہوا۔ ماسٹر رحیم بخش سرخرو ہو کر بہاولپور لوٹے۔ اس عمل میں چھ سال بیت گئے۔ اس وقت نواب صادق کی عمر ۱۲ سال تھی اور اس عمر میں بھی ان کی تاجپوشی نہیں ہو سکتی تھی۔ نواب صادق کی والدہ کی خواہش پر ماسٹر رحیم بخش نے ریاست بہاولپور میں وزیراعظم کی حیثیت سے دس سال حکومت کی۔ ۲۲ سال کی عمر میں نواب صادق کی تاجپوشی ہوئی اور ماسٹر رحیم بخش اپنی خواہش پر ٹھسکہ واپس آ گئے۔ نواب صادق کی والدہ نے ماسٹر رحیم بخش کے نام ۲۰۰ مربعے زمین لگوائی۔ کچھ عرصہ بعد نواب کی مخالفت شروع ہو گئی اور طوائف اور اس کے بیٹے نے نواب کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ حالات زیادہ خراب ہوئے تو نواب صادق کی والدہ ٹھسکہ آئیں اور ماسٹر رحیم بخش سے مزید چار سال کے لیے بہاولپور چلنے پر اصرار کیا۔ ماسٹر صاحب پھر بہاولپور چلے گئے اور اپنے تجربہ اور اہلیت کے باعث حالات کو نارمل کر لیا۔ چار سال بعد جب ماسٹر صاحب دوبارہ ٹھسکہ آئے تو نواب کی والدہ نے مزید ۱۰۰ مربعے زمین ان کے نام لگوا دی۔ ماسٹر رحیم بخش کی اپنی اولاد نہیں تھی۔ ان کی زمین ان کے بھتیجوں میں تقسیم ہوئی۔ ماسٹر رحیم بخش نے ٹھسکہ کے کئی لوگوں کو ریاست بہاولپور میں ملازمت دلوائی۔ سیّدوں میں سے سجاد حسین ولد محمد حسین کو پولیس میں ملازم کروایا۔ نذیر حسین ولد نُور

محمد کو خیرپور ٹامیوالی میں ٹیچر لگوایا۔[1] گوہلہ کے زوّار حسین ولد احمد حسین، جنہوں نے ٹھسکہ میں اپنی بہن کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کی تھی، کو دہلی کے ایک سکول میں ملازمت ماسٹر رحیم بخش کی سفارشی چٹھی پر ملی۔[2]

ٹھسکہ میں راجپوتوں کی دوسری معروف شخصیت صوفی عبدالحمید تھے جو ماسٹر رحیم بخش کے بھتیجے تھے۔ وہ پنجاب اسمبلی کے ممبر اور پنجاب حکومت میں وزیر بھی رہے۔ ان کی قاضی محمد شفیع کے ساتھ دوستی تھی۔ صوفی صاحب کے گھر والوں کا بھی قاضی شفیع کے گھر والوں کے ساتھ میل ملاپ تھا۔ صوفی صاحب پاکستان کے قیام کے زبردست حامی تھے۔ تقسیم ہند کے بعد قاضی شفیع کے گھر والے صوفی صاحب کے گھر والوں کے ساتھ ہی فوج کی حفاظت میں پاکستان آئے اور لاہور میں صوفی صاحب کی کوٹھی میں چند روز قیام کیا۔[3]

ٹھسکہ کے چور

ٹھسکہ کے چور سارے ملک میں مشہور تھے اور اس بات کا ذکر پنجاب ڈسٹرکٹ گزٹیئرز میں ان الفاظ میں ہے: ”گاؤں بلوچ قبیلہ کا ہیڈکوارٹر ہے جو سارے انڈیا میں چوریاں کرنے اور ڈاکے مارنے کی وجہ سے بدنام ہیں۔“ [4] ٹھسکہ کے چور اپنے گاؤں اور نواحی دیہاتوں میں چوریاں نہیں کرتے تھے۔ وہ دوسرے علاقوں خصوصاً ریاست پٹیالہ میں جا کر چوریاں کرتے تھے اور چوری کیا ہوا مال سستے داموں ٹھسکہ کے بازار میں دستیاب ہوتا تھا۔ چور نواحی دیہاتوں میں جا کر بھی چوری کیا ہوا مال فروخت کرتے تھے۔

ٹھسکہ میں ایک منشی خان نامی چور مشہور تھا۔ وہ کبھی رات کو گھر پہ نہیں رہتا تھا۔ اس نے اپنا ایک چوروں کا گروہ بنایا ہوا تھا جس میں اس کا ایک بھائی بھی شامل تھا۔ تاہم اس کے دو بھائی کولا اور عبدالغفور عرف بھورا چوری نہیں کرتے تھے۔ منشی خان کی بیوی ایک دفعہ حیدری بیگم زوجہ قاضی محمد شفیع کے پاس آئی اور کہا: ”تیرا بھائی مشین لایا ہے۔ اگر خریدنی ہے تو سستی مل جائے گی۔“ حیدری بیگم نے پوچھا: ”منشی خان مشین کہاں سے لایا ہے؟“ منشی خان کی بیوی نے کہا: ”چوری کر کے لایا ہے۔“ حیدری بیگم نے کہا: ”مجھے ایسی مشین نہیں چاہیے۔“ ایک نیاز نامی راجپوت ٹھسکہ میں رہتا تھا۔ وہ پہلوانی کرتا تھا اور بہت سا سامان اٹھا لیتا تھا۔ اسے نیاز گدھی کہتے تھے۔ ایک دفعہ وہ کسی مخالف کا باغ اجاڑ لایا اور پھل گاؤں میں تقسیم کر دیے۔ ٹھسکہ کے چور ایک دفعہ راجگڑھ کے نمبردار محمد رضا حسین کے جانور چُرا لائے۔ تاہم قاضی شفیع کی سرزنش پر جانور وہیں چھوڑ آئے جہاں سے لے کر آئے تھے۔[5]

---

۱ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۲۰ نومبر ۲۰۰۵ء
۲ مقامات زوّاریہ — مرتب محمد اعلیٰ قریشی — ص ۲۲ — ادارہ مجدّدیہ — کراچی — ۱۹۸۲ء
۳ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء
۴ Punjab District Gazetteers, P 220, Vol VI-A, Karnal District, 1918
۵ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

ٹھسکہ میں مشہور تھا کہ میراں شاہ بھیک ایک مرتبہ حج کے لیے گئے تو کچھ مرید بھی ان کے ساتھ تھے۔ وہاں میراں شاہ بھیک کو ایک قرآن مجید پسند آیا لیکن ان کے پاس اس کی قیمت ادا کرنے کے پیسے نہیں تھے۔ اس لیے وہ خواہش کے باوجود اسے نہ خرید سکے۔ میراں شاہ بھیک کے ٹھسکہ کے ایک مرید نے وہ قرآن چُرا لیا۔ ٹھسکہ واپس آکر میراں شاہ بھیک نے پھر قرآن کے اس نسخہ کی تعریف کی جسے وہ خرید نہیں سکے تھے۔ ان کے مرید نے انہیں وہ نسخہ لا کر پیش کر دیا۔ ٹھسکہ میں یہ کہاوت بھی مشہور تھی کہ جب بیل تقسیم ہوئے تو ٹھسکہ کا نمائندہ موجود نہیں تھا۔ دوسروں کو دو دو بیل ملے اور اس کے لیے ایک بیل رہ گیا۔ اس نے کہا: "کوئی بات نہیں ایک ہی دے دیں باقی میں چُرا لوں گا۔" [۱]

مذہبی ماحول

ٹھسکہ میں اکثریت راجپوتوں کی تھی جو سنّی تھے۔ قاضی سادات میں مردوں کی بڑی اکثریت سنّی اور عورتوں کی بڑی اکثریت شیعہ تھی۔ عموماً لڑکیاں ماں کا اور لڑکے باپ کا مسلک اختیار کرتے تھے۔ یہ سلسلہ تقسیم ہند تک چلتا رہا۔ سنّی مرد اپنی شیعہ عورتوں کی رسوم عزاداری میں حائل نہیں ہوتے تھے۔ قاضی سادات کی زیادہ تر رشتہ داریاں سید کھیڑی، گوہلہ اور سیانہ سیداں میں تھیں۔[۲]

ٹھسکہ کی مسجد میں بچّوں کو قرآن حفظ کروانے کے لیے ایک مدرسہ تھا جہاں ایک نابینا قاری (نُور احمد) استاد کی حیثیت سے متعین تھے۔ گاؤں کے علاوہ دور دراز دیہاتوں کے بچّے بھی وہاں قرآن حفظ کرتے تھے اور وہیں رہتے تھے[۳] جن میں گوہلہ کے مقبول حسین ولد تابع حسین کے بیٹے شبیر حسین اور صغیر حسین بھی شامل تھے۔[۴] قاری صاحب ایک دائرہ میں بچّوں کو بٹھاتے تھے اور سبق دینے کے بعد بچّوں سے اونچی آواز میں پڑھنے کو کہتے تھے۔ وہ ہر بچّے کو اس کی آواز سے پہچانتے تھے۔ اگر کوئی خاموش ہو جاتا یا آہستہ پڑھتا تو اس کا نام لے کر اسے ڈانٹتے تھے اور کہتے تھے: "مجھے پتہ ہے تم نہیں پڑھ رہے۔" جو بچے کچھ بڑے تھے ان سے قاری صاحب مسجد کے کنویں سے پینے کے لیے پانی بھی نکلواتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع کو کنویں سے پانی نکال کر گھڑے بھرنے کے لیے کہا تو اصغر نے ایک گھڑا توڑ دیا جس کے بعد ان سے یہ کام نہیں لیا گیا۔ اصغر کے چھوٹے بھائی صغیر حسین نے بھی کچھ دن مدرسہ میں قاری صاحب سے قرآن پڑھا۔[۵] گوہلہ کے فضل الرحمٰن ولد زوّار حسین اور ٹھسکہ میں ان کے پھوپھی زاد بھائی محمد اسلم ولد قاضی لطیف حسین

---

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۲ دسمبر ۲۰۱۰ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲ اپریل ۲۰۱۶ء

۴ سیّد ذاکر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

۵ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۱۷ ستمبر ۲۰۱۷ء

قرآن حفظ کرنے کے لیے مدرسہ میں اکٹھے داخل ہوئے۔ پہلے دن وہ دونوں الائچی دانوں کا ایک تھیلا بھر کر اپنے ساتھ لے گئے اور الائچی دانے بچّوں میں تقسیم کر دیے۔ فضل ٹھسکہ میں اپنی پھوپھی کے پاس رہتے تھے۔[۱]

مارکنڈا کے کنارے پر واقع میراں شاہ بھیک کا مزار ٹھسکہ کی شہرت کا باعث ہے اور اس بات کا ذکر پنجاب ڈسٹرکٹ گزٹیئرز میں ان الفاظ میں ہے: ''مارکنڈا کا پانی تو درحقیقت مزار کو دھوتا ہے۔ اس مزار کی وجہ سے ہی گاؤں مشہور ہے۔ صاحب میراں جی کا یہ مزار خاص سفید سنگ مرمر سے بنایا گیا اور اس کی تعمیر تھانیسر میں شیخ چلی کے مزار سے مشابہ ہے۔ مزار کا خرچ جزوی طور پر زمین کے محاصل سے حاصل ہوتا ہے۔''[۲] میراں شاہ بھیک اور ان کے مزار کا ذکر کتاب مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ (ص ۲۸۴۔۲۸۶) میں ہے۔

میراں شاہ بھیک کے مزار کی نسبت سے گاؤں کو ٹھسکہ میراں جی کہتے ہیں۔ تقسیم ہند سے پہلے گاؤں کی آبادی سے مزار کا فاصلہ ایک میل تھا۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے لوگ میراں شاہ بھیک سے اپنی عقیدت کا اظہار کرنے کے لیے ٹھسکہ میں ان کے مزار پر آتے رہتے تھے۔ مزار کے احاطہ میں کئی وسیع تالاب تھے اور چاروں طرف حجرے بنے ہوئے تھے جن میں مزار کے ملازمین کے علاوہ مسافر آکر ٹھہرتے تھے۔ میراں جی کے فقیر بھی وہیں رہتے تھے۔ وہ پیلے کپڑے پہنتے تھے۔ ایک حجرہ قاضی سادات جو مزار کے سجادہ نشین تھے کے لیے مخصوص تھا۔ سجادہ نشین کے کاموں میں سے ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ مزار سے حاصل ہونے والی آمدنی صحیح امور پر خرچ ہو رہی ہے۔ مزار پر ہر سال میلہ لگتا تھا جس میں بہت سے قوال حاضرین کو اپنا کلام سناتے تھے۔ میلہ کے دنوں میں سجادہ نشین کے خاندان کے لیے اسپیشل دیگ علیحدہ تیار ہوتی تھی۔ تقسیم ہند سے پہلے قاضی محمد شفیع ولد محمد حسین میراں شاہ بھیک کے مزار کے سجادہ نشین تھے۔ مزار پر ہر روز دو وقت لنگر کی تقسیم کے دوران اگر کوئی شخص ایک سے زائد لوگوں کے لیے کھانا لینا چاہتا تو وہ قاضی شفیع کے پاس آتا اور انہیں بتاتا کہ اس کے ساتھ اتنے آدمی ہیں۔ قاضی شفیع ایک پرچی پر آدمیوں کی تعداد لکھ کر اپنے دستخط کر دیتے تھے۔ ان کی پرچی کے بغیر ایک شخص اپنے لیے تو کھانا لے سکتا تھا لیکن دوسروں کے لیے نہیں۔ یہ نظام کھانے کی تقسیم میں فراڈ کو روکنے کے لیے اپنایا گیا تھا۔[۳]

میراں شاہ بھیک کے دربار کی ایک رتھ تھی جسے بہت خوبصورتی کے ساتھ سجایا جاتا تھا۔ قاضی سادات میں کوئی شادی ہوتی تو دربار کی رتھ استعمال کی جاتی تھی۔[۴]

---

۱ سیّد فضل الرحمٰن ولد زوّار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۳۰ دسمبر ۲۰۱۸ء

۲ Punjab District Gazetteers, P 220, Vol VI-A, Karnal District, 1918

۳ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۳ مارچ ۲۰۱۰ء

۴ سیّد محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

پونڈری

تقسیم ہند سے پہلے پونڈری تحصیل کیتھل ضلع کرنال میں ایک قدیم قصبہ تھا جہاں ہندو اور مسلمان رہتے تھے۔ قریبی گاؤں فتح پور کی وجہ سے اسے فتح پور- پونڈری بھی کہتے تھے۔ ہندو پونڈری کے قدیم باشندے تھے اور اکثریت میں تھے۔ مسلمانوں میں سیّد، پٹھان، شیخ، تیلی، جولاہے اور نائی وغیرہ سب تھے۔ سیّد سب شیعہ تھے جب کہ باقی مسلمان سنّی تھے۔ سادات میں ترمذی اور کاظمی تھے۔ ترمذی سادات کے بزرگ تقریباً ۴۰۰ سال پہلے پونڈری میں آباد ہوئے تھے۔ کاظمی سادات پہلے سے وہاں موجود تھے۔ ترمذی سادات کے مقابلہ میں کاظمی سادات بہت کم تھے۔[۱]

ترمذی سادات کے بزرگ سیّد شرف الدین ولد ظہیرالدین سنامی سب سے پہلے پونڈری میں آباد ہوئے۔ شرف الدین کے دو بیٹے عبدالوہاب اور سوندھا ہوئے۔ عبدالوہاب کی دو نسلیں ہی آگے چلیں جب کہ سوندھا کے ایک فرزند محمود ہوئے اور محمود کے چار بیٹے دانشمند، عبدالعزیز، عبدالرحمٰن اور عبدالرحیم ہوئے۔ عبدالرحمٰن لاولد تھے اور عبدالرحیم کے ایک فرزند عبدالغنی ہوئے جو لاولد رہے۔ دانشمند اور عبدالعزیز کی نسلوں کا سلسلہ چلتا رہا اور تقسیم ہند تک جو ترمذی سادات پونڈری میں آباد تھے وہ انہی دو بھائیوں کی اولاد تھے۔ دانشمند کو مغل بادشاہ اکبر کی طرف سے سیّد عالم کا خطاب ملا اور وہ سیّد عالم دانشمند مشہور ہیں۔ شجرہ نسب پونڈری سادات کے مطابق: "۱۵۸۰ء میں گجرات (دکن) کی ایک مسجد میں ہندوستان کے علماء کی ایک حدیث پر بحث ہوئی۔ دانشمند نے جو مؤقف پیش کیا تحقیق کے بعد وہ صحیح ثابت ہوا جس پر اکبر بادشاہ نے فرمان اکبری جاری کیا اور انہیں سیّد عالم کا خطاب دیا۔" سیّد عالم دانشمند نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے ان کے دو بیٹے سیّد فاضل اور سیّد اسد اور دو بیٹیاں ہوئیں اور دوسری بیوی سے ایک فرزند احمد ثانی ہوئے۔ فاضل اور اسد تو لاولد رہے جب کہ احمد ثانی کی اولاد کا سلسلہ آگے چلا۔ احمد ثانی اپنے والد کی ناراضگی کے باعث پونڈری سے تنوج چلے گئے اور وہاں علم حاصل کیا۔ وہ عالم فاضل بن کر واپس آئے تو ان کے والد خوش ہوئے، بیٹے سے بغلگیر ہوئے اور کہا: "میرے آج لڑکا پیدا ہوا ہے۔" احمد ثانی نے ۶۰ سال کی عمر میں شیخ جلال تھانیسری کے کہنے پر ان کے مرید حسین خان پٹھان کی بیٹی نعمت سے شادی کی اور ان کے تین بیٹے سیّد برخوردار، سیّد ولی اور سیّد محمد ہوئے۔ ان تین بھائیوں کے نام سے ہی ان کی اولاد نسل در نسل پہچانی جاتی رہی اور یہ سلسلہ اب تک قائم ہے۔ سیّد عالم دانشمند کے بھائی عبدالعزیز کا پونڈری میں ایک محل تھا اور وہ محل والے مشہور تھے۔[۲] بعدازاں یہی شہرت نسل در نسل ان کی اولاد میں منتقل ہوئی اور آج بھی انہیں محل والے کہتے ہیں۔ پونڈری کے ترمذی سادات اور ان کے بزرگوں کا ذکر تاریخ انوار السادات (ص ۴۹۹-۵۰۸) میں ہے۔

---

۱ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۲ شجرہ نسب پونڈری سادات — حکیم سیّد صمصام علی — قلمی نسخہ

خاندان

تقسیم ہند سے پہلے پونڈری میں جو ترمذی سادات رہتے تھے وہ تین بھائیوں سیّد برخوردار، سیّد ولی، سیّد محمد بنی احمد ثانی اور سیّد عبدالعزیز بن محمود کی اولاد تھے۔ ان چار خاندانوں کی آپس میں رشتہ داریاں تھیں اور رسم و رواج میں اشتراک تھا۔ مثلاً یہ بات طے تھی کہ اگر ان خاندانوں میں کسی کی شادی ہو تو برخوردار خاندان کا فرد پگڑی باندھے گا اور اگر فوتگی ہو تو تب بھی برخوردار خاندان کا فرد پگڑی باندھے گا۔[1]

اولاد سیّد برخوردار

سیّد برخوردار کی اولاد کے اکثر افراد پونڈری چھوڑ کر گڑھی کوٹاہہ جا بسے تھے۔ ان کے جو دو چار کنبے پونڈری میں ہی رہے وہ تین بھائیوں امام علی، ولایت علی اور حسن علی کی اولاد تھے۔ یہ تینوں بھائی خیرات علی بن علی احمد بن صفدر علی بن عتیق اللہ بن سیّد عاقل بن سیّد سوندھا بن سیّد برخوردار کے بیٹے تھے۔ ان میں سے ولایت علی کے ایک فرزند باقر علی اور ایک بیٹی نجفن ہوئیں۔ باقر لاولد فوت ہوئے اور نجفن بیاہ کر شاہ آباد گئیں۔ تقسیم ہند سے پہلے سیّد برخوردار کی اولاد کے مندرجہ ذیل افراد پونڈری میں رہائش پذیر تھے:

محمد رضا

محمد رضا کے والد عبدالعزیز، دادا جعفر علی اور پردادا حسن علی تھے۔ ان کی تین بہنیں زینت بیگم، مصطفائی اور مرتضائی تھیں۔ رضا زمیندار تھے اور نمبردار بھی تھے۔ ان کی شادی صدیق النساء دختر منوّر حسین سے ہوئی جن کا تعلق خاندان محل سے تھا۔ رضا اور صدیق النساء کے ایک فرزند خیرات علی ثانی ہوئے۔ خیرات ابھی چھوٹے ہی تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کی پرورش ان کے چچا حسن رضا نے کی۔ انہیں نمبرداری وراثت میں ملی اور انہیں پونڈری میں نمبردار کہہ کر ہی پکارا جاتا تھا۔

حسن رضا

حسن رضا کے والد عبدالعزیز، دادا جعفر علی اور پردادا حسن علی تھے۔ وہ محمد رضا کے چھوٹے بھائی تھے۔ حسن لوکل سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے اور بلدیہ کے الیکشن لڑتے تھے۔ وہ زمیندار تھے اور ان کی اچھی خاصی جائیداد تھی۔ وہ ٹرانسپورٹر بھی تھے اور ان کی بس کرنال سے دہلی جاتی تھی۔ حسن نے پہلی شادی پونڈری میں حیدری بیگم دختر منیر حسین

---

۱ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۳ جون ۲۰۱۱ء

سے کی جن کا تعلق سیّد ولی کی اولاد سے تھا۔ ہندوستان میں ان کے دو بیٹے یونس علی رضا اور نسیم علی رضا اور چار بیٹیاں انیس فاطمہ، رئیس فاطمہ، طیّبہ خاتون اور ناظرہ خاتون ہوئیں۔

علی امام

علی امام کے والد عاقل حسین اور دادا امام علی تھے۔ ان کی والدہ رضوی بیگم اور بہن بسم اللہ تھیں۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران انگریز حکومت نے ہندوستان میں آرمی کی ریزرو فورس بنائی تو علی امام اس میں بھرتی ہو گئے اور میڈیکل کور میں تعینات ہوئے۔ جنگ کے بعد حکومت برطانیہ نے انہیں ایک تعریفی سرٹیفکیٹ دیا، ان کے بچّوں کی سرکاری سکولوں میں آدھی فیس قرار دی اور ان کے لیے ۱۰ روپے ماہانہ انعام مقرر کیا۔ علی امام کی شادی زمرد خاتون سے انبالہ میں ہوئی۔

غلام حسنین

غلام حسنین کے والد عاقل حسین اور دادا امام علی تھے۔ وہ علی امام کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کی شادی مجید النساء دختر محمد حسین سے ہوئی اور ان کے دو بیٹیاں مطاہرہ خاتون اور مظاہرہ خاتون ہوئیں۔ غلام حسنین انڈیا میں ہی انتقال کر گئے۔ قیام پاکستان کے وقت مطاہرہ پانچ چھ سال کی تھیں اور مظاہرہ ان سے چھوٹی تھیں۔

محمد حسین عرف جھنڈو

محمد حسین کے والد جلال حسین اور دادا امام علی تھے۔ ان کی شادی صفات النساء عرف بی بی سے ہوئی اور ان کے ایک بیٹی مجید النساء ہوئیں۔ مجید النساء کی شادی غلام حسنین ولد عاقل حسین سے ہوئی۔ جھنڈو کی دوسری شادی اصغری بیگم سے ہوئی۔[1]

اولاد سیّد ولی

تقسیم ہند سے پہلے سیّد ولی کی اولاد کے کم از کم مندرجہ ذیل بزرگ پونڈری میں آباد تھے:

ولایت حسین

ولایت حسین کے والد یوسف علی اور دادا غلام جیلانی تھے۔ وہ پولیس میں منشی کی حیثیت سے ملازم تھے۔ انہوں نے چار شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے زینب دختر اصغر علی سے کی اور دوسری شادی فضہ بیگم دختر محمد شفیع سے گڑھی کوٹاہہ میں کی۔ ان دونوں بیویوں سے ان کے اولاد نہیں ہوئی۔ ولایت نے تیسری شادی ام البنین دختر نوازش علی سے کی اور

---

۱ تاریخ انوار السادات ــــ ص ۴۹۹
سیّد فضل احمد ولد افضال حسین و سیّد علی امام ولد عاقل حسین (سابق رہائشی پونڈری) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بذریعہ فون ــــ کراچی ــــ ۳۱ جولائی ۲۰۱۸ء

ان کے ایک فرزند تجمل حسین ہوئے۔ چوتھی شادی انہوں نے فضہ دختر حیدر حسن سے شاہ آباد میں کی اور ان کے ایک فرزند اختر حسین اور ایک بیٹی قدیر النساء ہوئیں۔ ولایت کے فرزند تجمل حسین کی شادی رقیہ دختر جلال دین سے پونڈری میں ہوئی اور ان کے ایک بیٹا ہوا۔ تجمل کی بیوی اور بیٹا پونڈری میں ہی وفات پا گئے۔

اختر حسین

ولایت حسین کے فرزند اختر حسین نے مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ وہ پونڈری کی کمیٹی کے دو دفعہ چیئرمین منتخب ہوئے اور قصبہ کے انتظامی اور سیاسی معاملات میں انہوں نے اپنا کردار مؤثر طور پر ادا کیا۔ اختر نے تحصیل کیتھل میں عرائض نویس کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ وہ ٹیچر بھی تعینات رہے۔ مذہبی امور میں ان کی دلچسپی تھی۔ اگر مولوی صاحب نہ ہوتے تو وہ ایک ہاتھ میں 'تحفتہ العوام' پکڑ کر عید کی نماز پڑھا دیتے تھے۔ اختر کے کیتھل اور پونڈری میں ہندوؤں کے ساتھ بھی بہت اچھے تعلقات تھے۔ کیتھل میں ان کا دوست ڈاکٹر پورن چند تھا جو ان کی بہت عزّت کرتا تھا۔[1] ڈاکٹر پورن چند نے اختر کے بیٹے صمد کو اپنا بیٹا بنانے کی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا لیکن صمد کی والدہ نے اپنے بیٹے کو اس کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔[2] پونڈری کے بڑے سیٹھ باسدیو اور چھوٹے سیٹھ باسدیو کے ساتھ بھی اختر کے گہرے تعلقات تھے۔

اختر کی شادی ظہور فاطمہ عرف رشیدن دختر کلب حسین سے پونڈری میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے چار بیٹے اسد علی، علی ظہیر، مدد علی اور صمد علی اور تین بیٹیاں سلطان فاطمہ، نسیمہ خاتون اور فہمیدہ خاتون ہوئیں۔ سلطان فاطمہ کی شادی مصطفیٰ حسین ولد ہادی حسین سے ہوئی۔ مصطفیٰ پونڈری کے رہنے والے تھے اور ملازمت کے سلسلہ میں کیتھل میں رہتے تھے۔ اختر کی بیٹی شادی کے بعد کیتھل چلی گئیں۔ اختر نے بھی اپنے کنبہ کے ساتھ کیتھل میں رہائش رکھ لی۔ اختر کے بیٹے اسد علی نے کیتھل سکول سے میٹرک کیا۔ اختر کے دوسرے بیٹے علی ظہیر نے چھٹی تک تعلیم پونڈری میں حاصل کی اور ساتویں اور آٹھویں جماعتیں گورنمنٹ ہائی سکول کیتھل میں پڑھیں۔ تقسیم ہند کے وقت وہ اسی سکول میں نویں جماعت میں پڑھتے تھے اور ان کے چھوٹے بھائی مدد علی بھی سکول میں پڑھتے تھے[3] جب کہ ہندوستان میں اختر کے سب سے چھوٹے بیٹے صمد علی کی عمر ساڑھے چار سال تھی۔[4]

عابد حسین

عابد حسین کے والد حسین بخش اور دادا محمد احسن تھے۔ عابد نائب تحصیلدار تعینات تھے۔ وہ بہت باپردہ اور دیانت دار آدمی تھے۔ سیڑھیوں سے اترتے تو منہ پہ پردہ ہوتا تھا تاکہ ان کی نظر کسی عورت پر پڑے نہ کسی عورت کی نظر

---

۱ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ اگست ۲۰۱۷ء
۲ سیّد صمد علی ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — راولپنڈی — ۵ اگست ۲۰۱۷ء
۳ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ اگست ۲۰۱۷ء
۴ سیّد صمد علی ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — راولپنڈی — ۵ اگست ۲۰۱۷ء

ان پر پڑے۔ وہ حج و زیارات کے لیے گئے اور واپس نہ آئے۔ وہ کن حالات میں کہاں فوت ہوئے کچھ پتہ نہیں۔

عابد کے ایک فرزند علمدار حسین تھے جنہوں نے پولیس کے محکمہ میں نوکری کی۔ وہ حیدرآباد دکن میں ایس پی تعینات تھے۔ ان کی شادی بتول فاطمہ دختر تحور حسین سے پونڈری میں ہوئی اور ان کے دو بیٹے عزیز اور محمد رضا اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ ایک بیٹی کا نام عباسی بیگم تھا۔ عزیز اور ان کی ایک بہن جن کا نام معلوم نہیں حیدرآباد دکن میں فوت ہو گئے۔ شہر میں طاؤن کی وباء پھیلی تو علمدار نوکری چھوڑ کر اپنی بیوی اور دو بچّوں محمد رضا اور عباسی بیگم کے ساتھ پونڈری آ گئے۔ وہاں انہوں نے اپنے جدی مکان کی توسیع کے لیے گھر سے متصل کچھ جگہ ۱۸۹۹ء میں خریدی اور ایک بیٹھک اور برآمدہ بنوایا۔ کچھ عرصہ بعد وہ اپنے ایک دوست کے پاس سمندری چلے گئے۔ ان کا دوست ڈاکٹر تھا۔ سمندری میں انہوں نے کچھ عرصہ زمینداری کی یا کوئی اور کاروبار کیا۔ پانچ چھ ماہ بعد ۱۹۰۱ء میں وہیں ان کا انتقال ہوا۔ علمدار کی بیٹی عباسی بیگم کی شادی گڑھی کوٹاہہ کے غلام محمد ولد عزیزالدین سے ہوئی۔

محمد رضا

محمد رضا کے والد علمدار حسین اور دادا عابد حسین تھے۔ ان کی عمر پانچ چھ سال تھی کہ ان کے والد فوت ہو گئے۔ ۱۹۱۴ء میں رضا فوج میں بھرتی ہو گئے اور راولپنڈی میں تعینات ہوئے۔ وہ اٹک قلعہ میں بھی تعینات رہے۔ ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم اوّل ختم ہوئی تو بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح رضا کو بھی فوج سے فارغ کر دیا گیا۔ پھر انہوں نے جیل کے محکمہ پولیس میں سپاہی کی حیثیت سے نوکری کی اور کرنال جیل میں تعینات رہے۔ بعدازاں انہوں نے پولیس کی ملازمت چھوڑ دی۔ وہ پونڈری کی کمیٹی میں بھی ملازم رہے۔

محمد رضا کی شادی حُسن بانو دختر محمد نقی سے پونڈری میں ہوئی۔ حُسن بانو سیّد محمد کے خاندان سے تھیں۔ رضا اور حُسن بانو کے دو بیٹے اعظم حسین اور عابد حسین اور سات بیٹیاں معراج فاطمہ، بنت فاطمہ، عزیز فاطمہ، حلیمہ خاتون، امیر فاطمہ، شاہدہ خاتون اور مجاہدہ خاتون ہوئیں۔ اعظم دو بہنوں سے چھوٹے اور پانچ سے بڑے تھے اور عابد دو بہنوں سے بڑے اور پانچ سے چھوٹے ہیں۔ اعظم کی پونڈری میں جوتوں کی ایک دکان تھی۔ رضا کے چھوٹے بیٹے عابد یکم فروری ۱۹۴۰ء کو پیدا ہوئے۔ رضا اپنے چھوٹے بیٹے سے بہت لاڈ کرتے تھے۔ جب وہ کرنال جیل میں تعینات تھے تو چھٹیوں میں عابد کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ عابد سارا دن گیند سے کھیلتے اور رضا جس قیدی کی نگرانی پر مامور تھے وہ سلاخوں کے پیچھے بیٹھتا اور رضا برآمدہ میں بیٹھتے اور دونوں سارا دن بارہ ٹہنی کھیلتے رہتے تھے۔ محمد رضا کی دو بیٹیوں کی شادی تقسیم ہند سے پہلے ہو گئی تھی۔ معراج فاطمہ کی شادی اورنگ آباد کے محمد احمد ولد علی احمد سے ہوئی۔ وہ ۱۹۵۲-۵۳ء میں پاکستان آئیں۔ بنت فاطمہ کی شادی گڑھی کوٹاہہ کے مصطفیٰ حسین ولد محمد عقیل سے ہوئی جو برخوردار خاندان سے تھے۔[1]

---

۱ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۴ ستمبر ۲۰۱۷ء

قائم حسین

قائم حسین کے والد نیاز محمد اور دادا صادق حسین تھے۔ قائم کی شادی صغریٰ بیگم سے گوہلہ میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند مستقیم حیدر اور ایک بیٹی قیوم فاطمہ ہوئیں۔ قائم کی بہن مختار فاطمہ کی شادی طیب حسین ولد کلب حسین سے پونڈری میں ہوئی۔ قائم کے والد نیاز محمد نے ہندوستان میں وفات پائی۔

لطیف حسین

لطیف حسین کے والد واجد علی اور دادا محمد احسن تھے۔ وہ پٹواری کی حیثیت سے تعینات تھے۔ انہوں نے چار شادیاں کیں۔ ان کی پہلی بیوی نثار بانو دختر مظفر حسین یوپی کی تھیں اور راجہ محمودآباد کے خاندان سے تھیں۔ ان کی دوسری بیوی کلثوم دختر تصدق حسین شاہ آباد کی تھیں، تیسری بیوی معصومن دختر محمد حسین پونڈری کی تھیں اور چوتھی بیوی سلامن دختر تصدق حسین شاہ آباد کی تھیں۔ کلثوم اور سلامن دونوں بہنیں تھیں۔ لطیف نے ایک کی وفات کے بعد دوسری بہن سے نکاح کیا تھا۔ لطیف اور ان کی دوسری بیوی کلثوم کے ایک فرزند ہادی حسین ہوئے۔ لطیف اور ان کی چوتھی بیوی سلامن کے ایک فرزند ابرار حسین ہوئے۔

لطیف کے بیٹے ہادی حسین نے تین شادیاں کیں۔ انہوں نے پہلی شادی بلقیس بانو دختر معصوم حسن سے کی اور ان کے دو فرزند مصطفیٰ حسین اور مرتضیٰ حسین ہوئے۔ ہادی کی دوسری بیوی طاہرہ بیگم اور تیسری بیوی بہو جان تھیں۔[۱] لطیف کے دوسرے بیٹے ابرار حسین دیوانی عدالت میں بیلف کی حیثیت سے ملازم تھے۔ وہ شاعر تھے اور ان کی طبیعت میں مزاح تھا۔ ایک دفعہ کسی نوجوان نے ان پر تنقید کی تو انہوں نے اسی وقت شعر کہہ کر اس کا جواب دیا۔ اس شعر میں انہوں نے اس نوجوان کے موٹاپے کو ہدف بنایا۔ ابرار کی شادی شاہ آباد میں اکبری بیگم سے ہوئی اور ان کے تین بیٹیاں سائرہ خاتون، طاہرہ خاتون اور شبنم خاتون ہوئیں۔[۲]

مصطفیٰ حسین و مرتضیٰ حسین

مصطفیٰ حسین اور مرتضیٰ حسین کے والد ہادی حسین اور دادا لطیف حسین تھے۔ وہ دونوں بھائی ابھی چھوٹے تھے کہ ان کی والدہ انتقال کر گئیں۔ انہیں پرانی حویلی میں ان کے خاندان کی بزرگ عورتوں نے پالا۔[۳] مصطفیٰ اور مرتضیٰ دونوں بھائی کرنال میں جیل کے محکمہ میں ملازم تھے۔ ان کی ڈیوٹی آٹا پیسنے والی چکی پر تھی۔ وہ قیدیوں سے آٹا پسواتے تھے۔ مرتضیٰ دمہ

---

۱ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بذریعہ فون — کراچی — ۸ اگست ۲۰۱۸ء

۲ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء

۳ سیّد مصطفیٰ حسین ولد ہادی حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّدہ نسرین فاطمہ دختر مصطفیٰ حسین بذریعہ فون — بہاولپور — ۱۹ اگست ۲۰۱۸ء

کے مریض تھے اور کمزور تھے۔[1] مصطفیٰ کی شادی پونڈری میں سلطان فاطمہ دختر اختر حسین سے ہوئی اور ان کے ایک بیٹی انیس فاطمہ ہندوستان میں پیدا ہوئیں۔[2]

سجاد علی

سجاد علی کے والد واجد علی اور دادا محمد احسن تھے۔ وہ فوج میں ملازم تھے اور انہوں نے جنگ چین میں حصّہ لیا۔ انہیں جنگ میں مؤثر کردار ادا کرنے پر سر کا خطاب ملا۔ وہ چین سے شتر مرغ کے انڈوں کے خول سے بنے ہوئے فانوس لائے تھے۔ یہ فانوس پونڈری کے امام بارگاہ میں لگائے گئے تھے۔ سجاد نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے حسنی بیگم دختر عطا حسین سے پونڈری میں کی اور دوسری شادی معصوم النساء سے برما میں کی۔ سجاد اور حسنی بیگم کے دو بیٹیاں غفور النساء اور رضوی بیگم ہوئیں۔ سجاد اور معصوم النساء کے دو بیٹے محمود علی اور دانشمند اور ایک بیٹی مرتضائی بیگم ہوئیں۔ سجاد کی بیٹی غفور النساء کی شادی کلب حسین سے اور رضوی بیگم کی شادی غلام عباس سے پونڈری میں ہوئی جب کہ مرتضائی بیگم بیاہ کر شاہ آباد گئیں۔[3]

محمود علی و دانشمند

سجاد علی کے بیٹے محمود علی فوج میں ملازم تھے۔ ان کی شادی امیر بانو دختر مجید حسین شاہ آبادی سے شاہ آباد میں ہوئی۔ امیر بانو پونڈری میں چاچی بانی کے نام سے مشہور تھیں۔ محمود تقسیم ہند سے پہلے فوج سے ریٹائر ہو گئے تھے۔ محمود اور امیر بانو کے تین بیٹے ابو طالب، ابو ذر اور زین العابدین اور چار بیٹیاں زاہدہ بیگم، ساجدہ بیگم، راضیہ بیگم اور طیّبہ بیگم ہوئیں۔ زاہدہ کی شادی نثار علی سے پونڈری میں ہوئی اور ساجدہ بیاہ کر شاہ آباد گئیں۔ سجاد علی کے دوسرے بیٹے دانشمند بھی فوج میں ملازم تھے۔ ان کی شادی بنت زہرا دختر عبدالحسین نقوی سے اورنگ آباد میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے دو بیٹے مظہر عباس اور رئیس عباس اور ایک بیٹی بنت عباس ہوئیں۔[4]

ڈاکٹر غلام عباس

غلام عباس کے والد شبیر حسین اور دادا محمد امیر تھے۔ وہ محکمہ جیل کے میڈیکل شعبہ میں ڈاکٹر کی حیثیت سے تعینات تھے۔ انہوں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے رضوی بیگم دختر سجاد علی سے پونڈری میں کی اور ان کے

---

۱ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء
۲ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۲۸ جنوری ۲۰۱۸ء
۳ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بذریعہ فون — کراچی — ۸ اگست ۲۰۱۸ء
۴ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۴ ستمبر ۲۰۱۷ء

ایک بیٹی شہر بانو ہوئیں۔ غلام عباس نے دوسری شادی کلثوم فاطمہ دختر مشتاق حسین سے پونڈری میں کی اور ان کے دو بیٹے حسن عباس اور نقی عباس اور چھ بیٹیاں ظہور فاطمہ، عابدہ، سبطین فاطمہ، مرتضائی بیگم، شفیع خاتون اور اعجاز فاطمہ ہوئیں۔ غلام عباس کی بیٹی شہربانو کی شادی پونڈری کے زوّار حسین سے اور ظہور فاطمہ کی شادی ساڈھورہ کے جمیل عباس سے ہوئی۔ عابدہ بیاہ کر انبالہ گئیں۔ غلام عباس اپنے کنبہ کے ساتھ پرانی حویلی میں رہتے تھے۔ تقسیم ہند سے پہلے ان کی ٹرانسفر ملتان ہو گئی تھی۔[1] ڈاکٹر غلام عباس کے بیٹے حسن عباس نے چھ ماہ کمشنر آفس میں کام کیا۔ بعدازاں تقسیم ہند سے ایک ڈیڑھ سال پہلے وہ ملٹری ڈیری فارم اوکاڑہ میں ملازم ہو گئے تھے۔[2]

ضامن علی

ضامن علی کے والد غالب علی اور دادا عالم علی تھے۔ وہ پرانی حویلی میں رہتے تھے اور ڈاکخانہ کے محکمہ میں ملازمت کرتے تھے۔ انہوں نے تین شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے بسم اللہ دختر عاقل حسین سے کی اور ان کے ایک فرزند محمد عالم ہوئے۔ ضامن نے دوسری شادی نذیر فاطمہ دختر کلب حسین سے کی اور ان کے دو بیٹیاں منیزہ خاتون اور مہمونہ خاتون ہوئیں۔ نذیر فاطمہ کی وفات کے بعد انہوں نے تیسری شادی نسیم آراء عرف دہلی والی دختر حامد حسین سے کی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند محمد عاصم ہوئے۔ضامن پونڈری سے باہر تعینات تھے اور ان کی تیسری بیوی اور بیٹا محمد عاصم ان کے ساتھ رہتے تھے۔ پہلی بیوی سے ان کے فرزند محمد عالم عموماً اپنے نانکوں کے پاس پونڈری میں رہتے تھے اور دوسری بیوی سے بیٹیاں منیزہ خاتون اور مہمونہ خاتون بھی عموماً اپنے نانا کے گھر پونڈری میں رہتی تھیں۔ تقسیم ہند کے بعد ضامن علی کی ٹرانسفر پشاور ہو گئی تھی۔[3]

مہدی حسن

مہدی حسن کے والد محمد حسین اور دادا اصغر علی تھے۔ مہدی کی شادی امتیاز النساء دختر محمد حسین سے ہوئی اور ان کے تین بیٹے ہادی حسین، محمد علی اور نثار علی اور دو بیٹیاں فیاض النساء اور صفات النساء ہوئیں۔ فیاض النساء بیاہ کر گڑھی کوٹاہہ گئیں اور صفات النساء کی شادی پونڈری کے محمد حسین عرف جھنڈو سے ہوئی۔ مہدی کے بیٹے ہادی کی شادی قدیر النساء عرف قدیری دختر ولایت حسین سے پونڈری میں ہوئی۔ ہادی لاولد فوت ہو گئے اور ان کی بیوہ کی شادی ان کے بھائی محمد علی سے ہو گئی۔ محمد علی اور قدیری کے ایک بیٹا محمد اقبال اور ایک بیٹی کوثری ہوئیں۔ کوثری پونڈری میں ہی انتقال کر گئیں۔ محمد علی عدالت میں بیلف تعینات تھے۔ مہدی کے بیٹے نثار علی بلدیہ میں ملازم تھے۔ ان کی شادی زاہدہ بیگم دختر محمود علی سے ہوئی

---

۱ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۲۸ جنوری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد شفاعت عباس ولد جمیل عباس (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — اوکاڑہ — ۱۱ اگست ۲۰۱۹ء

۳ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۴ ستمبر ۲۰۱۷ء

اور ہندوستان میں ان کے ایک بیٹا انتظار حسین اور دو بیٹیاں محمدی بیگم اور ام حبیبہ ہوئیں۔[1]

کلب حسین

کلب حسین کے والد محمد حسین اور دادا اصغر علی تھے۔ وہ حیوانات کے ڈاکٹر تھے اور پونڈری میں تعینات تھے۔ ان کی شادی غفور النساء دختر سجاد علی سے ہوئی اور ان کے تین بیٹے طیب حسین، احمد حسین اور زوّار حسین اور دو بیٹیاں ظہور فاطمہ اور نذیر فاطمہ ہوئیں۔ کلب حسین ۱۹۳۰ء میں فوت ہوئے۔ ان کی بیٹی ظہور فاطمہ کی شادی اختر حسین اور نذیر فاطمہ کی شادی ضامن علی سے ہوئی۔ کلب حسین کے بیٹے طیب کی شادی مختار فاطمہ سے ہوئی۔ طیب پونڈری میں ہی انتقال کر گئے۔ کلب حسین کے بیٹے احمد فوج میں ملازم تھے۔ انہوں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے پونڈری میں سلمیٰ سے کی، جو سیّد محمد کے خاندان سے تھیں، اور ان کے ایک فرزند محمد ہاشم ہوئے۔ احمد نے دوسری شادی نیاز فاطمہ دختر علی عباس سے جارچہ میں کی۔ کلب حسین کے تیسرے بیٹے زوّار حسین کی شادی شہر بانو دختر ڈاکٹر غلام عباس سے ہوئی۔ زوّار اور شہر بانو کے دو بیٹے زائر حسین اور مزور حسین اور تین بیٹیاں شبیر فاطمہ، تنویر فاطمہ اور انصار فاطمہ ہندوستان میں پیدا ہوئیں۔[2]

عون محمد

عون محمد کے والد نذر حسین اور دادا ولی محمد تھے۔ وہ پٹواری تعینات تھے۔ ان کی شادی خورشید بیگم دختر محمد عقیل سے ہوئی اور ان کے چار بیٹے محمد حسنین، محمد سبطین حیدر، محمد سلطان حیدر اور محمد سردار حیدر اور چار بیٹیاں محمدی بیگم، نجمہ خاتون، ذکیہ خاتون اور ام لیلیٰ ہوئیں۔ محمدی بیگم نے بچپن میں وفات پائی۔[3]

محمود الحسن

محمود الحسن کے والد منیر حسین اور دادا آغا حسن تھے۔ محمود کی شادی توقیر بانو دختر عالم علی سے پونڈری میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے پانچ بیٹے مسعود الحسن، غلام حسن، ایوب حسن، راغب حسین اور شفاعت حسین اور تین بیٹیاں فردوس جہاں، گل بانو اور توصیف بانو ہوئیں۔ محمود کی بہن حیدری کی شادی حسن رضا ولد عبدالعزیز سے پونڈری میں ہوئی۔

---

۱ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بذریعہ فون — کراچی — ۸ اگست ۲۰۱۸ء

۲ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ اگست ۲۰۱۷ء
سیّد مظاہر حسین ولد طاہر حسین — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۶ مئی ۲۰۲۰ء

۳ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۴ ستمبر ۲۰۱۷ء
سیّد مظاہر حسین ولد طاہر حسین — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۶ مئی ۲۰۲۰ء

انعام حسین

انعام حسین کے والد اعجاز حسین اور دادا امداد حسین تھے۔ ان کی شادی اقبال فاطمہ دختر ناظم حسین سے گڑھی کوٹاہہ میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند شائق حسین ہوئے۔ انعام کے بھائی اسلام حسین تھے جنہوں نے شادی نہیں کی۔[1]

معزالدین

سیّد ولی کی اولاد کے کچھ افراد پونڈری سے گڑھی کوٹاہہ چلے گئے تھے اور ان کی اولاد وہیں پھیلی۔ انہی میں سے ہیں معزالدین کہ جن کے والد علی رضا اور دادا واحد علی تھے۔

معزالدین کے والد علی رضا حکمت کرتے تھے اور وہ اچھے حکیم تھے۔ انہوں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے ان کے ایک بیٹی ہوئیں۔ دوسری شادی علی رضا نے بتول سے شاہ آباد میں کی اور ان کے چار بیٹے وجیہ الدین، معزالدین، اعزاز الدین اور بُدھو اور دو بیٹیاں فردوس بیگم اور عزیز بانو ہوئیں۔

معزالدین ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم گڑھی کوٹاہہ میں حاصل کی اور میٹرک مسلم ہائی سکول انبالہ سے کیا۔ ۱۹۲۷ء میں وہ لاہور آ گئے اور وہاں ایف اے اور بعدازاں بی اے ۱۹۳۲ء میں کیا۔ وہ ۲۵ مزنگ میں رہتے تھے۔ معزالدین نے ۱۹۴۲ء تک مختلف پرائیویٹ نوکریاں کیں۔ انہوں نے فیروز سنز میں بھی کام کیا۔ ۱۹۴۲ء میں سیشن کورٹ لاہور میں ایک انگلش کلرک کی جگہ خالی تھی۔ معزالدین نے اس پوسٹ پر عارضی طور پر کام کیا اور جب اس پوسٹ کا اعلان کیا گیا تو معزالدین نے بھی درخواست جمع کروا دی۔ سیشن جج کسی ہندو کو رکھنا چاہتا تھا جس پر معزالدین نے سخت اعتراض کیا اور جج سے کہا کہ وہ اس پوسٹ پر چند ماہ سے کام کر رہے ہیں اس لیے ان کا حق فائق ہے۔ اسی دوران معزالدین کی تحصیلدار کے طور پر سلیکشن ہو گئی۔ لیکن انہوں نے انگلش کلرک کی پوسٹ کے لیے چونکہ لڑائی لڑی تھی اس لیے اسے ہی ترجیح دی۔ بعدازاں انہوں نے سٹینو، ریڈر اور کلرک آف کورٹ کے عہدوں پر کام کیا۔ معزالدین ایک دیندار اور پرہیزگار انسان تھے۔ انہوں نے کبھی رشوت لی نہ کسی سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھایا۔ لوگ انہیں میر صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔

معزالدین کی شادی گڑھی کوٹاہہ کے کاظمی خاندان میں مصطفائی بیگم دختر محمد نقی سے ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند احسن الدین اور دو بیٹیاں رضیہ بیگم اور عصمت بیگم ہوئیں۔ سید کھیڑی کے احسان علی جو لاہور میں رہتے تھے

---

۱ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بذریعہ فون — کراچی — ۸ اگست ۲۰۱۸ء

کے ساتھ معزالدین کی ذہنی ہم آہنگی اور دوستی تھی اور ان کے گھر والوں کا بھی ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا تھا۔[1]

سید کھیڑی کے قربان علی مزنگ سکول میں پڑھتے تھے اور اپنی بڑی بہن شہیدن زوجہ احسان علی کے پاس رہتے تھے۔ معزالدین کی بیٹی سیّدہ رضیہ بیگم، جو تقسیم ہند کے وقت پہلی کلاس میں پڑھتی تھیں، کے مطابق: "قربان علی ہمیں چاچا احسان کے گھر لے جاتا تھا۔ وہ میری والدہ سے میری شکایت بھی کر دیتا تھا اور میری والدہ مجھے مارتی تھیں۔ میں بھی چاچا احسان سے قربان کی شکایت کرتی تھی۔ چاچا احسان قربان کو جھڑکتے تھے اور کبھی ایک تھپڑ بھی لگا دیتے تھے۔ میرے متعلق وہ کہتے تھے: 'یہ میری بیٹی ہے۔' چاچی شہیدن نے مجھے کپڑوں کا ایک جوڑا دیا تھا۔ ہمارا آپس میں بہت آنا جانا تھا۔"[2]

اولاد سیّد محمد

تقسیم ہند سے پہلے سیّد محمد کی اولاد کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد پونڈری میں رہتے تھے:

حکیم تصدق حسین

تصدق حسین کے والد حکیم حیدر بخش اور دادا حکیم صمصام علی تھے۔صمصام علی نے سب سے پہلے پونڈری کے ترمذی سادات کا شجرہ لکھا۔ انہوں نے تین شادیاں کیں اور ان کی تینوں بیویاں سیانہ سیداں کی تھیں۔ وہ اپنے سسرال کے گاؤں سے شجرہ کے لیے معلومات لے کر آئے۔ پونڈری میں بعدازاں جس نے بھی شجرہ لکھا اس کا ماخذ صمصام علی کا شجرہ نسب ہی تھا۔ صمصام علی حکیم تھے اور حکمت ان کی اولاد میں نسل در نسل رہی۔ اسی لیے ان کے خاندان کو خاندان حکیماں کہا جاتا ہے۔ تصدق حسین مشہور حکیم تھے۔ وہ پونڈری سے فریدپور چلے گئے تھے۔ انہوں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی سے ان کے ہاں دو بیٹے شوکت حسین اور آلِ نبی اور دو بیٹیاں بی‌بی بتول اور بی‌بی بشیرن ہوئیں۔ دوسری شادی سے ان کے ایک فرزند فضل حسین ہوئے۔ تصدق کے بیٹے شوکت اور آلِ نبی ۱۷، ۱۸ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ دو بیٹوں کی عالم شباب میں وفات کے بعد تصدق دِل برداشتہ ہو کر پونڈری واپس آگئے۔ تصدق کے فرزند فضل حسین نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے ام النبی دختر حکیم امان اللہ سے کی اور ان کے ایک فرزند افضال حسین ہوئے۔ دوسری شادی انہوں نے حسن بانو سے کی اور ان کے ایک فرزند سعید ہوئے۔ سعید نے بچپن میں وفات پائی۔

افضال حسین

افضال حسین کے والد فضل حسین اور دادا تصدق حسین تھے۔ افضال کی شادی جعفری بیگم سے گڑھی کوٹاہہ میں ہوئی اور ان کے ایک بیٹا فضل احمد اور ایک بیٹی آمنہ خاتون ہوئیں۔ افضال کو ہندو حملہ آوروں نے ۲ جون ۱۹۳۲ء کو شہید کر

---

۱ سیّد معزالدین ولد علی رضا (سابق رہائشی گڑھی کوٹاہہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد اعظم رضا ولد معزالدین بالمشافہ — بہاولپور — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء، ۲۹ جولائی ۲۰۱۹ء

۲ سیّدہ رضیہ بیگم دختر معزالدین (سابق رہائشی گڑھی کوٹاہہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۲۹ جولائی ۲۰۱۹ء

دیا۔ ان کی شہادت پونڈری میں اپنی نوعیت کا ایک غیر معمولی واقعہ تھا جس کی تفصیل آگے بیان ہو گی۔ افضال کی شہادت سے ۱۵ روز پہلے ان کی زوجہ جعفری بیگم کا انتقال ہوا۔ افضال کی شہادت کے وقت ان کے فرزند فضل احمد چار سال اور بیٹی آمنہ خاتون چھ ماہ کی تھیں۔ یہ دونوں بہن بھائی اپنی خالہ شاکری بیگم زوجہ محمد رضا اور اپنے والد کے ماموں شوکت حسین سیشن جج کے ہاں پلے بڑھے۔ وہ کبھی شاکری کے پاس اور کبھی شوکت کے پاس رہتے تھے۔ شوکت نے انہیں پڑھایا۔[1] شوکت کی پوتی سیّدہ امینہ خاتون کے مطابق: ”فضل احمد اور آمنہ خاتون کو ان کے والدین کی وفات کے بعد پہلے ان کی دادی ام النبی نے پالا۔ اپنی دادی کی وفات کے بعد ان دونوں نے ہمارے ساتھ پرورش پائی۔ ہم بہن بھائیوں کی طرح رہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ آمنہ اور فضل ہمارے بڑے بہن بھائی تھے۔“ [2]

حکیم جعفر حسین

جعفر حسین کے والد حکیم ہدایت علی اور دادا حکیم صمصام علی تھے۔ جعفر مشہور حکیم تھے۔ ان کی شادی عفیفہ دختر حسین بخش سے ہوئی اور ان کے تین بیٹے حسین نواز، کرم حسین اور تونگر حسین اور ایک بیٹی اللہ دی ہوئیں۔ اللہ دی کی شادی مقبول حسین ولد محمد نذیر سے ہوئی۔ مقبول کی یہ دوسری شادی تھی۔ وہ ہندوستان میں ہی لاولد فوت ہو گئے۔ ان کی پہلی بیوی بھی ہندوستان میں فوت ہوئیں جب کہ اللہ دی پاکستان آئیں۔ جعفر حسین کے تینوں بیٹے اپنے باپ، دادا اور پردادا کی طرح حکیم تھے۔

حسین نواز

حکیم جعفر حسین کے بیٹے حسین نواز کی شادی ذاکری بیگم دختر نیاز حسین سے ہوئی اور ان کے ایک بیٹا طالب حسین اور ایک بیٹی فاطمہ صغریٰ ہوئیں۔ فاطمہ صغریٰ کی شادی پونڈری کے عادل حسین ولد مشتاق حسین سے ہوئی۔ حسین نواز کے فرزند طالب حسین ڈاکخانہ کے محکمہ میں ملازم تھے۔ وہ نکاح بھی پڑھا دیتے تھے اور مجالس میں مرثیہ خوانی بھی کرتے تھے۔ طالب کی شادی مطلوب النساء دختر کرم حسین سے پونڈری میں ہوئی اور ان کے ایک فرزند نائب حسین اور ایک بیٹی جمیلہ خاتون ہوئیں۔ جمیلہ کی شادی خاندان محل کے لیاقت حسین ولد شوکت حسین سے ہوئی۔ ذاکری بیگم زوجہ حسین نواز نے پونڈری میں وفات پائی۔

کرم حسین

حکیم جعفر حسین کے فرزند کرم حسین اپنے خاندان میں پہلے فرد تھے جو حکیم کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر بھی تھے۔ وہ

---

۱ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بذریعہ فون — کراچی — ۸ اگست ۲۰۱۸ء

۲ سیّدہ امینہ خاتون دختر لیاقت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۹ مارچ ۲۰۱۹ء

فوج میں ملازم تھے اور وائسرائے کے ڈاکٹر بھی رہے۔ انہوں نے جنگ چین میں بھی حصّہ لیا۔ وہ اس مشن میں بھی شامل تھے جس نے بالکان وار میں حصّہ لیا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہیں پنشن ملی اور انہوں نے ڈاکٹر کی حیثیت سے پرائیویٹ پریکٹس بھی کی۔ ان کی شادی فخر النساء دختر امیر علی سے ہوئی اور ان کے تین بیٹے مطلوب حسین، محبوب حسین، یعقوب حسین اور تین بیٹیاں مطلوب النساء، راضیہ اور محمودہ ہوئیں۔ کرم حسین کا انتقال ۱۹۳۸ء کے لگ بھگ ہوا۔

تونگر حسین

حکیم جعفر حسین کے بیٹے تونگر حسین تقسیم ہند سے پہلے شجاع آباد میں رہتے تھے۔ وہ حکیم بھی تھے اور ڈاکٹر بھی۔ انہوں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے نسرین دختر محمد نذیر سے کی اور ان کے ایک فرزند آفتاب حسین ہوئے۔ آفتاب نائب تحصیلدار تھے۔ وہ ہندوستان میں فوت ہوئے۔ تونگر نے دوسری شادی سراج زبیدہ دختر سراج الحسن سے نانوتہ ضلع سہارنپور میں کی اور ان کے دو بیٹے شجاعت علی اور ہدایت علی اور ایک بیٹی ممتاز فاطمہ ہوئیں۔ شجاعت کی شادی شبیر فاطمہ سے ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند ضیاء الحسن ہوئے۔

ڈاکٹر مطلوب حسین

مطلوب حسین کے والد کرم حسین اور دادا حکیم جعفر حسین تھے۔ مطلوب اپنے والد کی طرح حکیم بھی تھے اور ڈاکٹر بھی۔ وہ ڈاکٹر مطلوب کے نام سے مشہور تھے۔ وہ حکومت کی طرف سے ٹھسکہ، سِیون اور نیسنگ میں ڈاکٹر تعینات رہے۔ ان کی شادی خیر النساء دختر نیاز محمد سے پونڈری میں ہوئی اور ان کے تین بیٹے ناصر حسین، طاہر حسین اور ناظر حسین اور ایک بیٹی عذرا فاطمہ ہوئیں۔ ناصر، طاہر اور ناظر تینوں بھائیوں نے پرائمری تک تعلیم سِیون کے سکول میں حاصل کی۔ ناصر نے کیتھل سکول سے میٹرک پاس کیا۔ وہاں پونڈری کے اسد علی، زاہد حسین اور ظہور احمد ان کے ہم جماعت تھے۔ ان سب نے اکٹھے میٹرک پاس کیا۔ تقسیم ہند کے وقت کیتھل سکول میں طاہر نویں کلاس اور ناظر ساتویں کلاس میں پڑھتے تھے۔ ناظر حسین، جو ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے، نے کہا: ”میرا تعلق خاندان حکیماں سے ہے۔ میں حکماء کی چودھویں پشت میں ہوں۔“

محبوب حسین و یعقوب حسین

محبوب حسین اور یعقوب حسین کے والد کرم حسین اور دادا حکیم جعفر حسین تھے۔ محبوب پونڈری میں پٹواری تعینات تھے۔ ان کی شادی نذیر فاطمہ دختر جان علی سے سہارنپور میں ہوئی اور ان کے دو بیٹے قمر حسین اور اکرم حسین اور ایک بیٹی بدرالنساء ہوئیں۔

کرم حسین کے بیٹے یعقوب حسین فوج میں کیپٹن تھے۔ ان کی شادی مزورہ بیگم سے ہوئی اور ان کے ایک فرزند

یوسف حسین اور ایک بیٹی نادرہ خاتون ہندوستان میں ہوئیں۔[1]

عادل حسین

عادل حسین کے والد مشتاق حسین اور دادا ولایت علی تھے۔ ولایت علی کے والد علی نواز اور دادا حاتم علی تھے جو حکیم صمصام علی کے بھائی تھے۔ عادل کی والدہ مصطفائی عرف پایاں رشید کاظمی کی بہن تھیں۔ عادل کی بہن کلثوم کی شادی ڈاکٹر غلام عباس سے ہوئی جن کا تعلق سیّد ولی کی اولاد سے تھا۔ عادل پٹواری تھے اور بعدازاں کانوگو بن گئے تھے۔ وہ گوہلہ میں بھی تعینات رہے۔ وہاں ذیلدار کاظم حسین سے ان کی دوستی تھی اور وہ ذیلدار کے دیوان خانہ میں رہتے تھے۔ پونڈری میں عادل کا گھر سیّدوں کے محلہ میں مرکزی امام بارگاہ کے قریب تھا۔ وہ شاعر تھے اور مجالس میں اپنا کلام پڑھتے تھے۔ ان کی شادی فاطمہ صغریٰ دختر حسین نواز سے پونڈری میں ہوئی اور ان کے تین بیٹے رضوان حسین، راحت حسین اور زاہد حسین اور دو بیٹیاں سیّدہ اور سنجیدہ ہوئیں۔[2]

رضوان حسین

عادل کے بڑے بیٹے رضوان حسین نے فوج میں ملازمت کی۔ ان کی شادی سرفراز بیگم سے انبالہ میں ہوئی۔ سرفراز بیگم اپنے والدین کی چھوٹی بیٹی تھیں۔ جب رضوان کے لیے ان کا رشتہ مانگا گیا تو ان کے والدین نے کہا کہ اس طرح تو ان کی بڑی بیٹی بیٹھی رہے گی۔ پھر برخوردار خاندان کے علی امام کی شادی بڑی بہن سے اور رضوان کی چھوٹی بہن سے ہوئی۔[3]

راحت حسین و زاہد حسین

عادل حسین کے بیٹے راحت حسین نے مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ اپنے والد کی طرح راحت بھی شاعر تھے اور مجالس میں اپنا اور اپنے والد کا کلام پڑھتے تھے۔ انہوں نے پٹواری کی حیثیت سے ملازمت کی۔ وہ اپنے والد کی طرح گوہلہ میں بھی تعینات رہے اور وہاں ذیلدار کاظم حسین کے دیوان خانہ میں رہے۔ عادل نے اپنے بیٹے راحت کے لیے ذیلدار کاظم حسین کی بڑی بیٹی نثار فاطمہ کا رشتہ مانگا تو ذیلدار کاظم نے انکار کر دیا۔ ذیلدار کاظم اپنی بیٹی کی شادی بڑے زمیندار گھرانہ میں

---

۱ سیّد ناظر حسین ولد ڈاکٹر مطلوب حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲۵ اگست ۲۰۱۸ء
سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ اگست ۲۰۱۷ء
سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بذریعہ فون — کراچی — ۸ اگست ۲۰۱۸ء

۲ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۳۰ دسمبر ۲۰۱۰ء

۳ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بذریعہ فون — کراچی — ۸ اگست ۲۰۱۸ء

کرنا چاہتے تھے۔ تاہم وہ ۱۹۴۲ء میں انتقال کر گئے۔ چار سال بعد عادل اپنے ماموں رشید کاظمی کے ساتھ ذیلدار کاظم مرحوم کے بھائیوں مسلم حسین اور اختر حسین کے پاس گئے اور دوبارہ راحت کے لیے نثار فاطمہ کا رشتہ مانگا۔ رشید نے راحت کی تعریف کی اور کہا: "لڑکا آٹھ جماعتیں پڑھا ہے اور برسر روزگار ہے۔" ذیلدار کاظم مرحوم کے بھائیوں نے آمادگی ظاہر کی تو راحت کو گھر کی سیڑھیاں چڑھا کر دیوار کے ساتھ کھڑا کیا گیا تاکہ دیوار کی دوسری طرف سے گھر کی بزرگ خواتین انہیں دیکھ لیں۔ اس طرح ان کی شادی طے پائی۔

راحت اور نثار فاطمہ کے ایک بیٹی تسکین زہرا گوہلہ میں پیدا ہوئیں۔ عادل اپنی پوتی کو دیکھنے کے لیے پونڈری سے گوہلہ گئے۔ تسکین کی پیدائش سے آٹھ دس روز پہلے مسلم حسین اور اختر حسین کی بہن آمنہ بیگم زوجہ منوّر حسین کی بیٹی سنجیدہ پیدا ہوئیں۔ عادل کے سامنے دونوں بچیوں سنجیدہ اور تسکین کو لایا گیا اور ان سے کہا گیا کہ اپنی پوتی کو پہچانیں۔ تسکین کے پکے رنگ کی وجہ سے عادل نے اپنی پوتی کو پہچان لیا اور اسے پیسے دیئے۔[1]

عادل کے فرزند زاہد حسین نے ابتدائی تعلیم پونڈری سکول سے حاصل کی اور کیتھل سکول سے میٹرک کیا۔ تقسیم ہند سے پہلے وہ ڈی سی آفس کرنال میں ملازم تھے۔

سیّد احمد

سیّد احمد کے والد فیاض حسین اور دادا کریم بخش تھے۔ کریم بخش کے والد قاسم علی اور دادا حاتم علی تھے جو حکیم صمصام علی کے بھائی تھے۔ سیّد احمد زمیندار ی کرتے تھے اور وہ پولیس میں بھی ملازم رہے۔ انہوں نے تین شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے مصطفائی دختر امداد حسین سے کی۔ دوسری شادی انہوں نے اکبری بیگم سے ساڈھورہ میں کی اور ان کے ایک فرزند ظہور احمد ہوئے۔ تیسری شادی انہوں نے ناظمی بیگم سے گڑھی کوٹاہہ میں کی۔ سیّد احمد نے پونڈری میں وفات پائی۔ ان کے فرزند ظہور احمد نے کیتھل سکول سے میٹرک کیا۔ وہ پونڈری کی کمیٹی میں ملازم تھے۔ ان کی شادی آمنہ خاتون دختر افضال حسین سے پونڈری میں ۱۹۴۷ء میں ہوئی۔

باسط علی

باسط علی کے والد مراتب علی، دادا قاسم علی اور پردادا حاتم علی تھے جو حکیم صمصام علی کے بھائی تھے۔ باسط کے دو بیٹے محمد رضا اور سیّد محمد ہوئے۔ محمد رضا پولیس میں ملازم تھے۔ ان کی شادی امیر بانو دختر نذر محمد سے بھریلی میں ہوئی اور ان کے چار بیٹے محبوب حسین، یعقوب حسین، ایوب حسین اور وقار حسین اور ایک بیٹی اقبال بانو ہندوستان میں پیدا ہوئیں۔ باسط کے دوسرے بیٹے سیّد محمد کی شادی منگتی دختر فیاض حسین سے ہوئی اور ان کے دو بیٹے محمد سعید اور مولود حسین ہوئے۔ منگتی

---

۱ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور

ہندوستان میں وفات پا گئیں۔[1]

نُور الحسن

نُور الحسن کے والد محمد نقی اور دادا حشمت علی تھے۔ ان کی والدہ کرم النساء عرف کمی دختر غلام مصطفیٰ گوہلہ کی تھیں اور پونڈری میں گوہلہ والی کے نام سے مشہور تھیں۔ نُور الحسن ڈاکخانہ کے محکمہ میں پوسٹ ماسٹر کی حیثیت سے ملازم تھے۔ وہ گڑگاواں، جھجر اور مہم میں تعینات رہے۔ تقسیم ہند سے کچھ دن پہلے وہ مہم سے تبدیل ہو کر عبد الحکیم میں تعینات ہو گئے تھے۔ نُور الحسن کی شادی محمودہ بیگم دختر کرم حسین سے پونڈری میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے تین بیٹے مسرور الحسن، مشکور الحسن اور منصور الحسن اور تین بیٹیاں انوار فاطمہ، شکیلہ خاتون اور حسنین فاطمہ ہوئیں۔[2]

سیّد محمد

سیّد محمد کے والد وصیت علی اور دادا امیر حسین تھے۔ وہ پولیس میں ملازم تھے۔ انہوں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے صغیر النساء دختر شبیر حسین سے پونڈری میں کی اور ان کے ایک فرزند حامد حسین اور ایک بیٹی نرجس خاتون ہوئیں۔نرجس بیاہ کر فرید پور گئیں۔ سیّد محمد نے دوسری شادی راضیہ بیگم دختر کرم حسین سے پونڈری میں کی اور ان کے دو بیٹے شفقت حسین اور نیّر حسین اور ایک بیٹی نفیسہ خاتون ہوئیں۔ سیّد محمد کے بیٹے حامد حسین کامریڈ حامد کے نام سے مشہور تھے۔ ہندوستان میں وہ سوشلسٹ پارٹی میں تھے۔ حکومت کے خلاف تقریر کرنے پر انہوں نے جیل بھی کاٹی۔ قیوم خان بھی اسی جیل میں تھے۔ پونڈری کے سادات کی پاکستان ہجرت سے چند روز پہلے سیّد محمد کا انتقال ہو گیا تھا۔

خاندان محل

تقسیم ہند سے پہلے پونڈری میں خاندان محل کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد رہتے تھے:

ذیلدار حکیم امان اللہ

امان اللہ کے والد حکیم امام علی اور دادا نظام الدین تھے۔ وہ سفید پوش اور پھر ذیلدار رہے۔ یہ عہدے ان کے پاس ۵۰ برس تک رہے۔[3] وہ مشہور حکیم تھے اور علاقہ کی معروف سیاسی اور سماجی شخصیت تھے۔ امان اللہ کا پونڈری میں اثرو

---

۱ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بذریعہ فون — کراچی — ۸ اگست ۲۰۱۸ء

۲ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۴ ستمبر ۲۰۱۷ء

۳ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء

رسوخ تھا اور سرکاری اہلکار علاقہ کے معاملات میں ان سے مشاورت کرتے تھے اور ان کی رائے کو وزن دیتے تھے۔[1] وہ حکومت کی طرف سے تشخیص کنندہ (Assessor) بھی تھے۔ اگر علاقہ میں کوئی واقعہ ہوتا تو متعلقہ حکومتی افسران ان کی رائے اور گواہی لیتے تھے۔ وہ لوگوں کے مسائل حکومت تک پہنچاتے تھے اور ان کے حل کے لیے کوشش کرتے تھے۔ ذیلدار کی حیثیت سے لوگوں کے جھگڑے نمٹانے کے اختیارات ان کے پاس تھے۔ لوگوں کو طبّی سہولت فراہم کرنے کے لیے انہوں نے پونڈری میں ایک ڈسپنسری بنوائی۔[2]

پونڈری کے نزدیک جانبہ گاؤں امان اللہ کی ملکیت تھا جہاں انہوں نے لوگوں کو بسایا تھا۔ وہ لوگ ان کی رعیت کہلاتے تھے۔ زمینیں امان اللہ کی تھیں اور انہوں نے وہاں لوگوں کو مکان بنانے کی اجازت دی تھی۔ امان اللہ کی شادی رضیہ بیگم سے ہوئی اور ان کے ایک فرزند شوکت حسین اور ایک بیٹی ام النبی ہوئیں۔ ام النبی کی شادی فضل حسین سے ہوئی۔

شوکت حسین سیشن جج

ذیلدار امان اللہ کے فرزند شوکت حسین نے ایف سی کالج لاہور سے گریجوایشن کی اور پنجاب یونیورسٹی سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ انہیں یہ امتیاز حاصل تھا کہ وہ تحصیل کیتھل کے مسلمانوں میں سب سے پہلے گریجوایٹ تھے۔ جوڈیشل مقابلے کا امتحان پاس کر کے وہ جج تعینات ہو گئے اور ترقی کر کے سیشن جج بن گئے۔ وہ مختلف شہروں جیسے میانوالی، لدھیانہ، امرتسر، شیخوپورہ، لاہور وغیرہ میں تعینات رہے۔ وہ بہت محنتی، ایماندار، قابل اور مشہور جج تھے۔ انہوں نے ۳۵۰ مقدمات کے فیصلے کیے اور ان کے کسی ایک فیصلہ کے خلاف بھی اعلیٰ عدالت میں اپیل منظور نہیں ہوئی۔ یہ ایک ریکارڈ ہے اور ان کا امتیاز ہے کہ انہوں نے جو فیصلہ بھی کیا وہ ویسا ہی رہا اور مستقبل کے مقدمات کے لیے نظیر بنا۔

شوکت حسین کی پوتی سیّدہ امینہ خاتون کے مطابق: ”میری امّی اور پھوپھی ہمیں بتاتی تھیں کہ میرے دادا حکومت کی طرف سے ان کی حفاظت پر متعین عملہ کو بھی ہٹا دیتے تھے۔ شیخوپورہ میں انہوں نے سپاہیوں سے کہا: ’اللہ میرا محافظ ہے۔ میرے اردگرد مت پھرو۔‘ جس دن میرے دادا نے کسی کیس میں پھانسی کا حکم دینا ہوتا تو رات کو ان سے کھانا نہیں کھایا جاتا تھا۔ وہ ساری رات ٹہلتے تھے اور صبح کو آہ و زاری کے ساتھ دُعا کرتے تھے: ’پروردگار! میں صحیح فیصلہ کروں۔ یہ خون میرے اوپر نہ رہے۔ پروردگار! مجھے صراط مستقیم پر رکھنا۔‘ ایک قتل کیس میں میرے دادا کا فیصلہ مشہور ہوا، اس وقت کے اخباروں کی زینت بنا اور امرتسر اور چمیاری میں زبان زد عام ہوا۔ امرتسر کے پاس چمیاری میں ایک ساڑھے تین سال کا بچّہ گراؤنڈ میں کھیلتے ہوئے قتل ہو گیا۔ وہ بچّہ یتیم تھا اور اپنی بیوہ ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ کیس کافی عرصہ چلتا رہا۔ آخر کار وہ کیس میرے دادا کے سامنے آیا۔ اس کیس میں جو شہادتیں آئی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ ایک شخص ٹرین سے اتر رہا تھا اور ایک سوار ہو رہا تھا۔ اترنے والے نے کہا: ’کام ہو گیا۔‘ چڑھنے والا شخص بات سن کر سوار ہو گیا۔ قریب کھڑے ایک قلی اور

---

۱ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۲ سیّدہ زرینہ خاتون دختر لیاقت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۹ مارچ ۲۰۱۹ء

اسٹیشن پر تعینات سٹاف کے ایک اور شخص نے بھی یہ بات سن لی۔ تفتیش کرتے ہوئے یہ انکشاف ہوا کہ بچّے کو اس کے چچا نے ایک مُسلّی کو بھیج کر قتل کروایا تھا تاکہ بھتیجے کی زمین بھی اسے مل جائے۔ وقوعہ کے ۱۵ سال بعد شہادتیں اور بحث وغیرہ مکمل ہونے پر فیصلہ کی نوبت آئی تو چمیاری اور امرتسر کے لوگ چہ مگوئیاں کرتے تھے کہ پتہ نہیں کیس کا کیا فیصلہ ہو گا کیونکہ رشوت اور بااثر افراد کی سفارش تو اس وقت بھی چلتی تھی۔ دکھیاری اور بے سہارا بیوہ کرنال میں دادا جرار حسین جو میرے دادا کے پھوپھی زاد بھائی تھے کے پاس گئی اور کہا: 'پتہ نہیں جج میرے کیس کا کیا فیصلہ کرے گا۔' دادا جرار نے کہا: 'وہ میرا بھائی ہے۔ جو فیصلہ بھی کرے گا اچھا کرے گا۔ ورنہ آپ اپیل کر دینا۔' میرے دادا نے جو فیصلہ سنایا وہ سب کے لیے حیران کن تھا۔ انہوں نے مُسلّی کو عمر قید اور مقتول کے چچا کو پھانسی کی سزا سنائی کیونکہ اصل قاتل تو چچا تھا۔ امرتسر اور چمیاری میں لوگوں نے اس فیصلہ کو بہت سراہا۔ بیوہ بھی دادا جرار کے پاس دوبارہ آئی اور کہا: 'اگر اجازت دیں تو میں جج صاحب کا شکریہ ادا کر دوں۔' دادا جرار نے دو دفعہ بیوہ کے ان کے پاس آنے کا تذکرہ میرے دادا سے کیا تو انہوں نے کہا: 'بیوہ کو اس کا حق ملا ہے۔ میرا شکریہ ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔' حکومت کی طرف سے میرے دادا کو خان صاحب اور خان بہادر کے ٹائیٹل بھی ملے تھے۔"

شوکت حسین نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے اپنے چچا کی بیٹی اختری بیگم دختر ریاض الحسن سے کی اور ان کے تین بیٹے لیاقت حسین، کرار حسین اور اظہر حسین اور دو بیٹیاں انوری بیگم اور اکبری بیگم ہوئیں۔ شوکت نے دوسری شادی انیس فاطمہ عرف دہلی والی سے کی جو زیدی سادات سے تھیں اور ان کے ایک فرزند مظاہر حسین اور ایک بیٹی سلمیٰ خاتون ہوئیں۔[۱] شوکت حسین ۱۹۴۶ء میں فوت ہوئے۔[۲]

لیاقت حسین

شوکت حسین سیشن جج کے فرزند لیاقت حسین نے سکول کی تعلیم مختلف شہروں میں حاصل کی جہاں ان کے والد نوکری کے سلسلہ میں تعینات رہے۔ ایف اے انہوں نے لدھیانہ سے کیا اور گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ پھر ایل ایل بی کیا۔ تقسیم ہند کے وقت وہ سونی پت میں نائب تحصیلدار تعینات تھے۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے تو بھلوال میں تعینات ہوئے۔ ایمانداری انہیں باپ دادا سے وراثت میں ملی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ لیاقت حسین ایک دانہ بھی رشوت کا نہیں لیتا۔ لیاقت کی شادی جمیلہ خاتون دختر طالب حسین سے پونڈری میں ہوئی اور ان کے دو بیٹے عترت حسین اور مسرت حسین اور دو بیٹیاں امینہ خاتون اور زرینہ خاتون ہندوستان میں پیدا ہوئیں۔ عترت حسین تقسیم ہند کے وقت اچھی سن

---

۱ سیّدہ امینہ خاتون دختر لیاقت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۹ مارچ ۲۰۱۹ء

۲ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

کالج کے طالب علم تھے۔[1]

محمد رضا

محمد رضا کے والد ریاض الحسن اور دادا حکیم امام علی تھے۔ حکیم امان اللہ ان کے تایا تھے۔ رضا زمینداری کرتے تھے اور اثر و رسوخ والے تھے۔ ان کے پاس ایک دو نالی بندوق تھی۔ ۱۹۳۲ء میں ہندو انتہا پسندوں نے افضال حسین پر حملہ کیا تو رضا اپنی بندوق سے فائرنگ کرتے ہوئے آئے اور شدید زخمی افضال کو اٹھا کر لے گئے۔ تاہم افضال جانبر نہ ہو سکے۔ رضا کی شادی گڑھی کوٹاہہ میں شاکری بیگم دختر معظم حسین سے ہوئی۔ شاکری کی بہن جعفری بیگم افضال حسین کی زوجہ تھیں۔ رضا اور شاکری کے ایک فرزند محمود علی ہوئے۔ محمود نے پونڈری سکول سے تعلیم حاصل کی۔ ان کی لکھائی اچھی تھی۔ ان کی منگنی سیانہ سیداں کے بابو احمد کی بیٹی انعام فاطمہ کے ساتھ تقسیم ہند سے پہلے ہو گئی تھی لیکن شادی پاکستان آ کر ہوئی۔ محمد رضا نے ہندوستان میں وفات پائی جب کہ شاکری بیگم اپنے فرزند محمود کے ساتھ پاکستان آئیں۔[2]

جرار حسین

جرار حسین کے والد کمال الدین اور دادا امداد علی تھے جو حکیم امام علی کے بھائی تھے۔ جرار کے والد فوج میں رسالدار تھے۔ جرار بھی فوج میں بھرتی ہوئے اور ترقی کرتے کرتے جمعدار کے عہدہ تک پہنچے۔ وہ گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گئے تو انہوں نے فوج سے ریٹائرمنٹ لے لی۔ وہ پونڈری آ کر رہنے لگے اور اپنا مکان بنایا۔ انگریز حکومت نے رضا کار فورس بنائی تو جرار کو اس کا کمانڈر تعینات کیا۔ ۱۹۴۷ء تک وہ اس فورس کے کمانڈر رہے اور کرنال میں رہائش رکھی۔ ان کا عہدہ ڈپٹی کمشنر کے برابر تھا۔ سویلین حکومت میں ان کا عمل دخل تھا۔ انہوں نے ضلعی انتظامیہ کی مدد کی اور ان کے مسائل کو حل کیا۔ رضا کار فورس کے کمانڈر کی حیثیت سے وہ مختلف علاقوں کے دورے کرتے تھے۔ حکومت کی طرف سے انہیں خان صاحب اور کئی دوسرے خطاب ملے۔[3]

پونڈری میں جرار کا گھر خالی تھا۔ مولوی باقر اور مولوی مجید عربی استاد کی حیثیت سے پونڈری میں اپنی تعیناتی کے دوران اس گھر میں رہے۔ جو پٹواری تبدیل ہو کر پونڈری آتا وہ بھی اسی گھر میں رہتا تھا۔ سیانہ کے بابو احمد بھی اپنی تعیناتی

---

۱ سیّدہ امینہ خاتون دختر لیاقت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۹ مارچ ۲۰۱۹ء
سیّدہ زرینہ خاتون دختر لیاقت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۹ مارچ ۲۰۱۹ء

۲ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء
سیّد محمود علی ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد انجم علی ولد محمود علی بذریعہ فون — وہاڑی — ۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۳ سیّد نجم الحسن ولد فیض الحسن (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۳۰ جولائی ۲۰۱۸ء

کے دوران اسی گھر میں رہے۔ جرار اپنا مکان کرایہ پر نہیں دیتے تھے بلکہ مفت رہائش کے لیے دیتے تھے۔ جرار کی پہلی شادی صغیر النساء دختر ظہور الحسن کے ساتھ[1] اور دوسری شادی کلثوم دختر رحمت علی کے ساتھ ہوئی۔[2]

ابنِ حسن

ابنِ حسن کے والد علی حسین اور دادا امداد علی تھے جو حکیم امام علی کے بھائی تھے۔ انہوں نے علی گڑھ سے بی اے کیا۔ وہ ڈی سی آفس کرنال میں ملازم تھے۔ ان کی شادی نواب فاطمہ دختر فیض الحسن سے پونڈری میں ہوئی اور ان کے تین بیٹے نبی حسن، آل حسن اور اسرار حسین اور دو بیٹیاں ناصرہ خاتون اور نادرہ خاتون ہوئیں۔ ابنِ حسن کی زوجہ کو ٹی بی ہو گئی تھی۔ وہ علاج کے لیے علی گڑھ گئیں تو ان کی بیٹیاں بھی ان کے ساتھ تھیں۔[3]

صغیر حسین

صغیر حسین کے والد علی حسین اور دادا امداد علی تھے جو حکیم امام علی کے بھائی تھے۔ صغیر نے مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ وہ پونڈری میں ایک بااثر شخصیت تھے اور دھڑلے والے آدمی تھے۔ ان کی بات مسلمانوں اور ہندوؤں میں یکساں مانی جاتی تھی۔ سادات برادری میں ان کا بہت اثر تھا۔ان کی ایک بیٹھک تھی اور نوہرہ بنا ہوا تھا۔ لوگ رات کو وہاں آکر بیٹھتے اور حقہ پیتے تھے۔ وہاں مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی تھی اور فیصلے کیے جاتے تھے۔ صغیر حسین نیک آدمی تھے اور ان کا بڑا رعب تھا۔ وہ اپنی برادری والوں کے لیے بڑا آسرا تھے۔[4] وہ نمبردار، سماجی راہنما اور پنچایتی آدمی تھے۔ ان سے سینئر لوگ برادری میں موجود تھے لیکن ان میں قیادت کی فطری صلاحیت تھی۔ اسی لیے سب پر ان کا حکم چلتا تھا۔ صغیر پونڈری کے سناتم دھرم سکول میں ٹیچر بھی رہے۔ گمتھلا کے رانا پھول ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ صغیر کی شادی خدیجتہ الکبریٰ دختر فیض الحسن سے ہوئی۔ ان کے اولاد نہیں ہوئی۔[5]

فیض الحسن

فیض الحسن کے والد ظہور الحسن اور دادا امداد علی تھے جو حکیم امام علی کے بھائی تھے۔ وہ حیوانات کے ڈاکٹر تھے اور

---

۱ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بذریعہ فون — کراچی — ۳۱ جولائی ۲۰۱۸ء

۲ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۳ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بذریعہ فون — کراچی — ۳۱ جولائی ۲۰۱۸ء

۴ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۸ فروری ۲۰۱۸ء

۵ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء

شفاخانہ حیوانات میں تعینات تھے۔ ان کی شادی انوری بیگم دختر حسین نواز سے شاہ آباد میں ہوئی اور ان کے ایک فرزند نجم الحسن اور تین بیٹیاں نواب فاطمہ، عقیلہ خاتون اور خدیجتہ الکبریٰ ہوئیں۔ فیض الحسن کی بیٹی نواب فاطمہ کی شادی ابنِ حسن ولد علی حسین سے اور خدیجتہ الکبریٰ کی شادی صغیر حسین ولد علی حسین سے ہوئی۔ ۱۹۳۲ء میں فیض الحسن کے گردے میں زخم ہوا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ فیض الحسن کے فرزند نجم الحسن نے پونڈری میں آریہ سکول سے مڈل اور سناتم دھرم سکول سے میٹرک کیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایگریکلچرل کالج لائلپور سے بی ایس سی کیا۔ تقسیم ہند سے پہلے ایک معروف برطانوی کیمیکل کمپنی آئی سی آئی میں انہوں نے ملازمت بھی کی۔[1]

حیدر حسن

حیدر حسن کے والد وزیر علی اور دادا ظہیر الدین تھے۔ وہ زمینداری کرتے تھے۔ انہوں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے کبری دختر امام علی سے کی۔ پہلی بیوی سے ان کے اولاد نہیں ہوئی۔ دوسری شادی انہوں نے رفیعن سے رتن گڑھ میں کی اور ان کے دو بیٹے افتخار حسین اور سراج الحسن ہوئے۔ حیدر حسن کے فرزند افتخار حسین اپنے والد کی طرح زمینداری کرتے تھے۔ ان کی شادی بشیر فاطمہ عرف بشیرن دختر غلام حسین سے ہابڑی میں ہوئی اور ان کے ایک بیٹا ذوالفقار حسین اور تین بیٹیاں مولائی، قیصرہ خاتون اور وسیعہ خاتون ہندوستان میں ہوئیں۔ افتخار کی بڑی بیٹی مولائی نے ہندوستان میں وفات پائی۔

حیدر حسن کے فرزند سراج الحسن نے فوج میں ملازمت کی۔ انہوں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے لطیفن دختر منوّر علی سے کی اور ان کے ایک بیٹا ظہیر الحسن اور ایک بیٹی منتظر فاطمہ ہوئیں۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد سراج نے دوسری شادی فہمیدہ خاتون دختر محمد زمان سے ساڈھورہ میں کی اور ان کے ایک بیٹی دلشاد فاطمہ ہوئیں۔

محمد حسین

محمد حسین کے والد کاظم حسین اور دادا حشمت علی تھے۔ وہ لمبے بندو کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے اپنے چچا کی بیٹی کلثوم بانو دختر عالم علی سے کی اور ان کے تین بیٹے افضل حسین، ظفر حسین اور شمشاد حسین اور ایک بیٹی ظہور فاطمہ ہوئیں۔ کلثوم زوجہ محمد حسین نے ہندوستان میں وفات پائی۔ دوسری شادی محمد حسین نے شاہ بی بی سے بروالہ میں کی۔ محمد حسین کے چچا عالم علی تھے جن کی دو بیٹیاں کلثوم بانو اور توقیر بانو تھیں۔ توقیر بانو کی شادی محمود الحسن ولد منیر حسین سے ہوئی۔

سجاد حسین

سجاد حسین کے والد خادم حسین اور دادا صفدر علی تھے۔ سجاد کی شادی زینت بیگم دختر عبدالعزیز سے پونڈری میں

---

۱ سیّد نجم الحسن ولد فیض الحسن (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۳۰ جولائی ۲۰۱۸ء

ہوئی اور ان کے تین بیٹے زاہد حسین، تصدق حسین اور صابر حسین ہوئے۔ سجاد کے چچا منوّر حسین تھے جن کی ایک بیٹی صدیقن تھیں۔

اشرف علی

اشرف علی کے والد محمد اکبر اور دادا برکت علی تھے۔ اشرف زمینداری کرتے تھے۔ ان کی شادی سیدو سے سِیون میں ہوئی اور ان کے دو بیٹے لیاقت حسین اور رفاقت حسین ہوئے۔ اشرف اور ان کی بیوی سیدو کا انتقال ہندوستان میں ہو گیا تھا۔ ان کے بیٹے لیاقت اور رفاقت شاہ آباد چلے گئے تھے۔ تقسیم ہند سے پہلے وہ پونڈری واپس آ گئے تھے۔[1]

رہن سہن

۸۴-۱۸۸۳ء کے ڈسٹرکٹ گزٹیئر میں پونڈری کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی گئی ہے: ”پونڈری ایک چھوٹا میونسپل قصبہ ہے۔ ۱۸۸۱ء کی رائے شماری کے مطابق اس کی آبادی ۴،۹۷۷ افراد پر مشتمل ہے جن میں ۳،۳۴۳ ہندو، تین سکھ، ایک جین اور ۱،۶۳۰ مسلمان ہیں۔ یہ ایک بڑے تالاب کے کنارے پر واقع ہے جو پونڈرک تالاب کے طور پر جانا جاتا ہے اور قصبہ کا نام اسی تالاب کے نام پر ہے۔ تقریباً آدھے قصبہ کو تالاب نے گھیرا ہوا ہے۔ اس تالاب میں کئی نہانے کی جگہیں اور سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ پرانے دنوں میں یہ قصبہ پونڈری راجپوتوں کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ قصبہ کے اردگرد مٹی کی دیوار ہے اور اس کے چار گیٹ ہیں۔ پونڈرک گیٹ شمال کی طرف، کیتھل گیٹ مغرب کی طرف، پائی گیٹ جنوب کی طرف اور ہابڑی گیٹ مشرق کی طرف ہے۔ قصبہ کی تقریباً تمام گلیاں پختہ ہیں۔ بہت سی بڑی پکی پرائیویٹ عمارتیں ہیں اور ایک اچھی پکی سرائے ہے جسے ایک بینکر نے تعمیر کیا تھا۔ سرکاری عمارتوں میں ایک سکول اور ایک پولیس اسٹیشن ہیں۔ بلدیہ کمیٹی کا صدر ڈپٹی کمشنر اور نائب صدر کیتھل کا ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہے جب کہ سات غیر سرکاری ارکان نامزدگی کے ذریعہ متعین ہوتے ہیں۔“[2]

۱۹۱۸ء کے ڈسٹرکٹ گزٹیئر میں پونڈری کا تعارف ان الفاظ میں موجود ہے: ”پونڈری کا قصبہ کرک شیترا سے ۴۸ کوس کے اندر ہے۔ پونڈرک تالاب، جس کے نام پر قصبہ کا نام ہے، مہا بھارتا کے زمانہ میں کھودا گیا تھا اور اس میں بہت دیدہ زیب نہانے کے گھاٹ اور مندر ہیں۔ یہ قصبہ اناج مارکیٹ کی حیثیت سے زیادہ اہم ہے۔ یہ وہ مرکز ہے جہاں کیتھل تحصیل کے آدھے جنوبی حصّہ میں پیدا ہونے والا اناج اکٹھا کیا جاتا ہے تاکہ اسے مین روڈ کے ذریعہ کرنال منتقل کیا جائے۔ اس کی آبادی تقریباً ۶،۰۰۰ ہے۔ بلدیہ کا اب وجود نہیں۔ یہاں ایک پوسٹ اور ٹیلی گراف آفس ہے، ایک پھلتا پھولتا اینگلو

۱ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بذریعہ فون — کراچی — ۳۱ جولائی ۲۰۱۸ء

۲ Gazetteers of the Karnal District 1883-84, P 263, Sang-e-Meel Publication, Lahore, 2001

ورنیکلر مڈل سکول ہے جس کا ایک بورڈنگ ہاؤس ہے، اور ایک گرلز سکول ہے۔ مارچ ۱۹۱۵ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے تحت چلنے والے پونڈری کے ورنیکلر سکول میں طلباء کی تعداد ۱۸۵ تھی۔ اب سٹاف اہل ہے اور اس میں سال بہ سال ترقی ہو رہی ہے۔"[1]

۱۸۹۲ء کے ڈسٹرکٹ گزٹیئر کے مطابق: "سیّد پونڈری کے ایک حصّہ کے مالک ہیں۔"[2]

حویلیاں اور محلہ

ترمذی سادات نئ حویلی، پرانی حویلی اور محلہ میں آباد تھے۔ محلہ میں بھی حویلیاں تھیں۔ نئ حویلی اور پرانی حویلی کی عمارتیں علیحدہ تھیں اور ان میں سیّد ولی کی اولاد رہتی تھی۔ دونوں حویلیوں میں کئ کئ کنبے رہتے تھے۔ محلہ میں سیّد محمد کی اولاد اور خاندان محل کے بزرگ رہتے تھے۔ دونوں حویلیاں اور محلہ قریب قریب تھے۔ سیّد برخوردار کی اولاد کے بزرگ محلہ سے کچھ فاصلہ پر علیحدہ رہتے تھے۔ سیّد برخوردار کی اولاد کے گھر چند ایک تھے کیونکہ ان کے اکثر بزرگ پونڈری چھوڑ کر گڑھی کوٹاہہ میں آباد ہو گئے تھے۔[3] کچھ اور ترمذی سادات بھی پونڈری سے گڑھی کوٹاہہ جا کر آباد ہوئے۔ یہی وجہ تھی کہ پونڈری کے ترمذی سادات کی زیادہ تر رشتہ داریاں گڑھی کوٹاہہ میں تھیں۔ پونڈری میں ترمذی سادات اکٹھے یا قریب قریب رہتے تھے۔ کاظمی سادات کے گھر ایک ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلہ پر تھے۔ تاہم ڈاکٹر بشیر کاظمی کا گھر محلہ میں تھا۔

کنویں اور تالاب

پونڈری کے رہنے والے پینے کے لیے کنوؤں کا پانی استعمال کرتے تھے۔ کنویں گھروں سے باہر بنے ہوئے تھے۔ ماشکی رکھے ہوئے تھے جو کنوؤں سے پانی بھر کر گھروں میں ڈال جاتے تھے۔[4] ترمذی سادات کی ایک بزرگ خاتون نے ایک کنواں بنوایا تھا جو دادی رحیمی کا کنواں مشہور تھا۔ یہ کنواں ہابڑی دروازہ کے پاس ایک باغ کے کنارہ پر تھا۔ ہابڑی راجپوتوں کا ایک گاؤں تھا۔ اس گاؤں کی طرف جانے کے لیے جس گیٹ سے گزر کر جاتے تھے اسے ہابڑی دروازہ کہتے تھے۔ دادی رحیمی کا کنواں مسلمانوں کے علاقہ میں تھا اور مسلمان ہی وہاں سے پانی لیتے تھے۔ سادات کے گھروں میں ماشقی دادی رحیمی کے کنویں سے پانی لے کر آتے تھے۔ میر صاحب حسن رضا اپنے گھر کے سامنے ایک کنواں بنوا رہے تھے جس میں سے بیل جوڑ کر بوکہ کے ذریعے پانی نکالنا تھا۔ اس کنویں کی تکمیل سے پہلے تقسیم ہند ہو گئ اور میر صاحب سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پاکستان آ گئے۔

پونڈری بارانی علاقہ تھا۔ وہاں ایک قدیم تالاب تھا جس میں بارش کا پانی اکٹھا ہوتا تھا اور سارا سال خشک نہیں ہوتا

---

۱ Punjab District Gazetteers, PP 206, 222, Vol VI-A, Karnal District, 1918

۲ Gazetteer of the Karnal District, 1892, P 122, Lahore

۳ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۳ جون ۲۰۱۱ء، ۴ ستمبر ۲۰۱۷ء

۴ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

تھا۔[1] جب اس میں پانی ذرا کم ہوتا تو قصبہ کے سب ہندو اور مسلمان دلیا پکا کر تقسیم کرتے تھے۔ جونہی کھانا ختم ہوتا بارش ہو جاتی تھی۔ تالاب میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے علیحدہ علیحدہ حصّے تھے اور جانوروں کا حصّہ علیحدہ تھا۔ کنوؤں کا پانی چونکہ محدود تھا اس لیے وہ صرف پینے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ باقی سب کام جس میں نہانا بھی شامل تھا تالاب کے پانی سے ہوتے تھے۔ دال پکاتے تو کنویں کے پانی میں دیر سے گلتی تھی جب کہ تالاب کے پانی میں جلدی گلتی تھی۔[2]

تعلیم و صحت

پونڈری میں تین سکول تھے جن میں ایک ہائی سکول اور دو مڈل سکول تھے۔ ہائی سکول اور ایک مڈل سکول ہندوؤں کے تھے جب کہ ایک مڈل سکول مسلمانوں کا تھا جسے اختر حسین ولد ولایت حسین نے علاقہ کے مسلمانوں کے تعاون سے بنایا تھا۔ لیکن مسلمانوں میں پڑھائی کا رجحان چونکہ کم تھا اس لیے وہ زیادہ عرصہ اس سکول کو چلا نہ سکے۔ بعدازاں انہوں نے اس سکول کو بلڈنگ سمیت ڈسٹرکٹ بورڈ کے حوالہ کر دیا۔ یہ سکول ورنیکلر کہلاتا تھا کیونکہ اس میں اُردو زبان میں تعلیم دی جاتی تھی۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے تحت یہ سکول چلتا رہا۔[3] ہندوؤں کا آریہ مڈل سکول اور سناتم دھرم ہائی سکول چونکہ پہلے سے موجود تھے اس لیے سادات کے بچّوں نے زیادہ تر تعلیم انہی سکولوں میں حاصل کی۔ آریہ سکول میں مسلمان بچّوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہوتا تھا۔ ان کے لیے پینے کے پانی کا انتظام نہیں تھا۔ سناتم دھرم سکول میں بھی صورت حال ایسی ہی تھی۔ بہرحال مسلمانوں کے بچّے کسی نہ کسی طرح وہاں سے مڈل اور میٹرک پاس کر ہی لیتے تھے۔[4] سادات کی بچیاں سکول میں تعلیم حاصل نہیں کرتی تھیں۔ انہیں ان کے بزرگ گھروں میں ہی تعلیم دیتے تھے۔[5]

پونڈری میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے تحت ایک ہسپتال تھا جہاں ڈاکٹر موجود ہوتا تھا اور دوائیاں ملتی تھیں۔[6] حکمت ترمذی سادات کے گھر کی تھی۔ حکیم صمصام علی کی اولاد میں کئی نامور حکیم گزرے۔ کرم حسین، تونگر حسین اور مطلوب حسین حکیم کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر بھی تھے۔[7]

---

۱ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۷ اپریل ۲۰۱۸ء
۲ سیّد صغیر حسین ولد علی حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء
۳ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء
۴ سیّد نجم الحسن ولد فیض الحسن (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۳۰ جولائی ۲۰۱۸ء
۵ سیّد ناظر حسین ولد ڈاکٹر مطلوب حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲۵ اگست ۲۰۱۸ء
۶ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء
۷ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء

اثر و رسوخ

پونڈری کے سادات پڑھے لکھے تھے اور ان میں اکثر سرکاری ملازم تھے جو فوج، پولیس، عدلیہ، جیل، ڈاکخانہ، ہسپتال وغیرہ کے شعبوں میں تعینات تھے۔ اس طرح سرکاری حلقوں میں ایک حد تک ان کا اثر و رسوخ تھا۔ پونڈری میں کاروبار پر ہندو چھائے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی ایک دو دکانیں ہی تھیں۔ باقی دکانیں ہندوؤں کی تھیں۔ مسلمانوں کی مٹھائی کی بھی کوئی دکان نہیں تھی۔ تاہم ایک مسلمان ہفتہ دس دن بعد پیڑے بناتا تھا۔[1] کاروبار تو ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا لیکن زمینداری سیّدوں کے پاس تھی۔ اس لیے ذیلداری، سفید پوشی اور نمبرداری کے عہدوں پر سیّد فائز تھے اور یہ سب عہدے اثر و رسوخ والے تھے۔ ترمذی سادات میں حکیم امان اللہ سفید پوش اور ذیلدار رہے۔[2] حکیم امان اللہ کا علاقہ میں بہت اثر و رسوخ تھا اور ان کی رائے کو سرکاری اہلکار اہمیت دیتے تھے۔ پونڈری میں جامع مسجد کا دروازہ بازار میں تھا۔ دروازہ کے ساتھ اندر کی طرف لیٹرین بنی ہوئی تھی۔ نمازی وہاں پیشاب کرتے تھے اور بعض اوقات پوٹی بھی کر دیتے تھے۔ لیٹرین سے جو پانی نکلتا وہ بازار میں آ جاتا تھا جس سے بدبو پھیلتی تھی اور ہندو دکاندار تنگ ہوتے تھے۔ بازار کچا تھا۔ ہندو دکانداروں نے مسلمانوں کے خلاف ڈپٹی کمشنر کو درخواست دے دی۔ ڈپٹی کمشنر جو انگریز تھا موقع دیکھنے کے لیے آیا۔ امان اللہ اس وقت سفید پوش تھے۔ وہ بھی موقع پر آئے۔ ڈپٹی کمشنر نے امان اللہ سے کہا: ”اس مسئلہ کا کیا حل ہے۔“ امان اللہ نے کہا: ”اس کا حل یہ ہے کہ ہم یہاں ایک ہودی بنا دیتے ہیں۔ گندا پانی اس میں آئے گا۔“ ڈپٹی کمشنر نے کہا: ”ہاں آئے گا۔“ امان اللہ نے کہا: ”اس ہودی کو بازار والے (ہندو) صاف کروا دیا کریں۔“ اس وقت نظام یہ تھا کہ جمعدار گندا پانی نکال کر لے جاتے تھے اور کچی جگہ پر پھینک دیتے تھے۔ ڈپٹی کمشنر کو امان اللہ کی تجویز پسند آئی اور اس نے یہ فیصلہ دیا کہ مسلمان ہودی بنوائیں گے اور اس کی صفائی بازار والے ہندو کروائیں گے۔[3] اس وقت تو ہندوؤں نے اس فیصلہ سے اتفاق کیا۔ تاہم بعد میں وہ کہتے تھے: ”امان اللہ صاحب ہمارے ساتھ کیا کر گئے کہ گندا پانی تو مسلمان گرائیں اور صفائی ہم کروائیں۔“ [4]

پونڈری میں چار نمبرداریاں تھیں اور چاروں سیّدوں کے پاس تھیں۔ تین نمبرداریاں ترمذی سادات اور ایک کاظمی سادات کے پاس تھی۔ تقسیم ہند سے پہلے ترمذی سادات کے صغیر حسین، خیرات علی اور طالب حسین اور کاظمی سادات کے

---

۱ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد علی امام ولد عاقل حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء

۳ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۴ سیّدہ زرینہ خاتون دختر لیاقت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۹ مارچ ۲۰۱۹ء

رشید حسین نمبردار تھے۔[1] رشید حسین نمبردار ملنسار اور محبّت کرنے والے تھے۔ ان کی زمین دوسروں سے زیادہ تھی۔[2] صغیر حسین نمبردار نڈر اور اثر و رسوخ والے تھے۔ ایک مرتبہ پونڈری کے ایک سیّد کی گائے، جو گھر سے باہر بندھی ہوئی تھی، چوری ہو گئی۔ چور نے وہ گائے نزدیکی گاؤں جانبہ میں فروخت کر دی۔ جانبہ والوں نے چور سے پوچھا کہ وہ گائے پونڈری سے تو نہیں لایا۔ چور نے نہیں میں جواب دیا۔ پونڈری کے سادات کو اطلاع ملی کہ چوری ہونے والی گائے جانبہ میں ہے۔ صغیر حسین نمبردار جانبہ گئے اور وہاں کے نمبردار سے ملے۔ صغیر حسین نے نمبردار سے کہا: "ایک گائے کا مسئلہ نہیں ہے۔ ہم گائیں اور بھی دے دیں گے۔ سوال یہ ہے کہ اسے کھول کر کیوں لائے ہیں۔" نمبردار نے چور کو بلا کر سرعام جوتوں سے پٹوایا اور کہا: "اُلّو کے پٹھے! تجھ سے پوچھا تھا کہ گائے پونڈری سے تو نہیں لایا، تو نے انکار کر دیا تھا۔ اب مجھے ذلیل ہونا پڑ رہا ہے۔" نمبردار نے گائے بھی واپس کر دی اور اس کی طرف سے ہر سال اس غلطی کے ہرجانہ کے طور پر ایک تھالی بھی پونڈری کے سیّدوں کے پاس آتی تھی۔[3]

پونڈری میں سادات قصبہ کے سیاسی معاملات میں بھرپور کردار ادا کرتے تھے۔ اختر حسین، جو سیّد ولی کی اولاد سے تھے، دو دفعہ کمیٹی کے چیئرمین منتخب ہوئے۔ پونڈری میں ہندوؤں کی اکثریت تھی اور ان کی حمایت کے بغیر اختر حسین کمیٹی کے چیئرمین منتخب نہیں ہو سکتے تھے۔[4] سیّد برخوردار کی اولاد سے میر صاحب حسن رضا اور کاظمی سادات سے رشید حسین نمبردار بھی قصبہ کی سیاست میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے سیاسی حریف تھے۔ ایک دفعہ بلدیہ کے الیکشن میں حسن رضا امیدوار تھے۔ ترمذی سادات کا رجحان تھا کہ وہ حسن رضا کو ووٹ نہیں دیں گے۔ رشید کاظمی تو ویسے ہی حسن رضا کے سیاسی مخالف تھے۔ پونڈری کے چمار رشید کاظمی کے زیر اثر تھے اور ان کی بات مانتے تھے۔ رشید کاظمی نے کسی سیّد کی بجائے ایک چمار کو حسن رضا کے مقابل امیدوار کھڑا کر دیا جس کی وجہ سے ترمذی سادات کی ساری حمایت حسن رضا کی طرف لوٹ آئی۔ ترمذی سادات نے کہا: "ہم یہ ذلت تو برداشت نہیں کر سکتے کہ سیّد کے مقابلہ میں چمار جیتے۔ حسن رضا جیسا بھی ہے مگر ہے تو برادری کا۔" ترمذی سادات کی حمایت سے حسن رضا نے وہ الیکشن جیت لیا۔[5]

---

۱ سیّد علی امام ولد عاقل حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء

۲ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۶ فروری ۲۰۱۸ء

۳ سیّد نُور الحسن ولد محمد نقی (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء

۴ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۵ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء

عورتوں کا پردہ

پونڈری میں سادات کی عورتیں پردہ کی پابندی سختی سے کرتی تھیں۔ سیّد ہادی حسین، جو دو سال پونڈری میں رہے، نے کہا: ”پونڈری کے سادات بہت اچھے، پڑھے لکھے اور سمجھدار تھے۔ ان کی خواتین پردہ دار تھیں۔ میں نے دیکھا کہ جو بچّہ تھوڑا سا بڑا ہوتا اسے گھر کے اندر نہیں جانے دیتے تھے۔ مجالس میں عورتیں پیدل چل کر نہیں جاتی تھیں بلکہ ڈولیوں میں جاتی تھیں۔ انہوں نے کہار رکھے ہوئے تھے جو ڈولیوں کو ڈیوڑھی میں رکھ کر پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ پھر عورتیں پردے سے نکل کر اندر چلی جاتی تھیں۔“ [1] سیّد عابد حسین نے کہا: ”پونڈری میں سادات کی عورتوں کو اگر گھر سے باہر نکلنا پڑتا تو انہیں چادروں کے پردہ میں لایا جاتا تھا جسے دو آدمی آگے اور دو پیچھے سے پکڑتے تھے۔ ایک آدمی ان کے آگے چلتا تھا۔ اگر اس راستہ پر کوئی آنے والا نظر آتا تو آگے چلنے والا آدمی اسے کہتا: ’بھائی، ہماری عورتیں آ رہی ہیں، پردہ کر لے۔‘ راہگیر راستہ چھوڑ دیتا تھا۔ اگر آنے والا ہندو ہوتا تو اسے کہتا: ’لالہ جی، ہماری عورتیں آ رہی ہیں۔‘ وہ ہندو رام رام کہتے ہوئے منہ دیوار کی طرف کر کے کھڑا ہو جاتا تھا اور عورتوں کے گزرنے کے بعد ہی آگے جاتا تھا۔“ [2]

ہندو - مسلم تعلقات

پونڈری میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے آپس میں تعلقات اچھے تھے۔ ایک دوسرے کی خوشی غمی میں شرکت کرتے تھے۔ گھروں میں آنا جانا تھا اگرچہ ایک دوسرے کے گھر کا پکا ہوا نہیں کھاتے تھے۔ شادیوں کے مواقع پر ایک دوسرے کو خشک کھانا یعنی آٹا، چاول وغیرہ دے دیتے تھے۔ خوشی کے مواقع پر ایک دوسرے کو پیسے بھی دیتے تھے۔ ہندو عموماً مسلمانوں کے گھروں میں مٹھائی بھجوا دیتے تھے۔ لشکری مَل ہندو کا گھر سیّدوں کے محلّے میں مرکزی امام بارگاہ کے ساتھ تھا۔ اس کے ترمذی سادات خصوصاً اختر حسین ولد ولایت حسین کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے۔ پونڈری میں دو ہندو سیٹھ تھے۔ ایک بڑا باسدیو اور ایک چھوٹا باسدیو۔ اختر کی ان دونوں کے ساتھ دوستی تھی۔ چھوٹے باسدیو نے پونڈری میں ایک کاٹن فیکٹری بھی لگائی تھی۔ یہ فیکٹری وسیع جگہ پر تھی اور اس کے پیچھے ایک باغ بھی تھا جس میں اعلیٰ قسم کے پھلوں کے درخت تھے۔ وہ کاٹن فیکٹری چل نہ سکی کیونکہ پونڈری کاٹن کا علاقہ نہیں تھا۔ [3]

قصبہ کے ہندو دوسہرہ مناتے تھے جسے دیکھنے کے لیے مسلمان بھی جاتے تھے۔ پردوں پر رام لیلا کی کہانی دس دن چلتی تھی۔ دسویں روز راون کا پتلا لے جا کر تالاب میں گراتے تھے۔ تالاب چھوٹی اینٹ کا پکا بنا ہوا تھا۔ اس میں سب نہاتے تھے۔ [4]

---

۱ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۶ فروری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء

۳ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۴ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۶ فروری ۲۰۱۸ء

افضال حسین کا قتل

پونڈری میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ مسلمان وہاں اعلانیہ گائے ذبح نہیں کرتے تھے۔چوری چھپے گائے ذبح کی جاتی تھی۔ نئی حویلی کے پیچھے کچھ جگہ خالی پڑی تھی جہاں ایک ٹیلہ تھا اور مسلمان چاہتے تھے کہ وہاں ایک مذبح خانہ بنائیں۔ تاہم ہندوؤں کی مخالفت کی وجہ سے مذبح خانہ کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مسلمانوں نے کوئی عملی اقدام نہیں اٹھایا تھا۔ انہی دنوں میں رشید حسین نمبردار کے گھر سے کچھ ہندوؤں نے ایک تعزیہ چُرا لیا۔ سادات نے کوئی فوری رد عمل دکھانے کی بجائے خاموشی اختیار کی اور سراغ لگایا کہ یہ کارروائی کس نے کی ہے۔ سادات کا چونکہ اثر و رسوخ تھا اس لیے تعزیہ چُرانے والوں نے معاملہ بگڑتے دیکھ کر تعزیہ جلا دیا۔ تعزیہ جلائے جانے کے واقعہ کے بعد مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اب مذبح خانہ ضرور بنائیں گے۔ ۲ جون ۱۹۳۲ء مذبح خانہ کی بنیاد رکھنے کی تاریخ مقرر ہوئی۔ سادات نے اپنے اثر و رسوخ کے زعم میں اس موقع پر ہندوؤں کی طرف سے حملہ ہونے کے امکان پر غور ہی نہیں کیا۔ افضال حسین ولد فضل حسین، جن کا تعلق سیّد محمد کی اولاد سے تھا، مذبح خانہ کی بنیاد رکھنے کے لیے آئے۔ رشید حسین نمبردار، جن کے گھر سے تعزیہ چوری ہوا تھا، اور کچھ دوسرے مسلمان بھی موقع پر موجود تھے۔ افضال حسین نے مذبح خانہ کی بنیاد کے لیے جیسے ہی اینٹ رکھی تو چھبیوں سے مسلح ہندوؤں نے نہتے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ رشید کو چمار گھوڑی پر بٹھا کر نکال کر لے گئے۔ تاہم سوندھا قصائی، جو رشید کے ساتھ آیا تھا، کو حملہ آوروں نے موقع پر قتل کر دیا۔ افضال پر ہندو حملہ آور پے درپے وار کرتے رہے۔ حویلی کے مکینوں نے رسی ڈال کر ایک چارپائی پھینکی تو حملہ آوروں نے اسے کاٹ دیا۔ پھر دوسری چارپائی پھینکی تو حملہ آوروں نے اسے بھی کاٹ دیا۔ اسی اثناء میں خاندان محل کے محمد رضا ولد ریاض الحسن جو گھر سے باہر تھے پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنے گھر جا کر بندوق اٹھائی اور فائر کرتے ہوئے جائے وقوعہ کی طرف آئے تو حملہ آور بھاگ گئے۔ رضا شدید زخمی افضال کو اٹھا لائے اور انہیں ابتدائی طبّی امداد دی لیکن افضال ایک دو گھنٹے بعد زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسے۔ ان کی لاش کو کرنال لے جایا گیا اور پوسٹ مارٹم کے بعد اگلے روز انہیں پونڈری میں دفن کیا گیا۔ افضال حسین جمعرات کو شہید ہوئے اور جمعہ کو ان کی تدفین ہوئی۔ اس وقت پولیس ہیڈ کانسٹیبل مرزا بشیر بیگ، جو مسلمان تھا، نے اس کیس میں ہندوؤں کی حمایت کی۔ سات ہندو حملہ آوروں کے خلاف قتل اور بلوہ کا مقدمہ چلا۔ تین مجرموں کو پھانسی ہوئی اور چار کالا پانی بھیجے گئے۔[1]

افضال حسین کے قتل سے پہلے پونڈری میں سادات کا اثر و رسوخ سب سے زیادہ تھا۔ لیکن اس واقعہ کے بعد ہندوؤں کا زور بڑھ گیا اور سادات کا زور کمزور پڑ گیا۔[2]

---

۱ سیّد عون محمد ولد نذر حسین و سیّدہ شاکری بیگم زوجہ محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء

۲ سیّد نجم الحسن ولد فیض الحسن (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۳۰ جولائی ۲۰۱۸ء

مذہبی ماحول

پونڈری میں سنّی مسلمانوں کی ایک جامع مسجد بازار میں تھی۔ محلوں میں بھی ان کی ایک دو مساجد تھیں۔[①] ترمذی سادات کی کچھ نسلوں نے تقیہ کے تحت سنّی مسلک اختیار کیے رکھا۔ باگہہ علی، جو حکیم صمصام علی کے والد تھے، نے سب سے پہلے دوبارہ شیعہ مسلک اختیار کیا۔ پھر سادات کے اس وقت کے باقی بزرگوں نے بھی دوبارہ شیعت اپنائی۔[②] شیعہ مسلمانوں کی تین مساجد اور تین امام بارگاہ تھے۔ مرکزی امام بارگاہ سیّد برخوردار، سیّد ولی اور سیّد محمد کی اولاد کا مشترکہ تھا اور محلہ میں واقع تھا۔ محرم میں جلوس اسی امام بارگاہ سے برآمد ہوتے تھے اور اسی میں آکر اختتام پذیر ہوتے تھے۔[③] خاندان محل کا امام بارگاہ علیحدہ تھا اور اس میں بھی مجالس ہوتی تھیں۔ اس امام بارگاہ کے اوپر ایک مسجد تھی۔[④] کاظمی سادات کا امام بارگاہ علیحدہ تھا۔[⑤] جو سادات باہر نوکریاں کرتے تھے وہ محرم میں پونڈری پہنچ جاتے تھے۔ محلہ میں واقع مرکزی امام بارگاہ سے ۷، ۹ اور ۱۰ محرم کو جلوس برآمد ہوتے تھے۔ ۹ محرم کا جلوس رات کو نکلتا تھا۔ ان جلوسوں کے باقاعدہ لائسنس تھے۔[⑥] ایک لائسنس ڈاکٹر کرم حسین کے نام تھا۔ ان کے خاندان کے پاس تقسیم ہند سے پہلے ۱۰۰ سال کے عرصہ پر محیط عزاداری کے لائسنس تھے۔[⑦] مہندیاں گھروں سے مرکزی امام بارگاہ میں آتی تھیں۔ سونی پت اور ساڈھورہ سے علماء پڑھنے کے لیے آتے تھے۔[⑧] ملا باقر پونڈری میں عربی کے استاد تھے۔ وہ وہاں مجالس اور عشرہ بھی پڑھتے تھے۔ مولوی مجید بھی پونڈری میں عربی کے استاد تھے۔ وہ بچّوں کو قرآن پڑھاتے تھے اور مجالس بھی پڑھتے تھے۔ مولوی مجید کا جوان بیٹا فوت ہوا تو وہ واپس چلے گئے تھے۔[⑨] عادل حسین ولد مشتاق حسین شاعر تھے اور مجالس میں اپنا کلام پڑھتے تھے۔ اُن کے فرزند راحت حسین بھی

---

۱ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد ناظر حسین ولد ڈاکٹر مطلوب حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲۵ اگست ۲۰۱۸ء

۳ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۴ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء

۵ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء

۶ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۷ سیّد ناظر حسین ولد ڈاکٹر مطلوب حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲۵ اگست ۲۰۱۸ء

۸ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۹ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء

شاعر تھے اور مجالس میں اپنا اور اپنے والد کا کلام پڑھتے تھے۔[1]

شیعہ مساجد میں امام مسجد نہیں تھے۔ لوگ فرادا نماز ادا کرتے تھے۔ جب کوئی عالم پونڈری میں آئے ہوتے تو وہ نماز پڑھا دیتے تھے۔ عید کی نماز اختر حسین ایک ہاتھ میں 'تحفتہ العوام' پکڑ کر پڑھا دیتے تھے۔ وہ نکاح بھی پڑھا دیتے تھے۔[2] طالب حسین بھی نکاح پڑھاتے تھے۔ اختر اور طالب کی جوڑی تھی۔ ان میں سے ایک لڑکا اور دوسرا لڑکی کی طرف سے نکاح پڑھاتا تھا۔[3]

مرکزی امام بارگاہ کی عمارت تین چار صدیاں پہلے تعمیر ہوئی تھی۔[4] اس میں ایک بڑا ہال تھا، دو برآمدے تھے اور ایک بڑا صحن تھا۔ اس کے برابر میں زنانہ حصّہ تھا جس میں دو تین کمرے تھے اور صحن تھا۔ سیّد عابد حسین نے کہا: "میرے والد صاحب (محمد رضا) مرکزی امام بارگاہ میں دیوا جلاتے تھے۔ میں بھی کئی دفعہ ان کے ساتھ گیا۔ ایک دن جب میں ان کے ساتھ گیا تو امام بارگاہ سے پہلے والد صاحب کو ایک آدمی مل گیا اور وہ اس کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ میں نے ان سے کہا: 'مجھے چابی دے دیں، میں جاتا ہوں۔' انہوں نے چابی مجھے دے دی۔ میں پہلے بھی کئی دفعہ والد صاحب کے ساتھ گیا تھا اور انہیں دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے سے پہلے دروازہ کھٹکھٹاتے دیکھا تھا۔ لیکن اس وقت یہ بات میرے ذہن میں نہ رہی۔ میں نے تالا کھولا اور دروازہ کھول کر صحن اور برآمدوں سے گزرتا ہوا ہال میں چلا گیا جہاں ایک طرف سہ نشین میں تعزیے رکھے ہوئے تھے، ایک طرف سٹور تھا اور ایک کونے میں ایک کمرہ تھا اور زنان خانہ میں جانے کے لیے سیڑھیاں تھیں۔ سہ نشین کے ساتھ لکڑی کے ایک سٹول پر دیوا رکھا ہوا تھا اور ماچس بھی ساتھ ہی پڑی تھی۔ میں نے ماچس اٹھائی، تیلی نکالی اور اسے جلانے کے لیے ہاتھ کو حرکت دی ہی تھی کہ مجھے محسوس ہوا کہ پتہ نہیں وہاں کتنے گھوڑے دوڑ رہے ہیں۔ اتنی آواز تھی کہ مجھے کوئی ہوش نہ رہا اور میں واپس بھاگا۔ والد صاحب آ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بھاگ کر آتے ہوئے دیکھا تو کہا: 'کیا بات ہوئی؟' میں نے کہا: 'ابّا جی! اندر گھوڑے ہیں، پتہ نہیں کون دوڑ رہا ہے۔' والد صاحب نے کہا: 'کیا تم نے دروازہ کھولنے سے پہلے کھٹکھٹایا تھا؟' میں نے کہا: 'نہیں۔' والد صاحب نے کہا: 'جب تم مجھے دیکھتے ہو کہ میں دروازہ کھٹکھٹاتا ہوں، تم نے دروازہ کیوں نہیں کھٹکھٹایا۔ ایسی جگہوں پر کچھ مخلوقات رہتی ہیں۔ اس لیے جب بھی ایسی جگہوں پہ جاؤ تو پہلے دروازہ کھٹکھٹاؤ اور پھر اندر جاؤ۔' یہ چیزیں تو ہم نے وہاں دیکھی ہیں۔"[5]

پونڈری کے ترمذی سادات کی اپنے کچھ بزرگوں کے ساتھ روحانی وابستگی تھی اور وہ ان بزرگوں کے لیے مختلف مواقع پر فاتحہ دلواتے تھے۔ سید احمد کبیر عرف دادا اٹھیلا غصہ والے بزرگ مشہور تھے۔ اٹھیلا ضدی کو کہتے ہیں۔ جب بھی

---

۱ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور

۲ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۳ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء

۴ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۵ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء

کوئی شادی ہوتی تو پہلے دادا اٹھیلا کے لیے فاتحہ دلائی جاتی تھی۔[۱] پونڈری کے سادات اب بھی دادا اٹھیلا کے لیے فاتحہ دلواتے ہیں۔[۲] دادا ابو الحسن کے بارے میں بھی کچھ کرامات بیان کی جاتی ہیں اور ان کے لیے فاتحہ دلوائی جاتی ہے۔ سید علی ظہیر کے مطابق: ”دادا ابو الحسن کے پاس بزرگی تھی اور انہیں کسی نے کچھ بخشا تھا۔ پرانی حویلی میں چوبارہ پر ایک کمرہ دادا ابو الحسن کے لیے مخصوص تھا۔ یہ کہتے تھے کہ اوپر کمرے میں ان کی رہائش ہے۔ اس حویلی میں چور کبھی چوری نہیں کر سکا۔ چور آتا تھا تو اس کی بینائی چلی جاتی تھی۔ نئی حویلی اور محلہ میں چوری کے واقعات ہو جاتے تھے لیکن پرانی حویلی میں کبھی چوری نہیں ہوئی۔ ہم پونڈری میں دادا ابو الحسن کے نام کی فاتحہ دلواتے تھے۔ میں اب بھی ہر جمعرات کو ان کے لیے فاتحہ دلواتا ہوں۔“ [۳] سید عابد حسین کے مطابق: ”ہماری حویلی میں دادا (ابو الحسن) سے منسوب کمرہ خالی رہتا تھا۔ وہاں کوئی نہیں رہتا تھا۔ ایک دفعہ کوئی چیز اٹھانے کے لیے دادی نے مجھے اوپر بھیج دیا۔ میں نے دیکھا کہ کمرہ میں ہر جگہ گرد ہے لیکن ایک جگہ اس طرح صاف ہے جیسے وہاں سے کسی نے ابھی چادر اٹھائی ہو۔ میں نے نیچے آکر دادی سے پوچھا: ’اوپر کوئی رہتا ہے ؟‘ انہوں نے کہا: ’ہاں، دادا (ابو الحسن) رہتے ہیں۔‘ تقسیم ہند کے وقت حالات خراب ہوئے تو اجڑنے سے کچھ دن پہلے ہماری حویلیوں میں تیلی رہے۔ ان کی ایک بوڑھی خاتون چوبارہ پر اس کمرہ میں سو گئی جہاں دادا (ابو الحسن) رہتے تھے۔ رات کو کسی نے اسے ٹانگ سے پکڑ کر کمرے سے باہر پھینک دیا تو اس نے چیخ و پکار کی۔ صبح ہوئی تو تیلیوں نے ہمارے بزرگوں سے اس واقعہ کو بیان کیا۔ ہمارے بزرگوں نے ان سے کہا کہ اس کمرے میں نہ سویا کریں۔ اب بھی ہم دادا (ابوالحسن) کے نام کی فاتحہ دلواتے ہیں۔“ [۴]

پونڈری میں ترمذی سادات کے ہاں کوئی بچّہ پیدا ہوتا تو وہ خاندان کی ایک بزرگ خاتون بوشریفن کے لیے فاتحہ خوانی کا اہتمام بھی باقاعدگی سے کرتے تھے۔ وہاں پھوپھی کو بو کہتے تھے اور اسی نسبت سے شریفن کو بوشریفن کہتے ہیں۔ سیّد علی ظہیر کے مطابق: ”بوشریفن ہمارے خاندان کی ایک بزرگ خاتون تھیں۔ جب خاندان میں کسی کے ہاں بچّہ پیدا ہوتا تو پرانے زمانہ سے ہمارے ہاں چھوانی بنتی تھی۔ ایک پیالہ میں چھوانی ڈال کر بوشریفن کے نام کی فاتحہ دے دی جاتی تھی۔ خاندان کی بیٹی یا خاندان کی بہو چھوانی کھا سکتی تھی۔ غیر خاندان سے آئی ہوئی بہو چھوانی نہیں کھا سکتی تھی۔“ [۵] سیّد عابد حسین کے مطابق: ”چھوانی دیسی گھی سے بنتی تھی اور اس میں میوہ، چینی، پھول مکھانے، گوند کتیرا، اجوائین، سونف، بادام، ناریل وغیرہ ڈالتے تھے۔ چھوانی گاڑھی ہوتی تھی اور زچہ کو کھلانے کے لیے بنائی جاتی تھی۔ جب چھوانی بن جاتی تو سب سے پہلے اسے ایک پیالہ میں ڈال کر بوشریفن کی فاتحہ دلواتے تھے۔ اسے کوئی کھاتا نہیں تھا۔ چھوانی والے پیالہ کو چھت پر رکھ دیتے تھے۔ صبح کو پیالہ صاف ملتا تھا۔ ہم یہ ضرور کرتے تھے۔ ہندوستان میں بھی کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں۔“ [۶]

---

۱ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۲۸ جنوری ۲۰۱۸ء
۲ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء
۳ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۲۸ جنوری ۲۰۱۸ء
۴ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء
۵ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۲۸ جنوری ۲۰۱۸ء
۶ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء

دوسرا باب

گوہلہ

تقسیم ہند سے پہلے گوہلہ ضلع کرنال کی تحصیل کیتھل میں ترمذی سادات کا ایک قدیم مگر چھوٹا گاؤں تھا۔ ۱۸۹۲ء کے کرنال ڈسٹرکٹ گزٹیئر میں سیّدوں کا گوہلہ کے مالک ہونے کا ذکر ہے۔ اسی گزٹیئر میں مزید لکھا ہے: "تیمور نے گوہلہ میں سیّدوں کو پایا جب اس نے ۱۳۹۶ء میں گھگر پار کیا۔"[1] ۱۹۱۸ء کے ڈسٹرکٹ گزٹیئر کے مطابق: "تیمور نے اپنی یادداشتوں میں گوہلہ کا ذکر ایسی جگہ کے طور پر کیا ہے جہاں اس کی حملہ آور فوج نے ایک پل کے ذریعے دریائے گھگر کو پار کیا۔ یہ پل اب بھی دریا کی پرانی 'پران برانچ' میں دیکھا جا سکتا ہے۔"[2]

ایک مشہور روایت کے مطابق تقسیم ہند سے کوئی ۹۰۰ سال پہلے اس وقت کے بادشاہ نے سیّد شہاب الدین بن شاہ زید بن احمد زاہد کو ۱۲ گاؤں دیے جن میں گوہلہ بھی شامل تھا۔ شہاب الدین کے فرزند میراں شاہ حامد عرف نو بہار شاہ کا مزار گوہلہ میں ہے۔ ان کی اولاد گوہلہ میں رہتی تھی۔[3]

خاندان

گوہلہ کے تین محلّے — گڑھی محلہ، اکبر کا محلہ اور لیڈری محلہ — تھے جن میں سیّدوں کے کئی خاندان رہتے تھے۔ تقسیم ہند سے کچھ پہلے ان میں ذیلداروں کا خاندان اور اکبر علی کا خاندان بڑے تھے۔ کچھ چھوٹے خاندان تھے جن کے بزرگوں کے مطابق ان کے آباء کا سلسلہ نسب کچھ اوپر جا کر ان دونوں خاندانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مل جاتا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے علاقوں سے سیّد اور غیر سیّد مسلمان اور ہندو بھی ترمذی سادات کی دعوت پر گوہلہ آکر آباد ہوئے۔

گڑھی محلہ

تقسیم ہند سے پہلے گڑھی محلہ میں سیّد برادری کے کم از کم مندرجہ ذیل بزرگ آباد تھے:

---

۱ Gazetteer of the Karnal District 1892, P 122, Lahore

۲ Punjab District Gazetteers, P 224, Vol VI-A, Karnal District, 1918

۳ مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ — ص ۲۷۱
شجرہ نسب ترمذی سادات

ذیلدار محمد بخش

محمد بخش گوہلہ کے بڑے زمیندار تھے۔ آدھا گاؤں ان کی جاگیر تھا۔[۱] انہیں چوہدری بھی کہتے تھے کیونکہ ذیلداری نظام سے پہلے دیہاتوں میں بڑے زمینداروں کو چوہدری کہا جاتا تھا۔ سید کھیڑی کے سیّد نذر حسین نے اپنی یادداشتوں میں محمد بخش کے نام کے ساتھ سیّد اور چوہدری لکھا ہے۔ چوہدری صاحب نذر کے نانا تھے اور ان کی پہلی زوجہ جعفری کے دادا تھے۔[۲] ضلع کرنال میں ۱۸۸۳ء میں ذیلداری نظام کا آغاز ہوا تو محمد بخش بھی ذیلدار تعینات ہوئے۔ ۱۹۱۸ء کے کرنال ڈسٹرکٹ گزٹیئر کے مطابق: "ضلع کرنال میں ذیلداری نظام کا آغاز مسٹر ابٹسن کی پانی پت تحصیل اور کرنال پرگنا کی سیٹلمنٹ سے ہوا۔ کچھ ہی عرصہ بعد یہ نظام ضلع کے باقی علاقوں تک بڑھا دیا گیا۔ موجودہ تھانیسر تحصیل اس میں شامل نہیں تھی۔ تھانیسر میں کوئی ذیلدار متعین نہیں کیا گیا اگرچہ انام دار (سفید پوش) بنائے گئے جو عملی طور پر ہر چیز میں ذیلداروں کی طرح تھے ماسِوا تنخواہ کے۔ جس خطہ کو مسٹر ڈوئی نے سیٹل کیا اس میں سفید پوش اناموں کو ذیلداری کے نظام کے ساتھ ہی بنایا گیا۔"[۳] ۱۸۹۲ء کے کرنال ڈسٹرکٹ گزٹیئر کے مطابق ضلع کرنال کی تحصیل پانی پت میں سات، تحصیل کرنال میں ۱۶ اور تحصیل کیتھل میں ۱۵ ذیلدار تھے۔ گوہلہ ذیل میں ۴۱ گاؤں تھے اور تحصیل کیتھل کی مزید ۱۴ میں سے کسی ذیل میں اتنے گاؤں نہیں تھے۔ ہر ذیلدار کو اس کے سرکل میں زمین سے جو آمدنی حکومت کو ہوتی تھی اس کا ایک فیصد الاؤنس دیا جاتا تھا۔[۴] راجیت کے مازومدر نے ذیلدار کے عہدے کے بارے میں لکھا: "یہ عہدہ خاصا اہم تھا کیونکہ اس کے ذریعہ استعماری سٹیٹ کا اثر و رسوخ گاؤں تک پہنچ گیا تھا۔ ذیلدار سابقہ زمانہ کے چوہدریوں کی نمائندگی کرتے تھے۔ انہیں ڈپٹی کمشنر چنتا تھا۔ اس میں وہ ذات، قبیلہ، لوکل اثر و رسوخ، کتنی زمین ہے، اس نے اور اس کے خاندان نے سٹیٹ کے لیے کیا خدمات انجام دیں، ذاتی کردار اور قابلیت کا خیال رکھتا تھا۔"[۵]

ذیلدار محمد بخش کی پرپوتی سیّدہ افضال فاطمہ کے مطابق: "میرے دادا کے ماتحت ۳۶ گاؤں تھے۔ وہ ذیلدار بنے تو ان پر دوشالے ڈالے گئے اور تلواروں کا سایہ ان پر رہتا تھا۔"[۶]

ذیلدار محمد بخش کے دو بیٹے محمد امیر اور محمد حسین اور سات بیٹیاں تھیں جن میں کرم النساء، خدیجہ عرف خدیجن، مریم النساء اور کلثوم شامل تھیں۔ تین بیٹیوں کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ ان تینوں کی شادیاں سیانہ سیداں کے تین بھائیوں

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۳ Punjab District Gazetteers, P 187, Vol VI-A, Karnal District, 1918

۴ Gazetteer of the Karnal District 1892, PP 124-126, Lahore

۵ The Indian Army and the Making of Punjab, Rajit K Mazumder, P 97, Published by Permanent Block, Delhi, 2003

۶ سیّدہ افضال فاطمہ عرف جالو دختر مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

بہار بخش، محمد حسن اور محمد حسین سے ہوئیں۔ ذیلدار محمد بخش کی بیٹی کرم النساء کی شادی سید کھیڑی کے حسین بخش ولد الٰہی بخش سے، خدیجن کی شادی گوہلہ ہی میں ان کے چچا کے بیٹے شریف سے، مریم النساء کی شادی ٹھسکہ میراں جی کے عطا حسین ولد نُور محمد سے اور کلثوم کی شادی ٹھسکہ میراں جی کے نذیر حسین ولد نُور محمد سے ہوئی۔ محمد بخش کی بیٹی خدیجن بیوہ ہو گئی تھیں اور ان کے اولاد نہیں تھی۔ اس وقت کے دستور کے مطابق ان کے مرحوم خاوند کی زمین ان کے نام ہو گئی تھی۔ گوہلہ میں خدیجن کی بہت عزّت تھی۔ وہ گاؤں میں عزاداری کی سرپرستی کرتی تھیں۔ ان کے بھائی محمد امیر اور محمد حسین ان کی بات مانتے تھے۔ خدیجن زین العابدین ولد محمد یٰسین کو بچپن میں سید کھیڑی سے گوہلہ لے آئیں، ان کی پرورش کی اور انہیں گورنمنٹ لوئر مڈل سکول گوہلہ میں داخل کروا دیا۔ زین العابدین نے چھٹی جماعت تک تعلیم خدیجن کے پاس رہ کر حاصل کی۔ زین العابدین کا خدیجن کے ساتھ دوہرا رشتہ تھا۔ وہ ان کی ایک بہن کرم النساء کے پوتے اور دوسری بہن مریم النساء کے نواسے تھے۔ ذیلدار محمد بخش کی چار بیٹیوں کی اولاد سید کھیڑی، ٹھسکہ میراں جی اور سیانہ سیداں میں رہی اور ان کے آپس میں اور گوہلہ میں اپنے نانکوں کے ساتھ مضبوط روابط رہے۔ وہ ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں شریک ہوتے تھے اور ایک دوسرے کے مددگار تھے۔ ان کی رشتہ داریاں اگلی نسلوں میں بھی ہوتی رہیں۔[1]

ذیلدار محمد امیر

ذیلدار محمد بخش کے بڑے بیٹے محمد امیر اپنے والد کی وفات کے بعد ذیلدار بنے۔ اپنے والد کی طرح ان کا علاقہ میں اثر و رسوخ تھا اور نو بہار شاہ کے مزار کی دیکھ بھال بھی انہیں ورثہ میں ملی۔[2] ذیلدار محمد امیر نے چار شادیاں کیں۔ ایک شادی انہوں نے ٹھسکہ میراں جی میں قاضی نُور محمد کی بیٹی سے کی اور ان کے ایک بیٹی جعفری پیدا ہوئیں۔[3] دوسری شادی انہوں نے سیانہ سیداں میں بہار بخش کی بہن سے کی جو لاولد رہیں۔[4] تیسری شادی انہوں نے راجگڑھ میں محمد رضا حسین نمبردار کی پھوپھی سے کی اور ان کے ایک بیٹا کاظم حسین اور دو بیٹیاں کاظمی اور سلامتی بیگم ہوئیں۔[5] چوتھی شادی انہوں نے گوہلہ ہی میں محمدی بیگم عرف منہدی دختر خدا بخش سے کی اور ان کے دو فرزند مسلم حسین اور اختر حسین اور دو بیٹیاں آمنہ خاتون اور بشیرن بیگم ہوئیں۔[6]

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
سیّدہ افضال فاطمہ عرف جالو دختر مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء
سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۲ مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ — ص ۲۷۳

۳ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۴ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۵ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۶ سیّدہ افضال فاطمہ عرف جالو دختر مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۱۹ جولائی ۲۰۱۰ء

محمد امیر کی بیٹی جعفری کی شادی سید کھیڑی کے نذر حسین ولد حسین بخش سے ہوئی۔ نذر جعفری کی پھوپھی کے بیٹے تھے۔ کاظمی کی شادی سیانہ سیداں کے سجاد حسین ولد شبیر حسین سے ہوئی۔ سجاد کاظمی کے پھوپھی زاد بھائی کے فرزند تھے۔ سلامتی کی شادی راجگڑھ کے محمد رضا حسین ولد علی حسین نمبردار سے ہوئی۔ رضا سلامتی کے ماموں کے بیٹے تھے۔ آمنہ کی شادی راجگڑھ کے منوّر حسین ولد تصوّر حسین سے اور بشیرن کی شادی گوہلہ کے زوّار حسین ولد محمد حسین سے ہوئی۔ زوّار بشیرن کے چچا کے بیٹے تھے۔

سیّد زین العابدین نے کہا: ”ذیلدار محمد امیر کو تیز بخار ہوا۔ میں نے دیکھا کہ پٹیاں بھگو کر ان کے جسم پر رکھتے تھے لیکن افاقہ نہ ہوا اور اسی بیماری میں ان کا انتقال ہوا۔“

محمد حسین

ذیلدار محمد بخش کے چھوٹے فرزند محمد حسین بڑے زمیندار تھے۔ وہ پٹواری بھی تعینات تھے۔ انہوں نے تین شادیاں کیں۔[۱] ایک شادی انہوں نے سیانہ سیداں کے بہار بخش کی بہن سے کی جو بے اولاد رہیں۔[۲] دوسری شادی سے ان کے ایک بیٹی کنیز ہوئیں۔ کنیز کی شادی راجگڑھ کے مشتاق حسین ولد اللہ دیا سے ہوئی۔[۳] محمد حسین نے تیسری شادی بیگم فاطمہ عرف بیگو سے پیہوہ میں کی اور ان کے دو بیٹے زوّار حسین اور ذوالفقار حسین ہوئے۔ بیگو گوہلہ کے جعفر حسین کی زوجہ عزیزن کی بہن تھیں۔[۴]

ذیلدار کاظم حسین

کاظم حسین کے والد ذیلدار محمد امیر اور دادا ذیلدار محمد بخش تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد وہ ذیلدار تعینات ہوئے۔ وہ ڈسٹرکٹ بورڈ کی رکنیت کے الیکشن میں بھی حصّہ لیتے تھے اور جیت جاتے تھے اگرچہ وہ اس سلسلہ میں کبھی کسی سے ووٹ نہیں مانگتے تھے۔ کاظم کے مقابلہ میں ہندو جاٹ فرسنگ داس الیکشن لڑتا تھا لیکن اس کی برادری والے بھی کاظم کو ووٹ دیتے تھے۔[۵] ڈسٹرکٹ بورڈ اور اس کی رکنیت کی اہمیت کو جاننے کے لیے ۱۹۱۸ء کے کرنال ڈسٹرکٹ گزٹیئر کی مندرجہ ذیل تحریر پر ایک نظر ڈالنا کافی ہے:

”ضلع میں لوکل سطح پر ڈسٹرکٹ بورڈ حکومت کرتا ہے۔ کرنال ڈسٹرکٹ بورڈ ۳۲ منتخب، چھ متعین کردہ اور

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۳ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۳ مارچ ۲۰۱۰ء

سیّد ابو ثمامہ ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۰ فروری ۲۰۱۱ء

۴ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۵ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۳ مارچ ۲۰۱۰ء

۱۰ بحیثیت عہدہ ارکان پر مشتمل ہے۔ ضلع کو ۳۲ انتخابی حلقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر حلقہ میں ایک یا دو ذیلیں ہوتی ہیں۔ انتخاب میں ووٹ دینے کا اہل وہ شخص ہوتا ہے جس کی عمر ۲۱ سال ہو اور وہ لوکل شرح پر ایک متعین حد یا اس سے زیادہ ٹیکس دیتا ہو، یا پھر وہ شخص نمبردار ہو۔ پچھلے الیکشن میں کئی آسامیوں پر دلچسپ مقابلہ ہوا۔ بورڈ کی رکنیت عزّت کی پوسٹ سمجھی جاتی ہے۔ بورڈ کا ایگزیکٹو کام ڈپٹی کمشنر کرتا ہے۔ بورڈ کا سب سے اہم کام پبلک ورکس کا انتظام ہے جو کافی زیادہ ہے۔ کرنال ڈسٹرکٹ بورڈ کے تحت مندرجہ ذیل جائیدادیں ہیں: ۴ ورنیکلر مڈل سکول، ۹۹ پرائمری سکول برائے طلباء، ۱۱ پرائمری سکول برائے طالبات، ایک انڈسٹریل سکول، ۱۰ ایڈڈ پرائیویٹ پرائمری سکول، ۱۲ ہسپتال اور ڈسپنسریاں، ۴۷ مویشی تالاب، ۹۶ ۱/۲ میل پکے روڈ، ۸۰ ۱/۲ میل نا پختہ روڈ، ۱۱ صوبائی عمارتیں (۴ تحصیل اور ۷ سول ریسٹ ہاؤس) اور ڈاک بنگلہ، ۴ ڈسپنسریاں برائے حیوانات، ۶ ڈسٹرکٹ بورڈ ریسٹ ہاؤس اور عمارتیں، ۶ سرائے، ۱۳ کشتیاں (۹ جمنا میں اور ۴ گھگر اور سروستی ندی میں) اور کرنال میں ایک اسٹیشن گارڈن۔ کرنال کا کنگ ایڈورڈ میموریل ہسپتال جس کا افتتاح پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر لوئس ڈان نے ۳۱ مارچ ۱۹۱۳ء کو کیا خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ بہت اچھا اور آراستہ پیراستہ ہسپتال ہے۔ اس کی تعمیر پر دو لاکھ پچاس ہزار روپے کی لاگت آئی جس میں سے ۸۲۸، ۶۴ روپے مختلف علاقوں کی بلدیہ اور ضلع کے پبلک دوست رہائشیوں سے اکٹھے کیے گئے، حکومت نے ۰۰۰، ۱۰ روپے کی گرانٹ دی اور باقی ڈسٹرکٹ بورڈ کے فنڈز سے لیے گئے۔ مزید برآں سروستی نہر ہے جسے بورڈ نے ۱۸۹۶ء میں تعمیر کیا۔"[1]

ٹھسکہ کے صوفی عبدالحمید نے ایک دفعہ قاضی محمد شفیع سے کہا: "ذیلدار کاظم حسین سے کہو کہ اس دفعہ مجھے ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر بننے دے۔" قاضی صاحب ہنسنے لگے اور کہا: "تم خود اس سے کہو۔" صوفی صاحب نے کہا: "نہیں، تم اسے مناؤ۔" قاضی صاحب نے کہا: "اچھا، میں اسے خط لکھتا ہوں۔" صوفی صاحب نے کہا: "نہیں، تم خود جا کر اسے کہو۔" قاضی شفیع گوہلہ گئے اور کاظم سے کہا: "صوفی صاحب کہتے ہیں کہ اس دفعہ اسے ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر بننے دو۔" کاظم نے ہنس کر کہا: "وہ کیا کرے گا، اسے کچھ آتا تو ہے نہیں۔" قاضی شفیع نے کہا: "اس نے میرے ذریعہ سفارش کروائی ہے۔" کاظم نے کہا: "ٹھیک ہے ہم اس کی حمایت کریں گے۔" پھر کاظم کی حمایت سے صوفی صاحب ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر بن گئے۔ ایک دفعہ ایک ہندو تاجر نے کاظم سے کہا: "آپ زمیندار ہیں، مجھے ممبر بنوا دیں۔" کاظم اس کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ ذیلدار کاظم حسین کو 'نیلی کا راجہ' کہتے تھے[2] کیونکہ گوہلہ ذیل میں شامل گاؤں تحصیل کیتھل کے نیلی خطہ میں واقع تھے۔ ذیلدار کاظم حسین شاعر بھی تھے۔ ان کا ایک شعر یہ ہے:

---

۱ Punjab District Gazetteers, PP 190-191, Vol VI-A, Karnal District, 1918

۲ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا/خانیوال — ۲ اکتوبر ۲۰۱۵ء، ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

الٰہی فضل کر اپنا حکومت نامزد کر دے
بڑا مشکل ہے پبلک کی طرف سے منتخب ہونا[1]

گمتھلا کے رانا پھول کی عمر آٹھ نو سال تھی کہ ان کے والد انتقال کر گئے۔ رانا پھول کی والدہ ذیلدار کاظم حسین کے پاس آئیں اور ان سے اپنے بیٹے کی سرپرستی کرنے کا کہا۔ کاظم نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے رانا پھول کو ذیلدار بنوا دیا۔[2] سیّد محمود علی کہتے تھے کہ گوہلہ سے جب کوئی نائب تحصیلدار یا تھانیدار تبدیل یا ریٹائر ہو کر جاتا تو وہ اپنی جگہ آنے والے افسر کی راہنمائی کے لیے رجسٹر میں درج کر جاتا تھا کہ جو گوہلہ میں نائب تحصیلدار یا تھانیدار رہنا چاہتا ہے اسے کاظم حسین سے بنا کر رکھنی چاہیے۔[3] ذیلدار کاظم کے کہنے پر چور بھی چوری کیا ہوا مال مالک کو واپس کر دیتے تھے۔ وہ بھی ایسے چوروں کو پولیس کے اقدام سے بچا لیتے تھے۔ علاقہ کے ہندو بھی کاظم کی بات مانتے تھے۔ کاظم کی مہمانداری بھی بڑی تھی۔ ان کے جاگیردار دوست شکار کھیلنے کے لیے ان کے پاس آتے رہتے تھے۔ وہ گھر کی بجائے مہمانوں کے ساتھ دیوان خانہ میں کھانا کھاتے تھے۔[4] کاظم کا خرچ چونکہ زیادہ تھا اس لیے انہیں قرضہ بھی لینا پڑتا تھا۔[5]

ان دنوں کچھ سرکاری ملازمتوں کے لیے امیدواروں کے پاس کچھ زمین کا ہونا ضروری تھا۔ ذیلدار کاظم حسین نے کئی افراد کے نام پانچ ایکڑ فی کس زمین لگوائی جس کے باعث ان افراد کو نوکری ملی۔ زمین پر قبضہ کاظم کا ہی رہا۔ تاہم وہ زمین جو کاظم نے بھلائی کے طور پر لوگوں کے نام لگوائی تھی قیام پاکستان کے بعد ان کے ورثا کو نہ ملی۔[6]

ذیلدار کاظم حسین کی شادی ٹھسکہ میں ان کی پھوپھی کی بیٹی اصغری بیگم عرف مسیتی دختر قاضی نذیر حسین سے ہوئی۔ کاظم اور مسیتی کے ایک فرزند مہدی اصغر اور پانچ بیٹیاں نثار فاطمہ، عزیز فاطمہ، انعام فاطمہ، اقبال فاطمہ اور ضمیر فاطمہ ہوئیں۔[7] کاظم اپنے بچّوں اور عزیزوں سے بہت محبّت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے بیوی بچّوں اور بہنوں کے لیے جوتے لے کر آئے۔ ان کی بہن بشیرن کے جوتے پورے نہ آئے تو کاظم نے کہا کہ جب تک بشیرن کے جوتے دوبارہ نہیں آجاتے کوئی اپنے جوتے نہیں پہنے گا۔ وہ بشیرن کے لیے دوبارہ جوتے لائے تو باقیوں نے بھی اپنے جوتے پہنے۔ کاظم اپنی بہنوں آمنہ اور بشیرن کو باقاعدگی سے گندم اور دوسرا اناج دیتے تھے۔ ان کی بہن بشیرن زیادہ تر ان کے پاس رہتی تھیں۔ ان کی بہن سلامتی بھی اکثر راجگڑھ سے آکر ان کے پاس رہتی تھیں۔ وہ اپنے بیٹے مہدی اصغر کو ایک طرف اور اپنی بہن سلامتی کے بیٹے

---

۱ رانا پھول محمد خان ولد رانا محمد قربان خان (سابق رہائشی گمتھلا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد سہیل اصغر عابدی ولد مہدی اصغر بالمشافہ — کبیر والا — ۲۶ دسمبر ۲۰۱۹ء

۲ سیّد وقار حسین عرف چھمن ولد اختر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۴ مئی ۲۰۰۷ء

۳ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء

۴ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۳ ستمبر ۲۰۱۶ء

۵ سیّد ابو ثمامہ ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۰ فروری ۲۰۱۱ء

۶ سیّدہ افضال فاطمہ عرف جالو دختر مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۱۹ جولائی ۲۰۱۰ء

۷ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

غلام مرتضیٰ کو دوسری طرف اپنے ساتھ لٹاتے تھے۔ وہ جو کپڑا اپنے بیٹے مہدی اصغر کے لیے لاتے وہی کپڑا اپنی بہن بشیرن کے بیٹے زائر حسین کے لیے بھی لاتے تھے۔[۱] ایک مرتبہ ذیلدار کاظم حسین صوفی عبدالحمید کی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لیے ٹھسکہ گئے تو حسب معمول قاضی محمد شفیع کے گھر ٹھہرے۔ جب وہ دونوں شادی میں جانے لگے تو قاضی شفیع کے بیٹے اصغر مہدی نے بھی ساتھ جانے کی ضد کی۔ قاضی شفیع نے بیٹے کو ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا۔ کاظم حسین نے کہا: ’’اصغر میرے ساتھ جائے گا۔‘‘ پھر انہوں نے اصغر کو اپنی انگلی پکڑوائی اور شادی میں بچّے کو سارا وقت اپنے ساتھ رکھا۔[۲]

ذیلدار کاظم حسین کو ٹی بی کا مہلک مرض لاحق ہوا تو علاج کے لیے انہیں شملہ کے ٹی بی سینیٹوریم میں داخل کیا گیا اور وہیں ۱۹۴۲ء میں ۴۵ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ شملہ سے گوہلہ تک ان کے جنازہ کے جلوس میں بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی اور غم کا اظہار کیا۔ ضلعی حکومت نے لوکل سطح پر چھٹی کر کے ان کی خدمات کا اعتراف کیا۔ انہیں گوہلہ میں دفن کیا گیا۔[۳] علاقہ کے لوگوں کی کاظم سے محبّت کا فائدہ ان کے خاندان والوں کو ان کی وفات کے بعد بھی ہوا۔ ان کے چھوٹے بھائی اختر حسین نے ڈسٹرکٹ بورڈ کے الیکشن میں حصّہ لیا تو وہ آسانی سے جیت گئے۔ لوگوں نے یہ کہہ کر اختر کو ووٹ دیے: ’’ہم کاظم کی قبر کو ووٹ دے رہے ہیں۔‘‘ [۴]

کاظم نے ایک ہندو بنیے سے قرض لیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی بیوہ اصغری بیگم عرف مسیتی نے بنیے کی عورت کو بلایا اور زیورات سے بھرے ہوئے دو چھج اس کے سامنے رکھ کر کہا: ’’یہ زیور لے جاؤ اور اگر اس سے تمہارا قرض پورا نہ ہو تو بتانا تاکہ مزید دیا جائے۔‘‘ ہندو عورت اپنے گھر جا کر اپنے مرد سے بات کر کے آئی اور کہا: ’’ہمارا کوئی قرض ذیلدار کاظم کے ذِمّہ نہیں ہے۔‘‘ مسیتی کہتی تھیں: ’’مجھے قرض لینے کا تو پتہ ہے لیکن یہ نہیں پتہ کہ کاظم نے قرض کب واپس کیا۔ میرا خیال ہے کہ بنیے نے وہ قرض اس لیے واپس نہیں لیا کیونکہ کاظم ہندوؤں کے بہت سے کام کرتے تھے اور ان میں بہت مقبول تھے۔‘‘ [۵]

ذیلدار کاظم حسین کی بھتیجی سیّدہ افضال فاطمہ نے کہا: ’’جب تایا کاظم کو ٹی بی کے موذی مرض کے باعث اپنی زندگی کے ختم ہونے کا اندازہ ہوا تو انہوں نے اپنے بھائی مسلم حسین کے نام وصیت تحریر کی جس میں انہیں تاکید کی کہ وہ ہر حال میں اپنی بیٹی افضال فاطمہ کی شادی ان کے اکلوتے بیٹے مہدی اصغر سے کریں۔ تایا کاظم نے اپنی بیٹیوں کی شادی کے لیے بھی اپنی پسند کا اظہار اپنی وصیت میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ ان کی بیٹی عزیز فاطمہ کی شادی محمد زمان ولد سجاد حسین سے، انعام فاطمہ کی شادی غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین سے، اقبال فاطمہ کی شادی زائر حسین ولد زوّار حسین سے اور ضمیر فاطمہ

---

۱ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۲۲ جولائی ۲۰۱۷ء

۲ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۰ نومبر ۲۰۰۵ء

۳ مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ — ص ۲۷۲

۴ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — خانیوال — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

۵ سیّد وقار حسین عرف چھمن ولد اختر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۲ ستمبر ۲۰۱۶ء

کی شادی وقار حسین عرف چھمن ولد اختر حسین سے کی جائے جب کہ ان کی بڑی بیٹی نثار فاطمہ کا اللہ نگہبان ہے۔"[۱]

ذیلدار کاظم حسین کی بڑی بیٹی نثار فاطمہ نے گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول گوہلہ سے چار جماعتیں پاس کیں۔[۲] وہ بہت ملنسار اور محبّت کرنے والی خاتون تھیں۔ ٹھسکہ کی بشیری بیگم دختر قاضی محمد شفیع سے ان کی گہری دوستی تھی۔[۳] نثار فاطمہ بچّوں سے بھی بہت پیار کرتی تھیں۔ اپنے چچا کے بیٹے وقار حسین عرف چھمن، جن کی عمر تقسیم ہند کے وقت چھ سال تھی، سے وہ غیر معمولی شفقت کا اظہار کرتی تھیں کیونکہ چھمن کی والدہ فوت ہوگئی تھیں اور ان کے والد اختر حسین نے دوسری شادی کر لی تھی۔ اختر جو کسی سے نہیں دبتے تھے اپنی بھتیجی نثار فاطمہ کی ہر بات سنتے اور مانتے تھے۔ نثار فاطمہ کی شادی ۱۹۴۶ء میں پونڈری کے راحت حسین ولد عادل حسین سے ہوئی۔ ان کے جہیز میں ان کے سسرال کے گھر میں کام کرنے والی خواتین جنہیں کمّی کہتے تھے کے جوڑے بھی شامل تھے۔[۴] ذیلدار کاظم حسین کی دوسری بیٹی عزیز فاطمہ نے گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول گوہلہ سے پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔[۵] ان کی شادی سیانہ سیداں کے محمد زمان ولد سجاد حسین سے مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۴۶ء بروز اتوار ہوئی۔[۶] اپنی بڑی بہن نثار فاطمہ کی طرح عزیز فاطمہ کی بھی بشیری بیگم دختر قاضی محمد شفیع کے ساتھ دوستی تھی۔[۷] کاظم کی بیٹیاں انعام فاطمہ اور اقبال فاطمہ عرف بالی تقسیم ہند کے وقت سکول میں پڑھتی تھیں اور ضمیر فاطمہ چھوٹی تھیں۔[۸] انعام فاطمہ کی اپنی ہم عمر کئی ہندو لڑکیوں کے ساتھ دوستی تھی، یہاں تک کہ ان کی والدہ انہیں (یعنی انعام فاطمہ کو) 'ہندنی' کہتی تھیں۔[۹]

مسلم حسین

مسلم حسین کے والد ذیلدار محمد امیر اور دادا ذیلدار محمد بخش تھے۔ انہوں نے گورنمنٹ لوئر مڈل سکول گوہلہ سے چھ جماعتیں پاس کیں۔ وہ پٹواری کی حیثیت سے تعینات ہوئے۔ انہوں نے گوہلہ میں اینٹوں کا ایک بھٹہ لگایا جس میں پٹیالہ کا

---

۱ سیّدہ افضال فاطمہ عرف جالو دختر مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۱۹ جولائی ۲۰۱۰ء

۲ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۵ اکتوبر ۲۰۱۸ء

۳ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۳ مارچ ۲۰۱۰ء

۴ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۳ ستمبر ۲۰۱۶ء

۵ سیّدہ عزیز فاطمہ دختر ذیلدار کاظم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد ارشد زمان انجم ولد محمد زمان بالمشافہ — راولپنڈی — ۷ اکتوبر ۲۰۱۸ء

۶ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۷ سیّدہ عزیز فاطمہ دختر ذیلدار کاظم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی

۸ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۵ اکتوبر ۲۰۱۸ء

۹ سیّدہ اصغری بیگم عرف مسیتی زوجہ ذیلدار کاظم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد انجم رضا ولد غلام مرتضیٰ بذریعہ فون — لاہور — ۱۵ مئی ۲۰۲۰ء

ابراہیم تیلی ان کا شراکت دار تھا اور وہی بھٹہ کو چلاتا تھا۔[1] مسلم کہا کرتے تھے: ”ہم بدمعاشوں کے ساتھ بدمعاش اور شریفوں کے ساتھ شریف ہیں۔“ [2] ذیلدار محمد امیر کے فرزند اور ذیلدار کاظم حسین کے بھائی ہونے کی وجہ سے گاؤں میں مسلم کا اثر و رسوخ تھا۔ اکبر کے محلہ میں اعجاز حسین اور علی حیدر کی بیگمات بالترتیب صفیہ اور رقیہّ بہنیں تھیں۔ ایک دفعہ انہوں نے بتول بیوہ احمد حسین سے جھگڑا کیا۔ بتول نے ان کے خلاف تھانہ میں درخواست دے دی۔ پولیس نے ان دونوں بہنوں کو تھانہ بلایا تو وہ گڈے پر بیٹھ کر تھانہ چلیں۔ کسی نے مسلم حسین کو اطلاع دے دی۔ مسلم ان دونوں بہنوں سے پہلے وہاں پہنچ گئے۔ جب صفیہ اور رقیہّ تھانہ کے باہر پہنچیں تو مسلم نے ان سے کہا کہ وہ گڈے پر بیٹھی رہیں۔ مسلم خود تھانہ کے اندر گئے اور پولیس والوں سے کہا: ”خواتین کا بیان باہر گڈے پر ہی لیں۔ وہ تھانہ کے اندر نہیں آئیں گی۔“ پولیس نے دونوں بہنوں کا بیان گڈے پر ہی قلمبند کیا۔

مسلم حسین کی شادی سروری بیگم دختر عطا حسین سے ٹھسکہ میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے تین بیٹے مختار حسین عرف احسن، سخاوت رسول اور حسن امام اور دو بیٹیاں انعام فاطمہ اور افضال فاطمہ عرف جالو ہوئیں۔ انعام فاطمہ اور افضال فاطمہ کے نام ان کے تایا ذیلدار کاظم حسین نے رکھے۔ انعام فاطمہ ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئیں اور تین سال کی عمر میں ان کے نانا عطا حسین کے گھر ٹھسکہ میں ان کا انتقال ہوا۔ افضال فاطمہ ۱۹۳۹ء، احسن ۱۹۴۲ء، سخاوت ۱۹۴۴ء اور حسن امام ۱۹۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ جب افضال فاطمہ پیدا ہوئیں تو ذیلدار کاظم حسین نے انہیں گود میں اٹھایا اور کہا: ”یہ میرے گھر کا چراغ ہے۔“ انہوں نے اپنے بیٹے مہدی اصغر کی افضال فاطمہ سے شادی کرنے کا اعلان بھی اسی وقت کر دیا۔ کسی نے کہا کہ وہ تو پہلے ہی اپنے بیٹے کی کسی اور سے شادی کرنے کا کہہ چکے ہیں تو انہوں نے کہا: ”میرا بیٹا دو شادیاں کرے گا۔“ ذیلدار خاندان میں کسی کو کاظم کے فیصلوں پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں تھی۔[3]

۱۹۴۴ء میں سخاوت رسول کی پیدائش سے کچھ روز پہلے سروری بیگم زوجہ مسلم حسین نے اپنے پڑوس میں جھگڑنے کی آواز سنی۔ اگرچہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لیکن وہ لڑائی کا منظر دیکھنے کے لیے اپنے گھر کی چھت پر چڑھ گئیں اور جھگڑنے والوں کو دیکھنے لگیں۔ لڑائی ختم ہو گئی تو وہ چھت سے نیچے اترتے ہوئے سیڑھیوں پر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکیں اور گر گئیں۔ ان کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں تھی، گرنے کے بعد زیادہ خراب ہو گئی۔ مسلم انہیں پٹیالہ لے گئے اور ہسپتال میں داخل کروا دیا۔ سیدکھیڑی سے سروری کی بہن محفوظن ان کی تیمارداری کے لیے آ گئیں۔ پٹیالہ کے ہسپتال میں سخاوت رسول پیدا ہوئے۔ سروری بیگم ایک ماہ سے کچھ زیادہ عرصہ ہسپتال میں رہیں۔ اسی دوران مسلم حسین کی ابراہیم تیلی سے ملاقات ہوئی۔ ابراہیم کا پٹیالہ میں مرغی خانہ تھا۔ مسلم کی ابراہیم کے ساتھ دوستی ہو گئی۔ مسلم کے کہنے پر ابراہیم نے ان کے

---

۱ سیّد سخاوت رسول ولد مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۱۰ مارچ ۲۰۰۹ء

۲ سیّد مسلم حسین ولد ذیلدار محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا

۳ سیّدہ افضال فاطمہ عرف جالو دختر مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی/کبیر والا — ۱۹ جولائی ۲۰۱۰ء، ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

ساتھ مل کر کاروبار کرنے کا فیصلہ کیا اور دونوں نے اشتراک سے گوہلہ میں اینٹوں کا ایک بھٹہ لگایا۔[1]

اختر حسین

اختر حسین کے والد ذیلدار محمد امیر اور دادا ذیلدار محمد بخش تھے۔ انہوں نے گورنمنٹ لوئر مڈل سکول گوہلہ سے چھ جماعتیں پاس کیں۔ ۱۹۲۴ء میں جب گوہلہ میں طاعون کی بیماری پھیلی تو وہ دوسری جماعت میں پڑھتے تھے۔[2] سید کھیڑی کے سیّد نذر حسین نے ان کے بارے میں لکھا: "اختر حسین ولد محمد امیر دِل کا دلیر، اسلام پر جان دینے والا اور ایمان کی حفاظت کرنے والا شخص ہے۔ ویسے نمازی نہیں ہے۔"[3] ۱۹۳۹ء کے لکھنؤ ایجی ٹیشن میں اختر حسین نے گرفتاری دی۔ ذیلدار کاظم حسین کی وفات کے بعد وہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر منتخب ہوئے۔

اختر حسین نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے انوری بیگم دختر محمد کاظم سے گونڈہ، یو پی، میں کی۔ محمد کاظم، جن کا تعلق سادات بھریلی سے تھا، گونڈہ میں کلرک آف کورٹ کی حیثیت سے ملازم تھے۔ دراصل انوری بیگم کے دادا بھریلی سے گونڈہ گئے تھے۔ محمد کاظم نوکری سے ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے گاؤں بھریلی واپس آ گئے تھے۔ انوری بیگم کی پرورش چونکہ گونڈہ میں ہوئی تھی اس لیے وہ سلیس اُردو بولتی تھیں۔

اختر حسین اور انوری بیگم کے ایک فرزند وقار حسین عرف چھمن ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۲ء میں ذیلدار کاظم حسین کی وفات سے دو تین ماہ پہلے انوری بیگم کا انتقال ہوا۔[4] اختر حسین نے دوسری شادی ہاشمی عرف کڑہامو دختر اللہ دیا سے گھوڑام میں کی۔[5] بابو احمد گوہلہ میں اختر کے گھر میں نوکر تھا۔[6]

مہدی اصغر

مہدی اصغر کے والد ذیلدار کاظم حسین اور دادا ذیلدار محمد امیر تھے۔ وہ ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ ذیلدار کاظم حسین نے اپنے اکلوتے بیٹے کا نام رکھنے سے پہلے گھر میں خواتین سے پوچھا کہ قاضی شفیع نے اپنے بیٹے کا کیا نام رکھا ہے۔ قاضی شفیع ٹھسکہ کے رہنے والے تھے اور چند دن پہلے ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا تھا۔ کاظم کو بتایا گیا کہ قاضی شفیع نے اپنے بیٹے کا نام اصغر مہدی رکھا ہے۔ ذیلدار کاظم نے کہا: "بس پھر میرے بیٹے کا نام مہدی اصغر ہے۔"[7] مہدی اصغر نے گورنمنٹ

---

۱ سیّد سخاوت رسول ولد مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۱۰ مارچ ۲۰۰۹ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۴ سیّد وقار حسین عرف چھمن ولد اختر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۲ ستمبر ۲۰۱۶ء

۵ سیّدہ افضال فاطمہ عرف جالو دختر مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

۶ سیّد وقار حسین عرف چھمن ولد اختر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۴ مئی ۲۰۰۷ء

۷ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۳ مارچ ۲۰۱۰ء

لوئر مڈل سکول گوہلہ سے چھ جماعتیں پاس کیں۔ ان کے سکول جانے کے دور میں ان کے والد گوہلہ سے باہر جاتے تو انہیں بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ مہدی اصغر اپنے والد کے ساتھ کرنال شہر بھی گئے۔[۱]

گوہلہ میں لوئر مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے مہدی اصغر نے پونڈری سکول میں داخلہ لیا۔ تقسیم ہند کے وقت وہ پونڈری سکول میں پڑھتے تھے۔[۲] ایک دفعہ مہدی اصغر کے چچا مسلم حسین نے ان کی والدہ اصغری بیگم عرف مسیتی بیوہ کاظم حسین سے کہا: "بھائی کاظم ہمیں تھپڑ بھی مار دیتے تھے لیکن ہم نے مہدی اصغر پہ کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔" مسیتی نے جواب دیا: "تمہارے کرتوت ایسے تھے کہ تمہارے بھائی کو تھپڑ مارنا پڑتا تھا جب کہ مہدی اصغر تو شریف بچّہ ہے اور کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کی وجہ سے مار کھائے۔"[۳]

سیّد لطیف حسین کے مطابق: "گوہلہ کے لوگ جن میں ہندو، سکھ، چوڑھے، چمار سب شامل تھے ذیلدار کاظم حسین کی وفات کے بعد ان کے فرزند مہدی اصغر کو اپنا لیڈر مانتے تھے اور ان سے محبّت کرتے تھے۔ کبیر والا میں بھی ہم مہدی اصغر کو ہی اپنا لیڈر مانتے تھے۔"[۴]

زوّار حسین

زوّار حسین کے والد محمد حسین اور دادا ذیلدار محمد بخش تھے۔ وہ اپنے والد کی طرح پٹواری کی حیثیت سے تعینات ہوئے۔ ان کی شادی ان کے تایا کی بیٹی بشیرن دختر محمد امیر سے ہوئی۔ اگرچہ دلہا اور دلہن کے گھر ایک ہی گلی میں قریب قریب تھے پھر بھی بارات بیل گاڑیوں پر آئی۔ زوّار اور بشیرن کے ایک فرزند زائر حسین ہوئے۔[۵] ایک بیٹی بھی ہوئی جو بچپن میں فوت ہو گئی۔[۶] زوّار کے فرزند زائر ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ گوہلہ کے لوئر مڈل سکول سے چھ جماعتیں پاس کرنے کے بعد انہوں نے اسماعیل آباد انگلش میڈیم سکول میں داخلہ لیا لیکن بعدازاں وہاں تعلیم کو جاری نہ رکھا اور اسی اثناء میں تقسیم ہند ہو گئی۔[۷]

---

۱ سیّدہ افضال فاطمہ عرف جالو دختر مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۱۹ جولائی ۲۰۱۰ء
۲ سیّد وقار حسین عرف چھمن ولد اختر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۳ اکتوبر ۲۰۱۸ء
۳ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۳ ستمبر ۲۰۱۶ء
۴ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۲۰ء
۵ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
۶ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۲ جولائی ۲۰۱۷ء
۷ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۳ مارچ ۲۰۱۰ء
ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

ذوالفقار حسین

ذوالفقار حسین کے والد محمد حسین اور دادا ذیلدار محمد بخش تھے۔ انہوں نے لوئر مڈل سکول گوہلہ میں تعلیم حاصل کی۔ وہ زمینداری کرتے تھے۔ انہوں نے اپنا کنواں بنوایا اور رہٹ بھی لگوایا۔ انہوں نے ایک اونٹ بھی رکھا ہوا تھا۔[1] ذوالفقار کی شادی نثار فاطمہ عرف سجادو سے سجاد پور میں ہوئی۔[2] ذوالفقار اور ان کے بڑے بھائی زوّار اپنے تایا کے بیٹوں کے مقابلہ میں قد کاٹھ والے تھے۔ ذوالفقار رضا کار فورس میں رہے جب کہ زوّار گتکا کھیلنے کے ماہر تھے اور لڑنے میں تیز تھے۔[3]

خورشید حسن

خورشید حسن کے والد محمد حسین تھے۔ محمد حسین اور ان کے بھائی سیّد نتھا زمینداری کرتے تھے۔ سیّد نتھا کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔ محمد حسین کے دو بیٹے خورشید حسن اور رضا حسین عرف نتھو ہوئے۔ خورشید بھاگل کے ریسٹ ہاؤس میں ملازم تھے۔ انگریز افسر کبھی کبھار وہاں آکر ٹھہرتے تھے۔ وہ خورشید کو پیر پادری کہہ کر پکارتے تھے۔[4] خورشید کی تنخواہ ۱۴ روپے ماہوار تھی۔ ان کی شادی شہیدن عرف سیداں سے ہوئی اور ان کے ایک فرزند بندے علی عرف بندو ہوئے۔ تقسیم ہند کے وقت بندو جوان تھے اور زمینداری کرتے تھے۔[5]

رضا حسین

رضا حسین اپنے والد محمد حسین کی طرح زمینداری کرتے تھے۔ انہیں نتھو بھی کہتے تھے۔ ان کی شادی گڑھی محلہ ہی میں بشیرن عرف شیری دختر تابع حسین عرف چیچو سے ہوئی اور ان کے دو بیٹے منظور حسین اور مشتاق حسین اور دو بیٹیاں رفیقن اور صدیقن ہوئیں۔ رضا نے اپنی بیٹی رفیقن کی شادی سیانہ سیداں کے بندے علی سے کی اور صدیقن کی شادی گوہلہ ہی میں سالم حسین ولد کرم حسین سے کی۔ صدیقن کی شادی میں ذیلداروں نے شرکت کی نہ ہی صدیقن کی بہن رفیقن اس میں شریک ہوئیں۔ صدیقن کے نانکوں میں سے بھی اس شادی میں کوئی نہ آیا۔ یہ سب لوگ اس رشتہ کے مخالف تھے۔ ذیلدار کاظم حسین نے رضا سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ صدیقن کی شادی ذوالفقار ولد محمد حسین سے کروا دیتے ہیں۔ تاہم رضا ضد کے پکے تھے اور اپنے فیصلہ پر قائم رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ زبان دے چکے ہیں اور کسی کی ناراضگی کے باعث اپنی زبان سے نہیں پھریں گے۔ رضا عرف نتھو کی کچھ زمین سیانہ میں بھی تھی۔ وہ سیانہ کے جنگل میں بھی حصہ دار تھے۔ جب جنگل کی لکڑی اور سبزی بکتی تو سیانہ سیداں کے بڑے زمیندار سجاد حسین انہیں ان کا حصّہ دیتے تھے۔ رضا نے سجاد سے کہا تھا کہ ان

---

۱ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء
۲ سیّدہ افضال فاطمہ عرف جالو دختر مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء
۳ سیّد زوّار حسین ولد محمد حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر عباس ولد ذوالفقار حسین بذریعہ فون — کبیر والا
۴ سیّد منظور حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء
۵ سیّد مشتاق حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

کا حصّہ ان کی بیٹی رفیقن، جو بیاہ کر سیانہ گئی تھیں، کو دے دیا کریں۔ رضا کے بیٹے منظور حسین کھیتی باڑی میں اپنے والد کا ہاتھ بٹاتے تھے۔[1] رضا کے چھوٹے بیٹے مشتاق حسین ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند کے وقت وہ لوئر مڈل سکول گوہلہ میں دوسری کلاس میں پڑھتے تھے۔ سکول میں ان کا استاد کرشن سنگھ تھا۔[2]

رستم علی

رستم علی عرف رسما کے والد تراب علی اور دادا نواب علی تھے۔ وہ اپنے والد کی طرح کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ان کی پہلی شادی دتال میں کاظمی سے ہوئی اور ان کے ایک بیٹی بسم اللہ ہوئیں۔ رسما نے دوسری شادی زینب بی بی دختر وصیت حسین عرف مسیتا سے سیانہ سیداں میں کی۔ رسما اور زینب کے ہندوستان میں تین بیٹے پیدا ہوئے جو وہیں فوت ہو گئے۔[3]

گاؤں میں رسما کی شہرت اچھی نہیں تھی۔ سیّد حسن رضا نے کہا: ”رسما ڈاکے مارتا تھا۔ وہ عورتوں کے اغوا اور بیچنے کا کاروبار کرتا تھا۔ پولیس نے اسے کئی مرتبہ گرفتار کیا۔ ذیلدار سفارش کر کے چھڑوا لیتے تھے۔“[4] سیّدہ بشیرن بیگم نے کہا: ”رسما نے کبھی نیاز نہیں کھائی۔ وہ کہتا تھا: 'میں برے کاموں میں پھنسا ہوا ہوں۔ پاک ہستیوں کے نام کی نیاز کھانے کے قابل نہیں ہوں۔' رسما کی پہلی بیوی نماز، روزہ کی پابند تھی اور رسما کے کرتوتوں کو پسند نہیں کرتی تھی۔ رسما نے اپنی اصلاح نہیں کی اس لیے وہ اسے چھوڑ کر چلی گئی۔“[5] سیّد ابو ثمامہ نے کہا: ”رسما ایک واہیات شخص تھا۔ وہ چوریاں کرتا تھا۔ پاکستان آکر توبہ کر گیا تھا۔ ہماری دور پار شاخ میں لگتا تھا۔“[6] سیّدہ رضیہ بیگم نے کہا: ”چاچا رسما اچھا آدمی تھا۔ لوگ اسے برا کہتے تھے۔ ہمارا علاقہ بارانی تھا۔ بارش ہوتی تو فصل ہو جاتی تھی۔ بارش نہ ہوتی تو فصل نہیں ہوتی تھی۔ پھر چوریاں کرتے تھے۔“[7] سیّدہ زینب بی بی نے کہا: ”رسما ہر ایک سے لڑائی مول لے لیتا تھا۔ وہ پولیس کے ہاتھ نہیں آتا تھا۔“[8]

مقبول حسین

مقبول حسین کے والد تابع حسین عرف چیچو اور دادا نواب علی تھے۔ مقبول کی والدہ کا نام فضہ تھا۔ وہ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ ان کی دو بہنیں بشیرن اور بیگم تھیں۔ بشیرن کی شادی گڑھی محلہ کے رضا حسین عرف نھو سے ہوئی

---

۱ سیّد منظور حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء
۲ سیّد مشتاق حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء
۳ سیّدہ زینب بی بی زوجہ رستم علی عرف رسما (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — ۳ نومبر ۲۰۱۶ء
۴ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء
۵ سیّدہ بشیرن بیگم زوجہ حسن علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء
۶ سیّد ابو ثمامہ ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۰ فروری ۲۰۱۱ء
۷ سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۹ نومبر ۲۰۱۸ء
۸ سیّدہ زینب بی بی زوجہ رستم علی عرف رسما (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — ۳ نومبر ۲۰۱۶ء

اور بیگم کی شادی گوہلہ ہی میں اکبر علی کے بیٹے محمد امیر سے ہوئی۔[۱] مقبول کھیتی باڑی کرتے تھے۔ وہ گوہلہ کے اختر حسین اور ٹھٹھہ محمد شاہ کے حاجی ریاض حسین وغیرہ کے ساتھ لکھنؤ ایجی ٹیشن کے دوران تین ماہ جیل میں رہے۔ جیل سے واپس آنے کے بعد وہ نمازی پرہیزگار بن گئے تھے۔ مقبول کی شادی امیر فاطمہ عرف ماڑو دختر محمد حسین سے دتال میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے پانچ بیٹے شبیر حسین، صغیر حسین، مصطفیٰ حسین، ذاکر حسین اور زاہد حسین اور دو بیٹیاں مصطفائی بیگم اور اصغری بیگم ہوئیں۔ مقبول کے فرزند ذاکر حسین ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے۔[۲]

علی محمد

علی محمد کے والد نواب علی اور دادا حیدر علی تھے۔ ان کی شادی زہرا سے ہوئی اور ان کے دو بیٹے علمدار حسین اور بندے علی عرف بندو اور دو بیٹیاں حیدری اور بتول ہوئیں۔ حیدری کی شادی گڑھی محلہ ہی کے طالب حسین ولد علی حسین سے ہوئی اور بتول بیاہ کر سیانہ گئیں۔ علی محمد کے فرزند علمدار گوہلہ کے نائب تحصیلدار کے دفتر میں چپڑاسی کی حیثیت سے ملازم تھے۔ ان کی تنخواہ ۱۷ روپے ماہوار تھی اور اس تنخواہ میں ان کا گزر بسر ٹھیک ہوتا تھا۔ ان کی شادی زبیدہ بیگم دختر نُور محمد سے سیانہ سیداں میں ہوئی۔ ہندوستان میں ان کے ایک فرزند رمضان ہوا جو پونے دو سال کی عمر میں ۱۹۴۷ء میں فوت ہو گیا۔

علی محمد کے دوسرے بیٹے بندے علی عرف بندو ڈاکخانہ میں ڈاکیا کی حیثیت سے ملازم تھے۔ ان کی شادی سیانہ سیداں میں ممتاز عرف تاجو دختر تابع حسین سے ہوئی۔ علی محمد کی وفات کے بعد ان کی بیوہ زہرا کی شادی غلام حسین سے ہوئی جو علی محمد کے چھوٹے بھائی تھے۔ غلام حسین اور زہرا کے ایک فرزند غلام عباس عرف باسی لونگڑا اور دو بیٹیاں بشیرن اور گاما بی بی ہوئیں۔[۳] بشیرن کی شادی پلاکھا کے ہادی حسن ولد عطا حسین سے اور گاما بی بی کی شادی لیڈری محلہ کے نذیر حسین نھتو بلّا سے ہوئی۔[۴] غلام عباس زمینداری کرتے تھے۔ ان کا قد لمبا تھا اور وہ باسی لونگڑا کے نام سے مشہور تھے۔[۵]

خدا بخش

خدا بخش کے تین بیٹے علی حسین، کاظم حسین اور محمد صدیق اور تین بیٹیاں محمدی بیگم عرف منہدی، کبریٰ اور صغریٰ تھیں۔ منہدی کی شادی گوہلہ کے ذیلدار محمد امیر سے، کبریٰ کی شادی سیانہ سیداں کے علی حسن ولد دلدار علی سے اور صغریٰ کی شادی گوہلہ کے مہدی حسن سے ہوئی۔ خدا بخش کے تینوں بیٹے اپنے والد کی طرح زمینداری کرتے تھے۔ علی حسین کی شادی گڑھی محلہ ہی میں زینب سے ہوئی، جو مہدی حسن کی بہن تھیں، اور ان کے ایک فرزند طالب حسین اور

---

۱ سیّد منظور حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء
۲ سیّد ذاکر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — ۱۴ دسمبر ۲۰۱۶ء
۳ سیّدہ زبیدہ بیگم زوجہ علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء
۴ سیّد شمیم حیدر ولد مہدی حسن (سابق رہائشی پلاکھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سلیمان — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء
۵ سیّدہ زبیدہ بیگم زوجہ علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۵ فروری ۲۰۱۱ء

ایک بیٹی بسم اللہ ہوئیں۔ طالب اپنے والد کی طرح اپنی زمینوں سے منسلک رہے۔ ان کی شادی گڑھی محلہ ہی میں حیدری دختر علی محمد سے ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند محمد سبطین اور ایک بیٹی بلقیس ہوئیں۔ تقسیم ہند کے وقت سبطین کی عمر چار سال تھی۔[۱]

خدا بخش کے دوسرے بیٹے کاظم حسین اپنے بزرگوں کی طرح کھیتی باڑی کرتے تھے۔ وہ ایک شریف انسان تھے۔[۲] ان کی شادی رقیہؓ سے ہوئی اور ان کے ایک فرزند اصغر علی اور دو بیٹیاں مشتاق فاطمہ عرف پھاتی اور ممتاز فاطمہ عرف منتی ہوئیں۔ کاظم کی دونوں بیٹیاں بیاہ کر سیانہ سیداں گئیں۔ مشتاق فاطمہ کی شادی رضا حسین ولد نُور محمد سے اور ممتاز فاطمہ کی شادی عاشق حسین ولد رشید علی سے ہوئی۔ عاشق کی وفات کے بعد ممتاز فاطمہ کی شادی ان کے مرحوم شوہر کے بھائی علمدار حسین سے ہوئی۔[۳] کاظم کے بھتیجے طالب حسین نے ممتاز فاطمہ کا رشتہ مانگا تھا لیکن کاظم نے انکار کر دیا تھا اور اپنی بیٹی کی شادی سیانہ سیداں میں کر دی تھی۔ اس شادی کی رسم انہوں نے خورشید حسن اور رضا حسین کے گھر میں کی تھی۔[۴] کاظم نے گوہلہ میں اپنا گھر امام بارگاہ کے نام لگوا دیا اور خود اپنے بیٹے اصغر کے ہمراہ سیانہ سیداں میں رہائش اختیار کر لی۔ کاظم کا انتقال سیانہ سیداں میں ہوا۔[۵] خدا بخش کے تیسرے بیٹے محمد صدیق کے ایک فرزند شبیر تھے جو لاولد فوت ہوئے اور ان کی زمین کاظم کو ملی۔[۶]

مہدی حسن

مہدی حسن نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے گوہلہ میں صغریٰ دختر خدا بخش سے کی اور ان کے ایک فرزند ابرار عرف کھنڈو ہوئے۔ صغریٰ کی وفات کے بعد مہدی نے دوسری شادی شریفن دختر مہدی حسن سے سیانہ سیداں میں کی اور ان کے ایک فرزند لطیف عرف گونگا ہوئے۔[۷] مہدی کے فرزند کھنڈو گمن کھیڑی چلے گئے تھے۔ مہدی نے گوہلہ ہی میں وفات پائی۔[۸]

فدا حسین

فدا حسین کے والد پرورش علی تھے۔ پرورش علی کے تین بیٹے فدا حسین، غفور حسین اور انتظام علی اور ایک بیٹی

---

۱ سیّد محمد سبطین ولد طالب حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۱۷ دسمبر ۲۰۱۶ء
۲ سیّد مشتاق حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء
۳ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۰ جنوری ۲۰۱۱ء
۴ سیّد منظور حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء
۵ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۰ جنوری ۲۰۱۱ء
۶ سیّد محمد سبطین ولد طالب حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۱۷ دسمبر ۲۰۱۶ء
۷ سیّدہ زبیدہ بیگم زوجہ علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۵ فروری ۲۰۱۱ء
۸ سیّد منظور حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

اللہ دی تھیں۔ اللہ دی کی شادی گمن کھیڑی کے دلبر حسین عرف اللہ دیا سے ہوئی۔ پرورش علی کے بڑے فرزند فدا حسین تھانیسر کی دیوانی عدالت میں ملازم تھے۔[1] ان کی شادی بھور میں کنیز فاطمہ سے ہوئی اور ان کے دو بیٹے اقبال حسین عرف بالا اور افضال حسین عرف جالا ہوئے۔[2] اقبال اور افضال ابھی چھوٹے ہی تھے کہ ان کے والدین فوت ہو گئے۔ اقبال کی پرورش ان کے چچا انتظام علی نے کی اور افضال کو ان کی پھوپھی اللہ دی نے پالا۔ اقبال نے گوہلہ میں پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو وہ فوج میں بھرتی ہو گئے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح انہیں بھی فوج سے برخاست کر دیا گیا۔ فوج سے برخاستگی کے وقت انہیں کچھ پیسے بھی ملے۔ فوج سے آنے کے کچھ روز بعد ان کے گھر میں چوری ہو گئی اور ان کے پیسے اور سارا سامان چور لے گئے۔ گاؤں سے کافی فاصلہ پر صرف ایک خالی پیٹی ہی ملی۔[3] اقبال کی شادی ان کے چچا غفور کی بیٹی رضیہ بیگم سے ہوئی اور گوہلہ میں ان کے ایک فرزند ذیشان علی ۱۹۴۷ء میں گاؤں اجڑنے سے ایک دن پہلے پیدا ہوئے۔ ذیشان کی پیدائش کے وقت رضیہ بیگم کی عمر ۱۵ سال تھی۔[4] اقبال کا بھائی افضال جس کی پرورش اس کی پھوپھی اللہ دی نے گمن کھیڑی میں کی ہجڑوں میں شامل ہو گیا۔ اللہ دی کے پوتے سیّد ذی وقار حسین کے مطابق: ”افضال ہجڑا تھا اور گانے بجانے کا شوقین تھا۔ وہ گمن کھیڑی میں ہمارے گھر رہتا تھا اور گانے بجانے کی محفلوں میں شرکت کے لیے شاہ آباد تک چلا جاتا تھا۔“ [5]

غفور حسین

پرورش علی کے دوسرے بیٹے غفور حسین کئی سال لاہور میں رہے۔ وہاں وہ وکیلوں کے ساتھ کام کرتے تھے۔ بعدازاں وہ گمن کھیڑی چلے گئے۔ تقسیم ہند سے نو ماہ پہلے وہ گوہلہ واپس آ گئے اور اپنی زمین پر گزارہ کیا۔[6] غفور نے کچھ سال گمن کھیڑی میں رہائش رکھی جہاں ان کی بہن اللہ دی کا گھر تھا۔ وہاں وہ لاہوری مشہور تھے۔[7] غفور کی شادی سیانہ سیداں میں بیگم فاطمہ عرف الفت دختر علی محمد سے ہوئی اور ہندوستان میں ان کے دو بیٹے شوکت حسین اور محمد رضا اور چار بیٹیاں کنیز فاطمہ، رضیہ بیگم، کربلائی اور بلقیس ہوئیں۔ شوکت اور کنیز سیانہ سیداں، رضا، رضیہ اور کربلائی لاہور اور بلقیس گوہلہ میں پیدا ہوئیں۔[8] غفور کی بیٹی کنیز بیاہ کر سارنگا گئیں تو اسی روز ان کے سسرال میں فوتگی ہو گئی۔ ان کے سسرال

---

۱ سیّد ابو ثمامہ ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۰ فروری ۲۰۱۱ء

۲ سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۱۷ جولائی ۲۰۱۸ء

۳ سیّد ابو ثمامہ ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۰ فروری ۲۰۱۱ء

۴ سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۱۷ جولائی، ۳۱ اکتوبر ۲۰۱۸ء

۵ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۲ فروری ۲۰۱۸ء

۶ سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۱۷ جولائی، ۳۱ اکتوبر ۲۰۱۸ء

۷ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۲ فروری ۲۰۱۸ء

۸ سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۱۷ جولائی، ۳۱ اکتوبر ۲۰۱۸ء

والوں نے انہیں منحوس قرار دے دیا اور ان کے خاوند نے انہیں طلاق دے دی۔ کنیز کی دوسری شادی سامانا کے مظفر علی سے ہوئی جو رنڈوا تھے اور کنیز کے چچا انتظام علی کے سالے تھے۔ ان کے ایک بچّی ہوئی جو فوت ہو گئی اور پھر کنیز بھی فوت ہو گئیں۔[1] غفور نے اپنی بیٹی رضیہ کی شادی اپنے بھتیجے اقبال کے ساتھ کی جو رضیہ سے ۲۲ سال بڑے تھے۔ یہ شادی گمن کھیڑی میں ہوئی کیونکہ ان دنوں غفور وہاں رہتے تھے۔[2] غفور کے بیٹے شوکت دہلی میں کاروبار کے لیے جاتے تھے۔ شوکت کے بھائی رضا بھی ان کے ساتھ جاتے تھے۔[3] بعدازاں رضا نے دہلی میں نوکری بھی کی۔ شوکت نے تین شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے اکبری کے ساتھ سیانہ سیداں میں کی۔ ان کے اولاد نہیں ہوئی۔ اکبری ہندوستان میں ہی وفات پا گئیں۔ دوسری شادی شوکت نے نخیہ سے کی جو فریدپور کی تھیں۔ شوکت اور نخیہ کے ہندوستان میں ایک فرزند حسین احمد ہوئے۔ تیسری شادی شوکت نے دہلی کی حمیدن سے کی جسے وہ بھگا کر لائے تھے۔ شوکت اور حمیدن کے ہندوستان میں دو لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی اور تینوں بچّے وہیں وفات پا گئے۔[4]

انتظام علی

پرورش علی کے تیسرے بیٹے انتظام علی تھانیسر کی دیوانی عدالت میں قُرق مین کی حیثیت سے ملازم تھے۔ وہ کچھ عرصہ کرنال میں بھی اسی حیثیت سے ملازم رہے۔ ان کی تنخواہ ۲۲ روپے ماہوار تھی۔ انتظام کے باپ دادا اپنی زمینوں پر ہی کام کرتے تھے۔ اس لیے صرف گزارہ ہی ہوتا تھا۔ انتظام نے نوکری کی تو ان کی دو آمدنیاں ہو گئیں اور ان کے گھر میں خوشحالی آ گئی۔ انتظام کی شادی شبیرن سے سامانا میں ہوئی اور ان کے تین بیٹے خورشید حیدر، ابو ثمامہ اور فریاد حسین اور دو بیٹیاں ثریا خاتون اور ام لیلیٰ ہوئیں۔ انتظام کی زوجہ چونکہ سامانا کی تھیں اور سامانا گوہلہ کے قریب تھا اس لیے وہ اپنے ہر بچّہ کی پیدائش کے موقع پر اپنے والدین کے پاس چلی جاتی تھیں۔

انتظام علی تھانیسر میں جس گھر میں رہتے تھے اس میں لیٹرین بنی ہوئی تھی۔ اس دور میں لیٹرین کسی کسی گھر میں ہوتی تھی۔ انتظام کے فرزند سیّد ابو ثمامہ نے کہا: ”زین العابدین ولد محمد یٰسین جب کبھی سیدکھیڑی سے تھانیسر آتے تو میرے والد کے گھر دو چار دن ٹھہرتے تھے۔ میرے والد زین العابدین کی بہت عزّت کرتے تھے کیونکہ زین العابدین نمازی اور پرہیزگار تھے اور میرے والد بھی نمازی اور دیندار تھے۔ میرے والد چھوٹا گوشت شوق سے کھاتے تھے۔ وہ بکرے کا گوشت کھاتے تھے اور بھیڑ کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ ان دنوں قصاب بھیڑ کا گوشت چوری چھپے بیچتے تھے۔ جب میرے والد تھانیسر سے گوہلہ آتے تو میری ماں بکرے کا گوشت منگواتی تھیں۔ میں تین آنے کا آدھ کلو گوشت لاتا تھا۔ میرے والد گوشت کو

۱ سیّد ابو ثمامہ ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۰ فروری ۲۰۱۱ء
۲ سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۱۷ جولائی، ۳۱ اکتوبر ۲۰۱۸ء
۳ سیّد ابو ثمامہ ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۰ فروری ۲۰۱۱ء
۴ سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۱۷ جولائی، ۳۱ اکتوبر ۲۰۱۸ء

دیکھتے تھے اور اگر انہیں اس میں بال نظر آ جاتا تو یہ کہہ کر دکاندار کو واپس بھجوا دیتے تھے کہ یہ بھیڑ کا گوشت ہے۔"

انتظام علی گڑھی محلہ کی چھتی گلی میں رہتے تھے۔ انہوں نے لیڈری محلہ میں نیا گھر بنوایا تھا جس میں ڈاکخانہ تھا۔ ۱۹۴۳ء میں انتظام کو بخار ہوا جو بگڑ کر ٹائیفائیڈ کی صورت اختیار کر گیا۔ تھانیسر کا رہنے والا ڈاکٹر ابد کشور گوہلہ کے ہسپتال میں تعینات تھا۔ جو علاج میسر تھا کیا لیکن انتظام رو بصحت نہ ہوئے اور اسی بیماری میں انتقال کر گئے۔ انتظام علی اور ذیلدار کاظم حسین چھ ماہ آگے پیچھے پیدا ہوئے اور ایسے ہی فوت ہوئے۔ انتظام کے بڑے فرزند خورشید حیدر جو ۱۹۲۴ء میں پیدا ہوئے ۱۲ سال کی عمر میں گوہلہ میں فوت ہو گئے۔

ابو ثمامہ و فریاد حسین

انتظام علی کے فرزند ابو ثمامہ ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا بچپن ان کے نانکے گاؤں سامانا میں گزرا۔ انہوں نے پرائمری تک تعلیم گوہلہ میں حاصل کی۔ پھر اپنے والد کے پاس تھانیسر چلے گئے اور وہاں سات جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ تھانیسر کے جس مڈل سکول میں ابو ثمامہ پڑھتے تھے وہ شیخ چلی کے مزار کے احاطہ میں تھا۔ وہ روزانہ سائیکل پر سکول جاتے تھے۔ علیم الدین کی سائیکل ٹھیک کرنے کی دکان تھی۔ ابو ثمامہ کا سائیکل خراب ہو جاتا تو اسی سے ٹھیک کرواتے تھے۔ سیّد ابو ثمامہ نے کہا: "تھانیسر میں سورج گرہن کے موقع پر سارے ہندوستان سے لاکھوں ہندو آتے تھے۔ کئی دن جشن اور شور شرابا ہوتا تھا۔ مسلمانوں کا داخلہ ممنوع تھا لیکن میں اپنے ہندو ہم جماعتوں کے ساتھ جشن میں چلا جاتا تھا۔ ایک لمبے چوڑے تالاب کے اردگرد بہت سی مورتیاں جن میں تیر لگے ہوتے تھے ایسے پڑی ہوتی تھیں جیسے لوگ مرے پڑے ہوں۔ یہ مورتیاں مہا بھارتا جنگ، جو ہندو عقیدہ کے مطابق اس علاقہ میں عہد قدیم میں ہوئی تھی، کی یاد تازہ کرواتی تھیں۔ ہندو سورج گرہن کے وقت تالاب میں غوطہ لگا کر نہان کی رسم ادا کرتے تھے۔ وہ اس موقع پر خیرات بھی کرتے تھے۔ پیٹھے میں سونا رکھ کر بہا دیتے اور پکڑنے والے اسے پکڑ لیتے تھے۔ یہ ان کی خیرات کا ایک طریقۂ کار تھا۔"

ابو ثمامہ کے والد انتظام علی نے ایک شخص مسیت اللہ کو پیادہ دیوانی بھرتی کروایا تھا۔ وہ انتظام کے گھر کے کام بھی کرتا تھا۔ انتظام کی وفات کے وقت ابو ثمامہ کی عمر ۱۶ سال تھی۔ مسیت اللہ انہیں پیادہ دیوانی بھرتی کروانے کے لیے دیوانی عدالت میں لے گیا۔ افسروں نے پہلے تو کہا کہ ابو ثمامہ کی عمر کم ہے۔ پھر کہا: "اس کو رکھ لو کیونکہ اس کا باپ بھی یہاں کام کرتا رہا ہے۔" ابو ثمامہ کی تنخواہ ۱۶ روپے ماہانہ مقرر ہوئی۔ ان کی پہلی شادی ان کی خالہ صغیرن کی بیٹی سعیدہ سے سامانا میں ہوئی اور ان کے ایک بیٹا ہوا جو بچپن میں ہی فوت ہو گیا۔ سیّد ابو ثمامہ نے کہا: "سعیدہ کے ساتھ میری ذہنی ہم آہنگی بالکل نہیں تھی۔ اس لیے گھر میں ہر وقت اَن بَن رہتی تھی۔" [1]

انتظام علی کے فرزند فریاد حسین کی عمر تقسیم ہند کے وقت تقریباً سات سال تھی۔ وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب

۱ سیّد ابو ثمامہ ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۰ فروری، ۴ ستمبر ۲۰۱۱ء

سے چھوٹے تھے۔[1]

یعقوب علی عرف سانی

یعقوب علی زمیندارہ کرتے تھے۔ محرم کے دس دنوں میں وہ اپنے بزرگوں کی طرح بڑھ چڑھ کر عزاداری کرتے تھے۔ وہ کاغذ کے روضے بناتے تھے۔ عزاداری کے کاموں میں ان کی گہری دلچسپی کی وجہ سے یعقوب کے بزرگوں کو حسینی کہتے تھے اور بعدازاں لوکل لہجے میں سانی کہہ کر پکارنے لگے۔ یعقوب اپنے بزرگوں کی طرح ہر سال آٹھ محرم کو عَلم نکالتے تھے اور اس رِیت کو ان کی اولاد نے بھی جاری رکھا۔ ہر سال عَلم نکالنے کی وجہ یہ تھی کہ ایک دفعہ ان کے بزرگوں میں سے کسی کا بچّہ گم ہو گیا۔ گاؤں کے کنویں میں سے بچّے کی ٹوپی نکلی۔ کنویں میں اتر کر بچّے کو ڈھونڈا لیکن وہ نہ ملا۔ چند گھنٹے بعد بچّہ واپس آ گیا۔ گاؤں کا کوئی شخص دودھ لینے کے لیے دوسرے گاؤں گیا تھا اور بچّہ بھی اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔ بچّے کی گمشدگی کے دوران اس کے والدین نے بچّے کی زندگی کے لیے عَلم نکالنے کی منت مان لی تھی۔ پھر آٹھ محرم کو نسل در نسل عَلم نکالنے لگے۔

یعقوب علی کی شادی حسن بی بی عرف حسنی سے ہوئی اور ان کے تین بیٹے مقبول حسین، طفیل حسین اور تفضل حسین اور دو بیٹیاں بتول اور کلثوم ہوئیں۔ بتول اور کلثوم دونوں بیاہ کر پٹیالہ گئیں۔ یعقوب کے بڑے فرزند مقبول حسین نے پولیس میں ملازمت کی۔ وہ نابھہ تھانہ میں تعینات تھے۔ ساہڈورہ والوں کے ساتھ ان کے اچھے تعلقات تھے۔ مقبول کی شادی حاجرہ بی بی سے ملیر کوٹلہ میں ہوئی اور ان کے ایک بیٹی نسیم فردوس ہوئیں۔ حاجرہ بی بی سنّی تھیں۔ بعدازاں وہ شیعہ ہو گئی تھیں۔ یعقوب کے بیٹے طفیل پٹیالہ میں نوکری کرتے تھے اور کرایہ کے مکان میں رہتے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی تفضل حسین بھی ان کے ساتھ رہتے تھے۔ مقبول، طفیل اور تفضل تینوں بھائی محرم کے دنوں میں گوہلہ آتے تھے اور اپنے بزرگوں کی طرح مذہبی جوش و جذبہ کے ساتھ عزاداری کرتے تھے اور کاغذ کے روضے بناتے تھے۔ نو بہار شاہ کے مزار پر میلہ لگنے کے دنوں میں بھی وہ اپنے گاؤں آتے تھے۔ یعقوب سانی نے گوہلہ ہی میں وفات پائی۔[2]

اکبر کا محلہ

اکبر کے محلہ میں سیّد برادری کے کم از کم مندرجہ ذیل بزرگ رہتے تھے:

اکبر علی

اکبر علی کے والد نوازش علی اور دادا بشارت علی تھے۔ وہ گوہلہ کے بڑے کاشتکار تھے اور نمبردار بھی تھے۔ اکبر نے دو شادیاں کیں۔ ان کی پہلی بیوی سیّد تھیں۔ انہیں پیلو کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ شاید گمن کھیڑی کی تھیں۔ اکبر اور پیلو کے

---

۱ سیّد فریاد حسین ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد محمد ذکریا ولد فریاد حسین بذریعہ فون — کراچی — ۲۶ مئی ۲۰۱۹ء

۲ سیّدہ نسیم فردوس دختر مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

پانچ بیٹے امیر علی، نذیر حسین، احمد حسین، محمد امیر اور یعقوب علی اور دو بیٹیاں یعقوبن اور حمیدن ہوئیں۔ پیلو کی وفات کے بعد اکبر نے دوسری شادی کیتھل میں کی۔ اکبر کی دوسری بیوی شیخ تھیں اور بڑی عمر کی تھیں۔ ان کے اولاد نہیں ہوئی۔[۱] اکبر اپنے پاس روزمرّہ استعمال کی اشیاء منگوا کر ایسے رکھتے تھے جیسے کوئی دکاندار رکھتا ہے۔ وہ ان اشیاء کو ضرورت کے مطابق اپنے بیٹوں اور پوتوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ وہ اپنے بیٹوں سے بٹائی لیتے تھے اور پھر بیٹوں اور ان کے بچّوں کو ہی کھلا دیتے تھے۔[۲] اکبر نے اپنی بیٹی حمیدن کی شادی ٹھسکہ کے محمد حسین ولد نُور محمد سے اور یعقوبن کی شادی سید کھیڑی کے طالب حسین ولد مہربان علی عرف مسیتا سے کی۔[۳]

امیر علی

اکبر علی کے بڑے بیٹے امیر علی اپنے والد کی طرح کاشتکاری کرتے تھے۔ انہوں نے گوہلہ کے ڈاکخانہ میں ملازمت بھی کی۔ وہ ایک نیک دِل اور دوسروں سے ہمدردی کرنے والے انسان تھے۔ گاؤں میں ان کی ایک سماجی حیثیت تھی۔ جو بھی بچّے بیمار ہوتے وہ ان کے لیے دوائی لاتے تھے۔ وہ گاؤں کے بچّوں کو جوہڑ میں نہانے دیتے نہ آوارہ پھرنے دیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ بڑی بچیوں کو بھی ٹوک دیتے تھے۔ سب گاؤں والوں کو پتہ تھا کہ وہ بچّوں کی خاص نگرانی رکھتے ہیں۔ بچّوں کو جھڑکنے پر کوئی ان سے گلہ نہیں کرتا تھا۔[۴]

امیر علی کی شادی بلاھڑا (بڑھلاڈا) میں حکیمن دختر رستم علی سے ہوئی اور ان کے دو بیٹے دلبر حسین اور حسن علی اور ایک بیٹی جعفری ہوئیں۔ امیر علی نے اپنی بیٹی جعفری کی شادی اپنے بھانجے قاضی سجاد حسین ولد محمد حسین سے کی جو ٹھسکہ کے رہنے والے تھے۔[۵]

دلبر حسین

امیر علی کے بیٹے دلبر حسین اپنے باپ دادا کی طرح کاشتکاری سے منسلک رہے۔ ان کی پہلی شادی الفت بیگم سے بلاھڑا میں ہوئی اور ان کے دو بیٹے اختر حسین اور افضل حسین ہوئے۔ الفت کی وفات کے بعد دلبر کی دوسری شادی کنیز فاطمہ دختر مہدی حسن سے پلاکھا میں ہوئی۔[۶]

---

۱ سیّدہ امتہ البتول عرف امتو دختر محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء

۲ سیّد غلام حیدر عرف رانجھا ولد یعقوب علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۸ دسمبر ۲۰۱۱ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

۵ سیّد منوّر حسین ولد محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء

۶ سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

حسن علی

امیر علی کے دوسرے بیٹے حسن علی کو ان کے بہنوئی قاضی سجاد حسین نے تقسیم ہند سے پانچ چھ سال پہلے پولیس میں بھرتی کروا دیا تھا۔ سجاد خود پولیس میں تھے اور بہاولپور میں تعینات تھے۔ حسن علی کی تعیناتی ہارون آباد میں ہوئی۔ ان کی شادی ان کے چچا کی بیٹی بشیرن دختر محمد امیر سے ہوئی اور گوہلہ میں ان کے ایک بیٹا سرور اور ایک بیٹی نصرت ہوئیں۔ سرور نے گوہلہ ہی میں وفات پائی۔ نصرت تقسیم ہند کے وقت دو اڑھائی سال کی تھیں۔ گوہلہ سے پاکستان ہجرت کے دوران نصرت کی آنکھوں میں اولاں کا درد ہوا اور وہ اندھی ہو گئیں۔[1]

نذیر حسین

اکبر علی کے فرزند نذیر حسین کاروباری ذہن رکھتے تھے۔ گوہلہ میں انہوں نے کپڑے اور پھر کریانہ کی دکان کی۔ وہ اپنے فائدہ کا خیال رکھتے اور نقصان سے بچتے تھے۔ لیکن گوہلہ جب کتک کی بیماری کی لپیٹ میں آیا تو نذیر کنگال ہو گئے کیونکہ اس بیماری میں بہت سے لوگ مر گئے اور نذیر کا ادھار بھی مارا گیا۔ نذیر نے سہارنپور میں بھی کاروبار کیا۔[2] تقسیم ہند سے کئی سال پہلے نذیر لائلپور گئے جہاں مکان تعمیر ہو رہے تھے۔ گوہلہ واپس آکر انہوں نے اپنے خاندان والوں کو لائلپور منتقل ہو جانے کا مشورہ دیا لیکن کسی نے ان کی بات نہیں مانی۔[3] نذیر کی شادی سامانا میں حاجرہ سے ہوئی[4] اور ان کے تین بیٹے اعجاز حسین، علی حیدر اور حسین حیدر اور ایک بیٹی سینی ہوئیں۔ سینی کی شادی پونڈری کے عوض علی کے ساتھ ہوئی۔ نذیر کی زوجہ حاجرہ گوہلہ ہی میں فوت ہو گئیں۔[5]

نذیر کے بیٹے اعجاز کی شادی صفیہ سے اور علی حیدر کی رقیّہ سے ہوئی جو صفیہ کی بہن تھیں۔ دونوں بہنیں سامانا کی رہنے والی تھیں۔ اعجاز اور صفیہ کے ایک بیٹا سلطان حیدر اور دو بیٹیاں اختری اور سعیدہ ہوئیں۔ صفیہ گوہلہ ہی میں فوت ہو گئیں۔ علی حیدر اور رقیّہ کے ہندوستان میں ایک بیٹا مہدی حسن اور ایک بیٹی مہدیہ ہوئیں۔ نذیر کے تیسرے بیٹے حسین حیدر کی شادی سامانا میں حسینہ سے ہوئی جو افتخار ولد احمد حسین کے ماموں کی بیٹی تھیں۔[6]

احمد حسین

اکبر علی کے بیٹے احمد حسین کاشتکاری سے منسلک رہے۔ وہ ایک خوش خوراک اور محنتی شخص تھے اور ان کی صحت

---

۱ سیّدہ بشیرن بیگم زوجہ حسن علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۲ سیّد مہدی حسن ولد علی حیدر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

۳ سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

۴ سیّد مہدی حسن ولد علی حیدر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

۵ سیّد منوّر حسین ولد محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء

۶ سیّد مہدی حسن ولد علی حیدر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

بھی اچھی تھی۔ وہ صبح اٹھ کر خود دودھ بلوتے اور مکھن نکلنے سے پہلے بڑا کٹورا بھر کر پیتے تھے۔ وہ گھر والوں سے کہتے: ”میں نے دودھ بلو دیا ہے، مکھن نکال لینا۔“ پھر وہ اپنی زمین پر چلے جاتے تھے۔ وہ دوسروں سے پہلے اپنی زمین پر پہنچتے تھے۔ ان کے بھائیوں کی طرح ان کا ناشتہ بھی زمین پر آتا تھا اور وہ ناشتہ کرتے تھے۔ ایک شادی کے موقع پر انہوں نے ۳۲ لڈو کھائے۔ ان لڈوؤں کو نگدی والے لڈو کہتے تھے اور ان کا سائز بھی بڑا ہوتا تھا۔ وہ چونکہ اپنی زمین پر خوب محنت کرتے تھے اس لیے ان کی خوراک بھی اچھی تھی اور صحت بھی اچھی تھی۔

احمد حسین کو گھاس کی پہچان تھی۔ وہ جانتے تھے کہ دودھ دینے والے جانوروں جیسے گائے، بھینس وغیرہ کے لیے کونسی گھاس بہتر ہے اور مشقت کا کام کرنے والے جانوروں جیسے بیل وغیرہ کے لیے کونسی گھاس بہتر ہے۔ وہ گھاس کی گٹھڑیاں بناتے اور اپنے سر پر رکھ کر گھر لے آتے تھے۔ دوسرے لوگ اپنے بیلوں کو چنے کھلاتے تھے لیکن احمد حسین کے بیل گھاس کھا کر بھی دوسروں کے بیلوں سے زیادہ طاقتور تھے۔[۱]

احمد حسین نے تین شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے کلثوم دختر علی محمد سے سیانہ سیداں میں کی۔ احمد اور کلثوم کے ایک بیٹی حیدری بیگم ہوئیں اور ایک بیٹا بھی ہوا جو چند ماہ کی عمر میں فوت ہو گیا۔ کلثوم کی وفات کے بعد احمد نے دوسری شادی کلثوم کی بہن خدیجہ سے کی۔ احمد اور خدیجہ کے ایک فرزند زوّار حسین ہوئے اور ایک بیٹی بھی ہوئی جو پیدا ہوتے ہی فوت ہو گئی۔ پھر خدیجہ بھی وفات پا گئیں۔ احمد نے تیسری شادی بتول سے سامانا میں کی اور ان کے ایک فرزند افتخار حسین اور دو بیٹیاں نثار فاطمہ عرف پھاتی اور عزیز فاطمہ عرف جیجو ہوئیں۔ ان کے علاوہ ایک بیٹا اور دو بیٹیاں بھی ہوئیں جو تینوں بچپن میں وفات پا گئے۔ احمد حسین کی بیٹی حیدری بیگم کی شادی ٹھسکہ کے قاضی لطیف حسین ولد محمد حسین سے اور نثار فاطمہ کی شادی سید کھیڑی کے اختر حسین ولد محمد عسکری سے ہوئی۔[۲]

زوّار حسین

احمد حسین کے بڑے فرزند زوّار حسین گوہلہ میں ۱۸ دسمبر ۱۹۱۱ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا نام ان کے دادا اکبر علی نے رکھا۔ زوّار ابھی ڈیڑھ سال کے تھے کہ ان کی والدہ وفات پا گئیں۔ زوّار نے گوہلہ سکول میں دو جماعتیں پاس کی تھیں کہ ان کی بہن حیدری بیگم زوجہ قاضی لطیف حسین انہیں ٹھسکہ لے گئیں اور وہاں کے لوئر مڈل سکول میں داخل کروا دیا۔ ٹھسکہ سے چھ جماعتیں پاس کرنے کے بعد زوّار نے شاہ آباد سکول میں ساتویں کلاس میں داخلہ لیا۔ ابھی انہوں نے ساتویں کلاس ہی پاس کی تھی کہ ٹھسکہ کے سکول کو مڈل کا درجہ دے دیا گیا۔ انہوں نے شاہ آباد سکول چھوڑ کر آٹھویں کلاس میں ٹھسکہ سکول

---

۱ سیّد فضل الرحمٰن ولد زوّار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۹ دسمبر ۲۰۱۸ء

۲ سیّدہ کنیز فاطمہ دختر زوّار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — خیر پور ٹامیوالی — ۲۹ اپریل ۲۰۰۶ء

مقامات زوّاریہ — ص ۱۵-۱۶

سیّد افتخار حسین ولد احمد حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّدہ پروین فاطمہ دختر افتخار حسین بذریعہ فون — ڈسکہ — ۴ فروری ۲۰۱۹ء

میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۲۶ء میں مڈل پاس کرنے کے بعد وہ ٹھسکہ سکول ہی میں ان ٹرینڈ ٹیچر کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ ۱۹۳۰ء میں انہوں نے جیوی کا امتحان پاس کیا اور گوہلہ کے قریب قصبہ اگوند میں پرائمری سکول میں مدرس تعینات ہو گئے۔ دو سال بعد ان کا تبادلہ اجرانہ کلاں، تحصیل تھانیسر، میں ہو گیا۔ اسی اثناء میں زوّار کی شادی کبری دختر قاضی محمد حسین سے ٹھسکہ میں ہو گئی۔ کبری ان کی بہن حیدری کی نند بھی تھیں۔ زوّار اور کبری کے ایک فرزند فضل الرحمٰن اور ایک بیٹی کنیز فاطمہ ہوئیں۔

زوّار حسین نے ۱۹۳۲ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۳ء میں مولوی سر رحیم بخش کے کہنے پر وہ دہلی چلے گئے۔ رحیم بخش ریاست بہاولپور کے وزیر اعظم تھے اور ٹھسکہ کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے زوّار کو خان بہادر حاجی رشید احمد کے نام ایک سفارشی خط دیا جس کے نتیجہ میں ۱۸ فروری ۱۹۳۳ء کو دہلی کے ایک پرائمری سکول میں زوّار کی عارضی تعیناتی ہو گئی۔ اسی سال ایم بی مڈل سکول، کابلی گیٹ، دہلی میں ٹیچر کے طور پر انہیں مستقل ملازمت مل گئی۔ دہلی میں زوّار نے مولانا عبداللہ سے خوش نویسی بھی سیکھی اور اچھے خوش نویس بن گئے۔ ۱۹۴۲ء میں ان کا تبادلہ ایم بی (میونسپل بورڈ) مڈل سکول جامع مسجد میں ہو گیا۔ اسی سال انہوں نے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا۔ انہیں منشی فاضل ہونے کی وجہ سے صِرف انگریزی کا امتحان دینا پڑا۔ ۱۹۴۷ء میں ان کا تبادلہ دوبارہ کابلی گیٹ سکول میں ہو گیا۔ تقسیم ہند کے وقت وہ اسی سکول میں پڑھاتے تھے۔ سکول ٹیچر کی حیثیت سے زوّار نے ہمیشہ اپنا وقار ملحوظ رکھا۔ شرارتی طلباء کی طرف سے کسی بھی بدتمیزی کا وہ سختی سے نوٹس لیتے تھے۔ لڑکوں پر ان کا رعب رہتا تھا۔ تقسیم ہند سے پہلے زوّار نے دو کتابیں عمدۃ السلوک (۳۶۸ صفحات) اور گلدستہ مناجات (۳۲ صفحات) تالیف کیں۔ انہوں نے سنّی مسلک اختیار کیا۔[1]

دہلی میں زوّار کے ساتھ ان کے بھتیجے قاضی محمد مختار اور بھانجے قاضی ذوالفقار حسین بھی رہتے تھے۔ وہ تینوں جامع مسجد کے نزدیک کوچہ پنڈت میں رہتے تھے اور کھانے پینے کا انتظام خود کرتے تھے۔ مختار اور ذوالفقار نے زوّار کے پاس رہ کر تعلیم بھی حاصل کی اور پھر نوکریاں بھی کیں۔[2] (زوّار حسین کے حالات اور اوصاف کتاب مقاماتِ زوّاریہ میں ہیں۔)

افتخار حسین

احمد حسین کے چھوٹے بیٹے افتخار حسین اپنے والد کی وفات کے وقت دوسری جماعت میں پڑھتے تھے۔ انہوں نے چھوٹی عمر میں ہی مزدوری شروع کر دی۔ کچھ عرصہ وہ گوہلہ میں اینٹوں کے ایک بھٹہ پر کام کرتے رہے۔ پھر وہ کیتھل چلے گئے اور ایک دکان پر انجنوں کا کام سیکھنے لگے۔ جس مکینک سے وہ کام سیکھتے تھے اس کے اور بھی کئی شاگرد تھے۔ افتخار نے سب سے زیادہ دِل لگا کر کام سیکھا اور چند سال میں انجن بنانے اور ٹھیک کرنے کے ماہر ہو گئے۔ کام میں مہارت کی وجہ سے انہیں انجن بنانے اور مرمت کرنے کے ایک کارخانہ میں اچھی تنخواہ پر ملازمت مل گئی۔ کئی سال تک وہ اس کارخانہ میں

---

۱ مقامات زوّاریہ — ص ۱۶-۱۸، ۲۰، ۲۲-۲۳، ۲۹-۳۱، ۳۸

۲ سیّد محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

ملازمت کرتے رہے۔ اسی دوران ان کے دکان پر کام کرنے والے استاد کسی اور شہر میں چلے گئے۔ ان کے استاد کے جانے کے بعد اس علاقہ میں آٹے کی ایک چکی خراب ہو گئی۔ افتخار کے پرانے ساتھی، جو ان سے دو تین سال پہلے سے دکان پر کام سیکھ رہے تھے اور ابھی تک وہیں تھے، چکی کو ٹھیک کرنے میں ناکام رہے۔ پانچ روز چکی بند رہنے کی وجہ سے ۲۵۰ من گندم اکٹھی ہو گئی۔ چکی کے مالک نے افتخار کو خاص طور پر بلایا اور بتایا کہ چکی دانے ڈالنے کے بعد آٹا نکالنے کی بجائے دانے ہی باہر نکال دیتی ہے اور تمام مکینک اسے ٹھیک کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ افتخار نے چکی کا معائنہ شروع کیا تو مالک نے وہاں موجود باقی تمام مکینکوں کو باہر نکال دیا۔ افتخار کے پرانے ساتھیوں نے دروازے اور کھڑکی کے سوراخوں سے دیکھنے کی کوشش کی تو مالک نے انہیں وہاں سے بھی بھگا دیا۔ افتخار نے چکی کے تمام پرزوں کو دیکھا اور انہیں صحیح حالت میں پایا۔ انہوں نے چکی کے پتھر کو الٹا دیا۔ جب چکی چلائی تو وہ آٹا پیسنے لگی۔ افتخار نے چکی چلنے کے بعد جانا چاہا تو مالک نے انہیں روک لیا تاکہ کچھ دیر تک چکی چلنے کے بعد اسے چکی کے بالکل ٹھیک ہونے کا یقین ہو جائے۔ جب ۵۰ من گندم پس چکی تو مالک نے دوسرے مکینکوں کو بلا کر کہا: ”یہ لڑکا تم سے دو سال بعد کام سیکھنے آیا تھا۔ تم چونکہ ایک دو کلو آٹا چوری کرنے کے چکر میں رہتے ہو اسی لیے ابھی تک کام نہ سیکھ سکے۔ جب کہ افتخار اچھی خاصی تنخواہ پر ملازمت کر رہا ہے۔“ افتخار کی شادی حمیدہ بیگم عرف مجیدن سے ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک بیٹی نسیم فاطمہ ہوئیں۔[۱]

فضل الرحمٰن

فضل الرحمٰن کے والد زوّار حسین اور دادا احمد حسین تھے۔ بچپن ہی میں وہ قرآن حفظ کرنے کے لیے اپنی پھوپھی کے پاس ٹھسکہ میراں جی چلے گئے۔ وہاں انہوں نے ایک مسجد کے مدرسہ میں داخلہ لیا جہاں قاری نُور احمد، جو نابینا تھے، بچّوں کو قرآن حفظ کرواتے تھے۔ فضل نے وہاں ساڑھے تین پارے حفظ کیے تھے کہ تقسیم ہند ہو گئی۔ ٹھسکہ سے ہجرت کر کے پاکستان پہنچنے میں کئی مہینے لگ گئے اور اس طویل وقفہ کے باعث جو یاد کیا تھا وہ بھول گئے۔ پھر خیر پور ٹامیوالی میں نئے سرے سے قرآن حفظ کیا۔ تقسیم ہند کے وقت فضل کی عمر ساڑھے سات سال تھی۔

اپنے گاؤں کے بارے میں سیّد فضل الرحمٰن نے کہا: ”گوہلہ میں ہمارے گھر کے سامنے سادھو بانیا کا گھر تھا۔ گاؤں میں ایک کندن بانیا کی دکان تھی۔ اس کے پاس جو الائچی دانے ملتے تھے ایسے لذیذ اور اچھے الائچی دانے مجھے پاکستان میں کہیں نظر نہیں آئے۔ ہمارے گھر کے پاس ہی ایک بڑا کنواں تھا۔ اس کا پانی زمین کی آبپاشی کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا اور سقے بھی وہاں سے پانی بھر کر گھروں میں ڈالتے تھے۔ چند سال بعد کنویں کی صفائی کرتے تھے۔ جس جگہ سے پانی نکلتا تھا پہلے اسے بند کر دیتے تھے پھر صفائی کرتے تھے۔“[۲]

---

۱ سیّد افتخار حسین ولد احمد حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد محمد اکبر عرف اشرف ولد افتخار حسین بالمشافہ ـــ کبیر والا ـــ ۲۱ نومبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد فضل الرحمٰن ولد زوّار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ کبیر والا ـــ ۲۹-۳۰ دسمبر ۲۰۱۸ء

محمد امیر

اکبر علی کے فرزند محمد امیر اپنے پانچ بھائیوں میں چوتھے نمبر پر تھے۔ انہوں نے گوہلہ سکول سے چار جماعتیں پاس کیں۔ بڑے ہوئے تو اپنے والد کے ساتھ کھیتی باڑی کرنے لگے۔ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ سیدھے اور سادہ تھے۔[1] ایک دفعہ گوہلہ کا تھانیدار گھوڑی پر سوار محمد امیر کی زمین پر سے گزرا۔ محمد امیر اپنے کھیت میں کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا۔ تھانیدار راستہ چھوڑ کر کھیت میں سے گزرنے لگا تاکہ وقت بچائے۔ جب وہ محمد امیر کے پاس سے گزرا تو انہوں نے تھانیدار سے کہا: "اپنے راستے سے گزر" اور گھوڑی کو زور سے ڈنڈا مارا۔ گھوڑی بھاگنے لگی۔ گاؤں پہنچ کر تھانیدار نے اکبر کے محلہ کے نمبردار سیّد حسن کو بلایا تاکہ محمد امیر کے خلاف کارروائی کرے۔ حسن نمبردار نے تھانیدار سے کہا: "محمد امیر تو پاگل ہے۔ اس کا دماغ ہلا ہوا ہے۔ وہ سب کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔" تھانیدار نے حسن نمبردار کے بیان پر یقین کر لیا اور محمد امیر کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔[2]

اپنے بھائیوں کی طرح محمد امیر نے بھی اپنا علیحدہ گھر بنایا تھا۔ ان کے گھر میں دو کمرے تھے جن کے ۱۲، ۱۲ شہتیر تھے۔ ایک برآمدہ اور کھلا صحن تھا۔ انہوں نے گھر میں پہلے ایک بھینس رکھی، پھر بھینس بیچ کر ایک گائے خرید لی۔ وہ گائے رکھنا ہی پسند کرتے تھے کیونکہ گائے پر بھینس کے مقابلہ میں کم محنت کرنی پڑتی تھی۔ محمد امیر شادی کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ جب بھی ان کے والد ان کی شادی کی بات کرتے تو وہ انکار کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے چھوٹے بھائی کی بھی شادی ہو گئی۔ آخر کار ان کے والد نے زبردستی انہیں شادی کے لیے تیار کیا۔ ان کی شادی گوہلہ ہی میں بیگم فاطمہ دختر تابع حسین عرف چیچو سے ہوئی اور ان کے تین بیٹے تجمل حسین، منوّر حسین اور محمود حسین اور دو بیٹیاں امتہ البتول عرف امتو اور بشیرن بیگم ہوئیں۔ محمد امیر اکثر اپنے بچّوں سے کہتے تھے کہ رات کو جلدی سونا اور صبح جلدی اٹھنا عبادت ہے۔ وہ عموماً رات ہوتے ہی اپنی زوجہ سے کہتے: "بچّوں کو سلا دو۔" ان کی زوجہ جواب دیتیں: "یہ سو نہیں رہے، میں کیسے انہیں گھوٹ دوں۔"

محمد امیر کی بڑی بیٹی امتو کو پڑھنے کا بہت شوق تھا لیکن ان کے تایا امیر علی لڑکیوں کی سکول میں تعلیم کے خلاف تھے۔ امتو نے اپنے والد سے گھر میں پڑھا۔ انہوں نے شاعری، کڑھائی اور بُنائی خود ہی شوق سے گھر میں سیکھیں۔ امتو کے چچا یعقوب نے انہیں کبھی فیشن نہیں کرنے دیا۔ وہ فیشن کے بہت خلاف تھے۔ امتو نے اپنے والد کے گھر بالوں پہ کبھی کلپ لگایا نہ سوئی کیونکہ ایسا کرنے کو اس وقت فیشن سمجھا جاتا تھا اور ان کے چچا نے ان کو فیشن کرنے سے منع کیا تھا۔ ان کے چچا یعقوب اکثر انہیں اور دوسروں کو اچھی اور بری باتوں کے بارے میں سمجھاتے تھے۔[3]

امتو کی پھوپھی یعقوبن، جو سید کھیڑی کے طالب حسین کی بیوہ تھیں، نے اپنے بھتیجے اختر کے لیے امتو کا رشتہ مانگا۔ یعقوبن کے اولاد نہیں تھی اور انہوں نے اختر کو اپنا بیٹا بنایا تھا۔ اس سے پہلے کہ محمد امیر اپنی بہن کے مطالبہ پر کوئی فیصلہ

---

۱ سیّدہ امتہ البتول عرف امتو دختر محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ منڈی بہاؤالدین ــــ ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء

۲ سیّد منظور حسین ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ واڑہ ــــ ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۳ سیّدہ امتہ البتول عرف امتو دختر محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ منڈی بہاؤالدین ــــ ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء

کرتے ان کے بھائی امیر علی نے بھی اپنے بیٹے حسن علی کے لیے امتو کا رشتہ مانگ لیا۔ محمد امیر کہتے تھے کہ اگر وہ بہن کو ہاں کرتے ہیں تو بھائی ناراض ہو جائے گا اور اگر بھائی کو ہاں کرتے ہیں تو بہن ناراض ہو جائے گی۔ اس مشکل سے بچنے کے لیے محمد امیر نے اپنی بیٹی امتو کا رشتہ سامانا کے ابنِ علی ولد سیّد علی سے کر دیا۔[۱] امتو کی شادی ۱۹۳۷ء میں ہوئی اور اس وقت ان کی عمر ۲۰ سال تھی۔[۲] امتو کی شادی کے بعد امیر علی کے فرزند دلبر نے اپنے والد سے کہا: "ایک تو گئی، اب یہ دوسری (بشیرن) بھی جائے گی۔ اس سے پہلے کہ یہ جائے حسن علی کی شادی اس سے کر دیں۔" بشیرن ابھی چھوٹی تھیں کہ امیر علی کے کہنے پر محمد امیر نے ان کی شادی حسن علی سے کر دی۔[۳]

محمد امیر کے تینوں بیٹوں تجمل حسین، منوّر حسین اور محمود حسین نے گوہلہ سکول سے تعلیم حاصل کی۔ وہ کاشتکاری میں اپنے والد کا ہاتھ بٹاتے تھے۔[۴] تجمل کی شادی نثار فاطمہ دختر نعمت علی سے روہٹی میں ہوئی۔ نعمت علی کو نیامت علی کے نام سے پکارتے تھے۔ تجمل کی بارات میں قاضی محمد شفیع ٹھسکہ سے شامل ہوئے۔ روہٹی گاؤں ٹھسکہ کے قریب تھا۔ بارات کو جو کھانا کھلایا گیا اس سے تمام باراتیوں اور ان کے بیلوں کے پیٹ خراب ہو گئے۔ تاہم غلام حیدر عرف رانجھا اور ان کے بیلوں کو کچھ نہ ہوا۔ رانجھا نے باراتیوں کو بتایا کہ انہیں جو کھانا کھلایا گیا وہ بناسپتی گھی میں تیار ہوا تھا۔ رانجھا پہلے سے ہی بناسپتی گھی کو پلیٹ میں ڈال کر اور اس میں میٹھا ملا کر پیتے تھے۔ انہیں بناسپتی گھی کے ذائقہ کا پتہ تھا جب کہ باراتیوں میں سے باقی کسی نے بناسپتی گھی کبھی نہیں کھایا تھا۔[۵]

یعقوب علی

اکبر علی کے فرزند یعقوب علی اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ انہوں نے پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ پھر عربی اور فارسی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ وہ مذہبی سوچ کے حامل تھے۔ گاؤں میں لوگ انہیں مولوی یعقوب کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ نکاح بھی پڑھا دیتے تھے۔ ایک ہندو بنیے کے پیسے وقت پر واپس نہ کرنے، اسے مارنے اور ذیلدار کاظم حسین کی ناراضگی مول لینے کے نتیجہ میں یعقوب کو جیل بھی بھگتنا پڑی۔

یعقوب نے دو شادیاں کیں اور دونوں سیانہ سیداں میں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے تاجی دختر نجابت علی سے کی اور ان کے دو بیٹے شوکت حسین اور غلام حیدر عرف رانجھا اور ایک بیٹی مخدومن ہوئیں۔ گوہلہ میں کتک والی بیماری آئی تو تاجی اور ان کی بیٹی مخدومن بھی اس کی لپیٹ میں آکر وفات پا گئیں۔ یعقوب نے دوسری شادی سیدی دختر شبیر حسین سے کی جو

---

۱ سیّدہ بشیرن بیگم زوجہ حسن علی (سابق رہائشی گوہلہ) گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء
۲ سیّدہ امتہ البتول عرف امتو دختر محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء
۳ سیّدہ بشیرن بیگم زوجہ حسن علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء
۴ سیّد منوّر حسین ولد محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء
۵ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۳ مارچ ۲۰۱۰ء
سیّد فضل الرحمٰن ولد زوّار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۹ دسمبر ۲۰۱۸ء

تاجی مرحومہ کی بھتیجی تھیں۔ یعقوب اور سیدی کے ایک فرزند محمد علی اور چار بیٹیاں صفدری بیگم، مصطفائی عرف اسرو، مرتضائی عرف بندی اور ظہیر فاطمہ عرف جیرو ہوئیں۔ صفدری کی شادی پلاکھے کے نیاز محمد سے ہوئی۔ یعقوب کا گزر بسر اپنی زمین کاشت کر کے ہوتا تھا۔

شوکت حسین

یعقوب علی کے بڑے فرزند شوکت حسین نے کیتھل سکول سے تعلیم حاصل کی۔ وہ سکول سے بھاگ جاتے تھے اس لیے ان کے والد خود انہیں سکول چھوڑ کر آتے تھے۔ پھر یعقوب نے انہیں ٹھسکہ بھیج دیا جہاں انہوں نے درزی کا کام سیکھا۔ گوہلہ واپس آنے پر یعقوب نے شوکت کو کپڑے سینے والی مشین لے دی۔ جب وہ اس کام میں بھی کامیاب نہ ہوئے تو ان کے والد ان سے اپنے ساتھ کاشتکاری کروانے لگے۔[۱] شوکت نے سکول میں تین چار جماعتیں پڑھی تھیں اور لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ شوکت کی شادی ہاشمی دختر مہدی حسن کے ساتھ پلاکھا میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے تین بیٹے صفدر حسین، لیاقت حسین اور صداقت حسین ہوئے۔ تقسیم ہند کے وقت صفدر کی عمر ۱۲ سال، لیاقت کی پانچ سال اور صداقت کی دو سال تھی۔[۲]

غلام حیدر عرف رانجھا

یعقوب علی نے اپنے فرزند غلام حیدر عرف رانجھا کو سکول میں داخل کروایا۔ رانجھا جب دوسری کلاس میں پڑھتے تھے تو ان کے بڑے بھائی شوکت گھر سے بھاگ گئے اور پٹیالہ چلے گئے۔ شوکت کے جانے کے بعد ان کے والد نے رانجھا کو سکول سے ہٹا کر اپنے ساتھ زمینوں پر لے جانا شروع کر دیا۔ شوکت تو آٹھ ماہ بعد پٹیالہ سے واپس آ گئے لیکن رانجھا سکول واپس نہ جا سکے اور کاشتکاری ہی سے منسلک رہے۔ رانجھا جب ۱۶ سال کے ہوئے تو ایک دن ایک انگریز افسر گوہلہ آیا اور کاشتکاروں کا اجتماع ہوا۔ انگریز افسر نے شرکاء سے گندم کی فصل کو لگنے والی بیماریوں کی اقسام کے بارے میں سوال کیا۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو رانجھا نے کہا کہ انہیں گندم کی بیماریوں کی اقسام کا عِلم ہے۔ انگریز افسر نے رانجھا کے دعویٰ پر شک کا تاثر دیا تو رانجھا کے والد یعقوب نے کہا: "صاحب! آپ لڑکے کی عمر نہ دیکھیں، اس کا جواب سنیں۔" انگریز افسر نے کہا: "ٹھیک ہے،" اور رانجھا سے مخاطب ہوا: "بتاؤ گندم کی بیماریوں کی کتنی اقسام ہیں؟" رانجھا نے جواب دیا: "سات۔" انگریز افسر نے پوچھا: "کون کونسی؟" تو رانجھا نے کہا: "صاحب! میں جٹکی زبان میں جواب دوں گا۔" انگریز افسر نے کہا: "ٹھیک ہے، بولو۔" اس پر رانجھا نے تفصیل سے سات بیماریوں، کُنگی، کانگیاری وغیرہ، کے بارے میں بتایا۔ انگریز افسر نے جواب سن کر رانجھا کو تھپکی دی اور دس روپے انعام دیا۔

رانجھا کھیتوں میں بہت محنت کرتے تھے۔ آبپاشی کے لیے کنویں سے نکالے گئے پانی کا بڑا بوکہ جسے عموماً بیل کھینچتے

---

۱ سیّد غلام حیدر عرف رانجھا ولد یعقوب علی (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ واڑہ ــــ ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد لیاقت حسین ولد شوکت حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ جھنگ ــــ ۱۶ مارچ ۲۰۱۸ء

تھے رانجھا خود کھینچ کر لے آتے تھے۔[1]

وزیر علی

وزیر علی ایک محنتی اور جفاکش انسان تھے۔ وہ اپنی زمین کاشت کرتے تھے۔ گوہلہ میں چنے بہت پیدا ہوتے تھے۔ وزیر اپنے گھر کے ایک کمرہ میں چنوں کا ڈھیر لگاتے تھے۔ وہ خود چنوں کا بٹھل اٹھا کر چوٹی پر ڈال آتے تھے۔ یہ کام ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی۔ وزیر کی شادی اکبر کے محلہ ہی میں نجم النساء دختر غلام مصطفیٰ سے ہوئی اور ان کے دو بیٹے مقبول حسین اور مطلوب حسین اور دو بیٹیاں امیر بانو اور صغریٰ بیگم ہوئیں۔

گوہلہ میں کتک کی بیماری پھیلی تو وزیر بھی اس کا شکار ہو گئے۔ وہ جب قریب المرگ تھے اور غنودگی کی حالت میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے تو کچھ دیر کے لیے انہیں ہوش آیا۔ انہوں نے اپنے گھر والوں سے پوچھا کہ گائے کا دودھ نکال لیا ہے یا نہیں۔ جب انہیں بتایا گیا کہ ابھی دودھ نہیں نکالا تو وہ اٹھے اور گائے کا دودھ خود نکالا۔ اس کے فوراً بعد وہ فوت ہو گئے۔ وزیر کی زوجہ نجم النساء بھی گوہلہ ہی میں فوت ہوئیں۔ وزیر کی بیٹی امیر بانو کی شادی اکبر کے محلہ کے رہائشی سیّد حسن نمبردار سے ہوئی اور صغریٰ بیگم کی شادی پونڈری کے قائم حسین ولد نیاز محمد سے ہوئی۔

مقبول حسین و مطلوب حسین

جب وزیر علی فوت ہوئے تو ان کے بڑے بیٹے مقبول حسین آٹھ سال اور چھوٹے بیٹے مطلوب حسین چار سال کے تھے۔ امیر علی ولد اکبر علی نے ان یتیم بچّوں کی سرپرستی کی۔ چند سال بعد امیر علی نے مقبول کو گوہلہ کے ڈاکخانہ میں ہرکارہ ڈاک کی حیثیت سے ملازم کروا دیا۔ ہرکارہ ڈاک کو کیتھل کے قریب پولڑ تک ڈاک کا تبادلہ کرنے کے لیے پیدل جانا پڑتا تھا۔ وہ گوہلہ سے جانے والی ڈاک کو وہاں دیتا اور گوہلہ آنے والی ڈاک وہاں سے لیتا تھا۔ مقبول چونکہ چھوٹے تھے اس لیے امیر علی خود ان کے ساتھ پولڑ تک جاتے تھے۔ بارشوں کے دنوں میں انہیں کمر تک گہرے پانی میں سے بھی گزرنا پڑتا تھا۔ لیکن امیر علی نے کبھی تکلیف کی پرواہ نہیں کی اور جب تک مقبول پورے جوان نہیں ہوئے خود ان کے ساتھ جاتے رہے۔ ڈاکخانہ میں بندے علی ولد علی محمد بھی ہرکارہ ڈاک کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ ایک دن مقبول اور دوسرے دن بندے علی ڈاک دینے اور لینے کے لیے پولڑ جاتے تھے۔ مقبول کی تنخواہ ۱۲ روپے ماہوار تھی۔

مقبول کی شادی فاطمہ دختر علمدار حسین سے ہوئی جو انھی کے محلہ میں رہتی تھیں۔ ان کے ایک فرزند اختر حسین ہوئے جو تقسیم ہند کے وقت ۱۰، ۱۱ سال کے تھے اور گوہلہ سکول میں پڑھتے تھے۔ مقبول کے چھوٹے بھائی مطلوب حسین کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ان کی شادی صغیرن دختر میراں عبدالمجید سے ٹھسکہ میں ہوئی۔ ان کی بارات میں کافی لوگ گئے تھے۔

---

۱ سیّد غلام حیدر عرف رانجھا ولد یعقوب علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ/لاہور — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء، ۱۸ دسمبر ۲۰۱۱ء

کئی بیل گاڑیاں اور رتھیں تھیں۔ ہندوستان میں مطلوب اور صغیرن کے ایک بیٹی زاہدہ بیگم ہوئیں۔ (۱)

سیّد حسن نمبردار

سیّد حسن نمبردار کے والد محمد حسن تھے۔ حسن نمبردار کی گاؤں میں ایک سماجی حیثیت تھی۔ انہیں سب گاؤں والے ابّا جی کہتے تھے۔ وہ بھی جس سے ملتے اس کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے تھے۔ وہ سید کھیڑی کے محمد یٰسین ولد حسین بخش کے دوست تھے اور ان سے ملنے سید کھیڑی جاتے رہتے تھے۔ حسن نمبردار کے ذیلدار کاظم حسین سے بھی بہت اچھے تعلقات تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی عزّت کرتے تھے۔ (۲)

حسن نمبردار نے تین شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے بلاھڈا میں کی اور ان کے دو بیٹیاں صغیرن اور سیرو ہوئیں۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد انہوں نے دوسری شادی اپنے محلہ میں امیر بانو دختر وزیر علی سے کی اور ان کے ایک بیٹا سجاد حسین اور ایک بیٹی اصغری بیگم ہوئیں۔ امیر بانو گوہلہ میں ہی وفات پا گئیں۔ حسن نمبردار نے تیسری شادی صغری بیگم عرف دتالو سے دتال میں کی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند عابد عرف چھجو ہوئے۔ حسن نمبردار کی بیٹی صغیرن کی شادی گمن کھیڑی کے علی رضا سے ہوئی۔ صغیرن فوت ہو گئیں تو ان کی بہن سیرو کی شادی بھی علی رضا سے ہو گئی۔ سیرو بھی ہندوستان میں فوت ہو گئیں۔ حسن نمبردار کے بیٹے سجاد کی شادی کاظمی دختر محمد صدیق سے بلاھڈا میں ہوئی۔ (۳)

علی حسن

علی حسن کے والد محمد حسن تھے۔ وہ حسن نمبردار کے بھائی تھے اور مویشیوں کا بیوپار کرتے تھے۔ ان کی شادی صدیقن دختر رستم علی سے بلاھڈا میں ہوئی۔ صدیقن گوہلہ میں تائی بوڑی کے نام سے مشہور تھیں۔ علی حسن اور صدیقن کے دو بیٹے صغیر حسین اور شبیر حسین اور دو بیٹیاں صغیرن اور شبیرن ہوئیں۔ علی حسن کے بیٹے صغیر کی شادی ان کے ماموں کی بیٹی حسین بی بی عرف سینا دختر اصغر حسین سے بلاھڈا میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند ناصر حسین ہوئے۔ صغیر کے بھائی شبیر کی شادی ان کے دوسرے ماموں کی بیٹی یعقوبن دختر محمد صدیق سے بلاھڈا میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک بیٹی حیدری بیگم ہوئیں۔ (۴)

---

۱ سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

۲ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۳ سیّد محبوب علی ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۵ فروری ۲۰۱۱ء

سیّد منظور حسین ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۸ء

۴ سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

علمدار حسین

علمدار حسین کے والد غلام مصطفیٰ اور دادا بہادر علی تھے۔ علمدار کی چار بہنیں کنیز، نجم النساء، کرم النساء عرف کمی اور قطبن تھیں۔ کنیز کی شادی ٹھسکہ کے میراں مجید سے، نجم النساء کی شادی گوہلہ کے وزیر علی سے، کمی کی شادی پونڈری کے محمد نقی (نجم علی) سے اور قطبن کی شادی ٹھسکہ کے اللہ دیا سے ہوئی۔ اللہ دیا میراں مجید کے ماموں تھے۔

علمدار کی پہلی شادی خدیجن دختر محفوظ علی سے ٹھسکہ میں ہوئی اور ان کے ایک بیٹی فاطمہ عرف پھاتی ہوئیں۔ علمدار کی دوسری شادی بشیرن دختر عبدالغنی سے ٹھسکہ میں ہوئی۔ بشیرن میراں مجید کی بہن تھیں۔ علمدار اور بشیرن کے دو بیٹے محبوب علی اور منظور حسین اور دو بیٹیاں صغریٰ اور انعام فاطمہ ہندوستان میں پیدا ہوئیں۔ تقسیم ہند کے وقت محبوب کی عمر ۱۶، ۱۷ سال تھی اور منظور ان سے تین سال چھوٹے تھے۔ علمدار کی بیٹی فاطمہ عرف پھاتی کی شادی اکبر کے محلہ میں ہی مقبول حسین ولد وزیر علی سے ہوئی۔[1]

ببر علی

ببر علی کو مقبول اور مطلوب کے پردادا گوہلہ لے کر آئے تھے۔ ان کے کئی عزیز رشتہ داروں نے بھی گوہلہ میں رہائش اختیار کی تھی۔ ببر علی کاشتکاری کرتے تھے۔ ان کی زمین گاؤں سے دو میل کے فاصلہ پر تھی۔ ان کے دو بیٹے علی نواز اور کرم حسین تھے۔[2] علی نواز آخر عمر تک خاصے صحت مند رہے۔ سانپ کاٹنے کی وجہ سے ۱۱۸ برس کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔[3] علی نواز کے دو بیٹے ذاکر حسین اور جعفر حسین ہوئے جب کہ کرم حسین کے ایک فرزند سالم حسین ہوئے۔

ذاکر حسین کی شادی عزیزن سے پیہوہ میں ہوئی اور ان کے ایک بیٹی سلامتی ہوئیں۔ ذاکر کی وفات کے بعد انکی بیوہ عزیزن کی شادی ذاکر کے چھوٹے بھائی جعفر سے ہوئی۔ جعفر اور عزیزن کے دو بیٹے رضا حسین اور لطیف حسین اور ایک بیٹی جنّت بی بی ہوئیں۔ سلامتی دختر ذاکر حسین کی شادی سامانا کے عون محمد ولد علی حسن سے اور جنّت بی بی کی شادی پیہوہ کے صفدر حسین ولد محمد حسین سے ہوئی۔

جعفر حسین کا گھر خاصا بڑا تھا جس میں وہ اپنی گائیں، بھینسیں بھی باندھتے تھے اور گڈا بھی کھڑا کرتے تھے۔ گوہلہ طاؤن کی لپیٹ میں آیا تو ببر علی کے ۳۸ عزیز رشتہ دار موت کا شکار ہو گئے۔ جعفر حسین جنہیں سارے گاؤں والے تایا کہتے تھے ذہنی توازن کھو بیٹھے اور گھر سے نکل گئے۔ کئی مرتبہ انہیں گوہلہ لایا گیا لیکن وہ موقع پاتے ہی گاؤں سے نکل جاتے تھے۔ ان کے گھر میں غربت کا راج ہو گیا۔ ان کی زوجہ عزیزن نے چکی پیس کر اپنے بچّوں کو پالا۔

---

۱ سید محبوب علی ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ واڑہ ـــ ۲۵ فروری ۲۰۱۱ء

۲ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ کبیر والا ـــ ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۳ سیّد رضا حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ کبیر والا ـــ ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

رضا حسین و لطیف حسین

جعفر حسین کے بڑے فرزند رضا حسین اپنی زمین کاشت کرتے تھے اور چھوٹے فرزند لطیف حسین اپنے جانوروں کے ساتھ دوسروں کے جانور بھی چَرانے کے لیے لے جاتے تھے۔ انہیں ایک گائے چَرانے کے چار آنے ماہوار اور ایک بھینس چَرانے کے آٹھ آنے ماہوار ملتے تھے۔ گائیں اور بھینسیں چَرانے کے لیے انہیں پیسے نہیں کاٹنے پڑتے تھے۔ وہ جانوروں کو گاؤں سے باہر لے جاتے اور جانور خود ہی چَرتے رہتے تھے۔ لطیف کا کام صِرف جانوروں کی نگرانی کرنا تھا۔ وہ شام کو جانوروں کو واپس لا کر ان کی معین جگھوں پر باندھ دیتے تھے۔ گاؤں والے جتنے زیادہ جانور ان کے حوالہ کرتے اتنی ہی زیادہ ان کی آمدنی ہوتی تھی۔ عزیزن نے بھی خوب محنت کی۔ یہاں تک کہ انہوں نے امیر علی کی کچھ زمین بھی رہن رکھی۔ رضا اور لطیف کا گھر چھوٹی اینٹ کا بنا ہوا تھا۔ اکبر کے محلہ کی مسجد اور امام بار گاہ ان کے گھر کے ساتھ تھے۔

سالم حسین

کرم حسین کے فرزند سالم حسین کاشتکاری کرتے تھے۔ ان کی شادی گوہلہ ہی میں صدیقن دختر رضا حسین سے ہوئی۔ ان کا رشتہ حسن نمبردار نے کروایا تھا۔ سالم پہلے حسن نمبردار کے آدھ سیری تھے پھر سیری ہو گئے۔ آدھ سیری اسے کہتے تھے جو کاروبار میں نصف کا شریک ہوتا تھا اور سیری اسے جو کاروبار میں برابر کا شریک ہوتا تھا۔[1]

لیڈری محلہ

لیڈری محلہ میں سیّد برادری کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد رہتے تھے:

چراغ علی

چراغ علی کے والد ہدایت علی تھے۔ چراغ کے چار بیٹے رونق علی، علی محمد، ہادی حسن اور طالب حسین تھے۔ رونق علی کی شادی صغریٰ بیگم دختر فرزند علی سے ہوئی اور ان کے دو بیٹے کبیر حسین اور مراتب علی اور چار بیٹیاں صغیرن بیگم، اصغری بیگم، بشیرن بیگم اور انعام فاطمہ ہوئیں۔[2] کبیر حسین کی شادی عزیز دختر غلام نقی سے ہوئی اور گوہلہ میں ان کے ایک بیٹی بانو ہوئیں۔[3] چراغ علی کے دوسرے بیٹے علی محمد کے دو بیٹے جمیل حسین اور اظہار حسین تھے۔ جمیل کی شادی صغیرن بیگم دختر رونق علی سے ہوئی اور ان کے دو بیٹیاں سعیدہ بیگم اور طاہرہ بیگم ہوئیں۔ جمیل فوج میں ملازم تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران وہ مارے گئے۔ چراغ علی کے بیٹے ہادی حسن تقسیم ہند سے پہلے غیر شادی شدہ تھے جب کہ طالب حسین لاولد فوت ہوئے۔

---

۱ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۲ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۳ سیّدہ امام باندی عرف اللہ ڈوائی دختر منوّر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کلر والا — ۵ مارچ ۲۰۱۸ء

ولایت علی

ولایت علی کے والد ہدایت علی تھے۔ ولایت ڈاکخانہ میں چٹھی رساں تھے۔ ان کی شادی جیرو سے خواجکاں میں ہوئی اور ان کے دو بیٹے نذیر حسین عرف نتھو بلّا اور خورشید حسین اور ایک بیٹی بتول عرف تولی ہوئیں۔ بتول کی شادی ٹھسکہ کے عبدالمجید عرف نتھو سے ہوئی۔ ولایت کے بیٹے نذیر کو پہلے صرف نتھو کہتے تھے۔ ذیلدار کاظم حسین انہیں پیار سے بلّا کہتے تھے۔ آہستہ آہستہ سب گاؤں والے انہیں نتھو بلّا کہنے لگے۔ نذیر نتھو بلّا کی پہلی شادی گاما بی بی دختر غلام حسین سے ہوئی اور ان کے دو بیٹے یاور حسین اور سرور حسین ہوئے۔ گاما بی بی کی وفات کے بعد ذیلدار کاظم حسین نے نذیر نتھو بلّا کی شادی بشیرن بی بی بیوہ رشید علی سے کروا دی۔ بشیرن بی بی بھور کی رہنے والی تھیں۔ نذیر اور بشیرن کے ایک فرزند حسن رضا ہوئے۔ نذیر نتھو بلّا کے بیٹے یاور کی شادی کاظمی دختر اللہ دیا سے راجگڑھ میں ہوئی۔

ولایت علی کے بیٹے خورشید حسین راجپورہ میں کسی افسر کی کوٹھی پر ملازم تھے۔ ان کے دو بیٹے اقبال حسین اور ذوالفقار حسین اور ایک بیٹی سروری تھیں۔ سروری کی شادی ان کی خالہ کے بیٹے طالب حسین سے ہوئی۔ طالب بلاھڈا کے رہنے والے تھے۔ اقبال کی شادی مشتری بیگم اور ذوالفقار کی شادی انوری بیگم سے ہوئی۔[1]

نذیر نتھو بلّا کے بیٹوں یاور اور سرور نے فوج میں ملازمت کی۔ خورشید حسین کے بیٹوں ذوالفقار اور اقبال نے بھی فوج میں ملازمت کی۔[2]

وزیر علی

وزیر علی کے والد ہدایت علی تھے۔ وزیر کی شادی میرو کے ساتھ ہوئی جو جیرو کی بہن تھیں اور خواجکاں کی رہنے والی تھیں۔ ان کے ایک فرزند رشید علی ہوئے۔ رشید کی شادی بشیرن بی بی سے بھور سیداں میں ہوئی۔ شادی کی پہلی رات ہی رشید بیہوش ہو گئے اور سخت بیمار ہو گئے۔ ان کی ایک ٹانگ سوک گئی۔ چند ہی روز بعد رشید فوت ہو گئے۔ ان کے بارے میں ایک عجیب و غریب داستان زبان زد عام ہو گئی اور وہ یہ کہ شادی کے دن رشید نے گاؤں کے بڑے جوہڑ میں ایک پتھر پھینکا۔ پانی کے ابھرنے کا منظر انہیں بھلا لگا تو انھوں نے مسلسل کئی پتھر پانی میں پھینکے۔ رات کو جب وہ اپنی چارپائی پر لیٹے تو چارپائی کے نیچے ایک چڑیل نے پھڑ پھڑانا شروع کر دیا۔ رشید دہشت کے مارے بیہوش ہو گئے۔ علاج کروانے کے باوجود ان کی طبیعت بگڑتی گئی۔ لوگ کہنے لگے کہ چڑیل یہ کہتی ہے: ”اس نے میرے بچّے مار دیے اور میرے پر بھی توڑ دیے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔“ رشید نذیر نتھو بلّا کے چچا زاد اور خالہ زاد بھائی تھے۔ وہ درزی کا کام کرتے تھے اور اچھے مرثیہ خوان بھی تھے۔

---

۱ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نتھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۲ سیّد یاور حسین ولد نذیر حسین عرف نتھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد شمشاد حسین ولد یاور حسین بالمشافہ — سلیمان — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

محمد حسن عرف ففانند

محمد حسن کے والد خواج بخش تھے جنہوں نے لدھیانہ کے قریب گاؤں خواجکی سے آکر گوہلہ میں رہائش اختیار کی۔ ہدایت علی کے بھائی احسان علی نے اپنی بیٹی اُمی کی شادی خواج بخش سے کر دی۔ خواج بخش اور اُمی کے دو بیٹے محمد حسن عرف ففانند اور علی حسن ہوئے۔ محمد حسن اپنی زمین پر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ وہ گڑھی محلہ سے میلہ اور مجلس کے مختار تھے۔ اکبر علی کے محلہ سے امیر علی میلہ اور مجلس کے مختار تھے۔ مختار کا کام میلہ میں دکانیں لگوانا، لنگر کا انتظام کرنا اور مجالس میں نیاز وغیرہ کا انتظام کرنا ہوتا تھا۔ ان سے پہلے یہ فرائض ہدایت علی اور اکبر علی انجام دیتے تھے۔

محمد حسن کے دو بیٹے غلام نقی اور حیدر حسن تھے۔ غلام نقی کی شادی سکینہ دختر علی حسن سے ہوئی اور ان کے ایک فرزند شوکت حسین[۱] اور تین بیٹیاں عزیز، شبو اور اختری ہوئیں۔ غلام نقی کی بیٹی عزیز کی شادی لیڈری محلہ کے کبیر حسین ولد رونق علی سے، شبو کی شادی گمن کھیڑی کے رشید علی ولد نور محمد سے اور اختری کی شادی گمن کھیڑی کے شرافت حسین ولد فتح حسین سے ہوئی۔[۲] محمد حسن کے دوسرے بیٹے حیدر حسن کی شادی کاظمی دختر مجید حسین سے گمن کھیڑی میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے تین بیٹے غلام شبیر عرف گودھا، رضا حسین اور طاہر حسین اور ایک بیٹی طاہرہ بانو ہوئیں۔[۳]

علی حسن

علی حسن کے والد خواج بخش تھے۔ وہ اپنی زمین پر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ وہ بیل گاڑی بھی چلاتے تھے۔ جس کسی نے کہیں جانا ہوتا وہ اسے لے جاتے تھے۔ علی حسن کی شادی صغریٰ کے ساتھ بلاھڈا میں ہوئی اور ان کے تین بیٹے بندے علی، منوّر حسین اور تصوّر حسین اور ایک بیٹی سکینہ ہوئیں۔ بندے علی کی شادی سروری دختر فتح حسین سے ہوئی اور ان کے ایک بیٹا ہوا جو ایک سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ بعدازاں بندے علی بھی فوت ہو گئے۔ علی حسن نے اپنے فرزند بندے علی کی وفات کے بعد ان کی بیوہ سروری بیگم کے ساتھ اپنے دوسرے بیٹے منوّر حسین کی شادی کر دی۔ منوّر اور سروری کے ہندوستان میں ایک بیٹا علی اصغر اور ایک بیٹی امام باندی عرف اللہ ڈوائی ہوئیں۔ تقسیم ہند کے وقت اللہ ڈوائی کی عمر چار سال تھی۔ علی حسن اور ان کی زوجہ صغریٰ کا انتقال ہندوستان میں ہوا۔ جب صغریٰ فوت ہوئیں تو ان کے چھوٹے فرزند تصوّر حسین چند ماہ کے تھے۔ تصوّر ۲۰، ۲۲ سال کی عمر میں گمن کھیڑی میں فوت ہوئے۔ ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔[۴]

دلبر حسن

دلبر حسن کے والد خواج بخش اور دادا خیرات علی تھے۔ دلبر اہلسنت تھے اور روہٹی گاؤں میں نماز پڑھاتے تھے۔

---

۱ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۲ سیّدہ امام باندی عرف اللہ ڈوائی دختر منوّر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کلر والا — ۵ مارچ ۲۰۱۸ء

۳ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۴ سیّدہ امام باندی عرف اللہ ڈوائی دختر منوّر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کلر والا — ۵ مارچ ۲۰۱۸ء

ان کی شادی گوہلہ میں ہوئی اور بعدازاں انہوں نے گوہلہ میں رہائش اختیار کر لی۔ وہ گوہلہ ہی میں فوت ہوئے۔ دلبر کے ایک فرزند رفیق حسین تھے۔ وہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ رفیق کی شادی ہاشمی سے ہوئی اور ان کے دو بیٹے انور حسین اور عزادار حسین اور ایک بیٹی کنیز فاطمہ ہوئیں۔[1]

رہن سہن

گوہلہ میں چار برج تھے جو پرانے بنے ہوئے تھے۔ نو بہار شاہ کا مزار، تقسیم ہند سے پہلے، گاؤں سے تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلہ پر تھا۔ گاؤں اور مزار کے درمیان میں ایک چھپڑ تھا۔ گوہلہ میں سیّدوں کے علاوہ کسی کی زمین نہیں تھی۔ مسلمانوں میں اکثریت سیّدوں کی تھی، کچھ گھر ہندوؤں کے اور دو گھر سکھوں کے بھی تھے۔[2]

۱۹۱۸ء کے کرنال ڈسٹرکٹ گزٹیئر کے مطابق: "گوہلہ جو پٹیالہ کی سرحد کے قریب ایک چھوٹا گاؤں ہے سب تحصیل کا صدر دفتر ہے۔ اس گاؤں میں ایک بنگلہ اور ایک تھانہ ہیں۔ یہاں صورت حال خوش کن نہیں۔ پانی خراب ہے، باشندے کم ہیں اور دیمک کی بہتات ہے۔"[3] تقسیم ہند سے پہلے گوہلہ کے کسی گھر میں ہینڈ پمپ نہیں تھا۔ لوگ پینے کا پانی کنوؤں سے حاصل کرتے تھے۔ کنویں ہر محلہ میں تھے۔ ماشقی کنویں سے پانی لے کر گھروں میں پہنچا دیتے تھے۔ تقسیم ہند سے پہلے کئی سال تک یہ کام جیمیوں، چھوٹو اور ان کی بیگمات کرتی رہیں۔[4]

شادیوں کے مواقع پر باہر سے آنی والی بارات کو عام لوگ سکول کی عمارت میں ٹھہراتے تھے۔ کچھ لوگ بارات کو گھروں میں بھی ٹھہرا لیتے تھے۔ غریب لوگ تو باراتیوں کو دال چاول یا بورا چاول کھلاتے تھے اور خوشحال افراد گوشت روٹی سے باراتیوں کی تواضع کرتے تھے۔[5] گوہلہ کا جنگل مشہور تھا جہاں ہرن کا شکار کرنے کے لیے ذیلداروں کے دوست آتے تھے۔ شکار کرنے کے لیے آنے والوں میں ٹھٹہ محمد شاہ کے حاجی ریاض حسین شاہ بھی شامل تھے۔ حاجی ریاض کی ذیلدار خاندان کے اختر حسین سے دوستی ۱۹۳۹ء میں لکھنؤ ایجی ٹیشن کے دوران جیل میں ہوئی تھی۔ مولوی بشیر فاتح ٹیکسلا جب مجلس پڑھنے گوہلہ آتے تو شکار کرنے بھی جاتے تھے۔ ایک دفعہ جب مولوی بشیر شکار کرنے گئے تو جس گاڑی میں وہ بیٹھے تھے الٹ گئی اور ان کا بازو ٹوٹ گیا۔[6] گوہلہ کے جنگل میں سبزیاں جیسے کریلے، ٹینڈے، توریاں وغیرہ اگتی تھیں۔ جب

---

۱ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ واڑہ ـــ ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء
۲ سیّد منظور حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ کبیر والا ـــ ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء
۳ Punjab District Gazetteers, P 224, Vol VI-A, Karnal District, 1918
۴ سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ کبیر والا ـــ ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء
۵ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ کبیر والا ـــ ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء
۶ سیّد ذاکر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ واڑہ ـــ ۳۰ ستمبر ۲۰۱۷ء

سیلاب آتا تھا تو سرسوں کا ہلکا سا چھینٹا دیتے تھے اور وہ خود بخود اگ جاتی تھی۔ عام لوگ اپنی زمینیں خود کاشت کرتے تھے۔[1]

گوہلہ میں سیّدوں کے تین محلّے — گڑھی محلہ، اکبر کا محلہ اور لیڈری محلہ — تھے۔ لیڈری محلہ دراصل گڑھی محلہ ہی کی توسیع تھی۔[2] ذیلدار خاندان اور اکبر علی کا خاندان عموماً آپس میں رشتے نہیں کرتے تھے اگرچہ سید کھیڑی اور ٹھسکہ میں دونوں خاندانوں کے کئی مشترکہ رشتہ دار تھے۔[3]

گڑھی محلہ

گڑھی محلہ کے شروع میں نواب علی کے بیٹوں تراب علی، تابع حسین عرف چیچو، علی محمد اور غلام حسین کے گھر تھے۔ ان کے علاوہ خدا بخش کے بیٹوں علی حسین، کاظم حسین اور صدیق کے گھر تھے۔ ایک گھر مہدی حسن کا بھی یہیں تھا۔ ان گھروں کے ساتھ سے ایک کمہاروں کی گلی نکلتی تھی جس میں شبراتی اور مولی کمہار وغیرہ کے گھر تھے۔ نواب علی کی اولاد کے گھروں سے کچھ آگے ایک چوک تھا جسے گڑھی چوک کہتے تھے۔ اس چوک میں ذیلدار محمد بخش کے بیٹوں محمد امیر اور محمد حسین اور ان کی اولاد کے گھر تھے۔ ذیلدار کاظم حسین اور ان کے بھائی اختر حسین کا دروازہ اور صحن مشترک تھے جب کہ رہائشی مکان علیحدہ علیحدہ تھے۔ گڑھی چوک میں دکانیں بھی تھیں اور امام بارگاہ بھی تھا۔ چوک سے آگے گلی میں محمد حسین کے بیٹوں رضا حسین اور خورشید حسن کے گھر تھے۔[4] اسی محلہ کے سابق رہائشی سیّد منظور حسین نے کہا: ”ہمارے محلہ میں حیات علی کے تین بیٹوں حیدر علی، صابر علی اور مہر علی کی اولاد رہتی تھی۔ ہم صابر علی کی، ذیلدار مہر علی کی اور نواب علی حیدر علی کی اولاد ہیں۔ ذیلداروں کے ساتھ پہلے ہمارا تیسرا حصّہ تھا۔ پھر محمد بخش کو ذیلداری مل گئی تو ان کی زمین بڑھ گئی اور وہ بڑے بن گئے۔ ہم سیدھے سادہ تھے۔“ [5]

گڑھی چوک میں امام بارگاہ کے ساتھ ایک گلی نکلتی تھی جسے چھتی گلی کہتے تھے۔ چھتی گلی گڑھی محلہ کا حصّہ شمار ہوتی تھی۔ اس گلی کے شروع میں ایک طرف امام بارگاہ کی دیوار اور دوسری طرف ذیلدار کاظم حسین کے گھر کی دیوار تھی۔ ان دیواروں پر چھت ڈال کر اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں بھی بنائی گئی تھیں۔ خواتین گرمیوں میں گلی کی چھت پر بیٹھ کر مجالس سنتی تھیں اور سردیوں میں امام بارگاہ کے اوپر بنے ہوئے کمرہ میں بیٹھتی تھیں۔ گڑھی چوک سے نکلنے والی اس گلی میں ذیلدار کاظم حسین کے گھر کے بعد انتظام علی کا گھر تھا۔ اس کے بعد مقبول ولد یعقوب سانی اور پھر ایک ہندو کا گھر تھا۔ اس گلی میں ہندوؤں کے کل چار پانچ گھر تھے۔[6] چھتی گلی میں بازار بھی بن گیا تھا جو گڑھی چوک سے شروع ہوتا تھا۔ انتظام علی نے بھی

---

۱ سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

۲ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھتو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھتو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۵ سیّد منظور حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۶ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھتو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

ایک دکان ایک حلوائی کو کرایہ پر دی تھی۔ چھتی گلی کے سابق رہائشی سیّد ابو ثمامہ کے مطابق: ”انتظام علی کے بزرگوں کا نسب ذیلداروں کے بزرگوں کے نسب سے مل جاتا ہے۔“ [۱] انتظام علی کے بھائی غفور حسین کا گھر بھی چھتی گلی میں تھا۔[۲]

گڑھی محلہ کو چوہدریوں کا محلہ بھی کہتے تھے کیونکہ ذیلداری نظام سے پہلے بڑے زمینداروں کو چوہدری کہتے تھے۔ اس محلہ کو پٹواریوں کا محلہ بھی کہتے تھے کیونکہ یہاں کے کئی مکین پٹواری تعینات تھے۔[۳] ۱۹۱۸ء کے کرنال ڈسٹرکٹ گزٹیئر کے مطابق: ”فرسٹ گریڈ پٹواری کی تنخواہ ۱۴ روپے، سیکنڈ گریڈ پٹواری کی ۱۲ روپے، تھرڈ گریڈ پٹواری کی ۱۰ روپے اور اسسٹنٹ پٹواری کی ۸ روپے ہے۔“ [۴] اکبر کے محلہ والے اور لیڈری محلہ والے عموماً نوکری نہیں کرتے تھے اس لیے وہ صِرف گزارہ ہی کرتے تھے۔ گڑھی محلہ کے اکثر لوگ نوکری کرتے تھے۔ ذیلدار خاندان کے افراد پڑھے لکھے تھے اور ان میں کئی پٹواری تھے۔[۵] اکبر کے محلہ کے سابق رہائشی سیّد غلام حیدر عرف رانجھا نے کہا: ”جب میری پھوپھی یعقوبن کی شادی ہوئی اور طالب کی بارات آئی تو میرے دادا اکبر کو مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی گئی۔ انہیں بتایا گیا کہ باراتیوں کی تیس بیل گاڑیاں ہیں۔ انہوں نے کہا: 'کوئی ڈر نہیں۔' پھر انہیں بتایا گیا کہ دو باجا بجانے والی ٹولیاں بھی ان کے ساتھ ہیں جن میں سے ایک بارات کے آگے ہے اور ایک پیچھے۔ انہوں نے پھر کہا: 'کوئی ڈر نہیں۔' پھر انہیں بتایا گیا کہ بارات کے ساتھ کنجریاں بھی ناچنے کے لیے آئی ہیں۔ یہ سن کر اکبر بھڑک اٹھے اور کہا: 'یہاں کنجریوں کا ناچ نہیں ہو سکتا۔' معاملہ کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے میرے والد نے کہا: 'ابّا جی! آپ فکر نہ کریں۔ ہم کنجریوں کو ان کے پاس بھیج دیں گے جن کی فرمائش پر انہیں لایا گیا ہے۔' بارات کے گوہلہ میں دو راتوں کے قیام کے دوران بارات کے ساتھ آئی ہوئی کنجریاں گڑھی محلہ میں ناچتی رہیں۔“ [۶]

اکبر کا محلہ

اکبر کے محلہ میں اکبر علی کے پانچ بیٹوں کے علیحدہ علیحدہ گھر تھے۔[۷] حسن نمبردار، ان کے بھائی علی حسن اور وزیر علی اور ان کے بیٹے مقبول حسین اور مطلوب حسین بھی اسی محلہ میں رہتے تھے۔ اکبر کے محلہ کے سابق رہائشی سیّد اختر حسین کے مطابق: ”حسن نمبردار اور وزیر علی کے بزرگوں کا نسب اکبر علی کے بزرگوں کے نسب سے مل جاتا ہے۔ وزیر علی کے بزرگوں کا نسب پہلے اور حسن نمبردار کے بزرگوں کا نسب بعد میں اکبر کے بزرگوں کے نسب سے ملتا ہے۔“ [۸] غلام

---

۱ سیّد ابو ثمامہ ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۴ ستمبر ۲۰۱۱ء

۲ سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۳۱ اکتوبر ۲۰۱۸ء

۳ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۴ Punjab District Gazetteers, P 184, Vol VI-A, Karnal District, 1918

۵ سیّد ابو ثمامہ ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۴ ستمبر ۲۰۱۱ء

۶ سیّد غلام حیدر عرف رانجھا ولد یعقوب علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۷ سیّدہ امتہ البتول عرف امتو دختر محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء

۸ سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

مصطفیٰ کے فرزند علمدار حسین[1] اور ببر علی کی اولاد کے گھر بھی اسی محلہ میں تھے۔ سادات کے علاوہ اس محلہ کے رہائشیوں میں جیموں اور چھوٹو بھی شامل تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد جیموں اور چھوٹو گوہلہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ذیلدار کاظم حسین انہیں واپس لے کر آئے اور گاؤں میں انہیں دانے بھوننے کی بھٹیاں لگوا کر دیں۔ چھوٹو کی بیوی حشمت بھی بھٹی پر دانے بھونتی تھی۔ جیموں اور چھوٹو دونوں سیّدوں کے گھروں میں پانی بھرتے تھے۔ اکبر کے محلہ کے سابق رہائشی سیّد لطیف حسین نے کہا: ”جیموں ہر روز تیتر کھاتا تھا۔ اس نے ایک تیتر رکھا ہوا تھا اور اسے سکھایا ہوا تھا۔ وہ اسے جنگل میں لے جاتا اور جال لگا دیتا تھا۔ جیموں کا تیتر آواز نکالتا تھا جسے سن کر دو چار تیتر اس کے پاس آجاتے تھے اور جال میں پھنس جاتے تھے۔“[2] جیموں کا قد بڑا اور چھوٹو کا چھوٹا تھا۔ جیموں مستری کا کام بھی کرتا تھا۔[3]

لیڈری محلہ

گڑھی محلہ کی چھتی گلی میں آگے جا کر ایک کھلی جگہ آ جاتی تھی جسے لیڈری والا چوک کہتے تھے۔ یہاں ہدایت علی کے بیٹوں چراغ علی، ولایت علی اور وزیر علی اور ان کی اولاد کے گھر تھے۔ لیڈری محلہ کے سابق رہائشی سیّد حسن رضا کے مطابق: ”ہدایت علی کے بزرگوں کا نسب ذیلداروں کے بزرگوں کے نسب سے مل جاتا ہے۔“ ہدایت علی کی اولاد کے علاوہ محمد حسن، علی حسن، ہادی حسن، رونق علی اور ان کی اولاد بھی اسی محلہ کے رہائشی تھے۔اقبال حسین ولد فدا حسین نے بھی لیڈری محلہ میں گھر بنایا تھا۔[4] ڈاکخانہ بھی اسی محلہ کے ایک مکان میں تھا جسے انتظام علی نے بنوایا تھا۔[5] ڈاکخانہ کی عمارت نذیر نھتو بلّا کے گھر کے سامنے تھی۔

لیڈری محلہ کے گھروں سے آگے جنگل تھا جہاں گاؤں والے رفع حاجت کے لیے جاتے تھے۔ جنگل اور لیڈری محلہ کے گھروں کے درمیان چھ کنال شاملاتی زمین تھی۔ اس جگہ کے اردگرد لیڈری محلہ والوں نے اونچی باڑ لگائی تھی جسے کوئی انسان پھلانگ نہیں سکتا تھا۔ انہوں نے یہاں فرانس، پیپل اور نیم وغیرہ کے درخت لگائے تھے اور اس جگہ کو ایک چھوٹے سے باغیچہ کی شکل دے دی تھی۔ گاؤں کے بچّے اس باغیچہ میں کھیلتے تھے۔ یہاں ایک گوہر یعنی راستہ بھی تھا۔ یہ راستہ چونکہ گہرا تھا اس لیے اسے گوہر کہتے تھے۔ اس میں آدمی بھی چلتے تھے اور پانی بھی۔ گوہر کو دو تین گلیاں لگتی تھیں۔ گوہر کے کنارے پر ایک نوہرہ (کھلا برآمدہ) تھا جس میں بھوس اور لکڑیاں وغیرہ رکھتے تھے۔ سردیوں میں مرد یہاں لکڑیاں جلا کر بیٹھتے تھے۔ اس نوہرہ کو علی حسن نے بنوایا تھا۔ باغیچہ میں ایک کنوئی بھی تھی جسے ہدایت علی نے خود بڑی محنت سے کھودا تھا۔

---

۱ سیّد محبوب علی ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۲ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء، ۲۹ دسمبر ۲۰۱۸ء

۳ سیّد فضل الرحمٰن ولد زوّار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۳۰ دسمبر ۲۰۱۸ء

۴ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھتو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۵ سیّد ابو ثمامہ ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۰ فروری ۲۰۱۱ء

اس کنوئی سے ماشقی پانی بھر کے گھروں میں دیتے تھے۔[1]

صحت اور تعلیم

گوہلہ اگرچہ ایک چھوٹا گاؤں تھا لیکن ذیلداروں کے اثر و رسوخ کی وجہ سے وہاں کچھ بنیادی سہولتیں موجود تھیں۔ گاؤں میں ایک ہسپتال، شفاخانہ حیوانات، لڑکوں کے لیے لوئر مڈل سکول، لڑکیوں کے لیے پرائمری سکول، سب تحصیل آفس، تھانہ اور ڈاکخانہ تھے۔[2] ہسپتال میں ایک ڈاکٹر تعینات ہوتا تھا اور دوائی بھی ملتی تھی۔ مریض کی حالت زیادہ خراب ہوتی تو اسے کیتھل، کرنال، پٹیالہ وغیرہ لے جاتے تھے۔ امیر علی ولد اکبر علی گاؤں کے بیمار بچّوں کے لیے ہسپتال سے دوائی لے کر آتے تھے۔ اگرچہ ہسپتال ان کے محلہ سے کافی فاصلہ پر تھا لیکن وہ تھیلے میں شیشیاں ڈالتے اور بچّوں کے لیے دوائی لے آتے تھے۔ اگر کسی ہندو کے بچّے بیمار ہوتے تو وہ ان کے لیے بھی دوائی لے کر آتے تھے۔ بچّے ان سے ڈرتے تھے۔ جب کوئی بچّہ دوائی پینے سے انکار کرتا تو اس کی ماں امیر علی کا نام لے کر اسے ڈراتی تھی اور بچّہ دوائی پی لیتا تھا۔[3] اگرچہ گوہلہ میں سرکاری ہسپتال تھا لیکن ٹھسکہ کے حکیم مشہور تھے۔ ایک دفعہ امیر علی کسی کی دوائی لینے کے لیے ٹھسکہ پیدل گئے۔ ٹھسکہ گوہلہ سے ۳۰ میل دور تھا۔ وہ رات ہوتے ہی چلے اور صبح ٹھسکہ پہنچ گئے۔ وہاں حکیم سے دوائی لی اور گوہلہ کے لیے پیدل واپس چل پڑے اور رات کو اپنے گاؤں پہنچ گئے۔[4]

گوہلہ کے اکثر بچّوں نے گاؤں میں موجود گورنمنٹ لوئر مڈل سکول سے تعلیم حاصل کی۔ ذیلدار کاظم حسین کی بڑی بیٹی نثار فاطمہ کی پیدائش سے پہلے گوہلہ میں لڑکیوں کا سکول نہیں تھا۔ ذیلدار کے بیٹی پیدا ہوئی تو انہیں اپنی بیٹی کی تعلیم کی فکر ہوئی اور انہوں نے کوشش کر کے گاؤں میں لڑکیوں کے لیے پرائمری سکول بنوایا۔[5] انوری بیگم زوجہ اختر حسین لڑکیوں کے اس سکول میں پہلی استانی تعینات ہوئیں۔[6] لڑکیوں کے سکول کے قیام کا فائدہ گاؤں کی دوسری بچیوں کو بھی ہوا۔ تاہم اکبر علی کی اولاد میں سے کسی نے اس سہولت کا فائدہ نہیں اٹھایا کیونکہ امیر علی ولد اکبر علی نے اپنے خاندان کی کسی بچّی کو سکول نہیں جانے دیا۔ البتہ اکبر کے خاندان کے بزرگوں نے بچیوں کو خود ہی گھر میں کچھ تعلیم دی۔[7]

---

۱ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۲ سیّد منظور حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۳ سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

۴ سیّد فضل الرحمٰن ولد زوّار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۳۰ دسمبر ۲۰۱۸ء

۵ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۳۰ دسمبر ۲۰۱۰ء

۶ سیّد وقار حسین عرف چھمن ولد اختر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور

۷ سیّدہ امتہ البتول عرف امتو دختر محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء

۱۹۲۴ء کا طاؤن

انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں جب تیسرے عالمی طاؤن کی وباء انڈیا پہنچی تو گوہلہ کے باشندے بھی اس کی لپیٹ میں آئے۔ یہ موذی وباء ۱۹۲۴ء میں گوہلہ پر حملہ آور ہوئی اور بہت سے افراد اس کا شکار ہوئے۔[1] مرنے والوں میں ببر علی کے خاندان کے ۳۸ افراد بھی شامل تھے۔[2] سیّد زین العابدین، جو اس وقت گوہلہ سکول میں دوسری جماعت میں پڑھتے تھے، نے کہا: ''گوہلہ کی زمین سخت ہونے کی وجہ سے قبر کھودنے کے لیے کافی محنت کرنی پڑتی تھی اور کافی وقت لگتا تھا۔ اس صورت حال میں گاؤں کے اکثر افراد اپنی زمینوں پر جا کے رہنے لگے۔ میں دادی خدیجن کے پاس رہتا تھا۔ ذیلدار خاندان کے تمام افراد دادی خدیجن کے کنویں پر چلے گئے اور وہاں کیمپ لگا کر رہنے لگے۔ ماموں کاظم حسین اس وقت ذیلدار تھے۔ ذیلدار خاندان کا کوئی فرد طاؤن سے متاثر نہیں ہوا۔ ہم ۱۵ دن دادی خدیجن کے کنویں پر لگے ہوئے کیمپ میں رہے اور پھر گاؤں واپس آ گئے۔'' [3]

سود پر قرض

گوہلہ میں ہندو بنیے سود پر قرض دیتے تھے۔ مسلمان ان سے قرض عموماً خفیہ طور پر لیتے تھے تاکہ برادری میں ان کی بدنامی نہ ہو۔ بنیے قرض کی تحریر پر مقروض کا انگوٹھا لگوا لیتے تھے یا دستخط کروا لیتے تھے۔ اگر کوئی مقروض قرض واپس نہ کرتا یا انکار کر دیتا تو ہندو قرض خواہ دیوانی عدالت میں وہ تحریر پیش کرتے تھے۔ ہندو قرض خواہوں نے عدالتوں میں اتنا اعتماد قائم کیا ہوا تھا کہ ان کی طرف سے پیش کردہ تحریر پہ اگر گواہوں کے دستخط نہ بھی ہوتے تو پھر بھی عدالت کی طرف سے مقروض کے خلاف ڈگری ہو جاتی تھی۔ جس کے نتیجہ میں قُرق مین جا کر مقروض کی جائیداد ضبط کر لیتا تھا۔ ایک مرتبہ اکبر کے محلہ کے ایک سیّد بزرگ نے ایک ہندو بنیے سے قرض لیا اور مفرور ہو گیا۔ وہ کئی سال مفرور رہا تو اس کے عزیز و اقارب نے شور مچایا کہ ہمارا آدمی گم کر دیا ہے۔ اس کے بھائیوں نے ہندو بنیے پر دباؤ ڈالا تو سمجھوتا ہوا۔ اس کے ایک بھائی نے کٹا دیا، دوسرے نے گڈا دیا اور ہندو بنیے سے اس کے قرض کی رقم پر قلم پھروا دیا۔[4]

گوہلہ میں ایک کندن نامی ہندو بنیا تھا۔ وہ سود پر رقم قرض دیتا تھا۔ اکبر کے محلہ کے دو سیّد بھائیوں نے اس سے قرض لیا جسے وہ اتار نہ سکے۔ کندن کے بھائی کے پاس ان دنوں زیر تعمیر ملتان اسٹیشن کا ٹھیکہ تھا۔ رقم ادا نہ کرنے کے باعث کندن بانیا ان دونوں کو ملتان لے آیا اور کافی عرصہ تک اسٹیشن کی تعمیر کے لیے ان سے کام کرواتا رہا۔ جب ان کی اجرت

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۷ مئی ۲۰۰۶ء

۲ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ کبیر والا ــــ ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۷ مئی ۲۰۰۶ء

۴ سیّد ابو ثمامہ ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ لیہ ــــ ۲۰ فروری ۲۰۱۱ء

کے عوض قرض کی رقم پوری ہو گئی تو دونوں بھائی گوہلہ واپس چلے گئے۔[1]

لڑائی جھگڑے

گڑھی محلہ والوں کی لیڈری محلہ والوں سے کھٹ پٹ رہتی تھی۔ گڑھی محلہ کے اختر حسین کی طبیعت میں غصہ تھا۔ لیڈری محلہ والوں کو وہ اکثر دھمکاتے رہتے تھے۔ گاؤں کے گُپھن سنگھ کو بھی انہوں نے ایک دفعہ مارا۔ ان کے بھائی ذیلدار کاظم حسین کے اثر و رسوخ کی وجہ سے لوگ ان سے ڈرتے تھے۔[2] نائب تحصیلدار کو بھی انہوں نے ایک دفعہ تھپڑ مارا۔[3] لیڈری محلہ کے منوّر حسین سے اختر کی لڑائی رہتی تھی۔ لیڈری محلہ کے مکین منوّر کا ساتھ دیتے تھے۔ منوّر اور ان کے تایا محمد حسن کے جانور چوری ہوئے تو انہوں نے الزام لگایا کہ یہ چوری اختر نے کروائی ہے۔[4] اختر کے چوبارے کی چھت منوّر کے چوبارے کی چھت سے ملتی تھی۔ منوّر کی بیٹی سیّدہ اللہ ڈوائی کے مطابق: ”چاچا اختر اور ان کی زوجہ کڑہامو مجھے اپنی بیٹی سمجھتے تھے۔ میری امّی (سروری) کہتی تھیں کہ وہ چھت پر بیٹھ کر کڑہامو کے ساتھ کافی دیر باتیں کرتی تھیں۔“[5]

لیڈری محلہ کے سابق رہائشی سیّد حسن رضا نے کہا: ”ایک دفعہ گڑھی محلہ کے مسلم حسین، اختر حسین، زوّار حسین اور اختر کے ساڈھو یاور حسین وغیرہ نے لیڈری والوں کی مقبوضہ شاملاتی جگہ پر اپنے ہل جوڑ دیے۔ لیڈری والوں کی طرف سے یاور حسین ولد نذیر نھتو بلّا، ذوالفقار حسین، حیدر حسن اور منوّر حسین وغیرہ نے گڑھی والوں کی شدید مزاحمت کی۔ دونوں فریقین میں لڑائی ہوئی۔ نھتو بلّا کے بیٹے یاور نے مسلم اور زوّار دونوں کو زخمی کر دیا۔ گڑھی والوں کو پسپا ہونا پڑا۔ ذیلدار کاظم حسین اپنے بھائیوں کی اس حرکت پر ان سے ناراض ہوئے۔ مسلم، اختر اور ان کے ساتھیوں نے لیڈری والوں کے گھر جا کر ان سے لڑائی مول لی تھی۔ اس لیے ذیلدار کاظم نے اپنے بھائیوں کا ساتھ نہیں دیا بلکہ الٹا انہیں ہی برا بھلا کہا۔“

ذیلدار کاظم حسین کے کہنے پر نذیر نھتو بلّا کے فرزند یاور حسین کی شادی راجگڑھ میں اللہ دیا کی بیٹی سے ہونا طے پائی تو مسلم حسین نے بارات میں شامل ہونے سے انکار کر دیا کیونکہ لیڈری محلہ میں ہونے والی لڑائی میں یاور نے انہیں زخمی کر دیا تھا۔ نذیر نھتو بلّا نے مسلم کی منت سماجت کی تو مسلم اس شرط پر راضی ہوئے کہ لڑائی میں حصّہ لینے والے یاور کے باقی ساتھیوں کو بارات میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ نھتو بلّا نے مسلم کی شرط مان لی۔ جب یاور کی بارات راجگڑھ پہنچی تو اللہ دیا نے نھتو بلّا سے شکوہ کرتے ہوئے کہا: ”تم اپنوں کو بارات میں کیوں لے کر نہیں آئے۔“ نھتو بلّا نے جواب دیا: ”جنھوں نے رشتہ کروایا ہو انہیں لے کر آنا پڑتا ہے۔“ اللہ دیا نے ذیلدار کاظم حسین سے اپنی بیٹی کا رشتہ کروانے کی درخواست کی تھی۔ ذیلدار

---

۱ سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

۲ سیّدہ افضال فاطمہ عرف جالو دختر مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

۳ سیّد مشتاق حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

۴ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھتو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۵ سیّدہ امام باندی عرف اللہ ڈوائی دختر منوّر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کلر والا — ۱۷ مارچ ۲۰۱۸ء

کاظم نے نذیر نھو بلّا کو بلا کر کہا: ”میں تیرے بیٹے یاور کا رشتہ راجگڑھ کے اللہ دیا کی بیٹی سے کروا رہا ہوں۔“ نذیر نھو بلّا اس رشتہ پر رضامند ہو گئے۔ اللہ دیا گڑھی محلہ کی کنیز دختر محمد حسین کے سسر تھے۔①

گڑھی محلہ کے سابق رہائشی سیّد مشتاق حسین نے کہا: ”ایک دن ہمارے محلہ کا اختر تحصیل سے آ رہا تھا کہ لیڈری محلہ کے یاور، منوّر وغیرہ نے اسے مارا۔ لیڈری محلہ کا نذیر نھو بلّا ہمارے محلہ کی طرف آیا تو مہدی اصغر اور زائر نے اسے مارا۔ اس کے بعد مہدی اصغر اور زائر امام بارگاہ کے پاس تھڑے پر بیٹھے تھے کہ لیڈری محلہ کے لوگ اکٹھے ہو کر انہیں مارنے کے لیے آئے۔ زائر دوڑ کر اپنے گھر کے اندر چلا گیا۔ مہدی اصغر نے ہمارے گھر میں پناہ لی اور میرے والد (رضا حسین) کو بتایا کہ لیڈری محلہ والے اسے مارنے کے لیے آئے ہیں۔ میرا باپ لاٹھی لے کر گھر سے باہر نکلا تو میرے ماموں مقبول، علمدار اور بندے علی وغیرہ بھی آ گئے۔ ان سب کو دیکھ کر لیڈری محلہ والے واپس چلے گئے۔“ ②

گڑھی محلہ کی سابق رہائشی سیّدہ افضال فاطمہ نے کہا: ”ایک دن میرے تایا ذیلدار کاظم حسین دیوان خانہ میں کسی جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے۔ جھگڑے میں ملوث گروہوں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی موجود تھے جن میں اکبر کے محلہ کا یعقوب علی بھی شامل تھا۔ تایا کاظم نے جو فیصلہ کیا یعقوب نے اس پر اعتراض کر دیا۔ یعقوب کو سزا دینے کے لیے چاچا اختر اٹھے تو تایا کاظم نے انہیں بٹھا دیا اور خود اٹھ کر یعقوب کو تھپڑ مارا اور اسے دیوان خانہ سے باہر نکال دیا۔ لیکن تایا کاظم کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ انہوں نے یعقوب پہ مقدمہ کر کے اسے چھ ماہ کی سزا بھی دلوا دی۔“ ③

اکبر کے محلہ کے سابق رہائشی غلام حیدر عرف رانجھا نے کہا: ”میرے باپ (یعقوب علی) نے احمد نامی شخص کو بارو بانیا سے قرضہ دلوایا اور اسے اپنا سیری بنا لیا۔ کاروبار میں برابر کے شرکت دار کو سیری کہتے تھے۔ احمد کی شادی بھی میری ماں تاجی نے کروائی تھی۔ ذیلدار کاظم حسین نے بنیے کو کہہ کر قرضہ ادا نہ کرنے کے باعث میرے باپ کی قُرقی کروا دی۔ جب قُرقی والے بنیے کے ساتھ آ کر میرے باپ کے جانور کھولنے لگے تو مطلوب حسین اور نذیر حسین نے مزاحمت کی۔ میرا باپ گھر سے لاٹھی اٹھا لایا اور بنیے کو مارا۔ بنیا گر گیا اور زخمی ہو گیا۔ اس نے میرے باپ کے خلاف پرچہ درج کروا دیا۔ مقدمہ چلا اور میرے باپ کو چھ ماہ کی سزا ہوئی۔ تاہم اس نے دو ماہ جیل میں گزارے اور پھر رہا ہو گیا۔“ ④

کاظم اور ان کا دیوان خانہ

گوہلہ کے دیوان خانہ میں ذیلدار لوگوں کے آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتے تھے۔ وہ حکومت کے حکم پر دوسرے

---

۱ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۲ سیّد مشتاق حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۲۰ء

۳ سیّدہ افضال فاطمہ عرف جالو دختر مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

۴ سیّد غلام حیدر عرف رانجھا ولد یعقوب علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۸ دسمبر ۲۰۱۱ء

دیہاتوں میں جا کر بھی جھگڑے نمٹا کے آتے تھے۔ عموماً وہ متحارب گروہوں میں صلح کروا دیتے تھے۔[1] گاؤں میں ذیلداروں کا دیوان خانہ دو ایکڑ جگہ پر بنا ہوا تھا جس کی چار دیواری تھی اور ایک بڑا گیٹ لگا ہوا تھا۔ شفاخانہ حیوانات بھی دیوان خانہ کی چار دیواری کے اندر تھا۔ متعدد کمروں پر مشتمل ایک دو منزلہ عمارت تھی جس میں ذیلداروں کے دوست، سرکاری افسر، سیاسی مہمان اور مختلف مواقع خصوصاً محرم کے ایام میں آنے والے مولوی صاحبان ٹھہرتے تھے۔[2] دیوان خانہ میں اصطبل بھی تھا جس میں بڑی بڑی کھرلیاں بنی ہوئی تھیں۔ ایک کھرلی پر ۲۰، ۲۵ گھوڑے کھڑے ہوتے تھے۔[3] دیوان خانہ میں ہر وقت کچھ نہ کچھ افراد موجود ہوتے تھے جن کا کھانا ذیلداروں کے ذِمّہ تھا۔ بعض اوقات ۳۰، ۴۰ افراد بھی وہاں کھانا کھاتے تھے۔[4] گوہلہ میں آخری بس رات ۱۰ بجے آتی تھی اور ذیلدار کاظم کے حکم پر اس وقت تک ان کے گھر کا چولہا بجھتا تھا نہ دیوان خانہ کا دروازہ بند ہوتا تھا تاکہ مہمان آئیں تو ان کے قیام و طعام کا فوری انتظام ہو جائے۔[5] محرم اور چہلم کے مواقع پر کھانا بنانے کے لیے لانگری کو سامانا سے بلاتے تھے۔ باقی سارا سال مسیتی زوجہ ذیلدار کاظم حسین چولہے میں جھکی رہتی تھیں۔[6] مسیتی بہت خدمت گزار خاتون تھیں۔ اگر کبھی ۲۰، ۲۵ مہمان کاظم سے ملنے آدھی رات کو بھی آ جاتے اور اگرچہ کاظم گھر پہ نہ بھی ہوتے تو بھی مسیتی اسی وقت سب کے لیے کھانے کا انتظام کر دیتی تھیں۔ اگر گھر میں پسا ہوا آٹا کم ہوتا اور نوکر بھی موجود نہ ہوتے تو وہ بیگو زوجہ محمد حسین کو بلاتیں، دونوں مل کر آٹا پیستیں اور مہمانوں کے لیے کھانا تیار کر دیتی تھیں۔[7]

ذیلدار کاظم حسین اپنے علاقہ کے بڑے زمیندار اور مؤثر سیاسی شخصیت تھے۔ گوہلہ ذیل کے دیہاتوں میں ان کا حکم چلتا تھا۔ وہ مخالفوں کے مقابلہ میں دلیر، کمزوروں پر مہربان، دوستوں کے ساتھ وفادار، مہمان نواز اور عزیز و اقارب کے ساتھ محبّت اور صلہ رحمی کرنے والے تھے۔

سیّد اصغر مہدی نے کہا: ''ٹھسکہ میں ایک مرتبہ ایک تھانیدار تعینات ہوا جو بہت مغرور اور ظالم تھا۔ وہ گھوڑے پر بیٹھ کر گاؤں میں گھومتا اور اگر اسے کوئی سلام نہ کرتا تو اُتر کر اس کی پٹائی کر دیتا تھا۔ ٹھسکہ کے دکاندار اس کے عتاب کا خاص طور پر شکار تھے۔ انھی دنوں گوہلہ کے ذیلدار کاظم حسین ٹھسکہ آئے تو میرے باجی (والد) نے تھانیدار کے رویہ کے بارے میں انہیں بتایا۔ کاظم نے کہا: 'دُعا کریں تھانیدار کا تبادلہ گوہلہ ہو جائے۔' یہ تو پتہ نہیں باجی نے دُعا کی یا نہیں لیکن کچھ دنوں بعد ماموں کاظم کی خواہش پوری ہو گئی اور تھانیدار تبدیل ہو کر گوہلہ آ گیا۔ تھانیدار گھوڑے پر سوار گاؤں میں نکلا اور ایک

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد منظور حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

۳ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۴ سیّد غلام حیدر عرف رانجھا ولد یعقوب علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۵ رانا پھول محمد خان ولد رانا محمد قربان خان (سابق رہائشی گمتھلا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد سہیل اصغر عابدی ولد مہدی اصغر بالمشافہ — کبیر والا — ۲۶ دسمبر ۲۰۱۹ء

۶ سیّد منظور حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

۷ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

دکاندار کے سلام نہ کرنے پر حسب عادت گھوڑے سے اتر کر اس کی پٹائی شروع کر دی۔ ذیلدار کاظم اپنے دیوان خانہ میں بیٹھے تھے۔ تقریباً ۴۰ دوسرے افراد بھی وہاں موجود تھے۔ ایک آدمی نے آکر اطلاع دی کہ نیا تھانیدار فلاں دکاندار کی پٹائی کر رہا ہے۔ کاظم نے دیوان خانہ میں موجود کچھ جوانوں کو ہدایت کی کہ وہ جائیں اور تھانیدار کو اتنا تو نہ ماریں کہ وہ مر جائے لیکن باقی کوئی کسر نہ چھوڑیں۔ ان جوانوں نے جا کر تھانیدار کی بہت پٹائی کی۔ اس واقعہ کے بعد تھانیدار مختلف بااثر افراد سے ملا تاکہ کاظم کے خلاف کارروائی میں مدد حاصل کرے لیکن سب نے اسے کاظم سے صلح کرنے کا مشورہ دیا۔ آخر کار تھانیدار کاظم کے پاس آیا اور کہا: 'میں نے مار تو کھا لی ہے، اب میں یہاں تھانیداری نہیں کر سکتا۔ مہربانی کر کے میرا کہیں اور تبادلہ کروا دیں۔' کاظم نے تھانیدار کا تبادلہ کروا دیا۔"

سیّد اصغر مہدی نے کہا: "گوہلہ میں ہر سال ایک دن کے لیے میلہ مویشیاں لگتا تھا۔ کاظم بھی میلے میں جاتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر ڈی سی (ڈپٹی کمشنر) بھی میلہ دیکھنے آیا۔ کاظم آرامدہ کرسی پر دراز میلے کا نظارہ کر رہے تھے۔ انہوں نے ڈی سی کی آمد اور موجودگی کو نظر انداز کر دیا۔ ڈی سی ان سے کچھ دور چند لمحوں کے لیے ٹھہرا، پھر ان کے قریب آکر بولا: 'ذیلدار کاظم تم نے ہمارا استقبال نہیں کیا، میں تمہیں معطل کر دوں گا۔' کاظم نے کہا: 'میرے لیے میدان (زمین) ہی بہت ہے۔' ڈی سی نے کرنال جا کر صوفی عبدالحمید سے کہا: 'کاظم نے میری بے عزّتی کی ہے۔ اس کے خلاف کارروائی ہونی چاہیے۔' صوفی صاحب ٹھسکہ کے رہنے والے تھے اور پنجاب اسمبلی کے ممبر تھے۔ انہوں نے ڈی سی سے کہا: 'تم نے کاظم سے جھگڑا کر کے اچھا نہیں کیا۔' ڈی سی نے پوچھا: 'وہ کیسے؟' تو صوفی صاحب نے کہا: 'وہ تو وائسرائے تک کو جانتا ہے۔' ڈی سی نے کہا: 'اب کیا کریں؟' صوفی صاحب نے صلح کا مشورہ دیا۔ ڈی سی نے صوفی صاحب سے کہا: 'آپ ہی اس سلسلہ میں کردار ادا کریں۔' صوفی صاحب نے کاظم کو اپنے گھر دعوت دی۔ جب کاظم آئے تو ڈی سی کو وہاں بیٹھے دیکھ کر صوفی صاحب سے کہا: 'آپ نے اس کتّے کو یہاں بھی بلا لیا۔' صوفی صاحب نے کاظم کے غصّے کو ٹھنڈا کیا۔ پھر ڈی سی نے ان سے معذرت کی۔ اس طرح یہ معاملہ ختم ہوا۔" [1]

سیّد غلام مرتضیٰ نے کہا: "ماموں ذیلدار کاظم حسین ہرن کا شکار کرنے کے شوقین تھے۔ میں راجگڑھ سے گوہلہ گیا ہوا تھا کہ وہ شکار کے لیے نکلے تو مجھے بھی ساتھ لے لیا۔ حسب معمول ان کے ساتھ کچھ اور افراد بھی تھے۔ جب ہم ایک گاؤں میں پہنچے اور اس گاؤں کے لوگوں کو پتہ چلا کہ ذیلدار کاظم حسین آئے ہیں تو وہ استقبال کے لیے پہنچ گئے۔ گاؤں کے لوگوں نے کاظم کو کھانے کی دعوت دی۔ کاظم کے انکار پر گاؤں والوں نے اصرار کیا تو کاظم نے کہا: 'ہم اس شرط پر کھانا کھائیں گے کہ جو گھروں میں پکا ہے لے آؤ گے اور کوئی خاص تکلف ہمارے لیے نہیں کرو گے۔' گاؤں والوں نے کہا: 'ہم ایسا ہی کریں گے۔' جب کھانا چن دیا گیا اور کاظم ہاتھ دھونے کے لیے اٹھے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے جو کھانا رکھا گیا ہے وہ ان کے ساتھیوں کے سامنے رکھے گئے کھانے سے بہتر ہے۔ کاظم نے اپنے ساتھیوں سے کہا: 'اٹھو اور چلو، ہم یہاں

---

۱ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۰ نومبر ۲۰۰۵ء، ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

کھانا نہیں کھائیں گے۔' میزبان کاظم کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے اور بولے: 'ہم سے کیا غلطی ہو گئی ہے۔' کاظم نے کہا: 'تم نے میرے لیے کچھ اور کھانے کا انتظام کیا اور میرے ساتھیوں کے لیے کچھ اور جب کہ میں نے کہا تھا کہ تم کوئی خاص تردد نہیں کرو گے۔' میزبانوں نے کاظم سے معافی مانگی اور درخواست کی کہ وہ کھانا کھائے بغیر نہ جائیں۔ کاظم نے کہا: 'ٹھیک ہے، سب کے لیے ایک جیسا کھانا لگاؤ۔' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔" [۱]

سیّد اصغر مہدی نے کہا: "ایک دفعہ گوہلہ کا نائب تحصیلدار ڈپٹی پرشاد گاؤں سے باہر جانے کے لیے بس میں آکر بیٹھا اور ڈرائیور سے کہا: 'چلو۔' اس بس میں ذیلدار کاظم حسین کے کچھ مہمانوں نے بھی جانا تھا اور ڈرائیور کو پیغام ملا تھا کہ وہ ان کا انتظار کرے۔ ڈرائیور نے نائب تحصیلدار کو بتایا کہ وہ ذیلدار کے مہمانوں کا انتظار کر رہا ہے۔ نائب تحصیلدار نے بس چلانے پر اصرار کیا تو ڈرائیور نے کہا: 'بس ذیلدار کے حکم سے چلتی ہے۔' جب ذیلدار کاظم اپنے مہمانوں کو چھوڑنے وہاں پہنچے تو نائب تحصیلدار نے بس کے بارے میں ان کی طرف سے دیے جانے والے احکامات پر اعتراض کیا۔ کاظم نے نائب تحصیلدار کو ایک تھپڑ مارا اور بعد ازاں اس کا تبادلہ بھی کروا دیا۔"

سیّد اصغر مہدی نے کہا: "علاقہ میں کندن نامی ڈاکو سے لوگ خوف کھاتے تھے جب کہ کندن کی ذیلدار کاظم سے دوستی تھی۔ ایک دفعہ پولیس نے کندن ڈاکو کو گرفتار کر لیا اور اسے گوہلہ کے تھانہ میں بند کر دیا۔ کندن نے ایک سپاہی کے ذریعہ ذیلدار کاظم کو پیغام بھیجا کہ اس کو رہا کروائیں۔ کاظم نے تھانیدار کو کہلا بھیجا کہ کندن کو رہا کر دو۔ تھانیدار نے جوابی پیغام بھیجا کہ کندن کے خلاف ایف آئی آر کٹ چکی ہے اور معاملہ اوپر تک پہنچ گیا ہے۔ اس لیے کندن کو چھوڑنا اس کے بس میں نہیں ہے۔ کاظم نے پھر تھانیدار کو پیغام بھیجا کہ اوپر کا معاملہ وہ خود دیکھ لیں گے اور یہ کہ 'تم کندن کو چھوڑ دو۔' اس پر تھانیدار نے کہلا بھیجا کہ پھر کاظم خود آکر کندن کو رہا کر دیں۔ کاظم خود گئے، کندن کو حوالات سے باہر نکالا اور اس سے وعدہ لیا کہ وہ علاقہ میں آئندہ کوئی واردات نہیں کرے گا۔" [۲]

محمد بشیر نے کہا: "ذیلداروں اور سفید پوشوں کے ساتھ میٹنگ کے دوران وائسرائے کچھ دیر بعد اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی میز پر مارتا اور 'شِٹ' کہتا تھا۔ ایک مرتبہ وائسرائے کی عدم موجودگی میں میٹنگ کے شرکاء آپس میں گفتگو کے دوران وائسرائے کے توہین آمیز انداز پر اپنی عاجزی اور ناراضگی کا اظہار کرنے لگے۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کی عزّت و احترام کو بھی ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ وائسرائے تک ناراضگی کا یہ اجتماعی احساس پہنچ جائے لیکن عدم جرأت کی وجہ سے کوئی بھی یہ ذِمّہ داری لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ذیلدار کاظم حسین نے کہا: 'میں وائسرائے تک سب کے جذبات پہنچاؤں گا۔' جب میٹنگ شروع ہوئی تو کاظم اپنی سیٹ پر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ وائسرائے متوجہ ہو گیا۔ کاظم نے کہا: 'جناب! آپ گفتگو کے دوران چھڑی میز پر مارتے ہیں اور 'شِٹ' کہتے ہیں۔ یہ سب شرکاء کی توہین کا باعث ہے۔ شرکاء بھی باعزّت لوگ ہیں۔' کاظم کے اس جرأت مندانہ اظہار پر اور لوگوں کو بھی حوصلہ ملا اور انہوں نے

---

۱ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ کبیر والا ــــ ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ کبیر والا ــــ ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

کاظم کے بیان کی تائید کی۔ وائسرائے نے کہا: 'آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ دراصل 'شٹ' کہنا میری عادت بن گئی ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ آئندہ ایسا نہ کہوں۔ لیکن عادت کی وجہ سے اگر کبھی منہ سے یہ لفظ نکل جائے تو آپ لوگ درگزر کر دیں۔'''' ①

سیّد اصغر مہدی نے کہا: ''سیانہ سیداں میں مسلمان گائے ذبح کرتے تھے۔ کندن ڈاکو نے سیانہ کے سفید پوش میر سجاد حسین کو دھمکی دی کہ اگر وہ گائے ذبح کرنے سے باز نہ آئے تو وہ انہیں قتل کر دے گا۔ کندن کی دھمکی کے بعد سجاد کی حفاظت سخت کر دی گئی اور خطرہ کے پیش نظر وہ کبھی سید کھیڑی اور کبھی گوہلہ بھی چلے جاتے تھے۔ کندن بھی ذیلدار کاظم حسین کو بتاتا تھا: 'مجھے پتہ ہے سجاد کہاں چھپا ہوا ہے۔' جب کاظم اس سے کہتے کہ سجاد کا پیچھا چھوڑ دو تو کندن کہتا کہ وہ گائے ذبح کرنا چھوڑ دیں تو وہ ان کا پیچھا چھوڑ دے گا۔''

سیّد اصغر مہدی نے کہا: ''گوہلہ کے نائب تحصیلدار کا ایک مرتبہ ذیلدار کاظم حسین کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔ انہی دنوں نائب تحصیلدار کے بیوی بچّوں کا گوہلہ سے باہر جانا ہوا۔ وہ رتھ میں سوار جنگل سے گزر رہے تھے کہ کچھ لوگ آئے اور زبردستی رتھ کے بیل کھول کر لے گئے۔ کچھ دیر بعد نائب تحصیلدار کو اطلاع ملی کہ اس کے بیوی بچّے جنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ کارروائی کاظم کے آدمی ہی کر سکتے ہیں۔ وہ کاظم کے پاس گیا، معذرت کی اور درخواست کی کہ رتھ کے بیل واپس بھیج دیں۔ کاظم نے اسے اتنا سبق دینا ہی کافی سمجھا۔'' ②

مذہبی ماحول

گوہلہ میں سیّدوں کی اکثریت تھی اور سیّد سب شیعہ تھے۔ ذیلدار محمد بخش کے زمانہ میں گڑھی چبوترہ پر محرم کے دنوں میں مجالس ہوتی تھیں۔ لوگ اپنا اپنا حقہ ساتھ لے کر آتے تھے۔ ذیلدار محمد بخش خود مجلس پڑھتے تھے اور کربلا میں ہونے والے مصائب بیان کرتے تھے۔ مجلس کے شرکاء گریہ کرتے تھے۔ مجلس ختم ہونے کے بعد لوگ حقہ پیتے تھے۔③

گوہلہ میں دو مساجد اور دو امام بارگاہ تھے۔ ایک مسجد اور امام بارگاہ اکبر کے محلہ میں اور ایک مسجد اور امام بارگاہ گڑھی محلہ میں تھے۔ اکبر کے محلہ کی مسجد بڑی تھی اور آباد رہتی تھی۔ اس محلہ کے تقریباً سب رہائشی نمازی تھے۔ خصوصاً اکبر علی کی اولاد کے افراد نمازی مشہور تھے۔ تاہم مسجد میں کوئی باقاعدہ پیش نماز نہیں تھا اور لوگ عموماً فرادا نماز پڑھتے تھے۔ کبھی محلہ کا ہی کوئی فرد جماعت بھی کروا دیتا تھا۔ اکبر کے محلہ کا امام بارگاہ چھوٹا تھا۔ لیکن محرم اور چہلم کی مجالس ہوتی تھیں۔ مسجد کا صحن بھی مجالس کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ محلہ کے رہنے والے ہی مجالس پڑھتے تھے جن میں مولوی یعقوب علی، دلبر حسین، افتخار حسین اور اعجاز حسین وغیرہ شامل تھے۔ گڑھی محلہ کی مسجد چھوٹی تھی اور اتنی آباد نہیں تھی جتنی کہ

---

۱ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۰ نومبر ۲۰۰۵ء، ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۳ سیّد وقار حسین عرف چھمن ولد اختر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۲ ستمبر ۲۰۱۶ء

اکبر کے محلہ کی مسجد آباد تھی۔ گڑھی محلہ کے اکثر رہائشی کبھی نماز پڑھتے تھے اور کبھی نہیں۔ اس مسجد میں بھی کوئی باقاعدہ پیش نماز نہیں تھا۔ گڑھی محلہ کا امام بارگاہ بڑا تھا اور اکبر کے محلہ کے امام بارگاہ سے زیادہ آباد رہتا تھا۔ گاؤں کے سب لوگ اور بعض اوقات قریبی دیہاتوں کے لوگ بھی اس امام بارگاہ میں مجالس سننے آتے تھے کیونکہ یہاں باہر سے نامور خطیب بھی آکر پڑھتے تھے۔ مولانا بشیر فاتح ٹیکسلا اس امام بارگاہ میں مجالس پڑھتے تھے۔[1]

۱۹۳۹ء کے لکھنؤ ایجی ٹیشن میں گرفتاری کے دوران ذیلدار خاندان کے اختر حسین نے مولانا بشیر فاتح ٹیکسلا کو اپنے گاؤں میں محرم پڑھنے کی دعوت دی۔ مولانا نے کہا: "محرم میں تو میں فارغ نہیں ہوں البتہ چہلم کی مجلس پڑھ سکتا ہوں۔" اس کے بعد سے مولانا بشیر ہر سال چہلم کی مجلس گوہلہ میں پڑھتے تھے۔[2] خدیجن دختر ذیلدار محمد بخش، جو گاؤں میں عزاداری کی سرپرستی کرتی تھیں، نے مولانا بشیر فاتح ٹیکسلا کے نام زمین بھی لگوائی تھی۔ خدیجن کی اس عطا کا ذکر مولانا خود دوسروں سے کرتے تھے۔[3] سید کھیڑی کے مولوی زین العابدین جب گوہلہ میں ہوتے تو گڑھی محلہ کے امام بارگاہ میں مجلس پڑھتے تھے۔[4] اختر حسین کے ساڈھو یاور حسین بھی اس امام بارگاہ میں ہونے والی مجالس میں مرثیہ خوانی کرتے تھے۔[5]

محرم اور چہلم کے ایام میں گڑھی محلہ اور اکبر کے محلہ کے امام بارگاہوں میں مجالس ہوتی تھیں۔ پہلے اکبر کے محلہ کے افراد اپنے امام بارگاہ میں مجلس منعقد کرتے تھے، پھر سب گڑھی محلہ کے امام بارگاہ میں جاتے تھے جہاں مجلس بعد میں ہوتی تھی۔ یوم عاشور اکبر کے محلہ کے امام بارگاہ سے تعزیہ برآمد ہو کر گڑھی محلہ کے امام بارگاہ میں جاتا تھا۔ وہاں سے گڑھی محلہ کے ذوالجناح اور تعزیہ اور اکبر کے محلہ کے تعزیہ کے ساتھ ماتمی جلوس نکلتا تھا جو نو بہار شاہ کے مزار پر جا کر اختتام پذیر ہوتا تھا۔[6] امیر علی اور محمد امیر دونوں بھائی حلقہ میں مرثیہ پڑھتے تھے اور سیّدہ امتہ البتول عرف امتو کے مطابق: "یہ دونوں بھائی ایسا مرثیہ پڑھتے تھے کہ دیواریں بھی روتی تھیں۔"[7]

ہر سال ۲۲ رجب کی نیاز کا انتظام گڑھی محلہ اور اکبر کے محلہ میں باقاعدگی سے کیا جاتا تھا۔ اکبر کے محلہ میں یہ نیاز صرف افتخار حسین ولد احمد حسین کے گھر میں ہوتی تھی۔ اس نیاز کا انتظام اکبر کی اولاد مشترکہ طور پر کرتی تھی۔ گڑھی محلہ میں ذیلدار کاظم حسین، مسلم حسین اور اختر حسین کے گھروں میں نیاز کا علیحدہ علیحدہ اہتمام کیا جاتا تھا۔[8] لیکن گاؤں میں

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

۲ سیّد وقار حسین عرف چھمن ولد اختر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۲ ستمبر ۲۰۱۶ء

۳ سیّد سخاوت رسول ولد مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

۴ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نقو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۵ سیّد وقار حسین عرف چھمن ولد اختر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۲ ستمبر ۲۰۱۶ء

۶ سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا - ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

۷ سیّدہ امتہ البتول عرف امتو دختر محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء

۸ سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

سب سے بڑی نیاز گڑھی محلہ کی خدیجن دختر ذیلدار محمد بخش کے گھر میں ہوتی تھی جس کے لیے گاؤں کے سب مرد اور عورتیں پیسے دیتے تھے۔ خدیجن کے گھر میں گاؤں کی عورتیں ساری رات نیاز پکاتی تھیں۔ ان کے گھر کے دو چوبارے تھے۔ ایک چوبارے پر مرد اور دوسرے پر عورتیں نیاز کھاتی تھیں۔ خدیجن کسی بے نمازی کو اپنے گھر میں نیاز کھانے کی اجازت نہیں دیتی تھیں۔[1]

گوہلہ سے اختر حسین ولد محمد امیر کے علاوہ مقبول حسین ولد تابع حسین، یاور حسین ولد نذیر نھتو بلّا اور منوّر حسین ولد علی حسن نے بھی ۱۹۳۹ء کے لکھنؤ ایجی ٹیشن میں گرفتاری دی تھی۔[2] وہاں ٹھٹھہ محمد شاہ کے حاجی ریاض سے اختر کی دوستی ہو گئی۔ اسی دوستی کی بنا پر حاجی ریاض شکار کھیلنے کے لیے گوہلہ آتے تھے۔ بعدازاں اسی دوستی کی وجہ سے گوہلہ کے سادات اپنے رشتہ داروں کے ساتھ پاکستان میں پہلے واڑہ آکر آباد ہوئے۔[3]

سیّدہ بشیرن بیگم نے کہا: ”ایک دفعہ گوہلہ میں کافی عرصہ بارش نہ ہوئی۔ میری نانی فضہ زوجہ تابع حسین نے دانے اکٹھے کیے، دلیہ پکایا اور لڑکیوں کو اکٹھا کر کے دریا کی جانب چل دیں۔ میں بھی ان کے ساتھ جانے والی لڑکیوں میں شامل تھی۔ کیونکہ جوان لڑکیاں میری نانی کے ساتھ تھیں اس لیے انہوں نے علی حیدر، اعجاز حسین اور شوکت حسین کو بھی ساتھ لے لیا۔ دریا پر پہنچ کر ہم سب نے رونا پیٹنا شروع کر دیا اور عاجزی اور انکساری سے بارش کے لیے اپنے رَب سے اجتماعی التجا کرنے لگے۔ بہت سے لوگ ہمیں دیکھ کر اکٹھے ہو گئے۔ ہماری دُعا قبول ہوئی اور ہم بھیگتے ہوئے گھر واپس آئے۔“[4]

سیّد غلام حیدر عرف رانجھا نے کہا: ”ایک دفعہ گوہلہ میں کافی عرصہ بارش نہ ہوئی جب کہ سیانہ سیداں میں ہو گئی۔ ہم سیانہ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ ہمارے باپ نے کہا: ’سیانہ کیوں جاتے ہو؟‘ ہم نے کہا: ’یہاں بارش نہیں ہوتی۔‘ انہوں نے کہا: ’صبح ۲۱ بندے اکٹھے کر لو۔‘ پھر صبح ۲۱ بندوں کے ساتھ دریا پر چلے گئے۔ سب نے اذان دی اور اجتماعی دُعا کی۔ بہت زیادہ بارش ہوئی۔“[5]

سیّدہ امتہ البتول عرف امتو نے کہا: ”ایک مرتبہ آٹھ محرم کو میرے دادا اکبر علی کے گھر میں نیاز کے لیے گھڑوں میں پانی رکھا گیا۔ میرے چاچا یعقوب نے گھر میں اعلان کیا کہ کوئی گھڑوں میں رکھے ہوئے پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔ میرے دادا کی دوسری بیوی، جو سنّی تھیں، نے ضد میں گھڑوں میں رکھے ہوئے پانی میں اپنے ہاتھ ڈبو دیے۔ چاچا یعقوب نے غصہ میں گھڑے توڑ دیے۔ اسی دوران میرے دادا گھر آئے اور پوچھا: ’کیا ہوا؟‘ ان کی بیٹیوں یعقوبن اور حمیدن نے انہیں صورت حال

---

۱ سیّدہ امتہ البتول عرف امتو دختر محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء

۲ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھتو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۳ سیّد وقار حسین عرف چھمن ولد اختر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۳ اکتوبر ۲۰۱۸ء
سیّد سخاوت رسول ولد مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۱۰ مارچ ۲۰۰۹ء

۴ سیّدہ بشیرن بیگم زوجہ حسن علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۵ سیّد غلام حیدر عرف رانجھا ولد یعقوب علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۸ دسمبر ۲۰۱۱ء

سے آگاہ کیا۔ میرے دادا اپنی بیوی پر ناراض ہوئے۔ رات کو ان کی بیوی اندھی ہو گئیں۔ وہ بہت پریشان ہوئیں۔ انہوں نے اپنے خاوند اور سوتیلے بیٹوں سے کہا: 'اگر تمہارے مولا مجھے آنکھیں (بینائی) دلوا دیں تو میں مان لوں گی۔' دو دن بعد یعنی ۱۰ محرم کو سب گھر والے مجلس اور جلوس میں شرکت کے لیے امام بارگاہ چلے گئے اور گھر کو باہر سے تالا لگا گئے۔ میری دادی اکیلی گھر کے اندر تھیں۔ سب گھر والوں کے جانے کے کچھ دیر بعد انہیں کچھ آہٹ سنائی دی اور ایسے محسوس ہوا کہ جیسے کوئی گھڑ سوار ان کے پاس آکر رکا اور پھر سوار نے اتر کر مٹی اٹھائی اور ان کی آنکھوں پر لگائی۔ ان کی بینائی واپس آ گئی۔ اس کے بعد انہوں نے سوئم کی مجلس میں شرکت کی اور پھر ہر سال خود سوئم کی مجلس کروانے لگیں۔ انہوں نے بہت سے نوحے بھی یاد کر لیے اور بسا اوقات انہیں پڑھتی رہتی تھیں۔ ان کی وفات کے بعد ان کی بہو اور میری والدہ (بیگم فاطمہ زوجہ محمد امیر) نے ہر سال سوئم کی مجلس کروانے کا سلسلہ جاری رکھا۔" [1]

اکبر علی کے پوتے زوّار حسین ولد احمد حسین کا بچپن ٹھسکہ میں ان کی بہن کے پاس گزرا۔ ان کے بہنوئی قاضی لطیف حسین سنّی تھے۔ زوّار نے ناظرہ قرآن کی تعلیم سنّی حافظ کمال الدین سے حاصل کی۔ ٹھسکہ کے سنّی بزرگوں کی تربیت اور پھر کچھ سنّی علماء کی تحریروں کے مطالعہ کے بعد زوّار نے سنّی مسلک اپنا لیا۔ اس ضمن میں زوّار کو اپنے خاندان والوں کی مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا جس کی انہوں نے پرواہ نہیں کی۔[2] زوّار کی زوجہ کبری شیعہ تھیں۔ تاہم شادی کے بعد انہوں نے سنّی مسلک اپنانے کا اعلان کر دیا۔ کبری کی والدہ حمیدن دختر اکبر علی، جو شیعہ تھیں، نے اپنی بیٹی کے مسلک تبدیل کرنے کا بہت برا منایا۔[3]

گوہلہ میں نو بہار شاہ کے مزار پر ہر سال میلہ لگتا تھا۔ مختلف علاقوں سے لوگ آکر میلہ میں شرکت کرتے تھے اور نو بہار شاہ سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔ اس مزار کی دیکھ بھال موروثی طور پر سیّد ذیلدار خاندان کے پاس تھی۔ اس بات کا ذکر ۱۹۱۸ء کے ڈسٹرکٹ گزٹیئر میں ان الفاظ میں ہے: "ہر سال ماہ جون میں لگنے والے میلہ میں ذہنی مرض میں مبتلا عورتوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ (نو بہار شاہ کے مزار کی ایک) دیوار کے سوراخ میں اپنا سر ڈالیں تاکہ اپنے مرض سے شفا حاصل کر سکیں۔ اس خوش قسمت دن عام آدمی جو منتیں مانتے ہیں ان کے پورا ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ اس مزار کی دیکھ بھال موروثی طور پر گوہلہ کے سیّد ذیلدار خاندان کے پاس ہے جو آدھے گاؤں کا مالک ہے۔" [4] سیّد مہدی حسن کے مطابق: "نوبہار شاہ کے مزار کی وجہ سے گوہلہ کے سادات کو مجاور کہتے تھے۔" [5] نوبہار شاہ، ان کے مزار اور اولاد کا ذکر مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ (ص ۲۷۰-۲۷۴) میں ہے۔

---

۱ سیّدہ امتہ البتول عرف امتو دختر محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء

۲ مقامات زوّاریہ — ص ۱۸

۳ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — بہاولپور — ۱۹ اکتوبر ۲۰۱۸ء

۴ Punjab District Gazetteers, P 224, Vol VI-A, Karnal District, 1918

۵ سیّد مہدی حسن ولد علی حیدر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

پلاکھا

تقسیم ہند سے پہلے پلاکھا ریاست پٹیالہ میں ترمذی سادات کا ایک بہت چھوٹا گاؤں تھا۔ اس گاؤں کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ اس کے مکین ایک گڈے میں سما سکتے ہیں۔[۱] مسلمانوں کے ۳۰ گھر تھے۔ ایک گھر چوڑھے اور ایک چمار کا تھا۔ چمار موچی کا کام کرتا تھا۔ ایک گھر غفور جولاہا اور ایک لوہار کا تھا۔ مسلمانوں میں ۱۰، ۱۲ گھر سیّدوں کے اور باقی کمبوہ برادری کے تھے۔[۲] سیّد زمیندار تھے اور شیعہ تھے جب کہ باقی مسلمان سنّی تھے۔ سیّد سب ایک جد کی اولاد تھے۔ تاہم ان کے پاس اپنے بزرگوں کے بارے میں کوئی زبانی یا تحریری معلومات نہیں تھیں۔ ان کی رشتہ داریاں گوہلہ، سیانہ سیداں، دتال، راجگڑھ، سارنگا، سامانا اور ترپڑی وغیرہ کے سیّدوں کے ساتھ تھیں۔[۳]

پلاکھا میں ایک مسجد تھی جو مشترکہ تھی۔ اس میں سب شیعہ، سنّی اپنی اپنی نماز پڑھتے تھے۔ کوئی مولوی صاحب متعین نہیں تھے۔ اس لیے سب فرادا نماز پڑھتے تھے۔ کوئی کسی پر اعتراض نہیں کرتا تھا۔ گاؤں میں ایک امام بارگاہ تھا اور محرم میں ذوالجناح اور تعزیہ کا جلوس نکلتا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد جب گاؤں اجڑا تو تعزیہ مسجد میں رکھا ہوا تھا۔ پیکھے شاہ پیر کا ایک چھوٹا سا دربار بھی گاؤں میں بنا ہوا تھا۔

خاندان

تقسیم ہند سے پہلے پلاکھا میں سیّد برادری کے کم از کم مندرجہ ذیل بزرگ آباد تھے:

مہدی حسن نمبردار

مہدی حسن کے والد شیر محمد تھے۔ وہ گاؤں میں نمبردار تھے۔ انہوں نے آٹھ جماعتیں پاس کی تھیں۔ تقریباً ۱۰۰ گائیوں، بھینسوں کے علاوہ انہوں نے دو ڈاچیاں (اونٹنیاں) بھی رکھی ہوئی تھیں۔ مہدی حسن نمبردار کے پاس سونا اور چاندی اتنی مقدار میں تھے کہ انہیں بوریوں میں بھر کے رکھتے تھے۔ انہوں نے گھر کے کام کاج کے لیے ایک نوکر رکھا ہوا تھا جس کا نام قربان تھا اور وہ ذات کا فقیر تھا۔

مہدی حسن کی شادی صفتن سے ہوئی اور ان کے تین بیٹے صادق حسین، کاظم حسین اور ہاشم حسین اور دو بیٹیاں

---

۱ سیّد شمیم حیدر ولد مہدی حسن (سابق رہائشی پلاکھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سلیمان — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

۲ سیّدہ اختری بیگم دختر صادق حسین (سابق رہائشی پلاکھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کلر والا — ۵ مارچ 2018ء

۳ سیّد شمیم حیدر ولد مہدی حسن (سابق رہائشی پلاکھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سلیمان — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

ہاشمی اور کاظمی ہوئیں۔ ہاشمی کی شادی گوہلہ کے شوکت حسین ولد یعقوب علی سے اور کاظمی کی شادی ترپڑی کے ہاشم حسین سے ہوئی۔ کاظمی ہندوستان میں ہی وفات پا گئیں۔ مہدی کے بیٹے صادق حسین کی شادی امیر بیگم عرف بھولی سے دتال میں ہوئی اور ان کے پانچ بیٹے منظور حسین، مبارک حسین، اختر حسین، حیدر حسین اور نذر حسین اور ایک بیٹی اختری بیگم ہوئیں۔ مہدی کے بیٹے کاظم حسین کی شادی سروری دختر سردار علی سے پلاکھا میں ہوئی اور ان کے ایک بیٹا افضال حسین اور دو بیٹیاں زبیدہ عرف بُندی اور کبری ہوئیں۔ مہدی کے بیٹے ہاشم حسین کی شادی اصغری بیگم سے دتال میں ہوئی اور تقسیم ہند سے چھ ماہ پہلے ان کے ایک بیٹا منوّر حسین ہوا۔

مہدی حسن کے سب کے ساتھ اچھے تعلقات تھے اور کسی کے ساتھ دشمنی نہیں تھی۔ نینیولا گاؤں کے ہندوؤں کے ساتھ ان کی دوستی تھی۔ مہدی، ان کی زوجہ صفتن اور بیٹا کاظم ہندوستان میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد ہونے والے فسادات کے دوران ان کے خاندان کے دس افراد شہید ہو گئے تھے۔[1]

عطا حسین

عطا حسین بھی گاؤں میں نمبردار تھے۔ ان کی شادی مجیدن سے دتال میں ہوئی۔ مجیدن امیر بیگم زوجہ صادق حسین کے تایا کی بیٹی تھیں۔ عطا اور مجیدن کے دو بیٹے علمدار حسین اور ہادی حسن اور دو بیٹیاں سلمٰی اور شبیرن ہوئیں۔ سلمٰی کی شادی سارنگا کے زوّار سے اور شبیرن کی شادی سارنگا کے مقبول سے ہوئی۔ عطا کے دونوں بیٹے علمدار اور ہادی پڑھے لکھے تھے، اور اپنے والد کی طرح زمینداری کرتے تھے۔ ہادی کو شجرہ بنانے کا شوق تھا۔ وہ اثر و رسوخ والے تھے۔

علمدار کی شادی زہرا سے ہوئی اور ان کے تین بیٹے اظہار حسین، زوّار حسین اور فرزند اور ایک بیٹی مشرف ہوئیں۔ تقسیم ہند کے وقت اظہار کی عمر ۱۵ سال تھی۔ باقی بہن بھائی ان سے چھوٹے تھے۔ ہادی کی شادی بشیرن دختر غلام حسین سے گوہلہ میں ہوئی۔

مہدی حسن

مہدی حسن کے والد علی نواز تھے۔ وہ اپنے بزرگوں کی طرح زمینداری کرتے تھے۔ مہدی کی شادی بشیرن سے ہوئی اور ان کے ایک بیٹا شمیم حیدر اور تین بیٹیاں جنّت بی بی، کنیز فاطمہ اور سکینہ ہوئیں۔ شمیم حیدر سے پہلے ایک بیٹا ہوا تھا جو بچپن میں ہی فوت ہو گیا تھا۔ مہدی حسن کی بیٹی جنّت کی شادی سیانہ سیداں کے دلدار علی ولد وصیت علی سے اور کنیز کی شادی گوہلہ کے دلبر حسین ولد امیر علی سے ہوئی۔ تقسیم ہند کے وقت شمیم حیدر کی عمر ۱۱، ۱۲ سال تھی اور سکینہ بیٹیوں میں چھوٹی تھیں اور غیر شادی شدہ تھیں۔[2] مہدی حسن کی زوجہ بشیرن ایک دن آٹا پیسنے والی چکی ٹھیک کر رہی تھیں۔ چکی کے باٹوں میں

---

۱ سیّدہ اختری بیگم دختر صادق حسین (سابق رہائشی پلاکھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کلر والا — ۵ مارچ ۲۰۱۸ء

۲ سیّد شمیم حیدر ولد مہدی حسن (سابق رہائشی پلاکھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سلیمان — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

سانپ چھپا ہوا تھا۔ سانپ نے انہیں کاٹ لیا اور وہ وفات پا گئیں۔ مہدی حسن بھی ہندوستان میں فوت ہو گئے تھے۔[۱]

شہادت علی

شہادت علی زمینداری کرتے تھے۔ ان کے دو بیٹے شبیر حسین اور حسن علی تھے۔ شبیر کی شادی بتول کے ساتھ دتال میں ہوئی۔ ان کے دو بیٹے نیاز محمد اور خورشید حسین اور دو بیٹیاں جمیلہ اور نیاجی ہوئیں۔ نیاز محمد کی شادی صفدری بیگم دختر یعقوب علی سے ہوئی۔ شبیر کے فرزند خورشید حسین ہندوستان میں ہی فوت ہو گئے تھے۔

شہادت علی کے بیٹے حسن علی کی شادی عزیزن سے ہوئی اور ان کے تین بیٹے مقبول حسین، دلبر حسین اور سیّد حسن اور ایک بیٹی جنّت ہوئیں۔ مقبول کی شادی لطیفن سے اور دلبر کی شادی انوری دختر عطا حسین سے کھیڑی میں ہوئی۔ حسن علی کی بیٹی جنّت کی شادی نواں گاؤں کے جمیل حسین سے ہوئی۔[۲]

سردار علی

سردار علی اور نثار علی دو بھائی تھے۔ سردار علی کی تین بیٹیاں اصغری، سروری اور اکبری تھیں۔ اصغری بیاہ کر پٹیالہ گئی تھیں۔ وہ اپنے سسرال والوں کے ساتھ تقسیم ہند کے بعد ہونے والے فسادات میں شہید ہوئیں۔ سروری کی شادی پلاکھا کے کاظم حسین ولد مہدی حسن نمبردار سے ہوئی۔[۳]

نثار علی

نثار علی کی زوجہ کو شورو کہتے تھے۔ ان کے ایک فرزند نذیر حسین اور دو بیٹیاں رفیقن عرف پھیکو اور صغریٰ بی بی تھیں۔ رفیقن کی شادی کھیڑی کے ہادی حسن سے ہوئی۔ صغریٰ کی شادی راجگڑھ کے شوکت علی ولد محمد نقی سے ہوئی۔ نذیر حسین کی شادی حیدری بیگم کے ساتھ راجگڑھ میں ہوئی۔

خادم حسین

خادم حسین پلاکھا کے باقی سیّدوں کی طرح زمینداری کرتے تھے۔ ان کی شادی رفیقن کے ساتھ سامانا میں ہوئی اور ان کے ایک فرزند عابد حسین ہوئے۔ خادم حسین تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں پر ہونے والے حملوں میں شہید ہوئے۔[۴]
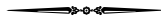
---

۱ سیّدہ اختری بیگم دختر صادق حسین (سابق رہائشی پلاکھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کلر والا — ۵ مارچ ۲۰۱۸ء

۲ سیّد شمیم حیدر ولد مہدی حسن (سابق رہائشی پلاکھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سلیمان — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

۳ سیّدہ اختری بیگم دختر صادق حسین (سابق رہائشی پلاکھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کلر والا — ۵ مارچ ۲۰۱۸ء

۴ سیّد شمیم حیدر ولد مہدی حسن (سابق رہائشی پلاکھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سلیمان — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

گمن کھیڑی

تقسیم ہند سے پہلے گمن کھیڑی ضلع کرنال کی تحصیل تھانیسر میں راجپوتوں کا ایک چھوٹا گاؤں تھا اور وہاں ایک سیّد بزرگ گمان علی عرف سیّد گمن کی اولاد بھی رہتی تھی۔ سرکاری کاغذات میں گاؤں کا نام سید پور شہیداں تھا لیکن عرف عام میں اسے گمن کھیڑی کہتے تھے اور بعض اوقات فقط کھیڑی کہتے تھے۔ ٹول، اسماعیل آباد، ٹھسکہ میراں جی اور روہٹی قریبی گاؤں تھے۔ نزدیکی شہروں میں شاہ آباد، انبالہ، پٹیالہ اور سامانا تھے۔[۱]

سیّد گمن کی اولاد میں یہ بات مشہور تھی کہ جب ان کے جد اس گاؤں میں آئے تو ان سے کچھ کرامات کا ظہور ہوا جس کے نتیجہ میں یہاں کے ہندو راجپوت مسلمان ہو گئے۔ سیّد گمن کو گاؤں میں کافی زمین ملی۔ کہتے ہیں کہ ایک گھوڑے کو دوڑایا گیا اور جتنی زمین پہ وہ دوڑا وہ سیّد گمن کے نام ہو گئی۔ گاؤں کے راجپوت نمبردار نے اپنی بیٹی کی شادی بھی سیّد گمن سے کر دی۔ راجپوت کی بیٹی کے نام بھی زمین تھی۔ سیّد گمن کی پہلی بیوی ساڈھورہ کی تھیں۔ دونوں بیویوں سے اولاد ہوئی۔ سیّد گمن کی آدھی زمین پہلی بیوی اور آدھی دوسری بیوی کی اولاد کو ملی۔[۲]

سیّد گمن کی اولاد کے افراد رضوی الترمذی کہلاتے تھے۔ ان کے پاس اپنے جد اور ان کے آباء کے بارے میں کوئی تحریری معلومات نہیں تھیں۔ گوہلہ، سیانہ سیداں، سامانا اور شاہ آباد کے سیّدوں کے ساتھ ان کی رشتہ داریاں تھیں۔[۳]

خاندان

گمن کھیڑی میں سیّدوں کے محلہ میں سیّد برادری کے کم از کم مندرجہ ذیل بزرگ تقسیم ہند سے پہلے آباد تھے:

فتح حسین

فتح حسین کے والد وزیر علی، دادا ظفر علی اور پردادا گوہر علی تھے۔ وزیر علی کے ایک بھائی امیر علی تھے جن کے ایک فرزند مجید حسین تھے۔ جب کہ وزیر علی کے چار بیٹے فتح حسین، دلبر حسین، کرم حسین اور محمد حسین تھے۔ کرم حسین اور محمد حسین لاولد رہے۔[۴] فتح حسین نمبردار تھے اور گاؤں کے سیّدوں میں سب سے زیادہ باأثر شخصیت تھے۔ مسلمانوں اور

---

۱ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۳ فروری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد یادگار حسین ولد اختر حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — مظفر گڑھ — ۲۰ فروری ۲۰۱۰ء

۳ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۳ فروری ۲۰۱۸ء

۴ سیّد یادگار حسین ولد اختر حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — مظفر گڑھ — ۲۰ فروری ۲۰۱۰ء

ہندوؤں دونوں میں ان کا اچھا اثر تھا۔ وہ اَن پڑھ تھے مگر ان کا رعب اور دبدبہ تھا۔ وہ اچھی سوچ کے مالک تھے اور گاؤں میں لوگ ان کے معتقد تھے۔[۱] رات کو لوگوں کے گھروں میں جا کر پتہ کرنا کہ انہیں کوئی تکلیف تو نہیں ان کی عادت تھی۔ وہ غریب پرور اور یتیم پرور تھے۔ وہ تھانہ، کچہری اور دوسرے سرکاری معاملات میں لوگوں کی راہنمائی اور مدد بھی کرتے تھے۔ تقسیم ہند کے وقت ان کے پاس ۸۰ بھینسیں اور بیلوں کی چار جوڑیاں تھیں اور ان کے گھر میں کئی نوکر چاکر کام کرتے تھے۔[۲]

فتح حسین نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی سے ان کے ایک بیٹا غلام تقی اور ایک بیٹی صدیقن ہوئیں۔ دوسری شادی انہوں نے فضل النساء سے شتور میں کی اور ان کے چار بیٹے لیاقت حسین، شرافت حسین، اقبال حسین اور غلام سرور اور دو بیٹیاں سروری اور رضیہ ہوئیں۔ فتح حسین کی بیٹی صدیقن کی شادی گمن کھیڑی ہی میں فیاض حسین ولد دلبر حسین سے ہوئی۔[۳] سروری کی ہندوستان میں پہلی شادی گوہلہ کے بندے علی ولد علی حسن سے ہوئی۔ بندے علی کی وفات کے بعد ان کی دوسری شادی ان کے مرحوم شوہر کے چھوٹے بھائی منوّر حسین ولد علی حسن سے ہوئی۔[۴]

فتح حسین کے بڑے فرزند غلام تقی نے ٹھسکہ میراں جی کے سکول سے آٹھ جماعتیں پاس کیں۔[۵] غلام تقی ناز نخرے والے اور نفیس مزاج انسان تھے۔ وہ دوسروں سے محبّت کرنے والے تھے۔ ان کے والد نے بھی ان پر کام کاج کا بوجھ نہ ڈالا۔ غلام تقی کے لیے حکومت کی طرف سے تحصیلدار کی حیثیت سے تعیناتی کا حکم آیا تو ان کے والد فتح حسین نے کہا: ”میرا بیٹا کسی افسر کو سلام نہیں کرے گا۔ اس کے پاس کھانے کے لیے بہت کچھ ہے۔ وہ اپنا کنبہ ہی سنبھال لے اور ان کی راہنمائی کرلے تو میرے لیے یہی تحصیلداری ہے۔“ غلام تقی کی شادی کنیز طاہرہ سے ہوئی۔ فتح حسین کے بیٹے لیاقت حسین کے ذِمّہ جانوروں کی نگرانی تھی۔ فتح حسین نے تھانہ، کچہری اور دوسرے سرکاری محکموں میں کام اپنے بیٹے شرافت حسین کے ذِمّہ لگائے تھے اور شروع سے ان کی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ سیاسی، سماجی اور مذہبی معاملات میں اپنا کردار مؤثر طور پر ادا کرتے تھے۔ شرافت حسین کی شادی اختری بیگم دختر غلام نقی سے گوہلہ میں ہوئی۔ فتح حسین کے بیٹے اقبال حسین اور غلام سرور تقسیم ہند کے وقت بچّے تھے۔[۶]

---

۱ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۳ فروری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد شرافت حسین ولد فتح حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد مجاہد رضا ولد شرافت حسین بذریعہ فون — لنگر سرائے — ۲۳ فروری ۲۰۱۸ء

۳ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۳ فروری ۲۰۱۸ء

۴ سیّدہ امام باندی عرف اللہ ڈوائی دختر منوّر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کلر والا — ۵ مارچ ۲۰۱۸ء

۵ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۳ فروری ۲۰۱۸ء

۶ سیّد شرافت حسین ولد فتح حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد مجاہد رضا ولد شرافت حسین بذریعہ فون — لنگر سرائے — ۲۳ فروری ۲۰۱۸ء

دلبر حسین

دلبر حسین کے والد وزیر علی، دادا ظفر علی اور پردادا گوہر علی تھے۔[۱] وہ اپنے بھائی فتح حسین کی طرح زمینداری کرتے تھے اور اللہ دیا کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی شادی اللہ دی دختر پرورش علی سے گوہلہ میں ہوئی۔ اللہ دی ایک مذہبی خاتون تھیں۔ وہ ۱۹۳۰ء کی دہائی کے وسط میں زیارات کے لیے عراق بھی گئیں۔ دلبر اور اللہ دی کے دو بیٹے فیاض حسین اور ریاض حسین ہوئے۔ فیاض اور ریاض دونوں بھائی محرم کے جلوس میں نوحے پڑھتے تھے۔ فیاض کی شادی صدیقن دختر فتح حسین کے ساتھ گمن کھیڑی میں ہوئی اور ان کے ایک بیٹی حسین باندی ہوئیں۔ دلبر کے بیٹے ریاض نے ٹھسکہ میراں جی کے سکول سے آٹھ جماعتیں پاس کیں۔ ان کی شادی کنیز فاطمہ دختر منوّر حسین سے سامانا میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند ذی وقار حسین اور ایک بیٹی قیصرہ سلطانہ ہوئیں۔ ذی وقار ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے اور قیصرہ سلطانہ ان سے چھوٹی تھیں۔[۲]

اللہ دی زوجہ دلبر حسین کے بھائی فدا حسین گوہلہ میں فوت ہوئے تو وہ اپنے ایک یتیم بھتیجے، افضال حسین ولد فدا حسین، کو گمن کھیڑی لے آئیں اور اس کی پرورش کی۔[۳] افضال کے بھائی اقبال بھی اکثر اپنی پھوپھی اللہ دی کے پاس گمن کھیڑی آکر رہتے تھے۔ سیّد ذی وقار حسین کے مطابق: ”میری دادی اللہ دی کا بھتیجا اقبال جب گمن کھیڑی میں ہمارے گھر آتا تو گاؤں میں بچّوں کے ساتھ گولیاں اور اخروٹ کھیلتا تھا اور اس کا گولیوں اور اخروٹوں والا ڈبا میں پکڑتا تھا۔“ دلبر حسین اور اللہ دی ۱۹۴۰ء سے پہلے وفات پا گئے تھے۔[۴]

مجید حسین

مجید حسین کے والد امیر علی، دادا ظفر علی اور پردادا گوہر علی تھے۔ مجید اپنے باپ دادا کی طرح زمینداری کرتے تھے۔ ان کی زمین ۴۰۰ بیگھے تھی۔ گائیوں اور بھینسوں کے علاوہ ان کے پاس ایک اونٹنی، ایک رتھ اور ایک گڈا بھی تھے۔ گاؤں میں ان کی مالی پوزیشن اچھی تھی۔ گھر میں کام کاج کے لیے انہوں نے دو نوکر رکھے ہوئے تھے۔[۵] وہ نھتو کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی ایک بڑی بیٹھک تھی جس میں عَلم رکھے ہوئے تھے۔ دس محرم کا جلوس ان کی بیٹھک پر پہنچ کر اختتام پذیر ہوتا تھا۔[۶] وہ زیارتوں کے لیے بحری جہاز کے ذریعہ عراق بھی گئے۔[۷]

---

۱ سیّد یادگار حسین ولد اختر حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — مظفر گڑھ — ۲۰ فروری ۲۰۱۰ء

۲ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۳ فروری ۲۰۱۸ء

۳ سیّد ابو ثمامہ ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۰ فروری ۲۰۱۱ء

۴ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۲ فروری ۲۰۱۸ء

۵ سیّد یادگار حسین ولد اختر حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — مظفر گڑھ — ۲۰ فروری ۲۰۱۰ء

۶ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۳ فروری ۲۰۱۸ء

۷ سیّد یادگار حسین ولد اختر حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — مظفر گڑھ — ۲۰ فروری ۲۰۱۰ء

مجید حسین کی شادی کنیز فاطمہ سے ہوئی ① اور ان کے دو بیٹے اختر حسین اور ذوالفقار حسین اور ایک بیٹی کاظمی ہوئیں۔ مجید نے اپنی بیٹی کاظمی کی شادی گوہلہ کے حیدر حسن سے کی اور جہیز میں بہت کچھ دیا۔ مجید کے بیٹے اختر حسین نے ٹھسکہ میراں جی کے سکول سے آٹھ جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ پھر وہ زمینداری کرنے لگے۔ وہ ایک محنتی، شریف اور بےضرر انسان تھے۔ ان کی شادی کنیز فاطمہ دختر بابو احمد سے سیانہ سیداں میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند یادگار حسین اور ایک بیٹی سنجیدہ ہوئیں۔ مجید کے دوسرے بیٹے ذوالفقار حسین نے دس جماعتیں پاس کیں۔ پھر انہوں نے فوج میں ملازمت کی۔ انہوں نے اپنی زمین پر لوہے کا ایک کنواں بنوایا۔ ان دنوں لوہے کا کنواں کوئی کوئی ہی بنواتا تھا۔② ہندوستان میں ذوالفقار کی شادی انوری بیگم سے ہوئی۔③

نُور محمد

نُور محمد کے والد علی محمد تھے۔ ان کا خاندان پہلے ذکر کیے گئے سیّد گمن کی اولاد کے تین خاندانوں سے کچھ نسلیں اوپر جا کر ملتا ہے۔④ نُور محمد کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ان کی شادی امام بی بی کے ساتھ بھور میں ہوئی اور ان کے تین بیٹے رشید علی، نیاز محمد اور مہدی حسن ہوئے۔⑤ یہ تینوں بھائی ابھی چھوٹے ہی تھے کہ ان کے والدین فوت ہو گئے۔ فتح حسین ولد وزیر علی نے ان کی پرورش کی۔ رشید، نیاز اور مہدی تینوں بھائی فتح حسین کے گھر میں رہتے تھے اور ان کی زمینوں پر ہی کام کرتے تھے۔ ان تینوں بھائیوں کی اپنی زمین واجبی سی تھی۔⑥ رشید علی ولد نُور محمد کی شادی شبو دختر غلام نقی سے گوہلہ میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے دو بیٹے ہوئے جو پیدائش کے فوراً بعد فوت ہو گئے۔ شبو گمن کھیڑی کے شرافت حسین ولد فتح حسین کی زوجہ اختری بیگم کی بہن تھیں۔⑦

کرامت علی

کرامت علی کے والد محمد شفیع تھے۔ ان کا تعلق سیّد گمن کی اولاد سے نہیں تھا۔ وہ سیانہ سیداں کے سادات میں سے

---

۱ سیّد اختر حسین ولد مجید حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد اقتدار حسین ولد اختر حسین بذریعہ فون — سلیمان — ۳۰ جون ۲۰۱۸ء

۲ سیّد یادگار حسین ولد اختر حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — مظفر گڑھ — ۲۰ فروری ۲۰۱۰ء

۳ سیّد اختر حسین ولد مجید حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد اقتدار حسین ولد اختر حسین بذریعہ فون — سلیمان — ۳۰ جون ۲۰۱۸ء

۴ سیّد شرافت حسین ولد فتح حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد مجاہد رضا ولد شرافت حسین بذریعہ فون — لنگر سرائے — ۲۳ فروری ۲۰۱۸ء

۵ سیّدہ انعام فاطمہ دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لنگر سرائے — یکم جولائی ۲۰۱۸ء

۶ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۳ فروری ۲۰۱۸ء

۷ سیّدہ امام باندی عرف اللہ ڈوائی دختر منوّر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کلر والا — ۵ مارچ ۲۰۱۸ء

تھے۔ سیانہ سیداں میں ان کا گھر سفید پوش میر سجاد حسین کے گھر کے سامنے تھا۔ کرامت اپنا آبائی گاؤں چھوڑ کر اپنے کنبہ سمیت اپنی بیوی سکینہ کے نانکے گاؤں گمن کھیڑی میں آ بسے تھے۔ کرامت کی بیوی ان کے چچا پھجو کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ سکینہ زوجہ کرامت کی والدہ کا نام جنّت تھا جو گمن کھیڑی کی تھیں۔ کرامت کپڑے سیتے تھے اور اس کام میں مہارت رکھتے تھے۔ کرامت اور سکینہ کے ایک فرزند اختر علی عرف مسیتا اور ایک بیٹی بانو ہوئیں۔ بانو کی شادی سارنگا کے عاشق کے ساتھ ہوئی۔[۱]

کرامت کے فرزند اختر علی سیانہ سیداں میں ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ وہ سات سال کے تھے کہ ان کے والد فوت ہو گئے۔ اختر اپنی زمینوں پر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ہندوستان میں ان کی شادی ہابڑی میں ہوئی۔ یہ شادی کامیاب نہیں ہوئی۔[۲]

سجاد حسین

سجاد حسین کے والد اکبر حسین اور دادا نجابت علی تھے۔ ان کا تعلق سیّد گمن کی اولاد سے نہیں تھا بلکہ سیانہ سیداں کے سادات سے تھا۔ وہ اپنا آبائی گاؤں چھوڑ کر اپنے نانکے گاؤں گمن کھیڑی میں آباد ہو گئے تھے۔ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے ہونے کی وجہ سے ان کی زمین اپنے چچا اور تایا زاد بھائیوں کی زمین سے زیادہ تھی۔ انہیں اپنے نانا کی زمین بھی ملی۔[۳] گمن کھیڑی میں ان کی سرپرستی فتح حسین ولد وزیر علی نے کی۔[۴] سجاد کی شادی ان کے تایا کی بیٹی محفوظن عرف پھوجو دختر محسن علی عرف بادشاہ سے سیانہ سیداں میں ہوئی۔[۵]

رہن سہن

گمن کھیڑی راجپوتوں کا ایک گاؤں تھا اور راجپوتوں میں مسلمان بھی تھے اور ہندو بھی۔ ایک محلہ سیّدوں کا، ایک راجپوت مسلمانوں کا اور ایک ہندوؤں کا تھا۔ چوڑھے چماروں کے گھر ایک طرف تھے اور وہ سب بھی ہندو تھے۔ زمینیں سب سیّدوں کی تھیں یا کچھ راجپوت مسلمانوں کی تھیں۔ سیّد سب شیعہ تھے اور راجپوت سنّی تھے۔ مسلمانوں میں زمینداروں کے علاوہ چرواہے، جولاہے، لوہار، ترکھان اور تیلی سب تھے۔ ہندو زمینوں پر مضارعوں کی حیثیت سے کام کرتے تھے اور انہیں وہاں مالی کہتے تھے۔ گاؤں کی زمینیں بارانی تھیں یا پھر مارکنڈا جب اچھلتا تھا تو گاؤں کی زمینوں کو سیراب کر جاتا تھا۔ مارکنڈا ایک برساتی نالہ تھا جو انبالہ، شاہ آباد سے ہو کر کاٹھیاواڑ تک جاتا تھا۔ اس میں پانی تیز بہاؤ کے ساتھ آتا تھا اور وسیع زمینوں کو

---

۱ سیّدہ انعام فاطمہ دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لنگر سرائے — یکم جولائی ۲۰۱۸ء

۲ سیّد اختر علی عرف مسیتا ولد کرامت علی (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قربان علی ولد اختر علی بذریعہ فون — لنگر سرائے — یکم جولائی ۲۰۱۸ء

۳ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — یکم جولائی ۲۰۱۸ء

۴ سیّد شرافت حسین ولد فتح حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد مجاہد رضا ولد شرافت حسین بذریعہ فون — لنگر سرائے — ۲۳ فروری ۲۰۱۸ء

۵ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — یکم جولائی ۲۰۱۸ء

سیراب کرتا تھا۔ دو تین دن بعد زمینوں پہ کھڑا پانی ختم ہو جاتا تھا۔ سیّدوں میں سے کسی کا کاروبار نہیں تھا۔ سب کی معیشت زمینوں سے منسلک تھی۔ زمینیں زرخیز تھیں اور فصلیں خوب ہوتی تھیں۔ سیّد زمینداروں میں فتح حسین نمبردار کا گاؤں میں بہت اثر و رسوخ تھا اور لوگ ان کے معتقد تھے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں وہ صاحب وقار تھے۔[1]

فتح حسین ایک نیک اور نرم دِل انسان تھے۔ چوہدری نتھو جسے نتھو بولا بھی کہتے تھے ایک راجپوت زمیندار تھا۔ برادری میں اس کے جدی چاہتے تھے کہ وہ بغیر شادی کیے مر جائے تاکہ اس کی جائیداد ان کو مل جائے۔ نتھو گاؤں میں فتح حسین کا معتقد تھا اور ان کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔ فتح حسین نے جب اس کی برادری والوں کی نیت کو بھانپا تو دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے ایک راجپوتنی سے اس کی شادی کروا دی۔ شادی کے بعد نتھو کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ لوگوں کی بھلائی کے کاموں میں فتح حسین پیش پیش رہتے تھے۔[2]

گمن کھیڑی میں سکول نہیں تھا اور گاؤں کے بچّے پڑھنے کے لیے ٹھسکہ میراں جی کے ورنیکلر مڈل سکول میں داخل ہوتے تھے۔ پڑھائی کی طرف گاؤں کے لوگوں کا زیادہ رجحان نہیں تھا۔ عموماً بچّے ایک دو جماعتیں پڑھنے کے بعد تعلیم چھوڑ دیتے تھے اور بڑے ہو کر زمینوں کی دیکھ بھال یا کاشت کرتے تھے۔ تقسیم ہند سے پہلے گاؤں میں پڑھے لکھوں میں ذوالفقار حسین، اختر حسین، غلام تقی اور ریاض حسین شامل تھے۔ ذوالفقار نے میٹرک اور اختر، غلام تقی اور ریاض نے مڈل پاس کیا تھا۔

سیّدوں کے محلہ کی مسجد میں ایک کنواں تھا جہاں سے پانی بھر کے سب گھروں میں آتا تھا۔ پینے کے لیے ٹھنڈا پانی میر والی کنوئی سے لاتے تھے۔ یہ کنوئی سیّدوں کے کسی بزرگ نے بنوائی تھی۔ گھروں میں کنویں نہیں تھے۔ صِرف سجاد حسین نے اپنے گھر میں ایک کنواں بنوایا تھا۔ گھروں میں نلکے بھی نہیں تھے۔ ایک نلکا غالباً مجید حسین نے محلہ کے باہر لگوایا تھا جو بعدازاں خراب ہو گیا تھا۔

مذہبی ماحول

گمن کھیڑی میں کوئی مذہبی کشیدگی نہیں تھی۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اور مسلمانوں میں شیعہ اور سنّیوں کے درمیان مکمل ہم آہنگی تھی۔ سیّدوں کے بزرگ اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ امام بارگاہ کی کوئی عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ مجید حسین کی ایک بڑی بیٹھک تھی اور ایک تھڑا تھا جسے نوہرہ کہتے تھے۔ اس میں عَلم، تعزیے اور دوسرے تبرکات رکھے ہوئے تھے اور اسی کو امام بارگاہ کہتے تھے۔ محرم کے ایام میں عزاداری بڑے جوش و جذبہ سے منعقد ہوتی تھی۔ عورتوں اور مردوں کی علیحدہ علیحدہ مجالس گھروں میں ہوتی تھیں۔ فیاض حسین، ریاض حسین، اختر حسین اور غلام تقی مرثیے اور نوحے پڑھتے تھے۔ فیاض عموماً میر دبیر کے مرثیے پڑھتے تھے۔ باہر سے کسی مولوی صاحب کو تقریر کرنے کے لیے نہیں

---

۱ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ لیہ ــــ ۲۲ فروری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد شرافت حسین ولد فتح حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد مجاہد رضا ولد شرافت حسین بذریعہ فون ــــ لنگر سرائے ــــ ۲۳ فروری ۲۰۱۸ء

بلاتے تھے۔ دسویں محرم کا جلوس غلام تقی کے گھر سے برآمد ہوتا تھا۔ جلوس گلی میں ہی چلتا تھا۔ گلی کے دائیں، بائیں دونوں طرف سیّدوں کے گھر تھے۔ چار پانچ بند پڑھتے تھے اور اس دوران ماتم کرتے تھے، پھر چند قدم آگے چل دیتے تھے۔ گلی میں ایک کھلی جگہ آتی تھی جہاں زبردست ماتم ہوتا تھا۔ جلوس میں بہت رش ہوتا تھا کیونکہ آس پاس کے علاقوں سے لوگ جلوس میں شرکت کے لیے آ جاتے تھے۔ سیانہ سیداں، پیہوہ اور گوہلہ تک سے لوگ آتے تھے۔ مجید حسین کی بیٹھک پر پہنچ کر جلوس اختتام پذیر ہوتا تھا۔[1]

اختر حسین اور کبھی شرافت حسین ٹھسکہ میراں جی کے اصغر مہدی کو آٹھ محرم کو گمن کھیڑی لے آتے تھے اور اصغر ۱۰ محرم تک وہیں رہتے تھے۔ ایک سال محرم میں وہ اصغر کے بڑے بھائی محمد مختار کو بھی گمن کھیڑی لے آئے۔ مختار نے اصغر کی طرح مجالس میں رباعیاں پڑھیں اور نیازیں کھائیں۔ رات کو مجلس میں ایک نیاز نامی سپاہی بھی آتا تھا۔ ایک مجلس کے بعد نیاز وہیں لیٹ گیا۔ اختر اور مختار شرارتیں کرتے ہوئے اس کی ٹانگ پر چڑھ گئے جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔[2]

سادات کے محلہ کے شروع میں فتح حسین کا گھر تھا۔ گھر کے باہر نیم کا ایک درخت تھا جس کے نیچے سیّد گمن کی خانقاہ تھی۔ ایک بڑا بوہڑ کا درخت بھی قریب ہی تھا۔[3]

---

۱ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۳ فروری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۳ مارچ ۲۰۱۰ء

۳ سیّد غلام سرور ولد فتح حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لنگر سرائے — ۲۳ فروری ۲۰۱۸ء

تیسرا باب

سید کھیڑی

تقسیم ہند سے پہلے سید کھیڑی ریاست پٹیالہ کی تحصیل راجپورہ میں ترمذی سادات کا ایک چھوٹا گاؤں تھا۔ راجپورہ - پٹیالہ روڈ سے سید کھیڑی آتے تو ایک میل فاصلہ طے کرنے کے بعد پہلے سید راجو کا مزار اور پھر ساتھ ہی گاؤں تھا۔ گاؤں سے راجپورہ شہر کا فاصلہ تین میل اور پٹیالہ کا ۱۰ میل تھا۔ اگر راجپورہ کی جانب سے آتے تو گاؤں سڑک کے بائیں جانب اور اگر پٹیالہ کی طرف سے آتے تو دائیں جانب تھا۔ سید کھیڑی گاؤں کو سید راجو نے آباد کیا تھا۔ سید راجو کا اصل نام شاہ راجو ہے اور وہ زندہ پیر اور دادا راجو کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ پہلے بھور میں رہتے تھے[1] اور ہر سال سفر کے دوران جب اس علاقہ سے گزرتے تھے جہاں بعد میں سید کھیڑی وجود میں آیا تو ایک نزدیکی باغ میں قیام کرتے تھے۔ یہ بات نسل در نسل موجودہ زمانہ میں سید راجو کی اولاد تک پہنچی کہ اس علاقہ کے اس وقت کے راجہ کے اولاد نہیں تھی۔ کسی نے راجہ سے کہا کہ ایک بزرگ ہر سال باغ میں قیام کرتے ہیں اور لوگ ان سے اپنے لیے دُعا کرواتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے ان سے فیض پایا ہے۔ راجہ کو بھی چاہیے کہ جا کر ان سے دُعا کی درخواست کرے۔ راجہ سید راجو کے پاس آیا اور دُعا کی درخواست کی۔ سید راجو نے دُعا کی اور اللہ تعالیٰ نے راجہ کو اولاد عطا کی۔ اگلے سال سید راجو وہاں آئے تو راجہ پھر ان سے ملنے آیا اور ان سے اس علاقہ میں رہائش رکھنے پر اصرار کیا جس کے نتیجہ میں سید راجو بھور سے اس علاقہ میں آ گئے۔[2] راجہ نے بہت سی زمینیں بھی سید راجو کے نام کر دیں۔ جس جگہ سید راجو نے رہائش رکھی وہاں دو تین برہمنوں کے گھر تھے جو وہاں سے اٹھ کر کچھ آگے جا بسے۔ سید راجو اور بعدازاں ان کی اولاد نے مختلف علاقوں سے سادات اور دوسرے مسلمانوں اور نچلی ذات کے ہندوؤں کو سید کھیڑی لا کر آباد کیا۔ سید راجو نے جن سیّدوں کو گاؤں میں آباد کیا ان کے نام زمینیں بھی لگوائیں۔[3]

سید راجو کا تعلق شاہ حامد بزرگ بن احمد زاہد کی اولاد سے ہے۔ شاہ حامد بزرگ اپنے والد احمد زاہد، بھائیوں شاہ زید سپہ سالار اور شاہ حسین بزرگ، خاندان اور قبیلہ کے ہمراہ ۴۰۱ ہجری میں ترمذ سے سیانہ سیداں تشریف لائے تھے۔ احمد زاہد کی اولاد سیانہ سیداں سے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیلی جن میں بھور اور سید کھیڑی بھی شامل تھے۔ سید راجو کے بزرگ سیانہ سیداں سے بھور آ گئے تھے جب کہ سید راجو نے بھور چھوڑ کر سید کھیڑی آباد کیا۔ سید راجو کے آباء اور اولاد کا ذکر شجرہ نسب ترمذی سادات میں ہے۔ سید راجو کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے: شاہ راجو (زندہ پیر) بن عبد الملک بن میراں محمد

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ ذکیہ خاتون عرف ذکی دختر حسین بخش (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد نثار علی ولد صابر حسین — واڑہ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

یوسف بن سیّد احمد بن سید میر محمد بن بہاؤ الدین بن عبداللہ بن سیّد محمد بن عبداللہ بن سیّد حیدر بن شاہ حامد بزرگ بن احمد زاہد بن حمزا علی بن ابوبکر علی بن عمر علی بن محمد بن شاہ احمد توختہ بن علی بن حسن بن محمد مدنی بن حسن بن موسیٰ حمصہ بن علی بن حسین اصغر بن علی بن حسین بن علی (علیہم السّلام)۔[1]

خاندان

سید کھیڑی میں سیّدوں کے تین محلّے تھے جہاں ان کے مختلف خاندان رہتے تھے۔ سید راجو کا مزار پہلے محلہ سے سامنے نظر آتا تھا۔

سیّدوں کا پہلا محلہ

سیّدوں کے پہلے محلہ میں سید راجو کی اولاد تین حویلیوں میں رہتی تھی۔[2] سید راجو کے دو بیٹے سیّد علی اور سیّد حامد ہوئے۔ علی بڑے تھے اور حامد چھوٹے۔ چار پانچ نسلوں کے بعد علی کی اولاد کا نشان شجرہ میں نہیں ملتا۔ انہوں نے سید کھیڑی کو خیر آباد کہا اور کہیں اور جا بسے یا پھر ان کی نسل ختم ہو گئی خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم حامد کی نسل سید کھیڑی میں ہی آگے بڑھتی رہی۔ حامد کے ایک فرزند سیّد سکہا ہوئے جب کہ سیّد سکہا کو اللہ نے چھ فرزند عطا کیے۔ بڑے پانچ تو لاولد رہے لیکن چھوٹے بیٹے زین العابدین کے ہاں دو بیٹے سیّد احمد اور سیّد ناصر علی ہوئے۔ احمد کی اولاد چار نسلوں کے بعد ختم ہو گئی البتہ ناصر کی اولاد کا سلسلہ آگے بڑھتا گیا۔

ناصر علی کے دو بیٹے قلندر بخش اور ببر علی ہوئے۔ تقسیم ہند سے پہلے راجو کی اولاد کے محلّے میں جو افراد رہتے تھے وہ سب ناصر علی ہی کی اولاد تھے۔ ان میں اکثریت قلندر بخش کی نسل سے تھی جب کہ کچھ کا تعلق ببر علی کی نسل سے تھا۔[3] اس محلہ کے مکینوں کو قلندری بھی کہتے تھے۔[4] انیسویں صدی کے وسط سے بیسویں صدی کے وسط یعنی ۱۹۴۷ء تک سیّدوں کے پہلے محلہ میں سید راجو کی اولاد کے چار بڑے خاندانوں نے زندگی گزاری۔ پہلا حیدر علی کا خاندان، دوسرا الٰہی بخش کا خاندان، تیسرا الٰہی بخش کے بھائی برکت علی کا خاندان اور چوتھا رستم علی کا خاندان تھا جو بعدازاں مولویوں کا خاندان مشہور ہوا۔ پہلے تین خاندان قلندر بخش کی اولاد تھے۔ اور چوتھا خاندان ببر علی کی اولاد پر مشتمل تھا۔ ان چار بڑے خاندانوں کے علاوہ اس زمانہ میں راجو کی اولاد کے دو اور خاندان بھی اسی محلہ میں رہے لیکن ان کی نسلیں کچھ عرصہ کے بعد آگے نہ

---

۱ شجرہ نسب ترمذی سادات
مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ — ص ۲۸۷

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ شجرہ نسب ترمذی سادات

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

چلیں۔ وہ امام علی اور رحمت علی کے خاندان تھے۔ یہ دونوں خاندان قلندر بخش کی نسل سے تھے۔ امام علی کی تین اور رحمت علی کی ایک نسل ہی آگے چلی۔ چار بڑے خاندان جن بزرگوں پر مشتمل تھے ان کا تعلق راجو کی ساتویں سے دسویں نسل تک تھا۔ گیارہویں نسل کے کچھ افراد بھی ان میں شامل تھے۔

سید کھیڑی میں سید راجو کے بعد ان کی نسل کے مندرجہ ذیل بزرگ رہے:

پہلی نسل: ① سیّد علی بن شاہ راجو ② سیّد حامد بن شاہ راجو

دوسری نسل: ①سیّد محمد بن سیّد علی② سیّد سکہا بن سیّد حامد

تیسری نسل: ①سیّد یوسف بن سیّد محمد ② سیّد راجو بن سیّد محمد ③ بہاؤالدین بن سیّد سکہا ④ شاہ محمد بن سیّد سکہا ⑤قطب الدین بن سیّد سکہا ⑥ طاہر بن سیّد سکہا ⑦ شمس الدین بن سیّد سکہا ⑧ سیّد زین العابدین بن سیّد سکہا

چوتھی نسل: ①جعفر بن سیّد یوسف ② مصطفیٰ بن سیّد یوسف ③ علی محمد بن سیّد یوسف ④ مرتضیٰ بن سیّد یوسف ⑤ ابو محمد بن سیّد یوسف ⑥ سیّد بدر الدین بن سیّد راجو ⑦ سیّد حامد عرف گجا بن سیّد راجو ⑧سیّد مقرالدین بن سیّد راجو ⑨ سیّد باقر بن سیّد راجو ⑩سیّد ہاشم بن سیّد راجو ⑪سیّد احمد بن سیّد زین‌العابدین ⑫سیّد ناصر علی بن سیّد زین العابدین

پانچویں نسل: ① سیّد محی بن سیّد حامد عرف گجا ②سیّد محمد عارف بن سیّد احمد ③قلندر بخش بن سیّد ناصر علی ④ ببر علی بن سیّد ناصر علی

چھٹی نسل: ①سیّد عالم علی بن سیّد محمد عارف ② سیّد جمال الدین بن سیّد محمد عارف ③ نورالدین بن قلندر بخش ④امام علی بن قلندر بخش ⑤ احسان علی بن قلندر بخش ⑥اسد علی بن ببر علی

ساتویں نسل: ① بشارت علی بن سیّد عالم علی ② امام بخش بن سیّد عالم علی③ کاظم علی بن سیّد عالم علی ④ حیدر علی بن نُور الدین ⑤ چراغ علی بن نُور الدین ⑥ علی نواز بن امام علی ⑦ نجف علی بن امام علی ⑧ نعمت علی بن امام علی ⑨ الٰہی بخش بن احسان علی ⑩برکت علی بن احسان علی ⑪رحمت علی بن احسان علی ⑫رستم علی بن اسد علی

آٹھویں نسل: ①انور علی بن بشارت علی ② مہربان علی بن حیدر علی ③ محمد اسلم بن نجف علی ④ محمد اکبر بن نجف علی ⑤ محمد محسن بن نجف علی ⑥ کرم حسین بن نعمت علی ⑦ ایزد بخش عرف کالو بن الٰہی بخش ⑧ محمد بخش بن الٰہی بخش ⑨ حسین بخش بن الٰہی بخش ⑩رمضان علی بن برکت علی ⑪امداد علی بن برکت علی ⑫نھو بن برکت علی⑬محمد حسن بن برکت علی ⑭مہدی حسن بن برکت علی ⑮علی حسین بن رحمت علی ⑯مولوی قاسم علی بن رستم علی ⑰نظام علی بن رستم علی ⑱نیاز علی بن رستم علی

نویں نسل: ①محمد عسکری بن مہربان علی ② طالب حسین بن مہربان علی ③ محمد جعفر بن محمد اکبر ④ رونق علی بن

محمد اکبر ⑤ طالب حسین بن کرم حسین ⑥ باقر حسین بن ایزد بخش ⑦ غلام عباس بن ایزد بخش ⑧ محمد نقی بن محمد بخش ⑨ نذر حسین بن حسین بخش ⑩ محمد یٰسین بن حسین بخش ⑪ عنایت حسین بن امداد علی ⑫ احمد حسن بن محمد حسن ⑬ تصدق حسین بن مہدی حسن ⑭ محمد حسین بن مولوی قاسم علی ⑮ مہدی حسین بن مولوی قاسم علی ⑯ علی حسین بن نظام علی ⑰ سیّد محمد عرف چھیچو بن نیاز علی

دسویں نسل: ① محمد مسلم بن محمد عسکری ② محمد عالم بن محمد عسکری ③ محمد اسلم بن محمد عسکری ④ اختر علی بن محمد عسکری ⑤ ناصر حسین بن باقر حسین ⑥ یاور حسین بن باقر حسین ⑦ صابر حسین بن باقر حسین ⑧ یاسر حسین بن باقر حسین ⑨ احسان علی بن غلام عباس ⑩ محسن علی بن غلام عباس ⑪ خادم حسین بن نذر حسین ⑫ زین العابدین بن محمد یٰسین ⑬ عزادار حسین بن محمد یٰسین ⑭ اصغر حسین بن محمد یٰسین ⑮ قربان علی بن محمد یٰسین ⑯ بیدار حسین بن احمد حسن ⑰ ذوالفقار حسین بن احمد حسن ⑱ تفضل حسین بن تصدق حسین ⑲ تونگر حسین بن تصدق حسین ⑳ شبیر حسین عرف بندو بن تصدق حسین ㉑ احمد حسین بن محمد حسین ㉒ بندے علی بن محمد حسین ㉓ محمد سالم بن مہدی حسین ㉔ جعفر حسین بن علی حسین ㉕ اعجاز حسین بن سیّد محمد عرف چھیچو[1]

گیارہویں نسل: ① محمد سبطین بن محمد مسلم ② عابد حسین بن محمد مسلم ③ عادل حسین بن محمد مسلم ④ تسلیم حسین بن محمد اسلم ⑤ سبط حسن بن ناصر حسین ⑥ ہادی علی بن احمد حسین ⑦ ہاشم علی بن احمد حسین ⑧ سیّد علی بن احمد حسین ⑨ جعفر رضا بن احمد حسین ⑩ حسنین علی بن محمد سالم ⑪ اسد علی بن جعفر حسین ⑫ ببر علی بن جعفر حسین ⑬ طاہر رضا بن جعفر حسین ⑭ افضل علی بن جعفر حسین (گیارہویں نسل کے ان ۱۴ افراد میں ہادی علی شادی شدہ تھے جب کہ باقی بچپن یا نوجوانی کے دور سے گزر رہے تھے۔ راجو کی گیارہویں نسل کے اکثر افراد ۱۹۴۷ء میں سید کھیڑی سے راجو کی اولاد کے اجڑنے کے بعد پیدا ہوئے اس لیے اس لسٹ میں ان کے نام نہیں ہیں)۔

راجو کی وفات کے بعد ان کی آٹھ نسلوں کی مکمل زندگی سید کھیڑی ہی میں گزری۔ ان آٹھ نسلوں کی معیشت تو زمینوں سے منسلک رہی، البتہ زمین تقسیم ہوتے ہوتے اتنی کم رہ گئی کہ نویں اور دسویں نسل کے کئی افراد نے ملازمت کا پیشہ اختیار کیا۔ تقسیم ہند کے وقت راجو کی نویں اور دسویں نسل کے بزرگ سید کھیڑی میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ گیارہویں نسل کے کچھ افراد بھی تھے لیکن ان کی بڑی اکثریت بچپن کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ نویں نسل سے تعلق رکھنے والے ۱۷ میں سے ۱۱ بزرگ سید کھیڑی میں ہی اپنے آباؤ اجداد سے جا ملے۔[2] ان میں حیدر علی کے خاندان سے طالب حسین،

---

۱ شجرہ نسب ترمذی سادات

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

الٰہی بخش کے خاندان سے محمد نقی، برکت علی کے خاندان سے عنایت حسین اور احمد حسن، مولویوں کے خاندان سے محمد حسین، مہدی حسین، علی حسین اور سیّد محمد اور امام علی کے خاندان سے محمد جعفر، رونق علی اور طالب حسین شامل تھے۔[1]
راجو کی نویں نسل کے باقی چھ بزرگ ہجرت کی صعوبتیں برداشت کر کے اپنے کنبوں کے ساتھ پاکستان آ گئے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصّہ سیدکھیڑی اور کم حصّہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں گزارا۔ ان میں حیدر علی کے خاندان سے محمد عسکری، الٰہی بخش کے خاندان سے باقر حسین، غلام عباس، نذر حسین اور محمد یٰسین اور برکت علی کے خاندان سے تصدق حسین شامل تھے۔[2] مولویوں کے خاندان اور امام علی کے خاندان سے تعلق رکھنے والے اس نسل کے تمام افراد سیدکھیڑی میں ہی فوت ہو گئے۔ اور امام علی کے خاندان سے کسی کی نسل بھی آگے نہ چلی۔

حیدر علی کا خاندان

حیدر علی کے والد نُور الدین اور دادا قلندر بخش تھے۔[3] حیدر کا تعلق راجو کی ساتویں نسل سے تھا۔ ان کے ایک بھائی چراغ علی تھے۔ حیدر علی بڑے تھے اور اپنے والد کی وفات کے بعد نمبردار بن گئے تھے۔ چراغ علی کے اولاد نہیں تھی۔ انہوں نے اپنے بھانجے رمضان علی ولد برکت علی کی پرورش کی اور انہیں اپنا متبنیٰ بنایا۔ رمضان نے بڑے ہو کر اپنے ماموں چراغ علی کی خبر گیری اور خدمت گزاری کو اپنا شعار بنایا۔ ۱۸۶۹ء میں چراغ علی نے اپنی ساری زمین اپنے بھانجے رمضان علی کے نام ہبہ کر دی۔ اس پر چراغ علی کے بڑے بھائی حیدر علی نمبردار نے مقدمہ کر دیا۔ مقدمہ کا فیصلہ حیدر کے حق میں ہوا اور ہبہ منسوخ ہو گیا۔ دو سال بعد ناظم مال تبدیل ہو گیا تو چراغ علی نے نئے ناظم مال کے پاس اپیل دائر کر دی۔ اپنی اپیل میں انہوں نے لکھا: ”میرے بھانجے کا میری اراضی پہ حق بنتا ہے کیونکہ میں نے اسے پالا پوسا ہے اور وہ میری خدمت کرتا ہے۔ اور اس ہبہ پر میرے بھائی حیدر علی کے علاوہ کسی کو اعتراض نہیں ہے۔ میں اپنی اراضی کا واحد مالک و مختار ہوں اور اپنے بھائی نمبردار سے علیحدہ رہتا ہوں اور نمبردار میری کوئی خدمت نہیں کرتا۔“ نئے ناظم مال نے فیصلہ چراغ علی کے حق میں کر دیا۔ حیدر علی نے اس فیصلہ کے خلاف ایک اپیل ۱۸ جولائی ۱۸۷۱ء کو دائر کی اور یہ مؤقف اختیار کیا: ”ہماری برادری میں نواسہ کے نام تو ہبہ ہو سکتا ہے مگر ہمشیرہ زادہ کے نام ہبہ نہیں ہو سکتا۔“ انہوں نے یہ بھی لکھا: ”دو سال پہلے کیے گئے سابق ناظم صاحب کے فیصلہ کی کاپی میرے پاس ہے جس میں اس ہبہ کو منسوخ کر دیا گیا تھا۔ موجودہ فیصلہ سے میری حق تلفی ہوئی ہے۔“ تاہم عدالت نے اس بنیاد پر کہ شرعاً نمبردار کی طرف سے ہبہ میں مزاحمت نہیں ہو سکتی حیدر علی کی اپیل مسترد کر دی اور زمین کا انتقال رمضان علی کے نام ہو گیا۔ حیدر علی کے ایک فرزند مہربان علی تھے جو مسیتا کے نام سے مشہور تھے۔

---

۱ شجرہ نسب ترمذی سادات

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ شجرہ نسب ترمذی سادات

مہربان علی نمبردار عرف مسیتا

مہربان علی عرف مسیتا اپنے والد کی وفات کے بعد نمبردار بن گئے۔ وہ رمضان علی کی بیوگان کنیز فاطمہ اور مریم النساء کی طرف سے اپنے خاوند سے ورثہ میں ملی ہوئی زمین کے ۱۹۰۴ء میں امام بارگاہ کے نام کیے جانے والے ہبہ کے مرکزی گواہ تھے۔ یہ وہی زمین تھی جسے مسیتا کے چچا چراغ علی نے رمضان علی کے نام ہبہ کیا تھا اور مسیتا کے والد حیدر علی نے اس زمین کو اپنی اولاد کا حق سمجھتے ہوئے عدالتی کارروائی کی تھی۔ تاہم جب یہ زمین بالآخر امام بارگاہ کے نام ہوئی تو مسیتا نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ اس کے حق میں بیان دیا۔[1]

مسیتا نے ایک شیخ گھرانے میں شادی کی تو راجو کی باقی اولاد نے مسیتا اور ان کی اولاد کے ساتھ رشتہ نہ کرنے اور ان کی شادیوں میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور تقسیم ہند تک اس فیصلہ پر عمل ہوتا رہا۔[2] مسیتا کے دو بیٹے محمد عسکری عرف نتھو اور طالب حسین اور ایک بیٹی جنّت ہوئیں۔ اپنی بیٹی جنّت کی شادی انہوں نے سیّدوں کے دوسرے محلہ کے محمد مسیتا سے کی۔ دوسرے محلہ کے مسیتا بوڑھے تھے اور ان کی یہ دوسری شادی تھی۔ جنّت کی ماں اپنی بیٹی کی مسیتا سے شادی پر رضامند نہ تھیں۔ لیکن یہ شادی ہوئی اور جب مولوی صاحب نکاح پڑھنے لگے تو جلتا ہوا چراغ بجھ گیا۔ کچھ لوگوں نے اسے برا شگون سمجھا۔ شادی ہوئے ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ جنّت کے خاوند مسیتا کا انتقال ہو گیا۔ جنّت بے اولاد تھیں اور انہوں نے باقی زندگی اکیلے بیوہ کی حیثیت سے گزاری۔[3]

محمد عسکری نمبردار عرف نتھو

مہربان علی عرف مسیتا کے فرزند محمد عسکری نے راجپورہ سکول سے چند جماعتیں پاس کیں اور پھر زمینداری میں اپنے والد کا ہاتھ بٹانے لگے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد بڑا بیٹا ہونے کے ناطے عسکری نمبردار بن گئے۔ وہ نتھو نمبردار کے نام سے مشہور تھے۔ سید کھیڑی کی چار میں سے دو نمبرداریاں ان کے پاس تھیں۔[4] عسکری کی شادی سیّدوں کے دوسرے محلہ کے محمد مسیتا کی بہن بودھو سے ہوئی۔ یہ شادی اس وقت ہوئی جب عسکری کی بہن جنّت کی شادی محمد مسیتا سے ہوئی۔ عسکری اور بودھو کے چار بیٹے محمد مسلم، محمد عالم، محمد اسلم اور اختر حسین اور تین بیٹیاں شیریں فاطمہ، مخدومہ فاطمہ عرف دومو اور رضیہ فاطمہ عرف جیا ہوئیں۔ عسکری نے اپنی بیٹی شیریں کی شادی سیّدوں کے دوسرے محلہ کے محمد سالم ولد محمد مسیتا سے، دومو کی شادی سیّدوں کے دوسرے محلہ کے اعجاز حسین ولد بابو راکب نمبردار سے اور جیا کی شادی سیانہ سیداں کے

---

۱ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ سیّدہ اشرف النساء دختر محمد اسلم (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۰ اگست ۲۰۰۵ء

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

سفید پوش سجاد حسین ولد شبیر حسین سے کی۔[1]

عسکری اپنے کنبہ کے ساتھ دوسری چھوٹی حویلی میں رہتے تھے۔ ان کی زمین راجو کی باقی اولاد کے مقابلہ میں کچھ زیادہ تھی۔ اس کی وجہ ان کے بزرگوں میں شرح پیدائش کا نسبتاً کم ہونا تھا جس کے باعث زمین کم تقسیم ہوئی۔[2] عسکری کو بہت سے مقدمات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ باقر حسین اور نذر حسین نے مختلف مقدمات میں عسکری اور ان کے بیٹوں کو فریق بنایا۔ ان کے علاوہ عسکری چونکہ نمبردار تھے اس لیے انہوں نے گواہ کی حیثیت سے گاؤں والوں کے مختلف مقدمات میں بیانات بھی قلمبند کروائے۔[3] سیّدوں کے دوسرے محلہ میں آکر آباد ہونے والے فضل حسین عرف فضلا عرائض نویس پر قاتلانہ حملہ کے مقدمہ میں عسکری گرفتار بھی ہوئے۔ لیکن ان کا نام تھانہ میں درج کروائی گئی رپورٹ میں بعد میں لکھوایا گیا تھا اس لیے عدالت نے انہیں بری کر دیا۔[4] عسکری نے رہا ہونے سے انکار کر دیا اور اصرار کیا کہ جب تک ان کے داماد سالم کو نہیں چھوڑا جاتا وہ بھی جیل میں رہیں گے۔ وکیل کے سمجھانے پر وہ اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے۔ تاہم جب تک سالم دوسرے افراد کے ساتھ سزا بھگت کر واپس نہیں آئے عسکری اور ان کی بیگم چارپائی پر نہیں سوئے۔

محمد مسلم

محمد عسکری کے بڑے بیٹے محمد مسلم نے راجپورہ سکول سے پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ ان کی آواز اچھی تھی اور بچپن میں انہیں گانے کا شوق بھی بہت تھا۔ اپنے شوق کی تکمیل کے لیے وہ پٹیالہ چلے گئے اور وہاں گانے کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ تاہم والدین کے منع کرنے پر انہوں نے گوّیا بننے کا منصوبہ ترک کر دیا۔ بعدازاں وہ نوحہ خوانی کی طرف متوجہ ہوئے اور کچھ ہی عرصہ میں مشہور نوحہ خوان بن گئے۔ پٹیالہ کے سیّد انہیں نوحہ پڑھنے کے لیے بلاتے تھے اور انہیں لانے کے لیے گاڑی بھیجتے تھے۔ وہ نوحے پڑھنے کے لیے سامانا اور بنوڑ بھی جاتے تھے۔ وہاں ان کا انتظار کیا جاتا تھا۔ مسلم اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر کھیتی باڑی کرتے تھے۔[5] اپنے والد کی طرح انہیں بھی بہت سے مقدمات کا سامنا کرنا پڑا اور گاؤں میں ہونے والے جھگڑوں میں بھی وہ ملوث رہے۔[6] فضلا عرائض نویس پر قاتلانہ حملہ کے جرم میں انہوں نے چند سال جیل بھی کاٹی۔ بعدازاں ان کی دھمکی کے نتیجہ میں فضلا سید کھیڑی چھوڑ کر چلا گیا۔[7] ۱۹۳۹ء میں ہونے والے لکھنؤ ایجی ٹیشن

---

۱ سیّدہ اشرف النساء دختر محمد اسلم (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ ۳۰ اگست ۲۰۰۵ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش ـــ قلمی نسخہ ـــ منڈی بہاؤالدین

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۵ سیّد عادل حسین ولد محمد مسلم (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ ۱۸ جون ۲۰۰۶ء

۶ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش ـــ قلمی نسخہ ـــ منڈی بہاؤالدین

۷ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ فیروز کے ناگرہ ـــ ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

میں مسلم نے گرفتاری پیش کی۔[1]

محمد مسلم کی شادی شیریں فاطمہ دختر سید محمد سے راجگڑھ میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے تین بیٹے محمد سبطین، عابد حسین اور عادل حسین اور تین بیٹیاں امیر فاطمہ، وزیر فاطمہ اور کنیز فاطمہ ہوئیں۔ مسلم کی زوجہ شیریں شفقت کرنے والی خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے بچّوں کو کبھی نہیں ڈانٹا اگرچہ وہ بچّوں کی پڑھائی پر زور دیتی تھیں۔ مسلم کو بھی اپنے بچّوں کو تعلیم دلوانے کا شوق تھا۔ تاہم وہ شیریں کی طرح بچّوں سے شفقت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ وہ گھر میں اپنا رعب رکھتے تھے اور بیوی کو بھی زیادہ حیثیت نہیں دیتے تھے۔ مسلم کے بیٹے سبطین نے راجپورہ سکول سے چند جماعتیں پاس کیں۔ تقسیم ہند کے وقت ان کی عمر ۱۴ سال تھی۔ مسلم کے دوسرے بیٹے عابد کو ان کی پھوپھی جیا سیانہ لے گئیں اور وہاں سکول میں داخل کروا دیا۔ تقسیم ہند کے وقت وہ سیانہ سکول میں پڑھتے تھے۔ مسلم کے تیسرے بیٹے عادل ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئے۔[2]

محمد عالم

محمد عسکری کے بیٹے محمد عالم نے راجپورہ سکول سے چند جماعتیں پاس کیں۔ پھر وہ کھیتی باڑی میں اپنے والد کا ہاتھ بٹانے لگے۔[3] بعدازاں انہوں نے دوسرے محلہ میں اپنی بہن شیریں کے پاس رہائش رکھ لی۔ وہ اپنے بہنوئی سالم کے ساتھ مل کر کھیتی باڑی کرتے تھے۔[4] اپنے والد اور بڑے بھائی کی طرح انہیں بھی مقدمات کا سامنا رہا۔[5] فضلا عرائض نویس پر قاتلانہ حملہ کے جرم میں انہوں نے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ چند سال جیل کاٹی۔[6]

محمد عالم کی پہلی شادی راجگڑھ میں اختری دختر علی حسن عرف سینا سے ہوئی۔ عالم اور اختری کے تین بیٹیاں تمیلہ، حمیدہ اور رضیہ ہوئیں۔ دوسری شادی عالم نے زینت سے کی جسے وہ تقسیم ہند سے پہلے ہونے والے فسادات کے دوران سید کھیڑی سے بھگا کر لاہور لے آئے تھے۔ زینت کا والد عالم کے بہنوئی سالم کے گھوڑے کا سائس تھا اور فقیر مشہور تھا۔ دوسری شادی کرنے پر عالم کو اپنے خاندان اور برادری والوں کی طرف سے سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔[7]

محمد اسلم

محمد عسکری کے بیٹے محمد اسلم نے راجپورہ سکول سے چند جماعتیں پاس کیں۔ بڑے ہوئے تو کھیتی باڑی میں اپنے والد

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد عادل حسین ولد محمد مسلم (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۱۸ جون ۲۰۰۶ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۳۱ اگست ۲۰۰۶ء

5 یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش ــــ قلمی نسخہ ــــ منڈی بہاؤالدین

۶ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۷ سیّدہ اشرف النساء دختر محمد اسلم (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۲۵-۳۰ اگست ۲۰۰۵ء

سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ فیروز کے ناگرہ ــــ ۱۵ مارچ ۲۰۱۱ء

کا ہاتھ بٹانے لگے۔[1] اسلم کی شادی اکبری بیگم دختر اصغر حسین سے پٹیالہ میں ہوئی۔ اصغر حسین پٹیالہ حکومت میں تحویلدار کی حیثیت سے ملازم تھے اور اچھا اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ اسلم کی زوجہ اکبری بیگم نے مڈل تک تعلیم حاصل کی اور شادی کے بعد شہر سے آکر گاؤں میں رہنے لگیں۔ اسلم بھی اپنی بیگم کی قدر کرتے تھے اور ان کی اپنی بیگم سے محبّت مشہور تھی۔ اسلم کا رنگ گورا تھا اور اکبری بیگم کا رنگ گندمی تھا۔ اسلم نفاست پسند اور خوش لباس تھے۔ وہ اپنی بیگم کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے اور اکثر بازار سے ان کے لیے خریداری کر کے لاتے تھے۔

اسلم جب اپنے والدین، بہنوں اور چھوٹے بھائی کے ساتھ اپنے بڑے بھائیوں مسلم و عالم اور بہنوئی سالم کو ملنے جیل جاتے تو پٹیالہ میں پہلے اپنے سسر اصغر حسین کے ہاں جاتے تھے۔ اصغر کے سرکاری اثر و رسوخ کی وجہ سے قیدیوں کے ساتھ اسلم اور ان کے گھر والوں کی ملاقات اطمینان سے ہو جاتی تھی۔ ایسے ہی ایک موقع پر قیدیوں کے لیے تیار کیے گئے سالن کا دیگچہ اسلم کی بہنوں نے انہیں پکڑا دیا۔ دیگچہ کے نیچے لگی ہوئی کالس سے اسلم کا ایک ہاتھ کالا ہو گیا۔ نفاست پسند اسلم نے دیگچہ پھینک دیا۔ کچھ بدمزگی ہوئی اور اسلم کی بیوی کو بھی ان کی یہ حرکت اچھی نہ لگی کیونکہ سالن دوبارہ بنانا پڑا۔ ہندوستان میں اسلم اور اکبری بیگم کے ایک فرزند تسلیم حسین اور ایک بیٹی اشرف النساء عرف اچھو ہوئیں۔[2]

اختر حسین

محمد عسکری کے سب سے چھوٹے بیٹے اختر حسین، جن کا نام شجرہ نسب ترمذی سادات میں اختر علی لکھا ہے، نے راجپورہ سکول سے چند جماعتیں پڑھیں۔[3] انہیں ان کی چچی یعقوبن بیوہ طالب حسین نے پالا۔ یعقوبن کے اولاد نہیں تھی اور وہ بیوہ ہو گئی تھیں۔ اختر دوسری چھوٹی حویلی میں اپنی چچی کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر کھیتی باڑی کرتے تھے۔[4] اختر نے بیل رکھے ہوئے تھے اور انہیں بیل دوڑانے کا شوق تھا۔[5] ان کی چچی نے ان کے لیے اپنے بھائی محمد امیر کی بیٹی امتو کا رشتہ مانگا لیکن محمد امیر نے اپنی بیٹی کا رشتہ کہیں اور کر دیا۔[6] پھر یعقوبن نے اپنے بھائی احمد حسین کی بیٹی نثار فاطمہ عرف پھاتی سے اختر کی شادی کی۔[7] اختر اور پھاتی کے ہندوستان میں ایک بیٹا بنیاد علی ہوا جو بچپن میں فوت ہو گیا۔[8]

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ اشرف النساء دختر محمد اسلم (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵-۳۰ اگست ۲۰۰۵ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّدہ اشرف النساء دختر محمد اسلم (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵-۳۰ اگست ۲۰۰۵ء

۵ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ اگست ۲۰۰۶ء

۶ سیّدہ بشیرن بیگم دختر محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۷ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۸ سید اختر حسین ولد محمد عسکری (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد جمیل حسین ولد اختر حسین بذریعہ فون — ڈسکہ — ۴ فروری ۲۰۱۹ء

طالب حسین

طالب حسین کے والد مہربان علی اور دادا حیدر علی تھے۔ وہ اپنے بڑے بھائی محمد عسکری کی طرح زمینداری کرتے تھے اور دوسری چھوٹی حویلی میں رہتے تھے۔ ان کی شادی یعقوبن دختر اکبر علی سے گوہلہ میں ہوئی۔ طالب تقسیم ہند سے کافی عرصہ پہلے فوت ہو گئے تھے۔[۱] ان کی وفات کے بعد اس وقت کے رواج کے مطابق ان کی بیوہ یعقوبن ان کی زمین کی مالک بن گئی تھیں۔ یعقوبن چونکہ بے اولاد تھیں اس لیے انہوں نے اپنے بھتیجے اختر کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔

یعقوبن کی زمین عملاً عسکری کے بیٹوں کی نگہداشت میں تھی۔ عسکری کے بیٹے زمین سے ہونے والی پیداوار میں یعقوبن کو ان کا حصّہ دیتے تھے۔ یعقوبن پیداوار میں آدھے حصّہ کی مالک تھیں۔ زمین پر دوسری فصلوں کے ساتھ سَنّی بھی اگائی جاتی تھی۔ سَنّی کی شاخیں بان بنانے کے کام آتی تھیں جن سے چارپائیاں بُنی جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ سَنّی کی ۳۰۰ شاخیں کاشت ہوئیں۔ عسکری کے بیٹوں نے سوچا کہ یعقوبن کو اتنی چارپائیوں کی ضرورت نہیں جب کہ عسکری کا کنبہ بڑا ہے۔ اس لیے یعقوبن کو ۱۰۰ شاخیں دے دیتے ہیں اور ۲۰۰ شاخیں خود رکھ لیتے ہیں۔ عسکری کے بڑے بیٹے مسلم نے اپنی چچی یعقوبن سے کہا: ”سَنّی کی ۲۰۰ شاخیں ہوئی ہیں اور آپ کا حصّہ باڑہ میں رکھوا دیا ہے۔“ یعقوبن کو شک ہو گیا کہ ان کا بھتیجا ان سے صحیح بیانی نہیں کر رہا۔ انہوں نے مسلم سے کہا: ”میں خود باڑہ میں جا کر دیکھوں گی اور اگر تمہاری بات غلط نکلی تو تمہارے حصّہ کو دیا سلائی دکھا دوں گی۔“ مسلم نے سوچا کہ چچی کا باڑہ میں جا کر سَنّی دیکھنے کا امکان نہیں۔ اس لیے انہوں نے کہا: ”میں صحیح کہہ رہا ہوں۔“ تاہم یعقوبن کی تسلّی نہ ہوئی۔ کچھ دیر بعد رلّی چوڑھی گھر میں کام کرنے کے لیے آئی تو یعقوبن اسے لے کر باڑہ میں پہنچ گئیں۔ انہوں نے ڈھیروں کے حجم سے اندازہ لگا لیا کہ ان کا حصّہ عسکری کے حصّہ سے آدھا ہے۔ بات کی پکی یعقوبن نے عسکری کے حصّہ والے سَنّی کے ڈھیر کو آگ لگا دی۔[۲]

الٰہی بخش کا خاندان

الٰہی بخش کا تعلق راجو کی ساتویں نسل سے تھا۔ ان کے والد احسان علی اور دادا قلندر بخش تھے۔ الٰہی بخش ایک محنتی انسان تھے۔ انہوں نے اپنی زمین پر دِل لگا کر کام کیا اور گاؤں سے متصل اپنی زمین پر ایک باغ بھی لگایا۔ سید کھیڑی کی زمینیں بارانی تھیں۔ الٰہی بخش نے سوچ سمجھ کر باغ کی جگہ کا انتخاب کیا۔ باغ کے ساتھ ہی ایک جوہڑ تھا جو باغ جتنا ہی بڑا تھا۔ جوہڑ کی نمی ہر وقت باغ کو میسّر رہتی تھی۔ برسات کے موسم میں بارش کے پانی اور ۱۰ میل دور بہنے والے دریائے گھگر کے اچھلنے پر سیلاب کے ریلے کا گزر بھی باغ ہی سے ہوتا تھا۔ الٰہی بخش سے پہلے ان کے بزرگوں نے ایک باغ سید کھیڑی میں لگایا تھا۔ لیکن وہ تقسیم ہند سے کافی عرصہ پہلے اجڑ چکا تھا۔ اس باغ کی زمین میں راجو کی اولاد کے سب افراد حصہ دار تھے جس کا مطلب ہے کہ وہ باغ ناصر علی یا ان کے بزرگوں نے لگایا تھا۔ راجو کی نویں اور دسویں نسل کے زمانہ میں کچھ افراد

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ اشرف النساء دختر محمد اسلم (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵-۳۰ اگست ۲۰۰۵ء

اپنے مُردوں کو اس اجڑے ہوئے باغ کی شاملاتی زمین میں دفن کر دیا کرتے تھے۔ الٰہی بخش کا باغ تقسیم ہند تک جوں کا توں موجود تھا اور الٰہی بخش کی تین نسلوں نے سید کھیڑی میں ان کے باغ سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ الٰہی بخش کے پوتوں کے زمانہ میں ان کے لگائے ہوئے باغ کی دیکھ بھال ان کے پوتے باقر حسین کے ذِمّہ تھی۔ باقر باغ کو ٹھیکہ پر دیتے اور آمدن کو حصہ داروں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ گاؤں کے اکثر افراد اسے باقر کا باغ ہی سمجھتے تھے کیونکہ اس کے سب معاملات وہی طے کرتے تھے۔ اس باغ سے مبلغ ۱۰۰، ۲ روپے سالانہ آمدن ہوتی تھی۔ الٰہی بخش کے چار پوتوں باقر حسین، غلام عباس، نذر حسین اور محمد یٰسین کو مبلغ ۳۵۰ روپے فی کس حصّہ ملتا تھا اور پانچویں پوتے محمد نقی کو ۷۰۰ روپے ملتے تھے۔ نقی چونکہ اپنے والد کے اکلوتے فرزند تھے اس لیے ان کا حصّہ دو گنا تھا۔ نقی کے فوت ہونے کے بعد ان کا حصّہ ان کی بیوہ خورشید بانو دختر احمد حسین کو سید کھیڑی میں ملتا رہا۔ خورشید بانو بھی سید کھیڑی میں فوت ہو گئیں تو یہ حصّہ ان کی بیٹی صفدری زوجہ اقبال حسین کو تقسیم ہند تک ملتا رہا۔[1] مؤلف ۲۰۰۵ء میں سید کھیڑی گیا تو دیکھا کہ الٰہی بخش کا باغ ختم ہو چکا تھا اور اس کی جگہ فصل اگی ہوئی تھی۔ باغ سے متصل جوہڑ بھی خشک ہو چکا تھا لیکن جوہڑ کی زمین سیم زدہ تھی اور وہاں فصل نہیں اُگتی تھی۔

الٰہی بخش کی ایک بیٹی تھیں جن کی شادی بھور میں ہوئی۔ ان کے خاوند کا نام میمو تھا۔ ان کے ایک بیٹی صغریٰ ہوئیں۔ میمو ہیضہ کے مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے۔[2] ایک بیٹی کے علاوہ الٰہی بخش کے تین بیٹے ایزد بخش، محمد بخش اور حسین بخش تھے۔ الٰہی بخش کے تینوں بیٹے بڑی حویلی میں رہتے تھے۔ زمینوں کی دیکھ بھال میں وہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ ان کا کھانا بھی مشترکہ تھا۔ اپنے والد کے لگائے ہوئے باغ سے بھی وہ زندگی بھر برابر فائدہ اٹھاتے رہے۔ تینوں بھائیوں کا بھور میں اپنی بہن سے رابطہ رہتا تھا۔[3] اپنی بھانجی صغریٰ کی ساڈھورہ کے بڑے زمیندار میر زین العابدین کے ساتھ شادی کے سب انتظامات ان تینوں بھائیوں نے مل کر کئے تھے۔ وہ اپنی بھانجی کے پاس اس زمانہ کے رواج کے مطابق مختلف مواقع پر نانک چھک بھی لے کر جاتے تھے۔ ان تینوں بھائیوں کی اولاد نے بھی ان روایات کو قائم رکھا۔[4]

ایزد بخش

الٰہی بخش کے بڑے فرزند ایزد بخش اپنے بزرگوں کی طرح زمینداری کرتے تھے۔ وہ کالو کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی شادی رستم علی کی بیٹی سے ہوئی جو مولوی قاسم کی بہن تھیں۔ رستم علی بھی بڑی حویلی میں رہتے تھے۔ ایزد بخش کے دو بیٹے باقر حسین اور غلام عباس اور ایک بیٹی فضلی ہوئیں۔ فضلی کی شادی مہدی حسین ولد مولوی قاسم علی سے ہوئی۔ مہدی

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
۲ سیّد محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ جھنگ ـــ ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء
۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
۴ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ ۲۲-۲۷ جولائی ۲۰۰۸ء

بھی بڑی حویلی میں رہتے تھے۔[۱]

ایزد بخش اپنے کام عموماً اپنے بیٹوں کی بجائے اپنے بھتیجے محمد یٰسین سے کرواتے تھے۔ یٰسین بھی اپنے تایا کی خدمت کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے تھے۔ ایسا کبھی نہ ہوا کہ یٰسین نے ایزد بخش کا کہا نہ مانا ہو۔ لیکن ایک رات ایک بہت ہی عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایزد بخش چند دنوں سے بیمار تھے۔ یٰسین ان کے قریب ہی چارپائی پر سوتے تھے۔ ایزد بخش کو رات کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو وہ یٰسین کو آواز دیتے اور یٰسین اٹھ کر ان کی ضرورت پوری کر دیتے تھے۔ اس رات ایزد بخش نے یٰسین کو دھیمی آواز سے پکارا۔ یٰسین پر اس وقت نیند کا شدید غلبہ تھا۔ ایزد بخش نے بھی خلاف معمول ایک آواز کے بعد دوسری آواز نہ دی۔ یٰسین بھی سو گئے۔ صبح جب سب اٹھے تو دیکھا کہ ایزد بخش اس دنیا میں نہیں ہیں۔ یٰسین نے اپنے تایا کی ساری زندگی جو خدمت کی تھی اسے تو بھول گئے لیکن ان کی آخری پکار پر لبیک کہنے میں اپنی کوتاہی کو کبھی نہ بھلا سکے۔ یہی وجہ تھی کہ جب یٰسین خود ایک دفعہ بیمار ہوئے اور ان کے فرزند عزادار حسین نے ان کے پاس سونے کی خواہش کی تو یٰسین نے انہیں منع کر دیا۔[۲]

محمد بخش

الٰہی بخش کے دوسرے بیٹے محمد بخش اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر زمینداری کرتے تھے۔ ان کے ایک فرزند محمد نقی اور دو بیٹیاں کبریٰ اور مریم النساء تھیں۔ کبریٰ کی شادی سیانہ سیداں کے بڑے زمیندار شبیر حسین ولد بہار بخش سے ہوئی۔ ادھیڑ عمر میں کبریٰ نابینا ہو گئی تھیں۔ محمد بخش کی دوسری بیٹی مریم النساء کی شادی رمضان علی ولد برکت علی سے سید کھیڑی میں ہوئی۔ رمضان مریم کے والد کے چچا زاد بھائی تھے اور ان کی یہ دوسری شادی تھی۔ کچھ ہی عرصہ بعد وہ فوت ہو گئے۔ مریم نے باقی زندگی بیوہ کی حیثیت سے گزاری۔[۳]

مریم کے چچا حسین بخش اپنی بھتیجی سے بہت پیار کرتے تھے جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ مریم چھوٹی عمر میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ مریم بھی یہ کہتی تھیں کہ انہیں اپنے باپ سے زیادہ اپنے چچا سے محبّت ملی۔ مریم بیوہ ہونے کے بعد اس وقت کے رواج کے مطابق اپنے مرحوم خاوند کے گھر پہلی چھوٹی حویلی میں رہتی تھیں۔ وہیں ان کے مرحوم خاوند کی پہلی بیوی کنیز فاطمہ دختر نعمت علی بھی رہتی تھیں۔ ایک دفعہ مریم نے اپنے چچا حسین بخش سے کہا: ”کنیز کے پاس تو بہت پیسے ہیں جب کہ

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
سیّد محمد سالم ولد مہدی حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد حسنین علی ولد محمد سالم بالمشافہ ــــ شیخن ــــ یکم اپریل ۲۰۰۷ء
سیّدہ رضوانہ خاتون دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ کراچی ــــ 9 جولائی 2018ء
شجرہ نسب ترمذی سادات

۲ سید قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۷ جولائی ۲۰۰۵ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

میرے پاس نہیں ہیں۔" حسین بخش نے جواب دیا: "بیٹا! تمہارے پاس بھی بہت سرمایہ ہے جو کنیز کے پاس نہیں ہے۔" مریم نے پوچھا: "وہ سرمایہ کہاں ہے؟" حسین بخش نے کہا: "رات کو کھانے پہ آنا میں تمہیں تمہارا سرمایہ دکھا دوں گا۔" رات کھانے کا وقت ہوا تو مریم بڑی حویلی میں آ گئیں۔ جب کھانا لگا دیا گیا تو حسب معمول سب کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ اس وقت حسین بخش نے مریم کو متوجہ کیا اور الٰہی بخش کے پوتوں (محمد نقی، باقر حسین، غلام عباس، نذر حسین اور محمد یٰسین) کی طرف اشارہ کر کے کہا: "یہ بھائی تمہارا سرمایہ ہیں اور یہ سرمایہ کنیز کے پاس نہیں ہے۔"[1] کنیز کا تعلق امام علی کے خاندان سے تھا۔ ان کا ایک بھائی کرم حسین تھا جو فوت ہو گیا تھا اور اس کی تمام زمین بیوہ کرم حسین کی وفات کے بعد کنیز کو مل گئی تھی۔ کنیز اور مریم دونوں نے اپنے خاوند کی طرف سے وراثت میں ملی ہوئی زمین کو ۱۹۰۴ء میں امام بارگاہ کے نام وقف کر دیا تھا۔ اس وقف کے حق میں کچھ اور لوگوں کے علاوہ حسین بخش نے بھی بیان قلمبند کروایا تھا۔[2] ریلو رام کے مطابق: "بوا مریم نے ۵۰۰ بیگھے زمین امام بارگاہ کے نام لگوائی تھی۔"[3]

حسین بخش

الٰہی بخش کے تیسرے اور سب سے چھوٹے بیٹے حسین بخش اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر زمینداری کرتے تھے۔ ان کی شادی کرم النساء دختر ذیلدار محمد بخش سے گوہلہ میں ہوئی۔ محمد بخش بڑے زمیندار تھے۔[4] کرم النساء نے اپنے باپ کے گھر میں عام عورتوں کی طرح روزمرّہ کے کام نہیں کیے تھے۔ آٹا پیسنا، روٹی پکانا، کپڑے دھونا وغیرہ انہیں نہیں آتے تھے۔ حسین بخش نے بھی گھر کے کاموں میں اپنی زوجہ کی مدد کے لیے نوکرانی کا انتظام کر دیا۔ حسین بخش صبح سویرے چھپڑ پہ جا کے اپنے کپڑے خود بھی دھو لیتے تھے۔[5] حسین بخش اور کرم النساء کے دو بیٹے نذر حسین اور محمد یٰسین اور دو بیٹیاں کنیز بانو اور ذکیہ خاتون عرف ذکی ہوئیں۔ کنیز بانو کی شادی ان کے تایا کے بیٹے غلام عباس ولد ایزد بخش سے اور ذکی کی شادی غلام عباس کے بڑے بھائی باقر حسین سے ہوئی۔ باقر کی یہ دوسری شادی تھی اور اسی لیے بڑی بہن چھوٹے بھائی اور چھوٹی بہن بڑے بھائی کی زوجہ بنیں۔[6]

حسین بخش اپنے عزیز و اقارب کی ۱۴ عورتوں کا قافلہ لے کر زیارتوں کے لیے عراق گئے۔[7] قافلہ کے ساتھ وہ اکیلے مرد تھے۔ نجف اشرف میں قیام کے دوران وہ بیمار ہو گئے اور ان کے علاج پر کافی پیسہ خرچ ہو گیا۔ ان کے پاس پیسے

---

۱ سید قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۷ جولائی ۲۰۰۵ء

۲ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۳ ریلو رام ولد گنگا رام (قدیم رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سید کھیڑی — یکم مارچ ۲۰۰۵ء

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۵ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۶ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۷ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

ختم ہونے لگے تو انہوں نے سید کھیڑی میں اپنے خاندان والوں کے نام ایک خط بھیجا جس میں سب صورت حال جس سے وہ گزر رہے تھے تحریر کی اور انہیں نجف پیسے بھیجنے کے لیے کہا۔ اس سے پہلے کہ سید کھیڑی سے پیسے آتے حسین بخش انتقال کر گئے۔ انہیں نجف اشرف میں دفن کر دیا گیا۔ حسین بخش کی موت ان کے ساتھ آئی ہوئی عورتوں کے لیے انتہائی پریشانی کا باعث تھی۔ ایک تو وہ تنہا رہ گئی تھیں اور دوسرے ان کے پاس پیسے بھی ختم ہو گئے تھے۔ نجف اشرف میں حضرت علی علیہ السّلام کے روضہ کے ایک خدام نے انہیں حوصلہ دیا اور کہا کہ وہ انڈیا سے آئے ہوئے کسی قافلہ کے ساتھ انہیں ان کے ملک واپس بھجوا دے گا۔ عورتوں نے خدام کو بتایا کہ ان کے پاس پیسے ختم ہو چکے ہیں اور یہ کہ حسین بخش مرحوم نے اپنے گاؤں سے پیسے منگوائے تھے جو پہنچنے والے ہوں گے۔ ظاہر ہے پیسے حسین بخش کے نام آنے تھے۔ خدام نے عورتوں کو چند دن انتظار کرنے کا کہا اور پوچھا کہ ان میں حسین بخش مرحوم کی سب سے قریبی عزیز کون ہے۔ عورتوں نے کہا: "حسین بخش کی بھتیجی مریم النساء ان کی سب سے قریبی عزیز ہیں۔" خدام نے مشورہ دیا: "جب پوسٹ مین پیسے لے کر آئے تو مریم اسے بتائے کہ وہ حسین بخش مرحوم کی بیٹی ہے۔ دوسری صورت میں پیسے ان کو نہیں ملیں گے۔" مریم کو یہ بات باور کروا دی گئی۔ جس دن پوسٹ مین پیسے لے کر آیا تو مریم کو بلایا گیا۔ وہ دروازہ کے پیچھے آئیں تو پوسٹ مین نے ان سے پوچھا کہ وہ حسین بخش کی کیا لگتی ہیں۔ خدام کے سمجھانے کے باوجود مریم کی زبان سے جواب میں بیٹی کی بجائے بھتیجی ہی نکلا۔ یعنی وہ جھوٹ نہ بول سکیں۔ پوسٹ مین نے انہیں پیسے دینے سے انکار کر دیا اور واپس چلا گیا۔ عورتیں پھر پریشان ہو گئیں۔ لیکن اس بات کا خدام پر مثبت اثر ہوا۔ اس نے کہا: "میں نے تو آپ کو جھوٹ بولنے کی ترغیب دی لیکن آپ سے جھوٹ نہیں بولا گیا۔" خدام نے عورتوں کو اپنے پاس سے پیسے دیے اور کہا: "اگر ہو سکے تو جا کر پیسے واپس بھیج دینا۔" پھر خدام نے انڈیا آنے والے ایک قافلہ کے ساتھ عورتوں کو واپس بھیج دیا۔ عورتوں کے سید کھیڑی پہنچنے پر خدام کے پیسے نجف ارسال کر دیے گئے۔ کچھ عرصہ بعد وہ خدام سید کھیڑی آیا۔ وہ عورتوں کے کردار سے بہت متاثر تھا۔ راجو کی اولاد کے افراد نے جتنے جس سے ہو سکا خدام کو پیسے دیے کیونکہ ایک تو اس نے ان کی عورتوں کی مصیبت کے وقت مدد اور راہنمائی کی تھی اور دوسرے وہ مقدس سر زمین سے تعلق رکھتا تھا۔[1]

حسین بخش کی زوجہ کرم النساء ادھیڑ عمر میں بینائی سے محروم ہو گئی تھیں۔ تاہم وہ بڑی حویلی سے چھوٹی حویلیوں میں لاٹھی کے سہارے خود ہی چلی جاتی تھیں۔ بڑھاپے میں اگرچہ وہ دیکھ نہ سکتی تھیں پھر بھی گھر سے باہر نکلتے وقت حسب سابق چہرے کو کپڑے سے چھپا لیتی تھیں۔ نابینا ہونے کے باوجود وہ اپنے بڑے بیٹے نذر حسین کے ساتھ زیارتوں کے لیے عراق بھی گئیں۔[2] سید کھیڑی میں انہیں ان کی بہویں یا پوتیاں پکڑ کر مجلس میں شمولیت کے لیے لے جاتی تھیں۔ کرم النساء کے انتقال پر ان کے بیٹوں نذر حسین اور محمد یٰسین نے مسلسل چالیس دن تک مجالس کا انعقاد کیا۔ پڑھنے کے لیے باہر سے مختلف علماء کو بلایا۔ ایک عالم تین یا چار روز مجالس پڑھتے تھے۔ کرم النساء کے چہلم کے دن بورے چاول کا کھانا گاؤں کے

---

۱ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۷ جولائی ۲۰۰۵ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

سب مسلمانوں اور ہندوؤں کو کھلایا گیا۔[1]

باقر حسین

باقر حسین کے والد ایزد بخش اور دادا الٰہی بخش تھے۔ انہوں نے راجپورہ سکول سے چند جماعتیں پاس کیں۔ بڑے ہوئے تو پولیس میں ملازم ہو گئے۔ ان کی ملازمت کا زیادہ عرصہ ضلع کرنال میں گزرا۔[2] کرنال میں قیام کے دوران باقر امام بارگاہ میں مجالس سننے جاتے تھے اور خود سوز خوانی بھی کرتے تھے۔[3] ملازمت کے دوران انہیں سیدکھیڑی سے باہر رہنا پڑا۔ تاہم ان کا کنبہ بڑی حویلی میں رہتا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے وقت وہ لدھیانہ میں حوالدار تعینات تھے۔ باقر کا قد لمبا اور رنگ سرخی مائل سفید تھا۔ ان کی بارعب شخصیت کے باعث سیدکھیڑی میں لوگ انہیں تھانیدار کہتے تھے۔ ملازمت کے دوران انہوں نے اپنی آبائی زمین کے علاوہ کچھ اور زمین بھی خرید لی تھی اور اس طرح ان کے پاس ان کے جدیوں کے مقابلہ میں زیادہ زمین تھی۔ پولیس سے ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے سیّدوں کے پہلے محلہ ہی میں مسجد ناصر علی سے چند قدم آگے علیحدہ مکان بنا لیا تھا اور اپنے کنبہ کے ساتھ وہاں رہنے لگے تھے۔ باقر نے اپنے نئے مکان میں ایک کنواں بھی بنوایا تھا۔[4] محلّے کی عورتیں ان کے کنویں پہ آکر کپڑے دھوتی تھیں۔[5] ویسے تو راجو کی اولاد کے سب افراد ہی نمازی تھے لیکن باقر حسین وقت پر نماز پڑھنے کی پابندی کرنے والے مشہور تھے۔ اگر وہ اپنی زمینوں پر پھر رہے ہوتے اور نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کو گھر واپسی تک موخر نہیں کرتے تھے بلکہ اسی وقت وہیں ادا کرتے تھے۔ باقر نے ایک گھوڑی بھی خرید لی تھی۔ دوسرے جانوروں میں ان کے پاس گائیوں، بھینسوں اور بیلوں کے علاوہ ایک اونٹنی بھی تھی۔[6] پریتم سات سال تک باقر کے جانور چراتا رہا۔ تقسیم ہند سے دو ماہ پہلے اس نے باقر کی نوکری چھوڑی۔[7]

سیدکھیڑی اور دوسرے دیہاتوں کے لوگوں سے باقر کے جھگڑے بھی رہتے تھے۔ ایسے دنوں میں جب وہ سیدکھیڑی سے باہر جاتے تو عموماً معروف راستے استعمال نہیں کرتے تھے۔ کچھ لوگ انہیں ٹرین یا بس میں بٹھانے کے لیے راجپورہ تک ان کے ساتھ جاتے تھے۔ ریلو رام بھی کئی دفعہ انہیں چھوڑنے راجپورہ تک گیا۔ باقر عموماً اپنے مخالفین کو جھکنے پر

---

۱ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ سیّد باقر حسین ولد ایزد بخش (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد غلام علی ولد صابر حسین بالمشافہ — واڑہ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۵ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۵ جنوری ۲۰۱۹ء

۶ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۷ پریتم ولد امیر سنگھ (قدیم رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سیدکھیڑی — یکم مارچ ۲۰۰۵ء

مجبور کر دیتے تھے۔[1] تاہم ان کے چچا کے بیٹے نذر حسین ولد حسین بخش نے نسبتاً چھوٹے قد اور کمزور جسم کے باوجود کبھی ان کی برتری تسلیم نہیں کی۔ باقر کی نذر کے ساتھ اکثر مقدمہ بازی رہتی تھی۔ باقر کے نئے مکان میں بیت الخلاء صحن کی اس دیوار کے ساتھ تھا جو زمینوں کی طرف تھی۔ وہ جب بیت الخلاء میں جا کر کھڈی پر چڑھتے تو لمبا قد ہونے کی وجہ سے ان کا چہرہ صحن کی دیوار سے اونچا ہو جاتا تھا اور الٰہی بخش کا باغ سامنے نظر آتا تھا۔ اگر باقر کو کسی کے جانور باغ میں گھسے نظر آتے تو وہیں سے جانور چرانے والے کو دھمکی دیتے: "میں آ رہا ہوں۔" جانور چرانے والا فوراً اپنے جانوروں کو باغ سے نکال کر لے جانے میں عافیت سمجھتا تھا۔[2]

باقر حسین نے دو شادیاں کیں۔ ان کی پہلی بیوی مولوی قاسم کی پوتی اور احمد حسین کی بہن تھیں۔ ان کے ایک بیٹی مشتاق فاطمہ عرف پھاتی ہوئیں۔ باقر نے اپنی بیٹی پھاتی کو بڑے لاڈ پیار سے پالا اور بڑی دھوم دھام سے ان کی شادی اپنے بھانجے محمد سالم سے کر دی۔ پھاتی سید کھیڑی میں ہی بے اولاد انتقال کر گئیں۔[3] باقر نے دوسری شادی اپنے چچا کی بیٹی ذکیہ خاتون عرف ذکی دختر حسین بخش سے کی۔ ذکی بہت ملنسار اور محبّت کرنے والی خاتون تھیں۔ گاؤں کی عورتیں ان کی بہت عزّت کرتی تھیں۔ ذکی چند ماہ بعد بڑی حویلی سے بشیری بیگم زوجہ زین العابدین کو اپنے گھر لے کر آتی تھیں اور انہیں تین چار روز اپنے گھر رکھنے کے بعد بڑی حویلی میں چھوڑ کر آتی تھیں۔ اگرچہ بڑی حویلی اور ان کا گھر ایک ہی محلہ میں تھے لیکن رشتہ میں خالہ ہونے کے ناطے ذکی انہیں اپنے گھر لا کر رکھنا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔ ذکی کی والدہ کرم النساء اور بشیری کی نانی مریم النساء دونوں سگی بہنیں تھیں۔ اسی طرح ذکی سب رشتہ داروں سے محبّت کرتی تھیں۔

باقر اور ذکی کے چار بیٹے ناصر حسین، یاور حسین، صابر حسین اور یاسر حسین اور ایک بیٹی امامی صغریٰ ہوئیں۔ ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد باقر نے تیسری شادی کرنے کی کوشش بھی کی تھی جو کامیاب نہ ہو سکی۔ سیّدوں کے دوسرے محلہ میں مبارکی بیگم عرف ماکھو بیوہ محمد حسن کی ایک ہی بیٹی تھی جس نے بظاہر اپنی ماں کے بعد اپنے باپ کی زمین کا وارث بننا تھا۔ باقر نے جب ماکھو کی بیٹی سے شادی کرنے کے اپنے یکطرفہ پروگرام کو حتمی شکل دی تو اپنی بیوی ذکی اور بچّوں کو اپنے چچا زاد بھائی اور سالے نذر حسین کے گھر چھوڑ آئے۔ نذر اپنی بہن کو دیکھ کر خوش ہو گئے اور کہا: "میرے گھر میں یہ چاند کیسے اتر آیا۔" باقر اپنے بھائی غلام عباس کے ساتھ رشتہ کے جوڑے لے کر ماکھو کے گھر پہنچ گئے۔ ماکھو کی بیٹی کو جب مہمانوں کے آنے کا مقصد پتہ چلا تو وہ بہت گھبرائی اور پاتھیوں سے بنے ہوئے گھوارہ میں چھپ کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد اس کی ماں نے اسے ڈھونڈ کر اس طرح چھپنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: "میں ان کے گھر بیاہ کر نہیں جاؤں گی۔ انہوں نے اپنے خاندان کی اتنی اچھی اور شریف عورتوں کو کونسا آرام سے رکھا ہے جو مجھے آرام سے رکھیں گے۔" لڑکی کے انکار کی وجہ سے باقر کی تیسری شادی نہ ہو سکی جس کے بعد وہ نذر کے گھر سے اپنے بیوی بچّوں کو واپس لے آئے۔ باقر کے مزاج میں

---

۱ ریلو رام ولد گنگا رام (قدیم رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سید کھیڑی — یکم مارچ ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۱۴ جون ۲۰۰۹ء

۳ سیّدہ رضوانہ خاتون دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — 9 جولائی 2018ء

سختی تھی اور اپنے بیوی بچّوں پر ان کا رعب تھا۔

باقر کی بیٹی امامی صغریٰ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی ہونے کے باعث اپنے والدین کی لاڈلی تھیں۔ ان کے چچا غلام عباس اور دونوں ماموں نذر حسین اور محمد یٰسین بھی ان سے بہت پیار کرتے تھے۔ وہ خصوصاً اپنے چھوٹے ماموں یٰسین سے فرمائشیں کرتی تھیں اور ان کے ماموں انہیں پورا کر دیتے تھے۔ امامی نے اپنے محلہ میں اکبری بیگم زوجہ محمد اسلم اور بشیری بیگم زوجہ زین العابدین سے قرآن پڑھا۔ سارے گاؤں میں شہرت تھی کہ راجو کی اولاد کے محلہ میں دو بہویں پڑھی لکھی آئی ہیں۔ ایک اکبری بیگم اور دوسری بشیری بیگم۔ امامی نے بشیری بیگم سے عام تعلیم بھی حاصل کی۔ تقسیم ہند کے وقت امامی کی عمر ۱۲ سال تھی۔[۱]

ناصر حسین

باقر حسین کے بیٹے ناصر حسین سیدکھیڑی میں ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مڈل تک تعلیم راجپورہ سکول سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیے وہ صغریٰ زوجہ میر زین العابدین کے پاس ساڈھورہ چلے گئے۔ صغریٰ ان کے والد کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ناصر نے میٹرک مسلم ہائی سکول ساڈھورہ سے پاس کیا۔ میٹرک کرنے کے بعد وہ سیدکھیڑی واپس آ گئے۔ پھر انہوں نے پٹیالہ طِبّیہ کالج سے حکمت کا چار-سالہ کورس کیا۔ ناصر کی شادی سیدکھیڑی کے سیّدوں کے تیسرے محلّہ میں سروری دختر سید محمد عرف چھجو سے بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ ناصر دلہا بن کر گھوڑی پر سوار ہوئے جب کہ باراتی پیدل ہی تیسرے محلّے گئے۔ چونکہ شادی اسی گاؤں میں تھی اس لیے ایک وقت کا کھانا ہی دیا گیا۔ دلہن کی ودائیگی کے وقت دلہا والوں کی طرف سے آرسیاں (چاندی کے سکے) پھینکی گئیں۔[۲] دلہن کو دو گھوڑوں والی بگھی میں بٹھا کر لائے۔[۳]

ناصر نے اپنے والد کی زمین کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ لوگوں کے علاج کرنے کا کچھ سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ ناصر کی ساس کے گھر کا صحن اونچا اور ان کا کمرہ نیچا تھا۔ کمرہ میں جانے کے لیے دو سیڑھیاں اترنا پڑتی تھیں۔ ایک دن ناصر کی ساس سر پر دودھ کا دیگچہ رکھے ہوئے کمرہ میں داخل ہوئیں تو سیڑھیاں اترتے ہوئے گر گئیں۔ ان کے کولہے کی ہڈی پر چوٹ لگی اور وہ چلنے پھرنے سے قاصر ہو گئیں۔ ناصر نے اپنی ساس کا علاج شروع کر دیا۔ وہ اپنے گھر میں دوائی بناتے اور تیسرے محلہ میں جا کر اپنی ساس کو دے آتے تھے۔ تاہم چند ماہ بستر سے لگے رہنے کے بعد ناصر کی ساس چل بسیں۔ بعدازاں ناصر کے بھائی اور عزیز و اقارب ان کو نیم حکیم خطرہ جان کہہ کر مذاق کرتے تھے۔ ساس کی وفات کے بعد کسے جانے والے طنزیہ جملوں نے ناصر کی حوصلہ شکنی کی اور انہوں نے حکمت کے پیشہ کو چھوڑ دیا۔ تاہم لفظ حکیم ان کے نام کا حصّہ بن گیا اور

---

۱ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی/اسلام آباد — یکم جولائی ۲۰۰۷ء، ۸ جون، ۱۱ جولائی ۲۰۰۸ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

انہیں حکیم جی ناصر حسین کہہ کر پکارا جاتا رہا۔ کچھ عرصہ بعد وہ گاؤں کی معمول کی زندگی سے دلبرداشتہ ہو کر فوج میں بھرتی ہو گئے۔

ناصر اور سروری کے سید کھیڑی میں ایک فرزند سبط حسن اور تین بیٹیاں طیّبہ، آسیہ اور مشتاق فاطمہ عرف پھاتی ہوئیں۔ تقسیم ہند کے وقت طیّبہ کی عمر ۱۰ سال، آسیہ کی سات سال، پھاتی کی پانچ سال اور سبط حسن کی دو سال تھی۔ ناصر کی ایک بیٹی تقسیم ہند کے بعد پاکستان کی طرف ہجرت کے سفر کے دوران پیدا ہوئیں۔[1]

یاور حسین

باقر حسین کے دوسرے بیٹے یاور حسین ۲۵ اگست ۱۹۱۹ء کو سید کھیڑی میں پیدا ہوئے۔[2] انہوں نے راجپورہ سکول سے چند جماعتیں پاس کیں۔ وہ گاؤں کے دوسرے بچّوں کے ساتھ پیدل سکول جاتے اور گھر واپس آتے تھے۔ ایک دن وہ سکول سے گھر واپس آ رہے تھے کہ اندھیری چلنے لگی۔ وہ کچھ اور آگے آئے تو دیکھا کہ آم کے ایک باغ میں بہت سے آم درختوں سے نیچے گرے ہوئے ہیں۔ باغ میں کوئی رکھوالی کرنے والا بھی نظر نہ آیا۔ باقی بچّے تو سید کھیڑی کی جانب چلتے رہے لیکن وہ کھڑے ہو کر آم لے جانے کا منصوبہ بنانے لگے۔ اتنے میں وہاں سے ایک بیل گاڑی والا گزرا جو ان کے گاؤں کی طرف جا رہا تھا۔ انہوں نے اپنا بستہ بیل گاڑی والے کو یہ کہہ کر دے دیا کہ اسے گھر دے دینا۔ اس کے بعد وہ باغ میں داخل ہو گئے اور گرے ہوئے آم اکٹھا کرنے لگے۔ جلد ہی انہوں نے آموں کا ایک ڈھیر لگا لیا۔ جب وہ آم اٹھانے لگے تو دیکھا کہ ان کے قمیض کے پلّو میں اتنے آم لے جانے کی گنجائش نہیں ہے جتنے انہوں نے اکٹھے کر لیے ہیں۔ وہ مفت ہاتھ آئے ہوئے آموں کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ چند لمحے سوچنے کے بعد ایک ترکیب ان کے ذہن میں آ گئی۔ انہوں نے اپنی شلوار اتاری اور ازاربند نکال کر پائنچوں کو کس کر باندھ دیا۔ پھر اپنی شلوار کے دونوں حصّوں کو آموں سے بھر لیا اور اسے اپنے کندھے پر رکھ کر گاؤں کی طرف چل پڑے۔ اگرچہ آموں کا وزن زیادہ تھا تاہم وہ ہانپتے کانپتے گھر پہنچ گئے۔[3] گھر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے ان کی نظر صحن میں رکھی چونکی پر پڑی۔ انہوں نے آموں سے بھری ہوئی شلوار چونکی پہ پھینک دی۔ چونکی کا ایک حصّہ پہلے ہی کمزور تھا۔ آموں کا وزن پڑنے سے چونکی کمزور جگہ سے ٹوٹ گئی۔

چند جماعتیں پڑھنے کے بعد یاور نے سکول جانا چھوڑ دیا۔ بڑے ہوئے تو اپنے والد کی زمینوں پر کھیتی باڑی کروانے لگے۔ یاور کا رنگ ان کے والد کی طرح سرخی مائل سفید تھا۔ وہ خوبصورت جوان تھے۔ وہ اپنے بھائیوں کی طرح اپنے والد سے بہت ڈرتے تھے۔ جب ان کے والد گھر میں ہوتے تو وہ سگریٹ پینے کے لیے کنویں پر چلے جاتے تھے تاکہ ان کی سگریٹ نوشی کے متعلق ان کے والد کو پتہ چلنے کا کوئی امکان نہ رہے۔ یاور کی شادی ان کے چچا غلام عباس کی دختر سیّدہ خاتون سے

---

۱ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۱۱ جولائی ۲۰۰۸ء، ۱۴ جون ۲۰۰۹ء

۲ سیّد حسنین علی ولد محمد سالم (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ شیخن ــــ یکم اپریل ۲۰۰۷ء

۳ سیّد یاور حسین ولد باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد محمد علی ولد صابر حسین بالمشافہ ــــ راولپنڈی

سید کھیڑی میں ہوئی۔[1]

صابر حسین

باقر حسین کے تیسرے بیٹے صابر حسین نے بھی اپنے محلہ کے اکثر دوسرے بچّوں کی طرح راجپورہ سکول میں داخلہ لیا۔ انہیں بچپن سے ہی پڑھنے کا شوق تھا اور وہ ذہین بھی تھے۔ ایک دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ انہوں نے سکول جاتے وقت ایک کتاب بستہ سے نکالی اور پھر بستہ کو گرہ لگا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ وہ سکول کی جانب جانے والے کچے راستہ پر چلتے ہوئے کتاب کھول کر پڑھنے لگے۔ چلتے چلتے آگے آئے تو انہیں ایک کنواں نظر آیا۔ انہیں کنویں کے اندر جھانکنے کا تجسّس پیدا ہوا۔ وہ کنویں کے کنارے پر پہنچے اور جھک کر کنویں میں جھانکنا چاہا۔ ان کا بستہ جسے وہ مطالعہ میں منہمک ہونے کی وجہ سے بھول گئے تھے کہ سر پر ہے کنویں میں گر گیا۔ وہ پریشان ہو گئے کہ اب گھر میں پٹائی ہو گی۔ اسی گومگو کی حالت میں کہ کیا کریں انہوں نے ہاتھ میں لی ہوئی کتاب کو بھی کنویں میں پھینک دیا اور اپنے آپ سے کہا: ”جو کنویں سے بستہ نکالے گا وہ کتاب بھی نکال لے گا۔“ اس دن کے بعد وہ سکول نہیں گئے[2] کیونکہ ان کے والد نے کہا: ”اس نے بستہ کا خیال کیوں نہیں رکھا“ اور دوبارہ کتابیں انہیں لے کر نہیں دیں۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو صابر پانچویں کلاس میں پڑھتے تھے۔ پھر وہ کافی عرصہ تک اپنے بڑے بھائی یاور کے لیے زمین پر کھانا لے کر جاتے رہے۔ بڑے ہوئے تو اپنے بڑے بھائی کے ساتھ مل کر کھیتی باڑی کرنے لگے۔

ایک دن صابر اپنی چھوٹی بہن امامی کو گود میں اٹھائے ہوئے گھر کے باہر گھوم رہے تھے کہ دوسرے محلہ کے سالم ولد مسیتا اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے گزرے۔ سالم نے صابر کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا: ”اسے مارو یہ باقر کا بیٹا ہے۔“ صابر نے بھاگ کر نذر کے گھر میں پناہ لی۔ صابر سید کھیڑی سے لاہور بھی گئے اور وہاں اپنے چچا کے بیٹے احسان علی کے پاس کئی ماہ قیام کیا۔ وہ اگر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے حوالہ سے استخارہ کرتے تو اس پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ صابر کی شادی ان کے چچا کی بیٹی صابرہ خاتون دختر غلام عباس سے سید کھیڑی میں ہوئی۔

یاسر حسین

باقر کے سب سے چھوٹے بیٹے یاسر حسین نے بھی راجپورہ سکول سے چند جماعتیں پاس کیں۔ اپنے بڑے بھائی صابر کی طرح وہ بھی کافی عرصہ اپنے بڑے بھائیوں کے لیے دوپہر کا کھانا زمینوں پر لے جانے کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ پھر وہ کھیتی باڑی میں اپنے بھائیوں کا ہاتھ بٹانے لگے۔ جب سارے بھائی زمینوں کے کام میں مصروف ہو گئے تو گھر آکر سب کے لیے کھانا لے کر جانے کی ذِمّہ داری سے ہر ایک پہلو بچانے لگا۔ اس مسئلہ پر ان کا آپس میں جھگڑا بھی ہوتا تھا۔ بالآخر ان کے

---

۱ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

۲ سیّد احسان علی ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد انوار علی ولد احسان علی بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ جنوری ۲۰۱۹ء

والدین نے کھانا کنویں پر لے جانے کے لیے سب کی باریاں لگا دیں۔ پھر بھی بھائیوں میں سے جس کا داؤ لگتا وہ اپنی باری دوسرے پر ڈالنے کی کوشش کرتا تھا۔[۱]

غلام عباس

غلام عباس کے والد ایزد بخش اور دادا الٰہی بخش تھے۔ انہوں نے راجپورہ سکول سے چند جماعتیں پاس کیں۔ بڑے ہوئے تو اپنے بڑے بھائی باقر حسین کی طرح پولیس میں بھرتی ہو گئے۔[۲] انہوں نے ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۲ء تک پولیس میں ملازمت کی اور وہاں سے اچھے نشان لے کر آئے۔[۳] اپنے بڑے بھائی کی طرح وہ بھی قد آور اور صحت مند تھے اور پولیس کی ملازمت کے لیے جسمانی لحاظ سے مکمل طور پر موزوں تھے۔ ۱۹۰۳ء میں برطانیہ کے بادشاہ ایڈورڈ ہفتم اور ۱۹۱۱ء میں جارج پنجم کی رسوم تاجپوشی دہلی میں منعقد ہوئیں۔ ان دو دہلی درباروں میں سے کسی ایک کے موقع پر پولیس کی طرف سے سلامی دینے کے لیے جس دستہ کا انتخاب ہوا اس میں باقر اور غلام عباس دونوں بھائیوں کو ان کے قد کاٹھ کی وجہ سے نمایاں کردار ادا کرنے کے لیے چن لیا گیا۔ پولیس کا دستہ جو سٹیج کے پاس سے گزرا اس میں پولیس چیف کے بالکل پیچھے یہ دونوں بھائی تھے اور پھر باقی پولیس والے تھے۔[۴]

غلام عباس نے پولیس میں ملازمت تو کی لیکن اپنے بڑے بھائی کی طرح اسے جاری نہ رکھا۔ وہ ملازمت چھوڑ کر اپنے باپ دادا کی طرح مکمل طور پر کھیتی باڑی سے منسلک ہو گئے۔ انہوں نے بیلوں کے ساتھ ساتھ کاشتکاری کے تمام آلات رکھے ہوئے تھے اور بڑے پیمانہ پر کاشتکاری کرواتے تھے۔ وہ سید کھیڑی کے مشہور کاشتکار تھے۔ الٰہی بخش کے پوتوں کی مشترکہ بیٹھک بھی ان کے تصرف میں تھی۔[۵] وہ وہاں اپنے عزیزوں اور دوستوں سے گپ شپ لگاتے تھے۔ لوگ حقہ پیتے تھے اور ان کی معلومات سے مستفید ہوتے تھے۔ غلام عباس عموماً اونچی آواز سے بولتے تھے اور حویلیوں میں موجود خواتین بھی ان کے ادا کیے ہوئے کچھ جملے سن لیتی تھیں اور ان پر آپس میں گفتگو بھی کرتی تھیں۔[۶] غلام عباس کے پاس بیٹھک میں بعض اوقات مہمان بھی آکر ٹھہر جاتے تھے۔ ایک دفعہ گرمیوں کی ایک رات ایک اجنبی شخص ان کے پاس آکر ٹھہر گیا۔ انہوں نے اسے لیٹنے کے لیے چارپائی دے دی۔ غلام عباس کو شک ہو گیا کہ اجنبی شخص چور ہے۔ وہ ساری رات حقہ پیتے

---

۱ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء، ۲۵ جنوری ۲۰۱۹ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ سیّد محمد محسن ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — انٹرویو کیسٹ (گفتگو ہمراہ سیّد امجد علی رضا ولد عبد العلی و سیّد انتظار مہدی ولد محمد حسین بالمشافہ) — جھنگ

۴ سیّد محمد محسن ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد شمشاد علی ولد محمد محسن بالمشافہ — واڑہ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۵ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۶ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۲-۲۷ جولائی ۲۰۰۸ء

رہے۔ اجنبی شخص نے بھی کئی دفعہ کروٹیں بدلیں۔ صبح اذان ہوئی تو غلام عباس نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں گئے۔ نماز پڑھ کر بیٹھک میں واپس آئے تو دیکھا کہ ان کا مہمان غائب ہے۔[۱]

غلام عباس میں ایک صفت یہ تھی کہ جب گاؤں میں کسی غریب کی شادی طے پاتی اور رات کو جب گاؤں والے سو جاتے تو اس شخص کے گھر جاتے تھے اور اس سے اس کی ضرورتوں کے بارے میں پوچھتے تھے۔ جو بھی کھانے پینے کے سامان کی کمی ہوتی اسے خاموشی سے پورا کر دیتے تھے۔ وہ کوشش کرتے تھے کہ غریب آدمی کو گاؤں کے ہر شخص سے مانگ کر شرمندہ نہ ہونا پڑے۔[۲] غلام عباس مسجد ناصر علی اور امام بارگاہ ناصر علی کے نام وقف کی جانے والی زمین کے متولی بھی تھے۔ اس حیثیت میں امام بارگاہ میں ہونے والی مجالس و محافل میں وہ مرکزی کردار ادا کرتے تھے۔[۳]

غلام عباس کی شادی ان کے چچا حسین بخش کی بیٹی کنیز بانو سے ہوئی اور ان کے دو بیٹے احسان علی اور محمد محسن اور دو بیٹیاں سیّدہ خاتون اور صابرہ خاتون ہوئیں۔ غلام عباس نے اپنی بیٹیوں سیّدہ اور صابرہ کی شادیاں اپنے بھائی باقر کے بیٹوں بالترتیب یاور حسین اور صابر حسین سے کیں۔[۴] کنیز بانو زوجہ غلام عباس سید کھیڑی میں ۲۹ اگست ۱۹۲۹ء کو انتقال کر گئیں۔[۵] غلام عباس نے اپنی بیوی کی وفات کے بعد دوسری شادی نہیں کی۔ جب ان سے دوسری شادی کرنے کے لیے کہا جاتا تو وہ کہتے: "کیا میں اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو یتیم خانہ چھوڑ آؤں؟"[۶]

غلام عباس کی اپنے بزرگوں کی تاریخ اور حالات میں بھی بہت دلچسپی تھی۔ انہوں نے اپنے بزرگوں سے جو واقعات سنے تھے وہ اپنے ہم عصروں کو سناتے تھے۔ دوسرے لوگ بھی ان سے بزرگوں کے حالات بڑے انہماک سے سنتے تھے۔ لیکن انہوں نے اس حوالہ سے کوئی تحریر نہیں چھوڑی۔ اس لیے ماسِوا ایک دو باتوں کے وہ معلومات جو وہ رکھتے تھے ہم تک نہیں پہنچیں۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ سیانہ سیداں کے بہار بخش کے بزرگوں نے سید کھیڑی میں سب سے پہلا رشتہ مولویوں کے خاندان میں کیا۔ لیکن اس رشتہ کے بارے میں مزید معلومات ان سے یہ بات سننے والے بھول گئے۔[۷]

غلام عباس کو گاؤں کے سب لوگ چچا کہہ کر پکارتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے بیٹے بھی انہیں چچا کہتے تھے۔ وہ چچا باسی کے نام سے مشہور تھے۔[۸] انہیں روٹھنے کی عادت تھی لیکن وہ دِل سے ناراض نہیں ہوتے تھے۔ وہ روٹھ کر اپنے

---

۱ سیّدہ حاجرہ شمیم عرف چھمن دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — اسلام آباد — ۳۰ ستمبر ۲۰۱۲ء

۲ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۳ مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ — ص ۲۹۰

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۵ سیّد محمد محسن ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — انٹرویو کیسٹ (گفتگو ہمراہ سیّد امجد علی رضا ولد عبد العلی و سیّد انتظار مہدی ولد محمد حسین بالمشافہ) — جھنگ

۶ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

۷ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۸ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

عزیزوں میں اپنی اہمیت اور اپنے لیے دوسروں کی محبّت کا اندازہ لگاتے تھے۔ وہ عموماً شادیوں کے مواقع پر روٹھ کر بیٹھ جاتے تھے اور پھر ان کے قریبی انہیں منا کر لے جاتے تھے۔ نرجس خاتون دختر نذر حسین کی شادی ہوئی تو غلام عباس روٹھ کر الٰہی بخش کے باغ میں چلے گئے۔ جب کافی دیر کوئی منانے نہ آیا تو انہوں نے باغ میں موجود مزارعوں کو محلہ میں بھیجا کہ دیکھ کر آئیں انہیں منا کر لے جانے کا پروگرام بن رہا ہے یا نہیں۔ مزارعوں نے محلہ میں جا کر سُن گُن لی اور آکر انہیں بتایا کہ نذر کہتے ہیں کہ اس مرتبہ وہ غلام عباس کو منانے نہیں جائیں گے۔ غلام عباس نے کچھ دیر سوچا اور پھر مزارعوں سے کہا: ”تم مجھے پکڑ کر لے چلو، میں کہتا رہوں گا کہ میں نہیں جاتا لیکن تم مجھے لے کر چلتے رہنا۔“ مزارعوں نے ایسے ہی کیا جیسا انہیں غلام عباس نے کہا تھا اور اس طرح جا کر انہوں نے شادی میں شرکت کی۔[1]

غلام عباس کو غصہ بھی بہت آتا تھا اگرچہ وہ تھوڑی دیر کے لیے ہی ہوتا تھا۔ ایک رات سونے سے پہلے حسب معمول ان کے چھوٹے بیٹے محسن نے ان کے لیے حقہ بھرا، تازہ کیا اور ان کی چارپائی کے پاس رکھ کر ان کے قریب اپنی چارپائی پر لیٹ گئے۔ غلام عباس نے حقے کا پہلا کش لیا تو محسوس کیا کہ حقہ صحیح طرح سے تازہ نہیں ہوا۔ انہوں نے محسن کو پکارا اور غصّے سے کہا: ”حقہ تازہ کیوں نہیں کیا۔“ محسن نے جواب دیا: ”تازہ کیا ہے۔“ اس جواب پر غلام عباس نے حقہ کی چلم اٹھائی اور محسن کو دے ماری۔ محسن گھبرا کر اٹھ گئے۔ وہ تو بچ گئے لیکن ان کا بستر جل گیا۔ اپنے بیوی بچّوں پر غلام عباس کا رعب تھا۔ کوئی ان کے سامنے بولنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔[2] تاہم اپنی پوتیوں کے لیے غلام عباس غصّے والے نہیں تھے۔ ان کی فرمائشیں وہ جیسے بھی ہوتا پوری کرتے تھے۔[3]

احسان علی

غلام عباس کے بیٹے احسان علی ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے گورنمنٹ مڈل سکول راجپورہ سے آٹھ جماعتیں پاس کیں اور پھر مسلم ہائی سکول ساڈھورہ میں داخلہ لیا۔ وہاں وہ صغریٰ زوجہ میر زین العابدین کے پاس رہتے تھے جو ان کے والد کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ نویں جماعت پاس کرنے کے بعد انہوں نے تعلیم کے سلسلہ کو موخر کر دیا اور سید کھیڑی واپس آ گئے۔[4] وہ اپنے والد سے بہت ڈرتے تھے اس لیے ان کا زیادہ وقت ان کے ماموں نذر حسین کے گھر گزرتا تھا۔[5] کھیتی باڑی ان سے نہیں ہوتی تھی۔ ۱۹۲۹ء میں ان کی والدہ کا انتقال ہوا تو ان کی عمر ۱۶ سال تھی۔[6] تین سال بعد یعنی ۱۹۳۲ء میں

---

۱ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ منڈی بہاؤالدین ـــ ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ اسلام آباد ـــ ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

۳ سیّدہ رضوانہ خاتون دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ کراچی ـــ ۹ جولائی ۲۰۱۸ء

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۵ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ ۲۲-۲۷ جولائی ۲۰۰۸ء

۶ سیّد محمد محسن ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ انٹرویو کیسٹ (گفتگو ہمراہ سیّد امجد علی رضا ولد عبد العلی و سیّد انتظار مہدی ولد محمد حسین بالمشافہ) ـــ جھنگ

وہ لاہور آ گئے۔ لاہور کے علاقہ بھاٹی میں ایک فقیر خانہ تھا جس میں ایک مولوی صاحب متعین تھے۔ احسان کا ان کے پاس آنا جانا ہو گیا۔ مولوی صاحب نے کوشش کر کے انہیں قیدیوں کے محکمہ میں ملازمت دلوا دی۔ اس محکمہ کا دفتر لاہور سیکرٹریٹ میں تھا۔[1]

لاہور میں احسان کی رہائش ۲۵ مزنگ میں تھی۔ اس عمارت میں نیچے دکانیں تھیں اور اوپر چوبارہ تھا جس پر چار یا پانچ کمرے تھے۔ چوبارہ کی چھت پر بھی ایک کمرہ بنا ہوا تھا۔ ۲۵ مزنگ کے احاطہ میں بڑ کا ایک خاصا بڑا اور گھنا درخت بھی لگا ہوا تھا جس کے سایہ میں دن کے وقت مختلف لوگ ٹولیاں بنا کر بیٹھتے تھے اور دنیا جہان کی باتیں کرتے تھے۔ ایک نائی بھی اس بڑ کے سایہ میں لوگوں کی حجامت کیا کرتا تھا۔ چوبارہ پر احسان علی کے علاوہ تین اور لڑکے معزالدین، امان اللہ خان اور مصطفیٰ خان بھی رہتے تھے۔ جلد ہی ان چاروں لڑکوں کی آپس میں دوستی ہو گئی اور انہوں نے کھانا مشترکہ کر لیا۔[2]

علاؤ الدین صدیقی ان دنوں پنجاب یونیورسٹی لاہور میں پروفیسر تھے۔ ان کی راہنمائی اور مدد سے احسان نے منشی فاضل کا امتحان پاس کر لیا اور پھر صرف انگریزی کا امتحان دے کر میٹرک کر لیا۔ صدیقی صاحب بعد میں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر تعینات ہو گئے تھے۔[3] احسان نے اگرچہ مزید تعلیم حاصل نہیں کی لیکن علمی ماحول ملنے کے نتیجہ میں انہوں نے انگریزی زبان پر کافی حد تک عبور حاصل کر لیا تھا۔ وہ انگریزی کتابیں، رسالے اور اخبارات شوق سے پڑھتے تھے اور انگریزی زبان میں گفتگو بھی آسانی سے کر لیتے تھے۔

سید کھیڑی کے سیّدوں کے دوسرے محلہ کے مظاہر حسین نوکری کی تلاش میں لاہور آئے تو احسان کے پاس قیام کیا۔ احسان نے کوشش کر کے انہیں ریلوے میں بھرتی کروا دیا۔ مظاہر نے احسان کے اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھا اور ان کی عزّت کرتے رہے۔[4] احسان علی اور معزالدین کے عزیز رشتہ دار مشرقی پنجاب سے لاہور آتے رہتے تھے اور ان کے پاس ۲۵ مزنگ میں ہی قیام کرتے تھے۔ مہمان عموماً بے وقت بھی آ جاتے تھے۔ مہمانوں کا آنا جانا اتنا زیادہ تھا کہ احسان اور معزالدین نے اپنے کمروں کے دروازوں پر انگریزی میں یہ فقرہ لکھا ہوا تھا: Where to stay in India — 25 Mazang (انڈیا میں کہاں قیام کیا جائے — ۲۵ مزنگ۔)[5]

---

۱ سیّد احسان علی ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد انوار علی ولد احسان علی بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ جنوری ۲۰۱۹ء

۲ سیّد معزالدین ولد علی رضا (سابق رہائشی گڑھی کوٹاہہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد اعظم رضا ولد معزالدین بالمشافہ — بہاولپور — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء

۳ سیّد احسان علی ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد انوار علی ولد احسان علی بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ جنوری ۲۰۱۹ء

۴ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۱۰ دسمبر ۲۰۰۸ء

۵ سیّد معزالدین ولد علی رضا (سابق رہائشی گڑھی کوٹاہہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد اعظم رضا ولد معزالدین بالمشافہ — بہاولپور — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء

۱۹۳۹ء میں جب غلام عباس کو اپنے بڑے بیٹے کی شادی کی فکر ہوئی تو انہیں احسان کو لاہور سے سید کھیڑی بلانے کا مسئلہ درپیش تھا۔ وہ احسان کے ماموں نذر حسین کے پاس گئے اور کہا: "احسان کی شادی کرنی ہے۔ صرف تم ہی اسے لا سکتے ہو۔" غلام عباس کی زبان سے اپنی تعریف سن کر نذر خوش ہو گئے اور فوراً لاہور جا کر احسان کو اپنے ساتھ سید کھیڑی لے آئے۔ احسان کی شادی ان کے چھوٹے ماموں محمد یٰسین کی بیٹی کنیز فضہ عرف شہیدن سے ہوئی۔[۱] شادی کے بعد جب احسان نے اپنی بیوی کو لاہور میں اپنے ساتھ رکھنے کا پروگرام بنایا تو معزالدین نے کہا کہ وہ بھی اپنے بیوی بچّوں کو گڑھی کوٹاہہ سے لاہور لے آئیں گے۔ ان دونوں دوستوں کے اس پروگرام کے بعد ان کے دوسرے دو دوستوں امان اللہ اور مصطفیٰ نے اپنی رہائش دوسرے علاقہ میں رکھ لی۔ معزالدین تو چوبارہ پر ہی رہے جب کہ احسان چوبارہ کے اوپر والے کمرے میں شفٹ ہو گئے۔[۲]

احسان کو بعدازاں چوبرجی کے علاقہ میں دو کمروں کا سرکاری مکان مل گیا۔ ان کی پہلی بیٹی کی پیدائش کا وقت قریب آیا تو ان کی بہن صابرہ خاتون زچہ و بچّہ کی دیکھ بھال کے لیے سید کھیڑی سے لاہور آ گئیں۔ بیٹی پیدا ہوئی تو صابرہ نے اس کا نام واجدہ خاتون رکھا۔ صابرہ نے سنا تھا کہ معزالدین نے اپنے عزیزوں میں بچیوں کے نام رضوانہ، واجدہ وغیرہ رکھے ہیں۔ انہیں یہ نام پسند تھے۔ واجدہ کی پیدائش سے تقریباً ایک سال پہلے وہ اپنے چھوٹے بھائی محسن کی دوسری بیٹی کا نام رضوانہ رکھ چکی تھیں۔[۳] واجدہ کی پیدائش پر صابرہ نے بازار سے ایک انگیٹھی منگوائی۔ جب بھی کوئی عزیز رشتہ دار بچّی کو دیکھنے آتا تو بچّی کے پاس کمرہ میں جانے سے پہلے صابرہ اس کے قمیض کے پلّو کو جلتی انگیٹھی سے اٹھنے والے دھوئیں سے جھاڑ دیتی تھیں۔ جلد ہی احسان کی موجودگی میں کوئی ملنے آیا اور صابرہ نے وہی عمل دہرایا۔ احسان اپنی بہن پہ غصّے ہوئے اور انہیں آئندہ ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ صابرہ نے اپنے بھائی سے دبے لہجے میں کہا کہ بچّی کی صحت و سلامتی کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے۔ اگلے روز پھر احسان کی موجودگی میں کوئی ملنے آ گیا تو صابرہ نے اسے کمرہ میں جانے سے روک دیا اور انگیٹھی جلانے لگیں۔ احسان کی طبیعت میں غصہ تھا۔ وہ اٹھے اور انگیٹھی اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دی۔[۴] احسان غلط رسوم و رواج کے مخالف تھے اور کسی بے نمازی کو مہمان رکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

ایک دن معزالدین اور ان کی بیگم مصطفائی احسان کے گھر آئے۔ احسان کو پتہ تھا کہ معزالدین اور ان کی بیگم دونوں پان کھاتے ہیں۔ قربان علی جو شہیدن زوجہ احسان علی کے سب سے چھوٹے بھائی تھے تقسیم ہند سے پہلے لاہور کے ایک سکول میں پڑھتے تھے اور اپنی بہن کے پاس رہتے تھے۔ احسان نے قربان کو ایک روپیہ دے کر مہمانوں کے لیے پان

---

۱ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۲-۲۷ جولائی ۲۰۰۸ء

۲ سیّد معزالدین ولد علی رضا (سابق رہائشی گڑھی کوٹاہہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد اعظم رضا ولد معزالدین بالمشافہ — بہاولپور — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء

۳ سیّدہ واجدہ خاتون دختر احسان علی (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۷ فروری ۲۰۱۷ء

۴ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۱۰ دسمبر ۲۰۰۸ء

لینے بھیجا۔ ان دنوں ایک پان ایک پیسہ کا آتا تھا اور ایک روپیہ میں ۶۴ پیسے ہوتے تھے۔ معزالدین اور ان کی بیگم کافی دیر بیٹھ کر واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد قربان کاغذ کے ایک بڑے پُڑے میں ۶۴ پان اٹھائے گھر میں داخل ہوئے۔[۱]
۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد فسادات کے دوران دوسرے مسلمانوں کی طرح احسان علی اور معزالدین کے عزیز و اقارب بھی مشرقی پنجاب سے اجڑ کر پاکستان پہنچنے لگے تو ان دونوں کی رہائش گاہیں بہت سے بے گھر لوگوں کے لیے عارضی پناہ گاہ ثابت ہوئیں۔ ان دونوں بزرگوں اور ان کی بیویوں نے اپنی بساط سے کہیں بڑھ کر اپنے اجڑے ہوئے عزیزوں کی مدد اور خدمت کی۔[۲]

محمد محسن

غلام عباس کے چھوٹے بیٹے محمد محسن، جن کا نام شجرہ نسب ترمذی سادات میں محسن علی لکھا ہے، سید کھیڑی میں ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے راجپورہ سکول سے پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ اس سکول میں چوتھی کلاس میں انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی۔ دوسرے بچّوں کی طرح محسن بھی تین میل پیدل چل کر سکول پہنچتے پہنچتے بعض اوقات لیٹ ہو جاتے تھے اور اس وجہ سے ماسٹر انہیں سزا بھی دیتے تھے۔ سکول سے چھٹی ہونے کے بعد گھر پہنچ کر وہ پہلے کھانا کھاتے تھے اور پھر اپنے والد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی گائیں اور بھینسیں چَرانے کے لیے گاؤں سے باہر لے جاتے تھے۔ ان کے محلہ اور گاؤں کے کچھ اور لڑکے بھی اپنے جانوروں کے ساتھ ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔ وہ جانور چَرانے کے بعد گھر پہنچتے تو شام ہو جاتی تھی۔ جانوروں کا دودھ نکالنے، رات کا کھانا کھانے اور اپنے والد کے لیے حقہ بھر کر تازہ کرنے کے بعد وہ سو جاتے تھے۔ اس طرح محسن کو سکول سے آنے کے بعد کھیلنے کا وقت نہیں ملتا تھا۔

چار جماعتیں پاس کرنے کے بعد محسن کاشتکاری میں اپنے والد کا ہاتھ بٹانے لگے۔ جب وہ ۱۲ سال کے ہوئے تو ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ گاؤں کے باقی نوجوانوں کی طرح انہیں بھی بچپن سے حقہ پینے کی عادت پڑ گئی تھی۔ اپنے والد کے لیے حقہ تیار کرنا ان کے روزمرّہ کے معمولات کا ایک حصّہ تھا۔ زمینوں پر کام کرنے کے بعد حقہ پی کر محسن کو سکون محسوس ہوتا تھا۔ راجو کی اولاد کے بزرگوں نے مسجد ناصر علی میں امامت کے فرائض انجام دینے کے لیے لکھنؤ کے قریب رہنے والے مولوی عالم حسین کو ۱۹۳۲-۳۳ء میں تعینات کیا۔ مولوی صاحب نے آتے ہی ان نوجوانوں کو جو داڑھی منڈواتے تھے داڑھی رکھنے کی نصیحت کی۔ ان کا کہنا تھا: ”بے شک چہرہ پر مشین ہی پھروا لیں لیکن داڑھی نہ منڈوائیں کیونکہ داڑھی

---

۱ سیّد احسان علی ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد انوار علی ولد احسان علی بالمشافہ — واڑہ — یکم ستمبر ۲۰۱۱ء

۲ سیّد معزالدین ولد علی رضا (سابق رہائشی گڑھی کوٹاہہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد اعظم رضا ولد معزالدین بالمشافہ — بہاولپور — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء

سیّد احسان علی ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد فرمان علی ولد احسان علی بالمشافہ — واڑہ — یکم ستمبر ۲۰۱۱ء

منڈوانا شرعی لحاظ سے درست نہیں ہے۔" محسن نے مولوی صاحب کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے داڑھی رکھ لی۔

محسن کی شادی بڑی حویلی کی مکین ناصری خاتون دختر احمد حسین سے ہوئی۔ احمد کا تعلق مولویوں کے خاندان سے تھا۔ ناصری اور ان کی بہن رقیہ کی شادی ایک ہی دن ہوئی۔ رقیہ کی بارات پٹیالہ سے آئی۔ پہلے رقیہ کا نکاح ہوا اور پھر ناصری اور محسن کا۔ محسن کی شادی سادگی سے ہوئی۔ اپنی شادی کے روز انہوں نے معمول کے مطابق جانوروں کو پٹھے بھی ڈالے اور ان کا دودھ بھی نکالا۔[۱] پہلی چھوٹی حویلی یعنی محسن کی رہائش گاہ بڑی حویلی یعنی ناصری کی رہائش گاہ سے متصل تھی۔ ناصری کو ڈولی میں بٹھا کر ان کے سسرال لایا گیا۔[۲] محسن کا تعلق راجو کی دسویں اور ناصری کا گیارہویں نسل سے تھا۔[۳] محسن اور ناصری کے سید کھیڑی میں دو بیٹیاں حاجرہ شمیم عرف چھمن اور رضوانہ خاتون عرف جانی ہوئیں۔ تقسیم ہند کے بعد سید کھیڑی سے اجڑ کر پاکستان آتے ہوئے انبالہ میں قیام کے دوران ان کے ایک فرزند عبد العلی پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند کے وقت چھمن پونے چار سال اور جانی سوا دو سال کی تھیں۔[۴]

محسن نے ۱۹۳۹ء کے لکھنؤ ایجی ٹیشن میں گرفتاری پیش کی۔ اپنے ہم عمر کئی نوجوانوں کے ساتھ محسن کا اٹھنا بیٹھنا تھا لیکن اپنے تایا کے بیٹے یاور اور چھوٹے ماموں کے بیٹوں زین العابدین اور عزادار کے ساتھ ان کی دوستی تھی۔ محسن کے بڑے بھائی احسان نے لاہور میں ملازمت کر لی تھی جب کہ وہ اپنے والد کے ساتھ سید کھیڑی میں ہی رہتے تھے۔ ان کو اپنے والد کے غصہ کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ زمینوں پر کم فصل پیدا ہوئی۔ غلام عباس نے محسن سے پیداوار کم ہونے کی وجہ دریافت کی تو وہ کوئی خاطر خواہ جواب نہ دے سکے۔ غلام عباس نے غصہ میں انہیں گھر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ بجائے اس کے کہ اپنے تایا یا ماموں کے گھر کچھ وقت گزار کے حسب معمول اپنے والد کے غصہ کے غائب ہو جانے کا انتظار کرتے محسن انبالہ چلے گئے اور فوج میں بھرتی ہو گئے۔ انہیں راولپنڈی میں تعینات کر دیا گیا۔ وہاں چار پانچ دن کے بعد وہ بیمار ہو گئے تو انہیں ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔ خون کا تجزیہ کرنے پر ڈاکٹروں نے ملیریا کی تشخیص کی۔ دو ماہ تک انہیں ہسپتال میں رہنا پڑا۔ صحتیابی کے بعد انہوں نے دو ماہ کی ٹریننگ حاصل کی۔ ٹریننگ کے دوران وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سڑک پر چار پانچ میل دور جاتے اور پھر واپس آ جاتے تھے۔ اس دوران ہر ایک کے پاس راشن کا ایک ڈبہ ہوتا تھا جس میں چار پوریاں اور آلو ہوتے تھے۔ محسن ٹریننگ کے دوران بہت خوش تھے۔ وہ اسے راولپنڈی کی سیر ہی سمجھتے تھے۔[۵] محسن کے فوج میں بھرتی ہونے کے بعد ان کے والد غلام عباس تنہا رہ گئے تھے۔ چند ماہ بعد محسن کے بڑے بھائی احسان راولپنڈی آئے اور انہیں

---

۱ سیّد محمد محسن ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — انٹرویو کیسٹ (گفتگو ہمراہ سیّد امجد علی رضا ولد عبد العلی و سیّد انتظار مہدی ولد محمد حسین بالمشافہ) — جھنگ

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ شجرہ نسب ترمذی سادات

۴ سیّدہ حاجرہ شمیم عرف چھمن دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲۴ مئی ۲۰۱۰ء

۵ سیّد محمد محسن ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — انٹرویو کیسٹ (گفتگو ہمراہ سیّد امجد علی رضا ولد عبد العلی و سیّد انتظار مہدی ولد محمد حسین بالمشافہ) — جھنگ

فوج سے برخاست کروا کے سید کھیڑی چھوڑ آئے۔[۱] تقسیم ہند کے وقت محسن کی عمر ۳۰ سال تھی اور ان کی دو جاڑھیں تو سید کھیڑی میں ہی نکل گئی تھیں۔[۲]

محمد نقی

محمد نقی کے والد محمد بخش اور دادا الٰہی بخش تھے۔ وہ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اسی لیے انہیں ان کے دادا الٰہی بخش کے باغ سے حصّہ بھی اپنے تایا اور چچا زاد بھائیوں کے مقابلہ میں دو گنا ملتا تھا اور ان کی زمین بھی اپنے جدیوں کی زمین سے دو گنی تھی۔ وہ اپنی زمین پر کھیتی باڑی کرواتے تھے۔ انہوں نے نوکری نہیں کی۔ ان کی پہلی شادی ان کے دادا الٰہی بخش کے بھائی رحمت علی کی نواسی جعفری دختر سلطان بی بی سے ہوئی۔[۳] جب نقی کے بہنوئی شبیر حسین ولد بہار بخش فوت ہوئے تو نقی کے بھانجے سجاد حسین ابھی بچّے تھے۔ سجاد کی جان کو شبیر مرحوم کے دشمنوں کی طرف سے خطرہ لاحق ہونے کی وجہ سے نقی اپنے بھانجے کی حفاظت اور تربیت کے لیے اپنی بہن کبری کے پاس سیانہ سیداں چلے گئے۔ سجاد کے جوان ہو کر اپنے معاملات سنبھالنے کے قابل ہو جانے کے بعد وہ سید کھیڑی واپس آئے۔[۴] سید کھیڑی سے ان کی طویل عرصہ کے لیے غیر موجودگی کے نتیجہ میں ان کی زوجہ جعفری انہیں چھوڑ کر چلی گئیں۔[۵]

نقی کی دوسری شادی بڑی حویلی میں احمد حسین کی بیٹی خورشید بانو سے ہوئی۔ نقی بوڑھے ہو گئے تھے جب کہ بانو ابھی جوان ہوئی تھیں۔ بانو جب دو سال کی تھیں تو ان کی والدہ فوت ہو گئی تھیں۔ انہیں ان کے ماموں علمدار حسین اور دلدار حسین ساڈھورہ لے گئے تھے۔ وہ جوان ہوئیں تو انہیں ان کے ماموں صاحبان ان کے والد کے پاس سید کھیڑی چھوڑ گئے تھے۔ شادی کے وقت بانو کی عمر ۱۴ سال تھی۔ نقی اور بانو کے ایک بیٹی صفدری ہوئیں۔ صفدری ابھی دو سال کی تھیں کہ ان کے والد نقی بیمار ہو گئے۔ ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو انہیں علاج کے لیے کرنال لے جایا گیا۔ باقر حسین ولد ایزد بخش وہاں پولیس میں تعینات تھے۔ نقی کے ساتھ ان کی بہنیں کبری اور مریم اور چچا زاد بہن ذکی بھی کرنال گئیں۔ نقی کی یہ بہنیں اپنے بیمار بھائی کو کھانا دیتیں تو پلیٹ میں سالن زیادہ ڈالتی تھیں۔ نقی سارا سالن نہ کھا سکتے اور کبری، مریم اور ذکی بچا ہوا سالن کھا لیتی تھیں۔ ان بہنوں کی خواہش تھی کہ نقی کا بچا ہوا سالن کھا کر نقی کی بیماری انہیں لگ جائے اور ان کا بھائی بچ

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد محمد محسن ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — انٹرویو کیسٹ (گفتگو ہمراہ سیّد امجد علی رضا ولد عبد العلی و سیّد انتظار مہدی ولد محمد حسین بالمشافہ) — جھنگ

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۴ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

۵ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۱۰ دسمبر ۲۰۰۸ء

جائے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا اور نقی انتقال کر گئے۔[1] نقی نے ۱۹۱۶ء میں کنیز فاطمہ دختر نعمت علی کی زمین کے مسجد و امام بارگاہ ناصر علی کے نام وقف کیے جانے کی گواہی بھی دی تھی۔[2] اس کے کچھ عرصہ بعد ان کی وفات ہوئی۔ یہاں تک کہ زین العابدین ولد محمد یٰسین، جو ۱۹۱۷ء میں بڑی حویلی میں پیدا ہوئے جہاں نقی رہتے تھے، نے بھی انہیں نہیں دیکھا۔ نقی کی وفات کے بعد اس وقت کے رواج کے مطابق ان کی زمین ان کی بیوہ بانو کو ملی۔ بانو اور ان کی بیٹی صفدری زمین کی آمدن پر گزارہ کرتی تھیں۔ نقی کی چھوٹی بہن مریم النساء بیوہ رمضان علی، جو دوسری چھوٹی حویلی میں رہتی تھیں، اپنی بیوہ بھابھی سے تعاون کرتی رہتی تھیں۔[3] بانو ۴۰ سال کی عمر میں سید کھیڑی میں فوت ہوئیں۔[4]

نقی کی بیٹی صفدری کی شادی سیانہ سیداں کے اقبال حسین ولد سجاد حسین سے ہوئی۔ اقبال کی بارات بیل گاڑیوں اور گھوڑوں پر آئی۔ باراتیوں کو راستہ میں دریائے گھگر پار کرنا تھا۔ برسات کے دن تھے۔ جب بارات دریا پار کر رہی تھی پانی چڑھنا شروع ہو گیا۔ بیل گاڑیاں اور کچھ گھڑ سوار تو نکل گئے لیکن کچھ گھڑ سوار ابھی پیچھے ہی تھے کہ پانی خطرناک حد تک چڑھ گیا۔ پیچھے رہ جانے والے گھڑ سواروں میں گوہلہ کے ذیلدار کاظم حسین بھی تھے۔ ان کو انبالہ- راجپورہ روڈ پر بنے ہوئے دریا کے پل سے گزر کر آنا پڑا۔ انہیں تقریباً ۱۰ میل فالتو فاصلہ طے کرنا پڑا۔ اس لیے سید کھیڑی پہنچنے میں انہیں دیر ہو گئی۔ جب وہ لوگ پہنچے تو نکاح پڑھا جا چکا تھا۔ انہیں غصہ بھی آیا اور انہوں نے اعتراض بھی کیا کہ ان کا انتظار کیوں نہیں کیا گیا۔

نذر حسین

نذر حسین کے والد حسین بخش اور دادا الٰہی بخش تھے۔ انہوں نے راجپورہ سکول سے چند جماعتیں پڑھیں۔ کچھ عرصہ اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کرتے رہے اور پھر پٹیالہ سٹیٹ پولیس میں محرر کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی۔ وہ بڑی حویلی میں رہتے تھے لیکن ملازمت کے دوران ہی انہوں نے اپنے محلہ میں مسجد ناصر علی سے کچھ آگے اپنا مکان بنا لیا اور اپنے کنبہ سمیت وہاں منتقل ہو گئے۔[5] نذر کا قد چھوٹا اور جسم کمزور تھا لیکن وہ بہت متحرک شخصیت کے حامل تھے۔[6] محرر کی حیثیت سے ملازمت کرتے ہوئے انہیں لکھنے میں مہارت حاصل ہو گئی اور لکھنا ان کی عادت کا حصّہ بن گیا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ اپنی یادداشتوں کو کسی کاپی یا رجسٹر پہ لکھ لیتے تھے۔ اپنے ہم عصروں میں یہ ان کی ایک امتیازی خصوصیت تھی۔ ان کی کچھ تحریروں پر مشتمل ایک رجسٹر سیّد انوار علی ولد احسان علی کی کوشش سے مؤلف تک بھی پہنچا۔ اس طرح ان کی محفوظ کی ہوئی کچھ قیمتی معلومات اس کتاب کا حصہ بن گئیں۔ ان کا دوسرا رجسٹر ان کے ورثا کی عدم توجہی کے باعث گم ہو گیا۔

---

۱ سیّدہ حاجرہ شمیم عرف چھمن دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲۴ مئی ۲۰۱۰ء

۲ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّدہ حاجرہ شمیم عرف چھمن دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲۴ مئی ۲۰۱۰ء

۵ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۶ ریلو رام ولد گنگا رام (قدیم رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سید کھیڑی — یکم مارچ ۲۰۰۵ء

نذر نے ۱۹۰۲ء میں محکمہ پولیس میں ملازمت کا آغاز کیا اور ۱۹۳۸ء میں ریٹائر ہو گئے۔ ملازمت کے دوران ہی وہ اپنے خاندان کی عورتوں کا ایک قافلہ لے کر زیارتوں کے لیے عراق گئے۔ ان کی ایک تحریر کے مطابق انہوں نے یہ مقدّس سفر ۱۹۲۲ء یا ۱۹۲۳ء یا پھر ایک سال آگے یا پیچھے کیا۔ ان کا قافلہ ان کے علاوہ ۱۷ عورتوں پر مشتمل تھا۔[1] عراق جانے سے پہلے نذر یہ کہتے تھے: "جیسے میرے والد نجف میں فوت ہوئے تھے میں بھی وہیں فوت ہو جاؤں گا۔" وہ یہ بات بہت سنجیدگی سے کرتے تھے۔[2] انہوں نے ایک وصیت نامہ لکھ کر اپنے چھوٹے بھائی محمد یٰسین کے حوالے بھی کیا تھا۔ اس وصیت نامہ میں انہوں نے لکھا: "اگر میں نجف یا کربلا میں فوت ہو گیا تو شاملاتی زمین میں میرے حصّہ کی آمدنی سے شہیدن دختر محمد یٰسین کی شادی کی جائے۔ اگر میں زندہ واپس آگیا تو پھر خود دیکھ لوں گا۔" زیارتوں کے سفر میں ان کی والدہ محترمہ کرم النساء جو نابینا ہو گئی تھیں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ نذر نے اپنے سفر کے بارے میں لکھا: "سترہ مستورات کی خدمت کرتا ہوا کربلا معلٰی پہنچا۔ راستے میں جناب والدہ صاحبہ جو ضعیف العمر نابینا تھیں کو کمر پہ سوار کر کے خدمت ادا کی گئی۔" نذر اس وقت تک داڑھی منڈواتے تھے۔ اس بارے میں انہوں نے تحریر کیا: "امام مظلوم کے دربار عالی میں جب یہ سنا کہ آقا سخت ناراض ہیں توبہ کی، آئندہ ریش نہ منڈوانے کی قسم کھائی، پھر تا زندگی داڑھی نہ منڈوائی۔"

سیّدوں کے دوسرے محلہ کی مکین مبارکی بیگم عرف ماکھو بیوہ محمد حسن مرحوم نے ۱۹۳۷ء میں اپنی زمین مسجد و امام بارگاہ ناصر علی کے نام وقف کی تو نذر حسین اور ان کے بھانجے ناصر حسین ولد باقر حسین کو متولی مقرر کیا۔ نذر اور ناصر کو اس وقف کے خلاف سیانہ سیداں کے کچھ لوگوں کی طرف سے مقدمات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ لوگ مبارکی بیگم کے خاوند محمد حسن کے دور پار کے رشتہ دار تھے اور چاہتے تھے کہ زمین انہیں مل جائے۔ انہیں سیدکھیڑی کے کچھ سیّدوں کی حمایت حاصل تھی۔ سیدکھیڑی میں اس سے پہلے جو زمینیں وقف کی گئی تھیں نذر نے ان کی نقلیں اپنے رجسٹر میں محفوظ کر لیں تاکہ موجودہ مقدمات میں حوالہ کے کام آئیں۔ ان کے رجسٹر میں وقف کے حوالہ سے تمام نقول بمطابق اصل درج ہیں۔ یہاں تک کہ مخالفین کی طرف سے دائر کیے جانے والے مقدمات جن میں نذر پہ زیادتیوں کے الزام لگائے گئے کی نقول بھی بمطابق اصل محفوظ ہیں۔ نذر کی اپنے تایازاد بھائی اور بہنوئی باقر حسین سے لڑائی اور مقدمہ بازی بھی آئے دن کا معمول تھا۔ انہوں نے اس مقدمہ بازی کا ریکارڈ بھی اپنے پاس محفوظ کیا ہوا تھا۔ نذر اپنے تقریباً تمام عزیز و اقارب کے بارے میں تنقیدی رائے رکھتے تھے، اس کا برملا اظہار کرتے تھے اور اسے زینتِ قلم بھی بنا لیتے تھے۔ انہوں نے دوسروں کے نام بگاڑے ہوئے تھے اور دوسروں نے بھی ان کے الٹے نام رکھے ہوئے تھے۔ تاہم نذر خود اپنے بارے میں اعلٰی رائے رکھتے تھے اور اپنے نام کے ساتھ مظلوم کربلائی لکھتے تھے۔ انہیں یہ شکوہ رہتا تھا کہ دوسروں نے کربلائی کی قدر نہیں کی۔[3]

نذر حسین نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے اپنے ماموں ذیلدار محمد امیر کی بیٹی جعفری سے گوہلہ میں

---

۱ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۲ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۲-۲۷ جولائی ۲۰۰۸ء

۳ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

کی۔[1] اس وقت نذر کی عمر ۱۷ سال تھی۔ نذر اور جعفری کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی حیدری ہوئیں۔ پانچوں بیٹے بچپن ہی میں ٹانگوں کی بیماری میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے۔[2] اپنی بیٹی حیدری کی شادی نذر نے سیانہ سیداں کے احمد حسین عرف بابو احمد سے کی۔ حیدری اس وقت ان کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ نذر نے اپنی بیٹی کو جہیز میں بہت سامان دیا جس میں زراعت سے متعلق تمام آلات بھی تھے۔[3] یہ اتنا سامان تھا کہ گاؤں میں بعد کے زمانہ میں اس کی مثال دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ۲۰۰۵ء میں مؤلف سید کھیڑی گیا تو وہاں کے ہندو رہائشی ریلو رام نے بھی حیدری کو بہت زیادہ جہیز دیے جانے کی بات کی۔[4] حیدری کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہو کر ہی نذر زیارتوں کے لیے گئے تھے۔[5]

نذر نے دوسری شادی امتہ الزہرا دختر مہدی حسن سے سامانا میں کی۔ یہ شادی انہوں نے اپنی پہلی بیوی جعفری کی زندگی میں کی۔ جعفری اسی گھر میں علیحدہ کمرہ میں رہتی تھیں۔ اپنی اکلوتی بیٹی حیدری کی شادی کے بعد وہ عموماً بجھی بجھی رہتی تھیں۔ نذر اور زہرا کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی بچپن میں فوت ہو گئے لیکن ان کی وفات کی وجہ وہ بیماری نہیں تھی جو نذر کی پہلی بیوی جعفری سے پانچ بیٹوں کو کھا گئی تھی۔ نذر اور زہرا کی بیٹیاں نرجس خاتون اور حبیبہ اور بیٹا خادم حسین بچپن میں عموماً اپنے نانکوں کے پاس سامانا جا کر رہتے تھے۔ خاتون نے سامانا سے تین جماعتیں پاس کیں۔ حبیبہ نے وہیں سے دو جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ نذر نے اپنی بیٹی خاتون کی شادی اپنے چھوٹے بھائی محمد یٰسین کے بیٹے عزادار حسین سے کی۔ نذر کی بیوی زہرا نے اس رشتہ کی مخالفت کی لیکن نذر نے ان کی بات نہ مانی۔ خاتون کا نکاح ۱۹۳۹ء میں اس وقت ہوا جب شہیدن دختر محمد یٰسین کی شادی احسان علی ولد غلام عباس سے ہوئی۔ دو سال بعد ان کی ودائیگی ہوئی اور وہ بڑی حویلی میں آ گئیں جہاں یٰسین کا کنبہ رہتا تھا۔ خاتون کی شادی پر ان کے والد پٹیالہ سے کپڑوں کے ۱۶ جوڑے بنوا کر لائے۔ خاتون کی نانی نے سامانا سے آکر ان کی شادی میں شرکت کی۔ شادی کے بعد خاتون کو اگر اپنے سسرال والوں سے کوئی شکایت ہوتی اور وہ اپنے والد نذر سے اس کا اظہار کرتیں تو نذر اس بات پر تاسف کرتے تھے کہ اپنی بیوی کی مخالفت کے باوجود انہوں نے یہ رشتہ کیوں کر دیا۔ شادی کے بعد خاتون نے سید کھیڑی میں زیادہ عرصہ اپنے والد کے گھر میں گزارا۔[6] نذر کی چھوٹی بیٹی حبیبہ بچپن میں عموماً اپنی بہن حیدری کے پاس سیانہ چلی جاتی تھیں اور وہاں کھیلتی رہتی تھیں۔[7]

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۲-۲۷ جولائی ۲۰۰۸ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ ریلو رام ولد گنگا رام (قدیم رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سید کھیڑی — یکم مارچ ۲۰۰۵ء

۵ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۶ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۲-۲۷ جولائی ۲۰۰۸ء

۷ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۲ دسمبر ۲۰۱۰ء

خادم حسین

نذر حسین کے بیٹے خادم حسین نے سید کھیڑی کے باقی بچّوں کی طرح راجپورہ سکول سے تعلیم حاصل کی۔ وہ محنت نہ کرنے کے باعث چوتھی جماعت میں فیل ہو گئے۔ تاہم اگلے سال انہوں نے چوتھی جماعت پاس کر لی۔ وہ اکلوتے فرزند ہونے کی وجہ سے اپنے والد کے لاڈلے تھے۔ نذر کو اپنے مخالفین کی طرف سے خادم کو نقصان پہنچانے کا اندیشہ رہتا تھا جس کا اظہار انہوں نے تھانہ، کچہری میں دی جانے والی اپنے مخالفوں کے خلاف درخواستوں میں بھی کیا۔ نذر کو یہ گلہ بھی رہتا تھا کہ ان کے قریبی ان کے فرزند کا اس طرح خیال نہیں رکھتے جیسا کہ انہیں رکھنا چاہیے۔ خادم جب پانچویں جماعت میں تھے تو ایک دن اپنے ہم جماعت جرار حسین ولد سجاد حسین کے ساتھ گھر سے بھاگ گئے لیکن تین دن اور دو راتیں باہر گزارنے کے بعد واپس آ گئے۔[۱] مؤلف نے اس واقعہ کے بارے میں خادم سے سوال کیا تو انہوں نے اسے بچپن کی غلطی قرار دیا اور مزید کوئی تفصیل اس بارے میں بتانے سے انکار کر دیا۔[۲]

محمد یٰسین

محمد یٰسین کے والد حسین بخش اور دادا الٰہی بخش تھے۔ انہوں نے راجپورہ سکول سے چند جماعتیں پڑھیں۔ وہ بڑی حویلی میں رہتے تھے۔ کچھ عرصہ اپنی زمینوں پہ کھیتی باڑی کرتے رہے پھر سید کھیڑی سے چار پانچ کلو میٹر دور لنڈے پور نامی گاؤں میں پٹیالہ کے سیّدوں کی زمینوں پر محصل کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ ملازمت کے دوران وہ لنڈے پور میں ہی رہتے تھے اور ہفتہ وار چھٹی کے دن اپنے گھر سید کھیڑی آتے تھے۔ ان کی تنخواہ ۲۰ روپے ماہوار تھی۔ وہ ایک شریف النفس اور خاموش طبع انسان تھے اور دوسروں کے معاملات میں غیر ضروری دخل اندازی نہیں کرتے تھے۔ اس لیے ان کی کسی سے لڑائی نہیں تھی۔[۳] وہ اپنے بھائی نذر حسین اور بہنوئیوں باقر حسین اور غلام عباس کے برعکس تھانہ اور کچہری کے چکر لگانے سے بے نیاز رہتے تھے۔ گاؤں میں ان کے بڑے بھائی کے مخالفین نے کبھی ان کو اپنی مخالفت کا نشانہ نہیں بنایا۔[۴] یٰسین کی شریفانہ فطرت اور بے ضرر طبیعت کے سبب گاؤں کے لوگ ان کے لیے ہمیشہ تعریفی کلمات ادا کرتے تھے۔ پہلی چھوٹی حویلی کے مکین احمد حسن ولد محمد حسن کے ساتھ یٰسین کی دوستی تھی۔ وہ دونوں عموماً اکٹھے بیٹھتے اور حقہ پیتے تھے۔[۵]

یٰسین نے ہمیشہ اپنے بزرگوں کی خدمت اور اطاعت کی۔ ان کی بچّوں کے ساتھ محبّت بھی مثالی تھی۔ چھٹی کے دن جب ان کے گاؤں پہنچنے کا وقت ہوتا تو ان کے بچّے اور ان کے بھائی بہنوں کے بچّے گھروں سے باہر نکل کر ان کا انتظار

---

۱ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۲ سیّد خادم حسین ولد نذر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۷ جولائی ۲۰۰۵ء

۵ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ اگست ۲۰۰۶ء

کرتے تھے اور جب دور سے انہیں گاؤں کی جانب آتا دیکھتے تو بھاگ کر ان کے پاس پہنچتے تھے۔ بچّوں کا اس طرح اپنے کسی بزرگ کا انتظار اور استقبال کرنا اس وقت کے ماحول میں شاذ و نادر تھا۔ اکثر بزرگ اپنے بچّوں پر اپنا رعب رکھتے تھے اور ان کے ساتھ اظہار محبّت کرنا اور گھلنا ملنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یٰسین جب گاؤں آتے تو کھانے کی کچھ نہ کچھ چیزیں اپنے ساتھ لاتے تھے اور بچّوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ بچّے ان سے مختلف چیزوں کی فرمائش کرتے تھے اور یٰسین بچّوں کی فرمائشوں کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ ان کی بھانجی امامی نے ان سے کہا: "ماموں مجھے بکری لا کر دیں۔" یٰسین اگلی چھٹی پر گاؤں آئے تو بکری کا بچّہ ساتھ لے کر آئے۔ امامی نے بکری کے بچّے کو دیکھ کر کہا: "ماموں مجھے تو بڑی بکری چاہیے۔" یٰسین نے جواب دیا: "بیٹا! یہ بچّہ بڑا ہو کر بکری بن جائے گا۔" تاہم انہوں نے امامی کے اعتراض کو یاد رکھا اور کچھ عرصہ بعد بڑی بکری بھی انہیں لا دی۔ یٰسین نے خود کئی گائیں اور بکریاں رکھی ہوئی تھیں۔[۱]

مذہبی حوالہ سے یٰسین پختہ عقائد کے مالک تھے۔ وہ کھانا شروع کرنے سے پہلے اہلبیت علیہم السّلام کے دشمنوں سے برأت کا اظہار کرتے تھے اور ان کے ساتھ جو لوگ کھانے میں شریک ہوتے انہیں بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔[۲] سید کھیڑی کے امام بارگاہ ناصر علی میں منعقد ہونے والی مجالس و محافل میں عموماً وہ نیاز تقسیم کرتے تھے۔[۳] ان کا شمار امام حسین علیہ السّلام کے پُرعزم عزاداروں میں ہوتا تھا۔[۴]

یٰسین کی شادی ان کی خالہ کی بیٹی عزیز بانو دختر عطا حسین سے ٹھسکہ میراں جی میں ہوئی اور ان کے پانچ بیٹے زین العابدین، عزادار حسین، داور حسین، اصغر حسین اور قربان علی اور ایک بیٹی کنیز فضہ عرف شہیدن ہوئیں۔ داور اڑھائی تین سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔[۵] ان دنوں عموماً پہلے بچّہ کی پیدائش کے وقت عورت کو اس کے والدین اپنے گھر لے جاتے تھے۔ عزیز بانو کی والدہ مریم النساء ان کی شادی سے کافی عرصہ پہلے فوت ہو چکی تھیں۔ تاہم ان کی نانی جو گوہلہ کے ذیلدار محمد بخش کی زوجہ تھیں زندہ تھیں۔ ۱۹۱۵ء میں جب عزیز بانو کے پہلے بچّہ کی پیدائش کا وقت آیا تو ان کی نانی انہیں گوہلہ لے گئیں۔ بانو کی نانی انہیں فجر کی نماز کے بعد خاص بنائی ہوئی چیزیں کھلاتی تھیں، پھر سارا دن کہتی تھیں کہ یہ تو کچھ کھاتی ہی نہیں۔ ان کی نانی نے انہیں بہت کچھ کھلایا پلایا اور خدمت کی لیکن دوسروں کے سامنے یہی ظاہر کیا کہ بانو نے کچھ کھایا ہی نہیں۔ گوہلہ میں یٰسین اور عزیز بانو کی بڑی اور اکلوتی بیٹی شہیدن پیدا ہوئیں۔[۶] شہیدن نے گھر میں بزرگوں سے تعلیم حاصل کی اور قرآن مجید پڑھا۔[۷] وہ اپنے گھر والوں اور عزیز و اقارب سے محبّت کرنے والی اور مہمانوں کی خدمت کرنے والی

---

۱ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جولائی ۲۰۰۷ء
۲ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۲۳ مارچ ۲۰۱۰ء
۳ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جولائی ۲۰۰۷ء
۴ مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ ــــ ص ۳۰۱
۵ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
۶ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۷ جولائی ۲۰۰۵ء
۷ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

خاتون تھیں۔ سید کھیڑی میں وہ بسکٹ خود گھر میں بنا لیتی تھیں۔[1] ان کی شادی ان کی پھوپھی کے بیٹے احسان علی ولد غلام عباس سے ۱۹۳۹ء میں ہوئی۔

زین العابدین

محمد یٰسین کے بڑے بیٹے زین العابدین (والد مؤلف) سید کھیڑی میں ۱۵ اپریل ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ انہیں بچپن میں ان کی دادی کرم النساء اور نانی مریم النساء کی بہن خدیجہ عرف خدیجن دختر ذیلدار محمد بخش اپنے ساتھ رکھنے کے لیے گوہلہ لے گئیں۔ خدیجن بیوہ تھیں اور ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ خدیجن نے زین العابدین کو گورنمنٹ لوئر مڈل سکول گوہلہ میں داخل کروا دیا۔ سکول میں خدیجن کے بھتیجے اختر حسین ولد ذیلدار محمد امیر ان کے ہم جماعت تھے۔ خدیجن زین العابدین سے ماں کی طرح محبّت کرتی تھیں اور زین العابدین بھی انہیں ماں سمجھتے تھے۔ زین العابدین گوہلہ میں اپنے سب عزیز رشتہ دار بزرگوں کو ماموں کہتے تھے۔ چھ جماعتیں پاس کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے انہیں گوہلہ چھوڑنا پڑا اگرچہ بعدازاں تقسیم ہند تک وہ اکثر گوہلہ آتے جاتے رہے اور وہاں کے بزرگوں نے ان کا ووٹر کی حیثیت سے اندراج بھی گوہلہ میں کروایا تھا۔

گوہلہ سے سید کھیڑی واپس آکر زین العابدین نے گورنمنٹ مڈل سکول راجپورہ میں داخلہ لیا۔ گاؤں کے دوسرے بچّوں کی طرح وہ بھی سکول آنے جانے کے لیے روزانہ چھ میل پیدل چلتے تھے۔ راجپورہ سکول سے مڈل کرنے کے بعد انہوں نے انبالہ مسلم ہائی سکول میں نویں جماعت میں داخلہ لیا۔ انبالہ میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران وہ نو ماہ سلامتی زوجہ محمد رضا حسین نمبردار کے پاس راجگڑھ میں رہے۔ سلامتی زین العابدین کے والد اور والدہ دونوں کی سگی ماموں زاد بہن تھیں۔ سالانہ امتحان سے دو تین ماہ پہلے زین العابدین انبالہ بورڈنگ ہاؤس میں مولوی ابرار حسین کے ساتھ رہنے لگے۔ مولوی ابرار ڈیرہ میر مراداں کے رہنے والے تھے اور انبالہ سکول میں شیعہ دینیات کے استاد تھے۔ امتحان کے بعد نتیجہ آیا تو زین العابدین ایک مضمون میں فیل ہو گئے اور انہوں نے پڑھائی کے سلسلہ کو موخر کر دیا۔

زین العابدین کا بچپن سے ہی مذہب کی طرف رجحان تھا۔ وہ علماء کی محافل میں کثرت سے بیٹھتے، دینی مسائل کو دلچسپی سے سنتے اور ان پر عمل بھی کرتے تھے۔ انہیں مذہبی کتابیں پڑھنے کا شوق تھا۔ شرعی مسائل سے آگاہ ہونے کے باعث انہوں نے داڑھی نکل آنے کے بعد ایک دفعہ بھی اسے نہ منڈوایا۔ مسجد ناصر علی میں متعین مولوی عالم حسین کی غیر موجودگی میں زین العابدین نماز عید، نماز جنازہ اور نکاح بھی پڑھا دیتے تھے۔ امام بارگاہ ناصر علی میں وہ مجالس بھی پڑھتے تھے۔ ۱۹۳۹ء کے لکھنؤ ایجی ٹیشن میں انہوں نے پنجاب سے سب سے پہلے پہنچ کر گرفتاری دی۔[2] وہ اپنے عزیز و اقارب میں

---

۱ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ بہاولپور ـــ ۲۷ جون ۲۰۰۵ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

مولوی زین العابدین کے نام سے مشہور تھے۔[1] انہوں نے ہمیشہ اپنے بزرگوں کی عزّت اور خدمت کی۔ وہ سالہا سال اپنے والد اور تایا کو حقہ بھر کے دیتے رہے۔[2]

زین العابدین روزانہ کنویں سے پانی نکال کر اپنے محلہ کی بیوہ عورتوں کے گھر پہنچاتے تھے۔ جب وہ راجپورہ جاتے تو بیوہ عورتوں سے پوچھ کر ان کا سودا سلف بھی خرید لاتے تھے۔[3] اپنی بساط کے مطابق دوسروں کی مدد کرنا بھی شروع سے ان کی عادت تھی۔ ان کے چھوٹے بھائی سیّد قربان علی کے مطابق: ”بھائی زین العابدین نے فوج میں نوکری کی تو اپنی پہلی تنخواہ راجو کی اولاد میں ایک یتیم بچّے کو بھیجی۔ وہ بچّہ میرا ہم عمر تھا۔ اس وقت میرے دِل میں خیال آیا کہ بھائی ہمارا ہے اور پیسے اسے بھیج دیے۔“ [4]

زین العابدین کی شادی ان کی خالہ کی بیٹی بشیری بیگم دختر قاضی محمد شفیع سے ٹھسکہ میراں جی میں ۱۹۴۰ء میں ہوئی۔ اپنے بیٹے کی شادی کے لیے محمد یٰسین نے بس کرایہ پر لی۔ سید کھیڑی میں پہلی دفعہ بس زین العابدین کی شادی میں آئی۔ گاؤں میں اس سے پہلے کبھی کوئی بارات بس میں گئی تھی نہ آئی تھی۔ بارات کے ساتھ بس دو دن ٹھسکہ میں رہی۔ جون کی ۴ تاریخ کو بارات گئی اور ۶ تاریخ کو واپس آئی۔ بس والے نے کل ۴۰ روپے لیے۔[5] یٰسین نے تین بچھڑے بیچے تھے اور بیٹے کی بارات کے لیے بس کرایہ پر لی تھی۔[6] ٹھسکہ میں بھی یہ پہلی بار ہوا تھا کہ بارات بس میں آئی۔ اس سے پہلے سب باراتیں بیل گاڑیوں میں ہی آتی تھیں۔[7] زین العابدین کے باراتیوں میں جو مہمان دوسرے دیہاتوں سے آئے ان میں سب سے زیادہ تعداد ان کے گوہلہ کے عزیز و اقارب کی تھی۔ ذیلدار کاظم حسین، مسلم حسین اور اختر حسین تینوں بھائی بارات میں شامل تھے۔ جس دن زین العابدین کی بارات ٹھسکہ کے لیے روانہ ہونی تھی اس دن پونڈری کے سیّد اختر حسین ولد ولایت حسین سید کھیڑی آئے اور زین العابدین سے کہا: ”تمہیں نکاح کے وقت سنّی رواج کے مطابق خیرِ ھی و شرِّ ھی من اللہ تعالیٰ کا کلمہ پڑھوایا جائے گا۔“ انہوں نے یہ بات اس لیے کہی کیونکہ زین العابدین کے خالو اور سسر قاضی محمد شفیع سنّی تھے۔ اختر حسین کی کہی ہوئی بات زین العابدین کے ذہن میں بیٹھ گئی۔ ٹھسکہ میں نکاح کے وقت جب مولوی صاحب نے کلمہ خیرِ ھی و شرِّ ھی من اللہ تعالیٰ پڑھنے کے لیے کہا تو زین العابدین نے خیرِ ھی من اللہ تعالیٰ و شرِّ ھی من الانسان پڑھا۔ اس پر مولوی صاحب اور زین العابدین میں بحث شروع ہو گئی۔ حاضرین میں سے کچھ لوگ بھی بحث میں شامل ہو گئے۔ تلخی بڑھنے لگی۔

---

۱ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جولائی ۲۰۰۷ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جولائی ۲۰۰۷ء

۴ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۳ مارچ ۲۰۱۰ء

5 سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
یادداشتیں سیّد محمد رضا حسین ولد علی حسین نمبردار — قلمی نسخہ — کبیر والا

۶ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۲-۲۷ جولائی ۲۰۰۸ء

۷ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

ٹھسکہ کی باأثر راجپوت سیاسی شخصیت صوفی عبد الحمید، جو قاضی شفیع کے دوست تھے، بھی وہاں موجود تھے۔ اس سے پہلے کہ معاملہ قابو سے باہر ہو جاتا صوفی صاحب نے نکاح پڑھانے والے مولوی صاحب سے کہا: "یہ تو سید کھیڑی جا کر شیعوں والا نکاح پڑھائیں گے۔ اس لیے آپ بے فائدہ بحث چھوڑ دیں اور آگے چلیں۔" اس طرح یہ معاملہ ختم ہوا۔[1] قاضی محمد شفیع نے اس وقت کے رواج کے مطابق دو دن باراتیوں کی میزبانی کی اور ان کی خدمت کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دی۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد علیحدہ علیحدہ طباق میں باراتیوں کو سگریٹ اور پان بھی پیش کیے جاتے تھے۔ قاضی شفیع نے شاہ آباد سے برف کی سلیں منگوائیں اور ایک کمرہ میں توڑی میں دبا کر رکھوا دیں تاکہ باراتیوں کو ہر وقت ٹھنڈا پانی، شربت اور دودھ میسر ہو۔[2] زین العابدین اور بشیری بیگم کے ہندوستان میں ۱۹۴۳ء میں ایک بیٹا ساجدین ہوا جو بہت خوبصورت تھا۔ ساجدین بچپن میں ہی فوت ہو گیا۔[3]

تقسیم ہند تک ہندوستان میں گزاری جانے والی اپنی ۳۰-سالہ زندگی میں زین العابدین نے کچھ ملازمتیں بھی کیں۔ انہوں نے راجپورہ سکول میں تین ماہ ان ٹرینڈ ٹیچر کی حیثیت سے ملازمت کی۔ لدھیانہ میں جرابیں اور سویٹر بنانے والی ہوزری میں بھی چار پانچ ماہ کام کیا۔ لدھیانہ ہی میں وہ ۳ فروری ۱۹۴۲ء کو فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ان کی تنخواہ ۲۵ روپے ماہوار مقرر ہوئی۔[4] زین العابدین کی والدہ عزیز بانو کو جب ان کے فوج میں بھرتی ہونے کا پتہ چلا تو وہ اپنے دیور نذر حسین کے پاس گئیں اور روتے ہوئے کہا: "میرا بیٹا زین العابدین فوج میں بھرتی ہو گیا ہے۔ اسے نوکری چھڑوا کر لے آئیں۔" نذر نے کہا: "اچھا ہوا فوج میں بھرتی ہو گیا۔ جب تنخواہ آئے گی تو تمہارے آنسو رک جائیں گے۔"[5]

فوج میں کچھ عرصہ سپاہی رہنے کے بعد زین العابدین کو لانس نائیک بنا دیا گیا۔ ان کا تعلق سگنل کے محکمہ سے تھا اور وہ راولپنڈی میں تعینات تھے۔ ملازمت کے دوران انہوں نے کچھ لازمی کورسز بھی کیے۔ فوج کے ساتھیوں کے ساتھ ایک سفر کے دوران ٹرین کسی اسٹیشن پر رکی تو ان کے ساتھیوں نے پلیٹ فارم پر موجود ایک سٹال پر جا کر کافی منگوائی۔ زین العابدین نے اس سے پہلے کبھی کافی نہیں پی تھی۔ انہوں نے ایک گھونٹ لیا تو انہیں کافی کا ذائقہ بہت برا لگا۔ کپ میں موجود باقی کافی انہوں نے چپکے سے نیچے گرا دی۔ دوسری جنگ عظیم ختم ہونے پر بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح انہیں ۱۸ اپریل ۱۹۴۶ء کو فوج سے برخاست کر دیا گیا۔ فوج کی طرف سے دیے گئے سروس سرٹیفکیٹ میں ان کے کردار کو مثالی لکھا گیا۔ فوج کی طرف سے انہیں انڈیا سروس میڈل اور وار میڈل بھی ملے۔[6] زین العابدین کا ذکر مسند حسین اصغر رضی

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۳ سیّدہ بشیری بیگم زوجہ زین العابدین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ/بالواسطہ سیّد کلب عباس ولد زین العابدین بالمشافہ — بورے والا/راولپنڈی

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۵ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۶ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

اللہ عنہ (ص ۳۰۱-۳۰۷) میں ہے۔

عزادار حسین

محمد یٰسین کے بیٹے عزادار حسین سید کھیڑی میں ۱۵ مارچ ۱۹۲۲ء کو پیدا ہوئے۔ انہوں نے راجپورہ سکول سے پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ بڑے ہوئے تو باقر حسین کے بیٹے یاور حسین کے ساتھ مل کر کھیتی باڑی کرنے لگے۔[1] وہ درختوں کی کٹائی کا ٹھیکہ بھی لیتے تھے۔[2] انہوں نے سید کھیڑی میں پرچون کی ایک دکان بھی کھولی تھی۔ عزادار کے دوست ان کے پاس دکان میں بیٹھے رہتے تھے۔ اس وجہ سے ان کو اس کاروبار میں کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔[3]

عزادار کی دوستی نتھو نمبردار کے بیٹے محمد عالم اور سیّدوں کے تیسرے محلہ کے سجاد حسین کے بیٹے زاہد حسین کے ساتھ تھی[4] اگرچہ الٰہی بخش کے خاندان کے بزرگ ایسی دوستیوں سے منع کرتے تھے۔ عزادار کی بہت سے ہندو اور سکھ نوجوانوں کے ساتھ بھی دوستی تھی اور وہ ان کے ساتھ نذر حسین کے مکان کی بیٹھک میں بیٹھتے تھے۔

عزادار کا نکاح ان کے تایا نذر حسین کی بیٹی نرجس خاتون سے ۱۹۳۹ء میں اس وقت ہوا جب ان کی بڑی بہن شہیدن کی شادی غلام عباس کے بیٹے احسان علی سے ہوئی۔ دو سال بعد وہ دلہن کو گھر لائے۔[5] عزادار اور خاتون کے ہندوستان میں ایک بیٹی اور ایک بیٹا ابرار حسین ہوئے۔ بیٹی وہیں فوت ہو گئی۔[6]

اصغر حسین

محمد یٰسین کے بیٹے اصغر حسین سید کھیڑی میں ۱۹۲۹ء یا ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند کے وقت وہ راجپورہ سکول میں چھٹی کلاس میں پڑھتے تھے۔ انہوں نے کئی مرتبہ سکول جانا چھوڑا لیکن پھر اپنے والد یا بڑے بھائی زین العابدین کے کہنے پر سکول جانے لگے۔ اس طرح ان کے چار پانچ سال ضائع ہوئے اور ان کے چھوٹے بھائی قربان علی جو ان سے پانچ سال چھوٹے تھے ان کے ہم جماعت بن گئے۔[7] اصغر اپنے بڑے بھائی عزادار کا دکان چلانے میں ہاتھ بٹاتے تھے اور ان کی غیر

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
سیّد کلبِ حسین ولد عزادار حسین — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اگست ۲۰۲۰ء

۲ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۲۲ مارچ ۲۰۱۹ء

۵ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۶ سیّدہ امتہ الزہرا زوجہ نذر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّدہ کنیز بانو دختر عزادار حسین بالمشافہ — اسلام آباد — ۸ مارچ ۲۰۲۰ء

۷ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۳ مارچ ۲۰۱۰ء

موجودگی میں دکان پر بیٹھتے تھے۔[۱] وہ اپنے جانور چرانے بھی لے کر جاتے تھے۔[۲]

اصغر کی دوستی اپنے بہت سے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ تھی۔ ان کے خاص دوستوں میں سیدکھیڑی کے یاسر حسین ولد باقر حسین، راجگڑھ کے غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا اور ترپڑی کے وزیر حسن ولد غلام عباس شامل تھے۔ سیّد غلام مرتضیٰ کے مطابق: ”جب بھی میرا سیدکھیڑی جانا ہوتا تو اصغر اور میں پٹیالہ جاتے، وہاں سے ترپڑی جاتے اور وزیر کو لے کر واپس سیدکھیڑی آ جاتے تھے۔ پھر یاسر کو ساتھ لے کر ہم چاروں اکٹھے گھومتے پھرتے تھے۔ اصغر ہمارے گروپ کا لیڈر تھا اور اس بات کا فیصلہ کہ کہاں جانا ہے اور کیا کرنا ہے اصغر ہی کرتا تھا۔“ جب مؤلف نے پوچھا کہ وہ کہاں جاتے تھے اور کیا کرتے تھے تو مرتضیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا: ”اس بات کو چھوڑو۔“ [۳] اصغر کا رنگ اپنے بھائیوں کے مقابلہ میں کالا تھا۔ اس لیے ان کی والدہ ان سے زیادہ لاڈ کرتی تھیں اور پیار سے انہیں ’برفی‘ کہتی تھیں۔[۴]

قربان علی

محمد یٰسین کے سب سے چھوٹے بیٹے قربان علی سیدکھیڑی میں ۲۶ دسمبر ۱۹۳۴ء کو پیدا ہوئے۔ انہیں بچپن میں سکول کی تعلیم شروع کرنے سے پہلے ایک دفعہ ان کے والد گڑ بنانے کے دنوں میں اپنے ساتھ لنڈے پور لے گئے۔ رات ہوئی تو یٰسین نے انہیں ایک راجپوت مضارع کے گھر بھیج دیا۔ سردی کا موسم تھا۔ مضارع کی بیوی نے قربان کو اپنے ساتھ سلایا۔ رات کو سوتے ہوئے قربان نے بستر پہ پیشاب کر دیا۔ صبح مضارع کی بیوی نے ناشتہ بنانے کے لیے چولہا جلایا تو قربان کو آگ کے پاس بٹھا دیا تاکہ ان کے کپڑے خشک ہو جائیں۔ ابھی ان کے کپڑے اچھی طرح خشک نہیں ہوئے تھے کہ انہیں گڑ کھلانے کے لیے باہر بیلنے پر لے گئے۔ یٰسین نے ان کے گیلے کپڑے دیکھ کر سرزنش کے انداز میں کہا: ”تو نے رات پیشاب کر دیا۔“ قربان کچھ نہ بولے کیونکہ جو کچھ ہوا ان کے بس میں نہیں تھا۔ ایک دن قربان اور سیّد علی ولد احمد حسین راجو کے مزار کے پاس پیپل کے درخت کے نیچے کھیل رہے تھے کہ ایک شخص وہاں سے گزرا اور اس نے کہا کہ فلاں ہندو دادا راجو کے مزار پر لڈو رکھ گیا ہے۔ قربان اور سیّد علی بھاگ کر مزار پر گئے اور جتنے لڈو کھا سکتے تھے کھائے۔ محلہ کے کئی بزرگ ہندوؤں کی چیزیں کھانے سے پرہیز کرتے تھے لیکن بچّوں کا ان مسائل سے کوئی سروکار نہیں تھا۔[۵] قربان کے بڑے بھائی زین العابدین نے اپنے والد سے کہا تھا کہ قربان سے حقہ نہ بھروائیں۔ یٰسین نے قربان سے کبھی حقہ نہیں بھروایا[۶] جس کے نتیجہ میں وہ ہمیشہ تمباکو نوشی سے محفوظ رہے۔

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — کیم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۳ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۴ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۴ اپریل ۲۰۱۹ء

۵ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۷ جولائی ۲۰۰۵ء، ۲۳ مارچ ۲۰۱۰ء

۶ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — کیم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

سید کھیڑی کے اکثر بچّے راجپورہ سکول میں پڑھتے تھے۔ تاہم قربان کو نزدیکی گاؤں سُروں کے پرائمری سکول میں داخل کیا گیا۔ قربان نے وہاں سے پہلی جماعت پاس کی۔ پھر ان کی بڑی بہن شہیدن انہیں اپنے ساتھ لاہور لے گئیں۔ وہاں قربان کے بہنوئی احسان نے انہیں مزنگ سکول میں داخل کروا دیا۔ قربان نے وہاں پانچ جماعتیں پاس کیں۔ جب وہ چھٹی جماعت میں تھے تو تقسیم ہند سے قبل پیدا ہونے والی کشیدگی کے نتیجہ میں انہیں سید کھیڑی واپس بھیج دیا گیا۔[1] سید کھیڑی آنے کے بعد انہوں نے راجپورہ سکول میں چھٹی کلاس میں داخلہ لیا۔ راجپورہ سکول میں پنجابی پڑھائی جاتی تھی اور پنجابی کو گُرمکھی رسم الخط میں لکھا جاتا تھا۔ قربان کو گُرمکھی رسم الخط سیکھنے میں مشکل پیش آئی۔ ان کے گھر والوں نے تعلیم جاری رکھنے کے لیے انہیں ان کی خالہ حیدری کے پاس ٹھسکہ بھیجنے کا پروگرام بنایا۔ ابھی اس پروگرام پر عمل کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ تقسیم ہند عمل میں آ گئی اور سب کو پاکستان آنا پڑا۔[2]

برکت علی کا خاندان

برکت علی کے والد احسان علی اور دادا قلندر بخش تھے۔[3] برکت اپنے بھائیوں الٰہی بخش اور رحمت علی کی طرح زمینداری کرتے تھے اور بڑی حویلی میں رہتے تھے۔ پھر جب ان کے کنبوں کی تعداد بڑھی تو وہ اور ان کے چھوٹے بھائی رحمت علی اپنے کنبوں کے ساتھ پہلی چھوٹی حویلی میں رہنے لگے جب کہ الٰہی بخش اپنے کنبہ کے ساتھ بڑی حویلی ہی میں رہے۔ رحمت علی کے ایک فرزند علی حسین اور دو بیٹیاں مسمات محبوباں اور سلطان بی بی تھیں۔ ان کی نسل آگے نہیں چلی۔

برکت علی کی شادی ان کے تایا نُور الدین کی بیٹی سے ہوئی اور ان کے پانچ بیٹے رمضان علی، امداد علی، نتھو، محمد حسن اور مہدی حسن ہوئے۔ یہ پانچوں بھائی اپنے بزرگوں کی طرح زمینداری سے منسلک رہے۔ رمضان اور نتھو بے اولاد رہے جب کہ امداد، محمد حسن اور مہدی تینوں کے ایک ایک بیٹا ہوا۔[4]

رمضان علی

برکت علی کے بیٹے رمضان علی کی پرورش ان کے ماموں چراغ علی ولد نُور الدین نے کی اور انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنایا۔[5] چراغ علی دوسری چھوٹی حویلی میں رہتے تھے۔ رمضان بھی ان کے ساتھ وہیں رہنے لگے۔ رمضان کا مذہب کی طرف

---

۱ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ ۲ جنوری ۲۰۰۷ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ شجرہ نسب ترمذی سادات

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
شجرہ نسب ترمذی سادات
یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش ـــ قلمی نسخہ ـــ منڈی بہاؤالدین

۵ شجرہ نسب ترمذی سادات

رجحان تھا۔ انہوں نے حج کیا جس کے بعد وہ حاجی رمضان کے نام سے مشہور ہو گئے۔ وہ عراق بھی گئے اور وہاں مذہبی تعلیم حاصل کی۔ واپس آکر انہوں نے اپنے گاؤں کے لوگوں میں مذہبی مسائل کے بارے میں آگاہی پیدا کی۔[1]

رمضان نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے کنیز فاطمہ دختر نعمت علی سے کی۔ نعمت علی ان کے والد برکت علی کے چچا کے بیٹے تھے۔ پہلی شادی سے ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی تو انہوں نے دوسری شادی مریم النساء دختر محمد بخش سے کی۔ محمد بخش ان کے تایا الٰہی بخش کے بیٹے تھے۔ دوسری شادی سے بھی رمضان کے اولاد نہ ہوئی۔ رمضان کی پہلی بیوی کنیز کا تعلق راجو کی آٹھویں نسل اور دوسری بیوی مریم کا تعلق نویں نسل سے تھا جب کہ رمضان خود راجو کی آٹھویں نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ رمضان کی وفات کے بعد وہ زمین جو ان کے ماموں چراغ علی نے انہیں ہبہ کی تھی ان کی بیوگان کو مل گئی۔

عنایت حسین

عنایت حسین کے والد امداد علی اور دادا برکت علی تھے۔ ان کی والدہ رحمت علی کی نواسی مسمات حسینی دختر محبوباں تھیں۔[2] وہ پہلی چھوٹی حویلی میں رہتے تھے اور اپنے بزرگوں کی طرح زمینداری کرتے تھے۔ انہوں نے شور کے ایک راجپوت خاندان میں شادی کی۔ ان کی زوجہ کا نام شہیدن تھا اور انہیں سیدن کہہ کر پکارتے تھے۔ عنایت اور سیدن کے اولاد نہیں ہوئی۔ سیّدوں سے باہر شادی کرنے پر عنایت اور ان کے خاندان والوں کو برادری کی طرف سے تنقید کا سامنا رہا۔ عنایت تقسیم ہند سے کافی عرصہ پہلے انتقال کر گئے۔ اپنے خاوند کی وفات کے بعد سیدن کا گزر بسر خاوند کی طرف سے ترکہ میں ملی ہوئی زمین پر تھا۔ وہ پہلی چھوٹی حویلی میں رہتی تھیں۔[3]

احمد حسن

احمد حسن کے والد محمد حسن اور دادا برکت علی تھے۔ ان کی والدہ رتّی سیّدوں کے تیسرے محلہ کی رہائشی تھیں۔[4] احمد کے والد محمد حسن ان گواہوں میں شامل تھے جنہوں نے ۱۹۰۴ء میں کنیز فاطمہ اور مریم النساء کی طرف سے امام بارگاہ کے نام زمین کو ہبہ کرنے کے حق میں بیان دیا۔[5] احمد نے راجپورہ سکول سے چند جماعتیں پڑھیں۔ وہ اپنی زمینوں سے منسلک رہے۔ ان کی رہائش پہلی چھوٹی حویلی میں تھی۔[6] وہ ۱۹۱۶ء میں کنیز فاطمہ دختر نعمت علی کی زمین کے مسجد ناصر علی اور

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ اگست ۲۰۰۶ء

۵ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۶ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

امام بارگاہ ناصر علی کے نام کیے جانے والے وقف کے گواہوں میں شامل تھے۔[1]

احمد حسن کے مزاج میں غصہ تھا۔ ایک دن سیّدوں کے تیسرے محلہ کے دو افراد ان کے پاس آئے اور کہا کہ ان کے محلہ کی تیل گرم کرنے والی کڑاہی میں سوراخ ہو گیا ہے۔ اس لیے انہیں اپنے محلہ کی کڑاہی دے دیں تاکہ وہ اپنا کام نکال سکیں۔ احمد کی والدہ چونکہ تیسرے محلہ کی تھیں اس لیے ضرورت کے وقت اس محلہ کے افراد نے ان سے مدد چاہی۔ احمد نے ان سے کہا کہ کڑاہی جس کمرہ میں رکھی ہے اس کی چابی باقر حسین کے پاس ہے۔ وہ باقر سے کڑاہی لے لیں۔ وہ لوگ باقر کے پاس گئے اور احمد کا حوالہ دیتے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا۔ باقر نے انہیں کڑاہی دینے سے انکار کر دیا۔ وہ لوگ دوبارہ احمد کے پاس آئے اور کہا کہ ان کا حوالہ دینے کے باوجود باقر کڑاہی دینے پر تیار نہیں۔ احمد نے ہتھوڑی اور آری اٹھائی اور تیسرے محلہ کے دونوں افراد سے کہا: "آؤ میں تمہیں کڑاہی لے کر دیتا ہوں۔" احمد نے باقر کے دروازہ پر دستک دی اور جب وہ باہر آئے تو ان سے اس کمرہ کی چابی مانگی جس میں کڑاہی رکھی تھی۔ باقر نے کہا: "تمہیں چابی کس مقصد کے لیے چاہیے۔" احمد نے کہا: "میں نے کڑاہی میں سے اپنا حصّہ کاٹ کر علیحدہ کرنا ہے اور اسی لیے اوزار ساتھ لایا ہوں۔ مجھے اپنا حصّہ ان لوگوں کو دینا ہے۔" یہ سن کر باقر نے تیسرے محلہ والوں کو کڑاہی دے دی۔ دوسرے محلہ کے کاظم حسین ولد مسیتا سے احمد کا مذاق چلتا تھا۔ وہ زمینوں پر کاظم کے لیے گھر سے آئی ہوئی روٹی بھی بعض اوقات کھا لیتے تھے۔ وہ اپنی زمین عموماً ایک سکھ کو ٹھیکہ پر دیتے تھے۔

احمد حسن کی شادی صغریٰ دختر محمد حسین سے ٹھسکہ میں ہوئی اور ان کے دو بیٹے بیدار بخت اور ذوالفقار حسین اور ایک بیٹی انعام فاطمہ ہوئیں۔ بیدار بخت کو ان کے ماموں ٹھسکہ لے گئے اور سکول میں داخل کروا دیا۔ کچھ عرصہ بعد بیدار بخت فوت ہو گئے۔[2] جب احمد کے چھوٹے بیٹے ذوالفقار پیدا ہوئے تو صغریٰ کو نمونیہ ہو گیا جو بگڑ گیا۔ ان دنوں علاج معالجہ کی سہولتیں بھی کم تھیں۔ صغریٰ جانبر نہ ہو سکیں۔ جب صغریٰ فوت ہوئیں تو ان کا سر ان کے بھائی قاضی محمد شفیع، جو ٹھسکہ سے ان کی عیادت کے لیے آئے تھے، کی گود میں تھا۔ قاضی شفیع اپنی بہن کی وفات کے چند دن بعد ٹھسکہ واپس چلے گئے۔[3]

صغریٰ کی وفات کے وقت ان کی بیٹی انعام فاطمہ تین برس کی تھیں اور بیٹے ذوالفقار صرف ۲۰ دن کے تھے۔ انعام کو ان کی نانی حمیدن ٹھسکہ لے گئیں اور وہیں ان کی پرورش کی اور اپنے پوتے ذوالفقار حسین ولد قاضی لطیف حسین سے ان کی شادی کر دی۔[4] صغریٰ کی وفات کے چھ سات سال بعد احمد حسن بھی سید کھیڑی میں وفات پا گئے۔[5] وہ اپنی وفات سے

---

۱ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۲ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ اگست ۲۰۰۶ء

۳ سیّدہ حاجرہ شمیم عرف چھمن دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲۴ مئی ۲۰۱۰ء

۴ سیّدہ انعام فاطمہ دختر احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — خیرپور ٹامیوالی — ۲۹ جون ۲۰۰۶ء

۵ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ اگست ۲۰۰۶ء

پہلے طویل عرصہ تک بیمار رہے۔[1]

ذوالفقار حسین

احمد حسن کے فرزند ذوالفقار حسین اپنی والدہ کی وفات کے وقت چونکہ ۲۰ دن کے تھے اس لیے ان کی پرورش کا مسئلہ درپیش تھا۔ ان کی تین-سالہ بہن انعام فاطمہ کو تو ان کی نانی لے گئی تھیں لیکن انہیں اس لیے نہ لے کر گئیں کیونکہ ان کے بڑے بھائی بیدار بخت پہلے ہی ٹھسکہ میں ان کے پاس رہتے ہوئے فوت ہو گئے تھے۔ ذوالفقار کی دادی رلّی کی بہن جعفری سیّدوں کے تیسرے محلہ میں رہتی تھیں۔ ذوالفقار کی پرورش کے لیے جعفری سیّدوں کے پہلے محلہ میں احمد حسن کے گھر رہنے لگیں۔ وہ اپنے بھانجے احمد کے لیے کھانا پکاتی تھیں اور ذوالفقار کو لوٹی میں دودھ پلاتی تھیں۔ احمد حسن کی وفات کے بعد بھی جعفری وہیں رہ کر ذوالفقار کی پرورش کرتی رہیں۔

ذوالفقار کو تعلیم کے لیے سُروں سکول میں داخل کروایا گیا۔ قربان علی ولد محمد یٰسین بھی اسی سال سُروں سکول میں داخل ہوئے تھے۔ ذوالفقار ان کے ساتھ سکول جانے لگے۔ انہیں سکول جاتے ہوئے ابھی ایک ماہ ہوا تھا کہ ایک دن ماسٹر صاحب نے کچھ بچّوں، جن میں ذوالفقار بھی شامل تھے، سے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک کل سکول آتے ہوئے راستہ سے ڈنڈا کاٹ کر لیتا آئے۔ ذوالفقار نے اپنے دِل میں ماسٹر صاحب کے حکم پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگلے روز صبح ناشتہ کے بعد انہوں نے چپکے سے چھری اپنے بستہ میں رکھ لی اور سکول کے لیے چل دیے۔ راستہ میں بڑے شوق سے کیکر کی ایک شاخ کاٹ کر ڈنڈا بنایا اور سکول پہنچ کر ماسٹر صاحب کو پیش کر دیا۔ کلاس میں ٹاٹ پر بیٹھے ہوئے دوپہر کو ان کی ایک لڑکے سے لڑائی ہو گئی۔ ماسٹر صاحب نے بچّوں کو لڑتے ہوئے دیکھا تو دونوں کو ڈانٹ کر اپنے پاس بلایا اور ڈنڈے سے دونوں کی خوب مرمت کر دی۔ ذوالفقار مار کھا کر اپنی جگہ پر آ کے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر تو وہ روتے رہے اور ڈنڈا کاٹ کر لانے کے اپنے عمل پر افسوس کرتے رہے پھر جیسے ہی ڈنڈے لگنے کی وجہ سے ہونے والا درد کچھ کم ہوا تو انہوں نے اپنا بستہ اٹھایا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ ماسٹر نے انہیں پکڑنے کے لیے کچھ بچّوں کو ان کے پیچھے دوڑایا لیکن کوئی بھی ذوالفقار تک نہ پہنچ سکا۔ گھر پہنچ کر ذوالفقار نے اعلان کر دیا کہ وہ اب سکول نہیں جائیں گے۔ جعفری کے سمجھانے کے باوجود ذوالفقار اپنی ضد پر قائم رہے۔ بالآخر جعفری نے انہیں سمجھا بجھا کر راجپورہ سکول میں پڑھنے کے لیے تیار کر لیا۔

راجپورہ سکول میں راجو کی اولاد کے محلہ سے کئی بچّے پڑھنے جاتے تھے۔ ذوالفقار بھی ان کے ساتھ جانے لگے۔ سُروں سکول سید کھیڑی سے ایک میل جب کہ راجپورہ سکول تین میل دور تھا۔ ایک ماہ بعد راجپورہ سکول میں بھی ذوالفقار کو ماسٹر صاحب سے مار کھانا پڑی۔ اس دفعہ ان کی پٹائی کی وجہ ان کا سبق یاد نہ کرنا تھا۔ دو ڈنڈے کھانے کے بعد ذوالفقار نے اپنے ہاتھ پیچھے کر لیے اور ماسٹر صاحب کے حکم کے باوجود آگے نہ کیے۔ ماسٹر صاحب کو غصہ آ گیا اور انہوں نے ذوالفقار کے کندھوں اور کمر پر ڈنڈے برسا دیے۔ وہ دن تو ذوالفقار نے جیسے تیسے سکول میں گزارا لیکن دِل میں عہد کر لیا کہ وہ آئندہ

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

کبھی سکول نہیں آئیں گے۔ سکول سے چھٹی کے بعد گھر پہنچ کر انہوں نے اپنی دادی کو بھی اپنے حتمی فیصلہ سے آگاہ کر دیا۔ اس کے بعد وہ سارا دن بچّوں کے ساتھ کھیلتے رہتے تھے اور گاؤں کی گلیوں میں گھومتے رہتے تھے۔ افضل علی ولد جعفر حسین، سیّد علی ولد احمد حسین اور قربان علی ولد محمد یٰسین کے ساتھ ان کی دوستی تھی۔[۱] سیّد نذر حسین ولد حسین بخش نے اپنی یادداشتوں میں ذوالفقار کے بچپن کے دور کا ذکر کیا ہے اور ان کے لیے دعائیہ کلمات لکھے ہیں۔[۲]

جعفری جب دوسرے بچّوں کو تیار ہو کر بستے اٹھائے ہوئے سکول جاتے دیکھتی تھیں تو ذوالفقار سے کہتی تھیں: ”تیں بی اپنے پیٹ ماں چار لبجھ پا لے“(تم بھی اپنے پیٹ میں چار لفظ ڈال لو یعنی تم بھی کچھ پڑھ لکھ لو)۔[۳] لیکن ذوالفقار پر تعلیم کے بارے میں ان کی نصیحتیں بے اثر ہی رہیں۔ سیّدوں کے تیسرے محلہ میں کھیلتے ہوئے اگر ذوالفقار کی کچھ بچّوں سے لڑائی ہو جاتی اور وہ رونے لگتے تو ان کے رونے کی آواز سن کر محفوظن زوجہ محمد رمضان دروازہ پر آتی تھیں اور دوسرے بچّوں کو دبکاتے ہوئے کہتی تھیں: ”میرے بیٹے کو کس نے مارا ہے۔“ محفوظن کی آواز سن کر دوسرے سب بچّے بھاگ جاتے تھے۔ ذوالفقار ۱۹۴۰ء میں زین العابدین ولد محمد یٰسین کی شادی کے موقع پر بارات میں ٹھسکہ گئے اور وہاں اپنی بہن انعام فاطمہ سے بھی ملے۔

ایک دفعہ ذوالفقار نے سات روپے کی ایک گائے خرید لی۔ وہ خود اپنی گائے کو چَرانے کے لیے لے جاتے تھے۔ سال گزرتے گئے اور ان کے پاس ایک سے تین گائیں ہو گئیں۔ تقسیم ہند سے چند ماہ پہلے ان کی بہن انعام فاطمہ اور بہنوئی ذوالفقار حسین ولد لطیف حسین ان سے ملنے کے لیے ٹھسکہ سے سید کھیڑی آئے۔ چند دن قیام کرنے کے بعد جب وہ واپس جانے لگے تو ذوالفقار نے ایک گائے اپنی بہن کو دے دی۔ ذوالفقار کی بہن اور بہنوئی جانے کے لیے بیل گاڑی میں سوار ہو گئے اور سید کھیڑی کا ایک چمار گائے لے کر ان کی بیل گاڑی کے پیچھے چلنے لگا۔ ذوالفقار بھی انہیں چھوڑنے گاؤں سے باہر آئے۔ جب اپنی بہن اور بہنوئی کو خدا حافظ کہہ کر ذوالفقار گاؤں کی طرف چل پڑے تو گائے بھی بیل گاڑی کے پیچھے جانے کی بجائے مڑ کر ذوالفقار کے پیچھے چل پڑی۔ چمار کوشش کے باوجود گائے کا رخ نہ موڑ سکا۔ ذوالفقار یہ دیکھ کر پھر بیل گاڑی کی طرف آئے تو گائے بھی ان کے پیچھے آ گئی۔ جب تین مرتبہ کوشش کے باوجود گائے نے ذوالفقار کی پیروی ترک نہ کی تو ان کی بہن نے ذوالفقار کو بھی اپنے ساتھ ٹھسکہ جانے کے لیے کہا۔ ذوالفقار بیل گاڑی پہ چڑھ گئے تو گائے بھی بیل گاڑی کے پیچھے چلنے لگی۔ بیل گاڑی پر چاروں طرف پردہ لٹکا ہوا تھا۔ جب ذوالفقار پردے کے اندر چلے گئے اور گائے کو نظر نہ آئے تو وہ پیچھے مڑ گئی۔ لیکن ادھر بھی ذوالفقار نظر نہ آئے تو وہ رک گئی۔ چمار کی آواز پر ذوالفقار نے اپنا چہرہ پردہ سے باہر نکالا اور گائے کو آواز دی تو وہ انہیں دیکھ کر پھر بیل گاڑی کے پیچھے چلنے لگی۔ ٹھسکہ تک رات بھر کے سفر میں ذوالفقار اپنا چہرہ پردہ سے باہر نکال کر بیٹھے رہے اور اس طرح وہ گائے کو ٹھسکہ لے جانے میں کامیاب ہوئے۔

---

۱ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۳۱ اگست ۲۰۰۶ء

۲ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش ــــ قلمی نسخہ ــــ منڈی بہاؤالدین

۳ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۷ جولائی ۲۰۰۵ء

ذوالفقار کو ان کے نانکے رشتہ دار دلدار کہہ کر پکارتے تھے۔ اگرچہ وہ ۱۲، ۱۳ سال کے ہو گئے تھے پھر بھی ان کی بہن نے انہیں ٹھسکہ سکول میں داخل کروا دیا۔ وہاں کسی ماسٹر نے تو ان کی پٹائی نہیں کی تاہم چند ماہ بعد تقسیم ہند ہو گئی جس کے باعث انہیں پاکستان آنا پڑا اور اس طرح انہیں تعلیم سے آراستہ کرنے کی تیسری اور آخری کوشش بھی ناکام ہو گئی۔[۱]

تصدق حسین

تصدق حسین کے والد مہدی حسن اور دادا برکت علی تھے۔[۲] ان کے والد تقسیم ہند سے کئی سال پہلے فوت ہو گئے تھے اور ان کی والدہ بتول قیام پاکستان سے چند سال پہلے ۱۰ محرم کے دن فوت ہوئیں۔ اس سال محرم کی سات تاریخ کو انہیں اس بات کا شدّت سے احساس ہوا کہ یزید کی فوج نے آج کے دن کربلا والوں کا پانی بند کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ سے عہد کیا کہ وہ تین دن کچھ کھائیں گی نہ پئیں گی۔ محرم کی ۱۰ تاریخ کو صبح ان کی حالت تشویش ناک ہو گئی۔ ان کے لواحقین نے ان کے منہ میں زبردستی پانی ڈالنے کی کوشش کی تو انہوں نے منہ بھینچ لیا۔ فاقہ شکنی کے وقت جب ان کے پاس پانی اور کھانا لے کر پہنچے تو وہ وفات پا چکی تھیں۔ سیّدہ امامی صغریٰ کے مطابق: ”تصدق کی ماں بتول کی قبر سے تین دن خوشبو آتی رہی۔“[۳]

تصدق نے راجپورہ سکول سے چند جماعتیں پاس کیں لیکن مطالعہ کرنے کی عادت نہ اپنانے کی وجہ سے پڑھنا لکھنا بھول گئے اور خط دوسروں سے لکھواتے اور پڑھواتے تھے۔ وہ پہلی چھوٹی حویلی میں رہتے تھے۔[۴] اپنی زمین کے علاوہ تصدق کے پاس ایک بیل گاڑی بھی تھی جسے وہ کرایہ پر چلاتے تھے۔[۵] ان دنوں بیل گاڑی ٹیکسی یا کار کی طرح آمد و رفت کے لیے استعمال ہوتی تھی۔

تصدق نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے محمدی بیگم سے سامانا میں کی اور ان کے دو بیٹے تفضل حسین اور تونگر حسین ہوئے۔ تصدق کی طبیعت میں غصہ تھا۔ اسی لیے ان کی بیوی اپنے بیٹوں تفضل اور تونگر کو لے کر اپنے باپ کے گھر سامانا چلی گئیں اور پھر تصدق کے پاس واپس نہ آئیں۔[۶] پہلی بیوی سے علیحدگی کے بعد تصدق نے دوسری شادی سِیون میں ممتاز بیگم عرف منّی سے کی اور ان کے ایک بیٹا شبیر حسین عرف بندو اور تین بیٹیاں انوری بیگم، عزیز فاطمہ اور اصغری بیگم ہوئیں۔ بندو اپنی ماں کے لاڈلے تھے اور تقسیم ہند کے وقت ان کی عمر چھ سات سال تھی۔[۷]

---

۱ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ اگست ۲۰۰۶ء
۲ شجرہ نسب ترمذی سادات
۳ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جولائی ۲۰۰۷ء
۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
۵ پریتم ولد امیر سنگھ (قدیم رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سید کھیڑی — یکم مارچ ۲۰۰۵ء
۶ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جولائی ۲۰۰۷ء
۷ سیّد شبیر حسین عرف بندو ولد تصدق حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — علی پور — ۳۱ دسمبر ۲۰۱۷ء

تفضل حسین

تصدق کے بڑے بیٹے تفضل حسین سامانا میں ایک ہندو کی کپڑے کی دکان پر کام کرتے تھے۔ وہ دکان کے لیے کپڑا خریدنے پٹیالہ آتے تھے۔ ایک دفعہ وہ کپڑا خرید کر واپس جا رہے تھے کہ پٹیالہ پولیس نے انہیں پکڑ لیا۔ ہندو دکاندار نے تفضل کو چھڑوانے کے لیے پولیس کو پیسے دیے۔ تفضل کی شادی سامانا میں مطاہرہ بیگم دختر امیر حسین سے ہوئی۔

تونگر حسین

تصدق کے دوسرے بیٹے تونگر حسین بھی سامانا میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ ہندو کی کپڑے کی دکان پر کام کرتے تھے۔ ان کی شادی عابدہ دختر کاظم حسین سے سید کھیڑی کے سیّدوں کے دوسرے محلہ میں ہوئی۔ جب تونگر کی بارات سید کھیڑی پہنچی تو ان کے والد تصدق کو شادی میں شرکت کے لیے بلاوا بھیجا گیا۔ تصدق نے آنے سے انکار کر دیا اور ناراضگی کے اظہار کے طور پر ایک قریبی باغ میں جا کر بیٹھ گئے۔ تونگر کے ماموں عنایت حسین بارات کے ساتھ آئے تھے۔ انہوں نے سید کھیڑی کے سیّدوں کے پہلے محلہ کے رہائشی احمد حسن ولد محمد حسن سے تصدق کو شادی میں شرکت کرنے پر آمادہ کرنے کا کہا۔ احمد حسن گئے اور تصدق کو منا کر شادی میں لے آئے۔ تونگر کے بھائی تفضل بارات میں گھوڑی پر بیٹھ کر آئے تھے اور انہوں نے گھوڑی کے گلے میں چاندی کا ہار ڈالا ہوا تھا۔[1]

مولویوں کا خاندان

مولویوں کا خاندان رستم علی کی اولاد پر مشتمل تھا۔ رستم کے والد اسد علی اور دادا ببر علی تھے۔ رستم کا تعلق راجو کی ساتویں نسل سے تھا۔ ان کے تین بیٹے قاسم علی، نظام علی اور نیاز علی تھے۔[2] ان کی ایک بیٹی بھی تھیں جن کی شادی بڑی حویلی ہی میں ایزد بخش ولد الٰہی بخش سے ہوئی۔ مولویوں کے خاندان کے افراد بڑی حویلی میں رہتے تھے۔

مولوی قاسم علی

رستم علی کے بیٹے قاسم علی کو دینی عِلم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ وہ اپنے شوق کی تکمیل کے سلسلہ میں عراق گئے اور وہاں مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سید کھیڑی واپس آکر گاؤں کے افراد کو دینی مسائل سے آگاہ کیا۔[3] وہ گاؤں میں بچّوں کو ابتدائی دینی تعلیم بھی دیتے تھے اور مولوی قاسم کے نام سے مشہور تھے۔ سیّدوں کے تیسرے محلہ کے مکین مہدی حسین ولد فرزند علی نے بھی ابتدائی تعلیم مولوی قاسم سے ۱۸۷۰ء کی دہائی میں حاصل کی۔ بعدازاں مہدی نے مرزا

---

۱ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ اگست ۲۰۰۶ء

۲ شجرہ نسب ترمذی سادات

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

غلام احمد قادیانی کا نظریہ اپنا لیا۔ مہدی نے اپنی یادداشتوں میں مولوی قاسم کا ذکر اپنے پہلے استاد کے طور پر کیا ہے۔[۱]

مولوی قاسم کی مذہبی خدمات کا دائرہ ان دیہاتوں تک پھیلا ہوا تھا جہاں راجو کی اولاد کے رشتہ دار رہتے تھے۔ یہ ان کی مذہبی کاوشوں اور تبلیغ کے اثرات کا نتیجہ تھا کہ ان کے والد کے سارے خاندان کو مولویوں کا خاندان کہا جانے لگا۔ مولوی قاسم اور رمضان علی ولد برکت علی ہم عصر تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی مخلصانہ دینی خدمات کے اثرات راجو کی اولاد پر آنے والے زمانہ میں بہت عرصہ تک محسوس کیے جاتے رہے۔ مولوی قاسم اپنے والدین اور بچّوں کے ساتھ بڑی حویلی میں رہتے تھے۔[۲] ان کے دو بیٹے محمد حسین اور مہدی حسین اور ایک بیٹی تھیں۔

مولوی قاسم کے بیٹے محمد حسین پر اپنے والد کی تربیت کے اثرات تھے۔ انہیں حج کرنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ محمد حسین کے دو بیٹے احمد حسین اور بندے علی اور ایک بیٹی تھیں۔ محمد حسین کی بیٹی کی شادی باقر حسین ولد ایزد بخش سے ہوئی۔[۳] مولوی قاسم کے دوسرے بیٹے مہدی حسین کی شادی فضلی دختر ایزد بخش سے ہوئی اور ان کے ایک فرزند محمد سالم ہوئے۔[۴]

احمد حسین

احمد حسین کے والد محمد حسین اور دادا مولوی قاسم تھے۔ وہ راجپورہ کچہری میں ملازم تھے۔ وہ اپنے کنبہ کے ساتھ بڑی حویلی میں رہتے تھے اور سیدکھیڑی سے روزانہ راجپورہ جاتے تھے۔ راجو کی باقی اولاد کی طرح ان کی آبائی زمین بھی تھی۔[۵] وہ بہت شریف انسان تھے اور گاؤں میں ہونے والے جھگڑوں سے بڑی حد تک لا تعلق رہتے تھے۔ وہ اپنے بچّوں خصوصاً بیٹیوں سے بہت محبّت کرتے تھے۔

احمد حسین نے تین شادیاں کیں اور ان کے چار بیٹے اور آٹھ بیٹیاں ہوئیں۔ پہلی شادی انھوں نے ساڈھورہ میں قطب حسین کی بیٹی سے کی اور ان کے ایک بیٹی خورشید بانو ہوئیں۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد احمد نے دوسری شادی زہرا دختر نذیر حسین سے سامانا میں کی۔ نذیر سامانا میں تھانیدار تھے۔ ان کے تین بیٹیاں تھیں اور بیٹا کوئی نہ تھا۔ زہرا بہت پردہ دار خاتون تھیں۔ احمد اور زہرا کے ایک بیٹا ہادی علی اور چار بیٹیاں رضیہ خاتون، ذکیہ خاتون، رقیہ خاتون اور ناصری خاتون ہوئیں۔ ناصری ابھی بہت چھوٹی تھیں کہ ان کی والدہ فوت ہو گئیں۔ انہیں بکری کے دودھ پر پالا گیا۔[۶] دوسری بیوی کی وفات کے

---

۱ یادداشتیں سیّد مہدی حسین ولد فرزند علی — قلمی نسخہ — ربوہ

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ سیّد علی ولد احمد حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۰ فروری 2011ء
سیّدہ رضوانہ خاتون دختر محمد محسن (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۹ جولائی 2018ء

۴ سیّد حسنین علی ولد محمد سالم (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — شیخن — یکم اپریل ۲۰۰۷ء

۵ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۶ سیّدہ حاجرہ شمیم عرف چھمن دختر محمد محسن (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲۴ مئی 2010ء

بعد احمد نے تیسری شادی کاظمی دختر مہربان علی سے سرالہ گاؤں میں کی۔ کاظمی کے والدین ان کی شادی سے پہلے فوت ہو چکے تھے اور ان کے چچا نے ان کی شادی کا فرض نبھایا۔ کاظمی کے ایک بھائی ضامن تھے جنہیں کسی نے زہر دے کر مار دیا تھا۔ احمد اور کاظمی کے تین بیٹے ہاشم علی، سیّد علی اور جعفر رضا اور تین بیٹیاں کنیز، انیس اور ہاشمی ہوئیں۔ بیٹے سب بڑے تھے اور بیٹیاں چھوٹی تھیں۔[۱]

احمد نے اپنی بڑی بیٹی خورشید بانو کی شادی بڑی حویلی کے رہائشی محمد نقی ولد محمد بخش سے کی۔ دوسری بیٹی رضیہ کی شادی غلام عباس بخاری سے کی جو رسول پور سیداں، ترپڑی، تحصیل و ریاست پٹیالہ کے رہنے والے تھے۔ غلام عباس اور رضیہ کے ایک فرزند وزیر حسن اور دو بیٹیاں طاہرہ اور نجمہ ہوئیں۔ غلام عباس اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ وہ ۳۰ سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ بیوہ رضیہ نے رسول پور سیداں میں ہی اپنے بچّوں کی پرورش کی۔ ایک اتوار کو رضیہ کے والد احمد ان کے پاس جاتے تھے اور دوسری اتوار کو ان کے بھائی ہادی ان کے پاس جاتے تھے تاکہ اپنی بیوہ بیٹی اور بہن کی اخلاقی مدد کا فرض پورا کریں۔ احمد نے اپنی تیسری بیٹی ذکیہ کی شادی اپنی پہلی بیوی کے بھائی دلدار حسین ولد قطب حسین سے کی جو ساڈھورہ میں رہتے تھے۔ احمد نے اپنی چوتھی بیٹی رقیہ کی شادی دلاور حسین سے کی جو سامانا کے رہنے والے تھے اور پٹیالہ میں ضلع دار کی حیثیت سے ملازم تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ دلاور کی یہ دوسری شادی تھی۔ پہلی شادی سے ان کے دو بیٹے علمدار اور ابرار اور تین بیٹیاں رشیدہ، عقیلہ اور امینہ تھیں۔ احمد نے اپنی پانچویں بیٹی ناصری کی شادی محمد محسن ولد غلام عباس سے کی۔ محسن پہلی چھوٹی حویلی میں رہتے تھے۔[۲]

ہادی علی

احمد حسین کے بیٹے ہادی علی نے راجپورہ سکول سے مڈل کیا اور پھر راجپورہ عدالتوں میں ایک وکیل کے ساتھ بطور منشی کام کرنے لگے۔ اپنے والد کی طرح وہ بھی روزانہ صبح راجپورہ جاتے تھے اور شام کو گاؤں واپس آ جاتے تھے۔ ہادی کی شادی سعیدہ بیگم دختر رضا حسین نمبردار سے راجگڑھ میں ہوئی۔ شادی کے بعد انہوں نے بڑی حویلی ہی میں اپنے لیے علیحدہ کمرہ بنوا لیا تھا۔ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔[۳] ہادی راجپورہ سے آتے ہوئے اپنے محلہ کی بیوہ عورتوں کے لیے سودا لے آتے تھے۔ وہ بیوہ عورتوں کے لیے محلہ کے کنویں سے پانی بھر کر بھی دیتے تھے۔[۴]

---

۱ سید علی ولد احمد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۷ مئی ۲۰۱۰ء

۲ سیّدہ حاجرہ شمیم دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲۴ مئی ۲۰۱۰ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جولائی ۲۰۰۷ء

ہاشم علی

احمد حسین کے بیٹے ہاشم علی نے راجپورہ سکول سے چند جماعتیں پڑھیں۔[1] وہ بچپن میں شرارتیں کرتے تھے۔ گھر کے سامان جیسے کرسی یا کسی برتن کے ساتھ رسی باندھ کر اسے محلہ میں گھسیٹتے پھرتے تھے اور جب ناشپاتیاں بیچنے والا آتا تو اسے دے کر ناشپاتیاں کھا لیتے تھے۔ نذر حسین کے فرزند خادم حسین بھی عموماً شرارتوں میں ہاشم کا ساتھ دیتے تھے۔ وہ دونوں تصدق حسین کے گھر سے کہیں باہر جانے کی تاک میں رہتے تھے۔ تصدق اپنے کمرے کو تالا لگا کر باہر چلے جاتے تو ہاشم اور خادم ان کے کمرے میں پچھلی طرف سے داخل ہو کر ان کی کھانڈ اور کھانے کی دوسری چیزیں اٹھا لاتے تھے اور باہر بیٹھ کر کھا جاتے تھے۔ تصدق واپس آکر اپنی چیزیں غائب دیکھتے تو فوراً جا کر احمد حسین اور نذر حسین سے ان کے بچّوں کی شکایت کرتے تھے۔ ہاشم اور خادم دوسروں کے گھروں میں جا کر دودھ بھی چوری پی جاتے تھے۔ اس مقصد کے لیے وہ گندم کا سٹہ توڑ کر نلکی بناتے تھے۔ احمد سے عموماً لوگ ہاشم کی شرارتوں کی شکایت کرتے تھے۔[2] ایک مرتبہ ذوالفقار حسین ولد احمد حسن نے بھی ہاشم اور خادم کے ساتھ مل کر تیسرے محلہ کے ایک گھر میں چوری دودھ پیا۔[3]

سیّد علی و جعفر رضا

احمد حسین کے بیٹے سیّد علی اور جعفر رضا دونوں بھائی تقسیم ہند کے وقت راجپورہ سکول میں پڑھتے تھے۔ سیّد علی نے پہلی کلاس سُروں سکول سے پاس کی تھی۔ پھر انہیں ان کے والد نے راجپورہ سکول میں داخل کروا دیا تھا۔ قربان علی ولد محمد یٰسین اور ذوالفقار حسین ولد احمد حسن ان کے ہم عمر اور دوست تھے۔ سیّد علی اپنے بھائیوں ہاشم علی اور جعفر رضا کے ساتھ عموماً سکول سے چھٹی کے بعد کوئی چیز کھانے کے لیے اپنے والد کے پاس عدالتوں میں چلے جاتے تھے۔ ان کے والد انہیں چیز منگوا دیتے تھے اور کبھی ایک آنہ دے دیتے تھے جس سے وہ خود کوئی چیز لے کر کھا لیتے تھے۔ تقسیم ہند کے وقت سیّد علی کی عمر تقریباً ۱۳ سال تھی۔ ہاشم ان سے دو سال بڑے اور جعفر تین سال چھوٹے تھے۔

سیّد علی کے مطابق: ”بھائی ہادی کی زوجہ سعیدہ ہمارے لیے ماں کی طرح تھیں۔ وہ ہمیں خود جو چاہے کہتیں لیکن کسی دوسرے کو کچھ نہ کہنے دیتی تھیں۔ ایک دفعہ وزیر حسن نے مجھے کچھ کہہ دیا تو سعیدہ نے اسے بہت سنائیں۔“ [4]

بندے علی

بندے علی کے والد محمد حسین اور دادا مولوی قاسم تھے۔[5] بچپن میں وہ اپنے ہم عمر لڑکوں کی بجائے لڑکیوں اور

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۹ اگست ۲۰۱۰ء

۳ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ اگست ۲۰۰۶ء

۴ سیّد علی ولد احمد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۷ مئی ۲۰۱۰ء، ۱۰ فروری ۲۰۱۱ء

۵ شجرہ نسب ترمذی سادات

عورتوں میں بیٹھتے تھے۔ اس رجحان کے باعث انہیں بزرگوں سے جھڑکیاں بھی سننی پڑتی تھیں۔ تاہم اس رجحان پر قابو پانا شاید ان کے بس میں نہ تھا۔ بڑے ہوئے تو وہ ہجڑوں میں شامل ہو گئے اور اپنا نام رشیدن رکھا۔ جب وہ اپنے بھتیجے ہادی علی ولد احمد حسین کی شادی میں شرکت کے لیے آئے تو انہوں نے رنگ برنگے ریشمی کپڑے اور نتھ پہنی ہوئی تھی۔[1] وہ سید کھیڑی آتے تو اپنے محلہ میں سب کے لیے تحائف لاتے تھے۔ ایک دفعہ بندے علی سید کھیڑی آئے تو امامی کے لیے اونچی ایڑی والے بوٹ لے آئے۔ امامی نے وہ بوٹ پہن لیے۔ اگلے روز امامی کے والد باقر حسین نے امامی کو بوٹ پہنے دیکھا تو پوچھا: "یہ بوٹ کون لایا ہے؟" امامی نے کہا: "چاچا بندے نے دیے ہیں۔" باقر نے کہا: "اسے فوراً اتار دو اور آئندہ کبھی نہ پہننا۔" باقر بندے کی شکل بھی نہیں دیکھتے تھے۔ سیّدہ امامی صغریٰ کے مطابق: "احمد کے گھرانے کے لیے بندے علی کی حیثیت ایک بادشاہ کی تھی کیونکہ وہ بہت خرچ کرتے تھے۔ اپنی بھتیجیوں رقیہ اور ناصری کا جہیز بھی انہوں نے دیا تھا۔"[2] بندے علی محرم کے عشرہ میں یا پھر کسی خاص موقع پر ہی سید کھیڑی آتے تھے۔ محرم کی مجالس سننے کے لیے وہ مردوں میں بیٹھتے تھے نہ عورتوں میں بلکہ امام بارگاہ کے صحن میں بیٹھتے تھے۔[3] وہ مجالس پہ کافی پیسہ خرچ کرتے تھے اور محرم کے عشرہ میں روزانہ نیاز تقسیم کرتے تھے۔ گاؤں میں وہ باقر، غلام عباس اور نذر سے چھپتے تھے اور باقی کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد ہونے والے فسادات کے دوران انہیں بلوائیوں نے پیل میں قتل کر دیا۔[4]

محمد سالم

محمد سالم کے والد مہدی حسین اور دادا مولوی قاسم تھے۔[5] وہ سید کھیڑی میں ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ فضلی دختر ایزد بخش تھیں۔ وہ ابھی دو سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ان کے والدین فوت ہو گئے۔ انہیں ان کے ماموں باقر حسین اور ممانی ذکی نے پالا۔ انہوں نے راجپورہ سکول سے چند جماعتیں پڑھیں۔ باقر نے انہیں مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۱۹ء کو پولیس میں بھرتی کروا دیا۔ اسی روز باقر کے فرزند یاور پیدا ہوئے۔ لوگوں نے باقر کو دوہری مبارک باد دی۔ ایک بیٹا پیدا ہونے پر اور دوسری بھانجے کے پولیس میں بھرتی ہونے پر۔ سالم کو ضلع کرنال میں تعینات کیا گیا۔ ان کے ماموں باقر پہلے ہی سے کرنال پولیس میں ملازم تھے۔

سالم نے دو شادیاں کیں۔ ان کی پہلی شادی ان کے ماموں کی بیٹی مشتاق فاطمہ عرف پھاتی دختر باقر حسین سے سید کھیڑی میں ہوئی۔ پھاتی کی وفات کے بعد سالم نے دوسری شادی کلثوم بیگم عرف ثمی دختر جعفر حسین سے بھور میں کی۔ ثمی کو سید کھیڑی میں بھورو بھی کہتے تھے۔ ثمی کی والدہ نواب بیگم سید کھیڑی کی تھیں اور سیّدوں کے دوسرے محلہ کے محمد

---

۱ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ منڈی بہاؤالدین ـــ ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ اسلام آباد ـــ ۲۵ جنوری ۲۰۱۹ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ منڈی بہاؤالدین ـــ ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۵ شجرہ نسب ترمذی سادات

کاظم نمبردار کی زوجہ کی بہن تھیں۔ سالم اور ثمی کے ہندوستان میں تین بیٹیاں اور دو بیٹے ہوئے۔ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا بچپن میں فوت ہو گئے۔ تقسیم ہند کے وقت ان کا بیٹا حسنین علی دو سال کا اور بیٹی مسیتی ۱۰ سال کی تھیں۔[۱] ان کے بیوی بچّے بڑی حویلی میں رہتے تھے۔ سالم چھٹی کے دن ہی سیدکھیڑی آتے تھے۔ تقسیم ہند سے چند سال پہلے انہوں نے سیّدوں کے پہلے محلہ ہی میں علیحدہ مکان بنا لیا تھا اور اپنے کنبہ کو وہاں شفٹ کر دیا تھا۔ اپنے نئے مکان میں انہوں نے ایک ہینڈ پمپ (نلکا) بھی لگوایا۔ وہ گاؤں میں پہلا اور واحد ہینڈ پمپ تھا۔ تقسیم ہند تک سیدکھیڑی میں کوئی دوسرا ہینڈ پمپ نہیں لگا تھا۔[۲] سالم ایک دفعہ گاؤں آتے ہوئے ریکارڈنگ والا توا لے آئے اور یہ کہہ کر نذر حسین کو دے دیا کہ اس پر مرثیے ہیں۔ نذر نے جب توا چلایا تو گانا بجنے لگا۔ نذر نے سالم کو خوب سنائیں۔[۳]

پولیس میں سالم کا عہدہ فٹ کانسٹیبل اور پولیس نمبر ۳۴۴ تھا۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۴۷ء تک سالم کو اچھی کارکردگی کی بنا پر ان کے محکمہ کی طرف سے ۵۱ تعریفی سرٹیفکیٹس دیے گئے۔ آٹھ سرٹیفکیٹس کے ساتھ انہیں نقد مالی انعام بھی ملا اور یہ انعام دو روپے سے ۱۰ روپے تک تھا۔ ان کے چار سرٹیفکیٹس پر کوئی ''کیش ایوارڈ نہیں'' بھی لکھا گیا۔ انہیں ۵۱ سرٹیفکیٹس میں سے ۲۹ مختلف ملزمان کو گرفتار کرنے کی بنا پر ملے اور تین مشتبہ افراد کو حراست میں لینے، تین چوری کیا ہوا مال برآمد کرنے، ایک آگ بجھانے میں مدد کرنے اور باقی مختلف نوعیت کے مقدمات میں اچھی کارکردگی کی بنا پر ملے۔ انہیں ۴۶ سرٹیفکیٹس سپرانٹنڈنٹ آف پولیس کرنال کی طرف سے اور چار کلیکٹر ضلع کرنال کی طرف سے دیے گئے۔ ایک سرٹیفکیٹ سپرانٹنڈنٹ آف پولیس پٹیالہ کی طرف سے بھی دیا گیا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد انہوں نے پاکستان میں پولیس کی ملازمت کو جاری رکھا اور اچھی کارکردگی کی بنا پر کئی تعریفی سرٹیفکیٹس حاصل کیے۔ ہندوستان میں محکمہ پولیس اور ایکسائز کی طرف سے سالم کی خدمات کو تعریفی سرٹیفکیٹس کے ذریعے سراہے جانے کی مختصر رُوداد یہ ہے:

۱۔ ضلع کرنال کے گاؤں گمتھلا میں ۱۹۲۲ء میں آگ بھڑک اٹھی۔ سالم نے اس آگ کو بجھانے میں جانفشانی سے اپنا کردار ادا کیا۔

۲۔ ۱۹۲۶ء میں کرنال شہر کے پولیس اسٹیشن میں کہر سنگھ، منگل سنگھ اور دلیپ سنگھ کے خلاف دفعہ ۱۰۹ سی پی سی کے تحت ایف آئی آر درج ہوئی۔ ملزمان کی گرفتاری میں سالم کے کردار کو ان کے محکمہ کی طرف سے ۱۹۲۷ء میں سراہا گیا۔

۳۔ کرنال شہر کے پولیس اسٹیشن میں ۱۹۲۷ء میں محمد علی اور بلونت سنگھ کے خلاف زیر دفعہ ۳۸۰ آئی پی سی (انڈین پینل کوڈ) چوری کی ایف آئی آر نمبر ۵۰ درج ہوئی۔ سالم نے چوری کیے جانے والے مال کو برآمد کرنے میں اپنا

---

۱ سیّد حسنین علی ولد محمد سالم (سابق رہائشی سیدکھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ/بذریعہ فون ــــ شیخن ــــ یکم اپریل ۲۰۰۷ء، ۲۳ جون ۲۰۱۱ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ منڈی بہاؤالدین ــــ ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

کردار اچھی طرح ادا کیا۔

۴۔ لدوا پولیس اسٹیشن میں کرمو کے خلاف زیر دفعہ ۱۰۹ آئی پی سی ایک کیس ۱۹۲۹ء میں درج ہوا۔ سالم کو اس کیس میں اچھی خدمات سر انجام دینے پر تعریفی سرٹیفکیٹ کے ساتھ مبلغ پانچ روپے انعام بھی ملا۔

۵۔ لدوا پولیس اسٹیشن میں ہی گُرجی وغیرہ آٹھ ملزمان کے خلاف ایک کیس زیر دفعہ ۲۴-۶-۲۲ سی ٹی ایکٹ، ایف آئی آر نمبر ۳۹/۳۸ درج ہوا۔ سالم نے آٹھ ملزمان کی گرفتاری میں اپنا فرض احسن طریقہ سے نبھایا۔ انہیں اس کیس میں مبلغ ۱۰ روپے انعام بھی ملا۔

۶۔ محکمہ ایکسائز کی طرف سے پانی پت کے جگو رام وغیرہ کے خلاف ایک کیس ۱۹۳۲ء میں درج ہوا جس میں سالم نے گرانقدر خدمات سر انجام دیں۔ ان کی خدمات کا اقرار ایکسائز والوں نے انہیں دیے جانے والے تعریفی سرٹیفکیٹ میں کیا۔

۷۔ تھانیسر کے پولیس اسٹیشن میں ملزم پیرو کے خلاف زیر دفعہ ۲۴-۶-۲۲ ایف آئی آر نمبر ۱۰ درج ہوئی۔ سالم نے ملزم کو قابل تحسین مہارت سے گرفتار کیا۔ انہیں اس کیس میں مبلغ پانچ روپے انعام بھی ملا۔

۸۔ پولیس اسٹیشن راجوند میں ملزم سردارا کے خلاف زیر دفعہ ۱۰۹ سی پی سی ایک ایف آئی آر درج ہوئی۔ سالم نے ملزم سردارا کی گرفتاری میں اچھا کردار ادا کیا۔

۹۔ پولیس اسٹیشن راجوند میں ہی سالم نے ۱۹۳۵ء میں ملزم جاٹی کو گرفتار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ملزم جاٹی زیر دفعہ ۱۰۹ سی پی سی کیس میں مطلوب تھا۔ اس کیس میں سالم کو مبلغ دو روپے انعام بھی ملا۔

۱۰۔ اسی پولیس اسٹیشن میں ۱۹۳۴ء میں ایک کیس زیر دفعہ ۴۵۷ آئی پی سی اور ایف آئی آر نمبر ۴۷ درج ہوا۔ اس کیس میں سالم کی اچھی کارکردگی کو ۱۹۳۵ء میں ان کے محکمہ کی طرف سے سراہا گیا۔

۱۱۔ ۱۹۳۵ء میں ہی سالم نے ملزم عبدالکریم کو گرفتار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کیس کی ایف آئی آر نمبر ۷۵ پولیس اسٹیشن راجوند میں درج ہوئی تھی۔

۱۲۔ اسی سال اسی پولیس اسٹیشن میں زیر دفعہ ۱۰۹ سی پی سی درج کیس میں نامزد ملزمان کو گرفتار کرنے میں سالم کے کردار کو سراہا گیا۔

۱۳۔ اسی سال اسی پولیس اسٹیشن میں ایک کیس زیر دفعہ ۷۸-۱۱-۱۹ اور ایف آئی آر نمبر ۲۶ درج ہوا۔ سالم نے اس کیس میں قابل ستائش خدمات انجام دیں۔

۱۴۔ اسی سال اسی پولیس اسٹیشن میں محکمہ ایکسائز کی طرف سے ریچند والا گاؤں کے بھگوانا عرف بھانا کے خلاف ایک کیس درج ہوا۔ سالم نے اس کیس میں قابل قدر خدمات انجام دیں اور انہیں تعریفی سرٹیفکیٹ کے ساتھ مبلغ پانچ روپے انعام بھی ملا۔

۱۵۔ ۱۹۳۵ء میں ہی کرنال شہر کے پولیس اسٹیشن میں ملزم بسنتا کے خلاف ایک کیس زیر دفعہ ۳۸۱ آئی پی سی اور

ایف آئی آر نمبر ۰۷ درج ہوا۔ بسنتا کو اس کیس میں اشتہاری ملزم قرار دے دیا گیا۔ سالم نے ملزم کی گرفتاری میں مؤثر کردار ادا کیا۔ ان کے محکمہ نے ۱۹۳۶ء میں ان کی خدمات کو سراہا۔

۱۶۔ پولیس اسٹیشن راجوند میں ٹیلی کھیڑا کے شیونی کے خلاف ۱۹۳۶ء میں درج ہونے والے محکمہ ایکسائز کے کیس میں سالم نے قابل قدر خدمات سر انجام دیں۔۱۹۳۷ء میں محکمہ ایکسائز نے ان کی خدمات کا اعتراف کیا۔

۱۷۔ ۱۹۳۸ء میں محکمہ پولیس کرنال نے پٹیالہ سٹیٹ کے ملزم علی محمد اور محمد شفیع فقیر کی گرفتاری میں سالم کے کردار کو سراہا۔ ان ملزمان کے خلاف پولیس اسٹیشن راجوند میں ایک کیس زیر دفعہ ۸/۷/۱۱/۱۰ اور ایف آئی آر نمبر ۵۳ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۳۷ء کو درج ہوا تھا۔

۱۸۔ ملزم سوہنا کی گرفتاری میں سالم کے احسن کردار کا اعتراف ۱۹۴۰ء میں کیا گیا۔ اس ملزم کے خلاف پولیس اسٹیشن راجوند میں زیر دفعہ ۴۵۷ آئی پی سی، ایف آئی آر نمبر ۵۹ مورخہ ۵ جون ۱۹۳۸ء کو درج ہوئی تھی۔

۱۹۔ ملزم بلدپوئی کی گرفتاری میں اچھا کردار ادا کرنے پر اسی سال یعنی ۱۹۴۰ء میں سالم کو سراہا گیا۔ اس ملزم کے خلاف پولیس اسٹیشن لدوا میں ایک کیس زیر دفعہ ۳۹۴/۳۲۸ آئی پی سی، ایف آئی آر نمبر ۵۰ مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۳۹ء کو درج ہوا تھا۔

۲۰۔ ۲۲ جنوری ۱۹۴۰ء کو پولیس اسٹیشن لدوا میں ہی ایک کیس زیر دفعہ ۳۰۷ آئی پی سی اور ایف آئی آر نمبر ۸ درج ہوا۔ سالم نے اس کیس میں اہم کردار ادا کیا۔ انہیں تعریفی سرٹیفکیٹ کے ساتھ مبلغ ۱۰ روپے انعام بھی دیا گیا۔

۲۱۔ ۱۹۴۰ء ہی میں جوا کھیلنے کے خلاف ایک کیس زیر دفعہ ۶۷-۳-۱۳ اور ایف آئی آر نمبر ۲۷ لدوا پولیس اسٹیشن میں درج ہوا۔ اس کیس میں سالم کے اہم کردار کو سراہا گیا۔

۲۲۔ اسی سال سالم نے ملزم بخشی وغیرہ کو گرفتار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان ملزمان کے خلاف پولیس اسٹیشن لدوا میں ایک کیس زیر دفعہ ۱۰۹ سی پی سی، ڈیلی ڈائری رپورٹ نمبر ۱۱، ۳۱ مئی ۱۹۴۰ء کو درج ہوا تھا۔

۲۳۔ اسی سال سالم نے محکمہ ایکسائز کے ایک کیس میں قابل قدر خدمات سر انجام دیں۔ یہ کیس حوبارا کے حلون سنگھ، جارو سنگھ، پلگا سنگھ اور بسباؤ سنگھ کے خلاف تھا۔ سالم کو اس کیس میں تین روپے نقد انعام بھی ملا۔

۲۴۔ ۱۹۴۱ء میں ملزم نظام الدین کی گرفتاری میں سالم کی خدمات کو تسلیم کیا گیا۔ ملزم ہمراہ دو بھینسوں کے پکڑا گیا۔ ملزم کے خلاف پولیس اسٹیشن لدوا میں ایک کیس زیر دفعہ ۴۱۱ آئی پی سی اور ایف آئی آر نمبر ۴۷ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۴۷ء کو درج ہوا تھا۔

۲۵۔ اسی سال سالم نے ملزم کیدار کی گرفتاری میں قابل تحسین خدمات سر انجام دیں۔ ملزم کے خلاف ایک کیس زیر دفعہ ۱۰۹ سی پی سی، ڈیلی ڈائری رپورٹ نمبر ۱۵، مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۹۴۱ء کو لدوا پولیس اسٹیشن میں درج ہوا تھا۔

۲۶۔ اسی سال پولیس کی ایک گشتی پارٹی نے ملزم اتما رام کو گرفتار کیا۔ سالم بھی اس پولیس پارٹی کا حصّہ تھے۔ ملزم کے خلاف ایک کیس زیر دفعہ ۱۰۹ سی پی سی، ڈیلی ڈائری رپورٹ نمبر ۱۵، مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۴۱ء کو لدوا پولیس اسٹیشن

میں درج ہوا تھا۔ ملزم اتمارام کی گرفتاری پر سالم کو مبلغ دو روپے نقد انعام بھی ملا۔

۲۷۔ ۱۹۴۲ء میں سالم نے ملزم علیم الدین کی گرفتاری میں اہم کردار ادا کیا۔ ملزم کے خلاف پولیس اسٹیشن لدوا میں ایک کیس زیر دفعہ ۱۰۹ سی پی سی، ڈیلی ڈائری رپورٹ نمبر ۱۷، مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۴۲ء کو درج ہوا تھا۔

۲۸۔ ۱۹۴۳ء میں سالم نے مٹھا وغیرہ سات ملزمان کی گرفتاری میں اہم کردار ادا کیا۔ ان ملزمان کے خلاف پولیس اسٹیشن پانی پت شہر میں ایک کیس زیر دفعہ ۶۷-۳-۱۳ مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۴۳ء کو درج ہوا تھا۔

۲۹۔ اسی سال سالم نے ملزم عبدالسلام کو رنگے ہاتھوں پکڑنے میں احسن کردار ادا کیا۔ ملزم کے خلاف پولیس اسٹیشن پانی پت شہر میں ایک کیس زیر دفعہ ۶۷-۳-۱۳ ایف آئی آر نمبر ۸، مورخہ ۵ فروری ۱۹۴۳ء کو درج ہوا تھا۔

۳۰۔ اسی سال پولیس کی ایک گشتی پارٹی نے ایک ملزم صدیق کو مشکوک حالت میں گرفتار کیا۔ سالم اس پولیس پارٹی میں شامل تھے۔ ملزم کے خلاف پولیس اسٹیشن کیتھل میں ایک کیس زیر دفعہ ۱۰۹/۵۵ سی پی سی، ڈیلی رپورٹ نمبر ۲۵، مورخہ ۳۱ اگست ۱۹۴۳ء کو درج ہوا تھا۔

۳۱۔ اسی سال سالم نے ملزم خیر دین کو بمعہ چوری کیے ہوئے جانوروں کے گرفتار کرنے میں احسن کردار ادا کیا۔ ملزم کے خلاف پولیس اسٹیشن کیتھل میں ایک کیس زیر دفعہ ۴۱۱ آئی پی سی، ایف آئی آر نمبر ۱۴۹، مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو درج ہوا تھا۔ سالم کے کام کو ان کے محکمہ نے ۱۹۴۴ء میں سراہا۔

۳۲۔ اسی سال سالم نے ناکہ بندی کے دوران ایک مشکوک اجنبی کو گرفتار کیا۔ اس گرفتاری کا پولیس اسٹیشن کیتھل میں ڈیلی ڈائری رپورٹ نمبر ۳۷ کے تحت مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۴۳ء کو اندراج ہوا تھا۔ گرفتار ہونے والا شخص یو پی کا برا آدمی نکلا۔ سالم کے کام کو ان کے محکمہ کی طرف سے ۱۹۴۴ء میں سراہا گیا۔

۳۳۔ پولیس اسٹیشن کیتھل میں ملزم کندن کے خلاف ایک کیس نمبر ۱۰۰، زیر دفعہ ۳۷۹/۴۱۱ آئی پی سی، مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۴۳ء کو درج ہوا۔ کندن کو اشتہاری ملزم قرار دے دیا گیا۔ سالم نے ملزم کی گرفتاری میں اہم کردار ادا کیا۔ سالم کے محکمہ نے ۱۹۴۴ء میں اس کیس میں ان کے اہم کردار کو سراہا۔

۳۴۔ ۱۹۴۳ء میں ہی سالم نے ایک ملزم کو ہمسایہ سٹیٹ میں اناج سمگل کرتے ہوئے گرفتار کر لیا۔ اس ملزم کے خلاف کیتھل پولیس اسٹیشن میں ایک کیس، ایف آئی آر نمبر ۱۲۳، مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۴۳ء زیر رول ۸۱ ڈی او آئی رولز، درج ہوا تھا۔ اس کیس میں سالم کی خدمات کو ۱۹۴۴ء میں سراہا گیا۔

۳۵۔ ۱۹۴۴ء میں سالم نے ایک مشکوک مجرم کو پکڑنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ملزم کے خلاف ایک کیس زیر دفعہ ۱۰۹/۱۶ سی آر پی سی، ڈیلی ڈائری رپورٹ نمبر ۱۶، مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۴۴ء کو پولیس اسٹیشن کیتھل میں درج ہوا تھا۔

۳۶۔ اسی سال سالم نے اناج کی برآمد کے خلاف ناکہ بندی میں مدد کی۔ یہ ناکہ بندی کیتھل پولیس اسٹیشن میں درج ہونے والے ایک کیس کے تحت عمل میں آئی۔

۳۷۔ اسی سال سالم نے ٹھسکہ پولیس اسٹیشن میں درج ایک کیس میں قابل ستائش کردار ادا کیا۔ یہ کیس روہٹی کے بھاڈی ولد گولا کے خلاف زیر دفعہ ۱۰۴/۵۵ سی پی سی، ڈی ڈی نمبر ۳، مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۴۴ء کو درج ہوا تھا۔

۳۸۔ اسی سال سالم نے پولیس اسٹیشن کیتھل میں زیر دفعہ ۴۵۷ آئی پی سی، ایف آئی آر نمبر ۲۸، مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۴۴ء کو درج ایک کیس میں قابل ستائش خدمات سر انجام دیں۔

۳۹۔ اسی سال سالم نے ملزم سانتی وغیرہ کو اس وقت گرفتار کرنے میں اہم کردار ادا کیا جب وہ سٹیٹ سے چاول بر آمد کر رہے تھے۔ ملزمان کے خلاف ایک کیس زیر رول ۸۱ ڈی او آئی آر، ایف آئی آر نمبر ۱۷۱، مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۴۴ء کو پولیس اسٹیشن کیتھل میں درج ہوا تھا۔

۴۰۔ سالم نے مورخہ ۷ نومبر ۱۹۴۴ء کو پولیس اسٹیشن کیتھل میں زیر دفعہ ۴۵۹ آئی پی سی، ایف آئی آر نمبر ۱۸۴، درج ہونے والے ایک کیس میں اہم کردار ادا کیا۔

۴۱۔ اسی سال پولیس اسٹیشن کیتھل میں زیر دفعہ ۳۹۴ آئی پی سی، ایف آئی آر نمبر ۱۹۷، مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۹۴۴ء کو درج ہونے والے ایک کیس میں سالم نے قابل تعریف کام کیا۔

۴۲۔ ۱۹۴۵ء میں سالم نے کیتھل پولیس اسٹیشن میں درج ایک کیس میں چوری کا مال بر آمد کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ کیس زیر دفعہ ۳۸۱ آئی پی سی، ایف آئی آر نمبر ۲، مورخہ ۲ جنوری ۱۹۴۵ء کو درج ہوا تھا۔

۴۳۔ اسی سال سالم نے زیر رول ۸۱ ڈی او آئی آر، ایف آئی آر نمبر ۱۷۰، مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۴۵ء کو پولیس اسٹیشن کیتھل میں درج ایک کیس میں قابل تحسین کردار ادا کیا۔

۴۴۔ ۱۹۴۶ء میں سالم نے ایک کیس کی تفتیش اور ملزمان سے پوچھ گچھ میں قابل ستائش خدمات سر انجام دیں۔ یہ کیس زیر دفعہ ۳۰۲/۴۶۰ آئی پی سی اور ایف آئی آر نمبر ۱۶/۴۶ پولیس اسٹیشن کیتھل میں درج ہوا تھا۔ سالم کو اس کیس میں مبلغ ۱۰ روپے نقد انعام بھی ملا۔ یہ ۱۰ روپے اس ۵۰۰ روپے میں سے ملے جو کہ مدعی نے پولیس والوں کو دیے تھے۔

۴۵۔ اسی سال سالم نے چھ اشتہاری ملزموں کو گرفتار کرنے میں مدد کی۔ یہ ملزمان گوہلہ پولیس اسٹیشن میں درج ایک کیس میں مطلوب تھے۔ یہ کیس ۱۹۴۵ء میں زیر دفعہ ۴۵۸ آئی پی سی اور ایف آئی آر نمبر ۳۷ درج ہوا تھا۔

۴۶۔ ۱۹۴۶ء میں ہی سالم اس پولیس پارٹی کے ممبر تھے کہ جس نے ایک اطلاع ملنے پر اشتہاری ملزم فتو کو گرفتار کیا۔ فتو پولیس اسٹیشن کیتھل میں مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۴۵ء کو درج ہونے والے ایک کیس میں مطلوب تھا۔ یہ کیس زیر دفعہ ۴۵۴ آئی پی سی اور ایف آئی آر نمبر ۲۳۱ درج ہوا تھا۔

۴۷۔ اسی سال سالم نے ایک مخبر کو گرفتار کیا۔ ملزم کے خلاف ایک کیس زیر دفعہ ۴۱۱ آئی پی سی اور ایف آئی آر نمبر ۴۷ پولیس اسٹیشن کیتھل میں ۱۹۴۵ء میں درج ہوا تھا۔

۴۸۔ ۱۹۴۷ء میں سالم آٹھ آدمیوں پر مشتمل اس پولیس پارٹی کے ممبر تھے کہ جس نے جواریوں کو گرفتار کیا۔ ان

جواریوں کے خلاف ایک کیس، ایف آئی آر نمبر ۴۶/۶۸، پولیس اسٹیشن کیتھل میں درج ہوا تھا۔

۴۹۔ اسی سال سالم نے چوری کا مال برآمد کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس چوری کا کیس زیر دفعہ ۴۵۷ آئی پی سی، ایف آئی آر نمبر ۴۶/۹۹، پولیس اسٹیشن کیتھل میں درج ہوا تھا۔

۵۰۔ اسی سال سالم آٹھ ارکان پر مشتمل اس پولیس پارٹی کا حصّہ تھے کہ جس نے ایک اطلاع پر دو مشکوک اجنبیوں نتھو اور فرید کو گرفتار کیا۔ یہ کیس پولیس اسٹیشن کیتھل میں درج ہوا اور ملزمان کو زیر دفعہ ۱۰۹ سی پی آر سی سزا ہوئی۔

۵۱۔ پولیس اسٹیشن بھارو میں زیر دفعہ ۳۰۲ آئی پی سی درج ایک کیس میں سالم نے ملزم رام پرتاپ کو گرفتار کیا تو پٹیالہ ڈسٹرکٹ کے سپرانٹنڈنٹ پولیس ایس بھگوان سنگھ نے سالم کو ایک تعریفی سرٹیفکیٹ مورخہ ۱۹۹۱-۲-۱۸ ب کو دیا۔ ملزم کے خلاف ایک کیس مورخہ ۱۹۹۰-۱۰-۱۰ ب کو درج ہوا تھا۔[۱]

جعفر حسین

جعفر حسین کے والد علی حسین اور دادا نظام علی تھے جو مولوی قاسم کے بھائی تھے۔[۲] جعفر اپنے کنبہ کے ساتھ بڑی حویلی میں رہتے تھے۔ ان کی گزر اوقات زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی پر تھی۔ وہ اپنی زمین کو ٹھیکہ پر دے دیتے اور گھر بیٹھ کر کھاتے تھے۔[۳]

جعفر کی شادی فاطمہ دختر معصوم علی سے ساڈھورہ میں ہوئی اور ان کے پانچ بیٹے اسد علی، محمد سبطین عرف ببر علی و ببرا، طاہر رضا، افضل علی اور پنج علی ہوئے۔ پنج علی نے بچپن میں وفات پائی۔[۴] جعفر نے خود تعلیم حاصل کی نہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو سکول بھیجا۔ جعفر اور ان کے کنبہ کو راجو کی اولاد میں معاشی طور پر سب سے زیادہ کمزور سمجھا جاتا تھا لیکن وہ اپنے ذرائع پر ہی گزارہ کرتے تھے اور کسی پر انحصار نہیں کرتے تھے۔[۵] محمد سبطین کا نام شجرہ میں ببر علی لکھا ہے۔

سیّدوں کا دوسرا محلہ

سیّدوں کے دوسرے محلہ میں سیّد برادری کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد رہتے تھے:

---

۱ سیّد حسنین علی ولد محمد سالم نے اپنے والد کو ملنے والے سرٹیفکیٹس کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں کروا کے سیّد انوار علی ولد احسان علی کے ذریعہ مؤلف کو بھیجیں۔

۲ شجرہ نسب ترمذی سادات

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّد علی ولد احمد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۷ مارچ ۲۰۱۱ء

۵ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

محمد کاظم نمبردار

محمد کاظم کے والد صورت علی اور دادا شرف علی تھے۔[۱] وہ دوسرے محلہ کے نمبردار تھے اور اس حیثیت میں گاؤں کے اجتماعی معاملات میں ان کا ایک کردار تھا۔[۲] ۱۹۰۴ء میں راجو کی اولاد کے محلہ کی کنیز فاطمہ اور مریم النساء کی طرف سے امام بارگاہ ناصر علی کے نام کیے جانے والے وقف اور پھر ۱۹۱۶ء میں کنیز فاطمہ کی طرف سے مسجد ناصر علی اور امام بارگاہ ناصر علی کے نام کیے جانے والے وقف کے گواہوں میں محمد کاظم نمبردار شامل تھے۔[۳]

محمد کاظم کی شادی سیدکھیڑی ہی میں بتول سے ہوئی۔ بتول کی تین بہنیں حسنی بی بی، محمدن اور نواب بیگم تھیں۔ حسنی بی بی دوسرے محلہ کے امداد علی کی بیوی تھیں۔ محمدن ملیر کوٹلے بیاہی تھیں اور نواب بیگم بھور میں جعفر حسین کے ساتھ بیاہی تھیں۔[۴] محمد کاظم اور بتول کے ۱۴ بچّے ہوئے جن میں سے راکب حسین اور حشمت علی کے علاوہ باقی سب بچپن میں فوت ہو گئے۔ بچّوں میں راکب دسویں اور حشمت بارھویں نمبر پر تھے۔ سیّدہ طاہرہ خاتون کے مطابق: ”میرے تایا راکب پیدا ہوئے تو میرے دادا انہیں چھج میں ڈال کر کوٹھے پر لے گئے اور چھج کو اِدھر اُدھر ہلا کر کہا: ’اِسے لے لے ورنہ پھر ہم نہیں دیں گے۔‘ میرے دادا نے ایسا کئی مرتبہ کیا۔“ [۵]

راکب حسین نمبردار

محمد کاظم نمبردار کے فرزند راکب حسین نے راجپورہ سکول سے مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ ان کی انگریزی اچھی تھی۔ گاؤں میں کسی کا ٹیلیگرام آتا تو ان سے پڑھواتا تھا۔[۶] وہ اپنے والد کی وفات کے بعد نمبردار بن گئے۔ وہ راجپورہ ڈاکخانہ میں ملازم تھے اور بابو راکب کے نام سے مشہور تھے۔ انہیں راغب حسین بھی کہتے تھے۔[۷] ایک مرتبہ ان کا تبادلہ سامانا ہو گیا۔ ایک سال سے کچھ زائد عرصہ کے بعد وہ تبدیل ہو کر دوبارہ راجپورہ آ گئے۔[۸]

راکب نے مہدی کی بیوی بانو سے جگہ خرید کر اپنا علیحدہ مکان بنا لیا تھا۔ بانو نے اپنی آدھی جگہ راکب کو فروخت کی

---

۱ سیّد مجاہد علی ولد اعجاز حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۱۴ دسمبر ۲۰۱۸ء
یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۴ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۵ سیّدہ طاہرہ خاتون دختر حشمت علی (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۲۱ جولائی ۲۰۱۷ء

۶ سیّد مجاہد علی ولد اعجاز حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۱۴ دسمبر ۲۰۱۸ء

۷ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۸ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۲۹ جنوری، ۵ فروری ۲۰۱۱ء

تھی۔ یہ جگہ محمد کاظم نمبردار کے گھر کے سامنے تھی۔ راکب کے پاس کپڑے اور تیل کا ڈپو بھی تھا۔ نمبردار کی حیثیت سے گاؤں کے معاملات اور لڑائی جھگڑوں میں ان کا کچھ نہ کچھ کردار رہتا تھا۔ تیسرے محلہ کے بندو کو چوری کے الزام میں پولیس نے پکڑا تو بابو راکب نے بندو کی مدد کی اور بالآخر اسے پولیس کی گرفت سے رہائی دلوائی۔[1]

بابو راکب کو اللہ دیا نمبردار کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ وہ ۱۹۳۷ء میں مبارکی بیگم عرف ماکھو بیوہ محمد حسن کی طرف سے مسجد و امام بارگاہ ناصر علی کے نام کیے جانے والے وقف کے گواہوں میں شامل تھے۔ بعدازاں اس وقف کے متولی نذر حسین کی طرف سے ان پر وقف کی مخالفت کے الزام بھی لگائے گئے۔ انہوں نے مبینہ طور پر اس وقف کے خلاف مقدمات کرنے میں ماکھو کے مرحوم شوہر کے دور پار کے رشتہ داروں کی مدد کی اور متولیان نذر حسین اور ان کے بھانجے ناصر حسین کو دھمکیاں بھی دیں۔ نذر حسین کی طرف سے بابو راکب کو کچھ مقدمات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔[2]

راکب کی شادی دوسرے محلہ ہی میں کاظمی دختر محمد مسیتا سے ہوئی۔ کاظمی سالم کی بہن تھیں۔ راکب اور کاظمی کے چار بیٹے اعجاز حسین، مظاہر حسین، طاہر حسین اور مظفر حسین اور تین بیٹیاں نرجس خاتون، نثار فاطمہ اور قیصرہ بیگم ہوئیں۔[3]

اعجاز حسین

بابو راکب کے بڑے بیٹے اعجاز حسین نے راجپورہ سکول سے پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ وہ اچھے خوش نویس تھے۔[4] وہ اپنی زمینوں پہ اپنے والد کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ نتھو ولد عید محمد نے کافی عرصہ ان کے ساتھ کاشتکاری میں اشتراک کیا۔[5] اعجاز کی شادی سیّدوں کے پہلے محلہ میں مخدومہ فاطمہ عرف دومو دختر محمد عسکری نمبردار سے ہوئی۔ سید کھیڑی میں ان کے ایک فرزند مجاہد علی ہوئے۔ تقسیم ہند کے وقت مجاہد کی عمر چار سال تھی۔

مظاہر حسین

بابو راکب کے بیٹے مظاہر حسین نے راجپورہ سکول سے مڈل تک تعلیم حاصل کی۔[6] پھر وہ احسان علی ولد غلام عباس کے پاس لاہور آ گئے۔ احسان کی کوشش کے نتیجہ میں انہیں ریلوے میں ملازمت مل گئی۔[7] مظاہر کی شادی ظہوری

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء
۲ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین
۳ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء
۴ سیّد مجاہد علی ولد اعجاز حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۱۴ دسمبر ۲۰۱۸ء
۵ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء
۶ سیّد مجاہد علی ولد اعجاز حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۱۴ دسمبر ۲۰۱۸ء
۷ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۱۰ دسمبر ۲۰۰۸ء

بیگم دختر محمد نقی سے راجگڑھ میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک بیٹی منورہ فاطمہ پیدا ہوئیں۔[1] تقسیم ہند کے وقت مظاہر عید منانے کے لیے سید کھیڑی آئے ہوئے تھے۔ ہندوستان سے پاکستان کی طرف ہجرت کے دوران انہوں نے اپنے خاندان والوں اور برادری والوں کی مقدور بھر راہنمائی اور مدد کی۔[2]

طاہر حسین

بابو راکب کے بیٹے طاہر حسین نے بھی اپنے بڑے بھائیوں کی طرح راجپورہ سکول سے تعلیم حاصل کی۔[3] انہوں نے پرائمری پاس کی تو ان کے والد کا تبادلہ راجپورہ سے سامانا ہو گیا۔ وہ اپنے والد کے ساتھ سامانا چلے گئے اور وہاں پانچویں کلاس میں داخلہ لیا۔ سیانہ سیداں کے تصوّر حسین ولد خورشید علی بھی ان کے گھر رہتے تھے اور سکول میں ان کے ہم جماعت تھے۔ طاہر نے پانچویں پاس کی تھی کہ ان کے والد کا تبادلہ دوبارہ راجپورہ ہو گیا۔[4] وہ سید کھیڑی آ گئے اور پھر راجپورہ سکول میں داخل ہو گئے۔ وہاں سے انہوں نے مڈل پاس کیا۔ گرمکھی رسم الخط پہ انہیں عبور حاصل تھا۔

راکب کے بیٹے مظفر حسین تقسیم ہند کے وقت چھوٹے تھے۔[5]

حشمت علی

حشمت علی کے والد محمد کاظم نمبردار اور دادا صورت علی تھے۔ وہ زمینداری کرتے تھے۔ ان کے پاس دو بیل تھے جنہیں وہ نیم کے ایک درخت کے نیچے باندھتے تھے۔ ایک رات ان کے بیل چور لے گئے۔ تاہم دو سال کے بعد ان کے بیل انہیں واپس مل گئے۔[6] ان کے بھائی راکب نے نیا گھر بنا لیا تھا لیکن وہ اپنے موروثی گھر میں ہی رہائش پذیر رہے۔ ان کے گھر کے کئی حصّے پرانے ہونے کی وجہ سے گر گئے تھے۔ مکان کا جو حصّہ گر جاتا حشمت اسے دوبارہ تعمیر نہیں کرتے تھے۔ حشمت شریف آدمی تھے اور لڑائی جھگڑے سے دور رہتے تھے۔ لڑنا جھگڑنا ان کے بس کی بات بھی نہیں تھی۔

حشمت کی شادی کومن دختر امداد علی سے دوسرے محلہ میں ہوئی اور ان کے ایک فرزند اقبال حسین عرف بالی اور دو بیٹیاں خورشید بانو اور طاہرہ خاتون ہوئیں۔ اقبال کھیتی باڑی میں اپنے والد کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ ان کی شادی اختری سے شتور میں

---

۱ سیّدہ اشرف النساء دختر محمد اسلم (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۲۵ اگست ۲۰۰۵ء

۲ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ فیروز کے ناگرہ ــــ ۲۰ جولائی ۲۰۱۷ء

۳ سیّد مجاہد علی ولد اعجاز حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ فیروز کے ناگرہ ــــ ۱۴ دسمبر ۲۰۱۸ء

۴ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ گلاب گرمانی ــــ ۲۹ جنوری، ۵ فروری ۲۰۱۱ء

۵ سیّد مجاہد علی ولد اعجاز حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ فیروز کے ناگرہ ــــ ۱۴ دسمبر ۲۰۱۸ء

۶ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ لیہ ــــ ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

ہوئی اور ان کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئے جو ہندوستان میں ہی فوت ہو گئے۔[1] حشمت کی بیٹی طاہرہ نے بچپن میں سیّدوں کے پہلے محلہ کی اشرف النساء عرف اچھو دختر محمد اسلم کو زخمی کر دیا تھا۔ طاہرہ کے مطابق: "اچھو پودے لے کر جا رہی تھی۔ میں نے جھپٹا مار کر اس سے پودے چھیننے تو ایک ٹہنی اس کی آنکھ میں لگ گئی جس سے زخم ہو گیا۔" طاہرہ کی دادی بتول اور نانی حسنی بی بی سگی بہنیں تھیں۔[2]

منظور حسین

منظور حسین کے والد دلاور حسین اور والدہ سیّدوں کے تیسرے محلہ کی جعفری دختر باقر علی تھیں۔[3] وہ ۱۰ مربعے زمین کے مالک تھے۔ وہ سید کھیڑی کے نسبتاً بڑے زمیندار تھے اور بڑے زمینداروں کی طرح ہی رہتے تھے۔ اپنی جس بیل گاڑی میں وہ گھوما کرتے تھے اس پہ انہوں نے 'رئیسِ سید کھیڑی' کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔[4]

منظور کو بیل پالنے اور دوڑانے کا بہت شوق تھا۔ ان کے بیل اکثر بڑے مقابلے جیت کر آتے تھے۔ وہ سارے پنجاب میں بیل دوڑانے میں مشہور تھے۔ وہ اپنے بیلوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور انہیں دیسی گھی پلاتے تھے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے: "میرے بیٹے مر جائیں، بیل نہ مریں۔" ان کے جو ملازم بیل دوڑاتے تھے انہیں منظور کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ اگر ان کے بیل ہار جائیں تو انہیں واپس نہ لائیں بلکہ وہیں مار دیں۔ ایک دوڑ میں ۹۰ بیل گاڑیوں نے حصّہ لیا۔ منظور کے بیل جیت گئے اور بہت سا انعام منظور کو ملا۔ منظور کے بیل عموماً ان کا ملازم چنبیلا چمار دوڑاتا تھا۔[5] چنبیلا منظور کے ہل بھی چلاتا تھا۔ اس کے بڑے بھائی کا نام سنتو تھا۔[6]

منظور نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے نذیراں دختر میر حسن سے گھگر سرائے میں کی اور ان کے تین بیٹے انعام حسین، مسلم حسین اور جمیل حسین ہوئے۔ نذیراں کی وفات کے بعد منظور نے دوسری شادی سلمیٰ دختر احمد حسین سے سیانہ سیداں میں کی۔ منظور اور سلمیٰ کے ہندوستان میں دو بیٹیاں امامی صغریٰ اور انعام بی بی ہوئیں۔[7]

محمد مسیتا

دوسرا محلہ شروع ہوتے ہی محمد مسیتا کا گھر تھا۔ وہ زمینداری کرتے تھے۔ ان کی دو بہنوں کی شادی سیّدوں کے

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۲ سیّدہ طاہرہ خاتون دختر حشمت علی (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۲۱ جولائی ۲۰۱۷ء

۳ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۵ ریلو رام ولد گنگا رام (قدیم رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سید کھیڑی — یکم مارچ ۲۰۰۵ء
پریتم ولد امیر سنگھ (قدیم رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سید کھیڑی — یکم مارچ ۲۰۰۵ء

۶ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

۷ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

تیسرے محلہ میں ہوئی تھی۔ ایک بہن بی بی کی شادی سید محمد عرف چھجو سے اور دوسری بہن کی شادی مہدی سے جنہوں نے بعد میں مرزا غلام احمد کا نظریہ اپنا لیا تھا۔[۱] مسیتا کی تیسری بہن بودھو سیّدوں کے پہلے محلہ کے محمد عسکری نمبردار سے بیاہی گئی تھیں۔ مسیتا نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی سے ان کے ایک فرزند محمد سالم اور ایک بیٹی کاظمی ہوئیں۔ دوسری شادی مسیتا نے بڑھاپے میں سیّدوں کے پہلے محلہ میں جنّت دختر مہربان علی سے کی۔ دوسری شادی کے کچھ عرصہ بعد وہ فوت ہو گئے۔

محمد سالم

محمد سالم اپنے والد محمد مسیتا کی طرح زمینداری کرتے تھے۔ انہوں نے گائیوں، بھینسوں کے علاوہ ایک گھوڑا بھی رکھا ہوا تھا۔ فضلا عرائض نویس کو مارنے کے جرم میں انہوں نے جیل بھی کاٹی۔[۲] اپنے والد کی طرح سالم نے بھی دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے انبالہ میں مسیتی سے کی۔ ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی تو انہوں نے پہلی بیوی کی زندگی ہی میں دوسری شادی سیّدوں کے پہلے محلہ میں شیریں فاطمہ دختر محمد عسکری سے کی۔ دوسری شادی سے بھی ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔[۳] سالم کی پہلی بیوی ہندوستان میں ہی فوت ہو گئی تھیں اور انبالہ میں ان کا مکان سالم کو مل گیا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان سے پاکستان ہجرت کے دوران سید کھیڑی کے سیّدوں کی عورتوں نے انبالہ میں اس مکان میں قیام کیا۔[۴]

کاظم حسین

کاظم حسین کے والد محمد مسیتا تھے جنہیں ان کے عزیز بابا علیا کہہ کر پکارتے تھے۔[۵] کاظم اپنے باپ دادا کی طرح کھیتی باڑی کرتے تھے اور گاؤں میں چوکیدار بھی تعینات تھے۔ وہ ایک شریف اور سیدھے سادہ انسان تھے۔ سیّدوں کے پہلے محلہ کے احمد حسن ولد محمد حسن کے ساتھ ان کا مذاق چلتا تھا۔[۶]

کاظم حسین کی شادی حیدری دختر بشارت علی سے پٹیالہ میں ہوئی۔ سیّدہ اشرف النساء کے مطابق: ”بشارت کے بارے میں مشہور تھا کہ جب ان کی عمر سات سال تھی تو وہ ’فوت‘ ہو گئے۔ اس وقت پٹیالہ میں بارش ہو گئی اور بشارت کے گھر کے قریب ندی اچھل گئی۔ علاقہ میں سیلاب آ گیا اور تین دن مسلسل موسلا دھار بارش ہوتی رہی جس کے باعث بشارت کو

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۲ سیّدہ اشرف النساء دختر محمد اسلم (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵-۳۰ اگست ۲۰۰۵ء

۳ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ اگست ۲۰۰۶ء

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۵ سیّدہ محمودہ بیگم دختر کاظم حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد محمد ذکریا ولد فریاد حسین بذریعہ فون — کراچی — ۱۹ جنوری ۲۰۱۹ء

۶ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

دفن نہ کیا جا سکا۔ تین دن بعد بشارت خود بخود 'زندہ' ہو گئے۔"

کاظم کی بیوی حیدری پڑھی لکھی تھیں جب کہ کاظم اَن پڑھ تھے۔ کاظم اور حیدری کے ایک بیٹا عاشق حسین اور چار بیٹیاں زاہدہ، عابدہ، سعیدہ اور محمودہ بیگم ہوئیں۔ زاہدہ کی شادی پٹیالہ کے اختر حسین ولد اصغر حسین اور عابدہ کی شادی تونگر حسین ولد تصدق حسین سے ہوئی۔ تونگر سیّدوں کے پہلے محلہ کے رہنے والے تھے لیکن اپنی والدہ کے ساتھ سامانا میں رہتے تھے۔[1]

حیدری زوجہ کاظم حسین کے بھتیجے ریاض حسین ولد اصغر حسین سید کھیڑی میں ان کے پاس رہتے تھے اور راجپورہ سکول میں پڑھتے تھے۔ سیّدوں کے پہلے محلہ کے سیّد علی ولد احمد حسین ان کے ہم جماعت تھے۔ ریاض، جو پٹیالہ کے رہنے والے تھے، نے چار جماعتیں راجپورہ سکول سے پاس کیں۔ انہوں نے پانچویں کلاس میں داخلہ لیا تو تقسیم ہند ہو گئی اور انہیں پاکستان آنا پڑا۔[2]

عاشق حسین

کاظم حسین کے بیٹے عاشق حسین تقسیم ہند سے چند سال پہلے اپنی بہن کے پاس سامانا چلے گئے اور وہاں چونگی پر ملازمت کر لی۔ ان کی شادی پٹیالہ میں ہونا طے پائی۔ شادی کے لیے سب تیاری ہو گئی۔ یہاں تک کہ مہمانوں کی ضیافت کے لیے چاول، اناج وغیرہ بھی خرید لیے۔ شادی میں چند روز ہی باقی تھے کہ قیام پاکستان کے بعد سید کھیڑی سے سب مسلمانوں کو اجڑنا پڑا۔ شادی کے لیے خریدی ہوئی اشیاء وہیں رہ گئیں۔[3]

جمال علی و امداد علی

جمال علی اور امداد علی کے والد باقر علی تھے۔[4] وہ دونوں بھائی اپنی زمینیں کاشت کرتے تھے اور علیحدہ علیحدہ مکانوں میں رہتے تھے۔ جمال علی کے دو بیٹے امیر حسن اور تجمل حسین اور ایک بیٹی بانو تھیں۔ بانو کی شادی بھور کے شبیر حسین ولد احمد حسن سے ہوئی۔[5] امداد علی کی بیوی حسنی بی بی محمد کاظم نمبردار کی بیوی کی بہن تھیں۔ امداد اور حسنی کے دو بیٹیاں کبریٰ اور کومن ہوئیں۔ کبریٰ کی شادی سیانہ سیداں کے کاظم علی ولد شہادت علی سے اور کومن کی شادی سید کھیڑی کے

---

۱ سیّدہ اشرف النساء دختر محمد اسلم (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اگست ۲۰۰۵ء

۲ سیّد ریاض حسین ولد اصغر حسین (سابق رہائشی پٹیالہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — گوجرانوالہ — ۱۴ جون ۲۰۱۹ء

۳ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — علی پور — ۱۶ دسمبر ۲۰۱۸ء

۴ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۵ سیّدہ تسنیم اختر دختر مسلم حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۸ دسمبر ۲۰۱۱ء

سیّدوں کے دوسرے محلہ میں ہی حشمت علی ولد محمد کاظم نمبردار سے ہوئی۔[1]

امیر حسن

امیر حسن کے والد جمال علی اور دادا باقر علی تھے۔ وہ اپنے بھائی تجمل کے ساتھ ایک گھر میں رہتے تھے اور اپنے باپ دادا کی طرح کھیتی باڑی کرتے تھے۔ وہ بہت شریف انسان تھے اور ان کا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں تھا۔

امیر حسن کی شادی حسین بی دختر ولی محمد سے ہوئی۔ ان کے دو بیٹے مسلم حسین اور محمد شریف ہوئے۔ مسلم اور شریف دونوں بھائی اپنے والد کی طرح کھیتی باڑی کرتے تھے۔ مسلم کی شادی گھگر سرائے میں ستارہ بیگم دختر عظمت علی سے ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک بیٹی تسنیم اختر ہوئیں۔[2] مسلم کے بھائی شریف کی عمر تقسیم ہند کے وقت ۱۵ سال تھی۔ سیّد محمد شریف نے کہا: ”ہمارا گھر دوسرے محلہ میں تھا۔ ہمارے گھر کے سامنے پھوپھی کومن کا گھر تھا جو حشمت کی بیوی تھی اور اقبال اس کا بیٹا تھا۔ ہمارے گھر کے دائیں طرف تایا کاظم حسین کا گھر تھا۔ کاظم کی بیوی پٹیالہ کی تھی۔ ہمارے گھر کے بائیں طرف ماکھو، تقی اور منظور کے گھر تھے۔ ہماری زمین ۲۷ بیگھے تھی۔ میں کھیتی کرتا تھا۔ میں نماز پڑھنے کے لیے مٹھوؤں کے محلہ کی مسجد میں جاتا تھا۔ مجلس بھی مٹھوؤں کے محلہ کے امام بارگاہ میں سنتا تھا۔ وہاں خادم حسین مجلس پڑھتا تھا۔“[3]

تجمل حسین

تجمل حسین کے والد جمال علی اور دادا باقر علی تھے۔ وہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ان کی شادی سیّدوں کے تیسرے محلہ میں انوری دختر تحور حسین سے ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک بیٹا خادم حسین اور دو بیٹیاں رضیہ اور ثریا ہوئیں۔ اپنے بھائی امیر حسن کے برعکس تجمل تیز مزاج اور غصّے والے تھے اور گاؤں کے لوگوں سے ان کا لڑائی جھگڑا رہتا تھا۔

تجمل کے سسر تحور بھی تیز مزاج تھے۔ وہ دونوں عموماً غصہ میں آ جاتے اور ایک دوسرے کو خوب گالیاں نکالتے تھے۔ ایک دفعہ تجمل کی بیوی انوری نے کھیر پکائی اور برتن میں ڈال کر تجمل کے پاس چارپائی پر رکھ دی۔ تجمل کو اپنی بیوی کا یہ عمل پسند نہ آیا۔ انہوں نے کھیر کا برتن اٹھایا اور صحن میں بندھی ہوئی بھینس کے سامنے رکھ دیا۔ انوری ناراض ہو کر اپنے گھر چلی گئیں اور اپنے والد سے خاوند کی شکایت کی۔ تحور چھت پہ چڑھ کر تجمل کو گالیاں دینے لگے۔ تجمل بھی چھت پر چڑھ گئے اور گالیوں کا جواب گالیوں سے دیا۔ فضلا کو مارنے کے جرم میں تجمل اور تحور دونوں نے جیل کاٹی۔ وہاں ان کی عموماً آپس میں لڑائی ہو جاتی تھی اور بعض اوقات ہاتھا پائی تک بھی نوبت پہنچ جاتی تھی۔ بالآخر جیل حکام کو کہہ کر انہوں نے اپنی

---

۱ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۲۹ جنوری، ۵ فروری ۲۰۱۱ء

۲ سیّدہ تسنیم اختر دختر مسلم حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۸ دسمبر ۲۰۱۱ء

۳ سیّد محمد شریف ولد امیر حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۸ دسمبر ۲۰۱۱ء

بیر کیں بدل لیں۔[1]

محمد حسن

محمد حسن کے والد برکت علی اور دادا مظہر علی تھے۔[2] وہ زمینداری کرتے تھے۔ ان کی شادی تیسرے محلہ میں مبارکی بیگم عرف ماکھو دختر فرزند علی سے ہوئی اور ان کے ایک بیٹی کربلائی ہوئیں۔[3] محمد حسن بیمار ہوئے تو ان کا علاج حکیم سے کروایا گیا۔ تاہم وہ صحتیاب نہ ہو سکے اور اسی بیماری میں ان کا انتقال ہو گیا۔[4] سیّدہ امام باندی نے کہا: "میں نے دیکھا مراتب روتا ہوا محمد حسن کے جنازے میں جا رہا تھا۔"[5] کربلائی دختر محمد حسن کی شادی بھور میں ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد وہ وفات پا گئیں۔[6] ماکھو بیوہ محمد حسن نے خاوند سے ورثہ میں ملی ہوئی زمین کو ۱۹۳۷ء میں سیّدوں کے پہلے محلّہ میں مسجد ناصر علی اور امام بارگاہ ناصر علی کے نام وقف کر دیا۔ امام باندی کے مطابق: "ماکھو نے ۲۵۰ بیگھے زمین مسجد اور ۲۵۰ بیگھے زمین امام بارگاہ کو دی تھی۔"[7] ماکھو بڑھاپے میں اندھی ہو گئی تھیں۔ ان کو زمین مسجد و امام بارگاہ کے نام وقف کرنے کی وجہ سے اپنے مرحوم خاوند کے دور پار کے رشتہ داروں کی طرف سے مقدمہ بازی کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

محمد تقی

محمد تقی کے والد مراتب علی، دادا محمد حسین اور پردادا احسان علی تھے۔[8] وہ کاشتکاری کرتے تھے۔ ان کا گھر منظور کے گھر کے ساتھ تھا۔[9] وہ محمد حسن مرحوم کے جدی تھے۔ محمد حسن کی وفات کے بعد تقی نے ان کی بیوہ مبارکی بیگم عرف ماکھو کا خیال رکھا اور خدمت کی۔ ماکھو نے تقی کی خدمت سے خوش ہو کر اپنا مکان تقی کے نام ہبہ کر دیا۔ ماکھو کی طرف سے ایک روپیہ آٹھ آنہ کے اسٹامپ پر مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۴۱ء کو ہبہ کی مندرجہ ذیل تحریر لکھی گئی:

منتھرہ ضعیف العمر آنکھوں سے نابینا ہے۔ کوئی گھر کا کاروبار نہیں کر سکتی۔ نہ کوئی وارث باز گشت اس ضعیفی میں امداد کرتا ہے۔ البتہ محمد تقی ولد مراتب علی قوم سیّد ساکن سید کھیڑی تعلقہ راجپورہ جو میرے خاوند کا جدی بھی ہے اور وارث بازگشت بھی ہے فوتیدگی خاوند سے منتھرہ کی خدمت گزاری کرتا ہے اور بیماری میں میرا علاج معالجہ و تیمارداری بطور فرزندانہ

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۲ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۳ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۴ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۱۰ دسمبر ۲۰۰۸ء

۵ سیّدہ امام باندی دختر سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خیرپور سادات — ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۲ء

۶ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۷ سیّدہ امام باندی دختر سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خیرپور سادات — ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۲ء

۸ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۹ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

کرتا ہے۔ دوسرا کوئی وارث میری خدمت کرتا ہے نہ کوئی بات تک میری بیماری میں کرتا ہے۔ منتھرہ محمد تقی کی خدمت سے نہایت خوش ہے۔ منتھرہ برضامندی خود بقائمی ہوش و حواس خمسہ و ثبات عقل اپنا مملوکہ و مقبوضہ مکان سکنی رہائش بصلہ خدمات محمد تقی ولد مراتب علی کے نام ہبہ کل بخشیش کرنے کا اقرار کرتی ہے۔ قبضہ مالکانہ موہوب الیہ کو دے دیا ہے۔

مبارکی بیگم کی اس تحریر پر ان کی نشانیاں گندم رنگ، قد درمیانہ اور عمر ۷۰ سال لکھی گئیں۔ ہبہ کی اس تحریر کے گواہ سیّد محمد یٰسین اور سیّد غلام عباس تھے۔[۱]

محمد تقی کی شادی گھگرسرائے میں اکبری کے ساتھ ہوئی اور ان کے دو بیٹے ذکی اور مظاہر ہوئے۔[۲] تقی کی زوجہ اکبری سیّدوں کے تیسرے محلہ کے مشتاق کی بیوی بتول دختر نیامت علی کی بہن تھیں۔[۳]

سید محمد

سید محمد کے والد محمد حسین، دادا احسان علی اور پردادا مظفر علی تھے۔[۴] ان کے والد ان کی پیدائش سے چند دن پہلے فوت ہو گئے تھے۔ انہیں ان کی والدہ لاڈلی نے پالا جو سید کھیڑی کی ہی رہنے والی تھیں۔ سید محمد کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ان کی شادی بشیرن دختر فضل حسین عرف فضلا سے سید کھیڑی میں ہوئی اور ان کے ایک بیٹا سیّد علی اور آٹھ بیٹیاں امام باندی، سیّدہ، حمیدہ، کوثری، کنیز، انیس، مرتضائی اور مصطفائی ہوئیں۔ سیّد علی چھ بہنوں سے چھوٹے اور دو سے بڑے تھے۔ تقسیم ہند کے وقت سیّد علی کی عمر چار سال تھی۔[۵]

سید محمد ایک شریف فطرت انسان تھے لیکن اپنے سسر فضلا عرائض نویس کی وجہ سے گاؤں کے لڑائی جھگڑوں میں ملوث ہوئے۔[۶] سید محمد کی بڑی بیٹی امام باندی ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئیں۔ ۱۶ سال کی عمر میں امام باندی کی شادی بھور کے تجمل حسین ولد شبیر حسین سے ہوئی۔ شادی سے پہلے وہ اپنی نانی رشیدن کے ساتھ کچھ ماہ سامانا رہ کر آئیں۔ سید محمد نے اپنی دوسری بیٹی سیّدہ کی شادی راجگڑھ کے ظہور کے ساتھ کی۔[۷]

سید محمد کے ایک بھائی علی محمد تھے جن کی شادی سلامت سے ہوئی۔ ان کے اولاد نہیں ہوئی۔ پہلے علی محمد فوت ہوئے پھر ان کی بیوہ سلامت نے وفات پائی۔

---

۱ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین
۲ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء
۳ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء
۴ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین
۵ سیّدہ امام باندی دختر سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خیر پور سادات — ۹، ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۲ء
۶ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء
۷ سیّدہ امام باندی دختر سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خیر پور سادات — ۹ اکتوبر ۲۰۱۲ء

شبیر حسین

شبیر حسین کے والد علی حسن، دادا احسان علی اور پردادا مظفر علی تھے۔① شبیر کی زمین ۶۰ بیگھے تھی۔ وہ اپنی زمین خود کاشت کرتے تھے۔ وہ صبح کی روٹی کھانے کے بعد کندھے پر کسی رکھ کر اور ہاتھ میں کلہاڑا پکڑ کر اپنی زمین پر چلے جاتے تھے۔ بارش ہوتی تو وہ پانی کو خود روکتے تھے۔ دوسروں کی طرح ان کی زمین پر گندم، گنا، کپاس، تمباکو، چری، جوار، باجرہ، دھان اور ہر فصل ہوتی تھی۔ ان کی زمین پر پہلے کنواں نہیں تھا۔ لوگوں نے ان سے کہا: "شاہ جی! اپنی زمین پر کنواں لگوا لو کیونکہ اس راستہ پر کہیں پینے کا پانی نہیں ہے۔" ان کی زمین پر سے لوگ خانپور، خیرپور، مہما، گنڈا کھیڑی وغیرہ سے آتے جاتے ہوئے گزرتے تھے۔ شبیر نے اپنی زمین پر کنواں کھدوا لیا۔②

شادی سے پہلے شبیر اور سید محمد ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ شادی کے بعد دونوں نے علیحدہ علیحدہ مکان ساتھ ساتھ بنا لیے تھے۔ شبیر کی شادی شبیرن دختر فضل حسین عرف فضلا سے سید کھیڑی میں ہوئی اور ان کے دو بیٹے محمد امیر اور حسنین علی اور دو بیٹیاں ظہیر فاطمہ اور ساجدہ بیگم ہوئیں۔ شبیر اپنے سسر فضلا کے ہمراہ گاؤں کے لڑائی جھگڑوں میں ملوث رہے۔ تحور، سجاد اور مشتاق کو مارنے کے جرم میں انہوں نے جیل بھی کاٹی۔③ فضلے کے سید کھیڑی میں رہنے تک شبیر کے دوسروں کے ساتھ لڑائی جھگڑے ہوتے رہے۔ فضلے نے سید کھیڑی چھوڑا تو پھر ان کا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔

محمد امیر و حسنین علی

شبیر حسین نے اپنے بیٹوں محمد امیر اور حسنین علی کو پہلے گنڈا کھیڑی کے پرائمری سکول میں داخل کروایا۔ گنڈا کھیڑی گاؤں سید کھیڑی سے دو کوس کے فاصلہ پر تھا۔ امیر اور حسنین دونوں بھائی صبح سکول جاتے اور دو تین بجے واپس آتے تھے۔ پھر شبیر نے اپنے بیٹوں کو سُروں کے سکول میں داخل کروا دیا۔ سُروں راجپوتوں کا گاؤں تھا اور سید کھیڑی سے ایک میل دور تھا۔ بعدازاں شبیر نے اپنے دونوں بیٹوں کو سُروں سکول سے ہٹا کر راجپورہ سکول میں داخل کروا دیا۔ کچھ عرصہ دونوں بھائی راجپورہ سکول جاتے رہے۔ پھر محمد امیر نے پڑھنا چھوڑ دیا تو شبیر نے حسنین کو ان کے نانکے گاؤں سامانا بھیج دیا۔

محمد امیر ڈنگر چَراتے تھے اور زمین کی کاشت میں اپنے والد کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ وہ نماز پڑھنے کے لیے سیّدوں کے پہلے محلہ کی مسجد ناصر علی میں جاتے تھے اور مجالس امام بارگاہ ناصر علی میں سنتے تھے۔ تقسیم ہند کے وقت محمد امیر کی عمر ۲۰،۲۲ سال تھی جب کہ ان کے چھوٹے بھائی حسنین علی سامانا میں چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے۔④

---

۱ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش ـــ قلمی نسخہ ـــ منڈی بہاؤالدین

۲ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ لیہ ـــ ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

۳ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ فیروز کے ناگرہ ـــ ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۴ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ لیہ ـــ ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

صادق حسین

صادق حسین کے والد سعادت علی تھے۔ وہ اگرچہ دوسرے محلہ میں رہتے تھے لیکن ان کا گھر پہلے محلہ کے آخری حصّہ میں تھا۔ پہلے محلہ کے محمد سالم نے ان کے گھر کے سامنے اپنا نیا گھر بنایا تھا۔ نذر حسین کا نیا گھر بھی صادق کے گھر کے قریب تھا۔

صادق ایک خوش طبیعت انسان تھے۔ وہ ضد کے پکے اور دوستوں کے دوست تھے۔ جس سے ان کی دوستی ہوتی اس کی ہر جائز و ناجائز حمایت کرتے تھے۔ فضلے سے ان کی دوستی تھی۔ جب فضلے نے چاند فقیر کو قتل کیا تو صادق نے فضلے کے کہنے پر پولیس اور پھر عدالت کے سامنے یہ بیان دیا کہ چاند فقیر کو سجاد نے قتل کیا ہے۔ جھوٹی گواہی دینے کے کچھ ہی عرصہ بعد ان کا ایک آٹھ-سالہ بیٹا مر گیا۔ گاؤں میں لوگ کہتے تھے کہ صادق نے جھوٹی گواہی دی اس لیے اس کا بیٹا مر گیا۔ صادق نے گاؤں کے لوگوں کے رشتے بھی کروائے۔ تحور کا فضل النساء کے ساتھ، منظور کا نذیراں کے ساتھ، مشتاق کا بتول کے ساتھ اور تقی کا اکبری کے ساتھ رشتہ صادق نے ہی کروایا۔

صادق نے چار شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے مہر النساء دختر جمال علی سے سید کھیڑی میں کی۔ بعدازاں انہوں نے دوسری اور پھر تیسری شادی کیتھل میں کی۔ تینوں بیویوں سے ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی تو انہوں نے چوتھی شادی مجیدن سے چھت بنوڑ میں کی۔ صادق اور مجیدن کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ ایک بیٹا آٹھ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ صادق کے بیٹے حامد حسین اور ہادی حسن ان کے ساتھ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ان کی بیٹیاں صغیرن اور نذیرن قرآن پڑھنے کے لیے ذکی زوجہ باقر حسین کے پاس جاتی تھیں۔ صغیرن بیاہ کر پٹیالہ گئیں۔

صادق بڑھاپے میں داخل ہوئے تو پہلے ان کی نظر کمزور ہوئی پھر تقسیم ہند سے پانچ سات سال پہلے وہ نابینا ہو گئے۔ وہ اپنے پوتے اسلم کا ہاتھ پکڑ کر نماز پڑھنے مسجد ناصر علی میں آتے تھے۔ نماز پڑھنے کے بعد مسجد کے ساتھ بیٹھک میں غلام عباس کے پاس چلے جاتے اور ان کے ساتھ جہان بھر کی گپیں لگاتے تھے۔[1]

حامد حسین

صادق کے بیٹے حامد حسین نے تعلیم حاصل نہیں کی۔ تاہم حساب کتاب میں وہ بہت ذہین تھے۔ جب بھی ان کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش کیا جاتا تو وہ فوراً زبانی ضرب تقسیم کر کے صحیح جواب دے دیتے تھے۔[2] وہ اپنے والد کے ساتھ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ان کے والد نے اپنی زمین فروخت کر کے اپنی چار شادیوں کا خرچہ پورا کیا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس تین کلے زمین رہ گئی تھی۔ تاہم حامد نے محنت کی اور نو کلے زمین خریدی۔ اس طرح ان کی زمین ۱۲ کلے ہو گئی۔

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون/بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء، ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۲ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

حامد کی پہلی شادی جمیلہ دختر قاسم علی سے نواں گاؤں میں ہوئی اور ان کے ایک فرزند اسلم حسین ہوئے۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد[1] حامد نے دوسری شادی سامانا میں سیّدہ سے کی جو خاتون دختر نذر حسین کی خالہ زاد بہن تھیں۔ تاہم یہ شادی کامیاب نہ ہوئی۔[2]

اسلم حسین

حامد حسین کے بیٹے اسلم حسین ابھی تین سال کے تھے کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اسلم کی یادداشت اچھی تھی لیکن انہوں نے سکول میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ تاہم ان کے دادا صادق نے انہیں گاؤں میں دوسرے بچّوں کے ساتھ کھیلنے کی اجازت نہیں دی۔ وہ اسلم کو رات اپنے ساتھ سلاتے اور دن میں بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اسلم کے دادا جتنی دیر غلام عباس کے پاس بیٹھک میں بیٹھتے اپنے پوتے کا ہاتھ پکڑ کر رکھتے تھے تاکہ وہ کھیل کود کے لیے بھاگ نہ جائے۔ صادق حقہ کے رسیا تھے لیکن غلام عباس کے پاس جتنی دیر بیٹھتے حقہ نہیں پیتے تھے۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ حقہ کیوں نہیں پیتے تو وہ کہتے: ”اس لیے کہ میرے پوتوں کو کوئی طعنہ نہ دے کہ تمہارا دادا غلام عباس کے پاس حقہ پینے کے لیے بیٹھتا ہے۔“ ایک دن جب وہ بیٹھے تھے غلام عباس کا کھانا آ گیا۔ غلام عباس نے انہیں کھانے کی دعوت دی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ غلام عباس نے کہا: ”اسلم کو کھانے دو۔“ لیکن صادق نے اسلم کو کھانے کی اجازت نہ دی اور کہا: ”اس کی ماں مر چکی ہے۔ اگر یہ آج تمہارے پاس کھانا کھائے گا تو کل دوسروں کے گھروں میں جا کر کھائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے دوسروں کے گھر کھانے کی عادت پڑ جائے۔“ اسلم نے غلام عباس کی بیٹھک میں اپنے بزرگوں کو گاؤں کے معاملات اور مرحوم بزرگوں کے حالات پر گفتگو کرتے ہوئے سنا اور اپنی اچھی یادداشت کے باعث ان باتوں کو یاد رکھا۔ تقسیم ہند کے وقت اسلم کی عمر ۱۳، ۱۴ سال تھی اور وہ اپنے والد کے ساتھ زمینوں پہ کام کرتے تھے۔ سید کھیڑی کے بزرگوں کے بارے میں ان کی وسیع معلومات اس کتاب کا حصّہ بنیں۔

ہادی حسن

صادق حسین کے چھوٹے بیٹے ہادی حسن اپنے بڑے بھائی اور اپنے والد کے ساتھ مل کر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ان کی شادی سید کھیڑی ہی میں سیّدوں کے تیسرے محلہ میں حیدری دختر عبدالکریم سے ہوئی۔ عبدالکریم اور تحور چچا تایا زاد بھائی تھے۔ ہادی اور حیدری کے ہندوستان میں ایک فرزند ابنِ حسن ہوئے۔ تقسیم ہند کے وقت ابنِ حسن کی عمر تین سال تھی۔[3]

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

۲ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء

۳ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون/بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء، ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

مہدی حسین

مہدی حسین کے والد نتھو شاہ تھے۔ مہدی زمینداری کرتے تھے۔ انہوں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے حُسن بانو دختر محمد رمضان سے گھگر سرائے میں کی اور ان کے ایک فرزند صغیر حسین ہوئے۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد انہوں نے دوسری شادی بشیرن سے نصیر پور میں کی۔ نصیر پور انبالہ کا نواحی گاؤں تھا۔ مہدی اور بشیرن کے ایک بیٹا جمیل احمد اور دو بیٹیاں خورشیدہ بیگم اور جمیلہ بیگم ہندوستان میں ہوئیں۔[1]

مہدی ضد کے پکے تھے اور فضلا عرائض نویس کے جوڑی دار تھے۔ انہوں نے شبیر کے ساتھ مل کر سیّدوں کے تیسرے محلہ کے تحور، سجاد اور مشتاق کو مارا اور زخمی کر دیا تھا۔ اس کیس میں مہدی جیل میں بھی رہے۔[2]

صغیر حسین

مہدی حسین کے بڑے فرزند صغیر حسین یکم اگست ۱۹۲۴ء کو پیدا ہوئے۔ وہ ابھی سوا سال کے تھے کہ ان کی والدہ حُسن بانو بیمار ہو گئیں۔ بانو کو احساس ہو گیا کہ ان کی بیماری جان لیوا ثابت ہو گی۔ انہوں نے اپنے بیٹے صغیر کو ان کی پھوپھی بشیرن زوجہ علی حسین کے حوالہ کر دیا اور کہا: ”اس کے باپ نے تو میری وفات کے بعد دوسری شادی کر لینی ہے۔ تم اسے پالنا۔“ بانو وفات پا گئیں اور صغیر کو ان کی پھوپھی اپنے ساتھ لے گئیں۔ صغیر کے پھوپھا علی حسین ولد قربان علی ریلوے میں چیف گڈز کلرک تھے۔ مختلف شہروں میں ان کا تبادلہ ہو جاتا تھا۔ صغیر نے دہلی، فیروز پور، لدھیانہ اور انبالہ کے سکولوں میں تعلیم حاصل کی۔ انبالہ مسلم ہائی سکول سے انہوں نے میٹرک پاس کیا۔ انبالہ میں صغیر اپنے پھوپھا کے ساتھ ہاشمی محلہ میں رہتے تھے۔ انہوں نے ریلوے میں نوکری کی کوشش کی لیکن جس دن نوکری کے لیے تحریری امتحان ہونا تھا گاڑی لیٹ ہو گئی اور وہ امتحان نہ دے سکے۔ صغیر نے ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک فوج میں ملازمت کی اور انبالہ چھاؤنی میں تعینات رہے۔ وہ اپنی پھوپھی اور پھوپھا کے ساتھ دسمبر ۱۹۴۷ء میں ٹرین کے ذریعہ انبالہ سے پاکستان آئے۔ سیّد صغیر حسین کے مطابق: ”میں ۲۳، ۲۴ سال کی عمر تک اپنی پھوپھی کے پاس رہا۔ میرے باپ نے کبھی مجھے تھپکی نہیں دی اور نہ میں اسے پہچانتا تھا۔“ [3]

رمضان و سوندھا

سید کھیڑی میں کوئی بیماری پھیلی تو رمضان اور سوندھا کے دادا انہیں لے کر روپڑ چلے گئے۔ پھر رمضان رسول پور اور سوندھا پٹیالہ جا کر رہنے لگے۔ تقسیم ہند کے وقت ہونے والے فسادات کے دوران رمضان اور سوندھا دونوں بھائی

---

۱ سیّد صغیر حسین ولد مہدی حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ ڈسکہ ـــ ۲۰ جولائی ۲۰۱۷ء

۲ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ فیروز کے ناگرہ ـــ ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۳ سیّد صغیر حسین ولد مہدی حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ ڈسکہ ـــ ۲۰ جولائی ۲۰۱۷ء

سید کھیڑی میں صادق حسین کے گھر آ گئے اور ان کے ساتھ پاکستان آئے۔ سیّدوں کے دوسرے محلہ کے صادق، مہدی، رمضان اور سوندھا ایک جد کی اولاد تھے۔

ذاکر حسین و تفضل حسین

ذاکر حسین اور تفضل حسین دونوں بھائی زیادہ تر لاہور رہتے تھے۔ وہ کلّی کرتے تھے۔ ذاکر کی بیوی تقسیم ہند سے پہلے فوت ہو گئی تھیں۔ ذاکر کی تین بیٹیاں چندرہ، عقیلہ اور شمیم تھیں۔ تفضل کے بیٹے مختار حسین اور سیّد حسن تھے۔ مختار کی شادی ذکیہ بیگم دختر حاجی جعفر حسین سے ہوئی اور ان کے ایک فرزند اقبال حسین ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو سید کھیڑی میں پیدا ہوئے۔ مختار حسین لاہور میں کرایہ کے مکان میں رہتے تھے۔ تفضل کی بیوی اکبری انہیں چھوڑ کر کسی دوسرے آدمی کے گھر جا بسی تھیں۔ تفضل اور ان کے دونوں بیٹے تقسیم ہند کے وقت سید کھیڑی میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے۔[۱]

سیّدوں کا تیسرا محلہ

سیّدوں کے تیسرے محلہ کو مٹھوؤں کا محلہ بھی کہتے تھے۔ اس محلہ میں سیّد برادری کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد رہتے تھے:

باقر علی نمبردار

باقر علی نمبردار تھے اور پٹواری کی حیثیت سے بھی تعینات تھے۔ اپنی زمین پر انہوں نے ایک کنواں بنوایا جسے دکھنی والا کنواں کہتے تھے۔ کاروبار کے سلسلہ میں وہ دکن میں رہے اور گاؤں واپسی پر اپنے ساتھ کافی سونا لے کر آئے۔[۲] حیدرآباد دکن سے ایک لڑکا عید محمد عرف عیدو بھی ان کے ساتھ آیا۔ باقر نے عیدو کو سید کھیڑی میں کچھ زمین بھی دی۔[۳] باقر کچھ عرصہ دہلی بھی رہے اور وہاں سے ایک پانچ-سالہ لڑکی رحمت النساء کو ساتھ لائے۔

باقر نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے سیانہ سیداں میں کی اور ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں جعفری اور رلّی ہوئیں۔ ایک دن باورچی خانہ میں آگ لگ گئی جس میں باقر کی بیوی اور دونوں بیٹے جل کر مر گئے۔ سید کھیڑی میں عام لوگوں کا خیال تھا کہ یہ حادثہ نہیں بلکہ آگ کسی نے جان بوجھ کر لگائی ہے۔ چونکہ باقر کے پاس دکن سے لایا ہوا سونا بھی تھا اس لیے یہ سمجھا جاتا تھا کہ کوئی اس خاندان کو ختم کر کے مال و دولت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ باقر نے اپنی بیٹی جعفری کی شادی

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء
سیّد ناصر علی ولد جعفر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۶ اپریل ۲۰۱۹ء

۲ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۳ سیّد زاہد حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کوٹلی باوا فقیر چند — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

سیّدوں کے دوسرے محلہ کے دلاور حسین سے کی[۱] اور رلّی کی شادی سیانہ سیداں کے جمیل الدین ولد ہدایت حسین سے کی۔[۲]

رحمت النساء جنہیں باقر دہلی سے لائے تھے جب جوان ہوئیں تو باقر نے ان سے شادی کر لی۔ باقر کی یہ دوسری بیوی مغلانی تھیں۔ دوسری شادی سے باقر کے ایک بیٹا محمد رمضان اور ایک بیٹی بانو ہوئیں۔ بانو کی شادی پٹیالہ کے علی حسین سے ہوئی۔ علی حسین عدالت میں اہلمد تھے۔[۳]

باقر کے پاس اتنا سونا تھا کہ انہوں نے دو گاؤں کا سودا کر لیا تھا۔ تاہم یہ سودا تکمیل نہ پا سکا۔ ایک دفعہ باقر سیّدوں کے دوسرے محلہ کے ایک سیّد کی بارات میں گھگر سرائے گئے۔ وہاں کسی راستہ کے متعلق گفتگو کے دوران باقر نے کہا: ”میں سڑک بنوا دوں گا۔“ گھگر سرائے کے بڑے زمیندار عظمت علی نے پوچھا: ”یہ کون ہے؟“ انہیں بتایا گیا کہ یہ سید کھیڑی کا باقر علی پٹواری ہے۔ عظمت نے ان کے بارے میں سن رکھا تھا۔ انہوں نے کہا: ”یہ سڑک بنوا سکتا ہے۔“ [۴]

محمد رمضان نمبردار

باقر علی کے بیٹے محمد رمضان زمینداری کرتے تھے۔ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد نمبردار بن گئے۔ ان کے والد جو سونا دکن سے لائے تھے وہ بھی ان کے پاس تھا۔ فضلا عرائض نویس نے اپنے اوپر قاتلانہ حملہ کے خلاف درج کروائی گئی ایف آئی آر میں رمضان کو بھی ملوث کیا جس کے نتیجہ میں رمضان نے حملہ آوروں کے ساتھ کچھ سال جیل میں گزارے۔[۵]
سیّدوں کے دوسرے محلہ کی مبارکی بیگم عرف ماکھو نے ۱۹۳۷ء میں سیّدوں کے پہلے محلہ کی مسجد و امام بارگاہ ناصر علی کے نام اپنی زمین وقف کی تو شروع میں رمضان نے اس وقف کے مخالفین کا ساتھ دیا۔ لیکن عدالتی فیصلہ وقف کے حق میں آنے کے بعد انہوں نے اس وقف کی بھرپور حمایت کی۔[۶] رمضان فطرتاً ایک شریف انسان تھے اور دوسروں کے ساتھ گفتگو میں اکثر 'ہاں جی، ہاں جی' کہتے رہتے تھے۔ رمضان کی زمین گاؤں کے قریب تھی۔ گاؤں کے ساتھ ایک بہت بڑا ٹوبہ (چھپڑ) تھا۔ اس کے ساتھ سید محمد عرف چھجو کی زمین تھی اور اس کے ساتھ رمضان کی زمین تھی۔ چمہوڑ جٹ، جو سکھ تھا، کے ساتھ رمضان کی گہری دوستی تھی اور وہ ان کے پاس سید کھیڑی آتا رہتا تھا۔[۷]

رمضان کا رشتہ پہلے پٹیالہ میں ہوا۔ لیکن کچھ دن بعد پتہ چلا کہ جہاں رشتہ کیا ہے وہ لوگ ٹھیک نہیں تو یہ رشتہ

---

۱ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء
۲ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء
۳ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء
۴ سیّد زائر حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۴ جون ۲۰۱۹ء
۵ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء
۶ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین
۷ سیّد زائر حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۴ جون ۲۰۱۹ء

ختم ہو گیا۔ اس رشتہ کے ختم ہونے کا سن کر سیانہ سیداں میں رمضان کے بھانجے احمد حسین نے اپنے ماموں کا رشتہ کروانے کی ذِمّہ داری لی۔ وہ اپنی گھوڑی پر بیٹھے اور اپنی پھوپھی زاد بہن اور سالی فضلی عرف بودھو زوجہ عطا حسین کے پاس ٹھسکہ پہنچ گئے اور ان کی بیٹی محفوظ النساء عرف محفوظن سے رمضان کا رشتہ کروا دیا۔[1] اس رشتہ پر محفوظن کے والد عطا حسین راضی تھے نہ محفوظن کے تایا زاد بھائی قاضی محمد شفیع، قاضی لطیف حسین اور قاضی سجاد حسین راضی تھے۔ لیکن بودھو کی ضد کے سامنے سب بے بس ہو گئے۔ رمضان بارات لے کر گئے تو بہت سا زیور ساتھ لے گئے تاکہ اپنے رشتہ کے مخالفوں پر ثابت کر سکیں کہ وہ بھی کسی سے کم نہیں۔[2] رمضان اور محفوظن کے چار بیٹے یاور حسین، خادم حسین، مسلم حسین اور زائر حسین اور دو بیٹیاں کنیز زہرا اور شمیم زہرا ہوئیں۔ ان بچّوں سے پہلے ان کے تین بیٹے ہوئے تھے جو بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام شاکر اور ایک کا مسلم تھا۔[3]

رمضان کی زوجہ محفوظن کا سیّدوں کے پہلے محلہ میں اپنی بڑی بہن عزیز بانو زوجہ محمد یٰسین کے ہاں آنا جانا رہتا تھا۔ جب محفوظن کی بھانجی بشیری بیگم زوجہ زین العابدین بیاہ کر سید کھیڑی آئیں تو انہوں نے اپنی بھانجی کی دعوت کی۔ اس دعوت میں انہوں نے اپنی بہن بانو کے سارے کنبہ کو بلایا۔ دعوت دیتے وقت محفوظن نے بشیری سے پوچھا: ”تم کیا کھاؤ گی؟“ بشیری نے جواب دیا کہ انہیں کڑھی پسند ہے۔ محفوظن نے کڑھی کبھی نہیں بنائی تھی۔ انہوں نے اپنی مجبوری بیان کی۔ بشیری نے اس دعوت میں خود کڑھی بنائی۔ محفوظن کے بیٹے خادم حسین نے دو بھینسیں رکھی ہوئی تھیں۔ محفوظن ہر جمعرات کو دودھ کی ایک بالٹی بھر کر خادم کے ہاتھ اپنی بہن بانو کے ہاں یہ کہہ کر بھیجتی تھیں: ”میری بہن اور اس کے گھر والے کھیر بنا کر کھائیں گے۔“

یاور حسین

محمد رمضان کے بیٹے یاور حسین کی پیدائش کے وقت ان کی والدہ اپنے والدین کے گھر ٹھسکہ میں تھیں۔ یاور کی ولادت قاضی محمد شفیع ولد محمد حسین کے گھر ہوئی۔ ان کی ختنہ بھی وہیں ہوئی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم بھی اپنے نانکے گاؤں ٹھسکہ میں حاصل کی۔[4] وہاں محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع سے ان کی دوستی تھی۔ ان دونوں نے ہندوستان میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ میٹرک کرنے کے بعد یاور انبالہ بینک میں ملازم ہو گئے۔[5] وہ چھٹی کے دن سید کھیڑی آتے تو اپنے محلہ کے بچّوں کو ایک دو آنے ضرور دیتے تھے۔[6] یاور کے والد محمد رمضان کو فضلے کیس میں سزا ہوئی تو ان کی نمبرداری ختم ہو گئی۔ یاور کو

---

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

۲ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۳ سیّد زائر حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۴ جون ۲۰۱۹ء

۴ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۵ سیّد محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۶ سیّد قائم حسین ولد سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

نمبردار بنانے کے لیے رمضان نے ۱۵ کلے زمین اپنے بیٹے کے نام لگوا دی۔ وہ زمین یاور کے ورثا کو پاکستان میں نہیں ملی۔[1]

خادم حسین

محمد رمضان کے بیٹے خادم حسین بھی ٹھسکہ میں پیدا ہوئے۔ یاور کی طرح ان کی ولادت بھی قاضی محمد شفیع کے گھر ہوئی۔ اپنے بڑے بھائی کی طرح خادم نے بھی ٹھسکہ سکول میں تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ جب ان کے والد کو فضلے کیس میں سزا ہوئی تو خادم چوتھی جماعت میں پڑھتے تھے۔ خادم کی والدہ نے انہیں سید کھیڑی بلا لیا۔ اپنے والد کی عدم موجودگی میں انہوں نے اپنی زمینوں کو سنبھالا۔ انہوں نے اپنی نگرانی میں فصل کاشت کروائی اور خود کام کرنے سے بھی گریز نہ کیا۔ ان کی محنت رنگ لائی اور فصل ہمیشہ سے زیادہ ہوئی۔ لوگوں نے بھی خادم کی محنت کی داد دی۔ خادم نے اناج کے علاوہ مختلف سبزیاں جیسے آلو، گھیا، توریاں اور مرچیں وغیرہ بھی کاشت کیں۔ ایک مرتبہ ۵۰ من آلو پیدا ہوئے اور انہیں بیچنے کا مسئلہ ہو گیا۔ خادم کی والدہ محفوظن نے دانوں کے برابر آلو دینے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح تھوڑے ہی عرصہ میں سارے آلو فروخت ہو گئے۔[2]

مسلم حسین

محمد رمضان کے بیٹے مسلم حسین عرف موچھی پڑھنے کے لیے چند دن سکول گئے اور پھر سکول جانا چھوڑ دیا۔ ان کے والد نے بہت زور لگایا لیکن وہ تعلیم حاصل کرنے کی طرف مائل نہ ہوئے۔ ایک دن وہ سکول جانے سے بچنے کے لیے ایک درخت پہ چڑھ کر بیٹھ گئے۔ اس واقعہ کے بعد ان کی والدہ نے کہا: ”اب اسے سکول نہیں بھیجنا۔“[3] بعدازاں وہ کھیتی باڑی میں اپنے والد کا ہاتھ بٹانے لگے۔ وہ اپنے جانوروں کو چَرانے کے لیے گاؤں سے باہر بھی لے جاتے تھے۔[4]

زائر حسین

محمد رمضان کے سب سے چھوٹے بیٹے زائر حسین کی عمر تقسیم ہند کے وقت پانچ چھ سال تھی۔ اپنے محلہ میں محمد علی ولد سجاد حسین اور قائم حسین ولد سید محمد عرف چھجو کے ساتھ ان کی دوستی تھی اور انہی کے ساتھ وہ کھیلتے تھے۔ وہ دونوں زائر کے ہم عمر تھے۔ قائم کی زمین بھی ان کی زمین کے ساتھ تھی۔ ایک دن زائر کے والد کے دوست چمہوڑ جٹ نے ان سے کہا: ”چلو تمہیں تمہاری زمینوں پر پھرا لاؤں۔“ چمہوڑ انہیں ساتھ لے گیا اور انہیں بتایا: ”یہ تمہاری زمینیں ہیں۔“[5]

---

۱ سیّد زائر حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۴ جون ۲۰۱۹ء

۲ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۳ سیّد زائر حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۴ جون ۲۰۱۹ء

۴ سیّد مسلم حسین عرف موچھی ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۵ سیّد زائر حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۴ جون ۲۰۱۹ء

عید محمد عرف عیدو

سیّدوں کے تیسرے محلہ کے باقر علی جب دکن سے سید کھیڑی واپس آئے تو عید محمد عرف عیدو ان کے ساتھ آیا تھا۔ سیّد اسلم حسین کے مطابق: ”باقر کی وفات کے بعد عیدو نے دعویٰ کیا کہ باقر نے اس کی ماں کے ساتھ شادی کی تھی اور وہ باقر کا بیٹا ہے۔ اس مسئلہ پر سید کھیڑی میں پنچایت بیٹھی اور کافی بحث مباحثہ کے بعد پنچایت نے فیصلہ عیدو کے حق میں دے دیا۔ اس طرح باقر کی زمین تقسیم ہو گئی۔ آدھی زمین رمضان کو ملی اور آدھی عیدو کو۔ دکھنی والا کنواں بھی آدھا آدھا تقسیم ہوا۔“ [۱]

عیدو کی شادی تاج بی بی عرف تاجو سے براڑہ میں ہوئی اور ان کے دو بیٹے بندو اور نھو ہوئے۔ عیدو نے سید کھیڑی ہی میں وفات پائی۔ عیدو کی بیوہ تاج بی بی ایک محنتی عورت تھیں۔ انہوں نے بھیڑ بکریاں پالیں اور اپنے بچّوں کی پرورش کی۔[۲] تاج بی بی کا قد لمبا تھا۔[۳]

بندو و نھو

سیّد زائر حسین کے مطابق: ”بندو اور نھو ہمارے نوکر تھے۔ وہ ہماری زمین کاشت کرتے تھے۔ سید کھیڑی میں ہم نے انہیں جگہ دی تھی۔ میرے باجی (والد) نے انہیں ایسے ہی زمین دے دی تھی کیونکہ میرے دادا نے وصیت کی تھی: ’یہ میرے بیٹے ہیں۔‘“[۴] سیّد اسلم حسین کے مطابق: ”عیدو اور ان کے بیٹوں بندو اور نھو کو سید کھیڑی میں غلام کہتے تھے۔ بندو اور نھو دونوں بھائی غیر معمولی لمبے تھے۔ نھو اپنے بھائی بندو سے بھی زیادہ لمبا تھا جب کہ طاقت بندو میں زیادہ تھی۔ بندو اپنی زمین کاشت کرتا تھا۔ نھو نے سیّدوں کے دوسرے محلہ کے اعجاز حسین ولد راکب نمبردار کے ساتھ زمین کی کاشت میں کافی عرصہ اشتراک کیا۔ نھو چوریاں بھی کرتا تھا جب کہ بندو چوری نہیں کرتا تھا۔“ [۵] سیّد ذوالفقار حسین کے مطابق: ”نھو ایک مرتبہ گاؤں کے چمار کے پاس گیا جو جوتیاں بناتا اور مرمت کرتا تھا۔ چمار جہاں بیٹھتا تھا اس کے چاروں طرف چھ فٹ کی دیوار تھی اور سامنے دروازہ تھا لیکن چار دیواری کی چھت نہیں تھی۔ نھو نے دیوار کے پیچھے کھڑے ہو کر چمار سے کہا: ’جوتی بنوانی ہے۔‘ چمار نے جواب دیا: ’میر صاحب! گھوڑے سے نیچے اتر آؤ، جوتی بنا دیں گے۔‘ نھو نے کہا: ’میں نیچے ہی کھڑا ہوں۔‘ چمار نے کہا: ’پھر تمہاری جوتی نہیں بنتی۔‘ قد لمبا ہونے کی وجہ سے نھو کے پاؤں بھی بہت بڑے تھے۔“ [۶] سیّد محمد امیر کے مطابق: ”نھو بہت لمبا تھا۔ گلی میں سے گزرتا تو دیوار پر سے نظر آتا تھا۔ میری ماں صحن میں بیٹھی ہوئی کہتی تھیں:

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۲ سیّد زاہد حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کوٹلی باوا فقیر چند — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۳ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

۴ سیّد زائر حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۴ جون ۲۰۱۹ء

۵ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۶ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

'بھائی سلام'۔ نقو 'زندہ رہو' کی دُعا دیتے ہوئے گزر جاتا تھا۔" [1]

سیّد احسن

سیّد احسن کے والد غالب علی تھے۔ وہ زمینداری کرتے تھے۔ ان کی زمین تقریباً دو مربعے تھی۔ وہ اگر کہیں عورتوں کو اونچی آواز میں بولتا سن لیتے تو سخت الفاظ میں سرزنش کرتے تھے۔ احسن جہاں موجود ہوتے یا جہاں سے گزر رہے ہوتے وہاں عورتیں خاموش رہنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتی تھیں۔ احسن کے ایک فرزند سید محمد تھے۔

سید محمد عرف چھجو

احسن کے اکلوتے فرزند سید محمد چھجو کے نام سے مشہور تھے۔ وہ اپنے باپ دادا کی طرح اپنی زمینوں سے منسلک رہے۔ چھجو بیل گاڑی بھی چلاتے تھے۔ اپنی بیل گاڑی کو انہوں نے رتھ کی طرح سجایا تھا۔ وہ حصار سے بیلوں کی جوڑی لائے تھے۔ یہ بیل دوڑنے میں مشہور تھے۔ چھجو کی بیل گاڑی چونکہ چلنے میں تیز تھی اس لیے امیر لوگ کرایہ پر لینے کے لیے اسے ترجیح دیتے تھے۔ راجپورہ کی کنجریاں بھی عموماً مختلف جگہوں پر محفلوں میں جانے کے لیے چھجو کی بیل گاڑی کرایہ پر لیتی تھیں۔[2] چھجو بہت ملنسار تھے۔[3]

چھجو نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے سیّدوں کے دوسرے محلہ میں بی بی، جو محمد مسیتا کی بہن تھیں، سے کی اور ان کے ایک بیٹی سروری ہوئیں۔ سروری کی شادی انہوں نے سیّدوں کے پہلے محلہ کے ناصر حسین ولد باقر حسین سے کی۔[4] اپنی بیٹی کی شادی کے بعد چھجو نے پہلی بیوی کے کہنے پر دوسری شادی[5] رضیہ بیگم عرف جیا سے پٹیالہ میں کی۔ جیا اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھیں۔[6] چھجو اور رضیہ کے دو بیٹے قائم حسین اور اکرام حسین ہوئے۔[7] رضیہ راجپورہ میں یکم جنوری ۱۹۴۷ء کو فوت ہوئیں۔ انہیں بعد نماز مغرب دفن کیا گیا۔[8] چھجو کی پہلی بیوی بی بی بھی ہندوستان میں فوت ہوئیں۔[9]

---

۱ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد قائم حسین ولد سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

۳ سیّد زاہد حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کوٹلی باوا فقیر چند — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۴ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء
سیّد زاہد حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کوٹلی باوا فقیر چند — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

5 سیّد احسان علی ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد انوار علی ولد احسان علی بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ جنوری ۲۰۱۹ء

۶ سیّد اکرام حسین ولد سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۶ مارچ ۲۰۱۸ء

۷ سیّد زاہد حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کوٹلی باوا فقیر چند — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۸ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۹ سیّد زاہد حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کوٹلی باوا فقیر چند — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

تقسیم ہند کے وقت چھجو کے بیٹے قائم چھ سال اور اکرام آٹھ ماہ کے تھے۔ سید کھیڑی کے نزدیک خیر پور نامی گاؤں میں چھجو کے تین ہندو دوست رہتے تھے جو آپس میں بھائی تھے۔ چھجو اور ان کے ہندو دوست ایک دوسرے کے گھر آتے جاتے تھے۔ چھجو بعض اوقات اپنے بیٹے قائم کو ان کے ہاں چھوڑ جاتے تھے اور وہ تینوں بھائی قائم کا خیال رکھتے تھے۔ ان تینوں ہندو بھائیوں نے کھانا کھانے اور پوجا پاٹ کے لیے زمین پر ایک تھڑی بنائی ہوئی تھی۔[۱]

تحور حسین

تحور حسین کے والد ذاکر حسین، دادا برکت علی اور پردادا انور علی تھے۔ تحور کے دادا برکت علی پٹیالہ حکومت کے ایک وزیر کے بچّوں کو قرآن پڑھاتے تھے اور روزانہ سید کھیڑی سے پٹیالہ جاتے تھے۔ ان کا یا ان کے کسی قریبی عزیز کا گاؤں میں کسی سے تنازعہ ہو جاتا تو وہ وزیر سے سفارش کروا لیتے تھے۔ اس لیے گاؤں والوں پر ان کا ایک طرح سے دباؤ تھا۔

برکت علی کے ایک فرزند ذاکر حسین اور ذاکر حسین کے تین فرزند تحور حسین، سجاد حسین اور مشتاق حسین ہوئے۔ تحور اپنے باپ دادا کی طرح کھیتی باڑی کرتے تھے۔ وہ ایسا دم جانتے تھے جس سے پاگل کتّے کا کاٹا ہوا مریض ٹھیک ہو جاتا تھا۔ ایسے مریض ان کے پاس دم کروانے کے لیے سید کھیڑی آتے تھے۔ یہ دم گاؤں میں آنے والا ایک فقیر انہیں دے گیا تھا۔[۲]

تحور کے مزاج میں غصہ تھا اور وہ گاؤں کے لڑائی جھگڑوں میں ملوث رہتے تھے۔ انہوں نے دوسروں کو مارا بھی اور خود بھی دوسروں سے مار کھائی۔ فضلا عرائض نویس پر قاتلانہ حملہ کرنے والوں میں تحور شامل تھے اور اس کیس میں انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ جیل کاٹی۔ وہ لڑنے جھگڑنے کی وجہ سے بدنام تھے اس لیے گاؤں میں کوئی انہیں رشتہ دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ صادق حسین نے گھگر سرائے میں فضل النساء عرف فضلی دختر محمد حسن کے لیے تحور کے رشتہ کی بات کی۔ فضلی کے والد فوت ہو چکے تھے۔ وہ گھگر سرائے کے بڑے زمیندار عظمت علی کی بھتیجی تھیں۔ فضلی کے بزرگوں نے یہ شرط عائد کی کہ تحور کا بھائی سات سال تک فضلی کے والد کی زمین کاشت کرے تاکہ وہ ان کے خاندان کی عادات و اطوار کو اچھی طرح سے پرکھ سکیں۔ اس شرط کو پورا کرنے کے لیے تحور کے بھائی سجاد نے سات سال فضلی کے بھائیوں کی زمین کاشت کی۔ اس کے بعد تحور کی فضلی کے ساتھ شادی ہوئی۔ فضلی عموماً یہ جتاتی تھیں: "تحور کا بھائی سات سال تک میرے بھائیوں کے ہل چلاتا رہا۔"

تحور اور فضلی کے پانچ بیٹیاں ہاشمی، انوری، اختری، خورشیدہ عرف سیدو اور اکبری ہوئیں۔ پہلی تین کی شادی ہندوستان میں ہو گئی تھی۔ ہاشمی بیاہ کر گھگر سرائے اور اختری بھور گئیں۔ انوری کی شادی سید کھیڑی ہی میں سیّدوں کے

---

۱ سیّد قائم حسین ولد سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد زاہد حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کوٹلی باوا فقیر چند — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

دوسرے محلہ کے تجمل حسین ولد جمال علی سے ہوئی۔[1]

سجاد حسین

تحور کے چھوٹے بھائی سجاد حسین اپنے والد اور بھائیوں کے ساتھ مل کر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ وہ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ گاؤں میں ہونے والے جھگڑوں میں بھی ملوث رہے۔ وہ گرم مزاج تھے اور جلدی غصہ میں آ جاتے تھے۔ انہوں نے فضلے سے مار بھی کھائی۔[2] ایک زمانہ میں سجاد اپنے بھائیوں کے لیے روٹیاں بھی پکاتے تھے۔ اپنے چھوٹے بھائی مشتاق کی انہوں نے پرورش کی۔[3] ان کا گھر تیسرے محلہ کے شروع میں تھا۔

سجاد کی شادی دوسرے محلہ میں شبیرن دختر مراتب علی سے ہوئی۔ سجاد اور شبیرن کے تین بیٹے زاہد حسین، راحت حسین اور محمد علی اور ایک بیٹی حیدری ہوئیں۔ زاہد اور راحت اپنے والد کے ساتھ مل کر کھیتی باڑی کرتے تھے جب کہ محمد علی بچّے تھے۔ زاہد دوسرے محلہ کے مظاہر حسین ولد راکب نمبردار کے ساتھ مل کر سوز خوانی کرتے تھے۔ تقسیم ہند کے وقت زاہد کی عمر ۲۴ سال تھی۔

مشتاق حسین

مشتاق حسین اپنے بڑے بھائیوں تحور اور سجاد کے ساتھ مل کر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ وہ خوش مزاج آدمی تھے لیکن اپنے بڑے بھائی تحور کی وجہ سے گاؤں کے لڑائی جھگڑوں میں ملوث ہوئے۔ انہوں نے فضلے سے مار بھی کھائی۔ مشتاق کی شادی بتول دختر نیامت علی سے گھگر سرائے میں ہوئی۔ ان کے تین بیٹیاں بنت فاطمہ عرف بودھو، کنیز فاطمہ اور توقیر فاطمہ ہوئیں۔ بودھو کی شادی ہندوستان میں ہو گئی تھی۔

صغیر حسین

صغیر حسین کے والد عابد علی، دادا اشرف علی اور پردادا انور علی تھے۔ وہ اپنے باپ دادا کی طرح اپنی زمین کاشت کرتے تھے۔[4] صغیر کے والد عابد گاؤں کے لڑائی جھگڑوں میں اپنے جدی تحور کا ساتھ دیتے تھے۔[5] لیکن صغیر بہت شریف آدمی تھے۔ وہ کبھی کسی سے لڑائی نہیں کرتے تھے۔ صغیر کی شادی نذیراں بیگم دختر باقر حسین سے گھگر سرائے میں ہوئی اور

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون/ بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء، ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۲ سیّد زاہد حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کوٹلی باوا فقیر چند — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۳ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۴ سیّد زاہد حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کوٹلی باوا فقیر چند — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۵ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

ہندوستان میں ان کے ایک فرزند خورشید ہوئے۔[1]

عبدالکریم

عبدالکریم نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی سے ان کے ایک بیٹا علی محمد اور ایک بیٹی شیدو ہوئیں۔ علی محمد غیر شادی شدہ فوت ہوئے۔ شیدو کی شادی عابد کے ساتھ ہوئی۔ عبدالکریم اپنی بیوی کی وفات کے بعد اپنی بیٹی کے گھر روٹی کھاتے رہے۔ سیّد اسلم حسین کے مطابق: ”بیٹی نے باپ کو زہر دے دیا۔ تاہم عبدالکریم کو الٹی آ گئی اور وہ بچ گیا۔ وہ کہتا تھا: ’میں تھانہ جاؤں گا اور پرچہ کٹواؤں گا۔‘ لوگوں نے کہا: ’بیٹی نے جو کیا سو کیا، تو بچ گیا ہے۔ پرچہ نہ کٹوانا کیونکہ کل کو ہماری بیٹیاں کوئی نہیں لے گا اور کہیں گے کہ یہ تو باپوں کو زہر دے دیتی ہیں۔‘ وہ پھر روٹی کسی کے نہیں کھاتا تھا۔ اپنی روٹی خود ہی پکا لیتا تھا۔ پھر اس نے میرے دادا سے کہا: ’بھائی صادق! مجھے کوئی رنڈی عورت کروا دے تاکہ میری روٹی پک جائے۔‘ میرے دادا نے کہا: ’ٹھیک ہے۔‘ گھگر سرائے میں ۱۳ محرم کو مجلس ہوتی تھی۔ میرا دادا وہاں گیا تو پتہ لگا کہ فقیروں میں ایک عورت بیوہ ہوئی ہے۔ میرے دادا نے اپنی خالہ سے عبدالکریم کے لیے رشتہ پوچھنے کا کہا۔ عورت والوں نے کہا کہ بیوہ جوان ہے جب کہ عبدالکریم بوڑھا ہے۔ کل کو وہ مر گیا تو بیوہ کا کیا بنے گا۔ اس لیے بیوہ کے نام کچھ زمین لکھوا دو۔ عبدالکریم راضی ہو گیا اور بیوہ کے نام کچھ زمین لکھوا دی۔ پھر نکاح ہوا۔ اس دوسری شادی سے عبدالکریم کے ایک بیٹی حیدری ہوئی۔ عبدالکریم نے عدالت میں لکھوایا تھا کہ اس کی بیٹی کی شادی غیر سیّدوں میں نہیں کر سکتے کیونکہ اسے خوف تھا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی بیٹی کو فقیروں میں نہ بیاہ دیں۔ حیدری دو تین سال کی تھی کہ عبدالکریم فوت ہو گیا۔ پھر اس کی ماں بھی فوت ہو گئی تو اسے اس کی خالہ نے پالا۔ وہ زمین میں حیدری کا حصّہ کھاتے رہے۔ گھگر سرائے کا زمیندار عظمت علی بیچ میں پڑا اور میرے دادا نے ۲۰۰ روپے عدالت میں بھرے اور پھر حیدری کی شادی میرے چاچا ہادی سے ہوئی۔“[2]

محمد حسین

محمد حسین کا گھر سجاد کے گھر سے اگلا تھا۔ لوگ انہیں ’نتھو نواب کا‘ کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ گاؤں کے لڑائی جھگڑوں میں فضلے کی حمایت کرتے تھے کیونکہ فضلے کے داماد شبیر اور سیّدو ان کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کی شادی حیدری دختر شریف حسین سے گھگر سرائے میں ہوئی اور ان کے چار بیٹے اعجاز حسین، مظاہر حسین، سرور حسین اور محمد رمضان اور دو بیٹیاں ذکیہ اور جیا ہوئیں۔ محمد حسین زیادہ تر اپنے سسرال کے گاؤں میں رہتے تھے۔ انہوں نے ہندوستان میں ہی وفات پائی۔[3]

محمد حسین کے چاروں بیٹے محنت مزدوری کرتے تھے۔ اعجاز اور مظاہر راجپورہ میں بسکٹوں کی فیکٹری میں دیہاڑی دار

---

۱ سیّد زاہد حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کوٹلی باوا فقیر چند — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۲ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۲۲ مارچ 2019ء

۳ سیّد زاہد حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کوٹلی باوا فقیر چند — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

مزدور تھے۔ ان کی ماں انہیں صبح روٹی پکا کر دیتی تھیں جسے وہ کام پر جاتے ہوئے ساتھ لے جاتے تھے۔ وہاں آٹھ آنے دیہاڑی ملتی تھی۔ دونوں بھائی روزانہ ایک روپیہ کماتے تھے۔ محمد حسین کے بیٹے محمد رمضان دوسروں کے جانور آدھ پر پالتے تھے۔ انھوں نے پانچ چھ بھینسیں رکھی ہوئی تھیں۔ مٹھوؤں کے محلّے والے انہیں اپنی پیلی میں بھینسیں چَرانے نہیں دیتے تھے کیونکہ جب فضلے کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی تو ان کے والد نے فضلے کا ساتھ دیا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر روڑیوں پر اپنے جانور چَراتے تھے۔[۱]

خیرات علی

خیرات علی کے والد باقر علی تھے۔ خیرات نے حج اور زیارتیں کرنے کے لیے پیدل سفر کیا جس کے نتیجہ میں ان کے سارے خاندان کو حاجی کہتے تھے۔ خیرات علی زمینداری کرتے تھے۔ ان کی زمین ۵۰ ایکڑ تھی۔ ان کے دو بیٹے فرزند علی اور جعفر حسین ہوئے۔ فرزند علی دراز قد، صحت مند اور دلیر آدمی تھے۔ وہ غیر شادی شدہ فوت ہوئے۔

جعفر حسین

خیرات علی کے فرزند جعفر حسین اپنے والد کی طرح زمینداری کرتے تھے۔ انھوں نے جانور بھی رکھے ہوئے تھے اور دودھ، اناج سب کچھ ان کے گھر کا تھا۔ انھوں نے ۲۰، ۲۵ سال دوسرے محلہ کے رہائشی صادق حسین کے ساتھ مل کر کھیتی باڑی کی۔ وہ بہت شریف آدمی تھے اور سب لوگ ان کی عزّت کرتے تھے۔ وہ پابند صوم و صلوٰۃ تھے اور ہر سال تین ماہ کے روزے رکھتے تھے۔ انہیں انبالہ یا کسی اور جگہ جانا ہوتا تو اپنے گڈے پر جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک بچّہ ان کے گڈے کے نیچے آکر مر گیا۔ پولیس آئی اور انہیں پکڑ کر لے گئی۔ تاہم پولیس والوں نے انہیں ہتھکڑی نہیں لگائی۔ حوالات میں بھی انہیں بغیر قفل لگائے رکھا۔ مرنے والے بچّے کے ورثا نے انہیں معاف کر دیا اور وہ گھر آ گئے۔ جعفر کے گھر کے ایک طرف محمد رمضان نمبردار اور دوسری طرف 'نھتو نواب کا' کے گھر تھے۔ بندو اور نھتو کا گھر ان کے گھر کے سامنے تھا۔

جعفر حسین کی شادی ضمیرہ بیگم دختر محمد حسین سے جھل گاؤں میں ہوئی اور ان کے دو بیٹے ذاکر حسین اور ناصر حسین اور ایک بیٹی ذکیہ بیگم ہوئیں۔ ذکیہ بھائیوں سے بڑی تھیں۔ ان کی شادی دوسرے محلہ کے رہائشی مختار حسین ولد تفضل حسین سے ہوئی۔ جعفر کے بڑے بیٹے ذاکر حسین نے سکول میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ وہ زمینوں پر اپنے والد کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ جعفر کے چھوٹے بیٹے ناصر حسین، جو بعدازاں اپنا نام ناصر علی لکھنے لگے، کی عمر تقسیم ہند کے وقت چھ سات سال تھی اور ذاکر حسین ان سے ۱۰ سال بڑے تھے۔ ناصر جب دو سال کے تھے تو ان کی والدہ وفات پا گئی تھیں۔[۲]

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۲۲ مارچ ۲۰۱۹ء
سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد ناصر علی ولد جعفر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۶ اپریل ۲۰۱۹ء

شیر محمد و علی محمد

تیسرے محلّے میں دو بھائی شیر محمد اور علی محمد بھی رہتے تھے۔ علی محمد نے شادی نہیں کی۔ شیر محمد کی ایک بیٹی صدیقن تھیں۔ صدیقن کی شادی انبالہ میں ہوئی اور ان کے ایک بیٹی اقبال ہوئیں۔ صدیقن بیوہ ہو گئیں تو سید کھیڑی آ کر رہنے لگیں۔ شیر محمد سید کھیڑی میں ہی فوت ہو گئے۔[1]

مہدی حسین

مہدی حسین ۷ محرم ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) کو سید کھیڑی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد فرزند علی تھے۔ مہدی نے ابتدائی تعلیم سیّدوں کے پہلے محلہ کے مولوی قاسم علی سے حاصل کی اور سات سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھ لیا۔ بچپن میں ان کی آنکھیں خراب رہتی تھیں۔ ان کے مطابق انہیں غیب سے دُعا کی تحریک ہوئی اور اس دُعا کے نتیجہ میں چھ ماہ بعد انہیں چیچک کا مرض لاحق ہو گیا۔ اس مرض سے ان کی آنکھیں مزید خراب ہونے کی بجائے ٹھیک ہو گئیں۔

مہدی حسین ۱۵ سال کی عمر میں امام مہدی کی تلاش میں سید کھیڑی سے لدھیانہ آ گئے۔ وہاں انہیں مرزا غلام احمد کی کتب اور لٹریچر پڑھنے کو ملا جس سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ اپنے طور پر کافی تحقیق کرنے اور کچھ لوگوں سے بحث مباحثہ کرنے کے بعد مہدی نے ۱۸۹۳ء میں بذریعہ خط مرزا غلام احمد کی بیعت کر لی۔ عقیدہ کی تبدیلی پر مہدی کو اپنے گاؤں والوں، برادری اور والد صاحب کی طرف سے شدید مخالفت کا سامنا ہوا۔ شیعہ سادات میں کسی کا احمدی خیالات کو قبول کر لینا ایک انوکھی مثال تھی اور اس کا شدید ردِّ عمل بھی غیر متوقع نہ تھا۔ مہدی ۱۹۰۰ء میں قادیان گئے اور مرزا غلام احمد کی بالمشافہ دستی بیعت کی۔ ۱۹۰۱ء میں وہ خود قادیان جا کر رہنے لگے اور ۱۹۰۷ء میں اپنے بیوی بچّوں کو بھی سید کھیڑی سے قادیان لے گئے۔ ان کا ایک بیٹا غفور تھا۔ جب کہ ایک اور بیٹا امیر حسین ۱۹۰۷ء میں ڈھاپ میں غرق ہو گیا تھا۔ مہدی کے مطابق انہوں نے اپنے بیٹے کے مرنے سے پہلے خواب دیکھا کہ امیر حسین پھرتے پھرتے ہی مر گیا۔ بیٹے کے مرنے کے بعد وہ اپنے بیوی بچّوں کو سید کھیڑی سے قادیان لے گئے تھے۔

مہدی نے اپنے نظریہ میں آنے والی تبدیلی کو ۱۹۳۸ء میں قلمبند کیا۔ ان کی خود نوشت سوانح حیات کے کچھ حصّے قادیان سے شائع ہونے والے الحکم رسالہ میں بھی شائع ہوئے۔ ان کی اپنے حالات زندگی کے بارے میں اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریریں ربوہ میں محفوظ ہیں۔ مرزا غلام احمد کی طرف راغب ہونے سے پہلے کے حالات کے بارے میں مہدی نے لکھا:

”میں نے ۱۳ سال کی عمر میں امام مہدی کی تلاش شروع کر دی اور ۱۴ سال کی عمر میں اس مقصد کے لیے ایک شب ایک مجادلہ کیا جس کے نتیجہ میں مجھے امام مہدی کی زیارت نصیب ہوئی۔ ۱۵ سال کی عمر میں اپنے گھر والوں کو کچھ بتائے بغیر میں امام مہدی کی تلاش میں اپنے گاؤں (سید کھیڑی) سے لدھیانہ چلا گیا اور وہاں کے ایک شیعہ سیّد سے جو امام ویردی کے شاگردوں میں سے تھے خوشخطی سیکھنے لگا اور اس کے قواعد ازبر کر لیے۔ بعد میں یہ علم پروف دیکھنے کے لیے قادیان میں

1 سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

میرے بہت کام آیا۔ یہ ۱۸۸۱ء کا زمانہ تھا۔"

اس کے بعد مہدی نے ۱۸۸۳ء میں ستارہ دو السنین کو دیکھنے اور امام مہدی کی تلاش میں کہیں جانے کے لیے ایک ویران مسجد میں رات ۱۲ بجے نماز استخارہ پڑھنے کا ذکر کیا۔۱۸۸۶ء میں انہوں نے ایک شخص کے پاس کتاب سرمہ چشم دیکھی۔ صاحب کتاب عبدالکریم خاں احمدی، مہدی کے مطابق، ان کے وطن کے قریب کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۸۷ء میں انہوں نے کسی کے ہاتھ میں سبز اشتہار دیکھا۔ انہوں نے کتاب سرمہ چشم اور سبز اشتہار کے اپنے اوپر ہونے والے اثرات کا ذکر بھی کیا۔

پھر مہدی نے لکھا: "اس کے بعد دو تین سال میں ظلمات بیخبری میں رہا۔ اسی اثناء میں مجھے شیعہ، سنّی مباحثات سے واسطہ پڑا۔ اور میں نے قرآن کریم کے مختلف مقامات کی آیات کے معنی شیعہ اور سنّی علماء سے سن کر اس کا تصفیہ کر لیا کہ نہ شیعہ میں کوئی روشنی موجود ہے، نہ سنّی صاحبان کے پاس کوئی مابہ الامتیاز بات ہے۔ سیّد محمود شاہ صاحب چھچھ ہزارہ والا واعظ کے ساتھ گفتگو کرنے سے میں نے یہ فیصلہ ان کی حسب خواہش کر لیا کہ آئندہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھا کروں گا۔ مگر اس پر میری برادری کے لوگوں نے مجھ سے بائیکاٹ کر دیا۔ میں نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔"

مہدی نے مزید لکھا: "۱۸۹۱ء میں ابھی میں شیعہ ہی تھا کہ ایک اوورسیئر صاحب جن کا نام اصغر حسین اور مذہب شیعہ تھا سے دریائے ستلج کے کنارے پر گفتگو ہوئی۔" اصغر نے مرزا کو جھوٹا قرار دیا تو مہدی نے مرزا کا دفاع کیا۔ اس پر اصغر نے مہدی سے کہا: "تم قادیانی ہو گئے اور تم اس سے مل جاؤ گے۔" مہدی نے جواب دیا: "میں نے قادیان کو دیکھا نہ قادیانی سے ملا۔ میں کیسے قادیانی ہو گیا۔" اصغر نے کہا: "تم ضرور قادیانی ہو جاؤ گے۔ بس تم گئے۔ یہ ضرور ہو کر رہے گا۔"

اس کے بعد مہدی نے احمدیوں کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھنے، ایک قرآنی استخارہ تجویز کر کے وتر پڑھنے، مرزا کو بیعت کا خط لکھنے اور اس کی منظوری آنے کا ذکر کیا۔ پھر مہدی نے لکھا: "اہل وطن (سید کھیڑی والوں) سے الگ پرخاش تھی، اور مذاہب سے چھیڑ چھاڑ رہنے لگی۔ مخالفین میرے قتل کے درپے ہو گئے۔ میں مباحثات کرتا رہا۔ مگر کسی کا ہاتھ آج تک مجھ پر بلند نہیں ہوا۔" مہدی اپنے احمدیہ عقائد میں پختہ ہوتے گئے اور اس سلسلہ میں مخالف نظریات کے لوگوں سے مباحثے کیے۔ پنڈت لیکھرام سے فیروز پور میں اور آریہ رجن لعل صاحب، ایگزیکٹو انجینئر علیگ محکمہ نہر، سے گنڈا سنگھ والا میں ہونے والے مباحثوں کو انہوں نے طویل مقالموں کی صورت میں اپنی سوانح حیات میں درج کیا۔ ان مباحثوں میں، ان کے دعویٰ کے مطابق، انہوں نے اپنے مخالفین کو لا جواب کر دیا۔

مہدی ۱۹۰۰ء میں پہلی مرتبہ قادیان گئے اور بالمشافہ مرزا غلام احمد کی بیعت کی۔ اس ملاقات میں مہدی کے مطابق مولوی عبدالکریم نے ان کے خطوط پہنچنے کا ذکر کیا اور کہا: "آپ نے اپنے والد صاحب کی مخالفت کا حال بھی لکھا تھا۔ میں نے کہا ہاں میں وہی ہوں۔" مہدی نے مرزا کے ساتھ اپنی گفتگو، صبح کی سیر پر جانے اور واپسی پر مرزا کو اپنی ایک نظم سنانے کا ذکر بھی کیا۔ انہوں نے لکھا: "اس نظم کے سناتے وقت مولوی محمد احسن صاحب نے کہا کہ یہ شیعہ معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے انکار کیا اور کہا میں اب شیعہ نہیں ہوں۔ لیکن نظم کے خاتمہ پر میں نے ایک مصرعہ سنایا جو مجھے الہام ہوا تھا

اور وہ یہ تھا:

اے مجرئی غم کھا کہ یہ اندوہ کے دن ہیں

اس پر سب لوگ ہنس پڑے اور کہنے لگے بیشک یہ شیعہ ہیں۔"

مہدی ۱۹۰۱ء میں ایک چھوٹی سی بات پر ملازمت سے استعفیٰ دے کر مستقل طور پر قادیان چلے گئے۔ انہوں نے ۱۹۰۸ء میں مرزا کی وفات تک کے قادیان میں اپنے حالات و واقعات کا تذکرہ بھی اپنی سوانح حیات میں تفصیل سے کیا۔ اس عرصہ کے دوران وہ مرزا کے گھر کے دربان، کتاب خانہ کے مہتمم اور لنگر خانہ کے انچارج بھی رہے۔ وہ مورخہ ۳۱ اگست ۱۹۴۱ء کو فوت ہوئے اور 'بہشتی مقبرہ' قادیان میں دفن ہوئے۔ احمدی ان کا شمار مرزا کے '۳۱۳ اصحاب' میں کرتے ہیں۔[1]

رہن سہن

تقسیم ہند سے پہلے سید کھیڑی لگ بھگ ایک سو گھروں پر مشتمل تھا جن میں تقریباً آدھے گھر سیّدوں کے اور باقی گھروں میں اکثریت ارائیں مسلمانوں اور نچلی ذات کے ہندوؤں کی تھی۔ نچلی ذات کے ہندوؤں کو اس وقت چوڑھے چمار کہتے تھے۔ سیّد سب شیعہ اور ارائیں سنّی تھے۔ سیّد زمیندار تھے اور ارائیں سیّدوں کی زمینوں پر مضارعوں کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔[2] ایک گھر نائی کا، ایک منشی بھرائی کا، ایک مراثیوں کا، تین چار کمہاروں کے اور چار پانچ گھر تیلیوں کے بھی تھے۔ تیلی سرسوں کا تیل نکالتے تھے۔ منشی بھرائی کا گھر ارائیوں کے محلہ میں تھا۔ وہ ڈھول بجاتا تھا۔ ان دنوں لاؤڈ سپیکر نہیں تھے۔ اگر کوئی اعلان کرنا ہوتا تو وہ ڈھول بجا کر اعلان کر دیتا تھا۔ اس کا نام منشی تھا اور بھرائی شیخ کو کہتے تھے۔ مراثی کا نام کاظم تھا اور اس کے دو بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا طفیل اور چھوٹا دلشاد تھا۔[3]

سیّدوں کے تین محلّے تھے۔ راجو کے مزار کی جانب سے گاؤں میں داخل ہوتے تو سامنے سیّدوں کا پہلا محلہ، جس میں راجو کی اولاد رہتی تھی، اس کے بائیں جانب سیّدوں کا دوسرا محلہ اور دوسرے محلہ کے بائیں جانب سیّدوں کا تیسرا محلہ تھا۔ ان محلوں کے بیچ میں سے گزرنے کے بعد باقی افراد کے گھر تھے۔ سیّدوں کے پہلے محلہ سے آگے چماروں کا محلہ اور سیّدوں کے دوسرے اور تیسرے محلّے سے آگے ارائیں مسلمانوں کے محلّے تھے جہاں دوسری ذاتوں کے مسلمان بھی رہتے تھے۔ کچھ غیر سیّد مسلمانوں کے گھر سیّدوں کے دوسرے اور تیسرے محلّے میں بھی تھے۔

---

۱ یادداشتیں سیّد مہدی حسین ولد فرزند علی ــ قلمی نسخہ ــ ربوہ
(پروفیسر سیّد سبط حسن ولد ناصر حسین نے ربوہ سے مہدی حسین کی خود نوشت سوانح حیات کی فوٹو سٹیٹ کاپی کروا کے مؤلف کو بھیجی)۔

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــ راولپنڈی ــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــ فیروز کے ناگرہ ــ ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

سیّدوں کا پہلا محلہ

سیّدوں کا پہلا محلہ شروع ہوتے ہی بائیں جانب محمد عسکری عرف نتھو نمبردار کی بیٹھک تھی۔ اس سے چند قدم آگے باقر حسین نے بھی اپنی بیٹھک بنا لی تھی۔ ان دو بیٹھکوں سے آگے تین حویلیاں تھیں جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں۔ ایک بڑی حویلی تھی جس کے سامنے دو چھوٹی حویلیاں ایسی بنی تھیں کہ ان کے درمیان خالی جگہ تھی اور اس خالی جگہ میں ہی تینوں حویلیوں کے بیرونی دروازے کھلتے تھے۔ اگر بڑی حویلی کے دروازہ پر کھڑے ہوں تو ایک چھوٹی حویلی اس کی دروازہ والی دیوار کے دائیں حصّہ کے ساتھ اور دوسری چھوٹی حویلی بائیں حصّہ کے ساتھ آمنے سامنے بنی ہوئی تھیں۔ یعنی تینوں حویلیوں کے دروازوں پہ اگر مکین کھڑے ہوتے تو آپس میں آرام سے تبادلہ خیال کر سکتے تھے۔

یہ تعمیر تو گلی یا محلہ کے بائیں طرف تھی جب کہ دائیں طرف پہلے امام بارگاہ کی عمارت تھی جس کے دو دالان تھے۔ پھر الٰہی بخش کے پوتوں کی ایک مشترکہ بیٹھک تھی جو زیادہ تر غلام عباس کے تصرف میں رہتی تھی اور وہی اس میں محفل جمایا کرتے تھے۔ بیٹھک سے چند قدم آگے مسجد تھی۔ مسجد اور دوسری چھوٹی حویلی کے درمیان ایک کنواں تھا جس سے محلہ کے تمام مکین روزمرّہ کے استعمال کے لیے پانی نکالتے تھے۔ تینوں حویلیاں، امام بارگاہ، مسجد اور کنواں پرانے زمانہ کے تعمیر شدہ تھے۔ چھوٹی اینٹ کی بنی ہوئی یہ عمارتیں مضبوطی میں اپنی مثال آپ تھیں۔ چوڑی دیواروں پر مشتمل حویلیوں کی ساخت سے یہ واضح تھا کہ بڑی حویلی سب سے پہلے تعمیر ہوئی۔ یہ غالباً دادا راجو کے وقت سے تھی۔ پھر جب خاندان کے افراد کی تعداد بڑھی تو پہلی چھوٹی حویلی تعمیر ہوئی جس میں برکت علی اور رحمت علی کی اولاد رہتی تھی۔ بعدازاں خاندان مزید پھیلا تو پہلی چھوٹی حویلی کے سامنے دوسری چھوٹی حویلی تعمیر ہوئی جس میں حیدر علی کی اولاد رہتی تھی۔ الٰہی بخش کا خاندان، امام علی کا خاندان اور مولویوں کا خاندان بڑی حویلی میں ہی رہے۔ تاہم الٰہی بخش کے پوتے غلام عباس نے رحمت علی کی اولاد سے دو کمرے خرید کر اپنی رہائش پہلی چھوٹی حویلی میں رکھ لی تھی۔ سید کھیڑی میں راجو کی اولاد کے آخری دور میں تین حویلیوں کے ہر کمرہ میں ایک کنبہ رہتا تھا۔ راجو کا خاندان پھیلتا جا رہا تھا اور تین حویلیاں ان کے لیے تنگ ہوتی جا رہی تھیں۔ اسی لیے تقسیم ہند سے چند سال پہلے بڑی حویلی کے رہائشی تین بزرگوں باقر حسین، نذر حسین اور محمد سالم نے مسجد سے آگے اپنے علیحدہ مکان بنا لیے تھے اور اپنے کنبوں کے ساتھ وہاں رہنے لگے تھے۔ گاؤں کے دوسرے افراد کی طرح دوسرے اور تیسرے محلّے میں آباد سیّدوں کے آباء سید راجو اور ان کی اولاد کی دعوت پر سید کھیڑی میں آباد ہوئے تھے۔ صدیوں کی رفاقت کے نتیجہ میں سید راجو کی اولاد کی دوسرے اور تیسرے محلّے کے سیّدوں کے ساتھ کچھ رشتہ داریاں بھی ہو گئی تھیں۔[۱]

سیّدوں کے پہلے محلہ میں رہنے والے راجو کی اولاد کے بزرگوں کے بارے میں چماروں کے محلہ کے رہائشی چیست رام عرف چیتو نے کہا: ”وہ بہت اچھے تھے اور ہماری مدد کرتے تھے۔ وہ ہماری بہنوں، بیٹیوں کی عزّتوں کے سانجھے تھے۔“ [۲]

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ چیست رام عرف چیتو ولد مگھی رام (قدیم رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سید کھیڑی — یکم مارچ ۲۰۰۵ء

سیّدوں کا دوسرا محلہ

سیّدوں کے دوسرے محلہ میں محمد کاظم ولد صورت علی نمبردار کا گھر تھا۔ سیّد غلام عباس ولد ایزد بخش کہتے تھے: ”سیّدوں کے دوسرے محلہ میں سب سے پہلا گھر کاظم نمبردار کے بزرگوں نے بنایا تھا۔“ کاظم نمبردار کا گھر محلہ کے درمیان میں تھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند بابو راکب نمبردار نے اسی محلہ میں اپنا نیا گھر بنا لیا تھا جب کہ راکب کے بھائی حشمت اپنے آبائی گھر میں ہی رہتے تھے۔ اس محلہ کے شروع میں محمد مسیتا کا گھر تھا جن کا بیٹا محمد سالم تھا۔ منظور حسین ولد دلاور حسین، جو بیل دوڑانے میں سارے پنجاب میں مشہور تھے، بھی اسی محلہ میں رہتے تھے۔ مظہر علی کے بیٹوں برکت علی اور احسان علی کی اولاد بھی اسی محلہ میں علیحدہ علیحدہ مکانوں میں رہتی تھی۔ محمد حسن عرف حسنا، مراتب علی، علی محمد، سید محمد اور شبیر حسین کا تعلق مظہر علی کے خاندان سے تھا۔ منظور کی بھی ان کے ساتھ رشتہ داری تھی۔ نذر حسین ولد حسین بخش نے اپنی یادداشتوں میں محمد حسن کے نام کے ساتھ ترمذی لکھا ہے۔ سیّدوں کے دوسرے محلہ میں ہی صادق، جو بعد میں نابینا ہو گئے تھے، مہدی، رمضان اور سوندھا بھی رہتے تھے جو ایک جد کی اولاد تھے۔ ان کے علاوہ کاظم حسین ولد محمد مسیتا اور جمال علی و امداد علی ولد باقر علی اور ان کی اولاد بھی اسی محلہ کی مکین تھی۔

فضل عرائض نویس عرف فضلا، جو سامانا کا رہنے والا تھا، بھی تقریباً ۲۰ سال اسی محلہ کا مکین رہا۔ وہ راجپورہ میں عرائض نویس تھا۔ راجپورہ ہندو، سکھ اکثریت کا شہر تھا۔ دہلی سے ایک مغل آ کر وہاں رہنے لگا۔ مغل شیعہ تھا اور اپنے گھر میں مجلس کرواتا تھا۔ وہ سید کھیڑی کے سیّدوں کو مجلس میں شرکت کی دعوت دیتا تھا۔ سید کھیڑی سے کچھ لوگ جا کر مجلس میں شریک ہوتے تھے۔ فضلا بھی مجلس میں آتا تھا اور سوز خوانی کرتا تھا۔ اس کی آواز اچھی تھی۔ وہ فارسی بھی جانتا تھا۔ وہ قد آور تھا اور اس کی ہیبت تھی۔ اس نے سید کھیڑی کے سیّدوں سے کہا کہ راجپورہ میں اس کا گزارہ نہیں ہوتا اس لیے اسے سید کھیڑی میں آباد ہونے دیں۔ سیّدوں کے تیسرے محلہ کے باقر علی نمبردار فضلے کو سید کھیڑی لے آئے اور سیّدوں کے دوسرے محلہ میں واقع اپنا ایک مکان اسے دے دیا۔ فضلے نے اپنی دو بیٹیوں شبیرن اور بشیرن کی شادیاں بالترتیب شبیر حسین ولد علی حسن اور سید محمد عرف سیدو ولد محمد حسین سے کر دیں۔ شبیر اور سیدو دوسرے محلہ کے رہائشی تھے اور مظہر علی کے خاندان سے تھے۔ فضلا لڑنے جھگڑنے والا تھا۔ جب اس کے خلاف شکایتیں بڑھیں تو باقر نے اس سے اپنا مکان خالی کرنے کا کہا۔ اس پر منظور نے اسی محلہ میں اپنی کچھ زمین فضلے کو دے دی اور وہ وہاں مکان بنا کر رہنے لگا۔ باقر علی کی وفات کے بعد گاؤں کے لوگ ان کے بیٹے محمد رمضان نمبردار کو فضلے کے بارے میں کہتے تھے: ”تمہارا باپ ہم پہ یہ کیا مصیبت ڈال گیا۔“ [1]

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون/ بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء، ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

سیّد زائر حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۴ جون ۲۰۱۹ء

یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

دوسرے محلہ میں شبیر کا گھر کنویں کے پاس تھا۔ ان کے پاس دو مکان تھے۔ ایک پکا تھا جو کنویں کے قریب تھا اور ایک کچا تھا جو پہلے مکان سے پانچ سات قدم کے فاصلے پر تھا۔ کچے مکان میں ایک نیم کا درخت لگا ہوا تھا اور وہاں جھولے بھی ڈالے ہوئے تھے۔ محلّے کی بچیاں وہاں آکر جھولے لیتی تھیں۔[۱] دوسرے محلہ میں پہلے کوئی بیٹھک نہیں تھی۔ تقسیم ہند سے چند سال پہلے بابو راکب نے ایک بیٹھک بنائی تھی۔ دوسرے محلہ کے رہائشی محمد سالم عرف سالم شاہ کا ایک چمبیلا تھا جو مٹھوؤں کے محلہ میں تھا۔ وہاں سالم شاہ کے ڈنگر بھی بندھے ہوتے تھے اور خود بھی چارپائی بچھا کر وہاں بیٹھ جاتے تھے۔ وہاں چار پانچ بندے عزادار، عالم، تجمل شاہ، نواز فقیر وغیرہ بیٹھتے تھے۔ یہ ایک طرح سے سالم کا ڈیرہ تھا۔[۲]

سیّدوں کا تیسرا محلہ

سیّدوں کے تیسرے محلہ کو مٹھوؤں کا محلہ بھی کہتے تھے۔ شجرہ نسب ترمذی سادات کے مطابق: ”مینو عرف مٹھو کی اولاد سید کھیڑی میں ہے جو طوطا چشمی مشہور ہیں۔“ تیسرے محلہ کو مٹھوؤں کا محلہ کہنے کی وجہ شاید یہ تھی کہ یہاں مینو عرف مٹھو کی اولاد رہتی تھی۔ مینو کا تعلق سید راجو کے چچا کی نسل سے تھا۔ مینو کے بعد ان کی نسلوں کا شجرہ میں اندراج نہیں ہے۔[۳] اس لیے ابھی تک یہ پتہ نہیں کہ تیسرے محلہ کے سارے یا کونسے مکین مینو کی نسل سے تھے۔ تیسرے محلہ کے مکینوں میں اس محلہ کو مٹھوؤں کا محلہ کہے جانے کے بارے میں ایک قصّہ بھی مشہور تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس محلہ کے مکینوں کے بہت سے مہمان آ گئے۔ اس محلہ کے بزرگوں نے کافی گڑ کنویں میں پھینک دیا تاکہ کنویں سے شربت نکال کر مہمانوں کو پلا سکیں۔ ظاہر ہے شربت تو نہ بن سکا لیکن اس محلہ کو مٹھوؤں کا محلہ کہا جانے لگا۔[۴] اس محلہ کے مکینوں نے اپنی مسجد اور امام بارگاہ علیحدہ بنائے تھے۔[۵]

سیّدوں کے تیسرے محلہ میں باقر علی نمبردار کا گھر تھا۔ باقر کاروبار کے سلسلہ میں دکن اور دہلی بھی رہ کر آئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے محمد رمضان نمبردار بن گئے تھے۔[۶] فرزند علی جن کا بیٹا مہدی تھا بھی اس محلہ کے رہائشی تھے۔ مہدی نے بعدازاں مرزا غلام احمد کے عقائد کو اپنا لیا تھا اور ۱۹۰۷ء میں اپنے بیوی بچّوں سمیت سید کھیڑی چھوڑ کر قادیان میں رہائش اختیار کر لی تھی۔[۷] ذاکر حسین اور عابد علی، جو ایک دادا کی اولاد تھے، بھی اپنی اولاد کے ساتھ اسی محلہ میں رہتے تھے۔ عابد کے فرزند صغیر حسین تو شریف آدمی تھے لیکن ذاکر کے بیٹوں تحور، سجاد اور مشتاق کا گاؤں میں لڑائی

---

۱ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری 2018ء

۲ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۲۲ مارچ 2019ء

۳ شجرہ نسب ترمذی سادات

۴ سیّد قائم حسین ولد سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر 2005ء

۵ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری 2005ء

۶ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر 2005ء

۷ یادداشتیں سیّد مہدی حسین ولد فرزند علی — قلمی نسخہ — ربوہ

جھگڑا رہتا تھا۔[1] احسن ولد غالب علی بھی اس محلہ کے مکین تھے۔ ان کے فرزند سید محمد عرف چھجو کی سُروں کے چوروں کے ساتھ دوستی تھی۔[2] محمد حسین عرف نتھو نواب کا بھی تیسرے محلہ کے رہائشی تھے۔ وہ گاؤں کے لڑائی جھگڑوں میں ملوث رہے۔ ان کے علاوہ جعفر حسین جن کا خاندان حاجی مشہور تھا اور عید محمد عرف عیدو اور ان کے بیٹے بندو اور نتھو بھی اس محلہ کے مکین تھے۔[3] بیوہ صدیقن دختر شیر محمد بھی تیسرے محلہ میں رہتی تھیں۔[4]

محمد رمضان نمبردار نے اپنے گھر سے علیحدہ دو کمرے بیٹھک، ڈیرہ یا نمبردار کی حیثیت سے دفتر کے طور پر بنائے ہوئے تھے۔ وہاں لوگ ان کے پاس آکر بیٹھتے تھے اور معاملہ وغیرہ بھی جمع کرواتے تھے۔ ان کی بیٹھک کے سامنے بڑ کا ایک بہت بڑا اور پرانا درخت تھا۔ دوسرے محلہ کے منظور، مظاہر وغیرہ بھی وہاں آکر بیٹھتے تھے اور رمضان سے گپ شپ لگاتے تھے۔[5]

سہولتوں کا فقدان

تقسیم ہند سے پہلے سید کھیڑی کئی لحاظ سے ایک پسماندہ گاؤں تھا۔ وہاں کوئی سکول تھا نہ ہسپتال یا ڈسپنسری۔ تعلیم، طبّی ضروریات اور روزمرّہ کے استعمال کی اکثر اشیاء کے لیے لوگ راجپورہ کا رخ کرتے تھے جس کا گاؤں سے فاصلہ تین میل تھا۔ عموماً لڑکے تو سکول آنے جانے کے لیے روزانہ چھ میل پیدل چل کر کچھ نہ کچھ جماعتیں پاس کر لیتے تھے لیکن لڑکیاں سکول کی تعلیم سے محروم رہتی تھیں۔ لڑکیوں کو تھوڑی بہت تعلیم ان کے والدین یا بزرگ گھروں میں ہی دیتے تھے۔ راجو کی آٹھویں نسل سے تعلق رکھنے والے مولوی قاسم علی نے اپنے زمانہ میں گاؤں کے بچّوں کو قرآن پڑھایا۔ راجو کی نویں اور دسویں نسل کے زمانہ میں ایک سنّی حافظ جنہیں میاں جی کہتے تھے قرآن پڑھانے کے لیے سیّدوں کے پہلے محلہ میں آتے تھے۔ وہ کبھی مسجد میں اور کبھی کِسی کی بیٹھک میں بچّوں کو قرآن پڑھنا سکھاتے تھے۔ کچھ بچّے اور بچیاں اپنے بزرگوں سے ہی قرآن پڑھتے تھے۔

سید کھیڑی سے راجپورہ سکول جانے کے لیے ایک کچا راستہ تھا جس کے دونوں طرف کھیت تھے۔ کچے راستہ پر دو میل چلنے کے بعد بنواڑی گاؤں تھا جو راجپورہ-پٹیالہ روڈ پر تھا۔ اس گاؤں میں ہندو رہتے تھے۔ یہاں سے ایک میل سڑک پر چلنے کے بعد راجپورہ تھا جہاں مڈل سکول تھا۔ اس سکول میں انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی۔ سکول کی عمارت کے دو بڑے حصّے تھے جن کے درمیان میں گراؤنڈ تھا۔ ایک حصّہ پرائمری کہلاتا تھا جس میں پہلی سے چوتھی جماعت تک تعلیم دی جاتی تھی

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۲ سیّد قائم حسین ولد سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

۳ سیّد زاہد حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کوٹلی باوا فقیر چند — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۴ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

۵ سیّد زائر حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۴ جون ۲۰۱۹ء

اور دوسرا لوئر مڈل اور مڈل جس میں بالترتیب پانچویں چھٹی اور ساتویں آٹھویں جماعت تک کلاسیں ہوتی تھیں۔ اس دور میں ہائی سکول کے چار درجے ہوتے تھے۔ ایک پرائمری جس میں چار جماعتیں پڑھائی جاتی تھیں، دوسرا لوئر مڈل جس میں پانچویں اور چھٹی جماعت، تیسرا مڈل جس میں ساتویں اور آٹھویں جماعت اور چوتھا ہائی جس میں نویں اور دسویں جماعت تک تعلیم دی جاتی تھی۔

سید کھیڑی سے ایک میل آگے سُروں نامی گاؤں میں راجپوت مسلمان رہتے تھے۔ اس گاؤں میں ایک پرائمری سکول تھا۔ اگرچہ یہ گاؤں نزدیک تھا لیکن سید کھیڑی کے بچّے زیادہ تر راجپورہ سکول میں ہی داخل کئے جاتے تھے۔ سکول سے آنے کے بعد شام کو بچّے آپس میں چھپن چھپائی، گلی ڈنڈا، گولیاں اور اخروٹ وغیرہ کھیلتے تھے۔ گاؤں میں گراؤنڈ نہ ہونے کی وجہ سے فٹ بال یا ہاکی جیسے کھیل نہیں کھیلے جاتے تھے۔ کچھ بچّے اپنے جانور چَرانے کے لیے گاؤں سے باہر جاتے تھے۔ روزمرّہ کے استعمال کی اشیاء بھی لوگ راجپورہ سے ایک ہفتہ کے لیے اکٹھی لے آتے تھے۔ گاؤں میں موجود دو تین دکانوں پہ کم چیزیں دستیاب ہوتی تھیں۔ بچّوں کو بہلانے کے لیے گھر میں موجود شکر یا گڑ ہی استعمال ہوتے تھے۔

سید کھیڑی میں کوئی ڈاکٹر یا ڈسپنسر نہ ہونے کے باعث جب کوئی زیادہ بیمار ہوتا تو اسے بیل گاڑی میں راجپورہ لے جاتے تھے۔ بیل گاڑی تین میل کا فاصلہ ایک گھنٹہ میں طے کر لیتی تھی۔ راجپورہ میں گورنمنٹ ہسپتال کے علاوہ پرائیویٹ ڈاکٹر اور حکیم بھی دستیاب ہوتے تھے۔ سید کھیڑی میں حقہ کشی عام تھی۔ عموماً بڑے بچّوں سے چلم بھرواتے اور حقہ تازہ کرواتے تھے۔ اس عمل میں بچّوں کو بھی حقہ پینے کی عادت پڑ جاتی تھی جو ان کے جوان ہونے تک پختہ ہو جاتی تھی۔ گاؤں میں ایسے جوان کو ڈھونڈنا جو حقہ کشی نہ کرتا ہو ایک انتہائی مشکل کام تھا۔[۱]

ریاست پٹیالہ میں گائے ذبح کرنا ایک ایسا جرم تھا کہ جس کی سزا چھ ماہ قید تھی۔ اس لیے سید کھیڑی کے لوگ بکرے کا گوشت ہی کھاتے تھے۔ کبھی کبھار انبالہ سے گائے کا گوشت کپڑے میں چھپا کر لے آتے تھے۔ پکڑے جانے کے خوف سے بڑا گوشت کھا کر اس کی ہڈیاں زمین میں دبا دیتے تھے۔[۲] ان دنوں ہندوؤں میں ذات پات کا نظام مؤثر طور پر رائج تھا۔ اکثر ہندو مسلمانوں کو اچھوت سمجھتے تھے۔ راجپورہ سکول سے واپس آتے ہوئے سید کھیڑی کے بچّوں کو عموماً پیاس لگ جاتی تھی۔ راستے میں ایک ہندو نے پانی کے گھڑے رکھے ہوئے تھے۔ وہ مسلمان بچّوں کو اپنے برتن کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ بچّے اپنے دونوں ہاتھ کھول کر ملاتے تو ہندو ان کے ہاتھوں پر پانی انڈیلتا تھا اور بچّے پانی پیتے تھے۔[۳]

زمین اور کنویں

انیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائیوں تک ہندوستان کے اکثر دوسرے دیہاتوں کے مکینوں کی طرح سید کھیڑی

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ اسلام آباد ــــ ۸ اپریل 2018ء

۳ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۷ جولائی ۲۰۰۵ء

کے سیّد بھی اپنی زمینوں پر ہی گزارہ کرتے تھے۔ سید راجو کی آٹھ نسلوں کی معیشت مکمل طور پر زمینداری سے منسلک رہی۔ نویں اور دسویں نسل کے دور میں الٰہی بخش، برکت علی اور مولویوں کے خاندانوں میں سے کئی بزرگوں نے نوکریاں بھی کیں جب کہ حیدر علی کے خاندان میں سے کسی نے نوکری نہیں کی اور اپنی زمینوں پر ہی گزارہ کیا۔ سیّدوں کے دوسرے اور تیسرے محلوں کے بزرگوں میں سے کچھ نے نوکریاں کیں جب کہ اکثر اپنی زمینوں ہی سے روزی کماتے رہے۔

اس دور میں کنویں کی اہمیت اتنی تھی کہ جب کسی نے اپنی زمین پر جانا ہوتا تو کہتا کہ کنویں پر جا رہا ہوں۔ یعنی کنواں پوری زمین کی نمائندگی کرتا تھا۔ سید کھیڑی کی زمینیں بارانی مگر زرخیز تھیں۔ کئی سیّد بزرگوں نے اپنی زمینوں پر آبپاشی کے لیے کنویں بنوائے تھے اور رہٹ لگائے تھے۔[۱] گندم، کپاس، چاول، مکئی، کماد، جوار، باجرہ، چری، سَنّی، تمباکو، مرچیں اور ہر قسم کی فصل سید کھیڑی کی زمینوں پر کاشت کرتے تھے۔[۲] سیّدوں کے پہلے محلہ کے مکینوں کا ایک کنواں مشترکہ بھی تھا جس میں راجو کی اولاد کے سب افراد حصہ دار تھے۔ یہ کنواں راجو کی اولاد کی شاملاتی زمین پر تھا۔ اس کنویں پر ایک دفعہ کچھ حصہ داروں میں جھگڑا اور مقدمہ بازی بھی ہوئی۔

۱۹۹۲-۳-۱۵ ب کو باقر حسین و غلام عباس پسران ایزد بخش نے بعدالت مجسٹریٹ درجہ اوّل راجپورہ ایک استغاثہ دائر کیا۔ یہ استغاثہ مندرجہ ذیل ملزمان کے خلاف دائر کیا گیا: ۱۔ محمد عسکری ولد محمد مسیتا ۲۔ محمد اسلم ۳۔ محمد مسلم ۴۔ محمد عالم پسران محمد عسکری ۵۔ نذر حسین ولد حسین بخش قوم سیّد ۶۔ بندہ ولد ہیرا ۷۔ احمد ولد ابراہیم ۸۔ دین محمد ولد اللہ بخش قوم ارائیں۔

اس استغاثہ میں باقر اور غلام عباس نے لکھا کہ وہ اور مسئول علیہم نمبر۱ تا ۵ گاؤں میں ایک قطعہ اراضی اور چاہ (کنواں) کے بمعہ دیگر حصہ داران مشترک مالکان ہیں۔

یہ کہ چاہ مذکور بالا پر سائلان نے بلا اشتراک دیگر مسئول علیہم یا دیگر حصہ داران کے اپنی لاگت سے ایک رہٹ بمعہ بڈوجہ وغیرہ عرصہ ۴۰ سال قبل لگایا اور اپنی دیگر زمینوں کی آبپاشی کرتے رہے۔ لیکن کوئی مسئول علیہ یا دیگر حصہ دار ہمارے قبضہ رہٹ اور اس کے استعمال کی بابت آج تک مخل یا دست انداز نہیں ہوا۔

یہ کہ مسئول علیہم ۶ تا ۸ حصہ دار اراضی متنازعہ یا چاہ متنازعہ میں نہیں ہیں۔ لیکن وہ مسئول علیہم ۱ تا ۵ کے یار غار اور ایک گروہ کے آدمی ہیں اور ان کے حامی اور مددگار ہیں۔

یہ کہ کل شام بوقت چار بجے کا واقعہ ہے کہ جملہ مسئول علیہم نے سائلان کی موجودگی میں ہمارا رہٹ اور بڈوجہ دیرینہ مقبوضہ جو چاہ پر لگے ہوئے تھے زبردستی اکھاڑ دیے اور سائلان کو جان سے مار ڈالنے کے لیے حملہ آور ہوئے۔ ہر چند منع کیا مگر وہ باز نہ آئے۔ بلکہ اعلانیہ کہا کہ اگر تم چاہ کے نزدیک آئے یا اپنا رہٹ مکرر لگایا، ہم تم کو جان سے مار ڈالیں گے۔

چونکہ مسئول علیہم کی جانب سے چاہ و رہٹ سخت متنازعہ رہا ہے اور زمین خلائق میں فتور پڑنے کا سخت احتمال ہے

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

اور فساد عظیم کرنے پر آمادہ ہیں، ایسی صورت میں مسئول علیہم کے نام نوٹس جاری فرمانے مناسب ہیں۔

لہٰذا درخواست طلبی استغاثہ زیر دفعہ ۱۴۵ ضابطہ فوجداری پیش کر کے التماس ہے کہ بطلبی جملہ مسئول علیہم بعد تحقیقات سائلان کو چاہ متنازعہ پر رہٹ لگانے کا قبضہ و دخل بدستور سابق دے دیا جاوے۔ اور فوری انتظام مسئول علیہم کی بابت فرمایا جاوے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ رہٹ اکھاڑے ہوئے کو سرقہ (چوری) کر کے کہیں پوشیدہ کر دیں یا کوئی دیگر سنگین واقعہ خلاف سائلان کے مرتکب ہو جاویں۔

۲۳-۳-۱۹۹۳ ب کو نائب ناظم راجپورہ نے باقر حسین و غلام عباس کے مندرجہ بالا استغاثہ پر مندرجہ ذیل فیصلہ سنایا:

باقر حسین معہ وکیل اور وکیل مسئول علیہم حاضر ہیں۔ درخواست سائلان کی یہ ہے کہ ان کا رہٹ چاہ پر لگا ہوا تھا۔ مسئول علیہم نے اس رہٹ کو جبراً اکھاڑ دیا اور اپنا رہٹ لگا لیا۔ اس لیے سائلان کو چاہ پر رہٹ لگانے کا قبضہ و دخل بدستور سابق دے دیا جاوے۔

اس واقعہ کی تائید میں جو گواہان منجانب سائلان پیش ہوئے وہ سب بیان کرتے ہیں کہ رہٹ اس چاہ پر سائلان کا لگا ہوا تھا۔ وہ مسئول علیہم نے اکھیڑ دیا اور اپنا رہٹ لگا لیا۔ لیکن یہ تمام گواہان سائلان یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس چاہ میں حق اور حصّہ جملہ مسئول علیہم کا بھی ہے۔ جو باقر حسین سائل بیان کرتا ہے کہ اس نے یہ رہٹ چاہ پر بمشورہ مسئول علیہم لگایا تھا۔ گویا اس کا قبضہ اس چاہ پر تھا۔ اس نے موقع پر اپنا بیان دوبارہ لکھوایا ہے۔ اس میں بھی اس نے لکھوایا ہے کہ اس کا رہٹ چاہ کے ایک طرف لگا ہوا تھا۔ چاہ پر دوسری طرف جگہ خالی پڑی ہوئی ہے۔ اس پر مسئول علیہم اگر اپنا رہٹ لگانا چاہیں تو لگا سکتے ہیں۔ کوئی عذر نہ ہو گا۔ گویا اس سے صاف ثابت ہے کہ اس چاہ پر قبضہ صِرف سائلان کا نہ تھا بلکہ یہ مشترکہ سائلان اور مسئول علیہم کا تھا اور ہے۔ وکیل سائلان کہتے ہیں کہ ان کو رہٹ لگانے کا حکم دیا جاوے۔ دفعہ ۱۴۵ کی منشا یہ ہر گز نہیں ہے۔ دفعہ مذکور غیر منقولہ جائیداد کے لیے ہے نہ کہ منقولہ جائیداد کے لیے اور جس منقولہ جائیداد پر یہ حاوی ہو سکتی ہے اس کی تشریح دفعہ مذکور کے ضمن نمبر ۲ میں دی گئی ہے۔ اس میں رہٹ بالکل نہیں آتا۔ اندریں صورت نہ تو رہٹ پر قبضہ اور نہ ہی چاہ پر قبضہ صِرف سائلان کا کرایا جا سکتا ہے۔ یہ چاہ مقبوضہ مشترکہ تھا اور ہے جیسا کہ سائل باقر حسین کے دونوں بیانات سے پایا جاتا ہے۔ پس درخواست قابل نامنظوری ہے۔

درخواست سائلان نامنظور کیے جانے کا حکم سنایا گیا۔ مثل داخل دفتر ہووے۔[1]

سیّدوں کے پہلے محلہ میں مسجد اور حویلیوں کے درمیان ایک پرانا کنواں تھا جس سے پورے محلہ کو پانی سپلائی ہوتا تھا۔ راجو کی نویں اور دسویں نسل کے زمانہ میں کافی عرصہ تک دو ماشکیوں کے ذِمّہ کنویں سے پانی نکال کر حویلیوں اور بیٹھکوں میں پہنچانا تھا۔ بیٹھکیں حویلیوں سے علیحدہ تعمیر ہوئی تھیں اور ان میں صِرف مرد ہی بیٹھتے تھے۔ ایک دن ماشکیوں کی محلہ کے

---

۱ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

کسی مکین سے لڑائی ہو گئی اور وہ کام چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کے بعد محلہ کے مکین خود ہی اپنے گھروں اور بیٹھکوں کے لیے پانی بھرتے تھے۔ مشقت سے نکالے گئے پانی سے نہانے کے لیے ایک بالٹی کافی ہوتی تھی۔ تقسیم ہند سے ایک دو سال پہلے پرانا کنواں بند کر دیا گیا تھا اور اس کی اینٹیں اکھاڑ کے نئے کنویں میں لگا دی گئی تھیں۔ پہلا کنواں چونکہ بہت پرانا ہو گیا تھا اس لیے اس میں پانی کم ہو گیا تھا۔ نیا کنواں مسجد کی دیوار توڑ کر بنایا گیا تھا۔ اس کا آدھا حصّہ مسجد کے صحن میں اور آدھا گلی میں تھا۔ نمازی مسجد کے اندر سے پانی استعمال کرتے تھے اور گھروں کے لیے پانی باہر سے نکالا جاتا تھا۔ نیا کنواں نذر حسین ولد حسین بخش نے اپنی زیر نگرانی وقف کی آمدنی سے بنوایا تھا۔[1] سیّدوں کے دوسرے محلّہ میں منظور کے گھر کے سامنے ایک کنواں تھا جس سے سارے محلّے والے پانی لیتے تھے۔ اس کنویں کو حسنے والی کنوئی کہتے تھے کیونکہ اسے محمد حسن مرحوم نے بنوایا تھا۔ سیّدوں کے تیسرے محلّے کا کنواں مکانوں کی پچھلی طرف مسجد کے سامنے تھا۔ وہ کنواں کافی پرانا تھا۔[2] سید کھیڑی کے باقی محلوں میں بھی مکینوں نے کنویں بنائے ہوئے تھے۔

سید کھیڑی کے رہنے والوں کے لیے کنویں کی طرح بیل کی اہمیت بھی اتنی تھی جتنی کہ زمانہ قدیم میں بسنے والے انسانوں کے لیے تھی۔ خواہ سفر کرنا ہو یا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا ہو یا زمین کو سیراب کرنا ہو یا پھر فصل کاشت کرنے کے لیے زمین پر ہل چلانا ہو بیل ہی کام آتا تھا۔

مہمانداری

سیّدوں کے پہلے محلہ کی تین حویلیوں میں کئی کئی کنبے رہتے تھے۔ ہر حویلی کے مکین ایک مشترکہ صحن استعمال کرتے تھے۔ اس اشتراک کی وجہ سے بہت سے معاملات میں حویلی کے مکینوں کی آپس میں قربت اور ہم آہنگی ایک معمول تھا۔ بڑی حویلی کے سابق رہائشی سیّد زین العابدین کے مطابق: ”حویلی میں ہر کنبے یا خاندان کے افراد اپنا اپنا کھانے کا انتظام کرتے تھے لیکن مہمانداری میں اشتراک کا رواج تھا۔ جب کسی کا مہمان آ جاتا تو حویلی میں موجود ہر کنبے کے ہاں پکا ہوا کھانا مہمان کے سامنے لگا دیا جاتا تھا۔ اس طرح قسم قسم کے کھانوں پر مشتمل دسترخوان بچھ جاتا تھا جب کہ کسی کو کوئی خاص اہتمام بھی نہ کرنا پڑتا تھا۔ حویلی کے سب افراد بھی مہمان کے ساتھ بیٹھ کر ہی کھانا کھاتے تھے۔“[3]

سید کھیڑی میں اگر کسی گھر میں کوئی مہمان آتا اور کوئی دوسرے گھر والا اس کی دعوت کرتا تو مہمان کو دو وقت کا کھانا کھلایا جاتا تھا۔ ٹھسکہ کے محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع انبالہ میں پڑھتے تھے۔ وہ سید کھیڑی میں اپنی خالہ عزیز بانو زوجہ محمد یٰسین کے ہاں آتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ وہ سید کھیڑی آئے تو باقر حسین ولد ایزد بخش نے ان کی دعوت کی۔ مختار نے باقر کے ہاں دو وقت کھانا کھایا۔ نذر حسین ولد حسین بخش نے بھی ان کی دعوت کی۔ مختار نے نذر کے ہاں پہلا کھانا صبح اور دوسرا

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۲۲ مارچ ۲۰۱۹ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

دوپہر کو کھانا تھا۔ دعوت دیتے وقت نذر نے مختار سے کہا تھا کہ وہ انہیں ٹُھلی کھلائیں گے۔ مختار کو علم نہیں تھا کہ ٹُھلی کسے کہتے ہیں۔ وہ تجسّس کے ساتھ صبح کا کھانا کھانے نذر کے گھر پہنچے تو انہیں چینے کے میٹھے چاول پیش کیے گئے۔ مختار کو ایسے چاول پسند نہیں تھے۔ انہوں نے اس وقت تو وہ چاول جیسے تیسے کھا لیے لیکن سید کھیڑی کے رواج کے باوجود دوپہر کو دوسرا کھانا کھانے نذر کے گھر نہیں گئے۔[۱]

شادی بیاہ

سیّدوں کے پہلے محلہ میں جہاں راجو کی اولاد رہتی تھی باہر سے آنے والی بارات کو امام بارگاہ ناصر علی میں ٹھہرایا جاتا تھا۔ یعنی امام بارگاہ کی عمارت جو کافی وسیع تھی مذہبی اجتماعات کے ساتھ ساتھ شادی ہال اور مہمان گاہ کا کام بھی دیتی تھی۔ تقریباً ۴۸ گھنٹے کے بارات کے قیام کے دوران محلہ کی مسجد ناصر علی میں بھی خاصی رونق رہتی تھی۔ کیونکہ ایسے مواقع پر نمازیوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو جاتا تھا۔ بارات تیسرے دن ہی واپس جاتی تھی۔ اس دوران باراتیوں کو چار وقت کا کھانا اور دو وقت کا ناشتہ دیا جاتا تھا۔ عام طور پر بارات شام کے وقت پہنچتی تھی۔ اس دن رات کا کھانا دیا جاتا تھا۔ رات کو باراتی اپنے میزبان رشتہ داروں سے کچھ دیر گپ شپ لگاتے، حقہ پیتے اور پھر سو جاتے تھے۔ دوسرے دن باراتیوں کو صبح کا ناشتہ، دوپہر کا کھانا اور پھر شام کا کھانا کھلایا جاتا تھا۔ اس دوران اگر کوئی مہمان کسی قریبی گاؤں میں اپنے کسی ملنے والے کو ملنا چاہتا تو مل آتا تھا۔ سارا دن مہمانوں کا میزبانوں سے تبادلہ خیال ہوتا رہتا تھا۔ تازہ حقہ ہر وقت باراتیوں کے سامنے موجود ہوتا تھا۔ گفتگو مختلف موضوعات پر ہوتی تھی۔ گھریلو مسائل، مذہبی امور، معاشی مصروفیات اور سیاسی حالات زیر بحث آتے تھے۔ کچھ لوگ ایک دوسرے سے مذاق بھی کرتے تھے۔ تیسرے روز میزبان مہمانوں کو صبح کا ناشتہ کرواتے اور پھر دوپہر کے کھانے کے بعد ہی بارات دلہن کو لے کر رخصت ہوتی تھی۔ میزبانوں کو نہ صِرف یہ کہ باراتیوں کے کھانے اور آرام کا خیال رکھنا ہوتا تھا بلکہ وہ جانور جو باراتیوں کے ساتھ ہوتے تھے یعنی بیل اور گھوڑے وغیرہ ان کے چارہ اور حفاظت کی ذِمّہ داری بھی نبھانی ہوتی تھی۔ باراتیں چونکہ بیل گاڑیوں میں آتی تھیں اور ایک بیل گاڑی کے ساتھ دو بیل باندھے جاتے تھے اس لیے باراتیوں کے بیلوں کی اچھی خاصی تعداد ہوتی تھی۔ اگر جانوروں کو اچھا چارہ یا اچھے دانے نہ ملتے تو باراتی ناراض ہو جاتے تھے اور میزبانوں کو ایک عرصہ تک برادری کے مختلف اجتماعات میں طنزیہ جملے سننے پڑتے تھے۔ بارات میں عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت خاصی کم ہوتی تھی۔ باراتی عورتیں میزبانوں کے گھر میں قیام کرتی تھیں۔

شادیوں کے مواقع پر بارات عموماً بیل گاڑیوں میں آتی جاتی تھی۔ اگرچہ بیل گاڑیاں کرایہ پر بھی چلتی تھیں لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا کہ کسی کی شادی کے لیے بیل گاڑی کرایہ پر لینی پڑے۔ شادی میں شرکت کے لیے آنے والے مہمانوں کی بیل گاڑیاں ہی کافی ہو جاتی تھیں۔ کچھ لوگ گھوڑوں پر بھی سوار ہوتے تھے۔ لیکن ان دنوں گھوڑے کم لوگوں کے پاس تھے۔ پہلے محلہ میں صِرف باقر حسین کے پاس ایک گھوڑی تھی۔ دوسرے محلہ میں سالم نے ایک گھوڑا رکھا ہوا تھا۔

---

۱ سیّد محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ کبیر والا ــــ ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

گھوڑا عموماً بڑے زمیندار یا شوقین افراد ہی رکھتے تھے۔ ویسے بھی گھوڑے پر ایک آدمی بیٹھتا تھا جب کہ بیل گاڑی میں چار سے چھ افراد بیٹھ جاتے تھے۔ جب کسی بڑے زمیندار یا امیر شخص کی اولاد کی شادی ہوتی تو وہ یہ نہ کہتا تھا کہ بارات میں اتنے آدمی آئیں بلکہ یہ کہتا تھا کہ بارات اتنی بیل گاڑیوں میں آئے۔ ان دنوں شادیوں اور خوشی کے دوسرے مواقع پر ناچ گانے کی محافل منعقد کرنے کا رواج عام تھا۔ لیکن راجو کی اولاد کے بزرگوں نے اپنے محلہ میں ایسی محافل کے انعقاد پر پابندی لگائی ہوئی تھی۔[1]

باقر حسین نے اپنے بیٹوں یاور حسین اور صابر حسین کی شادیاں کیں تو وہ بری کے لیے جو کپڑا لائے وہ ان کے گھر والوں کو پسند نہ آیا۔ باقر کی زوجہ ذکی نے اپنے بڑے بیٹے ناصر کو کپڑا لینے کے لیے بھیجا۔ ناصر جو کپڑا لے کر آئے وہ آٹھ آنے گز تھا اور اس وقت کے بہترین کپڑوں میں شمار ہوتا تھا۔[2]

مخدوم

اگرچہ سید کھیڑی کے سیّد بہت بڑے زمیندار نہیں تھے لیکن انہیں اپنی عزّت نفس کی حفاظت کا بہت خیال تھا۔ وہ کسی سے کچھ مانگنے کی بجائے اپنے گھر کی چوکھٹ پر بیٹھ کر اپنا حقہ پینے کو ترجیح دیتے تھے۔ سیّد زین العابدین کے مطابق:

"دوسرے علاقوں کے لوگ سید کھیڑی کے سیّدوں کو مخدوم کہتے تھے۔ پٹیالہ کے سیّد بہت امیر تھے اور ان کے پاس ریاست میں وزارت بھی رہی تھی۔ دوسرے علاقوں کے لوگ ان سے مدد طلب کرتے تھے لیکن سید کھیڑی کے سیّدوں نے کبھی ان کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔ پٹیالہ کے سیّدوں نے خود ہی امام بارگاہ کی تعمیر کے لیے راجو کی نسل کے بزرگوں کو ۱۰۰ روپے دیے تھے۔ اپنی وزارت کے دوران پٹیالہ کے سیّدوں نے سید کھیڑی کے سیّدوں کے ساتھ خود ہی ایک بھلائی اور بھی کی تھی اور وہ یہ کہ ریاست میں سید کھیڑی کے مکینوں کے لیے معاملہ (زرعی ٹیکس) سب سے کم رکھا تھا۔ یہ ایک ایسا فائدہ تھا جو سید کھیڑی کے سیّدوں کی کئی نسلوں تک پہنچا۔"[3]

لڑائی جھگڑے اور مقدمہ بازی

فضل عرائض نویس عرف فضلا کے سید کھیڑی میں آباد ہونے سے پہلے سیّدوں کے تیسرے محلہ کے رہائشی تحور حسین کا گاؤں میں ایک پریشر گروپ تھا۔ اس گروپ میں تحور کے دو بھائی سجاد اور مشتاق، نتھو نواب کا، شبیر حسین اور سید محمد شامل تھے۔ تحور نے ایک دفعہ سیّدوں کے دوسرے محلہ کے محمد سالم کو مارا۔ وہ سالم کو گرا کر اس کی چھاتی پر بیٹھ گیا اور انگوٹھا اس کے گلے پر رکھ کر دبانے لگا۔ موقع پر تحور کے والد پہنچ گئے۔ انہوں نے تحور سے کہا: "بیٹا! دشمن کو جان سے

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ منڈی بہاؤالدین ــــ ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

نہیں مارنا چاہیے۔ ایسی چوٹ لگاؤ کہ لوگ اس کا ذکر کرتے رہیں۔" تحور نے غلام عباس کو بھی مارا تھا کیونکہ غلام عباس نے اسے اپنے جانور سنبھال کر رکھنے کا کہا تھا۔ تحور نے صادق حسین کو بھی مارا تھا۔[1]

۲۳-۱۹۲۲ء میں فضلا سید کھیڑی میں سیّدوں کے دوسرے محلہ میں رہنے لگا۔[2] تحور کے ساتھ اس کی اَن بَن شروع ہو گئی کیونکہ وہ دونوں اکھڑ مزاج، غصہ والے اور لڑ جھگڑ کر دوسروں پر اپنا رعب جمانے والے تھے۔ فضلے کا تحور کے والد ذاکر حسین سے بھی جھگڑا ہوا لیکن بات تو تو میں میں سے آگے نہ بڑھی۔ تاہم فضلے نے تحور اور اس کے بھائیوں سجاد اور مشتاق کی علیحدہ علیحدہ پٹائی کی۔ فضلے نے اپنی دو بیٹیوں کی شادی دوسرے محلہ کے شبیر حسین اور سید محمد سے کر دی جس کے نتیجہ میں وہ دونوں تحور کے گروپ سے نکل کر فضلے کے حامی بن گئے۔ نھو نواب کا بھی فضلے کی حمایت کرنے لگا کیونکہ شبیر اور سید محمد اس کی پھوپھی کے بیٹے تھے۔ فضلے کو صادق، جس نے تحور سے مار کھائی تھی، کی حمایت بھی حاصل تھی۔

چاند فقیر کا قتل

چاند فقیر ولد سائیں بہار شاہ اپنے والد کا اکلوتا بیٹا تھا اور سید کھیڑی کا رہائشی تھا۔ وہ فضلے کی طرح اچھا جوان تھا۔ چاند فقیر اور تحور کا زمینوں کی کاشت میں اشتراک تھا۔ وہ اکٹھے ہل چلاتے تھے۔ تحور نے مبینہ طور پر چاند فقیر کو فضلے کے خلاف اکسایا اور اسے آمادہ کیا کہ وہ فضلے کے ساتھ لڑائی مول لے۔ چاند فقیر نے فضلے کو لوٹے والے پیر کے مزار کے سامنے والے کھیت میں آتے ہوئے روکا اور گالی دے کر کہا: "تو میرے کھیت میں سے کیوں گزر رہا ہے؟" فضلے نے جواب دیا: "تو نے ایک گالی دے لی۔ اب دوبارہ گالی نہ دینا۔" پھر فضلے نے اپنا لہجہ بدلا اور کہا: "دیکھ! میں نے تیرے کھیت سے ایک چھلی بھی نہیں توڑی۔ میں تجھ سے لڑنا بھی نہیں چاہتا۔ تو اسے بھیج جس نے تجھے یہاں بھیجا ہے۔" یہ سن کر چاند فقیر واپس چلا گیا۔ شام کو چاند فقیر کے بیٹے باسو نے اپنے باپ کو بتایا: "فضلا تمہیں گالیاں دے رہا تھا۔" اگلے روز اسی جگہ چاند فقیر نے فضلے کو پھر روک لیا۔ چند جملوں کے تبادلے کے بعد چاند فقیر نے فضلے سے وار کرنے کا کہا تو فضلے نے جواب دیا: "میں سیّد ہوں اور سیّد کبھی پہلے وار نہیں کرتا۔" چاند فقیر نے اپنی لاٹھی سے فضلے پر حملہ کیا۔ فضلے کے پاس کلہاڑی تھی۔ اس نے کلہاڑی کے دستے پر چاند فقیر کے وار کو روکا۔ چاند فقیر کی بد قسمتی تھی کہ اس کی لاٹھی ٹوٹ گئی۔ فضلے نے کلہاڑی سے چاند فقیر کی گردن پر وار کیا جو کاری ثابت ہوا اور چاند فقیر موقع پر ہی دم توڑ گیا۔ چاند فقیر کو قتل کرنے کے بعد فضلا گاؤں کی طرف بھاگا۔ اس لڑائی کو دیکھنے والے ایک شخص نے فضلے کے گاؤں پہنچنے سے پہلے تحور کو چاند فقیر کے قتل ہو جانے کی خبر دے دی۔ تحور جائے وقوعہ کی طرف بھاگا اور گاؤں سے باہر فضلے کو روک لیا۔ فضلے نے کہا: "میرے راستے سے ہٹ جا۔ میں نے ایک قتل کیا ہے، دوسرا قتل بھی کر سکتا ہوں۔" تحور راستہ سے نہ ہٹا لیکن فضلا ایک طرف سے چھلانگیں لگاتے ہوئے گزر گیا۔ فضلے کے داماد شبیر کو پتہ چلا کہ تحور فضلے کو مارنے گیا ہے تو وہ بھاگ کر گاؤں سے باہر آیا اور تحور پر حملہ کر دیا۔

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

۲ سیّدہ امام باندی دختر سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خیر پور سادات — ۹ اکتوبر ۲۰۱۲ء

شبیر اور تحور آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ کبھی تحور نیچے ہوتا کبھی شبیر۔ اس لڑائی کی اطلاع مہدی کو ملی تو وہ شبیر کی مدد کے لیے لاٹھی لیے پہنچ گیا۔ اس نے لاٹھیاں مار مار کر تحور کو زخمی کر دیا۔ تحور کا بھائی سجاد بھی لڑائی کی اطلاع ملنے پر وہاں پہنچا تو مہدی اور شبیر نے مل کر اسے بھی مارا اور گرا دیا۔ اس کے بعد تحور اور سجاد کا بھائی مشتاق وہاں پہنچا تو مہدی اور شبیر نے اسے بھی زخمی کر دیا۔ تحور، سجا د اور مشتاق تینوں بھائی چونکہ اکیلے اکیلے آئے اس لیے مہدی اور شبیر نے مل کر تینوں کو مارا۔ فضلا، مہدی اور شبیر گرفتار ہو گئے۔ فضلے پر قتل کا مقدمہ چلا اور اسے ۲۰ سال سزا ہوئی۔ مہدی اور شبیر پر اقدام قتل کا مقدمہ ہوا جو کافی عرصہ چلا اور انہیں بھی سزا ہوئی۔[۱]

فضلے کی نواسی سیّدہ امام باندی کے مطابق: "میرے نانا نے چاند فقیر کو ۱۹۲۸ء میں قتل کیا۔ پہلے چاند فقیر نے وار کیا، پھر میرے نانا نے ایک ہی وار میں اس کا سر اتار دیا۔ مقدمہ چلا تو جج نے کہا: 'اُس نے بھی ایک وار کیا، اِس نے بھی ایک وار کیا'، اس لیے سزا کم ہوئی۔ یہ لڑائی دو مرتبہ ہوئی۔ چاند فقیر دوسری لڑائی میں قتل ہوا۔"[۲] فضلے کے نواسے سیّد محمد امیر کے مطابق: "چاند فقیر نے کہا: 'مجھے مرے ہوئے کو کیوں مارتے ہو۔' میرے نانا نے کہا: 'اس لیے کہ میں تو ہٹا رہا تھا تو نہیں ہٹا، تجھے دوسروں نے بھڑکا رکھا تھا۔' میں نے یہ بات اپنے نانا سے سنی ہے۔"[۳]

اس واقعہ کے دو سال بعد پٹیالہ کے راجہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کی خوشی میں اس نے قیدیوں کی کچھ سزا معاف کر دی۔ راجہ کا نانا فضلے کا دوست تھا۔ اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے راجہ سے سفارش کر کے فضلے کی باقی سزا بھی معاف کروا دی۔ اس طرح فضلا دو سال بعد جیل سے رہا ہو کر گاؤں واپس آ گیا۔

فضلے پر قاتلانہ حملہ

فضلے نے سیّدوں کے پہلے محلہ کے نتھو نمبردار کی کچھ زمین پر قبضہ کر لیا۔ سیانہ سیداں سے سجاد حسین نے سید کھیڑی آکر فیصلہ کروایا اور فضلے سے اپنے سسر نتھو نمبردار کی زمین چھڑوا دی۔ لیکن سجاد کے جانے کے بعد فضلے نے دوبارہ زمین پر قبضہ کر لیا اور یہ جھگڑا چلتا رہا۔ سیّدوں کے دوسرے محلہ کے مراتب علی کی ۱۰ کلے زمین پر فضلے نے قبضہ کر لیا۔ مراتب نے فضلے کے خلاف مقدمہ کیا۔ کافی عرصہ مقدمہ بازی رہی لیکن زمین مراتب کو واپس نہ ملی۔[۴] فضلے میں ایک بہت بری عادت یہ بھی تھی کہ وہ شراب پی کر اپنے مکان کی چھت پہ چڑھ جاتا اور گالیاں بکتا تھا۔[۵] اس نے گاؤں کے ماحول کو

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون/ بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء، ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۲ سیّدہ امام باندی دختر سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خیرپور سادات — ۹ اکتوبر ۲۰۱۲ء

۳ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

۴ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

۵ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

اس حد تک آلودہ کر دیا کہ اس کو سید کھیڑی میں لا کر بسانے والے بھی اس کے خلاف ہو گئے اور اس کے مخالفین نے مل کر اسے قتل کرنے کا پروگرام بنایا۔[1] فضلے کے نواسے سیّد محمد امیر نے کہا: "میری نانی کہتی تھی کہ گاؤں کے لوگ تیرے نانا کے پیر دھو دھو کے پیتے تھے۔ پہلے سارے اچھا کہتے تھے۔ تیرے نانا کا قصور تھا۔ تیرے نانا کا ہی قصور تھا اور کچھ نہیں۔"[2]

۱۹۳۲ء میں[3] اسو کا مہینہ تھا کہ وقوعہ کے روز محمد مسلم، محمد عالم، محمد سالم، منظور حسین، تجمّل حسین اور تحور حسین وغیرہ لاٹھیوں اور کلہاڑیوں سے مسلح ہو کر فضلے کے مکان پر گئے اور اسے باہر بلایا۔ فضلا باہر آیا تو حملہ آور اسے مارنے لگے۔[4] سیّدوں کے تیسرے محلہ کے محمد رمضان نمبردار نے اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھا تو وہیں سے آواز لگائی: "مارو مارو سالے نوں ہور (کو اور) مارو"۔[5] فضلا گھر کے اندر بھاگا تو حملہ آور بھی اس کے گھر میں داخل ہو گئے اور لاٹھیوں اور کلہاڑیوں سے اس پر متعدد وار کیے۔ کچھ لاٹھیاں صحن میں کھڑی بھینس کو بھی لگیں۔[6] فضلے کی بیٹی شبیرن زوجہ شبیر حسین اپنے چھوٹے بچّوں کے ساتھ اپنے باپ کے گھر میں تھی۔ اس نے جلدی جلدی اپنے بچّوں کو کمرے کے ایک کونے میں پھینک دیا اور خود برقعہ پہن کر صحن میں آئی اور اپنے باپ پر گر گئی جس کے بعد حملہ آور گھر سے باہر نکل گئے۔ فضلے کے جسم پر ۳۰، ۳۲ زخم تھے۔[7] حملہ آور فضلے کو مار کر گھر سے باہر نکلے تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "فضلے کو مارنے کے جرم میں سزا تو بھگتنی ہے کیوں نہ باقر اور غلام عباس کی رڑک پھڑک بھی نکال دیں۔" حملہ آوروں کے سر پر خون سوار تھا۔ وہ سیّدوں کے پہلے محلہ میں آئے تاکہ باقر اور غلام عباس دونوں پر بھی حملہ کریں۔ لیکن یہ دونوں بھائی اپنے گھروں میں موجود نہ تھے۔[8]

مسلم اس کے بعد صادق کی زمینوں پہ گیا جہاں صادق اور اس کا بیٹا حامد اپنے کھیت میں چنے بیج رہے تھے۔ مسلم نے صادق کا ہل روک دیا اور کہا: "ماما! ہم نے تیرے یار کو مار دیا ہے۔ اب تو گواہی نہ دینا۔ تو بچائے گا تو ہم بچیں گے۔" صادق نے پوچھا: "کیا جان سے مار دیا ہے؟" مسلم نے جواب دیا: "ہاں۔" صادق نے کہا: "میں نے اس کی قبر کو داغ نہیں لگانا۔ میں گواہی دوں گا۔" مسلم اور صادق میں تکرار ہونے لگی تو صادق کے بیٹے حامد نے مسلم سے کہا: "تو جا، میں اپنے باپ

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

۲ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

۳ سیّدہ امام باندی دختر سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خیرپور سادات — ۹ اکتوبر ۲۰۱۲ء

۴ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

۵ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۶ سیّدہ امام باندی دختر سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خیرپور سادات — ۹ اکتوبر ۲۰۱۲ء

۷ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

۸ سیّد احسان علی ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد انوار علی ولد احسان علی بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ جنوری ۲۰۱۹ء

کو گواہی نہیں دینے دوں گا۔" پھر حامد نے باپ سے کہا: "ہم نے برادری میں رہنا ہے۔ اگر تو گواہی دے گا تو ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔" بیٹے کے دباؤ میں آ کر صادق نے اس کیس میں گواہی دینے کا خیال دِل سے نکال دیا اگرچہ چاند فقیر قتل کیس میں اس نے فضلے کے حق میں جھوٹی گواہی دی تھی۔ اسی لیے مسلم کو اندیشہ تھا کہ صادق فضلے کے ساتھ دوستی نبھاتے ہوئے پھر اس کے حق میں گواہی دے گا۔[1]

اگرچہ مسلم نے صادق کو فضلے کے حق میں گواہی دینے سے روک دیا تھا لیکن بتانے والوں نے باقر اور غلام عباس کو بتا دیا کہ فضلے پر حملہ کرنے والے انہیں مارنے کے لیے بھی آئے تھے۔ یہ سن کر باقر اور غلام عباس نے فضلے کی طرف سے گواہ بننے کا فیصلہ کر لیا۔ باقر اور غلام عباس مقدمہ بازی کے رموز سے کماحقہٗ واقف تھے۔ ان کی گواہیوں پر حملہ آوروں کو سزا ہونا یقینی تھا۔[2] گوہلہ کے ذیلدار کاظم حسین نے باقر اور غلام عباس کو پیغام بھیجا کہ وہ فضلے کیس میں گواہی نہ دیں۔ لیکن باقر اور غلام عباس نے کاظم کی بات نہ مانی جس پر کاظم نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔[3] سیانہ سیداں کے سفید پوش سجاد حسین نے بھی باقر اور غلام عباس کو گواہی دینے سے باز رکھنے کی کوشش کی جو ناکام ہوئی۔[4]

فضلے کے بیٹے یاور نے اپنے باپ پر قاتلانہ حملہ کی اطلاع پولیس کو دی۔[5] فضلے نے ایف آئی آر میں اقدام قتل اور ڈکیتی کی دفعات لگوائیں۔[6] اس نے رمضان نمبردار کا نام بھی حملہ آوروں میں لکھوایا اور بعدازاں نتھو نمبردار کا نام بھی ایف آئی آر میں شامل کروایا۔[7] نتھو نمبردار، رمضان نمبردار، مسلم، تحور، عالم، تجمل، سالم، منظور وغیرہ گرفتار ہوئے تو فضلے کے کہنے پر پولیس ملزمان کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لگا کر سید کھیڑی سے پیدل لے کر گئی۔ راستے میں اونچی نیچی جگہ آنے پر ملزمان میں سے جو گر جاتا پولیس کا سپاہی ڈنڈے مار کر اسے اٹھاتا تھا۔ ملزمان کو اس کیس میں پانچ سال قید با مشقت کی سزا ہوئی۔[8] نتھو نمبردار کا نام چونکہ ایف آئی آر میں بعد میں لکھوایا گیا تھا اس لیے عدالت نے انہیں بری کر دیا۔[9]

مسلم اور ان کے ساتھیوں نے سزا بھگت کر سید کھیڑی واپس آنے کے بعد ایک دن فضلے سے کہا: "جیل تو ہم نے

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۲ سیّد احسان علی ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد انوار علی ولد احسان علی بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ جنوری ۲۰۱۹ء

۳ سیّدہ افضال فاطمہ عرف جالو دختر مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۰ جولائی ۲۰۱۰ء

۴ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

۵ سیّدہ امام باندی دختر سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خیر پور سادات — ۹ اکتوبر ۲۰۱۲ء

۶ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

۷ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۸ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۹ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

دیکھ لی ہے۔ اگر انسانوں کی طرح رہ سکتے ہو تو یہاں رہو ورنہ ہم تجھے چھوڑیں گے نہیں۔" اس دھمکی کے کچھ عرصہ بعد فضلا اپنی بیوی رشیدن اور بیٹوں یاور، دلاور اور علی امام کے ساتھ ایک روز خاموشی سے سید کھیڑی سے نکل گیا۔[1] فضلا سامانا کے بخاریہ محلہ کا رہنے والا تھا۔ اس کی بیوی رشیدن کا تعلق سامانا کے مجھانیاں محلہ سے تھا۔ رشیدن اور سید کھیڑی کے تونگر حسین کی والدہ چچا تایا زاد بہنیں تھیں۔[2] فضلے کی بیٹیاں بشیرن زوجہ سید محمد اور شبیرن زوجہ شبیر حسین اور ان کی اولاد تقسیم ہند تک سید کھیڑی میں رہے۔ وہ اپنے بچّوں کے ساتھ اپنے والدین سے ملنے سامانا جاتی رہتی تھیں۔ فضلا بھی ایک بار اپنی بیٹیوں سے ملنے سید کھیڑی آیا۔[3]

باقر - نذر چپقلش

الٰہی بخش کے خاندان میں نذر حسین ولد حسین بخش کی اپنے تایا زاد بھائی اور بہنوئی باقر حسین ولد ایزد بخش کے ساتھ مسلسل چپقلش رہتی تھی۔ باقر اور نذر دونوں نے اپنی زندگیوں کا اہم حصّہ پولیس کی ملازمت میں گزارا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی وہ دونوں اپنے آپ کو اپنی اپنی جگہ 'چوہدری' سمجھتے تھے۔ ان میں کشیدگی کا باعث کوئی مالی یا نظریاتی تنازعہ نہ تھا۔ بس وہ چودھراہٹ کی سیاست میں ایک دوسرے کے حریف تھے اور مقدمہ بازی کے ذریعے ایک دوسرے کو زچ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔[4] انہوں نے معمولی تنازعات کو بہانہ بنا کر ایک دوسرے کے خلاف بہت سے مقدمات کیے۔

ایک دفعہ باقر نے نذر کے خلاف راجپورہ عدالت میں درخواست دی کہ مدعی کا اپنی حویلی کے اردگرد احاطہ ہے جس پر مدعی نے دیوار بنائی ہے۔ مدعا علیہ نے مدعی کی غیر موجودگی میں وہ دیوار گرا دی۔ "اور پولیاں میری پھینک دیں جس کی نسبت علیحدہ نالش دائر کی گئی ہے۔" مدعا علیہ احاطہ پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ مدعا علیہ کو کوئی حق نہیں کہ مدعی کے احاطہ کی دیوار گرائے اور احاطہ پر قبضہ کرے۔ منع کرنے پر آمادہ فساد ہوتا ہے۔ اس لیے مدعی مستحق ڈگری ہے۔[5]

باقر نے یہ مقدمہ جیت لیا اور اپنے احاطہ کے اطراف میں پودے لگا دیے۔ کچھ عرصہ بعد ایک دن نذر وہ پودے اکھاڑنے لگے۔ باقر کے بیٹے صابر نے انہیں دیکھا تو ان کے پاس آکر کہا: "ماموں! پودے نہ اکھاڑیں، ابّا ناراض ہوں گے۔" نذر نے جواب دیا: "یہ تیرے باپ کی جگہ نہیں ہے۔ میں پودے اکھاڑوں گا۔" صابر نے دوبارہ بولنا چاہا تو نذر نے ایک چھڑی مار کر صابر کا کان زخمی کر دیا۔ صابر نے رونا شروع کر دیا اور محلّے والے اکٹھے ہو گئے جن میں یاور، زین العابدین اور عزادار بھی تھے۔ باقر گھر کے اندر موجود تھے۔ انہیں کسی نے باہر ہونے والی کارروائی کی خبر دی تو وہ باہر آئے اور نذر پر حملہ کر دیا۔

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

۲ سیّدہ امام باندی دختر سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خیرپور سادات — ۹ اکتوبر ۲۰۱۲ء

۳ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۵ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ لوگوں نے دونوں کو علیحدہ کر دیا لیکن اسی دوران دونوں کے سر پھٹ گئے۔ باقر واپس گھر میں داخل ہوئے تو اپنی بیوی ذکی، جو نذر کی بہن تھیں، پر برسنا شروع کر دیا اور انہیں اور ان کے بھائی کو جو منہ میں آیا کہا۔ باقر نے اپنا زخم صاف کیا، کپڑے بدلے اور نذر کے خلاف رپٹ لکھانے کے لیے راجپورہ تھانہ چلے گئے۔ باقر کے گھر سے جانے کے بعد ان کی زوجہ ذکی چولہے میں کیلیں لگا کر دعائیں کرنے لگیں کہ ان کے بھائی کو کچھ نہ ہو۔ باقر جب تھانہ پہنچے تو دیکھا نذر وہاں پہلے سے موجود ہیں۔ وہ خون آلود کپڑوں ہی میں تھانہ پہنچ گئے تھے اور باقر کے آنے سے پہلے ان کے خلاف رپٹ درج کروا چکے تھے۔ باقر کی بیٹی امامی صغریٰ کے مطابق: ”جب میرے ابّا اور ماموں نذر کی لڑائی ہوئی تو ماموں کی بیٹی خاتون اور بیٹے خادم نے چھت سے اینٹیں پھینکیں۔ ایک اینٹ میرے ابّا اور دوسری ماموں کے سر پر لگی جس سے دونوں کے سر پھٹ گئے۔“ [۱]
تاہم نذر کی بیٹی نرجس خاتون کے مطابق: ”پھوپھا باقر لڑنے آئے تو انہوں نے کندھے پر کسی رکھی ہوئی تھی۔ میرے ابّا نے وہ کسی کھینچی تو پھوپھا کا سر پھٹ گیا۔ تاہم جب ان سے کوئی پوچھتا کہ سر پہ چوٹ کیسے لگی تو وہ کہتے کہ کھرچنے کی بیٹیوں نے چھت سے اینٹ ماری۔“ [۲]

مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۴۶ء بروز جمعرات نذر نے مجسٹریٹ درجہ اوّل راجپورہ کی عدالت میں ایک درخواست دی جس میں انہوں نے باقر حسین ولد ایزد بخش کے ساتھ مندرجہ ذیل ۱۴ افراد کو بھی فریق بنایا: غلام عباس ولد ایزد بخش، محمد محسن ولد غلام عباس، یاور حسین، صابر حسین، یاسر حسین پسران باقر حسین، محمد عسکری عرف نقو ولد مسیتا نمبردار، محمد مسلم، محمد عالم، محمد اسلم، اختر حسین پسران محمد عسکری، محمد سالم ولد محمد مسیتا، جعفر حسین ولد علی حسین قوم سیّد، بنت ولد چھترو، پرتاپا ولد نا معلوم قوم چمار سید کھیڑی۔

اس درخواست میں نذر نے لکھا کہ جگہ سفید واقع سید کھیڑی مقبوضہ سائل کی نسبت مسئول علیہ نمبرا (باقر حسین) کے ساتھ مقدمہ دائر عدالت مجسٹریٹ صاحب درجہ اوّل و تحصیلدار صاحب راجپورہ کے ہے۔ مسئول علیہ نمبرا نے اراضی مذکور پر اپنا قبضہ ثابت کرانے کی غرض سے آج صبح لکڑیاں وغیرہ ڈالیں۔ سائل نے اس کو منع کیا کہ تم ایسا نہ کرو۔ اس جگہ تکرار ہوا۔ جملہ ملزمان جو کہ مسئول علیہ نمبرا کے حامی اور امداد پر ہیں جمع ہو گئے۔ مردمان موجودہ سیّد محمد رمضان، سیّد سجاد حسین، سیّد تجمل حسین، سیّد حشمت علی، سیّد دلبر حسین اور سیّد راکب حسین نمبردار نے ہٹا دیا۔

جملہ مسئول علیہم نے کہا کہ اب تو بچا دیا۔ موقع لگا تو تم کو یا تمہارے پسر کو مار دیں گے یا کچھ تہمت لگا کر تمہیں ویران کریں گے۔ جس سے سائل کو اپنی جان و مال اور اپنے لڑکے کی جان کا از حد خطرہ ہے کیونکہ وہ مدرسہ آتا جاتا ہے۔ درخواست زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری گزارش ہے کہ جملہ مسئول علیہم کا انتظام بذریعہ ضمانت ہائے کے فرمایا جاوے۔ تاکہ مسئول علیہم کو نقص امن اور جان و مال کرنے کا موقع نہ ملے۔ اور پولیس تھانہ راجپورہ کی معرفت تحقیقات فرمائی جاوے۔ [۳]

---

۱ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

۲ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء

۳ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

نذر اور باقر ایک دوسرے کے خلاف سوچتے رہتے تھے۔ اگر ایک کو کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو وہ دوسرے کو اس کا موجب سمجھتا تھا۔ ایک مرتبہ نذر نے اپنے اکلوتے بیٹے خادم حسین کے مبینہ "اغوا اور قتل" کے الزام میں نتھو نمبردار کے ساتھ باقر کو بھی ملوث کیا۔ اس الزام کا محرک مندرجہ ذیل واقعہ ہوا:

خادم اور جرار گھر سے فرار

سیانہ سیداں کے جرار حسین ولد سجاد حسین اپنے گاؤں میں پرائمری تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد راجپورہ میں مزید تعلیم کے لیے سیدکھیڑی آ گئے اور اپنے نانا محمد عسکری عرف نتھو نمبردار کے گھر رہنے لگے۔ نتھو نمبردار نے انہیں راجپورہ مڈل سکول میں پانچویں کلاس میں داخل کروا دیا۔ نذر کے فرزند خادم حسین ان کے ہم جماعت تھے۔ انہیں سکول جاتے ہوئے چھ ماہ ہو گئے تو ایک دن خادم نے جرار سے کہا: "ہمیں روزانہ صبح سکول جانا پڑتا ہے۔ یہ بھی بھلا کوئی زندگی ہے۔ گھر سے بھاگ جاتے ہیں۔ کہیں اور رہیں گے، آرام سے زندگی گزاریں گے۔" جرار کو خادم کا مشورہ اچھا لگا۔ اگلی صبح دونوں گھر سے تو سکول جانے کے لیے نکلے لیکن سکول کی بجائے راجپورہ اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ کچھ دیر بعد تھانیسر جانے والی گاڑی آئی تو دونوں اس میں بغیر ٹکٹ سوار ہو گئے کیونکہ پیسے تو ان کے پاس نہیں تھے۔ راستے میں ان سے کسی نے ٹکٹ کے بارے میں کچھ نہ پوچھا۔ تھانیسر آکر گاڑی رکی تو وہ اسٹیشن پر اتر گئے اور سوچنے لگے کہ اب کہاں جائیں۔ تھانیسر میں جو مسلمان رہتے تھے ان میں وہ شیخ بھی تھے جو سیانہ سیداں کے جنگل میں ڈھاک کے درخت کاٹنے کا ٹھیکہ لیتے تھے۔ یہ ٹھیکہ وہ جرار کے والد سجاد حسین سے لیتے تھے۔ سیانہ میں سجاد کے پاس ان کا آنا جانا رہتا تھا۔ اس لیے جرار ان کو جانتے تھے۔ جرار اور خادم پوچھتے پچھاتے ایک شیخ ٹھیکیدار کے گھر پہنچ گئے۔ شیخ نے جرار کو پہچان لیا اور پوچھا: "بیٹا! کیسے آئے ہو؟" جرار نے کہا: "ہم سیر و تفریح کے لیے آئے ہیں اور رات آپ کے ہاں گزاریں گے۔" میزبان کو شک ہو گیا کہ چھوٹی عمر کے مہمان گھر سے بھاگ کر آئے ہیں۔ لیکن شیخ نے ان سے اس وقت کچھ نہ کہا۔ انہیں کھانا کھلایا اور رات کو ایک کمرے میں سلا دیا۔ صبح ناشتہ کروانے کے بعد شیخ نے بچّوں کو سمجھاتے ہوئے کہا: "بیٹا! اس شہر میں تمہارا اس طرح گھومنا پھرنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ تمہارے ساتھ کوئی بڑا نہیں ہے۔ تم اپنے گھر چلے جاؤ۔ میرا نوکر تمہیں پیہوہ جانے والی بس میں بٹھا آئے گا۔" جرار اور خادم کو شیخ کا مشورہ اچھا نہ لگا لیکن وہ خاموش رہے۔ شیخ کا نوکر بس میں بٹھانے کے لیے ان کو لے کر چل پڑا۔ راستہ میں جرار اور خادم نے نوکر سے جان چھڑانے کے لیے دکان سے چیز لینے کا بہانہ کیا اور بازار کی گلیوں میں غائب ہو گئے۔

پھر ان دونوں نے جلد از جلد تھانیسر سے نکلنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اسٹیشن پر پہنچے اور انبالہ جانے والی گاڑی آئی تو اس میں بیٹھ گئے۔ پیسے نہ ہونے کے باعث ٹکٹ اس دفعہ بھی ان کے پاس نہیں تھے۔ قسمت نے پھر ان کا ساتھ دیا اور ٹکٹ چیکر ان کے پاس نہ آیا۔ گاڑی انبالہ پہنچی تو وہ اتر کر سیدھے غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار کے سکول پہنچے۔ وہاں انہیں پتہ چلا کہ مرتضیٰ چھٹی کر کے گھر جا چکے ہیں۔ خادم اور جرار پیدل راجگڑھ کی طرف چل پڑے۔ انبالہ سے پانچ چھ کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے راجگڑھ جا پہنچے۔ وہ پہلی بار راجگڑھ آئے تھے۔ لوگوں سے مرتضیٰ کے والد محمد رضا حسین نمبردار کا

پوچھ کر ان کے گھر پہنچ گئے۔ مرتضیٰ کی والدہ سلامتی نے ان سے پوچھا: "بیٹا! کیسے آئے ہو؟" تو انہوں نے جواب دیا: "ہم دیکھنے آئے ہیں کہ راجگڑھ کیسا ہے۔" رات انہوں نے مرتضیٰ کے ساتھ گزاری۔

خادم اور جرار صبح پھر انبالہ اسٹیشن پر آ گئے تاکہ مزید کہیں آگے نکلا جائے۔ پلیٹ فارم پر ایک بابا گھوم رہا تھا۔ اس نے بچّوں کو غور سے دیکھا اور اندازہ لگا لیا کہ یہ گھر سے بھاگے ہوئے ہیں۔ بابا ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: "میرے ساتھ چلو، تمہیں دہلی کی سیر کراؤں گا اور وہاں خوب گھماؤں گا۔" خادم بابا کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے لیکن جرار کو بابا سے خوف محسوس ہوا۔ جرار نے کہا: "میں بابا کے ساتھ نہیں جاتا۔" اس بار خادم اور جرار میں اختلاف ہو گیا اور جدائی بھی۔ دہلی جانے والی ٹرین سے پہلے راجپورہ کی طرف جانے والی ٹرین آ گئی۔ جرار ٹرین میں بیٹھ کر راجپورہ آ گئے اور وہاں سے تین میل پیدل چل کر سید کھیڑی پہنچ گئے۔ جب وہ اپنے نانا کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ سیانہ سے ان کے بڑے بھائی اقبال حسین آئے ہوئے ہیں۔ اقبال نے کہا: "آ گیا جرار۔" جرار نے کوئی جواب نہ دیا، ان کے پاس کوئی جواب تھا بھی نہیں۔ جرار کے واپس آنے کی خبر گاؤں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ کچھ ہی دیر بعد دروازہ پر دستک ہوئی۔ جب دروازہ کھولا گیا تو آنے والے نے کہا کہ اسے نذر حسین نے بھیجا ہے اور وہ پوچھ رہے ہیں کہ ان کا بیٹا خادم کہاں ہے۔ جرار کو دروازہ پر بھیجا گیا تو انہوں نے نذر کے بھیجے ہوئے آدمی کو بتایا: "خادم ایک بابا کے ساتھ انبالہ سے دہلی چلا گیا۔" [1]

جب نذر حسین کو اپنے اکلوتے بیٹے کے بارے میں یہ اطلاع ملی تو وہ پریشان ہو گئے۔ انہیں جرار کی بات کا یقین نہ آیا اور طرح طرح کے وسوسوں نے ان کے دِل کو تنگ کیا۔ وہ اسی وقت گھر سے نکلے اور راجپورہ تھانہ پہنچ گئے اور یہ رپٹ درج کروائی: "نتھو نمبردار ولد محمد مسیتا اور باقر حسین ولد ایزد بخش نے جرار حسین کو تیار کیا کہ میرے بیٹے خادم حسین کو ساتھ لے جائے اور دریائے گھگر میں پھینک آئے۔ جرار میرے بیٹے کو ساتھ لے گیا اور اسے دھوکے سے دریائے گھگر میں دھکیل کر خود واپس آ گیا۔" [2]

جرار نے ابھی کھانا کھایا ہی تھا کہ پولیس والے پہنچ گئے اور نتھو نمبردار، باقر اور جرار کو گرفتار کر کے تھانہ لے گئے۔ نذر وہاں پہلے سے موجود تھے۔ ملزموں کو تھانیدار کے سامنے پیش کیا گیا۔ تھانیدار کے پوچھنے پر جرار نے گھر سے فرار کے بعد خادم کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ جرار کے بیان کے ختم ہونے پر تھانیدار نے چہرے پر غصہ کے اظہار کے ساتھ سخت لہجے میں جرار سے کہا: "سچ سچ بتا تو نے خادم کو کس دریا میں پھینکا۔" تھانیدار کے لہجہ اور تیور نے جرار کو دہشت زدہ کر دیا۔ وہ رونے لگے اور روتے روتے کہا: "میں سچ بول رہا ہوں۔ خادم بابا کے ساتھ دہلی چلا گیا۔" ابھی یہ تفتیش جاری تھی کہ جرار کے بڑے بھائی اقبال بھاگتے اور ہانپتے ہوئے تھانہ میں پہنچے اور تھانیدار کو بتایا: "خادم واپس گھر پہنچ گیا ہے۔" اس اطلاع کے بعد تھانیدار نے نذر کو بہت سنائیں۔ [3]

---

۱ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۲ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۳ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

نذر اپنے دائر کئے گئے مقدمات میں باقر کے ساتھ ان کے بھائی غلام عباس کو بھی عموماً فریق بناتے تھے۔ نذر کے بھائی محمد یٰسین کا ان جھگڑوں سے کوئی تعلق ہوتا تھا نہ نذر کے مخالفین اپنے مقدمات میں ان کو فریق بناتے تھے۔ تاہم یٰسین کو بھائی ہونے کے ناطے کبھی کبھار جھگڑوں سے متعلق ہونے والی کسی تفتیشی یا مصالحتی میٹنگ میں نذر کے ساتھ بیٹھنا پڑتا تھا۔[۱] باقر اور غلام عباس نہ صرف یہ کہ نذر اور یٰسین کے تایا زاد بھائی تھے بلکہ بہنوئی بھی تھے۔ کشیدگی کے عروج کے وقت نذر اور یٰسین کی بہنوں کو اپنے شوہروں کی ڈانٹ ڈپٹ برداشت کرنی پڑتی تھی۔ جب نذر کے ساتھ چلنے والے مقدمات میں سے کسی مقدمہ کا فیصلہ ہوتا اور باقر اور غلام عباس وہ مقدمہ جیت جاتے تو گھر آکر اپنی بیگمات کو جتاتے تھے: ”ہم نے تمہارے بھائی کو ذلیل کر دیا ہے۔“ اور اگر مقدمہ ہار جاتے تو اپنا غصہ اپنی بیگمات پر نکالتے تھے اور کہتے تھے: ”تم نے ضرور اپنے بھائی کے لیے دُعا کی ہو گی جس کی وجہ سے ہمیں یہ دن دیکھنا پڑا۔“ [۲]

کشیدگی اور مقدمہ بازی کے باوجود نذر، باقر اور غلام عباس اپنے گھر کی عورتوں اور بچّوں کو ایک دوسرے کے گھر آنے جانے سے نہیں روکتے تھے۔ یہاں تک کہ جب الٰہی بخش کے خاندان کے حوالہ سے کوئی مشترکہ امر انجام دینا ہوتا تو الٰہی بخش کے پوتے ہونے کی حیثیت سے وہ سب مل کر اس امر کو بخوبی انجام دیتے تھے۔ اپنے والدین کی طرح الٰہی بخش کے پوتے محمد نقی، باقر حسین، غلام عباس، نذر حسین اور محمد یٰسین ساڈھورہ میں اپنی پھوپھی زاد بہن صغریٰ زوجہ محمد زین العابدین کے ہاں جب کوئی خوشی ہوتی تو مشترکہ نانک چھک لے کر جاتے تھے۔ مذہبی رسومات خصوصاً مجالس، شادیوں اور خوشی اور غم کے دوسرے مواقع پر بھی ان سب کا اشتراک زندگی کے معمول کا ایک حصّہ تھا۔[۳] ذکی زوجہ باقر حسین نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ اگر کبھی انہوں نے اپنے والد اور ماموں کے جھگڑوں میں اپنے ماموں نذر حسین سے بدتمیزی کی تو وہ انہیں دودھ نہیں بخشیں گی۔[۴]

چوری چکاری

سیّدوں کے تیسرے محلہ کا رہائشی نتھو ولد عید محمد دوسرے دیہاتوں میں جا کر چوری کرتا تھا اور اپنے گاؤں کے لوگوں کو اپنی چوری کے واقعات بھی سناتا تھا۔ اس کا قد غیر معمولی طور پر لمبا تھا۔ ایک مرتبہ اسے پتہ چلا کہ ایک قریبی گاؤں کے بنیے کے پاس کافی رقم اور سونا آیا ہے اور بنیے نے یہ دولت اپنے گھر میں چھپا کر رکھی ہے۔ اس بنیے کا گھر ایک بند گلی میں تھا۔ نتھو نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر بنیے کا مال چُرانے کا پروگرام بنایا۔ وہ آدھی رات اس گاؤں کی بند گلی میں

---

۱ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۷ جولائی ۲۰۰۵ء

۲ سیّد احسان علی ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد انوار علی ولد احسان علی بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ جنوری ۲۰۱۹ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

داخل ہو گئے۔ غلطی سے وہ بنیے کے گھر کی بجائے اس کے ساتھ والے گھر میں گھس گئے۔ نیچے اور اوپر کے کمروں کی تلاشی لینے پر انہیں کوئی رقم یا سونا نہ ملا۔ البتہ گھر میں اناج اور گھی تھا۔ انہوں نے پیتل کے بڑے بڑے دیگچے بھی دیکھے۔ نھتو اور اس کے ساتھیوں نے گھی اٹھا لیا۔ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے گھی کا ایک برتن گر گیا۔ برتن گرنے کی آواز پر گھر والے اٹھ گئے اور انہوں نے چور چور کا شور مچا دیا۔ نھتو نے ڈرا دھمکا کر گھر والوں کو خاموش کر دیا۔ لیکن گاؤں والے اٹھ چکے تھے۔ جب نھتو اور اس کے ساتھی گلی میں آئے تو گاؤں کے لوگ گلی سے باہر جانے کے واحد راستہ پر پہنچ چکے تھے۔ نھتو کے ساتھی گھبرا گئے اور ان میں سے ایک نے کہا: "آج مارے گئے۔" نھتو نے کہا: "گھبراؤ نہیں۔" یہ کہہ کر نھتو تیزی سے دوبارہ اس گھر میں گیا جس میں غلطی سے چوری کرنے داخل ہوئے تھے اور پیتل کے تین بڑے دیگچے اٹھا لایا۔ گلی سے نکلنے کے راستہ کے قریب آکر نھتو نے تینوں دیگچے یکے بعد دیگرے لوگوں کی طرف اچھال دیے۔ دیگچے گرے تو دھماکوں کی آواز آئی اور لوگ ڈر کے بھاگے۔ گلی کا راستہ کھل گیا تو نھتو اور اس کے ساتھی بھی بھاگ گئے۔ گاؤں سے نکلنے کے بعد آگے آئے تو انہوں نے ایک جگہ بیل اور بھینسیں بندھی ہوئی دیکھیں۔ انہوں نے مویشی چوری کرنے کا پروگرام بنایا۔ نزدیک گئے تو دیکھا کہ ایک شخص مویشیوں کے باہر نکلنے کے راستہ پر ان کی رکھوالی کے لیے چارپائی بچھا کر سویا ہوا ہے۔ نھتو کے ایک ساتھی نے کہا: "مشکل ہے، یہ آدمی سویا ہوا ہے۔" نھتو نے کہا: "کیا مشکل ہے، دو آدمی چارپائی اٹھا کر اُدھر رکھ آؤ"۔ نھتو کے دو ساتھیوں نے چارپائی اٹھائی اور کچھ دور جا کر رکھ دی۔ یہ کام اتنی آہستگی اور غیر محسوس طریقہ سے ہوا کہ چارپائی پر لیٹا ہوا آدمی اسی طرح سویا رہا۔ نھتو اور اس کے ساتھیوں نے جانور کھولے اور انہیں لے کر چلتے بنے۔ آگے جنگل میں پہنچ کر جانوروں کو ایسی جگہ باندھ دیا جہاں سے کسی کے گزرنے کا بظاہر کوئی امکان نہیں تھا۔ فجر کا وقت ہونے والا تھا۔ نھتو وغیرہ نے اپنے ایک ساتھی کو جانوروں پہ نظر رکھنے کے لیے وہیں چھوڑ دیا۔ اگر جانوروں کی تلاش میں کچھ لوگ وہاں پہنچ جاتے تو نھتو کے چور ساتھی نے حسب معمول یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ کہیں اور جاتے ہوئے وہاں سے گزر رہا تھا۔ نھتو اور اس کے باقی ساتھی اپنے اپنے گھروں میں آکر سو گئے۔ دن گزر گیا تو رات کو نھتو اور اس کے ساتھی پھر جنگل کی طرف چلے۔ جنگل میں پہنچ کر انہوں نے جانور کھولے اور راتوں رات شاہ آباد پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے جانور بیچ دیے اور پیسے آپس میں تقسیم کر لیے۔ نھتو اور اس کے ساتھی جانوروں کو چوری کر کے اسی طرح ٹھکانے لگاتے تھے۔

نھتو کا ایک بھائی بندو تھا جو چوری نہیں کرتا تھا۔ تاہم سید کھیڑی کے قریب بنوڑ گاؤں میں ایک دفعہ چوری ہوئی تو تھانہ میں رپٹ بندو کے خلاف درج ہوئی۔ تھانیدار دو سپاہیوں کے ساتھ سیّدوں کے دوسرے محلہ کے بابو راکب نمبر دار کے پاس آیا اور کہا کہ بندو نے چوری کی ہے، اسے بلاؤ۔ بابو راکب نے بندو کو بلا لیا۔ تھانیدار کے پوچھنے پر بندو نے چوری کا الزام ماننے سے انکار کر دیا۔ بابو راکب نے بھی تھانیدار سے کہا: "بندو چور نہیں ہے۔" تھانیدار نے کہا: "ابھی تمہارے سامنے یہ چوری مانے گا۔ اسے کہو الٹا لیٹ جائے۔" بابو راکب نے کہا: "میں تو اسے چور نہیں سمجھتا۔ تم خود اسے الٹا لٹا لو۔" تھانیدار نے بندو کو حکم دیا: "الٹا لیٹ جا۔" بندو نے لیٹنے سے انکار کر دیا۔ تھانیدار نے اپنے ساتھ آئے ہوئے دو سپاہیوں کو حکم دیا کہ بندو کو الٹا لٹا دیں۔ بندو طاقتور تھا اور اس کا قد بھی دوسروں کے مقابلہ میں خاصا لمبا تھا۔ سپاہیوں نے جب بندو کو دونوں طرف

سے پکڑا تو بندو نے اپنی دونوں کہنیاں پھیلا دیں۔ دونوں سپاہی چند قدم پیچھے جا گرے۔ سپاہیوں نے پھر کوشش کی تو بندو نے پھر اپنی کہنیاں پھیلا کر انہیں دھکیل دیا۔ تھانیدار نے بھی سپاہیوں کے ساتھ مل کر بندو کو قابو کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ جلد ہی پولیس کی ٹیم تھک گئی۔ تھانیدار نے پھر بابو راکب سے کہا کہ وہ بندو کو لیٹنے کے لیے کہے۔ بالآخر بابو راکب کے کہنے پر بندو لیٹ گیا۔ سپاہیوں نے تھانیدار کے اشارہ پر بندو کو مارنا شروع کیا۔ بندو نے خاموشی سے مار کھا لی اور منہ سے اف تک نہ کہا۔ تھانیدار نے بھی ہار نہ مانی اور بندو کو گرفتار کر کے لے گیا۔ پولیس نے عدالت سے بندو کا تین دن کا جسمانی ریمانڈ لے لیا۔ تین دن پولیس والے بندو کو مارتے رہے لیکن بندو نے چوری کے الزام کو تسلیم نہیں کیا۔ تین دن کے بعد پولیس نے عدالت سے بندو کا مزید ۱۴ دن کا ریمانڈ حاصل کیا۔ اس ریمانڈ کے تیرہویں دن جب نھو اپنے بھائی بندو کے لیے روٹی لے کر گیا تو بندو نے اس سے کہا: "بابو سے کہو اب مجھے چھڑوا لے۔ اگر ایک دن اور یہاں گزرا تو میں نے جو مار پہلے برداشت کی ہے سب ضائع ہو جائے گی۔" نھو نے بندو کا پیغام بابو راکب کو پہنچایا اور انہیں یہ بھی بتایا کہ بندو بہت کمزور ہو گیا ہے۔ بابو راکب اسی وقت تھانہ پہنچے اور تھانیدار سے کہا: "تمہیں بندو کو مارتے ہوئے ۱۴ دن سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ اگر اب بھی اسے نہیں چھوڑتے تو میں تمہارے خلاف عدالت میں کیس کروں گا۔" تھانیدار نے کہا: "میں نے بڑے بڑے چوروں سے اعتراف کروایا ہے لیکن بندو جیسا نہیں دیکھا۔" یہ کہہ کر تھانیدار نے بندو کو چھوڑ دیا۔[1]

سید کھیڑی کے قریب راجپوتوں کے گاؤں سُروں میں چور رہتے تھے جن کے ساتھ سیّدوں کے تیسرے محلہ کے رہائشی سید محمد عرف چھجو کی دوستی تھی۔ چھجو کے چور دوست ان سے ملنے کے لیے سید کھیڑی آتے رہتے تھے۔ چھجو انہیں کھانا کھلاتے اور رات بھر ان کے ساتھ بیٹھ کر حقہ پیتے تھے۔ وہ عموماً حقے میں سے پانی نکال دیتے تھے تاکہ گڑ گڑ کی آواز سے محلہ کے دوسرے لوگوں کو چور مہمانوں کی بے وقت موجودگی کا پتہ نہ چلے۔ چھجو خود بھی سُروں کے نمبردار مسیتا کے پاس جاتے تھے۔ وہاں سب چور اکٹھے ہوتے اور تبادلہ معلومات کرتے تھے۔[2] اگرچہ چھجو کی چوروں کے ساتھ دوستی تھی لیکن وہ خود چوری نہیں کرتے تھے۔[3] سیّدوں کے پہلے محلہ کے نھو نمبردار نے اپنے بیٹے مسلم کے لیے چھجو سے ان کی بیٹی سروری کا رشتہ مانگا۔ نھو نمبردار کے بیٹوں کے بارے میں چھجو اچھی رائے نہیں رکھتے تھے اگرچہ عالم کے ساتھ ان کی دوستی تھی۔ چھجو نے مسلم کو رشتہ دینے سے انکار کر دیا اور بعدازاں سیّدوں کے پہلے محلہ ہی میں باقر کے بیٹے ناصر سے اپنی بیٹی کی شادی طے کر دی۔ مسلم کو چھجو کا انکار برا لگا۔ انہوں نے مبینہ طور پر سیانہ سیداں جا کر وہاں کے چوروں سے کہا کہ سید کھیڑی کے ایک ارائیں کے گھر شادی ہے۔ مسلم نے چھجو کے گھر کا نقشہ بھی چوروں کو سمجھا دیا۔ جب چور آئے تو چھجو کی ایک پالتو چھوٹی کتیا نے انہیں گھر کے قریب نہ آنے دیا۔ چور تین روز آتے رہے اور ناکام واپس لوٹتے رہے۔ پھر ایک دن وہ سُروں کے نمبردار کے گھر جا ٹھہرے۔ نمبردار نے ان سے آنے کا مقصد پوچھا تو انہوں نے کہا کہ انہیں سید کھیڑی کے ایک ارائیں کے گھر میں

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۲ سیّد قائم حسین ولد سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

۳ سیّد زاہد حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کوٹلی باوا فقیر چند — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

چوری کرنے کا کہا گیا ہے۔ اس گھر کا اتہ پتہ بھی چوروں نے نمبردار کو بتایا۔ نمبردار نے کہا: "جتنا سامان چاہیے میرے پاس سے لے جاؤ اور جنہوں نے تمہیں بھیجا ہے انہیں جا کر دے دو۔ وہ ایک سیّد کا گھر ہے اور وہ سیّد میرا دوست ہے۔" اگلی صبح چور واپس چلے گئے۔ بعدازاں چوروں نے مسلم سے شکوہ کیا کہ انہیں غلط کیوں بتایا گیا اور کہا: "وہ ایسا گھر ہے کہ اگر وہ کہیں تو ہم تمہارے گھر چوری کر لیں۔" [۱]

غلط رواج

تقسیم ہند سے پہلے معاشرہ میں کئی غلط رواج زندگی کا حصّہ تھے جن میں سے کچھ کو سید کھیڑی کے سیّدوں نے بھی اپنا لیا تھا اور شرعی احکام کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ ان میں سب سے نمایاں بیوہ عورت کی شادی نہ کرنے کا رواج تھا۔ مرد کی دو تین یا چار شادیاں کرنا تو عام تھا لیکن بیوہ عورت کو گھر بٹھا دیا جاتا تھا اگرچہ اس کی شادی کو کچھ ہی عرصہ گزرا ہو اور وہ بےاولاد بھی ہو۔ ایسی عورتوں میں چند ایک نام مریم النساء زوجہ رمضان علی، یعقوبن زوجہ طالب حسین اور جنّت زوجہ محمد مسیتا کے ہیں کہ جن کے خاوند شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد فوت ہو گئے، ان کے اولاد بھی نہ ہوئی اور انہوں نے اپنی ساری زندگی بیوہ کی حیثیت سے اکیلے گزاری۔[۲] البتہ ایسی بیوگان کی گھروں میں معمول سے زیادہ عزّت کی جاتی تھی اور وہ اپنے مرحوم خاوندوں کے ترکہ کی مالک ہوتی تھیں۔[۳] خورشید بانو دختر احمد حسین کی شادی ۱۴ سال کی عمر میں محمد نقی ولد محمد بخش سے ہوئی اور ان کے ایک بیٹی صفدری ہوئیں۔ شادی کے چند سال بعد نقی فوت ہو گئے۔ بانو ۴۰ سال کی عمر تک بیوہ رہ کر سید کھیڑی میں فوت ہوئیں۔[۴]

ایک اور غیر شرعی رواج جو عورتوں سے متعلق عام تھا وہ یہ تھا کہ وراثت کی زمین صِرف لڑکوں کو ملتی تھی۔ سید کھیڑی کے سیّدوں میں اگر مرنے والے کے صِرف لڑکیاں ہوتیں تو زمین پہلے بیوہ اور پھر لڑکیوں کو ملتی تھی۔ جب کہ دوسرے علاقوں میں اس صورت میں بھی لڑکیوں کو زمین سے محروم رکھا جاتا تھا اور مرنے والے کی بیوہ کے انتقال کے بعد زمین مرحوم کے جدیوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ بیٹے نہ ہونے کی صورت میں بیوہ بہرحال اپنی زندگی میں اپنے مرحوم شوہر کی زمین کی مالک ہوتی تھی۔[۵] بیٹیوں کو یہ باور کرا دیا جاتا تھا کہ اگر انہوں نے زمین میں حصّہ مانگا تو بھائیوں سے ان کا رشتہ ختم ہو جائے گا۔ اس لیے بیٹیاں عموماً خود بھی زمین میں حصّہ نہیں مانگتی تھیں اور زمین کو صِرف بھائیوں کا حق سمجھتی تھیں۔[۶] سیّدوں کے پہلے محلہ کے محمد عسکری نمبردار ولد محمد مسیتا نے راجپورہ عدالت میں ایک کیس کی سماعت کے دوران

---

۱ سیّد قائم حسین ولد سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ سیّدہ اشرف النساء عرف اچھو دختر محمد اسلم (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اگست ۲۰۰۵ء

۴ سیّدہ حاجرہ شمیم دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲۴ مئی ۲۰۱۰ء

۵ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۶ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

گواہ کی حیثیت سے مورخہ ۱۹۸۳-۲-۱۰ ب کو اپنے ایک بیان میں کہا: "ہمارے گاؤں میں دختران کو وراثت بروئے رواج پہنچی ہے۔ لڑکے کی موجودگی میں دختران کو ورثہ نہیں پہنچا۔ اگر لڑکا نہ ہوئے تو دختران مالک ہوتی ہیں۔ میں نہیں بتا سکتا کہ شرح محمدی اور رواج میں کیا فرق ہے۔" [۱]

کسی سیّد زادی کا غیر سیّد سے شادی کرنا تو درکنار، کسی سیّد مرد کا غیر سیّد عورت سے شادی کرنا بھی معیوب سمجھا جاتا تھا۔ امداد علی کے فرزند عنایت حسین کی شادی شتور کے راجپوت گھرانے میں ہوئی۔ ان کی برادری والے عنایت اور ان کے قریبی عزیزوں کو آپس کی گفتگو میں کھوکھر کہہ کر طنز کرتے تھے۔ حیدر علی کے فرزند مہربان علی عرف مسیتا نے شیخوں میں شادی کی۔ ان کے عزیز و اقارب ان کی اولاد کو غیر رسمی گفتگو میں شیخ کہہ کر پکارتے تھے۔ راجو کی باقی اولاد نے سیدکھیڑی میں مسیتا کی دو نسلوں کے ساتھ رشتے کیے نہ ان کی شادیوں میں شرکت کی۔[۲] مخدومہ فاطمہ عرف دومو دختر محمد عسکری کی شادی سیّدوں کے دوسرے محلہ کے اعجاز حسین ولد بابو راکب سے ہوئی تو راجو کی اولاد کے دوسرے بزرگوں کی خواتین نے اپنی حویلیوں کی چھتوں پر چڑھ کر دلہن کی ودائیگی کا منظر دیکھا۔[۳] اگرچہ راجو کی باقی اولاد کا عسکری نمبردار اور ان کی اولاد کی شادیوں میں اٹھنا بیٹھنا نہیں تھا، تاہم روزمرّہ کے باقی تمام امور میں ان کا ایک دوسرے کے ساتھ لین دین اور اشتراک متاثر نہ ہوا۔ عسکری نمبردار نے اپنی بیٹی رضیہ فاطمہ عرف جیا کی شادی سیانہ سیداں کے سجاد حسین سے کی تو اگرچہ الٰہی بخش کے پوتے راجو کی دوسری اولاد کی طرح شادی میں شریک نہیں ہوئے لیکن انہوں نے مشترکہ طور پر سجاد کی بارات کو چوتھا یعنی آخری کھانا کھلایا۔ کیونکہ سجاد کی ماں الٰہی بخش کی پوتی کبری دختر محمد بخش تھیں۔ محمد یٰسین کے بیٹے زین العابدین اس وقت گوہلہ سکول میں پڑھتے تھے۔ انہوں نے وہاں سے سیانہ سیداں جا کر سجاد کی بارات میں شرکت کی۔ باراتی کی حیثیت سے انہوں نے عسکری کی طرف سے دیا گیا پہلا کھانا بھی کھایا اگرچہ اس میں الٰہی بخش کے خاندان کا سیدکھیڑی میں مقیم کوئی فرد شامل نہ تھا۔[۴]

سیدکھیڑی میں سیّدوں کے کئی بزرگ نہ صِرف یہ کہ لڑکیوں کی سکول میں تعلیم کے خلاف تھے بلکہ لڑکیوں کو گھروں میں لکھنا سکھانے کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ وہ گھروں میں لڑکیوں کو صِرف پڑھنا سکھانے کی اجازت دیتے تھے۔ سیّدوں کے پہلے محلہ کی امامی صغریٰ دختر باقر حسین پڑھنے کے لیے بڑی حویلی میں بشیری بیگم زوجہ زین العابدین کے پاس جاتی تھیں۔ امامی نے پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنا سیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو ان کی والدہ ذکی نے انہیں تختی بنوا دی۔ امامی وہ تختی گھر میں چھپا کر رکھتی تھیں تاکہ ان کے والد اسے نہ دیکھ لیں۔ ایک دن امامی پڑھنے کے لیے اپنے گھر سے نکل کر بڑی حویلی کی طرف جا رہی تھیں کہ ان کے چچا غلام عباس نے ان کے پاس تختی دیکھ لی۔ انہوں نے امامی کو جھڑکا اور ان

---

۱ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش ـــ قلمی نسخہ ـــ منڈی بہاؤالدین

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ ۲۳ مارچ ۲۰۱۰ء

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

سے تختی لے کر کنویں میں پھینک دی۔ امامی کی والدہ نے انہیں نئی تختی بنوا دی۔ اب امامی گھر سے نکلتے وقت تختی کو اپنی چادر میں چھپانے لگیں۔ لیکن ایک دن نھو نمبردار کو شک ہو گیا کہ بچّی تختی چھپا کر لے جا رہی ہے۔ انہوں نے امامی کو روکا اور چادر کے نیچے سے تختی نکال کر اسی وقت توڑ دی۔ اس مرتبہ بشیری بیگم نے انہیں نئی تختی بنوا دی۔ آئندہ کسی بزرگ کے عتاب سے بچنے کے لیے چھ-سالہ امامی وہ تختی بشیری بیگم کے پاس ہی چھوڑ آتی تھیں۔ وہ لکھنے کی مشق صِرف اسی وقت کر سکتی تھیں جب پڑھنے کے لیے جاتی تھیں۔

ٹھسکہ سے حیدری بیگم زوجہ قاضی محمد شفیع اپنی بیٹی بشیری بیگم سے ملنے سید کھیڑی آئیں۔ ذکی زوجہ باقر حسین ان کی خالہ زاد بہن تھیں۔ ذکی نے ان کی دعوت کی۔ حیدری نے امامی کی موجودگی میں باقر سے کہا کہ وہ امامی کو اپنے ساتھ ٹھسکہ لے جانا چاہتی ہیں تاکہ انہیں لڑکیوں کے سکول میں داخل کروا دیں۔ باقر کو حیدری کی بات بری لگی اور انہوں نے سختی سے منع کر دیا۔ نذر حسین کی بیٹیوں نرجس خاتون اور حبیبہ نے اپنے ننھیالی گاؤں سامانا کے سکول میں چند جماعتیں پڑھی تھیں۔ وہ جب اپنے سکول کے قصّے سناتی تھیں تو امامی کا دِل بھی چاہتا تھا کہ وہ سکول میں تعلیم حاصل کریں۔ امامی نے حیدری بیگم کے ساتھ ٹھسکہ جانے کی ضد کی تاکہ وہ بھی خاتون اور حبیبہ کی طرح سکول میں تعلیم حاصل کریں۔ باقر اپنی بیٹی کے ساتھ سختی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی سے کہا: ”تو نہیں جانتی، یہ حیدری ٹھسکہ جا کر کہے گی کہ میں سید کھیڑی سے ایک نوکرانی لے کر آئی ہوں۔“ باقر نے امامی کو یہ باور کروا دیا کہ سکول میں داخل کروانے والی بات تو محض ایک چال ہے اور دراصل ان سے ٹھسکہ میں نوکروں والا کام لیا جائے گا۔ اس طرح بہلا پھسلا کر باقر نے اپنی بیٹی کی سکول میں پڑھنے کی ضد ختم کر دی۔[۱]

ایک اور برا رواج یہ تھا کہ دوسرے علاقوں کی طرح سید کھیڑی میں بھی کچھ سیّد زمیندار ارائیں مضارعوں کو ہمیشہ اپنا ماتحت رکھنے کے لیے قرض دیتے تھے۔ ایک مضارع کو ۱۰۰ روپے دے دیے جسے وہ اتار سکے نہ کہیں جا سکے۔[۲]

بیل گاڑی کا سفر

سیانہ سیداں، ٹھسکہ، گوہلہ، ساڈھورہ اور راجگڑھ ان دیہاتوں میں سے تھے جہاں سید کھیڑی کے سیّدوں خصوصاً راجو کی اولاد کے رشتہ دار رہتے تھے اور ان کا آپس میں آنا جانا رہتا تھا۔ ساڈھورہ کے علاوہ باقی دیہاتوں میں جانے کے لیے عموماً بیل گاڑی میں سفر کرتے تھے۔ ٹھسکہ، سیانہ اور گوہلہ کے گاؤں سید کھیڑی سے ۲۸ سے ۳۰ کوس کے فاصلہ پر تھے جب کہ راجگڑھ کا فاصلہ ۱۰ کوس تھا۔ کبھی کبھار بس یا ٹرین کے ذریعہ بھی سفر کرتے تھے لیکن اس طرح لمبا چکر پڑتا تھا اور پیدل پھر بھی چلنا پڑتا تھا۔ سیانہ سیداں گاؤں سید کھیڑی سے کچھ بڑا تھا۔ وہاں جانے کے لیے پہلے راجپورہ تین میل پیدل جاتے۔ وہاں سے بس یا ٹرین میں تھانیسر جاتے اور پھر وہاں سے بس میں پیہوہ جاتے تھے۔ پیہوہ سے تین کوس پیدل چل کر سیانہ سیداں پہنچتے تھے۔ ٹھسکہ میراں جی گاؤں سید کھیڑی سے چار پانچ گنا بڑا تھا اور قصبہ کہلاتا تھا۔ وہاں جانے کے لیے راجپورہ سے بس یا

---

۱ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

۲ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

ٹرین پکڑتے اور شاہ آباد پہنچتے۔ پھر وہاں سے ۱۲ میل پیدل چل کر ٹھسکہ پہنچتے تھے۔ گوہلہ گاؤں سید کھیڑی جتنا تھا۔ وہاں جانے کے لیے راجپورہ سے بس میں بیٹھ کر پٹیالہ پہنچتے یا پھر راجپورہ-پٹیالہ روڈ سے تانگے میں بیٹھ کر پٹیالہ پہنچتے۔ پٹیالہ سے بس کے ذریعہ سامانا شہر جاتے اور وہاں سے آٹھ میل پیدل چل کر گوہلہ پہنچتے تھے۔ راجگڑھ گاؤں سید کھیڑی جتنا تھا۔ وہاں جانے کے لیے پہلے راجپورہ پیدل جاتے اور وہاں سے انبالہ جانے والی بس میں بیٹھتے اور انبالہ سے تین چار میل پہلے اتر جاتے تھے۔ سڑک سے راجگڑھ کا فاصلہ ایک ڈیڑھ میل تھا۔ بس والے کرایہ انبالہ تک کا لیتے تھے جو چار آنے فی سواری تھا۔ اور مرد اکثر چار آنے بچانے کے لیے راجگڑھ پیدل ہی جاتے تھے۔ ان دنوں چار آنے ایک مزدور کی ایک دن کی اجرت تھی۔ ساڈھورہ ضلع انبالہ میں تھا اور سید کھیڑی سے دور تھا۔ اس لیے وہاں پیدل یا بیل گاڑی میں جانا نہیں ہوتا تھا۔ راجپورہ سے عموماً ریل گاڑی کے ذریعہ براڑہ جاتے اور وہاں سے بس میں بیٹھ کر ساڈھورہ پہنچ جاتے تھے۔ بیل گاڑی چونکہ گھر سے گھر تک کی سواری تھی اس لیے ۲۵، ۳۰ کوس تک کے فاصلہ پر واقع گاؤں میں جانے کے لیے اسے ہی ترجیح دی جاتی تھی۔ اگر عورتیں ساتھ ہوتیں تو سفر بیل گاڑی میں ہی ہوتا تھا تاکہ پیدل چلنے کی صعوبت سے یکسر بچ سکیں۔[1]

اس دور میں بیل گاڑی کے سفر کا اپنا ہی ایک مزہ تھا۔ جب کبھی ۲۵، ۳۰ کوس دور جانا ہوتا تو رات بھر کے طویل سفر کی باقاعدہ تیاری کی جاتی تھی۔ راستہ کے لیے کھانے پینے کا سامان رکھ لیا جاتا تھا کیونکہ ۲۵، ۳۰ کوس کا فاصلہ بیل گاڑی میں ۱۲، ۱۳ گھنٹے میں طے ہوتا تھا۔ راستہ میں بیلوں کو پانی پلانے کے لیے کسی گاؤں میں رکتے تھے۔ کتّوں کو بھگانے کے لیے ڈنڈے ساتھ رکھے ہوتے تھے۔ راستہ میں ڈاکوؤں یا لٹیروں کا خطرہ اس علاقہ میں عام لوگوں کے لیے بہت کم تھا۔ ڈاکو یا لٹیرے عام طور پر ہندو بنیوں کو ہی نشانہ بناتے تھے جن سے انہیں کافی مال و دولت ملنے کی امید ہوتی تھی۔ رات کے سفر کے دوران بعض اوقات راستہ میں آنے والے گاؤں میں اپنے جاننے والوں کے ہاں کھانے پینے یا کچھ دیر آرام کرنے کے لیے بھی رک جاتے تھے۔ بیل گاڑی کے اردگرد پردے لگے ہوتے تھے۔ اگر گرمی کی وجہ سے پردے ہٹائے جاتے تو عورتیں ٹوپی والے برقعے پہن کر بیٹھتی تھیں۔ اس دور میں چادریں لینے یا کالے برقعے پہننے کا رواج نہیں تھا۔ سب عورتیں ٹوپی والے برقعے پہنتی تھیں۔[2]

مذہبی ماحول

سید راجو ایک مذہبی اور روحانی شخصیت تھے۔ مذہبی امور میں دلچسپی سید راجو کے بعد ان کی نسلوں میں بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود رہی۔ ناصر علی کا تعلق راجو کی چوتھی نسل سے تھا۔ راجو کی اولاد کے محلہ میں پرانے زمانہ کے تعمیر شدہ امام بارگاہ اور مسجد کو امام بارگاہ ناصر علی اور مسجد ناصر علی کہتے تھے۔ بعض اوقات انہیں امام بارگاہ اولاد ناصر علی اور مسجد اولاد ناصر علی بھی لکھا جاتا تھا۔ سیّد زین العابدین کے مطابق: ”امام بارگاہ کے بارے میں یہ بات نسل در نسل پہنچی کہ راجو کی اولاد میں سے چار بزرگوں نے اس کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔ پٹیالہ کے سیّد اس وقت ریاست کی حکومت میں تھے اور انہوں نے

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
۲ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی

سید کھیڑی میں امام بارگاہ کی تعمیر کے لیے ۱۰۰ روپے دیے۔ راجو کی اولاد کے اس وقت کے چار بزرگ اپنے کنوؤں سے اینٹیں اکھاڑ لائے۔ امام بارگاہ کی تعمیر کے لیے مزدوری بھی ان بزرگوں نے خود کی۔ ایک سو روپے سے انہوں نے باقی تعمیراتی سامان خریدا اور ایک راج کی خدمات حاصل کیں۔ اس طرح ان بزرگوں نے اپنی آنے والی نسلوں کے لیے عزاداری کا مرکز مہیا کر دیا۔ امام بارگاہ کے دو دالان تھے اور خاصا کھلا صحن تھا۔ مسجد کی عمارت سے ظاہر تھا کہ اس کی تعمیر امام بارگاہ سے پہلے ہوئی۔"

راجو کی آٹھویں نسل سے تعلق رکھنے والے مولوی قاسم اور حاجی رمضان نے عراق جا کر مذہبی تعلیم حاصل کی اور گاؤں واپس آکر اپنے عزیز و اقارب میں صحیح عقائد و اعمال کی تبلیغ کی۔ سید کھیڑی کی تحصیل راجپورہ، جو دہلی-لاہور مرکزی شاہراہ پر واقع ہے، کا گاؤں سے فاصلہ صرف تین میل تھا۔ لاہور سے دہلی آنے جانے والی ریل گاڑیاں بھی راجپورہ سے گزرتی تھیں۔ اکثر علماء جو انبالہ اور پٹیالہ مجالس پڑھنے کے لیے آتے وہ سید کھیڑی میں بھی چند دن قیام کرتے تھے۔ گاؤں میں علماء کی اکثر آمد نے لوگوں میں مذہب کے بارے میں کافی آگاہی پیدا کی۔

راجو کی نویں اور دسویں نسل کے دور میں امام بارگاہ ناصر علی کو تعمیر ہوئے ڈیڑھ دو صدیاں گزر چکی تھیں۔ اس امام بارگاہ میں ہر امام کی تاریخ ولادت اور شہادت پر محافل و مجالس منعقد ہوتی تھیں۔ محرم کا مہینہ شروع ہوتا تو چاند رات سے ۱۲ تاریخ تک بڑے اہتمام سے مجالس ہوتی تھیں۔ عام مجالس میں تبرک کے طور پر شکر تقسیم ہوتی تھی اور محرم کی مجالس میں پُھلیاں اور مکھانے تقسیم ہوتے تھے۔ گاؤں میں رہنے والے ارائیں جو سنّی تھے بھی مجالس میں شرکت کرتے تھے اور ماتم داری میں حصّہ لیتے تھے۔ امام بارگاہ کے انتظامات متولی کی حیثیت سے غلام عباس کے ہاتھ میں تھے۔[1]

رات کو مجلس میں شرکت کے لیے آنے والا ہر فرد اپنے ساتھ ایک لالٹین لاتا تھا جسے وہ امام بارگاہ کے اندر دیوار میں بنی ہوئی کانس پر رکھ دیتا تھا۔ لالٹینوں کی لائن لگ جاتی تھی اور اتنی روشنی ہو جاتی تھی کہ موجودہ زمانہ کے بلب اور ٹیوب سے نہیں ہوتی۔ امام بارگاہ کے مرکزی دروازہ پر بھی دو بڑی لالٹینیں رکھی ہوتی تھیں۔ مجالس پڑھنے کے لیے باہر سے کبھی کسی عالم کو بلاتے تھے۔ زیادہ تر راجو کی اولاد کے بزرگ ہی مجالس پڑھتے تھے۔ نذر حسین مجالس پڑھتے تھے اور اپنی کربلا کی زیارت کا سفر نامہ سناتے تھے۔ زین العابدین بھی مجالس پڑھتے تھے اور احمد حسین سوز خوانی کرتے تھے۔ باقر حسین اور ہادی علی بھی سوز خوانی کرتے تھے۔ غلام عباس تبرک کا انتظام کرتے تھے جب کہ احمد حسین امام بارگاہ کی صفائی کرواتے تھے۔ محمد یٰسین اور محمد عسکری نمبر دار مجالس کے بعد تبرک تقسیم کرتے تھے۔ باہر سے آنے والے مولوی صاحبان کی مہمانداری غلام عباس کے ذِمّہ تھی۔

سیّدہ امامی صغریٰ کے مطابق: "کبھی کبھی مجلس کے دوران اس وقت تلخی ہو جاتی جب نذر دوسروں کی ذات پر حملہ کرتے تھے۔ وہ دوسروں پر تنقید کرنا اپنا حق سمجھتے تھے۔ اپنی تقریر کے دوران وہ بندے علی کے خلاف بولنے لگتے تھے اور کہتے تھے: 'وہ ہجڑا ہے۔ وہ عَلم کو ہاتھ کیوں لگاتا ہے۔' بندے علی ہر محرم میں سید کھیڑی آتا تھا اور اپنے ساتھ نیاز سے لدے

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

ہوئے کئی تانگے لاتا تھا۔ وہ دس محرم تک ہر روز دیگ پکوا کر تقسیم کرتا تھا۔" نذر مجلس پڑھتے وقت بعض اوقات گھروں میں ہونے والے واقعات بیان کر دیتے تھے۔ ایک دن انہوں نے مجلس میں اپنی تقریر کے دوران دوسری چھوٹی حویلی میں ہونے والے گزشتہ روز کے ایک واقعہ کو اس طرح بیان کیا: "میری بھانجی (امامی) اپنی پھوپھی (مریم النساء) کے پاس سوئی ہوئی تھی کہ کسی نے کمرے کے دروازہ پر دستک دی۔ میری بھانجی نے پوچھا کون ہے تو کوئی جواب نہ آیا۔ کچھ دیر بعد دروازہ پر دوبارہ دستک ہوئی۔ میری بھانجی نے پھر پوچھا کون ہے۔ دروازہ پر دستک دینے والے شخص نے جواب نہ دیا تو میری بھانجی نے کہا: 'اُلو کا پٹھا۔' لوگو! تمہیں پتہ ہے دروازہ پر دستک دینے والا شخص کون تھا۔ وہ نتھو کا بیٹا مسلم تھا۔" غلام عباس اٹھے اور نذر کا بازو پکڑ کر انہیں یہ کہتے ہوئے سٹیج سے نیچے اتار دیا: "مجلس میں گھر کی باتیں نہیں چلیں گی۔" نذر ۱۳ رجب کو اپنے گھر میں آتش بازی بھی کرتے تھے۔ وہ آتش بازی کا سامان پٹیالہ سے خرید کر لاتے تھے۔ عورتوں کی مجالس امام بارگاہ کی بجائے گھروں میں ہوتی تھیں تاکہ آواز باہر نہ جائے اور نامحرم نہ سن سکیں۔ ناصری اور رقیہ مجلس پڑھتی تھیں، بشیری حدیث پڑھتی تھیں اور ذکی نوحہ پڑھتی تھیں۔[1] کاظمی زوجہ بابو راکب بھی مجلس پڑھتی تھیں۔ ہر سال ۱۳ صفر کو ذکی زوجہ باقر حسین کے گھر نیاز پکتی تھی۔ ایک دیگچہ مردوں کے لیے اور ایک دیگچہ عورتوں کے لیے ہوتا تھا۔[2]

دس محرم کو جلوس سید راجو کی قبر تک جاتا تھا اور واپس امام بارگاہ آکر ختم ہو جاتا تھا۔ جلوس ظہرین کی نماز کے بعد نکلتا تھا۔ عموماً جلوس میں عَلم ہوتے تھے۔ کسی کسی سال ذوالجناح بھی نکال لیتے تھے۔ کبھی کبھی جلوس گاؤں کی گلیوں میں بھی گھوم لیتا تھا کیونکہ ریاست پٹیالہ میں جلوس کے لیے لائسنس کی پابندی نہیں تھی۔[3] امام بارگاہ ناصر علی گاؤں میں دائیں طرف اور تیسرے محلہ کا امام بارگاہ بائیں طرف تھا۔ تیسرے محلہ کے امام بارگاہ سے بھی جلوس نکلتا تھا۔ کبھی گاؤں کے درمیان میں دونوں جلوسوں کے عَلموں کی ملنی ہوتی تھی اور پھر دونوں جلوس اپنی اپنی امام بارگاہ میں واپس چلے جاتے تھے۔[4]

مسجد ناصر علی اگرچہ رقبہ کے لحاظ سے امام بارگاہ سے چھوٹی تھی تاہم گاؤں کی آبادی کے لحاظ سے کشادہ تھی۔ مسجد میں باجماعت نماز ہوتی تھی۔ راجو کی اولاد مسجد میں باجماعت نماز کے لیے باہر سے کسی مولوی صاحب کی خدمات حاصل کرتی تھی۔ ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا تھا کہ مسجد میں کوئی مولوی صاحب تعینات نہ ہوں۔ ایسے دنوں میں فرادا نماز ادا کی جاتی تھی۔ راجو کی نویں اور دسویں نسل کے سب افراد اپنے بزرگوں کی طرح نماز کی پابندی کرتے تھے۔ مرد گھر کی بجائے مسجد ناصر علی میں نماز ادا کرتے تھے۔ تقسیم ہند سے پہلے کئی سال تک مولوی عالم حسین ولد مولوی باقر حسین، جو لکھنؤ کے قریب کے رہنے والے تھے، نے مسجد ناصر علی میں پیش نماز کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اگر کبھی عید کے موقع پر مولوی صاحب

---

۱ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ اسلام آباد/راولپنڈی ــــ ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء، ۱۱ جولائی ۲۰۰۸ء

۲ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ منڈی بہاؤالدین ــــ ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ لیہ ــــ ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

گاؤں میں نہ ہوتے تو زین العابدین عید کی نماز پڑھاتے تھے۔ مولوی صاحب کی عدم موجودگی میں وہ کسی فوتگی کے موقع پر نماز جنازہ اور کسی شادی کے وقت نکاح بھی پڑھا دیتے تھے۔ سیّد زین العابدین کے مطابق: ”گاؤں میں رہنے والے سنّی بھی مسجد ناصر علی میں اذان دیتے اور نماز باجماعت پڑھتے تھے۔ وہ اپنا پیش نماز علیحدہ رکھتے تھے۔ پہلے سنّیوں کی جماعت ہوتی تھی، پھر شیعوں کی جماعت ہوتی تھی۔ کسی قسم کا تعصب یا کشیدگی نہیں تھی۔ مسجد کا انتظام بھی زیادہ تر غلام عباس کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ مسجد کی صفائی کسی خاص فرد کی ذِمّہ داری نہیں تھی۔ لوگ رضا کارانہ طور پر مسجد کی صفائی کرتے تھے اور اسے اپنے لیے باعث عزّت و ثواب سمجھتے تھے۔“ [1]

سیّدوں کے تیسرے محلّہ میں باقر علی نے ایک مسجد اور ایک امام بارگاہ بنوائے تھے۔ محرم کے عشرہ میں امام بارگاہ میں مجالس ہوتی تھیں اور دس محرم کو جلوس نکلتا تھا۔ باقر علی مرثیہ خوانی کرتے تھے۔ سجاد حسین اور تحور حسین دونوں بھائی مرثیہ خوان تھے اور اکٹھا پڑھتے تھے۔ دوسرے محلہ کے بابو راکب بھی اس امام بارگاہ میں مجلس پڑھتے تھے۔[2] باقر علی کے فرزند محمد رمضان ممبر پر بیٹھ کر بڑے جوش سے اور کڑک دار آواز میں رباعیاں پڑھتے تھے۔ زاہد حسین اور مظاہر حسین سوز خوانی کرتے تھے۔[3] سیّد محمد امیر کے مطابق: ”تیسرے محلہ کی مسجد اور امام بارگاہ اتنے آباد نہیں تھے جتنے کہ پہلے محلہ کی قدیم مسجد اور قدیم امام بارگاہ تھے۔ وسعت اور مضبوطی کے لحاظ سے بھی وہ پہلے محلہ کی مسجد اور امام بارگاہ سے کافی کم تھے۔“ [4] تیسرے محلہ کی مسجد میں نماز فرادا پڑھتے تھے۔

سیّدوں کے پہلے محلہ کی مسجد ناصر علی اور امام بارگاہ ناصر علی کی مرمت اور مجالس و محافل کے انعقاد کے لیے راجو کی نویں اور دسویں نسل کے دور میں چندہ اکٹھا نہیں کیا جاتا تھا۔ تین بیوہ عورتوں کی طرف سے مختلف اوقات میں امام بارگاہ اور مسجد کے لیے وقف کی گئی زمینوں کی آمدنی سے ہی سب انتظامات کیے جاتے تھے۔[5] پہلے دو وقف جن بیوگان نے کیے ان کا تعلق راجو کی آٹھویں اور نویں نسل سے تھا جب کہ تیسرا وقف سیّدوں کے دوسرے محلہ کی ایک بیوہ نے کیا تھا۔ پہلے دو وقف غیر متنازعہ رہے جب کہ تیسرے وقف پر اعتراضات، مقدمے اور جھگڑے ہوئے۔

۱۹۰۴ء کا وقف

کنیز فاطمہ و مریم النساء بیوگان رمضان علی نے ۱۹۰۴ء میں اپنے خاوند سے وراثت میں ملی ہوئی اپنی زمین سیّدوں کے پہلے محلّے میں واقع امام بارگاہ ناصر علی کے نام ہبہ کی۔ یہ ہبہ انہوں نے زبانی کیا اور قبضہ امام بارگاہ کو دے دیا۔ زمین کے امام بارگاہ کے نام انتقال کے لیے عدالت میں گواہوں کے بیانات قلمبند کیے گئے۔ محمد مسیتا (مہربان علی) ولد حیدر علی نے

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۳ سیّد زاہد حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کوٹلی باوا فقیر چند — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۴ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

۵ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

اپنے بیان میں بیوگان کے زبانی ہبہ کرنے اور زمین پر امام بارگاہ کے قبضہ کی تصدیق کی۔ انہوں نے کہا: ”میں اس کا وارث بازگشت ہوں۔ مجھے اس ہبہ پر کوئی عذر نہیں ہے۔“ اصل میں یہ زمین مسیتا کے چچا چراغ علی کی ملکیت تھی اور انہوں نے اسے اپنے پروردہ بھانجے رمضان علی کے نام ہبہ کر دیا تھا جس پر مسیتا کے والد حیدر علی نے عذر کیا تھا جسے عدالت نے مسترد کر دیا تھا۔ تاہم حیدر علی کے فرزند مسیتا نے اس زمین کے امام بارگاہ کے نام ہبہ پر کوئی اعتراض نہ کیا۔

مسیتا اور باقر علی ولد حسین بخش نے اپنے بیان میں کہا کہ انہوں نے مسمات کنیز فاطمہ و مریم النساء سے زمین کو امام بارگاہ کے نام ہبہ کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو ان دونوں نے حقیقی رضامندی اور خوشی سے بنام امام بارگاہ ہبہ کر دینا اور قبضہ امام بارگاہ کو دے دینا بیان کیا۔ ”ہم حلف سے کہتے ہیں کہ ہمارے روبرو پردہ میں دونوں نے ہبہ کر دینا بیان کیا۔ مظہران سے ہر دو مسماتان کو حجاب نہیں ہے۔“

محمد کاظم ولد صورت علی و محمد حسن ولد برکت علی و نتھو ولد بشارت علی و حسین بخش ولد الٰہی بخش و فرزند علی ولد علی حسین اور شرف علی ولد کرم علی سیّدان نے بھی امام بارگاہ کا قبضہ ہونا اور بیوگان کا رضامندی ہبہ کرنا بیان کیا۔ ان بیانات کی بنیاد پر کنیز فاطمہ و مریم النساء بیوگان رمضان علی کی زمین کا انتقال امام بارگاہ کے نام ہو گیا۔

۱۹۱۶ء کا وقف

راجو کی آٹھویں نسل سے تعلق رکھنے والے بزرگ کرم حسین ولد نعمت علی کے ایک بیٹا طالب حسین تھا۔ طالب نے اپنے والد کی زندگی میں وفات پائی۔ کرم حسین نے اپنے بیٹے کی وفات کے بعد اپنی زوجہ امام بی اور ہمشیرہ کنیز فاطمہ کے روبرو زبانی وصیت کی کہ میری کل جائیداد مسجد و امام بارگاہ اولاد سیّد ناصر علی کے نام ہبہ کر دینا اور میری اراضی سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک تہائی مسجد کی شکست و ریخت و مرمت وغیرہ پر صَرف کیے جایا کریں اور دو تہائی محرم کی مجالس میں نیاز و نذر اور علماء دین مذہب امامیہ کی آمد و رفت پر خرچ کیے جایا کریں۔ کرم حسین کی وفات کے بعد ان کی زوجہ امام بی اپنی زندگی میں اپنے خاوند کی وصیت کے مطابق اراضی کی آمدنی کو مسجد و امام بارگاہ پہ صَرف کرتی رہیں۔ امام بی کی وفات کے بعد مذکورہ اراضی کرم حسین کی ہمشیرہ کنیز فاطمہ دختر نعمت علی کے نام ہو گئی۔ کنیز فاطمہ نے مورخہ ۹ مارچ ۱۹۱۶ء کو تحریری طور پر مذکورہ اراضی کو مسجد و امام بارگاہ کے نام ہبہ کر دیا۔ اس تحریر میں انہوں نے اپنے بھائی کی وصیت اور بھابھی امام بی کا اپنی زندگی میں اس وصیت پر عمل کرنے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا: ”چونکہ میں اور میرا کل خاندان مذہب امامیہ سے ہیں لہٰذا ثواب عقبیٰ کے لیے اور اپنے بھائی کی وصیت کے مطابق میں بخوشی اور بلا کسی تحریص و ترغیب و خوف کے سب اراضی جو مجھے بھائی سے ترکہ میں ملی ہے بنام مسجد ایک تہائی اور بنام امام بارگاہ معروف سیّد ناصر علی دو تہائی کا اقرار کرتی ہوں۔“ وقف کی اس تحریر میں کنیز فاطمہ نے وقف کی زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی کے مصرف اور متولی کے چناؤ اور کام کے بارے میں مندرجہ ذیل اصول و ضوابط بیان کیے:

۱۔ جو حقوق اراضی مذکور مجھ کو اس وقت حاصل ہیں یا آئندہ پیدا ہوں ان سب پر مسجد و امام بارگاہ اولاد سیّد ناصر علی

بعد میرے مالک و قابض رہے گی اور آمدنی اراضی مسجد ایک تہائی شکست و ریخت وغیرہ مسجد پر ہمیشہ صَرف ہوتی رہے گی اور آمدنی اراضی امام بارگاہ نذر و نیاز ماہ محرم شریف اور تاریخ ہفتم ماہ محرم شریف و آمد و رفت علماء دین مذہب امامیہ پر ہمیشہ خرچ ہوتی رہے گی۔

۲۔ اراضی مذکور بنام مسجد و امام بارگاہ تقسیم نہیں ہو گی۔

۳۔ اراضی مذکور پر معالحہ کی ادائیگی اراضی کی آمدنی سے ہوتی رہے گی۔

۴۔ آمدنی اراضی مسجد کسی حالت میں امام بارگاہ پر صَرف نہیں ہو گی۔

۵۔ البتہ بوقت ضرورت آمدنی اراضی امام بارگاہ کو مسجد پر صَرف کرنے کا اختیار اولاد ناصر علی کو ہو گا۔

۶۔ اولاد سیّد ناصر علی اراضی کو خود کاشت نہیں کریں گے۔

۷۔ آمدنی اراضی مسجد و امام بارگاہ کسی حالت میں اولاد ناصر علی کو اپنے خانگی اخراجات پر صَرف کرنے کا اختیار نہیں ہو گا۔

۸۔ جو آمدنی اراضی مسجد و امام بارگاہ ہو گی وہ بعد ادائیگی معالحہ سرکار جملہ اولاد ناصر علی کسی دیانتدار کے سُپرد عہد امانت کر دیا کریں گے۔

۹۔ جب تک میں زندہ ہوں آمدنی اراضی مذکور بصراحت بالا خود اپنے ہاتھ سے بطور متولی خرچ کیا کروں گی۔ کوئی اولاد ناصر علی سے میرے خرچ کرنے پر مزاحمت نہیں کر سکے گا۔

۱۰۔ میر ی وفات کے بعد جملہ اولاد ناصر علی ایک متولی دیانتدار اولاد قلندر بخش میں سے واسطہ مصارف مسجد و امام بارگاہ مقرر کر دیویں گے۔

۱۱۔ متولی اس اراضی کی آمدنی کو بمشورہ اولاد سیّد ناصر علی مسجد و امام بارگاہ پر صَرف کیا کرے گا۔

۱۲۔ کوئی متولی نسلاً بعد نسلاً قائم نہیں رکھا جاوے گا۔

۱۳۔ لیکن متولی ہمیشہ اولاد قلندر بخش میں سے مقرر ہوتا رہے گا۔ کسی دوسرے خاندان کا متولی نہیں ہو گا۔

۱۴۔ کسی متولی کو با اختیار خود آمدنی صَرف کرنے کا اختیار نہیں ہو گا۔

۱۵۔ ہر متولی بمشورہ اولاد سیّد ناصر علی آمدنی اراضی مذکور ہمیشہ بصراحت بالا صَرف کیا کرے گا۔

۱۶۔ بوجہ بد نیتی متولی علیحدہ کیا جاوے گا۔

۱۷۔ آمدنی اراضی مذکور امام بارگاہ اور مسجد ہذا کے علاوہ کسی دیگر جگہ خرچ نہیں ہو گی۔

۱۸۔ نہ دیگر مساجد و امام بارگاہ پر خرچ کرنے کا مجاز ہو گا۔

۱۹۔ اور بوجہ بد نیتی متولی، اولاد سیّد ناصر علی تمام کاروبار اخراجات اپنے ہاتھ میں رکھیں گے۔ لیکن انہیں یہ اختیار نہ ہو گا کہ متولی مقرر نہ کریں۔

۲۰۔ اگر تقرری متولی میں اولاد سیّد ناصر علی کا اختلاف ہو یا تساہل کریں تو اولاد شاہ غلام ضامن، حسن علی شاہ (رستم سیّد، ساکنان ساڈھورہ ضلع انبالہ، اولاد قلندر بخش میں سے ایک متولی دیانتدار جو قابلیت اس کام کے انجام کی رکھتا

ہو مقرر کر دیں گے۔

۲۱۔ لیکن کوئی متولی ہمیشہ کو مقرر نہیں ہو گا۔ تغیر و تبدل ہوتا رہے گا۔

۲۲۔ میری وفات کے بعد متولی اولاد قلندر بخش میں سے فوراً مقرر کرنا ہو گا۔

۲۳۔ جملہ اولاد ناصر علی و اولاد شاہ غلام ضامن آمدنی اراضی مذکور اور اخراجات مسجد و امام بارگاہ کی حساب فہمی کیا کریں گے اور نگرانی اس اراضی کی رکھیں گے۔

۲۴۔ اور اولاد ناصر علی و اولاد غلام ضامن مذکور کو متولی حساب دینے میں عذر نہیں کرے گا۔

۲۵۔ بصورت قحط سالی ادائیگی معاملحہ کا ذِمّہ دار متولی ہو گا۔

۲۶۔ بشرطیکہ فصلات سابقہ کی آمدنی صَرف ہو چکی ہو اور زر آمدنی سے کوئی رقم باقی نہ رہی ہو، تب قرضہ وغیرہ کے ذریعہ سے معاملحہ سرکار ادا کرے گا۔ بعد آمدنی اراضی ہونے پر قرضہ مذکور ادا کرے گا۔

۲۷۔ کسی حالت میں اراضی مذکور کا جزوی یا کل بیع یا رہن وغیرہ نہیں کیا جاوے گا۔

۲۸۔ متولی کو ایک رجسٹر اندراج آمد و خرچ باقاعدہ رکھنا ہو گا۔ جب اولاد سیّد ناصر علی و اولاد سیّد غلام ضامن مذکوران فصل (یا سال) پر آمد و خرچ کی حساب فہمی کر لیویں، ان کے دستخط ان کی قلم سے زیر حساب متولی کراوے گا۔ ہر حساب کے اندراج کا ہر طرح سے متولی ذِمّہ دار ہو گا۔

۲۹۔ کوئی رقم کثیر یا قلیل اولاد سیّد ناصر علی کسی حالت میں اپنے تصرف میں نہ لاویں گے۔

۳۰۔ اور قبضہ اراضی مذکور پر اس وقت مسجد و امام بارگاہ کا کرا دیا ہے۔

۳۱۔ مجھے تملیک نامہ ہذا کی ترمیم و تنسیخ کا کچھ اختیار نہیں ہو گا۔

کنیز فاطمہ نے ۱۹۱۶ء میں جب یہ تملیک نامہ لکھا اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال تھی جس کا مطلب ہے کہ وہ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئیں۔ ان کے نشان انگشت کے نیچے ان کی اور نشانیاں 'گندمی رنگ، قد درمیانہ، بال سر کے سفید' درج کی گئیں۔ یہ تملیک نامہ ڈیڑھ روپیہ کے اسٹامپ پہ لکھا گیا۔

کنیز فاطمہ کی طرف سے مسجد و امام بارگاہ کے نام ہبہ کی اس تحریر پر ۱۲ گواہوں نے دستخط کیے جن میں سے نو کا تعلق سیدکھیڑی، دو کا ساڈھورہ اور ایک کا گنور سے تھا۔ سیدکھیڑی کے گواہ سیّد محمد عسکری نمبردار، سیّد محمد حسین، سیّد غلام عباس ولد ایزد بخش، سیّد تصدق حسین ولد مہدی حسن، سیّد جعفر حسین، سیّد احمد حسن ولد محمد حسن، سیّد محمد نقی ولد محمد بخش، سیّد محمد سالم ولد محمد مسیتا اور سیّد محمد کاظم نمبردار تھے۔ ساڈھورہ کے گواہ سیّد محمد ولد شاہ محمد اور سیّد نُور الدین تھے جب کہ گنور سے شاہ علی پویدار نے گواہی دی۔[1]

سیّدہ حاجرہ شمیم عرف چھمن کے مطابق: "سیدکھیڑی میں مجالس پڑھنے کے لیے باہر سے بلائے گئے مولوی صاحبان کو فیس دینے کے لیے کنیز فاطمہ عرف کیجی پیسے گتھلی میں ڈال کر غلام عباس کو دیتی تھیں اور کہتی تھیں: 'تم نے اسے کھولنا

---

۱ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش ـــ قلمی نسخہ ـــ منڈی بہاؤالدین

نہیں۔ کبھی مجالس اور نیاز وغیرہ کا اہتمام کرتی رہتی تھیں۔ جو نیاز بچ جاتی غلام عباس اسے بوری میں ڈال کر بوری کو سی دیتے تھے۔" [1]

۱۹۳۷ء کا وقف

سیّدوں کے دوسرے محلہ میں رہنے والی مبارک بیگم عرف ماکھو بیوہ محمد حسن ولد برکت علی نے اپنے مرحوم خاوند کی وصیت کے مطابق اپنی زمین سیّدوں کے پہلے محلہ میں واقع مسجد و امام بارگاہ اولاد ناصر علی کے نام ۱۹۳۷ء میں ہبہ کی۔ مسجد کے نام ہبہ کی تحریر ۲۸ اگست ۱۹۳۷ء اور امام بارگاہ کے نام ہبہ کی تحریر ۳۰ اگست ۱۹۳۷ء کو لکھی گئی۔ ماکھو نے نذر حسین ولد حسین بخش اور ناصر حسین ولد باقر حسین کو متولی مقرر کیا۔ مسجد کے نام کی گئی زمین کے ہبہ کی تحریر کے مطابق:

۱۔ متولیان مسجد جائیداد وقف شدہ سے حاصل ہونے والی آمدنی کو مسجد مذکور کے مصارف میں صَرف کریں گے۔

۲۔ بصورت زائد آمدنی امور خیر میں خرچ کریں گے۔

۳۔ حساب آمدنی متولیان اولاد ناصر علی کا ہو گا۔

۴۔ اگر متولیان کی بدنیتی ثابت ہو تو اولاد ناصر علی کو اختیار ہو گا کہ کسی دیگر متولی کو قائم کریں جو کہ اولاد ناصر علی میں سے ہو گا۔

۵۔ بعد وفات متولیان موجودہ ان کی اولاد میں سے متولی بشرطیکہ نیک چلن، دیانتدار، مذہب اثناء عشری ہوں قائم ہوتے رہیں گے۔

۶۔ متولیان کو اختیار ہو گا کہ آمدنی جائیداد وقف شدہ سے زر رہن ادا کر کے اراضی مرہونہ وقف شدہ کو خود واگزار کرائیں۔

۷۔ ہبہ نامہ لکھ دیا ہے تا کہ سند رہے۔

۸۔ مجھے یا میرے وارثان کو اس وقف نامہ میں تغیر و تبدل کرنے کا کوئی حق حاصل نہ ہو گا۔

ماکھو نے دو دن بعد امام بارگاہ کے نام ہبہ کی جو تحریر لکھوائی اس میں مسجد کے نام ہبہ کے لیے بیان کی جانے والی شقوں کا تکرار کیا اور مندرجہ ذیل دو شقوں کا اضافہ کیا:

۱۔ اس اراضی سے متولیان میرے گزارہ کے ذِمّہ دار ہوں گے۔

۲۔ میری تجہیز و تکفین وغیرہ کے متولیان ذِمّہ دار ہوں گے۔

۱۹۳۷ء کے ہبہ کی ان تحریروں کے گواہوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

محمد عسکری ولد محمد مسیتا نمبردار، نذر حسین ولد حسین بخش متولی مسجد، راغب حسین ولد محمد کاظم نمبردار، باقر حسین ولد ایزد بخش، مولوی عالم حسین ولد مولوی باقر حسین امام مسجد سید کھیڑی، ناصر حسین ولد باقر حسین متولی مسجد، محمد

---

۱ سیّدہ حاجرہ شمیم دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ اسلام آباد ــــ ۳۰ ستمبر ۲۰۱۲ء

حسن ولد علی حسن ساکنان سید کھیڑی۔[1]

راجو کا مزار

سید راجو کے مزار پر سید کھیڑی اور گرد و نواح کے لوگ حاضری دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات طلب کرتے تھے۔ ہندو اور سکھ بھی مزار پر آتے، منّتیں مانتے اور نذر نیاز چڑھاتے تھے۔ ایک بڑ کا درخت تو راجو کے مزار کے احاطہ میں تھا اور ایک پیپل کا درخت سیّدوں کے پہلے محلہ کی طرف مزار کے قریب ہی تھا۔ ان درختوں کی چھاؤں میں بڑے بیٹھ کر گپ شپ لگاتے اور بچّے کھیلتے تھے۔[2] ہر سال ۲۷ رجب کو راجو کی برسی منائی جاتی تھی۔ فاتحہ خوانی ہوتی اور نیاز تقسیم ہوتی تھی۔ نیاز کا انتظام کرنا سیّدوں کے پہلے محلہ کے نمبردار کے ذِمّہ تھا۔[3] سیّد اسلم حسین کے مطابق: ”ایک سال راجو کی برسی کے موقع پر نھتو نمبردار نیاز بانٹ رہا تھا۔ کاظم مراثی نے تسلا پکڑا ہوا تھا جس میں شکر تھی۔ نھتو نمبردار نے عالم کو نیاز دی تو مٹھی میں زیادہ شکر لی۔ عالم سے آگے تجمل بیٹھا تھا جسے اس نے دو مٹھیاں دیں۔ آگے جعفر بیٹھا تھا جسے ایک مٹھی دی۔ آگے ہادی بیٹھا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر کاظم مراثی سے تسلا چھین لیا اور نھتو نمبردار پر اپنوں کو زیادہ دینے کا الزام لگایا اور پھر خود سب میں برابر نیاز تقسیم کی۔“

دہلی میں ایک حبیب نامی مستری رہتا تھا جس کی جلد کسی بیماری کے نتیجہ میں پھٹ گئی تھی اور اس کے جسم سے پیپ نکلتی رہتی تھی۔ وہ غریب آدمی تھا۔ کچھ علاج کروایا لیکن ٹھیک نہ ہوا۔ وہ مزاروں پر جا کر دُعا کرنے لگا۔ گھومتے گھومتے وہ لوٹے والے پیر کی درگاہ پر پہنچا اور وہاں شفایاب ہو گیا۔[4] لوٹے والے پیر کی درگاہ راجپورہ- پٹیالہ روڈ سے سید کھیڑی آنے والے راستہ پر واقع تھی۔ لوگ لوٹوں میں شربت ڈال جاتے تھے اور آنے جانے والے مسافر وہ شربت پیتے تھے۔ گاؤں کے قریب ہونے کی وجہ سے سید کھیڑی کے کئی بچّے وہاں شربت پینے جاتے تھے۔[5] مستری حبیب سید کھیڑی میں جِندا حسن نائی کے گھر رہنے لگا۔ وہ محنت مزدوری کرتا تھا۔ جعفر حسین نے کمرہ بنوایا تو مستری حبیب کی خدمات حاصل کیں۔ مستری حبیب نے رضا کارانہ طور پر لوٹے والے پیر کی درگاہ بنائی اور راجو کا مزار از سر نو تعمیر کیا۔[6]

سید راجو کو زندہ پیر کہتے ہیں۔ سید کھیڑی میں یہ بات مشہور تھی کہ جب بھی کسی چور نے راجو کے مزار سے تبرکات چُرانے کی کوشش کی تو وہ ناکام ہوا۔ لوگ یہ کہتے تھے کہ چور جب چوری کی نیت سے راجو کے مزار میں داخل ہوتا تو

---

۱ یادداشتیں سیّد نذر حسین ولد حسین بخش — قلمی نسخہ — منڈی بہاؤالدین

۲ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۷ جولائی ۲۰۰۵ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون/ بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء، ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۵ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ اگست ۲۰۰۶ء

۶ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

وہ اندھا ہو جاتا تھا یا اس کے بازو شل ہو جاتے تھے اور جب مزار سے باہر نکلتا تو ٹھیک ہو جاتا تھا۔ سیّدوں کے پہلے محلہ میں راجو کی اولاد رہتی تھی اور ان کے گھروں میں بھی کبھی چوری نہیں ہوئی۔ اس محلہ کی سابق رہائشی سیّدہ امامی صغریٰ کے مطابق: ”ہمارے جانور باہر بندھے رہتے تھے۔ لیکن انہیں کبھی کوئی چور کھول کر نہ لے جا سکا۔ ہمارے گھر میں بھی چوروں نے پانچ مرتبہ نقب لگائی لیکن ہمارا ایک تنکا بھی اٹھا کر نہ لے جا سکے۔ تاہم گاؤں کے دوسرے محلوں میں چوری کی وارداتیں ہو جاتی تھیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ایسا کیوں تھا۔“ [1]

سیّدہ نرجس خاتون کے مطابق: ”ہر جمعرات کی شام کو دادا راجو کے مزار پر نوبت بجتی تھی اور ہر گھر سے کھانا لے کر وہاں جاتے تھے اور فاتحہ دلواتے تھے۔ جب کسی کی شادی ہوتی تو دلہا اور دلہن پہلے دادا راجو کی قبر پہ سلام کرنے جاتے تھے۔“ [2] سیّد محمد امیر کے مطابق: ”دادا سید راجو کے مزار پر چھجو آٹھویں دن نوبت بجاتا تھا۔ کوئی کھیر لے جاتا تھا، کوئی روٹی اور کوئی کچھ اور چیز۔ اس دن یعنی جمعرات کو لوگ دادا راجو کے مزار پر فاتحہ پڑھتے تھے۔“ [3] سید راجو، ان کے مزار اور اولاد کا ذکر مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ (ص ۲۸۷-۲۹۰) میں ہے۔

لکھنؤ ایجی ٹیشن اور زین العابدین

ہندوستان میں بسنے والے شیعہ مسلمانوں نے لکھنؤ میں ۱۹۳۹ء میں بڑے پیمانہ پر احتجاج کیا جو تبرّا ایجی ٹیشن کے نام سے مشہور ہے۔ یہ احتجاج پانچ چھ ماہ جاری رہا جس کے دوران سید کھیڑی سمیت ملک کے تقریباً ہر چھوٹے بڑے علاقہ سے تعلق رکھنے والے افراد نے لکھنؤ آکر گرفتاریاں پیش کیں۔ اتر پردیش (یو پی) میں کانگریس کی حکومت نے مدح صحابہ بل منظور کیا تو ہندوستان میں اس وقت کے سب سے بڑے شیعہ مجتہد علّامہ ناصر الملت نے احتجاج کے آغاز کا اعلان کر دیا۔ وہ سب سے پہلے خود گرفتاری دینے کے لیے اٹھے لیکن ان کے بیٹے علّامہ نصیر الملت نے انہیں روک دیا اور خود سب سے پہلے گرفتاری پیش کی۔ تحریک شروع ہوئی تو جلد ہی پورے ہندوستان میں رہنے والے شیعوں میں بے چینی پیدا ہو گئی۔

لکھنؤ ایجی ٹیشن کی خبر دو دن بعد ہی سید کھیڑی پہنچ گئی۔ گاؤں سے کچھ نہ کچھ لوگ روزانہ راجپورہ جاتے تھے اور ان میں سے ایک دو اخبار بھی خرید کر لے آتے تھے۔ مردانہ بیٹھکوں میں لوگ اخبار کا مطالعہ کرتے تھے اور اس طرح سارا گاؤں ملک اور دنیا کے حالات سے باخبر رہتا تھا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ گرفتاریاں پیش کرنے کا سلسلہ کتنی مدت جاری رہے گا۔ اس غیر یقینی صورت حال میں ایک ہفتہ گزر گیا۔ اگلے روز سہ پہر کے وقت سیّدوں کے پہلے محلہ میں مسجد ناصر علی اور حویلیوں کے درمیان کنویں کے پاس کھڑے ہوئے راجو کی اولاد کے افراد میں سے ایک نے باآواز بلند دوسروں سے پوچھا کہ ایجی ٹیشن میں شرکت کا کیا پروگرام ہے۔ کسی نے جواب دیا: ”ابھی کچھ دن اور دیکھتے ہیں۔ جب اور لوگ جائیں گے تو ہم بھی چلے جائیں گے۔“ اس کے بعد باقی لوگ تو گھروں میں چلے گئے لیکن زین العابدین ولد محمد یٰسین نے سوچا کہ کسی کو تو پہل کرنی ہے۔ وہ

---

۱ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۸ ستمبر ۲۰۱۹ء

۲ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۳ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

گھر جانے کی بجائے امام بارگاہ ناصر علی میں گئے اور ایک رقعہ لکھا: "اگر سب لوگ یہ سوچتے رہے کہ دوسرے پہل کریں گے تو پھر شاید کبھی بھی کوئی نہ جائے۔ اس لیے میں اکیلا گرفتاری دینے کے لیے لکھنؤ جا رہا ہوں۔" یہ رقعہ انہوں نے تعزیہ کے اندر رکھا اور لکھنؤ جانے کے لیے گاؤں سے چل پڑے۔ وہ پیدل راجپورہ اسٹیشن پہنچے تو شام ہو چکی تھی۔ ان کے پاس کرایہ کے لیے پیسے نہیں تھے۔ کچھ دیر بعد لکھنؤ جانے والی ٹرین آئی تو وہ اس میں سوار ہو گئے۔ ٹرین ابھی انبالہ چھاؤنی ہی پہنچی تھی کہ انہیں بغیر ٹکٹ سفر کرنے کے جرم میں پکڑ لیا گیا۔ ٹکٹ چیکر نے سزا کے طور پر انہیں ٹرین سے اتار دیا۔

انبالہ چھاؤنی کے اسٹیشن پر کچھ دیر کے بعد دہلی جانے والی گاڑی آئی تو زین العابدین اس میں سوار ہو گئے۔ پہلی گاڑی سیدھی لکھنؤ پہنچتی لیکن اب انہیں دہلی اتر کر لکھنؤ کی گاڑی پکڑنی تھی۔ وہ انبالہ میں بغیر ٹکٹ پکڑے جانے کے بعد محتاط ہو گئے تھے اور ٹکٹ چیکر کو اپنے ڈبے میں آتے دیکھ کر اِدھر اُدھر ہو جاتے تھے۔ اگلے دن دہلی پہنچ کر انہوں نے لکھنؤ جانے والی گاڑی پکڑی۔ گاڑی کے روضہ اسٹیشن پر پہنچنے سے پہلے ٹکٹ چیکر اچانک ان کے ڈبے میں اس طرف سے آ گیا جدھر وہ موجود تھے۔ ٹکٹ نہ ہونے کی وجہ سے وہ دوبارہ پکڑے گئے۔ اس بار انہیں اسٹیشن سے بھی باہر نکال دیا گیا۔ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ انہوں نے پچھلا دن اور پچھلی رات سفر میں گزارے تھے۔ پیسے نہ ہونے کی وجہ سے کچھ کھایا بھی نہ تھا۔ روضہ اسٹیشن کے باہر سے زین العابدین لکھنؤ کی سمت ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ پیدل چلتے ہوئے تقریباً سات کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اگلے اسٹیشن پر پہنچے اور کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد پیچھے سے آنے والی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ وہ دو راتیں اور تقریباً دو دن سفر کرنے کے بعد لکھنؤ پہنچے۔ اسی دن انہوں نے گرفتاری پیش کی۔ پنجاب سے لکھنؤ پہنچ کر گرفتاری دینے والے وہ سب سے پہلے فرد تھے۔ گرفتاری کے بعد زین العابدین کو تین ماہ قید اور ۱۵ روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی اور ڈسٹرکٹ جیل فتح گڑھ بھیج دیا گیا۔

ڈسٹرکٹ جیل فتح گڑھ میں زین العابدین نے ڈیڑھ ماہ گزارا تھا کہ انہیں سیتا پور جیل بھیج دیا گیا۔ اگر کوئی قیدی معافی نامہ لکھ کر دے دیتا تو اسے رہا کر دیا جاتا تھا۔ سیتا پور جیل میں ایک دن جیلر نے زین العابدین سمیت سات آٹھ نوجوان لڑکوں کو بلایا۔ لڑکوں کی بغلیں دیکھنے کے بعد جیلر نے سمجھانے کے انداز میں کہا: "تمہاری بغلوں میں ابھی بال نہیں آئے۔ تم سب ابھی بچّے ہو۔ یہ بزرگوں کی لڑائی ہے۔ بہتر ہے تم لوگ واپس چلے جاؤ۔" زین العابدین نے اس پیشکش کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور جیلر نے انہیں جیل ہی میں رہنے دیا۔ گرفتاری پیش کرنے پر زین العابدین کو تین ماہ قید کے ساتھ ۱۵ روپے جرمانہ بھی ہوا تھا۔ جرمانہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے انہوں نے ساڑھے تین ماہ جیل کاٹی۔ سزا مکمل ہونے پر انہیں رہا کر دیا گیا۔ جیل حکام نے انہیں رہا کرتے وقت لکھنؤ تک کے لیے ریل گاڑی کا ٹکٹ دے دیا۔ زین العابدین لکھنؤ پہنچے تو احتجاج ابھی جاری تھا۔ انہوں نے بغیر کوئی وقت ضائع کیے دوبارہ گرفتاری پیش کر دی۔ اس وقت گرفتار ہونے والوں اور خصوصاً پنجاب کے رہنے والوں سے جیل حکام پوچھتے تھے کہ وہ کس جیل کو ترجیح دیں گے۔ زین العابدین نے بنارس جیل کو ترجیح دی کیونکہ انہیں پتہ چلا تھا کہ سید کھیڑی سے بعد میں آنے والے کچھ لوگ وہاں قید ہیں۔ ان میں سیّدوں کے پہلے محلہ کے محمد محسن ولد غلام عباس اور محمد مسلم ولد محمد عسکری نمبردار اور سیّدوں کے دوسرے محلہ کے کچھ افراد بھی تھے۔ مسلم تو زین العابدین کے

بنارس جیل پہنچنے تک واپس جا چکے تھے البتہ محسن وہاں موجود تھے۔[1]

محسن کو گرفتاری پیش کرنے پر تین ماہ قید اور ۱۵ روپے جرمانہ کی سزا ہوئی تھی۔ وہ زین العابدین کے ہم عمر تھے اور زین العابدین کی طرح انہوں نے بھی جرمانہ ادا نہیں کیا اور اضافی سزا کاٹی۔ سیّد محمد محسن کے مطابق: "بنارس کیمپ میں تقریباً ۱۷۰۰ آدمی قید تھے اور ان سب کا تعلق پنجاب کے مختلف علاقوں سے تھا۔ قیدیوں کو کوئی مشقت نہیں کرنی پڑتی تھی۔ سارا دن فارغ بیٹھتے اور کثرت سے مجالس برپا کرتے تھے۔ چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں جن پہ قیدی سوتے تھے۔ قیدیوں ہی میں سے کچھ کے ذِمّہ کھانا تقسیم کرنا تھا۔ صبح کے ناشتہ میں چنے ملتے تھے۔ کھانا تقسیم کرنے والا ہر قیدی کے قریب چٹائی پر ایک ڈبو رکھ جاتا تھا۔ قیدی اس میں سے چنے نکال کر کھا لیتے تھے۔ دوپہر کو قیدیوں کے پاس موجود تھالیوں میں سالن اور گڑووں میں پانی دے جاتا تھا۔ اسی طرح شام کا کھانا بھی ہر قیدی کو اس کی اپنی جگہ پر مل جاتا تھا۔ دن میں ایک وقت سبزی اور دوسرے وقت دال ملتی تھی۔ ہر قیدی کو دو روٹیاں دی جاتی تھیں۔ کم کھانے والے زیادہ کھانے والوں کو اپنے حصّہ میں سے کچھ دے دیتے تھے۔"[2]

لکھنؤ ایجی ٹیشن میں سید کھیڑی والوں کا حصّہ کچھ افراد کی طرف سے گرفتاری پیش کرنے اور قید کاٹنے تک محدود نہ تھا۔ ملک کے کئی دوسرے علاقوں کی طرح سید کھیڑی کے سیّدوں نے احتجاج کرنے والوں کی حتی المقدور مالی امداد بھی کی۔ سیّدوں کے پہلے محلہ کے ہر گھر میں ہر روز جب کھانے کے لیے آٹا گوندھنے لگتے تو پہلے اس میں سے لکھنؤ میں احتجاج کرنے والوں کا حصّہ نکال کر علیحدہ کنستر میں ڈال دیتے تھے۔ جب کنستر بھر جاتا تو آٹا بیچ کر پیسے لکھنؤ فنڈ میں جمع کروا دیتے تھے۔[3]

شیعوں کے مسلسل ایجی ٹیشن کے نتیجہ میں حکومت نے مدح صحابہ اور تبرّا دونوں کے جلوسوں پر پابندی لگا دی۔ مطالبات تسلیم ہونے پر احتجاج ختم ہو گیا اور سب لوگوں کو رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد زین العابدین جیل کے اپنے ایک ساتھی ابنِ حسن کے ساتھ اس کے گھر چلے گئے۔ ابنِ حسن امامیہ مشن کے جنرل سیکریٹری تھے۔ ان کے پاس ایک رات قیام کے بعد زین العابدین واپس سید کھیڑی کے لیے روانہ ہوئے۔ ابنِ حسن نے واپسی کا کرایہ دیا جو زین العابدین نے سید کھیڑی پہنچ کر انہیں بھیج دیا۔ کنیز فضہ عرف شہیدن دختر محمد یٰسین کی شادی احسان علی ولد غلام عباس سے سید کھیڑی میں ۱۹۳۹ء میں ہوئی تو شہیدن کے بھائی زین العابدین اس میں شریک نہیں ہو سکے کیونکہ وہ جیل میں تھے۔[4] محسن بھی اپنے بھائی احسان کی شادی میں شریک نہیں ہو سکے کیونکہ وہ بھی ان دنوں جیل میں تھے۔[5]

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد محمد محسن ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — انٹرویو کیسٹ (گفتگو ہمراہ سیّد امجد علی رضا ولد عبد العلی و سیّد انتظار مہدی ولد محمد حسین بالمشافہ) — جھنگ

۳ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۸ جون ۲۰۰۸ء

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

5 سیّد محمد محسن ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — انٹرویو کیسٹ (گفتگو ہمراہ سیّد امجد علی رضا ولد عبد العلی و سیّد انتظار مہدی ولد محمد حسین بالمشافہ) — جھنگ

ساڈھورہ

تقسیم ہند سے پہلے ساڈھورہ ضلع انبالہ میں ترمذی سادات کا ایک بڑا گاؤں تھا۔ اسے پہلے سادھو ڈیرہ کہتے تھے کیونکہ ہندو سادھو ریاست ناہنگ میں اپنے مقدّس مقامات کی زیارت کے لیے جاتے ہوئے یہاں پڑاؤ ڈالتے تھے۔ گاؤں میں ۷۵ فیصد مسلمان اور ۲۵ فیصد ہندو اور سکھ تھے۔ مسلمانوں کی اکثریت شیعہ تھی۔ سب ترمذی سادات شیعہ تھے۔ سادات کے دو محلّے تھے۔ ایک محلہ سیانہ سیداں سے آئے ہوئے ترمذی سادات کا تھا اور دوسرا محلہ زیدی واسطی سادات کا تھا جو نواب علی کی اولاد تھے۔ ترمذی سادات کے محلہ کو سوانیان کہتے تھے۔ زیدی سادات کے ساتھ ترمذی سادات کی رشتہ داریاں تھیں۔ ساڈھورہ میں چار پانچ امام بارگاہیں تھیں۔ محرم کے جلوس کے لیے لائسنس نہیں تھا۔ میر زین العابدین یوپی سے مولوی علمدار حسین کو ساڈھورہ لے آئے تھے۔[1]

ساڈھورہ میں ترمذی سادات کے جد سیّد نظام الدین سیانہ سیداں سے آکر آباد ہوئے۔ دہلی میں خضر خان نے ۱۴۱۴ء میں سیّد خاندان کی حکومت قائم کی تو اس نے سیّد نظام الدین کو ۶۰ ہزار کی جاگیر دی جس میں ساڈھورہ بھی شامل تھا۔ ساڈھورہ میں پہلے طوسی پٹھان رہتے تھے جنہیں نظام الدین نے وہاں سے نکال دیا۔[2] نظام الدین کے آباء اور اولاد کا ذکر شجرہ نسب ترمذی سادات میں ہے۔ نظام الدین کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:

شاہ نظام الدین بن عز الدین بن تاج الدین بن عز الدین بن سیّد عثمان بن شاہ سلیمان کفّار شکن بن شاہ زید سالار لشکر بن سیّد احمد زاہد بن سیّد حمزا علی بن سیّد ابوبکر علی بن سیّد عمر علی بن سیّد محمد بن شاہ احمد توختہ بن سیّد علی بن سیّد حسن بن محمد مدنی بن حسن بن موسیٰ حمصہ بن سیّد علی بن حسین اصغر بن علی بن حسین بن علی (علیہم السّلام)

خاندان

شاہ نظام الدین کے پانچ بیٹے سیّد خوند، شاہ عبدالحمید الملقب گنجِ علم، میر سعید، شاہ عبد الکریم اور سیّد میر بڈا تھے۔ تقسیم ہند تک جو ترمذی سادات ساڈھورہ میں رہے ان کا تعلق شاہ نظام الدین کے بیٹوں شاہ عبد الحمید گنجِ علم اور میر سعید کی اولاد سے تھا۔[3]

---

۱ سیّد محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء

۲ مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ — ص ۲۷۶-۲۷۷

۳ شجرہ نسب ترمذی سادات

اولاد شاہ عبد الحمید

شاہ عبد الحمید مفتی اعظم شرح متعین تھے۔ وہ گنجِ عِلم کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کا مزار گاؤں سے باہر عید گاہ میں ہے۔ ان کے ایک فرزند شاہ عبدالوہاب تھے جو قطب الاقطاب مشہور ہیں۔ ان کا مزار گاؤں کے اندر ترمذی سادات کے محلہ سوانیان کے ساتھ تعمیر ہوا۔[1] محلہ کے مکین آتے جاتے ان کے مزار پر سلام کرتے اور فاتحہ پڑھتے تھے۔ مزار میں داخل ہوتے تو پہلے مسجد تھی اور پھر چنبیلی کے پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔[2] وجہ الدین عرف بدر الدین المعروف پیر بدھو کا تعلق شاہ عبدالوہاب کی چھٹی نسل سے تھا۔ شاہ عبدالوہاب، ان کے مزار اور پیر بدھو کا ذکر مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ (ص ۲۷۶-۲۷۹، ۲۹۱-۲۹۵) میں ہے۔

تقسیم ہند سے پہلے شاہ عبد الحمید گنجِ عِلم ولد شاہ نظام الدین کی اولاد کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد ساڈھورہ میں رہتے تھے۔

محمد ظہور الحق

محمد ظہور الحق کے والد شاہ اصغر علی اور دادا شاہ لطف حسین تھے۔ وہ پٹیالہ میں خلیفہ خاندان کی حکومت میں وزیر تھے۔ انہوں نے فیض الاسلام کے نام سے ایک دینی ادارہ ساڈھورہ میں قائم کیا[3] اور اپنی اولاد کو گاؤں میں ایک سکول بنانے کی وصیت کی۔[4] ظہور الحق راجہ پٹیالہ کے وکیل بھی رہے۔ انہوں نے اپنی موروثی جائیداد میں اضافہ کیا۔[5] ان کے تین بیٹے محمد زین العابدین، محمد ابراہیم اور محمد یٰسین تھے۔[6] ظہور الحق، ان کے آباء اور اولاد کا ذکر شجرہ نسب ترمذی سادات میں ہے۔

ان کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:

محمد ظہور الحق بن شاہ اصغر علی بن شاہ لطف حسین بن شاہ غلام ضامن بن شاہ علی اسلم بن شاہ تابع محمد بن شاہ نُور الدین بن شاہ زاہد بن ابراہیم بالہ راجہ بن علی اصغر بن شاہ عبد الحمید ثانی بن شاہ عبدالوہاب بن شاہ عبد الحمید گنجِ عِلم بن شاہ نظام الدین۔[7]

---

۱ مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ — ص ۲۷۷

۲ سیّدہ رشیدہ خاتون دختر دلدار حسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — اسلام آباد — ۱۹ مارچ ۲۰۱۹ء

۳ سیّد محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء

۴ سیّدہ منورہ خاتون دختر محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۲۹ جون ۲۰۱۴ء

۵ سیّد اکرام الحسن ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد احترام الحسن ولد اکرام الحسن بالمشافہ — لاہور — ۷ مارچ ۲۰۱۸ء

۶ سیّد محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء

۷ شجرہ نسب ترمذی سادات

محمد زین العابدین

محمد ظہور الحق کے بڑے بیٹے محمد زین العابدین ساڈھورہ کے بہت بڑے زمیندار تھے۔ وہ رئیس ساڈھورہ مشہور تھے اور اپنے امیر اور غریب رشتہ داروں سے یکساں حسن سلوک کرتے تھے۔[۱] انہیں میر زین العابدین کہتے تھے۔ ان کی زمینیں ۲۰، ۲۵ دیہاتوں میں تھیں۔ شہری جائیداد اس کے علاوہ تھی۔ میر زین العابدین نے اپنے والد کے قائم کردہ دینی ادارہ فیض الاسلام کو مزید ترقی دے کر ۱۹۱۳ء میں ہائی سکول رجسٹر کروا لیا اور اس کا نام ساڈھورہ مسلم ہائی سکول رکھا۔ ۱۹۱۳ء سے پہلے ساڈھورہ میں صرف ہندوؤں کا ہائی سکول تھا۔ ساڈھورہ مسلم ہائی سکول میں دینی اور دنیاوی دونوں طرح کی تعلیم دی جاتی تھی۔[۲] میر صاحب نے سکول کے نام ایک مربع زمین بھی لگوائی۔[۳] وہ سکول کے ہر بچّے کو چار آنے ماہوار وظیفہ بھی دیتے تھے۔[۴]

ساڈھورہ ریلوے لائن سے منسلک نہیں تھا۔ ٹرین براڑہ تک آتی تھی اور وہاں سے ساڈھورہ کے لیے بسیں چلتی تھیں۔ بعض اوقات ٹرین رات کو پہنچتی اور اس وقت کوئی بس ساڈھورہ نہیں جاتی تھی۔ میر زین العابدین نے براڑہ میں ایک سرائے بنوائی تاکہ ساڈھورہ آنے والوں کو اگر براڑہ میں رات ہو جائے تو وہ آرام سے رات بسر کر سکیں۔ جب میر صاحب نے براڑہ میں ایک مسجد بھی بنوانا چاہی تو وہاں کے ہندوؤں نے سخت مخالفت کی۔ میر صاحب نے مسجد کے منصوبہ کو موخر کر دیا اور کچھ روز بعد ایک قصائی کی دکان براڑہ میں کھلوا دی۔ ہندوؤں کے لیے قصائی کی دکان مسجد سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔ وہ میر صاحب کے پاس آئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ بیشک مسجد بنوا لیں لیکن قصائی کی دکان سے ان کی جان چھڑوا دیں۔

میر زین العابدین کے گھر کے چاروں طرف بیریوں کے درخت تھے۔ ندی ان کے گھر سے کوئی ۷۰ گز دور ہو گی۔

میر زین العابدین کی شادی صغریٰ عرف بھورو دختر میمو سے بھور میں ہوئی اور ان کے تین بیٹے محمد زاہد، محمد اسلم اور محمد مسلم ہوئے۔ صغریٰ کے والد میمو کی وفات ہیضہ کے باعث ہوئی۔[۵] صغریٰ کی والدہ سید کھیڑی کے الٰہی بخش ولد احسان علی کی بیٹی تھیں۔ صغریٰ کے تین ماموں ایزد بخش، محمد بخش اور حسین بخش تھے۔ صغریٰ اور ان کی اولاد کا اپنے ماموؤں اور ان کی اولاد کے ہاں سید کھیڑی آنا جانا تھا۔ صغریٰ کے ماموں زاد بھائی محمد نقی، باقر حسین، غلام عباس، نذر حسین اور محمد یٰسین خوشی کے مختلف مواقع پر نانک چھک لے کر سید کھیڑی سے ساڈھورہ جاتے تھے۔ سید کھیڑی کے ناصر حسین ولد باقر حسین اور احسان علی ولد غلام عباس نے ساڈھورہ مسلم ہائی سکول میں تعلیم حاصل کی اور وہ صغریٰ زوجہ میر زین العابدین کے گھر رہے کیونکہ

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ جھنگ ـــ ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء

۳ سیّدہ منورہ خاتون دختر محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ جھنگ ـــ ۲۹ جون ۲۰۱۴ء

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۵ سیّد محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ جھنگ ـــ ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء

صغریٰ رشتہ میں ان کی پھوپھی تھیں۔[1] سیانہ سیداں کے حکیم جی علی حسین کے بیٹے بابو احمد حسین اور دلبر حسین اور بیٹی نواب بیگم صغریٰ کے پاس رہ کر پلے بڑھے اور تعلیم حاصل کی۔ بابو احمد، دلبر اور نواب بیگم کی والدہ کی صغریٰ کے ساتھ کوئی عزیز داری تھی۔ جب ان کی والدہ فوت ہوئیں تو صغریٰ بچّوں کو ساڈھورہ لے آئیں، ان کی پرورش کی اور تعلیم دلوائی۔ نواب بیگم کی شادی صغریٰ نے اپنے بیٹے محمد زاہد سے کی۔[2]

میر زین العابدین نے اپنی زندگی میں دیہاتی زمینیں اپنے بیٹوں کے نام لگوا دی تھیں جب کہ شہری جائیداد اپنے نام رکھی۔[3] میر صاحب نے دو شادیاں غیر سادات میں اور ایک شادی ایک ہندو عورت سے بھی کی تھی۔ ان بیویوں سے بھی میر صاحب کے اولاد ہوئی۔ تاہم ان کا اندراج شجرہ نسب ترمذی سادات میں نہیں کیا گیا۔ میر صاحب کی جس اولاد کا ذکر شجرہ میں نہیں ہے ان میں ریاض الحسن، شمس الحسن اور فیاض الحسن بھی شامل ہیں۔[4]

محمد ابراہیم

محمد ظہور الحق کے بیٹے محمد ابراہیم گنور میں ذیلدار تھے۔ انہوں نے تین شادیاں کیں۔[5] پہلی بیوی سے ان کے ایک بیٹی کبریٰ ہوئیں۔ کبریٰ کی شادی اخلاق الحسن ولد محمد یٰسین سے ہوئی۔ وہ ہندوستان میں ہی لاولد فوت ہو گئیں۔ ابراہیم نے دوسری شادی حیدری کے ساتھ کی اور ان کے ایک فرزند مجتبیٰ ہوئے جو لاولد فوت ہوئے۔ تیسری شادی سے ابراہیم کے اولاد نہیں ہوئی۔ ابراہیم نے ہندوستان میں وفات پائی۔

محمد یٰسین

محمد ظہور الحق کے بیٹے محمد یٰسین نے بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ وہ کلکٹر تعینات تھے۔ انہوں نے اپنی جدی جائیداد میں اضافہ کیا۔ وہ کوٹھی جس کی وجہ سے ان کے خاندان والے کوٹھی والے مشہور تھے یٰسین نے بنوائی تھی۔ یٰسین کے پاس سونے کی اینٹیں تھیں اور پیسے ان کے پاس بوریوں میں بھر کر آتے تھے کیونکہ اس وقت سکے چلتے تھے اور نوٹ نہیں ہوتے تھے۔ ساڈھورہ مسلم ہائی سکول کو چلانے میں وہ اپنے بڑے بھائی محمد زین العابدین کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد احمد حسین ولد علی حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد شاہد حسین ولد احمد حسین بذریعہ فون — جھنگ — ۲۶ مئی ۲۰۱۱ء

۳ سیّد محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء

۴ سیّد مواحد حسین ولد زاہد حسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد شہزاد رضا ولد مواحد حسین بالمشافہ — لاہور — ۱۴ اپریل ۲۰۱۹ء

سیّد اکرام الحسن ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد احترام الحسن ولد اکرام الحسن بالمشافہ — لاہور — ۷ مارچ ۲۰۱۸ء

۵ سیّد محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء

یٰسین نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے سکینہ سے کی۔ سکینہ ساڈہورہ میں ہی بے اولاد فوت ہو گئیں۔ دوسری شادی یٰسین نے فاطمہ سے کی اور ان کے دو بیٹے اخلاق الحسن اور اکرام الحسن اور چار بیٹیاں عزیز بانو، انیس بانو، شہر بانو اور صغیر بانو ہوئیں۔ عزیز بانو جوانی میں فوت ہو گئیں۔ انیس بانو کی شادی محمد اسلم ولد زین العابدین، شہر بانو کی مجاہد حسین ولد محمد زاہد اور صغیر بانو کی ساجد حسین ولد محمد زاہد سے ہوئی۔[1]

محمد زاہد و محمد اسلم

محمد زاہد اور محمد اسلم کے والد محمد زین العابدین اور دادا محمد ظہور الحق تھے۔ زاہد اپنے چچا محمد ابراہیم کی وفات کے بعد گنور میں ذیلدار بنے۔ وہ گنور ہی میں رہتے تھے۔[2] ان کی شادی سیانہ سیداں کی نواب بیگم دختر علی حسین سے ہوئی اور ان کے چار بیٹے مجاہد حسین، ساجد حسین، مواحد حسین اور مشاہد حسین اور دو بیٹیاں بتول فاطمہ اور مرتضائی ہوئیں۔[3] بتول فاطمہ کی شادی اکرام الحسن ولد محمد یٰسین سے ہوئی۔[4] ذیلدار کی حیثیت سے زاہد کا علاقہ میں اثر و رسوخ تھا۔ سرکاری اہلکاروں کے ساتھ ان کے رابطے تھے اور سکھوں کے ساتھ ان کی دوستیاں تھیں۔ وہ ہر سال چھٹیوں میں اپنے بچّوں کے ساتھ سیدکھیڑی آتے تھے اور الٰہی بخش کے خاندان میں اپنے رشتہ داروں کے پاس رہ کر جاتے تھے۔[5] زاہد کے بیٹے مجاہد کی شادی شہر بانو دختر محمد یٰسین سے ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند حامد حسین ہوئے۔ زاہد کے دوسرے بیٹے ساجد کی شادی صغیر بانو دختر محمد یٰسین سے ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند عابد حسین ہوئے۔[6]

محمد زین العابدین کے بیٹے محمد اسلم زمینداری کرتے تھے۔ ان کی شادی انیس بانو دختر محمد یٰسین سے ہوئی۔ اسلم نے ہندوستان ہی میں وفات پائی۔[7]

---

۱ سیّد اکرام الحسن ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی ساڈہورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد احترام الحسن ولد اکرام الحسن بالمشافہ — لاہور — ۷ مارچ ۲۰۱۸ء

۲ سیّدہ نثار فاطمہ دختر محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈہورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۲۴ اکتوبر ۲۰۱۲ء

۳ سیّد محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈہورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء

۴ سیّد اکرام الحسن ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی ساڈہورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد احترام الحسن ولد اکرام الحسن بالمشافہ — لاہور — ۷ مارچ ۲۰۱۸ء

۵ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

۶ سیّد مواحد حسین ولد زاہد حسین (سابق رہائشی ساڈہورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد شہزاد رضا ولد مواحد حسین بالمشافہ — لاہور — ۱۴ اپریل ۲۰۱۹ء

۷ سیّد اکرام الحسن ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی ساڈہورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد احترام الحسن ولد اکرام الحسن بالمشافہ — لاہور — ۷ مارچ ۲۰۱۸ء

محمد مسلم

محمد مسلم کے والد محمد زین العابدین اور دادا ظہور الحق تھے۔ وہ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ وہ زمینداری کرتے تھے اور ساڈھورہ میں مسلم لیگ کے سالار اعلیٰ تھے۔[1] مسلم پنجلاسہ گاؤں میں رہتے تھے کیونکہ ان کی زمینیں وہاں تھیں۔ پنجلاسہ ساڈھورہ کے قریب تھا۔ محرم اور عیدین کے مواقع پر وہ ساڈھورہ آ جاتے تھے۔[2] مسلم کی شادی انبالہ سے جنوب کی سمت دو اڑھائی میل کے فاصلے پر واقع موضع سارنگا میں کنیز آمنہ دختر غلام نقی سے ۱۹۳۲ء میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے دو بیٹے محمد ضیاء الحق اور مفتاح الحق اور تین بیٹیاں نثار فاطمہ، منورہ خاتون اور ممتاز فاطمہ ہوئیں۔ ضیاء الحق یکم جون ۱۹۳۸ء کو اور مفتاح الحق ۱۹۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ تینوں بہنیں بھائیوں سے بڑی تھیں۔[3] تقسیم ہند کے وقت نثار فاطمہ کی عمر ۱۶، ۱۷ سال اور منورہ کی تقریباً ۱۳ سال تھی۔[4]

اخلاق الحسن و اکرام الحسن

اخلاق الحسن اور اکرام الحسن کے والد محمد یٰسین اور دادا محمد ظہور الحق تھے۔ اخلاق نے ایل ایل بی تک تعلیم حاصل کی اور انبالہ میں وکالت شروع کر دی۔ وہ ساڈھورہ مسلم لیگ کے صدر تھے۔ انہوں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے کبریٰ دختر محمد ابراہیم سے کی۔ کبریٰ ہندوستان میں فوت ہو گئیں۔ اخلاق نے دوسری شادی بتول سے کی اور ہندوستان میں ان کے دو بیٹے انوار الحسن اور انصار الحسن ہوئے۔

محمد یٰسین کے دوسرے بیٹے اکرام الحسن نے لاہور سے بی ایڈ کیا۔ ہندوستان میں ان کی شادی بتول فاطمہ دختر محمد زاہد سے ہوئی۔ بتول کے اولاد نہیں ہوئی۔[5]

ساڈھورہ میں اخلاق اور اکرام کا گھر خاصا بڑا تھا۔ انہیں کوٹھی والے کہتے تھے۔ ان کا گھر دو منزلہ تھا اور اس میں ایک تہہ خانہ تھا۔ جانوروں کے لیے ایک کافی کشادہ باڑہ تھا جس میں اونٹ، گھوڑے، بھینسیں، گائیں وغیرہ باندھتے تھے۔[6]

---

۱ سیّد محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ جھنگ ــــ ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء

۲ سیّدہ نثار فاطمہ دختر محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ جھنگ ــــ ۲۴ اکتوبر ۲۰۱۲ء

۳ سیّد محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ جھنگ ــــ ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء

۴ سیّد مواحد حسین ولد زاہد حسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد شہزاد رضا ولد مواحد حسین بالمشافہ ــــ لاہور ــــ ۱۴ اپریل ۲۰۱۹ء

۵ سیّد اکرام الحسن ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد احترام الحسن ولد اکرام الحسن بالمشافہ ــــ لاہور ــــ ۷ مارچ ۲۰۱۸ء

۶ سیّدہ رشیدہ خاتون دختر دلدار حسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ اسلام آباد ــــ ۱۹ مارچ ۲۰۱۹ء

منظور حسین و اختر حسین

منظور حسین اور اختر حسین کے والد محمد طاہر اور دادا سیّد محمد تھے۔ منظور اور اختر کا ایک بھائی محمد قاسم بھی تھا جس نے بچپن میں وفات پائی۔[۱] منظور محمد طیب کے نام سے مشہور تھے۔ وہ ساڈھورہ مسلم ہائی سکول میں استاد تعینات تھے۔ ان کی شادی کندن سے ہوئی اور ان کے تین بیٹے غلام سیدین، غلام حسنین اور غلام ثقلین اور ایک بیٹی سعیدہ ہندوستان میں ہوئیں۔[۲] سیّد صغیر حسین کے مطابق: "ماسٹر طیب خود کہتے تھے کہ پہلے ان کی شادی سیدکھیڑی میں نتھو نمبردار کی بیٹی سے ہونے لگی تھی۔ لیکن پھر انہوں نے ماسٹر طیب کے بارے میں کہا کہ اس کی ناک طوطے کی ناک کی طرح ہے۔ یہ طوطا چشمی کرے گا۔ اس لیے وہ رشتہ نہیں ہوا۔"[۳]

محمد طاہر کے دوسرے بیٹے اختر حسین شاعر تھے اور محمد ظفر کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی شادی طاہرہ کے ساتھ ہوئی۔[۴] منظور اور اختر کے آباء کا ذکر شجرہ نسب ترمذی سادات میں ہے۔ ان کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:

منظور حسین و اختر حسین ابنا محمد طاہر بن سیّد محمد بن شاہ محمد بن شاہ لطف حسین بن شاہ غلام ضامن بن شاہ علی اسلم بن شاہ تابع محمد بن شاہ نُور الدین بن شاہ زاہد بن ابراہیم بالہ راجہ بن علی اصغر بن شاہ عبد الحمید ثانی بن شاہ عبدالوہاب بن شاہ عبد الحمید گنجِ عِلم بن شاہ نظام الدین۔

علمدار حسین و دلدار حسین

علمدار حسین اور دلدار حسین کے والد قطب حسین اور دادا خادم حسین تھے۔[۵] علمدار پولیس کے محکمہ میں ملازم تھے اور انبالہ میں تھانیدار تعینات تھے۔ ان کی رہائش اسٹیشن کے سامنے ایک مکان میں تھی۔ ان کی شادی سیدن سے ہوئی۔ علمدار اور سیدن کے دو بیٹے نثار عباس اور جمیل عباس اور دو بیٹیاں نثار فاطمہ اور اقبال فاطمہ ہوئیں۔ نثار فاطمہ کی شادی ممتاز حسین سے ہوئی جو کیتھل کے بڑے زمیندار میر فیاض حسین کے چھوٹے بھائی تھے۔ اقبال فاطمہ کی شادی ساڈھورہ کے افتخار حسین سے ہوئی۔ علمدار کے بڑے بیٹے نثار عباس نے ساڈھورہ میں وفات پائی۔

علمدار کے چھوٹے بیٹے جمیل عباس فوج میں ملازم تھے اور دوسری جنگ عظیم کے دوران عراق میں تعینات تھے۔ وہ جنگ میں زخمی بھی ہوئے۔ ضلع انبالہ سے ۱۴۰، ۱۴۵ افراد فوج میں اس سرحد پر تعینات تھے۔ ان میں سے ساڈھورہ کے

---

۱ شجرہ نسب ترمذی سادات

۲ سیّد اکرام الحسن ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد احترام الحسن ولد اکرام الحسن بالمشافہ — لاہور — ۷ مارچ ۲۰۱۸ء

۳ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۲۸ جولائی ۲۰۱۹ء

۴ سیّد اکرام الحسن ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد احترام الحسن ولد اکرام الحسن بالمشافہ — لاہور — ۷ مارچ ۲۰۱۸ء

۵ شجرہ نسب ترمذی سادات

دو آدمی زندہ بچ کر واپس آئے جن میں ایک جمیل عباس اور دوسرے حیدر جنگ تھے۔ جمیل کی شادی ظہور فاطمہ دختر ڈاکٹر غلام عباس سے پونڈری میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند شفاعت عباس ہوئے۔ تقسیم ہند کے وقت شفاعت کی عمر چھ ماہ تھی۔[1]

قطب حسین کے چھوٹے بیٹے دلدار حسین چونگی محرر تعینات تھے۔ ان کی شادی ذکیہ خاتون دختر احمد حسین سے سید کھیڑی میں ہوئی اور ان کے تین بیٹے ذوالفقار حسین، محمد رضی اور نجم الحسن اور دو بیٹیاں نرجس خاتون اور رشیدہ خاتون ہوئیں۔ دلدار کی بیٹی رشیدہ ماسٹر طیب کی بیٹی سعیدہ کی سہیلی تھیں۔ سعیدہ اپنے گھر کی چھت سے دلدار کے گھر رشیدہ سے کھیلنے آ جاتی تھیں۔ دلدار کے فرزند ذوالفقار حسین تقسیم ہند کے وقت ساڈھورہ مسلم ہائی سکول میں میٹرک کے طالب علم تھے جب کہ نجم الحسن ساڈھورہ کے اجڑنے سے ۱۰ دن پہلے پیدا ہوئے۔

علمدار اور دلدار کا گھر پہلے اکٹھا تھا۔ بعدازاں دونوں بھائیوں نے مکان کے درمیان میں دیوار بنا کر علیحدہ علیحدہ دروازے لگا لیے تھے۔[2] علمدار اور دلدار کے آباء کا ذکر شجرہ نسب ترمذی سادات میں ہے۔ ان کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:

علمدار حسین و دلدار حسین ابنا قطب حسین بن خادم حسین بن سرفراز علی عرف صفدر بن محبوب علی بن کاظم علی بن شاہ گپاسی بن شاہ قطب بن شاہ معین الدین بن سیّد نظام الدین بن شاہ عبد الحمید ثانی بن شاہ عبدالوہاب بن شاہ عبدالحمید گنجِ علم بن شاہ نظام الدین۔

معصوم علی

معصوم علی کے والد غلام مصطفیٰ اور دادا مہدی بخش تھے۔ معصوم کے والد غلام مصطفیٰ قصبہ بوڑھ سے آکر ساڈھورہ میں آباد ہوئے تھے۔[3] معصوم ساڈھورہ میں ڈاکیا کی حیثیت سے تعینات تھے۔ ان کی شادی محمودہ عرف مودن سے ہوئی اور ان کے تین بیٹے فضل علی، سجاد حسین اور اعجاز حسین اور دو بیٹیاں فاطمہ اور حیدری ہوئیں۔ فاطمہ کی شادی سید کھیڑی کے جعفر حسین سے ہوئی۔ معصوم کے فرزند سجاد فوج میں ملازم تھے جب کہ اعجاز حکمت کرتے تھے اور حکیم اعجاز کے نام سے مشہور تھے۔ اعجاز پیری مریدی بھی کرتے تھے۔[4]

معصوم اور ان کے آباء کا ذکر شجرہ نسب ترمذی سادات میں ہے۔ ان کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:

معصوم علی بن غلام مصطفیٰ بن مہدی بخش بن فضل علی بن شاہ وارث بن محمد باقر بن شاہ عبد الرب بن شاہ تاج

---

۱ سیّد شفاعت عباس ولد جمیل عباس (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۴ مارچ ۲۰۱۹ء

۲ سیّدہ رشیدہ خاتون دختر دلدار حسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — اسلام آباد — ۱۹ مارچ ۲۰۱۹ء

۳ شجرہ نسب ترمذی سادات

۴ سیّد علی ولد احمد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۷ مارچ ۲۰۱۱ء

الدین بن سیّد عبدالوہاب خورد بن شاہ عبد المقتدر بن شاہ عبدالوہاب بن شاہ عبد الحمید گنجِ علم بن شاہ نظام الدین۔

مندرجہ بالا افراد کے علاوہ شاہ عبد الحمید کی اولاد کے اور کئی افراد بھی ساڈھورہ میں رہے جن کے بارے میں مؤلف کو معلومات نہیں مل سکیں۔ ان میں مقبول حسین ولد غلام ضامن، محمد زماں ولد حسین بخش وغیرہ اور ان کے آباء اور اولاد شامل ہیں۔ ان کے علاوہ پیر بدھو کی بھی کئی نسلیں ساڈھورہ میں رہیں۔ ان میں محمد حنیف ولد تصدق حسین، حیدر حسن ولد مسیحا حسین، شرافت حسین ولد منظور حسین وغیرہ اور ان کے آباء اور اولاد شامل ہیں۔

اولاد میر سعید

میر سعید بن شاہ نظام الدین کے نو بیٹے عبد السّلام، سیّد احمد، ابو المجاہد، سیّد علی، سیّد افضل، عبد الرزاق، سیّد زید، سیّد جعفر اور عبد الشکور تھے۔ ان میں سے عبد الرزاق، زید اور جعفر لاولد تھے جب کہ عبد السّلام کے ایک فرزند سیّد منعم ہوئے جو لاولد رہے۔ میر سعید کی نسل سے ہیں معروف روحانی شخصیت سیّد میر سعید عرف میراں سیّد بھیکہ بن سیّد محمد یوسف بن سیّد قطب بن عبد الواحد بن ساہو بن سیّد احمد بن میر سعید بن شاہ نظام الدین۔ میراں سیّد بھیکہ کا روضہ موضع گھوڑام میں ہے اور دفن بھی اسی روضہ میں ہیں لیکن سالانہ میلہ موضع ٹھسکہ میں ان کے روضہ پر لگتا ہے۔ میر سعید بن شاہ نظام الدین کے دو بیٹوں سیّد علی اور سیّد افضل کی اولاد کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد تقسیم ہند سے پہلے ساڈھورہ میں رہتے تھے:

رضوان علی

رضوان علی کے والد حاجی شاہ علی اور دادا شہامت علی تھے۔[1] وہ پٹیالہ کے تحصیل آفس میں کلرک تعینات تھے اور ان کی رہائش شیرانوالہ محلہ میں تھی۔ رضوان کی شادی رقیہ دختر محمد کاظم سے ہوئی اور ان کے پانچ بیٹے محمد سبطین، محمد حسنین، محمد ثقلین، محمد حرمین اور محمد سیّدین اور ایک بیٹی ثریا خاتون ہوئیں۔

رضوان کے فرزند سبطین نے بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ وہ کانگریس میں تھے اور سوشلسٹ نظریات کے حامل تھے۔ وہ کھدر کے کپڑے پہنتے تھے۔ وہ شاعر بھی تھے اور مرثیہ خوانی کرتے تھے۔ وہ ٹیوشن بھی پڑھاتے تھے۔ رضوان کے فرزند حسنین نے ایف اے کیا تھا۔ وہ ابھی طالب علم ہی تھے کہ تقسیم ہند ہو گئی اور اس وقت رضوان کے بیٹے ثقلین کی عمر ۱۰ سال، حرمین کی آٹھ سال، سیّدین کی چار سال اور بیٹی ثریا کی پانچ سال تھی۔ حرمین تیسری جماعت میں پڑھتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد پٹیالہ میں ہونے والے مسلمانوں کے قتل عام کے دوران رضوان، ان کی زوجہ رقیہ اور دو بڑے بیٹوں سبطین اور حسنین کو سکھ بلوائیوں نے شہید کر دیا۔[2] ان کے قتل کا بیان باب 'سید کھیڑی کا اجڑنا' میں ہے۔

---

۱ شجرہ نسب ترمذی سادات

۲ سیّد محمد حرمین ولد رضوان علی (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۲۶ اکتوبر ۲۰۱۲ء

رضوان علی اور ان کے آباء کا ذکر شجرہ نسب ترمذی سادات میں ہے۔ ان کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:

رضوان علی بن حاجی شاہ علی بن شہامت علی بن اکرام علی بن کرم علی بن غلام علی بن سیّد شاہین بن حاجی شمس علی بن شاہ علی بن عبد الحمید بن شاہ علی بن سیّد علی بن میر سعید بن شاہ نظام الدین۔

رضا حسین

رضا حسین کے والد غلام حسین اور دادا مقصود علی تھے۔[۱] وہ زمیندارہ کرتے تھے اور پٹواری بھی تعینات تھے۔ ان کی شادی سکینہ دختر ذرغام کے ساتھ چلکانہ میں ہوئی اور ان کے پانچ بیٹے بختیار حسین، مختار حسین، اسجد علی، واجد علی اور ساجد علی اور تین بیٹیاں ام لیلیٰ، غلام زہرا اور مختار بانو ہوئیں۔ رضا کے بیٹے بختیار کی شادی عابدہ سے ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند مبارک علی اور ایک بیٹی ساجدہ ہوئیں۔ رضا کے بیٹے مختار کی شادی طاہرہ سے ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند سالار حسین ہوئے۔ رضا کی بیٹی مختار بانو نے ہندوستان میں وفات پائی۔[۲]

رضا اور ان کے آباء کا ذکر شجرہ نسب ترمذی سادات میں ہے۔ ان کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:

رضا حسین بن غلام حسین بن مقصود علی بن غلام شاہ بن سیّد جیون بن سیّد ولی بن سیّد شاہین بن حاجی شمس علی بن شاہ علی بن عبد الحمید بن شاہ علی بن سیّد علی بن میر سعید بن شاہ نظام الدین۔

حامد علی

حامد علی کے والد قدرت علی اور دادا سیّد علی تھے۔[۳] وہ نمبردار تھے۔ انہوں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی سے ان کے ایک بیٹی بشیر النساء ہوئیں۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد حامد نے دوسری شادی حاجا بی بی سے کی اور ان کے ایک فرزند نثار عباس ہوئے۔ حامد کی وفات کے بعد ان کے فرزند نثار عباس نمبردار بن گئے۔ حامد کی بیٹی بشیر النساء کی شادی آل حسن سے ہوئی۔[۴]

حامد اور ان کے آباء کا ذکر شجرہ نسب ترمذی سادات میں ہے۔ ان کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:

حامد علی بن قدرت علی بن سیّد علی بن غلام احمد بن غلام نبی بن سیّد محمود بن سیّد کسیر بن سیّد صالح بن عبد المجید بن شاہ علی بن سیّد علی بن میر سعید بن شاہ نظام الدین۔

---

۱ شجرہ نسب ترمذی سادات

۲ سیّدہ ام لیلیٰ دختر رضا حسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون/ بالواسطہ سیّد گلزار علی ولد محمد سبطین بذریعہ فون ــــ لاہور ــــ ۲۷ مارچ ۲۰۱۱ء، ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۹ء

۳ شجرہ نسب ترمذی سادات

۴ سیّد ظفر عباس ولد آل حسن (سابق رہائشی ساڈھورہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد مظہر عباس ولد ظفر عباس بذریعہ فون ــــ سرگودھا ــــ ۲ فروری ۲۰۱۹ء

آل حسن

آل حسن کے والد حیدر علی اور دادا رعایت علی تھے۔[1] وہ زمینداره کرتے تھے۔ ان کی زمین کافی تھی۔ وہ تھوڑا بہت کاروبار بھی کرتے تھے۔ ان کا مکان بھی خاصا بڑا تھا۔ آل حسن کی شادی بشیر النساء دختر حامد علی نمبردار سے ساڈھوره میں ہوئی اور ان کے پانچ بیٹے نذر عباس، ظفر عباس، کوثر عباس، جوہر عباس اور گوہر عباس اور دو بیٹیاں بانو اور جمیلہ ہوئیں۔ بانو کی شادی دولت علی سے اور جمیلہ کی شادی احسن سے ہوئی۔ آل حسن کے بیٹوں نے پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ آل حسن کی وفات کے بعد ان کے فرزند ظفر عباس نے ساڈھوره میں کریانہ کی دکان بھی کی۔ ظفر عباس کو ظفرو کہتے تھے۔ وہ دُعا کرنے کے لیے ایک مرتبہ میراں شاہ بھیک کے مزار پر بھی گئے۔[2]

آل حسن اور ان کے آباء کا ذکر شجرہ نسب ترمذی سادات میں ہے۔ ان کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:

آل حسن بن حیدر علی بن رعایت علی بن عباس علی بن عباس علی بن دیدار علی بن برہان علی بن حیدر علی بن عنایت اللہ بن سلطان بن سیّد حسن بن معظم بن عبد السمیع بن سیّد افضل بن میر سعید بن شاہ نظام الدین۔

افتخار حسین

افتخار حسین کے والد عاشق حسین اور دادا علی نواز تھے۔[3] وہ حکمت کرتے تھے۔ ان کے گھر میں سارا دن آگ جلتی تھی کیونکہ وہ دوائیاں بناتے تھے۔[4] انہوں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے نعمت خاتون سے کی اور ان کے ایک فرزند اقتدار حسین ہوئے۔ افتخار نے دوسری شادی اقبال فاطمہ دختر علمدار حسین سے ساڈھوره میں کی اور ہندوستان میں ان کے تین بیٹے امیر حیدر، انیس حیدر اور محبوب حیدر ہوئے۔[5]

افتخار اور ان کے آباء کا ذکر شجرہ نسب ترمذی سادات میں ہے۔ ان کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:

سیّد افتخار حسین بن سیّد عاشق حسین بن سیّد علی نواز بن سیّد محبوب علی بن سیّد جمیل بن سیّد گوجر بن محمد سعی بن سیّد واصل بن سعید خاں بن عبد الباقی بن سیّد افضل بن میر سعید بن شاہ نظام الدین۔

مندرجہ بالا افراد کے علاوہ میر سعید کی اولاد کے کئی اور افراد بھی ساڈھوره میں رہے جن کے بارے میں مؤلف کو معلومات نہیں مل سکیں۔ ان میں محمد عسکری ولد نادر علی، غلام شبیر ولد قدرت علی، حشمت علی ولد مہربان علی، نجف علی ولد

---

۱ شجرہ نسب ترمذی سادات

۲ سیّد ظفر عباس ولد آل حسن (سابق رہائشی ساڈھوره) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد مظہر عباس ولد ظفر عباس بذریعہ فون ـــ سرگودھا ـــ ۲ فروری ۲۰۱۹ء

۳ شجرہ نسب ترمذی سادات

۴ سیّدہ رشیدہ خاتون دختر دلدار حسین (سابق رہائشی ساڈھوره) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ اسلام آباد ـــ ۱۷ جولائی ۲۰۱۹ء

۵ سیّد محبوب حیدر ولد افتخار حسین (سابق رہائشی ساڈھوره) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ جھنگ ـــ ۱۱ اگست ۲۰۱۹ء

یار علی وغیرہ اور ان کے آباء اور اولاد شامل ہیں۔[1]

ضلع شیخوپورہ کے دو گاؤں اجنیانوالہ اور علی آباد (چک بھرائیاں) میں جو ترمذی سادات آباد ہیں ان کے شجرہ کے مطابق وہ خضر الدین بن شاہ نظام الدین کی اولاد ہیں۔ تاہم شجرہ نسب ترمذی سادات کی جو کاپی ہمارے پاس ہے اس میں شاہ نظام الدین کے پانچ بیٹوں میں سے کسی کا نام خضر الدین نہیں لکھا۔ خضر الدین ضلع لدھیانہ کے گاؤں کرودیاں میں مدفون ہیں۔[2]

---

۱ شجرہ نسب ترمذی سادات

۲ شجرہ نسب اولاد خضر الدین

راجگڑھ

تقسیم ہند سے پہلے راجگڑھ ریاست پٹیالہ کی تحصیل راجپورہ میں ترمذی سادات کا ایک چھوٹا گاؤں تھا۔ دریائے گھگر گاؤں سے آدھا فرلانگ اور لاہور- دہلی روڈ ایک میل دور تھے۔ انبالہ شہر کا فاصلہ راجگڑھ سے چار میل تھا۔[1] سیّد غلام مرتضیٰ کے مطابق: "راجگڑھ کو ہمارے خاندان کے بزرگ سیّد میر نے آباد کیا تھا۔ سیّد میر کی دعوت پر مختلف مذاہب اور پیشوں سے وابستہ افراد یہاں آکر آباد ہوئے۔ سیّدوں کے علاوہ ان میں مسلمان راجپوت اور ہندو گجر شامل تھے۔ انہیں سیّد میر اور ان کی اولاد کے بزرگوں نے کچھ زمینیں بھی دیں۔ راجپوتوں کی زمینیں گجروں کے مقابلہ میں زیادہ تھیں۔ سکھوں نے ایک ٹیلہ پر کچھ گھر بنا لیے تھے جنہیں سیّد میر کی نسل کے بزرگوں نے کسی نہ کسی طرح وہاں سے اٹھا دیا تھا۔"[2]

سیّد ہادی حسین کے مطابق: "ہمارے گاؤں (راجگڑھ) میں پہلے ایک سکھ راجہ کا قلعہ تھا اور گاؤں کو راجہ کا گڑھ کہتے تھے۔ ہمارے بزرگ یہ روایت سناتے تھے کہ راجہ نے ایک حکم جاری کیا کہ جب بھی کسی مسلمان یا ہندو کی شادی ہو تو لڑکی کو پہلی رات سکھ راجہ کے پاس گزارنی پڑے گی، پھر وہ اپنے گھر میں رہ سکتی ہے۔ یہ ظلم تھا اور اسے اس وقت کے ہمارے بزرگوں نے برداشت نہیں کیا۔ شہید مرد نے راجہ کے اس حکم کے خلاف مزاحمت کی جس کے نتیجہ میں راجہ کا قلعہ تباہ ہو گیا۔ شہید مرد نے اس مزاحمت میں اپنی جان کی قربانی دی۔ شہید مرد کی پکی قبر تقسیم ہند تک راجگڑھ میں موجود تھی اور گاؤں کے ہندو اور مسلمان مکین اس قبر کی زیارت کر کے شہید مرد سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے تھے اگرچہ کسی کو شہید مرد کے اصل نام کے بارے میں علم نہیں تھا۔ مسلمان شہید مرد کی قبر پر ہر جمعرات کو ختم دلواتے تھے اور بڑوں اور بچّوں میں نیاز تقسیم کرتے تھے۔ ہندوؤں میں اگر کوئی شادی ہوتی تو وہ شہید مرد کی قبر کے اردگرد چکر لگاتے تھے۔ راجہ کے قلعہ کی جگہ مٹی کا ڈھیر (ٹیلہ) تقسیم ہند تک موجود تھا جسے میں نے خود دیکھا ہے۔"

خاندان

راجگڑھ میں سیّدوں کے تین محلّے تھے جن میں ان کے مختلف خاندان رہتے تھے۔ پہلے محلہ کے بزرگ سب سے پہلے گاؤں میں آباد ہوئے اور ان کے بعد دوسرے اور تیسرے محلّے کے بزرگ آباد ہوئے۔ تقسیم ہند سے قبل پہلے محلہ میں سیّد مراد علی بن محمد بخش زیدی ترمذی کی اولاد رہتی تھی۔ ان کے پاس محمد بخش سے اوپر کی نسلوں کے بزرگوں کے نام نہیں

---

۱ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۲۸ دسمبر ۲۰۱۷ء

۲ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کیروالا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

تھے۔ سیّدوں کے پہلے محلہ کے سابق رہائشی سیّد ہادی حسین نے کہا: "ہم محمد بخش سے اوپر اپنے بزرگوں کے ناموں کا کھوج لگا رہے ہیں۔" سیّدوں کے دوسرے اور تیسرے محلّے کے مکینوں کے پاس اپنے بزرگوں کے بارے میں کوئی تحریری معلومات (شجرہ وغیرہ) نہیں تھیں۔ تاہم سید کھیڑی اور گوہلہ وغیرہ میں سیّدوں کے ساتھ ان کی رشتہ داریاں تھیں۔[1]

سیّدوں کا پہلا محلہ

سیّدوں کے پہلے محلہ کے مکینوں کو حویلی والے کہتے تھے۔ محمد بخش کے دو بیٹے مراد علی اور مہر علی تھے۔ مراد علی کے دو بیٹے علی نواز اور امام علی ہوئے۔ علی نواز کے تین بیٹے علی حسن (حسین)، علی گوہر اور مقبول حسین ہوئے۔ ان تینوں بھائیوں کی اولاد تقسیم ہند سے پہلے سیّدوں کے پہلے محلہ میں رہتی تھی۔ انھی میں سے ہیں محمد رضا (حسین) بن علی حسن (حسین) بن علی نواز بن مراد علی بن محمد بخش جو راجگڑھ میں نمبردار تھے۔ محمد بخش کے دوسرے بیٹے مہر علی کے ایک فرزند محسن علی ہوئے اور محسن علی کے تین بیٹے ہاشم علی، جعفر علی اور ظہور علی ہوئے۔ مہر علی ولد محمد بخش کی اولاد کا سلسلہ آگے چلا مگر وہ راجگڑھ چھوڑ کر انبالہ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے اور تقسیم ہند کے بعد وہیں سے پاکستان آئے۔ انھی میں سے ہیں کرنل مقبول حسین بن علمدار حسین بن ہاشم علی بن محسن علی بن مہر علی بن محمد بخش[2] کہ جن کے نام پر راولپنڈی کا مرکزی امام بارگاہ ہے۔ سیّد مراد علی بن محمد بخش زیدی ترمذی کی نسل کے مندرجہ ذیل بزرگ تقسیم ہند سے پہلے سیّدوں کے پہلے محلہ میں رہتے تھے:

محمد رضا حسین نمبردار

محمد رضا حسین کے والد علی حسین اور دادا علی نواز تھے۔ انھوں نے مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ وہ نمبردار تھے اور نمبرداری انہیں وراثت میں ملی تھی۔ وہ بارعب شخصیت کے مالک تھے اور پولیس میں ان کا اثر و رسوخ تھا۔ ان کی بیٹھک میں لوگ آکر بیٹھتے تھے اور گاؤں کے معاملات پر گفتگو کرتے تھے۔[3] وہ گاؤں میں مندرو نمبردار کے نام سے مشہور تھے۔[4]

رضا نمبردار کی ایک صفت یہ تھی کہ وہ اپنی یادداشتوں کو لکھ کر محفوظ کر لیتے تھے۔ ان کے خاندان اور رشتہ داروں میں جو بھی خوشی اور غم کے مواقع آتے اور ان میں وہ شرکت کرتے تو انہیں وہ قلمبند کر لیتے تھے۔ شادیوں کے مواقع پر جو پیسے اور پارچات وغیرہ وہ دوسروں کو دیتے اور جو دوسرے انہیں دیتے ان سب کا تحریری ریکارڈ انھوں نے اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ برادری کے بہت سارے لوگوں کی شادیوں کی تواریخ ان کے رجسٹر میں محفوظ ہیں۔ پاکستان آنے کے بعد شروع کے زمانہ میں وہ واڑہ سے ایک قافلہ میں مقاماتِ مقدسہ کی زیارات کے لیے گئے تو ایک سفر نامہ لکھا جس میں اپنی

---

۱ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۳۱ دسمبر ۲۰۱۷ء
۲ شجرہ نسب پتی مراد علی زیدی ترمذی ساکن دیہہ راجگڑھ، تحصیل راجپورہ، ریاست پٹیالہ (انڈیا)
۳ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۲۶، ۳۱ دسمبر ۲۰۱۷ء
۴ سیّد ذاکر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۴ اپریل ۲۰۱۱ء

زیارتوں کی روداد تفصیل سے بیان کی۔ زیارتوں کے سفر میں میر سجاد حسین اور واڑہ اور سلیمان کے کچھ دوسرے افراد بھی ان کے ساتھ قافلہ میں شامل تھے۔

رضا نمبردار نے اپنی یادداشتوں کے رجسٹر میں اکثر جگہ اپنا نام رضا حسین لکھا ہے اور کہیں محمد رضا حسین لکھا ہے جب کہ ان کے خاندانی شجرہ میں ان کا نام محمد رضا لکھا ہے۔ ان کے والد علی حسین کا نام ان کے خاندانی شجرہ میں علی حسن لکھا ہے۔ علی حسین کی زوجہ کا انتقال ۱۹۳۳ء میں ہوا۔ رضا نمبردار کی یادداشتوں پر مشتمل رجسٹر اور ان کی زیارتوں کا سفر نامہ ان کے ورثا کے پاس محفوظ ہیں۔

رضا نمبردار اپنے بزرگوں کی طرح زمینداره کرتے تھے۔ گوہلہ، سیانہ سیداں اور سید کھیڑی میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں ان کا اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ ان کے سب سے اچھے تعلقات تھے۔ راجگڑھ میں ان کا گھر مسجد کے سامنے تھا۔ انہوں نے تین چار بھینسیں رکھی ہوئی تھیں جو ان کے گھر سے متصل باڑہ میں بندھی رہتی تھیں۔ وہ روزانہ صبح دودھ لینے کے لیے باڑہ میں آتے تھے۔ ایک صبح جب وہ حسب معمول دودھ لینے کے لیے باڑہ میں آئے تو وہاں کوئی بھینس موجود نہ تھی۔ ان کی بھینسوں کو رات چور لے گئے تھے۔ وہ چور ٹھسکہ میراں جی کے تھے۔ سیّد غلام مرتضیٰ کے مطابق: ”ٹھسکہ میں چور قاضی محمد شفیع سے ذکر کر بیٹھے کہ وہ راجگڑھ سے بھینسیں چُرا کے لائے ہیں۔ قاضی شفیع نے ان سے پوچھا: ’کس گھر سے بھینسیں چُرائی ہیں؟‘ چوروں نے کہا: ’مسجد کے سامنے والے گھر سے۔‘ قاضی شفیع نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ’تم نے بڑی زیادتی کی۔ میرے عزیز کے گھر ہی چوری کرنے چلے گئے۔‘ چور قاضی شفیع کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور کہا: ’ہمیں پتہ نہ تھا کہ وہ آپ کے رشتہ دار کا گھر ہے۔‘ تیسری رات چور بھینسیں اسی جگہ کھڑی کر گئے جہاں سے لے کر گئے تھے۔“

رضا نمبردار کی شادی ان کی پھوپھی کی بیٹی سلامتی بیگم دختر ذیلدار محمد امیر سے گوہلہ میں ۱۰ مارچ ۱۹۱۶ء (٦ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ) کو ہوئی اور ان کے ایک فرزند غلام مرتضیٰ اور چار بیٹیاں سعیدہ بیگم، شہیدن بیگم، انعام فاطمہ اور مرتضائی بیگم ہوئیں۔ سعیدہ کی شادی سید کھیڑی کے ہادی علی، شہیدن کی شادی سارنگے کے شوکت علی اور انعام کی شادی انبالہ کے مسرور حسن سے ہوئی۔ رضا کی بڑی بیٹی کی شادی ۱۴ فروری ۱۹۳۴ء کو ہوئی۔[1] سلامتی بیگم زوجہ محمد رضا حسین نمبردار ایک محبّت کرنے والی خاتون تھیں۔ ان کے عزیز و اقارب ان کے پاس آتے رہتے تھے۔ سید کھیڑی کے زین العابدین ولد محمد یٰسین نے انبالہ سکول میں نویں کلاس میں داخلہ لیا تو وہ نو ماہ سلامتی کے پاس رہے۔[2] ٹھسکہ میراں جی کے محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع نے انبالہ سکول میں داخلہ لیا تو وہ اکثر اپنے دوستوں کے ساتھ راجگڑھ کے قریب دریائے گھگر میں نہانے کے لیے جاتے تھے۔ ان کی نانی کی بہن کلثوم زوجہ نذیر حسین اپنی بھتیجی سلامتی سے ملنے ٹھسکہ میراں جی سے راجگڑھ آئیں تو مختار کو انبالہ

---

۱ یادداشتیں سیّد محمد رضا حسین ولد علی حسین نمبردار ـــ قلمی نسخہ ـــ کبیروالا
سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ کبیروالا ـــ ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

سے بلایا۔ کلثوم نے مختار سے کہا: "یہ تمہاری خالہ سلامتی کا گھر ہے۔ تم یہاں آتے رہا کرو۔" مختار نے کہا: "ٹھیک ہے، میں تو یہاں اکثر دریا میں نہانے آتا ہوں۔" ①

غلام مرتضیٰ

محمد رضا حسین نمبردار کے فرزند غلام مرتضیٰ ۱۳ اپریل ۱۹۳۴ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ کو ان کی ختنہ ہوئی۔ انہوں نے پرائمری تک تعلیم مکمل کی تو ان کے والد نے اپنے ایک دوست بشیر حسین کو کہہ کر انہیں مسلم ہائی سکول انبالہ میں داخل کروا دیا۔ بشیر اسی سکول میں ٹیچر تعینات تھے اور وہ رضا نمبردار کے بھی استاد تھے۔ مرتضیٰ نے ماسٹر صاحب کے ساتھ اپنے والد کے تعلقات کے باعث کام پر کم توجہ دی۔ ایک دن ماسٹر صاحب نے ان کی کاپی دیکھی تو وہ خالی تھی۔ ماسٹر صاحب نے مرتضیٰ سے کہا: "ہاں! تو رضا کا بچّہ ہے، تجھے نخرہ ہے۔ اگر آئندہ کام نہ کیا تو کان پٹ (اکھیڑ) دوں گا۔"

سکول میں حساب کے ٹیچر کریم بخش تھے۔ جب آٹھویں جماعت کے وظیفہ کے امتحان کے لیے داخلے بھیجے جانے لگے تو ماسٹر کریم بخش نے مرتضیٰ سے کہا: "تم حساب میں پاس نہیں ہو گے اس لیے تمہارا داخلہ نہیں بھیجتے۔" مرتضیٰ نے داخلہ بھیجنے پر اصرار کیا اور محنت کرنے کا وعدہ کیا جس کے بعد ان کا داخلہ بھیج دیا گیا۔ مرتضیٰ نے محنت شروع کر دی اور رات دیر گئے تک لالٹین کی روشنی میں پڑھتے رہتے تھے۔ انہی دنوں احسان علی ولد غلام عباس سیدکھیڑی سے راجگڑھ آئے۔ انہیں اسی کمرہ میں ٹھہرایا گیا جہاں مرتضیٰ امتحان کی تیاری کرتے تھے۔ رات کو مرتضیٰ لالٹین جلا کر پڑھنے لگے تو احسان نے کہا: "لالٹین بجھا دو، میں نے سونا ہے۔" مرتضیٰ نے وظیفہ کے امتحان کے سر پر آنے کی مجبوری بیان کی۔ احسان نے کہا: "رول نمبر لکھ کر مجھے دے دو، تم امتحان میں پاس ہو جاؤ گے۔" مرتضیٰ نے رول نمبر لکھ کر احسان کو دے دیا اور لالٹین بجھا کر خود بھی سو گئے۔ امتحان کے بعد نتیجہ کے اعلان سے ایک ماہ پہلے احسان نے مرتضیٰ کے امتحان میں کامیاب ہونے کی اطلاع بھیجی اور ان کے امتحان میں حاصل کردہ نمبر بھی لکھ کر بھیجے۔ ایک ماہ بعد جب نتیجہ کا اعلان ہوا تو مرتضیٰ کے نمبر احسان کی طرف سے دی گئی اطلاع کے مطابق تھے۔ لاہور میں محکمہ تعلیم میں سیّد علی کاظمی تھے جن کا احسان سے بہت پیار تھا۔ تقسیم ہند کے وقت مرتضیٰ نویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ ②

تصوّر حسین

تصوّر حسین کے والد علی گوہر اور دادا علی نواز تھے۔ ان کی والدہ انبالہ کے مفتیوں کے محلہ کی تھیں۔ تفضل حسین، علمدار حسین اور علی رضا ان کے بھائی تھے۔ علمدار حسین لاولد رہے۔

تصوّر نے انبالہ مسلم ہائی سکول سے تعلیم حاصل کی اور پولیس میں منشی ملازم ہو گئے۔ ان کا رینک ہیڈ کانسٹیبل تھا

---

۱ سیّد محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء
یادداشتیں سیّد محمد رضا حسین ولد علی حسین نمبردار — قلمی نسخہ — کبیر والا

اور وہ انبالہ میں تعینات تھے۔ ان کی تنخواہ ۱۵ روپے ماہوار تھی۔ تصوّر نے کبھی ہندوؤں کے کنویں سے ان کے برتن میں پانی پیا نہ ان کے گھر کی روٹی کھائی۔ ملازمت کے سلسلہ میں اگر انہیں کبھی دورے پر جانا پڑتا تو اپنی روٹی ساتھ لے جاتے تھے۔ وہ اپنا چھوٹا سا ڈول اور رسی بھی ساتھ لے جاتے تھے اور اس سے کنویں سے پانی نکال کر پیتے تھے۔ اگر مسلمان چوکیدار ساتھ ہوتا تو اس سے اپنے برتن میں پانی منگوا لیتے تھے۔ اس زمانہ میں تصوّر نے ایسے کیمرہ سے اپنی تصویر کھنچوائی تھی جو ایک بڑے ڈبے کی طرح کا ہوتا تھا اور تصویر کھینچنے والے کا سر، بازو اور آدھا جسم ڈبے کے اندر ہوتا تھا تو وہ تصویر کھینچتا تھا۔ تصوّر توے والی مشین بھی انبالہ سے راجگڑھ لے کر آئے تھے۔ گاؤں میں کسی اور کے پاس ایسی مشین نہیں تھی۔ اس مشین پر گانے اور نعتیں چلتی تھیں اور گاؤں کے لوگ سننے کے لیے آکر بیٹھ جاتے تھے۔ تصور ہفتہ وار چھٹی کے دن گھر آتے تو گاؤں کے لوگ خصوصاً عورتیں ان سے خط لکھواتے تھے۔[1]

تصوّر تکنیکی ذہن رکھتے تھے اور مختلف آلات میں خرابی کو آسانی سے ٹھیک کر لیتے تھے۔ گھڑیاں ٹھیک کرنے کے تو وہ ماہر تھے۔ وہ گھڑیاں ٹھیک کرنے کے اوزار اپنی جیب میں رکھتے تھے۔ راجگڑھ میں چار پانچ لوگوں کے پاس سائیکل تھے۔ جب کسی کا سائیکل پنچر ہو جاتا تو وہ تصوّر سے پنچر لگواتا تھا۔ تصوّر نے کبھی اس کام کا معاوضہ نہیں لیا۔ بس انہیں ایسے کام کرنے کا شوق تھا۔ محرم کے ایام میں رات کو امام بارگاہ میں گیس جلانا بھی ان کی ذِمّہ داری تھی۔ وہ گیس جلا کر رکھ جاتے تو کوئی شرارت سے اسے بجھا دیتا تھا۔ پھر لوگ ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ تصوّر کو دوبارہ گیس جلانے کا کہا جائے لیکن ڈرتے تھے کہ وہ ناراض ہوں گے۔ اس لیے ہر کوئی چاہتا تھا کہ دوسرا جا کر ان سے کہے۔ جب تصوّر سے دوبارہ گیس جلانے کے لیے کہا جاتا تو وہ کہتے کہ اسے جان بوجھ کر بجھایا گیا ہے۔ اور اب وہ اسے نہیں جلائیں گے لیکن پھر جا کر جلا دیتے تھے۔ طبیعتاً وہ ایک ہمدرد انسان تھے۔[2]

ضلع انبالہ کے قصبہ شہداد پور کے کچھ لوگ پولیس میں ملازم تھے جن کے ساتھ تصوّر کی واقفیت تھی۔ یہ واقفیت تصوّر کی پولیس میں ملازمت کا سبب بنی۔ بعدازاں اسی تعلق کی بنا پر تصوّر کی شادی شہداد پور میں عزیزن مائی سے ہو گئی۔ تصوّر کے جاننے والے جو ان کی پولیس میں ملازمت کا سبب بنے تھے عزیزن مائی کے رشتہ دار تھے۔ شہداد پور گاؤں میں راجگڑھ والوں کی اور رشتہ داریاں بھی تھیں۔ شہداد پور ایک بڑا قصبہ تھا جہاں ہندوؤں کی آبادی زیادہ تھی لیکن سکھ اور مسلمان بھی تھے۔ مسلمانوں میں سیّدوں کے گھر بھی تھے۔ وہاں ایک قلعہ بھی تھا اور ایک سرائے بھی بنی ہوئی تھی۔ مسلمان زیادہ تر دریوں کا کاروبار کرتے تھے۔ باہر سے سوت لاتے، دریاں بناتے اور انہیں بیچ آتے تھے۔

تصوّر اور عزیزن مائی کے ایک بیٹا منوّر حسین اور ایک بیٹی سروری ہوئیں۔ عزیزن مائی کی وفات کے بعد تصوّر نے دوسری شادی مسیتی بیگم دختر نعمت علی سے راجگڑھ میں کی اور ان کے چار بیٹے ہادی حسین، دولت امام، افضل حسین اور اصغر علی اور ایک بیٹی ممتاز فاطمہ ہوئیں۔ مسیتی بیگم کو ٹی بی ہو گئی تھی۔ ان دنوں ٹی بی کے علاج کی سہولت میسر نہیں تھی۔

---

۱ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۶ فروری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

حکیموں سے ان کا علاج کروایا گیا اور وہ اسی بیماری کی وجہ سے راجگڑھ میں وفات پا گئیں۔ جس دن مسیتی فوت ہوئیں اس دن مولانا بشیر فاتح ٹیکسلا مجلس پڑھنے کے لیے راجگڑھ آئے ہوئے تھے۔ مولانا بشیر نے مسیتی کی نماز جنازہ پڑھائی۔

تصوّر تقسیم ہند سے کئی سال پہلے ملازمت سے ریٹائر ہو گئے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ انبالہ میں ایک وکیل کے پاس جا کر بیٹھ جاتے تھے اور شام کو گاؤں واپس آ جاتے تھے۔ زمین کی کاشت اور جانوروں کی دیکھ بھال کا کام ان کے بیٹے ہادی حسین کرتے تھے۔ تصوّر کی بڑی بیٹی سروری بیاہ کر انبالہ شہر گئیں۔ وہ ہندوستان میں ہی فوت ہو گئی تھیں۔

منوّر حسین

تصوّر کے بڑے فرزند منوّر حسین نے انبالہ سکول سے میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں اچھے نمبر لے کر پاس کیا۔ انہوں نے کوآپریٹو بینک، ضلع انبالہ، میں منیجر کی حیثیت سے ملازمت کی اور پونڈری میں بھی تعینات رہے۔ منوّر کی شادی آمنہ خاتون دختر ذیلدار محمد امیر سے گوہلہ میں ہوئی۔ آمنہ رضا نمبردار کی زوجہ سلامتی بیگم کی بہن تھیں۔ منوّر اور آمنہ کے ہندوستان میں ایک فرزند علی امام اور ایک بیٹی سنجیدہ ہوئیں۔

منوّر انتہائی شریف انسان تھے اور فضول گفتگو سے پرہیز کرتے تھے۔ پونڈری میں ان کی تعیناتی کے دوران بینک کے ہندو ملازمین نے منوّر کو رہائش کے لیے ایک مکان دیا جو خالی پڑا تھا۔ وہاں منوّر نے اپنے بیوی بچّوں کے ساتھ رہائش رکھی۔ اس مکان کا کوئی کرایہ نہیں تھا۔ پونڈری میں منوّر کا راحت حسین ولد عادل حسین کے گھر آنا جانا تھا۔ راحت کی زوجہ نثار فاطمہ منوّر کی زوجہ آمنہ کی بھتیجی تھیں۔ راحت کا گھر امام بارگاہ کے سامنے تھا۔ اس امام بارگاہ میں مجالس ہوتی رہتی تھیں۔ رشید کاظمی نمبردار کے گھر بھی منوّر کا آنا جانا تھا۔ منوّر ہندوؤں کے تہوار رام لیلا اور دوسہرہ کے موقع پر ہونے والی رسومات کو دیکھنے بھی جاتے تھے۔ تقسیم ہند کے وقت کشیدگی بڑھی تو منوّر نوکری چھوڑ کر راجگڑھ آ گئے۔

ہادی حسین

تصوّر حسین کے دوسرے فرزند ہادی حسین نے پرائمری تک تعلیم ٹیپلہ گاؤں کے پرائمری سکول میں حاصل کی۔ راجگڑھ سے ٹیپلہ کا فاصلہ تین کلو میٹر تھا۔ وہ سکول جانے آنے کے لیے روزانہ چھ کلو میٹر پیدل چلتے تھے۔ راجگڑھ سے ایک کچا راستہ ٹیپلہ جاتا تھا۔ ٹیپلہ ہندوؤں کا گاؤں تھا اور وہاں مسلمانوں کے صرف تین چار گھر تھے۔ جب ہادی ٹیپلہ سکول میں پڑھتے تھے تو اس وقت پنڈت لیکھ رام واحد استاد تھے جو پرائمری تک سب کلاسوں کو پڑھاتے تھے۔ سکول چونکہ ہندوؤں کا تھا اس لیے زیادہ تر کتابیں ہندی میں تھیں۔ اُردو میں کتابیں کم تھیں۔ جب ہادی نے ٹیپلہ سکول سے چار جماعتیں پاس کر لیں تو ان کے بڑے بھائی منوّر انہیں اپنے ساتھ پونڈری لے گئے اور وہاں ہندوؤں کے ایک سکول میں انہیں داخل کروا دیا۔ ہادی پونڈری میں دو سال رہے اور دو مزید جماعتیں پاس کیں۔ پھر وہ بیمار ہو گئے۔ وہ اپنی ماں کے لاڈلے بیٹے تھے۔ انہوں نے اپنی ماں کو خط لکھا: ”میرا دِل پونڈری میں نہیں لگتا۔ مجھے واپس بلا لو۔“ ان کی والدہ نے انہیں واپس بلا لیا۔ راجگڑھ میں انہوں نے اپنی زمینیں سنبھالیں۔

گاؤں کے اکثر لوگوں کی طرح ہادی صبح سویرے اپنا گڈا جوڑتے، اس پر اپنا ہل رکھتے اور اپنی زمینوں پر چلے جاتے تھے۔ وہ ۱۲ بجے تک ہل چلاتے اور پھر پٹھے کاٹتے تھے۔ اس کے بعد وہ ہل اور پٹھے گڈے پر رکھ کر واپس اپنے گھر آ جاتے تھے۔ گھر آنے کے بعد وہ ٹوکے سے پٹھے کُتر کے جانوروں کو ڈال دیتے تھے۔ جب بھی انبالہ گندم لے کر جانی ہوتی یا وہاں سے کوئی چیز لانی ہوتی تو ہادی اپنا گڈا لے کر انبالہ جاتے تھے۔ وہ انبالہ میں اپنے ایک رشتہ دار، ظہور علی، کے پاس جاتے رہتے تھے۔ ظہور علی نے ایک گائے رکھی ہوئی تھی۔ وہ ہادی سے کہتے تھے کہ توڑی اور دانے بھیج دیا کرو۔ ہادی توڑی اور دانوں کی تین چار بوریاں گڈے پر رکھ کر انبالہ میں ظہور کے گھر دے آتے تھے۔ ظہور کا گھر گوشت مارکیٹ کے ساتھ تھا۔

تصوّر حسین کے بیٹے دولت امام، افضل حسین اور اصغر علی اور بیٹی ممتاز فاطمہ تقسیم ہند کے وقت بچّے تھے۔

تفضل حسین و علی رضا

تفضل حسین اور علی رضا کے والد علی گوہر اور دادا علی نواز تھے۔ تفضل کی شادی سگرانہ میں ہوئی اور ان کے ایک فرزند عون محمد ہوئے۔ تفضل ہندوستان میں فوت ہو گئے تھے۔ ان کی بیوہ نے سگرانہ میں سخاوت علی سے نکاح ثانی کر لیا تھا اور ان کے اولاد بھی ہوئی جن میں ایک بیٹا نصرت تھا۔ تفضل کے فرزند عون محمد نے تعلیم حاصل نہیں کی۔ وہ زمیندارہ کرتے تھے۔ ان کی شادی جعفری دختر نعمت علی سے راجگڑھ میں ہوئی۔

علی گوہر کے بیٹے علی رضا نے انبالہ سکول میں تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں انہوں نے پٹواری کی حیثیت سے ملازمت کی۔ وہ راجگڑھ سے باہر تعینات تھے۔ وہ چھٹی کے دن اپنے گھر آتے تو گاؤں کی عورتیں ان سے خطوط لکھواتی تھیں۔ علی رضا کی شادی حمیدن سے ہوئی اور ان کے ایک بیٹا یاور حسین اور چار بیٹیاں نثار فاطمہ، فہمیدہ، شمیلا اور اصغری ہوئیں۔ نثار فاطمہ کی شادی گھگر سرائے کے اقبال حسین، فہمیدہ کی گھوڑام کے علمدار اور شمیلا کی شہداد پور کے شوکت سے ہوئی۔

ابنِ حسن

ابنِ حسن کے والد مقبول حسین اور دادا علی نواز تھے۔ وہ اپنے والدین کے اکلوتے فرزند تھے اور اپنے آباء کی طرح زمینداری کرتے تھے۔ انہوں نے اچھی بیل گاڑی رکھی ہوئی تھی۔ نواں گاؤں کے سکھ سردار کے ساتھ ان کی دوستی تھی اور وہ اکٹھے کھاتے پیتے تھے۔ تصوّر حسین اور علی رضا اپنے چچا زاد بھائی کو ایسی دوستی سے منع کرتے تھے لیکن ابنِ حسن ان کے مشوروں کو نظر انداز کر دیتے تھے۔ سکھ سردار کی شراب کی بھٹیاں تھیں اور وہ شراب بیچنے کا کاروبار کرتا تھا۔[1] گاؤں میں کھیلیں ہوتیں تو ابنِ حسن سب سے لمبی چھلانگ لگاتے تھے۔[2]

ابنِ حسن کی شادی صغیری فاطمہ دختر قبول حسن سے سجاد پور میں ہوئی اور ان کے پانچ بیٹے دلبر حسین، عزادار

---

۱ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۲۶ دسمبر ۲۰۱۷ء، ۲۱ جولائی ۲۰۱۸ء

۲ سیّد ذاکر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۴ اپریل ۲۰۱۱ء

حسین، اخلاق حسین، اکرام حسین اور اقرار حسین اور ایک بیٹی عزیز فاطمہ ہوئیں۔ تقسیم ہند سے چھ ماہ قبل ابنِ حسن کو اچانک دِل کا دورہ پڑا اور ان کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت کسی کو ایسی بیماری کی سمجھ تھی نہ اس سے نمٹنے کے لیے طبّی سہولتیں موجود تھیں۔ ابنِ حسن کے فرزند دلبر حسین نے پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔[۱]

حاجی امیر علی

امیر علی کے والد نوازش علی، دادا عنایت علی اور پردادا دوست علی تھے۔ امیر علی کے فرزند صغیر حسین کہتے تھے: ”ہمارے علاقہ میں ایک مسجد تعمیر ہوئی تو کہا گیا کہ مسجد کا افتتاح اس شخص سے کروایا جائے جس نے کبھی نماز قضا نہ کی ہو۔ اس مسجد کا افتتاح میرے والد سے کروایا گیا۔“ امیر علی حج کرنے کے لیے پیدل گئے۔ سات آٹھ ماہ بعد راجگڑھ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ امیر علی فوت ہو گئے۔ تاہم حج پر جانے کے ایک سال بعد وہ واپس آ گئے۔ حج کرنے کے بعد وہ گاؤں میں حاجی امیر علی کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ کہتے تھے: ”میں نے حج کے دوران اللہ سے دُعا کی ہے کہ جب تک میری نسل چلے تو میری اولاد نمازی ہو اور حج بھی کرے۔“ ان کی اولاد کے مطابق ان کی یہ دُعا قبول ہوئی اور آج تک ان کی اولاد کے افراد نمازی ہیں اور حج بھی کرتے ہیں۔[۲]

حاجی امیر علی حویلی والوں کے محلہ میں رہتے تھے لیکن ان کا تعلق حویلی والوں کے خاندان سے نہیں تھا۔ وہ بہت اچھے اور نیک آدمی تھے۔ وہ گاؤں کی مسجد میں اذان دیتے تھے۔ حج سے واپس آنے کے بعد انہوں نے گاؤں کے چوراہے میں ایک کنوئی بنوائی جسے حاجی امیر علی کی کنوئی کہتے تھے۔ وہاں ایک ڈول رکھا ہوا تھا اور لوگ پانی نکال کر پیتے تھے۔ وہاں سے تین راستے نکلتے تھے۔ ایک راستہ نواں گاؤں کو جاتا تھا جو ہمیشہ چلتا رہتا تھا۔ لوگ اِدھر اُدھر آتے جاتے رہتے تھے۔ اسی لیے حاجی امیر علی نے وہاں کنوئی بنوائی تھی۔

حاجی امیر علی کی شادی امیر بی سے ہوئی اور ان کے ایک بیٹا صغیر حسین اور دو بیٹیاں کبیر فاطمہ عرف کبیری اور صغیر فاطمہ عرف صغیری ہوئیں۔ کبیری اور صغیری دونوں بہنیں بیاہ کر شہداد پور گئیں۔ کبیری کے خاوند کا نام باقر حسین اور صغیری کے خاوند کا نام صابر حسین تھا۔[۳]

صغیر حسین

حاجی امیر علی کے فرزند صغیر حسین ابھی چھوٹے تھے کہ ان کی والدہ وفات پا گئیں۔ صغیر کے والد انہیں پانچ چھ

---

۱ سیّد اقرار حسین ولد ابنِ حسن (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۱۹ جولائی ۲۰۱۸ء

۲ سیّد صغیر حسین ولد حاجی امیر علی (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد ضمیر حسین ولد منیر حسین بذریعہ فون — مانچسٹر — ۱۸ فروری ۲۰۲۰ء

۳ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۱۷، ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء

سال کی عمر میں ہی صبح کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں ساتھ لے جاتے تھے۔[۱] حاجی امیر علی کی زمین ۲۰ کلے تھی۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے کیا جائیداد چھوڑی ہے تو انہوں نے کہا: ”اگر میرا بیٹا شریعت پر عمل کرے گا تو پھلے پھولے گا۔“ [۲] صغیر اپنے والد کی طرح پکے نمازی تھے اور باقاعدگی سے مسجد میں اذان دیتے تھے۔ مجالس کے انتظام میں بھی وہ بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے۔ اگر کوئی مولوی صاحب نہ ہوتے تو نماز عید اور نماز جنازہ صغیر پڑھاتے تھے۔ ان کے والد حاجی امیر علی اپنے زمانہ میں نماز جنازہ پڑھاتے رہے۔ راجگڑھ کے اکثر سادات کی طرح صغیر کا گزر بسر بھی اپنی زمین سے ہونے والی آمدنی پر تھا۔[۳]

صغیر حسین نے ہندوستان میں دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے انوری بیگم کے ساتھ گھگر سرائے میں کی اور ان کے دو بیٹیاں کنیز فاطمہ اور رضیہ بیگم ہوئیں۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد انہوں نے دوسری شادی کاظمی بیگم دختر محمد یوسف کے ساتھ گھگر سرائے میں کی۔ صغیر اور کاظمی کے چار بیٹے منیر حسین، زاہد حسین، حسن رضا اور ظفر رضا ہوئے۔ تقسیم ہند کے وقت منیر آٹھ سال، زاہد چھ سال، حسن تین سال اور ظفر ایک سال کے تھے۔ صغیر کے بیٹے حسن رضا نے کہا: ”ہمارا تعلق شاہ زید بن احمد زاہد کی اولاد سے ہے۔“ [۴]

سیّدوں کا دوسرا محلہ

سیّدوں کے دوسرے محلہ کو نیم والا محلہ بھی کہتے تھے کیونکہ یہاں نیم کا ایک بڑا درخت تھا۔ اس محلہ میں سرکاری بنگلہ بھی تھا جہاں افسر خصوصاً پولیس والے آکر ٹھہرتے تھے اور لوگ انہیں اپنے مسائل بتاتے تھے۔ اس محلہ کو بنگلے والا محلہ بھی کہتے تھے۔[۵] تقسیم ہند سے پہلے اس محلہ میں سیّد برادری کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد رہتے تھے:

نتھو نمبردار

نتھو کے والد قاسم تھے۔ وہ نمبردار تھے اور نمبرداری انہیں وراثت میں پہنچی تھی۔ نمبردار کی حیثیت سے وہ گاؤں کے معاملات میں اپنا کردار ادا کرتے تھے۔ نتھو کے ایک چچا امانت علی تھے جو اپنے زمانہ میں بڑے جوان تھے۔ نتھو کی شادی جنّت دختر عمر حسن سے ہوئی۔ جنّت کے سات بھائی تھے جو اپنے باپ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ جنّت کے والد نے زمین اپنی بیٹی کے نام لگوانے کا کہا تو جنّت کے سسر قاسم نے منع کر دیا اور کہا کہ ان کے پاس بہت زمین ہے۔ قاسم نے

---

۱ سیّد صغیر حسین ولد حاجی امیر علی (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد ضمیر حسین ولد منیر حسین بذریعہ فون — مانچسٹر — ۱۸ فروری ۲۰۲۰ء

۲ سیّد حسن رضا ولد صغیر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۱۸ فروری ۲۰۲۰ء

۳ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۱۷، ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء

۴ سیّد حسن رضا ولد صغیر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۱۸ فروری ۲۰۲۰ء

۵ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۱۷، ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء

جنّت کے والد کو زمین امام بارگاہ کے نام لگوانے کا مشورہ دیا۔ جنّت اپنے سات بھائیوں کی موت کے غم میں اندھی ہو گئی تھیں۔ وہ ایک محنتی اور محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ وہ روزانہ تہجد کے وقت اٹھ کر دس سیر گندم پیستیں اور دودھ بلو کر مکھن بھی نکالتی تھیں۔ نھو اور جنّت کے ایک فرزند علمدار حسین ہوئے۔

علمدار حسین نمبردار

نھو کے بیٹے علمدار حسین اپنے والدین کے فرمانبردار تھے۔ انہیں کھیل تماشے کا شوق نہیں تھا۔ وہ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ وہ اچھے جوان تھے اور اپنے سب کام خود کرتے تھے۔ زمینوں پر ہل چلاتے، جانور چَراتے اور گھر کا سودا سلف لاتے تھے۔ گاؤں کے لوگ جن کے کئی کئی بیٹے تھے اور کام سے بچنے کے لیے آپس میں لڑتے رہتے تھے علمدار کی مثال دیتے تھے تاکہ ان کے بیٹوں کو شرم آئے۔ علمدار کے والد نھو نمبردار سر پر پگڑی باندھ کر کبھی انبالہ اور کبھی پٹیالہ چلے جاتے تھے۔ اپنے بیٹے علمدار کے ذِمّہ دارانہ رویہ کی وجہ سے وہ گھر اور زمینوں کے معاملات کے بارے میں بے فکر رہتے تھے۔[۱]

علمدار کی شادی انبالہ میں اقبال بانو دختر ذوالفقار سے ہوئی اور ان کے تین بیٹے ذاکر حسین، شاکر حسین اور حیدر حسین اور دو بیٹیاں شاکری اور رفیقن ہوئیں۔[۲] اپنے والد کی وفات کے بعد علمدار نمبردار بن گئے۔ انہوں نے چار پانچ بھینسیں اور تین چار بیل رکھے ہوئے تھے۔ ذاکر حسین کی دادی جنّت جب دودھ بلو کر مکھن نکالتیں تو ذاکر ان کے پاس بیٹھ کر مکھن کھاتے تھے۔ ذاکر کی والدہ اپنی ساس سے کہتیں: "بِلّا مکھن کھا رہا ہے۔" جنّت کہتیں: "یہ میرا پوت ہے۔"[۳] علمدار کے بیٹے ذاکر اور شاکر زمینداری میں اپنے والد کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ تقسیم ہند کے وقت علمدار کے چھوٹے فرزند حیدر حسین کی عمر ۱۰ سال تھی۔ حیدر نے مسجد میں مولوی صاحب سے قرآنی قاعدہ پڑھا۔[۴]

مسیتے شاہ

مسیتے شاہ کے والد نیامت علی تھے۔ وہ اپنی زمین کاشت کرتے تھے اور پکے نمازی تھے۔ اگر صغیر حسین شاہ کبھی گاؤں سے باہر جاتے تو مسجد میں اذان دینے کی ذِمّہ داری مسیتے شاہ کو سونپ کر جاتے تھے۔ ان کے محلہ میں نیم کا بڑا درخت ان کے گھر کے سامنے تھا۔ مسیتے کی تین بہنیں جعفری بیگم، کاظمی بیگم اور مسیتی بیگم تھیں۔ جعفری کی شادی راجگڑھ کے عون محمد ولد تفضل حسین کے ساتھ ہوئی۔ کاظمی کی شادی تینھوڑی، ضلع انبالہ، کے تصوّر حسین کے ساتھ ہوئی۔ تصوّر نے شادی کے بعد راجگڑھ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ مسیتی کی شادی راجگڑھ کے تصوّر حسین ولد علی گوہر کے ساتھ ہوئی۔ مسیتے

---

۱ سیّد ذاکر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۲۴ اپریل ۲۰۱۱ء

۲ سیّد حیدر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ نوشہرہ ورکاں ــــ ۶ مارچ ۲۰۱۸ء

۳ سیّد ذاکر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۲۴ اپریل ۲۰۱۱ء

۴ سیّد حیدر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ نوشہرہ ورکاں ــــ ۶ مارچ ۲۰۱۸ء

شاہ کی شادی تینہوڑی میں صغیری سے ہوئی جو تصوّر کی بہن تھیں۔ مسیتے شاہ اور صغیری کے تین بیٹے منظور حسین، نذر عباس اور نذیر حسین اور دو بیٹیاں حیدری بیگم اور مصطفائی بیگم ہوئیں۔ مسیتے کے بیٹے منظور کی شادی ہندوستان میں ہو گئی تھی۔ مسیتے کی بیوی صغیری کو ٹی بی ہو گئی تھی اور وہ راجگڑھ میں ہی فوت ہو گئی تھیں۔[1]

قربان علی

قربان علی کے والد سبحان علی تھے۔ وہ اپنی زمین کاشت کرتے تھے۔ ان کی شادی بانو سے ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک بیٹا نذر عباس اور دو بیٹیاں سادو اور چھیم ہوئیں۔ قربان کی دو بہنیں سروری عرف سبی اور انوری تھیں۔

کرامت علی

کرامت علی کی شادی سروری عرف سبی دختر سبحان علی سے راجگڑھ میں ہوئی اور ان کے چار بیٹے انور، سرور، تصدق اور تفضل حسین اور ایک بیٹی کوثری ہوئیں۔

محمد صدیق

محمد صدیق کی شادی انوری دختر سبحان علی سے ہوئی اور ان کے تین بیٹے ناظم حسین، کاظم حسین اور رفیق حسین اور ایک بیٹی کاظمی ہوئیں۔

باقر علی

باقر علی، مخدوم علی اور معصوم علی تین بھائی تھے۔ معصوم نے شادی نہیں کی اور لاولد فوت ہوئے۔ مخدوم کی ایک بیٹی اقبال عرف بالی تھیں۔ باقر علی کی شادی عائشہ سے ہوئی جو راجپوت تھیں۔ یہ رشتہ قربان علی نے کروایا تھا۔ باقر اور عائشہ کے دو بیٹے فدا حسین اور صابر حسین ہوئے۔ فدا نے دو شادیاں کیں، ایک اختری سے اور دوسری اقبال عرف بالی دختر مخدوم علی سے۔ صابر کی شادی تینہوڑی میں ہوئی۔

شریف حسین عرف سیبا

شریف حسین کی بیوی کو گونگی کہتے تھے۔ ان کے دو بیٹے رشید اور خورشید تھے۔ شریف نے ہندوستان میں وفات پائی۔ شریف کے بیٹے رشید کی شادی اختری سے ہوئی۔ اختری ہندوستان میں فوت ہو گئی تھیں۔[2]

---

۱ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۶ جنوری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد حیدر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — نوشہرہ ورکاں — ۶ مارچ ۲۰۱۸ء

سیّدوں کا تیسرا محلہ

سیّدوں کے تیسرے محلہ میں محمد نقی اور سید محمد عرف سیدو، جو آپس میں ماموں پھوپھی زاد بھائی تھے، اور ان کے عزیز و اقارب رہتے تھے۔[1] راجگڑھ میں نقی کے نو اور سیدو کے آٹھ بیٹے تھے۔ ان کا اپنا ایک گاؤں آباد تھا۔ کوئی ان کی طرف رخ نہیں کرتا تھا۔ ان کے بزرگ کڑاسن سے آکر راجگڑھ میں آباد ہوئے تھے۔[2] کربلا کی عمارت اسی محلہ میں تھی اور قبرستان اسی محلہ کے ساتھ تھا۔[3] تقسیم ہند سے پہلے اس محلہ میں سیّد برادری کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد رہتے تھے:

محمد نقی

محمد نقی ولد غلام بھیک ولد خیرات علی ولد امام علی ولد باقر شاہ راجگڑھ کی ایک زورآور شخصیت تھے۔ وہ دیسی گھی میں ڈھائی من گجریلا بنا کر کھاتے تھے۔ وہ منڈیوں میں جانوروں کا بیوپار کرتے تھے۔ نقی نے تین شادیاں کیں۔ ان کی پہلی بیوی عزیز فاطمہ، دوسری اکبری بیگم اور تیسری جعفری بیگم تھیں۔ نقی اور عزیز فاطمہ کے چار بیٹے رضا حسین، شوکت علی، اقبال حسین اور رزاق حسین اور ایک بیٹی ظہوری بیگم ہوئیں۔ نقی اور اکبری بیگم کے ہندوستان میں پانچ بیٹے زاہد حسین، محمد ذکی، محمد حسنین، محمد ثقلین اور محمد اسحاق ہوئے۔ نقی اور جعفری بیگم کے ہندوستان میں دو بیٹیاں ہاشمی بیگم اور عقیلہ ہوئیں۔ نقی کی پہلی بیوی عزیز فاطمہ ہندوستان میں ہی فوت ہو گئی تھیں۔

نقی کے بیٹے رضا حسین کی شادی صدیقن دختر سید محمد سے راجگڑھ میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے دو بیٹے دلدار حسین اور ابرار حسین اور ایک بیٹی آمنہ بیگم ہوئیں۔ نقی کے دوسرے بیٹے شوکت علی کی شادی صغریٰ بی بی دختر نثار علی سے پلاکھا میں ہوئی۔ نقی کے تیسرے بیٹے اقبال حسین کی شادی فاطمہ سے ہوئی۔ نقی کی بیٹی ظہوری بیگم کی شادی سید کھیڑی کے مظاہر حسین سے ہوئی۔ تقسیم ہند کے وقت نقی کے بیٹے ذکی کی عمر ۱۲ سال تھی۔ انہوں نے مسلم ہائی سکول انبالہ سے چھ جماعتیں پاس کیں۔ سکول میں ان کے ایک ماسٹر صدیق تھے جو اچھا پڑھاتے تھے۔ وہ پی ٹی بھی کرواتے تھے۔[4]

سید محمد عرف سیدو

سید محمد، جو نقی کی پھوپھی کے بیٹے تھے، کا کنبہ راجگڑھ میں نقی کے کنبہ کے بعد دوسرا بڑا کنبہ تھا۔ انہوں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی انہوں نے مناسب بی بی سے کی اور ان کے چار بیٹے حامد حسین، عباس علی، فیض حسین اور فضل امام

---

۱ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۲۱ جولائی ۲۰۱۸ء

۲ سیّد ذاکر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۴ اپریل ۲۰۱۱ء

۳ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۱۷ جنوری ۲۰۱۸ء

۴ سیّد محمد حسنین ولد محمد نقی (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲۶ اپریل ۲۰۱۱ء
سیّد محمد ذکی ولد محمد نقی (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ببر — ۲۰ مارچ ۲۰۱۸ء
سیّد محمد ثقلین ولد محمد نقی (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — ببر — ۶ مارچ ۲۰۱۸ء

اور چار بیٹیاں شیریں، زبیدہ، بھوری اور حیدری بیگم ہوئیں۔ سید محمد نے دوسری شادی بانو سے کی اور ان کے چار بیٹے ذوالفقار، زوّار حسین، غلام عباس اور میر حسن اور ایک بیٹی صدیقن ہوئیں۔ سید محمد کی دوسری بیوی بانو ہندوستان میں فوت ہو گئی تھیں۔ سید محمد کی بیٹی شیریں کی شادی سید کھیڑی کے محمد مسلم ولد محمد عسکری نمبردار سے، زبیدہ کی شادی راجگڑھ کے مختار حسین ولد اللہ دیا سے، بھوری کی شادی راجگڑھ کے محمد حسین ولد علی حسن سے، حیدری کی شادی پلاکھا کے نذیر حسین ولد نثار علی سے اور صدیقن کی شادی راجگڑھ کے رضا حسین ولد محمد نقی سے ہوئی۔ سید محمد کے بیٹے حامد کی شادی بانو سے، عباس کی شادی سروری دختر مسیتا سے، فیض کی شادی سروری سے اور ذوالفقار کی شادی کلثوم سے ہوئی۔[1]

اللہ دیا

اللہ دیا کا کنبہ تیسرے محلہ میں تیسرا بڑا کنبہ تھا۔ ان کی زوجہ کا نام محمدی تھا اور وہ نقی کی دوسری بیوی اکبری کی خالہ زاد بہن تھیں۔ اللہ دیا اور محمدی کے چھ بیٹے مشتاق حسین، اشتیاق حسین، مختار حسین، سجاد حسین، اعجاز حسین اور ارشاد حسین اور دو بیٹیاں کاظمی اور صابری ہوئیں۔ اللہ دیا کے بیٹے مشتاق کی شادی کنیز دختر محمد حسین سے گوہلہ میں ہوئی اور ہندوستان میں ان کے ایک فرزند صابر ہوئے۔ اللہ دیا کے بیٹے مختار کی شادی زبیدہ دختر سید محمد سے راجگڑھ میں ہوئی اور ان کے ایک فرزند زمرد ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ اللہ دیا کی بیٹی کاظمی کی شادی گوہلہ کے یاور حسین ولد نذیر نتھو بلّا سے ہوئی۔[2]

علی حسن عرف سینا

علی حسن کے تین بیٹے محمد حسین، احمد حسین اور اختر حسین اور ایک بیٹی اختری تھیں۔ اختری کی شادی سید کھیڑی کے محمد عالم ولد محمد عسکری نمبردار سے ہوئی۔ علی حسن کے بیٹے محمد حسین کی شادی بھوری دختر سید محمد سے ہوئی اور ان کے ایک فرزند دلبر حسین ہندوستان میں ہوئے۔

سلامت علی

سلامت علی کی زوجہ فاطمہ دختر نثار علی تھیں جو نقی کی بیوی اکبری کی سگی بہن تھیں۔ سلامت اور فاطمہ کے ایک بیٹا محمد منگتا اور ایک بیٹی سلامتی بیگم ہوئیں۔

شبیر حسین

شبیر حسین کے والد مہدی حسن تھے۔ ان کی شادی شریفن سے ہوئی اور ان کے ایک بیٹا توقیر شاہ اور ایک بیٹی مسیتی بیگم ہوئیں۔

---

۱ سیّد محمد ذکی ولد محمد نقی (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — بر — ۲۰ مارچ ۲۰۱۸ء

۲ سیّد محمد ثقلین ولد محمد نقی (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بر — ۶ مارچ ۲۰۱۸ء

مسیتا

مسیتا نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے ان کے ایک بیٹا جرار شاہ اور ایک بیٹی جمیلہ ہوئیں۔ دوسری بیوی اقبال بیگم سے ان کے ایک فرزند سبطین شاہ ہوئے۔[1]

رہن سہن

راجگڑھ میں سیّدوں کے گھر زیادہ تھے اور وہ سب شیعہ تھے۔ راجپوتوں کے گھر تھوڑے تھے اور وہ سب سنّی تھے۔ گجروں کے گھر راجپوتوں سے بھی تھوڑے تھے اور وہ سب ہندو تھے۔ سب کی اپنی زمینیں تھیں۔ چوڑھے، چماروں کی رہائش گاؤں سے باہر تھی۔ کچھ لوگ زمینیں چھوڑ کر نقل مکانی کر جاتے تھے، دوسرے آکر زمینوں پر قبضہ کر لیتے تھے اور انہیں کاشت کرتے رہتے تھے۔ ایک عرصہ بعد وہ زمینیں قبضہ کرنے والوں کی ملکیت ہو جاتی تھیں۔ اس وقت زمینیں سستی تھیں۔ تاہم سیّدوں کے تیسرے محلہ کے مکینوں نے زمینیں خریدی تھیں۔ کرنل مقبول حسین کے بزرگ پڑھے لکھے تھے۔ وہ زمینیں چھوڑ کر انبالہ چلے گئے تھے اور وہاں نوکریاں کر لی تھیں۔

تقسیم ہند سے پہلے راجگڑھ میں دو نمبرداریاں تھیں اور دونوں سیّدوں کے پاس تھیں۔ ایک محمد رضا حسین عرف مندرو نمبردار کے پاس تھی اور دوسری نتھو نمبردار کے پاس تھی۔ رضا نمبردار نے آٹھ جماعتیں پاس کی تھیں جب کہ نتھو نمبردار اَن پڑھ تھے۔ رضا نمبردار کی زمین اور اثر و رسوخ بھی نتھو نمبردار کی زمین اور اثر و رسوخ سے زیادہ تھا۔ رضا کی رشتہ داری گوہلہ کے ذیلدار خاندان کے ساتھ تھی اور ان کے پاس گوہلہ اور دوسرے دیہاتوں سے مہمان آتے رہتے تھے۔ اس طرح وہ مصروف ہی رہتے تھے۔ رضا اپنی زمین اپنی نگرانی میں کاشت کرواتے تھے۔ انہوں نے کئی نوکر رکھے ہوئے تھے جو ان کی بیٹھک سے متصل احاطہ میں رہتے تھے جہاں جانوروں کا باڑہ بھی تھا۔ جانوروں کو چارہ وغیرہ رضا کے نوکر ڈالتے تھے۔ جب کہ نتھو اپنی زمین خود کاشت کرتے تھے اور اپنے جانور خود چَراتے تھے۔ نتھو کی زمین چونکہ دوسرے اور تیسرے محلّے کے مکینوں میں سب سے زیادہ تھی اس لیے ان کے پاس نمبرداری تھی۔ رضا اور نتھو دونوں کو نمبرداری وراثت میں ملی تھی۔ تقسیم ہند سے پہلے نتھو نمبردار کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کے فرزند علمدار حسین نمبردار بن گئے تھے۔

تعلیم

راجگڑھ ریاست پٹیالہ میں ایک پسماندہ گاؤں تھا جہاں کوئی سکول تھا نہ ہسپتال۔ گاؤں کے بچّے پڑھنے کے لیے نزدیکی گاؤں ٹیپلہ یا پھر انبالہ جاتے تھے۔ ٹیپلہ ہندوؤں کا گاؤں تھا اور ہندو مسلمانوں کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو 'ماس کھانے' کہتے تھے اور ان سے اس طرح پرہیز کرتے تھے جس طرح گندے آدمی سے پرہیز کرتے ہیں۔ ٹیپلہ کے

۱ سیّد محمد ذکی ولد محمد نقی (سابق رہائشی راجگڑھ) ــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــ ببر ــ ۲۰ مارچ ۲۰۱۸ء

پرائمری سکول میں مسلمان بچّوں کے لیے دو تین مٹی کے گھڑے اور ہندو بچّوں کے لیے تین چار پیتل کی گھاگریں رکھی ہوئی تھیں۔ ہندو ماشکی ان میں پانی بھرتے تھے۔ مسلمان بچّوں کے لیے رکھے ہوئے گھڑوں کو صاف نہیں کیا جاتا تھا جب کہ ہندو بچّوں کے لیے رکھی ہوئی گھاگریں روزانہ صاف کی جاتی تھیں۔ مسلمان بچّے ان گھڑوں سے بہت کم پانی پیتے تھے۔ پڑھائی کے وقت تو سب بچّے اکٹھے بیٹھتے تھے لیکن کھانے پینے کے وقت مسلمان بچّے علیحدہ بیٹھتے تھے۔ مسلمان بچّے روٹی ساتھ لاتے تھے۔ اگر کسی دن مرغی یا بکرے کا گوشت پکا ہوتا اور کوئی ہڈی وہاں گر جاتی تو ہندو کہتے تھے اسے اٹھاؤ اور سکول سے باہر پھینک کر آؤ۔ سکول سے دو بجے چھٹی ہو جاتی تھی۔ گرمیوں میں دور سے آنے والے بچّوں کو ماسٹر صاحب اپنے گھر لے جا کر ایک کمرہ میں بٹھا دیتے تھے اور چار بجے گرمی کم ہو جاتی تو بچّے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔ جہاں روٹی پکاتے تھے اسے رسوئی کہتے تھے۔ رسوئی اس کمرہ کے قریب تھی جہاں بچّے دو گھنٹے کے لیے ہندو ماسٹر صاحب کے گھر بیٹھتے تھے۔ ایک دن ایک مسلمان بچّہ غلطی سے رسوئی پر چڑھ گیا تو ماسٹر صاحب نے اسے بہت جھڑکا اور اس جگہ سے ایک ایک فٹ مٹی نکالی۔ ٹیپلہ میں جو چند ایک مسلمان گھر تھے وہ رضائیاں بھرتے تھے اور ان کا راجگڑھ آنا جانا لگا رہتا تھا۔ انہوں نے مسلمان بچّوں سے کہا کہ ماسٹر صاحب کے گھر جانے کی بجائے ان کے گھر آ جایا کریں۔ پھر مسلمان بچّے ان کے گھر جانے لگے۔ ٹیپلہ میں جو چند ایک مسلمانوں کے گھر تھے ان کے کچھ لوگ فوج میں ملازم تھے۔ وہ فوجیوں کی وردیاں دھوتے تھے۔

راجگڑھ میں تعلیم کی طرف لوگوں کی توجہ کم تھی۔ تاہم سیّدوں کے پہلے محلہ کے محمد رضا حسین نمبردار، تصوّر حسین، علی رضا اور منوّر حسین نے انبالہ میں تعلیم حاصل کی۔ ہادی حسین نے ٹیپلہ سکول سے پرائمری تک تعلیم حاصل کی اور پونڈری میں ہندوؤں کے سکول سے لوئر مڈل کیا۔[۱] غلام مرتضیٰ تقسیم ہند کے وقت انبالہ مسلم ہائی سکول میں نویں کلاس میں پڑھتے تھے۔[۲] سیّدوں کے تیسرے محلہ کے ذکی نے بھی انبالہ مسلم ہائی سکول سے چھ جماعتیں پاس کیں۔[۳] تصوّر حسین اور علی رضا راجگڑھ سے باہر ملازمت کرتے تھے۔ وہ چھٹی کے دن گاؤں آتے تو خط پڑھوانے اور لکھوانے والوں کی لائن لگ جاتی تھی۔ عموماً عورتوں کو پتہ نہیں ہوتا تھا کہ خط میں کیا لکھنا ہے۔ تصوّر بھی نام، پتہ پوچھتے اور خط کا مضمون خود لکھ دیتے تھے۔

ذرائع نقل و حمل

گھگر کے پل سے ایک کچا راستہ بنوڑ جاتا تھا جو راجگڑھ سے ہو کر گزرتا تھا۔ راجگڑھ میں یہ راستہ دو طرفہ ہو جاتا تھا۔ ایک راستہ بنوڑ اور دوسرا ٹیپلہ کی طرف جاتا تھا۔ ایک تیسرا کچا راستہ بھی تھا جو نواں گاؤں کی طرف جاتا تھا۔ اگر بنوڑ جانا ہوتا

---

۱ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ نوشہرہ ورکاں ــــ ۲۶، ۳۱ دسمبر ۲۰۱۷ء، ۶ فروری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ کبیر والا ــــ ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۳ سیّد محمد ذکی ولد محمد نقی (سابق رہائشی راجگڑھ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ ببر ــــ ۲۰ مارچ ۲۰۱۸ء

تو عموماً لوگ گڈے پر کچے راستہ سے چلے جاتے تھے کیونکہ سڑک کا راستہ اپناتے تو انہیں پہلے راجپورہ جانا پڑتا تھا اور پھر بنوڑ جاتے تھے۔ لاہور-دہلی روڈ پر راجپورہ سے انبالہ کی جانب آئیں تو دائیں طرف راجپورہ - پٹیالہ روڈ تھا جب کہ بائیں طرف راجپورہ - بنوڑ روڈ تھا۔ راجگڑھ سے انبالہ کا فاصلہ چار میل تھا اور لوگ اکثر پیدل ہی انبالہ چلے جاتے تھے۔ کچھ لوگوں کے پاس سائیکل تھے اور وہ سائیکل پر انبالہ جاتے آتے تھے۔ بی ایس اے ہر کولیس سائیکل ۱۵، ۱۶ روپے کا ملتا تھا۔ ان دنوں سڑک پر ٹریفک کم ہوتی تھی۔ سفر لمبا ہوتا تو لوگ ٹرین کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ ٹرین وقت پہ آتی اور وقت پہ جاتی تھی۔ لاہور-دہلی ریلوے لائن راجگڑھ کے پاس سے گزرتی تھی۔ گاؤں سے لاہور-دہلی روڈ کا فاصلہ ایک میل تھا اور روڈ کے متوازی ریلوے لائن تھی۔ جیسے روڈ پر دریائے گھگر کراس کرنے کے لیے پل بنا ہوا تھا ویسے ہی ریلوے لائن کا بھی دریائے گھگر پر پل بنا ہوا تھا۔ گاؤں سے آئیں تو لاہور-دہلی روڈ پہلے اور پھر ریلوے لائن تھی۔ راجگڑھ کا قریبی ریلوے اسٹیشن چھوٹا شمبھو تھا جو راجپورہ کے بعد اور انبالہ سے پہلے تھا۔ اسٹیشن سے گاؤں کا فاصلہ دو تین کلومیٹر تھا۔ راجگڑھ کے لوگ چھوٹا شمبھو اترتے تھے۔ وہاں سے گاؤں آنے کے لیے تانگے مل جاتے تھے۔ اکثر لوگ پیدل ہی گاؤں آ جاتے تھے۔

زراعت

راجگڑھ کی زمینیں بارانی تھیں۔ گاؤں کے لوگ عموماً زمینیں ٹھیکہ پر نہیں دیتے تھے اور اپنی اپنی زمین خود کاشت کرتے تھے۔ زمینیں زرخیز تھیں اور گندم، کپاس، جوار، گنا، خربوزہ، تربوز، شکر قندی، شلجم، مولی وغیرہ سب چیزیں پیدا ہوتی تھیں۔ مکئی تو وہاں بہت ہوتی تھی۔ ہادی حسین اپنی تین چار یا پانچ کلے زمین پر مکئی لگاتے تھے۔ مکئی کی فصل کو بندر نقصان پہنچاتے تھے۔ ہندو بندروں کو پوجتے تھے اور انبالہ اور کرنال سے بندروں کو گاڑیوں میں بھر کر راجگڑھ والوں کی زمینوں پر چھوڑ جاتے تھے۔ بندر چھلیوں کو توڑ کر پھینک دیتے تھے۔ وہ کھاتے کم تھے اور فصل کا نقصان زیادہ کرتے تھے۔ تصوّر حسین کے پاس ۱۲ بور بندوق تھی۔ وہ اپنی فصل کو بچانے کے لیے لکڑیوں کی آٹھ دس فٹ اونچی مچان بنا کر ایک بندے کو وہاں بٹھا دیتے تھے۔ جب بندر فصل میں گھستے تو وہ فائر کرتا تھا جس کی آواز سن کر بندر بھاگ جاتے تھے۔ راجگڑھ کے باقی لوگ بھی اپنی فصلوں کی اسی طرح حفاظت کرتے تھے۔ کچھ لوگ بارود کے گولہ سے دھماکہ کرتے تھے جس سے بندر بھاگ جاتے تھے۔ پچیس سے تیس کلو تک وزنی تربوز بھی وہاں پیدا ہوتے تھے۔ گھگر کے اندر ریت تھا۔ ہندو عموماً دریا کے کنارے اپنی زمین پر سبزیاں لگاتے تھے۔ تربوز کو گھاس کے اندر چھپا دیتے تھے اور اوپر ریت ڈال دیتے تھے تاکہ اسے کوئی گیدڑ نہ کھا جائے یا کوئی آدمی توڑ کر نہ لے جائے۔ تربوز اندر ہی اندر پھولتا رہتا تھا اور کسی کو پتہ بھی نہیں لگتا تھا۔ تربوزوں کو پٹیالہ منڈی میں لے جا کر بیچا جاتا تھا۔ پٹیالہ بڑا شہر تھا اور وہاں مہاراجہ پٹیالہ کی گدی تھی۔ کال کئی، شملہ تک اس کی ریاست تھی۔ راجگڑھ کے لوگ صبح اذان کے وقت اپنے کھیتوں میں چلے جاتے تھے۔ بارہ بجے تک ہل چلاتے تھے۔ پھر ہر ایک کے گھر سے روٹی آ جاتی تھی۔ روٹی کھانے کے بعد جانوروں کے لیے پٹھے کاٹتے تھے۔ رات کو سب گاؤں آ جاتے تھے کیونکہ زمینوں پر کسی نے ڈیرہ نہیں بنایا تھا اور نہ رات کو وہاں کوئی رہتا تھا۔ فصلوں کی حفاظت کے لیے بندے رکھتے تھے جو رات کو جا کر

چوری چھپے دیکھتے تھے کہ کوئی فصلوں کا نقصان تو نہیں کر رہا۔[۱]

شادی بیاہ

راجگڑھ کے مکین گاؤں میں شغل میلہ کرتے رہتے تھے۔ رات کو کچھ لوگ ہارمونیم اور کچھ ڈھول بجاتے تھے۔ شادیوں کے مواقع پر شغل میلہ بڑھ جاتا تھا۔ گاؤں میں آئی ہوئی کسی بارات کے قیام کے دوران ساری رات قوالیاں ہوتی تھیں۔ کچھ مرد ایسے مواقع پر ناچتے بھی تھے۔ مذاق میں بیلوں کے گلے میں نوٹوں کے ہار پہنا دیتے تھے۔ شادیوں کے کھانے میں عموماً چاولوں پر بورا اور لوٹے سے گھی ڈال کر دیتے تھے۔ لوگ بورا چاول پر کافی زیادہ گھی ڈال کر پی لیتے تھے۔ حویلی والوں کی ایک اور تیسرے محلہ والوں کی تین بیٹیاں سیدکھیڑی والوں سے بیاہی گئی تھیں۔ ایک دفعہ سیدکھیڑی سے بارات آئی تو سیدکھیڑی والے بیل کھول کر لائے اور اس پر راجگڑھ کے شریف شاہ کے نام کی ویل کروائی۔ جواب میں شریف شاہ بیل کھول کر لائے اور اس پر سیدکھیڑی والوں کے نام کی ویل کروائی۔[۲]

سیّدوں کے تیسرے محلہ کے رہائشی محمد نقی کی بیٹی ظہوری بیگم کی شادی سیدکھیڑی کے سیّدوں کے دوسرے محلہ کے رہائشی مظاہر حسین ولد راکب حسین نمبردار سے ہوئی۔ مظاہر کی بارات راجگڑھ آئی تو سیدکھیڑی میں ان کے محلہ دار منظور حسین اور تجمل حسین بھی ساتھ تھے۔ منظور کے ساتھ ان کا نوکر چنبیلا چمار اور تجمل کے ساتھ ان کا نوکر خیراتی چوڑھا بھی تھے۔ جب مہمان اور میزبان اکٹھے بیٹھ گئے تو اس وقت کے رواج کے مطابق شرکاء ویلیں کروانے لگے۔ حسب معمول کچھ لوگوں نے دوسروں سے بڑھ کر ویل کروائی۔ جو شخص جتنے روپے کی ویل کرواتا وہ رقم جیوا مراثی کو دیتا تھا۔ جیوا بلند آواز سے اس شخص کے نام اور رقم کا اعلان کرتا تھا۔ اس کے بعد جیوا ایک روپیہ رکھ کر باقی پیسے اس شخص کو واپس کر دیتا تھا۔ یعنی حقیقت میں ویل کروانے والے کا ایک روپیہ خرچ ہوتا تھا لیکن جتنے پیسوں کی ویل کا کسی نے اعلان کروانا ہوتا وہ ایک مرتبہ جیوا کو اتنے پیسے دیتا تھا تاکہ وہ سب لوگوں کو رقم دکھا دے۔ ایسے موقع پر لوگ اس طرح اپنی مالی طاقت اور برتری کا اظہار کرتے تھے۔ منظور نے اپنے نوکر چنبیلا چمار سے کہا: ”بیلوں کو نہلا اور سنگار کے لا۔“ چنبیلا چمار منظور کے بیل لے کر لوگوں کے درمیان آیا۔ پھر منظور سر پر پگڑی باندھے بڑی شان سے آگے آئے اور جیوا کو ۱۰۱ روپے دے کر کہا: ”چل بھئی سیّد منظور حسین ’رئیس اعظم سیدکھیڑی‘ کے نام کی ویل کروا۔“ جیوا نے سیّد منظور حسین ’رئیس اعظم سیدکھیڑی‘ کے نام کی ویل کروائی اور ۱۰۱ روپے لوگوں کو دکھانے کے بعد ایک روپیہ رکھا اور ۱۰۰ روپے منظور کو واپس کر دیے۔ تجمل جو منظور سے خار کھاتے تھے منظور کے شان و شوکت کے اظہار کو برداشت نہ کر سکے۔ وہ سیدکھیڑی سے ساتھ آئے ہوئے امام دین تیلی کے پاس گئے اور اس سے پوچھا: ”کوئی پیسے لایا ہے؟“ امام دین تیلی، جو بیوپار کرتا تھا، نے کہا: ”میرے پاس ۴۰۰ روپے ہیں۔“ تجمل

---

۱ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون/ بالمشافہ — نوشہرہ ورکاں — ۸ فروری، ۶ مارچ، ۲۱ جولائی ۲۰۱۸ء

۲ سیّد ذاکر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۴ اپریل ۲۰۱۱ء

نے وہ پیسے امام دین سے لے لیے۔ پھر تجمل راجگڑھ کے ابنِ حسن کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: ”تمہارے پاس گھر میں کتنے پیسے ہیں؟“ ابنِ حسن نے کہا: ”تم بتاؤ، تمہیں کتنے چاہئیں۔“ تجمل نے کہا: ”۱۱۰۰ روپے۔“ ابنِ حسن نے گھر سے ۱۱۰۰ روپے لا کر تجمل کو دے دیے۔ پھر تجمل نے اپنے نوکر خیراتی چوڑھے سے بیل لانے کا کہا۔ خیراتی چوڑھا تجمل کے بیل لے کر لوگوں کے درمیان آ گیا۔ تجمل بھی بڑے کرّوفر سے آئے اور بولے: ”لے جیوے ۱۵۰۵ روپے اور سیّد تجمل حسین ’ذیلدار سیدکھیڑی‘ کے نام کی ویل کروا۔“ جیوا نے سیّد تجمل حسین ’ذیلدار سیدکھیڑی‘ کے نام کی ویل کروائی اور حسب دستور پیسے لوگوں کو دکھا کر ایک روپیہ رکھا اور ۱۵۰۴ روپے تجمل کو واپس کر دیے۔ تجمل نے ابنِ حسن اور امام دین تیلی کا ادھار چکا دیا۔ اس کے بعد منظور کو تو ’رئیس اعظم‘ کے نام سے لوگوں نے یاد رکھا یا نہ رکھا البتہ تجمل کو ’ذیلدار‘ کہتے رہے۔[۱]

رضا نمبردار کی شادی ۱۹۱۶ء میں ہوئی تو انہوں نے راجگڑھ میں مجرا کروایا۔ ان کے عزیز رشتہ داروں اور دوست احباب نے مجرا دیکھا اور طوائف کو پیسے دیے۔ دوسرے دیہاتوں سے آنے والے ان کے جن رشتہ داروں نے ناچنے والی کو پیسے دیے ان میں سیدکھیڑی کے باقر حسین بھی شامل تھے۔[۲]

راجگڑھ میں کوئی شادی ہوتی تو روٹی اس وقت شروع ہوتی تھی جب مندرو نمبردار اور نتھو نمبردار آ کر بیٹھتے تھے۔ نتھو نمبردار کا ایک بھائی شریف تھا۔ ایک شادی میں میزبانوں نے شریف کو نہیں بلایا۔ جب روٹی کھانے کے لیے بیٹھے اور نتھو کو شریف نظر نہ آیا تو انہوں نے میزبان سے پوچھا: ”شریف کو کیوں نہیں بلایا؟“ کوئی جواب نہ ملنے پر نتھو نے کہا: ”سنبھال اپنی روٹی“ اور جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میزبان نے نتھو کی منت کی اور آدمی بھیج کر شریف کو بلایا، پھر کھانا شروع ہوا۔[۳]

راجگڑھ کے سیّدوں کو کسی شادی میں شرکت کرنے کے لیے باہر جانا ہوتا تو اپنے گڈے جوڑتے اور چلے جاتے تھے اور چار پانچ دن رہ کر آتے تھے۔ فصل کاشت کرنے کے بعد پانی تو دینا نہیں ہوتا تھا۔ بارشوں پر انحصار تھا۔ صرف جانوروں کے لیے پٹھے کاٹنے ہوتے تھے۔ وہ کسی کے ذِمّہ لگا کر خود آرام سے شادیوں میں شرکت کرتے تھے۔ شادیوں میں ایک وقت کی روٹی کوئی دیتا تھا اور دوسرے وقت کی روٹی کوئی اور دیتا تھا۔ شادی والے گھر پر سارا بوجھ نہیں پڑتا تھا۔

مذہبی ماحول

راجگڑھ میں راجپوتوں (رنگڑوں) کے آٹھ دس گھر تھے۔ ان کا محلہ علیحدہ تھا۔ وہ سب سنّی تھے اور ان کی مسجد علیحدہ تھی۔ شیعوں کی مسجد محمد رضا حسین نمبردار کے جانوروں کے باڑہ کے سامنے تھی اور سنّیوں کی مسجد سے بڑی تھی۔ سیّد سب شیعہ تھے اور ان کی آبادی بھی زیادہ تھی۔ رضا نمبردار باقاعدگی سے مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ مسیتے شاہ بھی پانچوں وقت کی نماز مسجد میں پڑھتے تھے۔ حاجی امیر علی شاہ کے ذِمّہ مسجد کا انتظام تھا۔ ان کی وفات کے بعد یہ ذِمّہ داری ان کے بیٹے صغیر

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۲ یادداشتیں سیّد محمد رضا حسین ولد علی حسین نمبردار — قلمی نسخہ — کبیروالا

۳ سیّد ذاکر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۴ اپریل ۲۰۱۱ء

حسین کو منتقل ہوئی۔ مسجد میں لوگ عموماً فرادا نماز ادا کرتے تھے۔ کبھی کبھار کوئی مولوی صاحب بھی رکھ لیتے تھے۔ تاہم زیادہ تر لوگوں کو نماز میں دلچسپی نہیں تھی۔ تقسیم ہند سے پہلے بھریلی کے مولوی ابنِ حسن مسجد میں بچّوں کو قرآن پڑھاتے اور مذہبی تعلیم دیتے تھے۔

گاؤں میں عزاداری کی سرپرستی محمد رضا حسین نمبردار کرتے تھے۔ مسجد کے ساتھ ہی امام بارگاہ کی عمارت تھی۔ مسجد پہلے تعمیر ہوئی تھی اور امام بارگاہ بعد میں تعمیر ہوا تھا۔ امام بارگاہ میں ایک حصّہ مردوں اور ایک عورتوں کا تھا۔ دونوں حصّے ساتھ ساتھ تھے اور درمیان میں دروازہ لگا ہوا تھا۔ گاؤں کی عورتیں مجالس میں مرثیے بڑے شوق سے پڑھتی تھیں۔ کنیز دختر صغیر حسین بھی مرثیے پڑھتی تھیں۔ مردانہ مجالس میں سوز خوانی ہوتی تھی۔ مجالس پڑھنے کے لیے باہر سے علماء کو عموماً نہیں بلاتے تھے۔ تاہم مولانا بشیر فاتح ٹیکسلا مجلس پڑھنے کے لیے گوہلہ آتے تو راجگڑھ بھی آجاتے تھے اور وہاں مجلس پڑھتے تھے۔ راجگڑھ کے سیّدوں نے تیسرے محلہ میں کربلا بنائی ہوئی تھی جس کی پکی چار دیواری تھی۔ کربلا میں لوگ عید کی نماز بھی پڑھتے تھے۔ اس طرح کربلا عید گاہ کا کام بھی دیتی تھی۔ محرم میں دس دن مجالس ہوتی تھیں۔ دس محرم کو جلوس امام بارگاہ سے برآمد ہو کر کربلا تک جاتا تھا۔ جلوس کی حفاظت کے لیے پولیس آجاتی تھی تاکہ کوئی جھگڑا نہ ہو۔ سکھ سپاہی پوچھتے تھے کہ کیا مسئلہ ہے اور جلوس کیوں نکالتے ہیں۔ لوگ انہیں بتاتے تھے کہ کربلا میں امام حسین علیہ السّلام کو شہید کیا گیا تھا۔ سکھ پوچھتے تھے کہ انہیں کس نے شہید کیا تو لوگ کہتے تھے کہ شہید کرنے والے بھی مسلمان تھے۔ گاؤں کے سنّی محرم کی مجالس اور جلوس میں شرکت نہیں کرتے تھے۔ راجگڑھ والے محرم اور چہلم کی مجالس میں شرکت کے لیے پٹیالہ بھی جاتے تھے۔ پٹیالہ والے گاڑیاں بھیجتے تھے۔ گاڑیاں جانے والوں کو واپس گاؤں چھوڑ کر جاتی تھیں۔ محرم کے موقع پر کبھی سید کھیڑی والے بلاتے تو وہاں بھی چلے جاتے تھے۔ ۱۹۳۹ء میں لکھنؤ میں ایجی ٹیشن ہوا تو راجگڑھ سے بھی تین چار افراد نے گرفتاری دی جن میں منوّر حسین ولد تصوّر حسین بھی شامل تھے۔

سیّد ہادی حسین کے مطابق: ”ایک دفعہ راجگڑھ میں خبر آئی کہ بنوڑ میں ’معجزہ‘ ہوا ہے۔ عَلم کے پنجہ میں آدمی نظر آرہے ہیں۔ گاؤں والوں نے چھ سات گڈے جوڑے اور عورتیں، مرد سب بنوڑ گئے۔ وہاں امام بارگاہ میں پہنچے تو دیکھا کہ عَلم کے پنجہ پر سورج کی چمک پڑتی تو کچھ اثر پڑتا تھا اور منتظمین کہتے تھے: ’دیکھو جی نظر آرہا ہے۔‘ جو کہتا تھا: ’مجھے تو کچھ نظر نہیں آتا‘ تو اسے وہ کہتے تھے: ’پہلے غسل کر کے آؤ، پھر تمہیں پتہ لگے گا۔‘ اس طرح کے بہانے کرتے تھے۔ راجگڑھ والے رات وہاں رہے اور اگلے دن واپس آگئے۔“

ریاست پٹیالہ میں گائے ذبح کرنے پر پابندی تھی۔ راجگڑھ والے بڑا گوشت انبالہ سے لاتے تھے جہاں گوشت مارکیٹ تھی۔ اگرچہ سکھ سب کچھ کھا لیتے تھے اور حکومت بھی سکھوں کی تھی، تاہم ہندو رعایا کو مطمئن کرنے کے لیے پٹیالہ ریاست میں بڑے جانور کو ذبح کرنے پر پابندی تھی۔ بڑی عید کے دن پولیس والے راجگڑھ میں آتے تھے تاکہ دیکھیں کوئی بڑا جانور تو ذبح نہیں کر رہا۔ راجگڑھ والے اپنے گاؤں میں بکروں کی ہی قربانی کرتے تھے۔ دریائے گھگر کے پار راجپوت مسلمانوں کا گاؤں ڈڈیانہ تھا جو ضلع انبالہ میں آتا تھا۔ اس گاؤں میں کوئی ہندو نہیں تھا۔ راجگڑھ کے کچھ لوگ عید کے دن

ڈڈیانہ جا کر بڑے جانور کی قربانی کرتے تھے۔ کچھ لوگ پہلے ہی سے ڈڈیانہ والوں کے ساتھ قربانی میں حصّہ ڈال دیتے تھے۔ رات کو پولیس والے راجگڑھ سے واپس چلے جاتے تو گاؤں کے لوگ ڈڈیانہ جا کر بڑے جانور کی قربانی کا گوشت لے آتے تھے اور کھاتے تھے۔

راجگڑھ کے بچّے نزدیکی ہندوؤں کے گاؤں ٹیپلہ کے پرائمری سکول میں پڑھتے تھے۔ سکول کے ساتھ تین چار مندر تھے۔ مسلمان بچّے بھی عموماً مندروں میں چلے جاتے تھے اور ہندوؤں کو پتہ نہیں چلتا تھا۔ اگر ہندوؤں کو پتہ چل جاتا تو وہ مسلمان بچّوں کو نکال دیتے تھے۔ مندروں میں ہندوؤں نے مور رکھے ہوئے تھے۔ جب کوئی مور مستی میں آتا تو اپنی دُم کے پر پھیلا کر پیل ڈالتا تھا اور مورنی اس کے پاس بیٹھتی تھی۔ انہیں دیکھ سکتے تھے لیکن چھیڑ نہیں سکتے تھے۔ مندر کی انتظامیہ کے لوگ کِسی کو ان کے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ ہندو انہیں پوجتے تھے اور اسی لیے مور مندر میں بے خوف پھرتے تھے۔ ہندو نیم اور پیپل کے درختوں کو بھی پوجتے تھے۔ ٹیپلہ میں نیم کے ایک درخت سے قطرہ قطرہ پانی نکلتا تھا۔ وہاں ٹین رکھ دیتے تھے اور پھر ٹین سے بوتلیں بھر لیتے تھے۔ نیم کے درخت سے نکلا ہوا پانی بہت کڑوا ہوتا تھا۔ جو ایک چمچہ پی لیتا اسے کبھی پھنسی پھوڑا نہیں نکلتا تھا۔ نیم کے درخت کی ہوا بھی دور دور تک چلتی تھی جس سے منہ کڑوے ہو جاتے تھے۔

راجگڑھ میں مسلمانوں کے آپس میں اور ہندوؤں کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے۔ اپنے اپنے مسلک پر عمل کرتے تھے۔ ہندوؤں کا کوئی مندر نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے محلہ میں ایک چھوٹا سا گھر بنایا ہوا تھا جسے ماتا دیوی کہتے تھے۔ وہاں بت رکھے ہوئے تھے اور ہندو پوجا کرتے تھے۔ ہندو گجروں کے تین چار گھر تھے۔ بارو گجر، ناتھو گجر وغیرہ کے گھر تھے۔ ان کی اپنی زمینیں تھیں اور وہ کاشتکاری کرتے تھے۔ ہندوؤں کے ساتھ شادی بیاہ وغیرہ میں آنا جانا نہیں تھا لیکن میل ملاقات تھی۔ ایک دوسرے کے ساتھ اچھے طریقہ سے برتاؤ کرتے تھے۔ کوئی کِسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا تھا۔ چوڑھے، چماروں اور چامڑوں کی بستیاں گاؤں سے باہر تھیں۔ انہیں گاؤں میں آباد نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ سب ہندو تھے۔ چوڑھے فضلہ صاف کرتے تھے، چمار چمڑا رنگتے تھے اور چامڑ مرے ہوئے جانوروں کی کھال اتارتے تھے۔ چامڑوں کے ۱۵، ۲۰ گھر تھے اور ان کی اپنی ایک بستی تھی۔ چوڑھے، چماروں کی بستی علیحدہ تھی۔ چامڑوں کو نزدیکی گاؤں کے مسلمان راجپوت لے گئے تھے جب کہ چوڑھے، چمار وہیں رہتے تھے۔ راجپوتوں نے چامڑوں سے کہا: "تمہیں راجگڑھ والے تنگ کرتے ہیں، ہمارے پاس آ جاؤ۔" راجپوتوں کو کام کروانے کے لیے چامڑوں کی ضرورت تھی۔ ایک رات اچانک سب چامڑ چلے گئے۔ راجگڑھ والوں نے صبح اٹھ کر چامڑوں کے خالی گھر دیکھے تو پتہ چلا کہ انہیں راجپوت لے گئے ہیں۔[1]

---

۱ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون/ بالمشافہ ـــ نوشہرہ ورکاں ـــ ۱۷ جنوری، ۲ فروری، ۲ مارچ ۲۰۱۸ء

چوتھا باب

سیانہ سیداں کا اجڑنا

۱۴-۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند کے وقت ضلع کرنال کی تحصیل کیتھل کے گاؤں سیانہ سیداں میں جو ترمذی سادات رہتے تھے ان کے آباء ۱۰۴۱ ہجری میں ترمذ سے آکر وہاں آباد ہوئے تھے۔ ارد گرد کے علاقوں میں مسلمانوں پر حملوں کے باوجود سیانہ کے مسلمان بہت سے دوسرے دیہاتوں کے مسلمانوں کی طرح اپنا گاؤں چھوڑنے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ نہیں تھے۔ تاہم ہزاروں بلوائیوں کے ان پر حملہ کرنے کے حتمی پروگرام کی مصدقہ اطلاع ملنے پر سیّدوں اور دوسرے مسلمانوں نے ۲۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو حملہ آوروں کی آمد سے چار گھنٹے پہلے گاؤں چھوڑا۔ گاؤں چھوڑنے سے پہلے اور بعد میں جس خوف و ہراس سے وہ گزرے، ارنئے کی لڑائی میں جو مؤثر کردار انہوں نے ادا کیا اور ہجرت کے دوران جن خطرات اور مصائب کا انہوں نے سامنا کیا اس کی کچھ تفصیل عینی گواہوں کی زبانی مندرجہ ذیل ہے:

سیّد جرار حسین نے کہا: ”جہانیاں کے رہنے والے عنایت علی شاہ کرنال میں ڈی ایس پی (ڈپٹی سپرانٹنڈنٹ پولیس) تعینات تھے۔ وہ میرے ابّا جی (سجاد حسین) کے دوست تھے۔ قیام پاکستان سے دو ماہ پہلے ان کی ابّا جی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ابّا جی سے پوچھا: ’کیا آپ کے پاس بندوق ہے؟‘ ابّا جی نے ہاں میں جواب دیا تو ڈی ایس پی نے کہا: ’میر صاحب! حالات خرابی کی طرف جا رہے ہیں۔ تین چار سو کارتوس خرید لیں، کام آئیں گے۔‘ ابّا جی نے ان کے مشورہ پر عمل کیا۔“ [۱]

سیّد غلام حسن نے کہا: ”میرے تایا احمد حسین نے تقسیم ہند سے پہلے پائی جانے والی کشیدگی کے دوران تیسری شادی بروالہ میں کی تھی۔ شادی کے بعد وہ پہلی دفعہ بیوی کو چھوڑنے بروالہ گئے اور پروگرام کے مطابق جلد واپس نہ آئے تو سیانہ میں افواہ پھیل گئی کہ انہیں بلوائیوں نے قتل کر دیا ہے۔ تاہم کچھ دن بعد وہ واپس آ گئے۔“ [۲]

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: ”قیام پاکستان کے اعلان سے پہلے میں اسماعیل آباد کے انگلش میڈیم سکول میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ ہمارے گاؤں کے جرار حسین ولد سجاد حسین اور حسنین علی ولد سجاد حسین بھی اسی سکول میں بالترتیب ساتویں اور چھٹی جماعتوں کے طالب علم تھے۔ پاکستان بننے کی تحریک عروج پر پہنچی تو مسلمان اور کچھ ہندو بچّوں میں کشیدگی رہتی تھی۔ مسلمان بچّے اگر اسلام کی بات کرتے تو ہندو بچّے ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ مسلمان بچّے قائداعظم کی تعریف کرتے تھے جب کہ ہندو بچّے قائداعظم کو مسٹر جناح کہہ کر پکارتے اور ان پر تنقید کرتے تھے۔ مسلمان اور ہندو بچّوں کی آپس میں لڑائی بھی ہو جاتی تھی۔ تقسیم ہند کے بعد کشیدگی مزید بڑھی تو ہمارے بزرگوں نے گاؤں کے ایک ڈوگر کو بھیجا جو ہم تینوں کو

---

۱ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ جھنگ ـــ ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ـــ گفتگو ہمراہ مولف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء

اپنے ساتھ سیانہ سیداں لے آیا۔" [1]

سیّدہ زبیدہ بیگم نے کہا: "میری شادی گوہلہ میں ہوئی تھی۔ میں اپنے والدین کے پاس سیانہ آئی ہوئی تھی۔ گوہلہ واپس جانے لگی تو تقسیم ہند کا اعلان ہو چکا تھا۔ حالات خراب ہونے کی وجہ سے میری ماں (بتول) مجھے چھوڑنے میرے ساتھ رتھ میں آئیں۔ وہ واپس جانے لگیں تو سیانہ سے گوہلہ آئے ہوئے اقبال حسین ولد سجاد حسین اور شریفن زوجہ سراج نائی بھی ان کے ساتھ اسی رتھ میں بیٹھ گئے۔ رتھ کو چلانے والا ایک ہندو تھا تاکہ کسی ممکنہ حملہ کا خطرہ کم ہو جائے۔ وہ خیریت سے سیانہ واپس پہنچ گئے۔" [2]

سیّد سالم حسین نے کہا: "قیام پاکستان کے اعلان کے بعد کشیدگی میں اضافہ ہوا تو گاؤں کے کچھ لوگوں نے سجاد حسین سے بندوقیں خرید کر لانے کا کہا۔ سجاد نے اس کی مخالفت کی۔ جب حالات اور زیادہ بگڑ گئے تو سجاد بندوقیں لانے پر رضامند ہوئے لیکن اس وقت سب راستے بند ہو چکے تھے۔" [3]

ٹھیکری پہرہ

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: "تقسیم ہند کے اعلان کے بعد جب مسلمان دیہاتوں پر ہندو، سکھ بلوائیوں کے حملے شروع ہوئے تو سیانہ سیداں کے مسلمانوں نے اپنے گاؤں کا پہرہ دینا شروع کر دیا جسے ٹھیکری پہرہ کہتے تھے۔ دس آدمی دن میں اور دس رات کو پہرہ دیتے تھے۔ ٹھیکریوں پہ گاؤں کے مسلمان مردوں کے نام لکھ کر انہیں ایک گھڑے میں ڈال دیتے تھے۔ پھر صبح و شام دس دس ٹھیکریوں کو نکالتے تھے۔ جن کے نام نکل آتے وہ پہرہ دیتے تھے۔ گاؤں میں چار راستے تھے جہاں سے حملہ آور داخل ہو سکتے تھے۔ ہر راستہ کے داخلہ کی جگہ پر دو دو آدمی بیٹھ جاتے تھے۔ جب کہ دو آدمی ایک راستہ کے داخلہ کی جگہ سے دوسرے راستہ کے داخلہ کی جگہ تک گشت کرتے تھے اور وہاں بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کی جگہ لے لیتے تھے۔ وہ دو آدمی اٹھ کر تیسرے راستہ کے داخلہ کی جگہ تک گشت کرتے تھے اور وہاں بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کو تبدیل کرتے تھے۔ تیسرے راستہ کے داخلہ کی جگہ سے اٹھے ہوئے آدمی چوتھے راستہ کے داخلہ کی جگہ تک گشت کرتے تھے اور وہاں بیٹھے ہوئے آدمیوں کو تبدیل کرتے تھے۔ اس طرح ساری رات اور سارا دن دو آدمی ہر راستہ پر نظر رکھتے تھے اور دو آدمی گاؤں کے اردگرد گشت کرتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی ایک جگہ بیٹھے بیٹھے سو نہیں سکتا تھا۔ ہر پہریدار گنڈاسا اور کلہاڑی سے مسلح ہوتا تھا۔ ہر راستہ کے داخلہ کی جگہ پر جہاں دو پہریدار ہر وقت موجود ہوتے تھے ایک ڈھول بھی رکھتے تھے تاکہ حملہ کی

---

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء، ۲۳ جنوری ۲۰۱۱ء

۲ سیّدہ زبیدہ بیگم دختر نور محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۳ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

صورت میں پہرہ دینے والے ڈھول بجا کر گاؤں والوں کو چوکنّا کر دیں۔" [۱]

سیّد غلام حسن نے کہا: "تقسیم ہند کے اعلان کے بعد حملے شروع ہوئے تو سیانہ کے سفید پوش میر سجاد حسین نے باکھلی کے ہندو ذیلدار سے زبانی معاہدہ کیا تھا: 'تو جاٹوں (ہندوؤں) کو نہیں چڑھنے دے گا اور میں راجپوتوں (مسلمانوں) کو نہیں چڑھنے دوں گا۔' یعنی دونوں اپنے زیر اثر لوگوں کو ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے روکیں گے۔" [۲]

محمد بشیر نے کہا: "باکھلی کا ہندو ذیلدار سیانہ کے سجاد حسین کا دوست تھا اور تقسیم ہند کے اعلان کے بعد ہونے والے فسادات کے دنوں میں روزانہ کی بنیاد پر انہیں حالات سے باخبر رکھتا تھا۔" [۳]

سیّد سالم حسین نے کہا: "سیانہ اور گوہلہ کے درمیان ہندو جاٹوں کے گاؤں بھاگل میں ۴ ستمبر ۱۹۴۷ء سے ہندو اور سکھ بلوائی اکٹھا ہونا شروع ہوئے اور دس روز میں کوئی ۲۰،۰۰۰ حملہ آور اکٹھا ہو گئے۔ سیانہ سمیت مسلمانوں کے مختلف دیہات ان کے نشانہ پر تھے۔ باکھلی کا ہندو ذیلدار سیانہ پر حملہ کرنے کی مخالفت کرتا تھا اور اسی وجہ سے سیانہ کے اجڑنے میں کچھ دن کی تاخیر ہوئی۔"

سجاد کے نوکر جِندا کا قتل

سیّد سالم حسین نے کہا: "سجاد حسین نے اپنے نوکر فرزند علی عرف جِندا کو آٹا پسوانے کے لیے پیہوہ بھیجا۔ حسب معمول گاؤں کے کچھ اور لوگ بھی اپنے گھروں کے لیے سودا سلف لانے کے لیے جِندا کے ساتھ گڈے پر بیٹھ گئے۔ جِندا کے ساتھ مندرجہ ذیل پانچ افراد پیہوہ گئے: جِندا کا کزن محمد رفیق، قطبہ کمہار، امیر باز، لیاقت علی اور بولے شاہ۔ جب یہ لوگ پیہوہ پہنچے تو دیکھا کہ آٹے کی چکی کے سامنے ایک گھر جل رہا ہے۔ انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور گندم کی بوریاں آٹا پیسنے کے لیے چکی والے کے حوالہ کر کے خود سودا سلف لینے کے لیے بازار چلے گئے۔ بازار میں بھگت رام عرف بھگتو بانیا کی ایک دکان تھی۔ بھگتو بانیا پونڈری کا رہنے والا تھا اور اس کی شادی گوہلہ میں ہوئی تھی۔ وہ پونڈری چھوڑ کر پیہوہ میں آ بسا تھا۔ وہ ایک شریف اور نیک دِل انسان تھا۔ سیانہ والوں کے اس کے ساتھ اچھے تعلقات بن گئے تھے۔ وہ جب پیہوہ آتے تو اسی کی دکان سے سودا سلف خریدتے تھے۔ جِندا اور اس کے ساتھی بھگتو کی دکان پر پہنچے تو بھگتو نے پوچھا: 'تم لوگ پیہوہ کیوں آئے ہو؟' انہوں نے جواب دیا: 'ہم آٹا پسوانے آئے ہیں۔ سوچا گھروں کے لیے سودا بھی لے جائیں۔' بھگتو بولا: 'سودا کا لفظ منہ سے مت نکالو۔ تم نے چکی کے سامنے جلتا گھر نہیں دیکھا۔ وہاں ایک مسلمان رہتا تھا جسے قتل کر کے اس کے گھر کو جلا دیا گیا ہے۔ آج یہاں مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے جگہ جگہ گروہ اکٹھے ہوئے ہیں۔ اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو آٹے کو چھوڑو اور جس راستہ سے نکل سکتے ہو یہاں سے نکل جاؤ۔ زیادہ بات نہیں کر سکتا ورنہ مجھے کاٹ دیں گے۔'"

---

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

۲ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

۳ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء

سیّد سالم حسین نے کہا: ”بھگتو بانیا کی بات سنتے ہی امیر باز فوراً پیہوہ سے نکل گیا۔ اس کے بال بڑھے ہوئے تھے اور اس کی عمر ۶۰ سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ جس راستہ سے پیہوہ سے نکلا اس پر ہندوؤں کی ایک ٹولی کھڑی تھی۔ وہ ہندوؤں کی ٹولی سے دس قدم آگے گیا تو پیچھے سے ایک ہندو نے اپنے ساتھیوں سے کہا: 'کہیں یہ مُسلا تو نہیں جا رہا؟' یہ سن کر امیر باز تیزی سے بھاگا اور جنگل میں داخل ہو گیا۔ وہ جنگل کے سب راستوں سے واقف تھا۔ خیریت سے سیانہ پہنچ گیا اور ہمیں حالات سے آگاہ کیا۔ امیر باز کے جاتے ہی باقی پانچ ساتھیوں نے آپس میں مشورہ کیا تو جِندا، قطبہ اور لیاقت نے آٹا لے کر واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا جب کہ رفیق اور بولے شاہ نے دوسرے راستہ سے نکل جانے کو ترجیح دی۔ جس راستہ سے رفیق اور بولے شاہ پیہوہ سے نکلے وہاں آگے کھلی جگہ پر بہت سے ہندو ٹولیاں بنا کر بیٹھے تھے۔ کچھ تاش کھیل رہے تھے اور کچھ چر کٹ۔ وہ دراصل شکار کی تلاش میں بیٹھے تھے کہ وہاں سے جو بھی مسلمان گزریں انہیں مار دیں۔ رفیق اور بولے شاہ کو ان کی چھٹی حس نے خطرہ کا احساس دلایا۔ رفیق نے بولے شاہ سے کہا: 'ایک ترکیب ہے کہ ہم بھی چر کٹ بنائیں اور کھیلنے لگ جائیں۔' وہ دونوں جوڑی بنا کر ہندوؤں کے قریب بیٹھ گئے، چر کٹ بنایا اور کھیلنے لگے۔ وہ کئی گھنٹے وہاں بیٹھے کھیلتے رہے۔ آہستہ آہستہ لوگ اٹھنا شروع ہو گئے۔ جب آخری ٹولی کے افراد بھی اٹھ کر چلے گئے تو رفیق اور بولے شاہ بھی اٹھے اور سیانہ کا راستہ پکڑا۔ وہ شام تک بخیریت اپنے گاؤں پہنچ گئے اور ہمیں اپنی روداد سنائی۔“

سیّد سالم حسین نے کہا: ”باقی تینوں یعنی جِندا، قطبہ اور لیاقت چکی پر واپس آئے، آٹا لیا اور گڈے پر بیٹھ کر سیانہ کے لیے چل پڑے۔ قطبہ کے پاس گنڈاسا تھا جب کہ جِندا اور لیاقت خالی ہاتھ تھے۔ جب وہ پیہوہ سے نکلے تو دیکھا کہ ۲۰ آدمیوں کا ایک ٹولہ ان کے پیچھے لگ گیا۔ شہر اور نہر کے درمیان مالیانوالہ کنویں کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ بلوائیوں کا ایک ٹولہ وہاں بھی بیٹھا ہے۔ حملہ آوروں کا ایک اور ٹولہ نہر کے پل پر قبضہ کیے ہوئے نظر آیا۔ خطرہ کو بھانپتے ہوئے قطبہ نے کہا: 'لگتا ہے اپنی موت آ پہنچی۔ اگر گڈے پر سوار رہے تو تینوں مارے جائیں گے۔ اترو اور بھاگو۔' جِندا بولا: 'بیسیاں نوں کلا بھتیرا اوں' (کئی بیس آدمیوں کو اکیلا کافی ہوں)۔ قطبہ اپنا گنڈاسا لیے ہوئے گڈے سے اترا اور ساتھ ہی لیاقت بھی اتر گیا۔ لیکن سجاد کا نوکر جِندا نہ اترا۔ قطبہ اور لیاقت گڈے سے اترتے ہی کھیتوں میں بھاگنے لگے۔ کنویں پر بیٹھے ہوئے حملہ آور ان کے پیچھے بھاگے۔ پیچھے سے آنے والے ۲۰ حملہ آوروں کے ٹولے نے جِندا کو آ دبوچا۔ ان میں سے کچھ نے کہا: 'یہ گائے ذبح کرتا ہے، اسے مار دو۔' پھر جِندا کے ٹکڑے کر کے راستہ کے ساتھ کھیتوں میں کھڑے پانی میں پھینک دیے۔ اسی راستہ پر ایک چوڑھی آ رہی تھی جس نے جِندا کے قتل کا منظر دیکھا اور سیانہ آکر بیان کیا۔ قطبہ اور لیاقت کھیتوں میں بھاگتے ہوئے نہر کے قریب پہنچ گئے۔ نہر کے کنارے کے ساتھ کھیتوں میں بلند اور گھنے سرکانے اگے ہوئے تھے۔ وہ سرکانوں میں چھپ گئے۔ لیاقت پتلا دبلا تھا۔ قطبہ نے لیاقت سے کہا: 'تمہارے لیے تیزی سے نہر عبور کرنا مشکل ہے۔ اس لیے تم یہیں چھپے رہو۔ کوئی آواز نہ نکالنا اور جب خطرہ ٹل جائے تو یہاں سے نکلنا۔' قطبہ خود سرکانوں سے نکل کر کنارے پر آیا اور نہر میں چھلانگ لگا دی۔ حملہ آوروں نے بھی قطبہ کو سرکانوں سے نکلتے اور نہر میں کودتے دیکھ لیا۔ ان میں سے چار افراد نے قطبہ کو پکڑنے اور مارنے کے لیے نہر میں چھلانگ لگائی۔ قطبہ ان سے پہلے نہر پار کر گیا۔ دوسرے کنارے پر پہنچنے کے بعد بھاگنے کی بجائے وہ

کھڑا ہو گیا اور گنڈاسا لہرا کر حملہ آوروں کو قریب آنے کی دعوت دی۔ وہ خشکی پہ کھڑا تھا اور حملہ آور پانی میں تھے۔ اسے اپنی مضبوط پوزیشن کا علم تھا۔ وہ پُراعتماد تھا کہ کسی بھی حملہ آور کو آسانی سے خشکی پہ آنے کا موقع نہیں دے گا۔ حملہ آوروں کو بھی اپنی کمزوری کا احساس ہو گیا اور وہ کوئی خطرہ مول لیے بغیر واپس ہو گئے۔ ادھر باقی حملہ آوروں نے لیاقت کو ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی لیکن پتلا دبلا لیاقت بلند اور گھنے سرکانوں میں انہیں نظر نہ آیا۔قطبہ نے گاؤں پہنچ کر ہمیں حالات کے بارے میں آگاہ کیا۔" ①

تھانیسر، سَل پانی اور تصوّر

سیّد تصوّر حسین نے کہا: "تقسیم ہند کے وقت میں تھانیسر میں آٹھویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ وہاں میں برکت کے بہنوئی علیم الدین کے پاس رہتا تھا۔ اگست ۱۹۴۷ء کے آخری دنوں میں ایک رات ہندوؤں نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا جس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ میں بھی احتجاج کرنے والوں میں شامل تھا۔ ہم احتجاج کرتے ہوئے تھانہ پہنچے اور قاتلوں کے خلاف پرچہ کاٹنے پر اصرار کیا۔ لیکن پولیس نے پرچہ کاٹنے سے انکار کر دیا اور احتجاج کرنے والے مسلمانوں کی ایک نہ سنی۔ مسلمانوں کو اندازہ ہو گیا کہ حالات ان کے خلاف جا رہے ہیں۔ دو دن بعد ہندوؤں نے مسلمانوں کے علاقہ پر حملہ کر دیا۔ مسلمان پہلے سے چوکنّا تھے اور انہوں نے اس حملہ کا بھرپور جواب دیا۔ ہندوؤں کی طرف سے دو فائر ہوتے تو مسلمان جواب میں چھ فائر کرتے تھے۔ ہندوؤں کا حملہ ناکام ہو گیا۔ اگلے دن تھانیسر کے مسلمانوں نے رات کو ایک میٹنگ کی اور شہر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ ہم قافلہ کی صورت میں سَل پانی آ گئے۔ سَل پانی ایک بڑا گاؤں تھا جہاں راجپوتوں اور سیّدوں کی اکثریت تھی جب کہ تھانیسر کے مسلمانوں میں اکثریت شیخوں اور پٹھانوں کی تھی۔ سَل پانی کے ہر گھر میں تھانیسر کے کئی کئی کنبے آ کر ٹھہر گئے۔ علیم الدین اور ان کی زوجہ نتھو کے ساتھ میں سَل پانی کے ایک پٹھان کے گھر میں ٹھہرا۔ اس گھر میں تھانیسر کے سات اور کنبوں نے بھی پناہ لی تھی۔ اتنے لوگوں کے لیے کھانے کا انتظام کرنا ایک بڑا مسئلہ تھا۔ رات کا کھانا عموماً آدھی رات کے قریب ملتا تھا اگرچہ اس وقت لوگ سرِ شام کھانے کے عادی تھے۔ کسی وقت کچھ لوگوں کو کھانا نہیں ملتا تھا۔ میرے ذِمّہ پانی بھرنے کی ڈیوٹی تھی۔ میں سارا دن کنوئیں میں ڈول ڈال کر پانی نکالتا تھا تاکہ آٹھ نو کنبوں کی ضرورت پوری ہو سکے۔ میرے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے تھے۔ میں وہاں بہت مصیبت میں تھا اور ہر وقت وہاں سے نکلنے اور اپنے گاؤں سیانہ سیداں پہنچنے کی دُعا کرتا رہتا تھا۔ سَل پانی میں نفسا نفسی کا عالم تھا۔ ہر ایک کو اپنی پڑی تھی۔"

سیّد تصوّر حسین نے کہا: "سَل پانی میں آنے کے ۱۵ دن بعد میں نے کسی سے سنا کہ سیانہ کے نزدیکی گاؤں ٹلہیڑی سے دو آدمی آئے ہیں۔ میں ان کا پتہ کرتے ہوئے ان کے پاس پہنچ گیا۔ ٹلہیڑی سے آئے ہوئے دونوں آدمی نوجوان تھے۔ ایک سیدو فقیر اور دوسرا نیاز محمد راجپوت تھا۔ سیدو فقیر کی بہن سَل پانی میں رہتی تھی اور وہ اپنے ساتھی کے ساتھ اپنی بہن

---

۱ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء، ۳ ستمبر ۲۰۱۱ء

کے گھر ٹھہرا تھا۔ سیدو فقیر کی ایک اور بہن کی شادی سیانہ سیداں میں ہوئی تھی۔ میں نے سیدو اور نیاز محمد کے نام پہلے سے سنے ہوئے تھے۔ میں ان سے ملا، اپنا تعارف کروایا اور کہا: 'ٹلہیڑی واپس جاتے ہوئے مجھے بھی ساتھ لیتے جانا۔' انہوں نے جواب دیا: 'ہم رات یہیں رہیں گے اور صبح واپس جائیں گے۔ اگر تم نے جانا ہے تو رات ہمارے پاس ہی آ جاؤ۔' میں رات ان کے پاس رہا اور صبح ان کے ہمراہ ٹلہیڑی کے لیے پیدل سفر اختیار کیا۔ راستہ میں کافی بارش ہوئی اور جگہ جگہ پانی کھڑا تھا۔ ہماری ملاقات آنے جانے والے مسلمانوں سے ہوئی جنھوں نے کئی دیہاتوں سے مسلمانوں کے اجڑنے کی خبریں سنائیں۔ خصوصاً جن دیہاتوں میں مسلمانوں کے گھر کم تھے وہ اٹھ کر نزدیکی مسلمانوں کی اکثریت والے گاؤں میں چلے گئے تھے۔ ٹلہیڑی پہنچتے پہنچتے ہمیں رات ہو گئی۔"

سیّد تصوّر حسین نے کہا: "میں ٹلہیڑی میں سیدو کے گھر ٹھہرا۔ اگلے دن صبح ناشتہ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ سیانہ سیداں کے برکت اور دو اور آدمی وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا: 'ہم بندوقیں لینے ٹھسکہ جا رہے ہیں۔' میں نے ان سے کہا: 'آگے خطرہ ہے۔ کئی گاؤں اجڑ چکے ہیں۔ آگے نہ جائیں۔' برکت نے کہا: 'ہم ضرور جائیں گے، ہم نے بندوقیں لانی ہیں۔ ہماری کچھ امداد کرو۔' میرے پاس ۱۰ روپے تھے جو میں نے انہیں دے دیے۔ ٹلہیڑی میں رہتے ہوئے تین دن گزر گئے تو میں نے سیدو سے کہا مجھے میرے گاؤں چھوڑ آؤ۔ سیدو اسی دن مجھے سیانہ چھوڑنے کے لیے چلا۔ آدھا راستہ طے ہوا تھا کہ سیانہ سے آنے والے کچھ مزدور ہمیں ملے جو گنگھیڑی فصل کاٹنے جا رہے تھے۔ میں نے انہیں آگے خطرہ سے آگاہ کیا اور واپس گاؤں جانے کا مشورہ دیا۔ دو مزدوروں نے سیانہ واپس جانے کا فیصلہ کیا جب کہ باقیوں نے میری بات کی پرواہ نہ کی اور گنگھیڑی کی طرف چلے گئے۔ مزدوروں کے ملنے کے بعد میں نے سیدو کو وہیں سے ٹلہیڑی واپس بھیج دیا اور خود مزدوروں کے ساتھ سیانہ پہنچ گیا۔ جس دن میں سیانہ پہنچا اسی دن سجاد کا نوکر جِندا قتل ہوا تھا۔ میں نے سجاد کے دیوان خانہ میں بزرگوں کو اکٹھے ہوتے دیکھا۔" [1]

سیانہ چھوڑنے کا فیصلہ

سیّد سالم حسین نے کہا: "جِندا کے پیہوہ میں قتل ہو جانے کی خبر سجاد کو ملی تو انہوں نے باکھلی کے اپنے ہندو ذیلدار دوست کو بلایا، اسے اس واقعہ سے آگاہ کیا اور اس سلسلہ میں ضروری اقدامات کے لیے اس کا تعاون چاہا۔ ذیلدار نے کہا: 'میر صاحب! ہر طرف حالات بہت خراب ہیں۔ آپ کا جو نوکر قتل ہو گیا اس کے متعلق میں کچھ نہیں کر سکتا۔' البتہ ذیلدار نے اپنے آدمی بھیج کر گڈا اور آٹا منگوا لیا۔" [2]

سیّدہ زبیدہ بیگم نے کہا: "میرے والد مجھ سے ملنے گوہلہ آئے تھے۔ وہ اسی دن سیانہ واپس پہنچے جس دن سجاد کا نوکر

---

۱ سیّد تصور حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۵ فروری ۲۰۱۱ء

۲ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

جِندا قتل ہوا۔" ①

سیّد سالم حسین نے کہا: "سجاد کا نوکر جِندا ۱۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو قتل ہوا۔ اسی دن شام کو باکھلی کا ہندو ذیلدار سجاد سے ملنے دوبارہ سیانہ آیا۔ وہ کافی گھبرایا ہوا تھا۔ ذیلدار نے سجاد سے کہا: 'اگر بچنا چاہتے ہو تو صبح چار بجے تک گاؤں خالی کر دو۔ ہم صبح آٹھ بجے حملہ کریں گے۔ بھاگل میں ۲۰،۰۰۰ بلوائی سیانہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ میں آج تک انہیں روکتا رہا لیکن اب وہ حملہ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔' باکھلی کے ہندو ذیلدار نے بلوائیوں کو سیانہ پر حملہ کرنے سے باز رکھنے کی مقدور بھر کوشش کی تھی۔ بلوائیوں نے ذیلدار کو دھمکی دی کہ اگر اس نے ان کا ساتھ نہ دیا تو وہ اسے پہلے قتل کریں گے اور پھر سیانہ پر حملہ کریں گے۔ اس دھمکی کے نتیجہ میں ذیلدار نے بلوائیوں کا ساتھ دینے کی حامی بھر لی۔ مگر حملہ سے پہلے ہندو ذیلدار نے اپنے مسلمان دوست سجاد کو خبردار کر دیا۔ ہندو ذیلدار نے کہا: 'صبح چار بجے سے پہلے نکل جاؤ۔ میں نے تمہیں بتا دیا اور دوستی کی ذِمّہ داری پوری کر دی۔ اگرچہ اب میں مارا جاؤں، مجھے پرواہ نہیں۔ تم نکل جاؤ۔'" ②

سیّدہ اصغری خاتون نے کہا: "میرے ابّا جی (سجاد حسین) سیانہ چھوڑنے کے لیے بالکل تیار نہیں تھے۔ نوکر کے قتل ہونے کے بعد تیار ہوئے۔" ③

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: "سجاد نے گاؤں کے سرکردہ لوگوں جن میں میرے والد اور چچا بھی شامل تھے کو بلا کر مشورہ کیا۔ پھر استخارہ کیا جو گاؤں چھوڑنے کے حق میں آیا۔" ④

سیّد سالم حسین نے کہا: "باکھلی کے ہندو ذیلدار کی اطلاع کے فوراً بعد سجاد نے راجپوت مسلمانوں کے نزدیکی دیہاتوں سے کمک حاصل کرنے کے لیے آدمی روانہ کر دیے۔ اس رات ٹھسکہ میں کرفیو لگا دیا گیا تاکہ وہاں سے کوئی سیانہ والوں کی مدد کے لیے نہ جا سکے۔ سجاد حسین نے گاؤں کے مسلمان مردوں کو رات ۹ بجے دیوان خانہ میں طلب کیا۔ جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو سجاد کے کہنے پر دیوان خانہ کے مرکزی دروازہ کی اندر سے کنڈی لگا دی گئی۔ سجاد نے پوچھا: 'کوئی ہندو تو ہم میں موجود نہیں۔' سب نے اپنے اردگرد نظریں دوڑائیں اور سجاد کو بتایا کہ یہاں کوئی ہندو نہیں ہے۔ سجاد نے اپنے ہندو ذیلدار دوست کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: 'کل صبح آٹھ بجے سیانہ کا نمبر ہے۔ بھاگل سے ۲۰،۰۰۰ کا لشکر سیانہ پر حملہ کرے گا۔' پھر سجاد نے کہا: 'میں صبح چار بجے جا رہا ہوں۔ سب کو اطلاع دے رہا ہوں تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ میر صاحب نے ہمیں نہیں بتایا۔ جو رہ جائے گا قتل ہو جائے گا۔ عزّت بچے گی نہ جان۔' کسی نے بھی سجاد سے اختلاف نہیں کیا اور سب جانے کے لیے تیار ہو گئے۔" ⑤

---

۱ سیّدہ زبیدہ بیگم دختر نور محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۲ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء، ۳ ستمبر ۲۰۱۱ء

۳ سیّدہ اصغری خاتون دختر سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۶ جون ۲۰۱۷ء

۴ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

۵ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء، ۳ ستمبر ۲۰۱۱ء

قافلہ کی روانگی

سیّدہ اصغری خاتون نے کہا: ”تقسیم ہند کے بعد حالات اتنے خراب ہو گئے تھے کہ کئی افراد نے بوڑھے لوگوں اور شیر خوار بچّوں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ میری دادی کبری ضعیف اور نابینا تھیں۔ جب سیانہ اجڑا اور لوگ گھروں سے نکلنے لگے تو ہمارے گھر میں کسی نے میری دادی کے بارے میں کہا کہ ان کو ساتھ لے کر جانا مشکل ہے۔ میرے والد نے کہا: 'میری ماں میرے ساتھ جائے گی اور کوئی جائے یا نہ جائے۔ میں اپنی ماں کو کندھوں پر بٹھا لوں گا۔'“ ①

سیّد جرار حسین نے کہا: ”سیانہ سے نکلے تو ہم نے دو گڈوں پر اپنا سامان رکھا۔ اس سامان میں وہ ٹرنک بھی تھا جس میں قدیم شجرہ کاغذوں پر محفوظ تھا۔“ ②

سیّدہ اصغری خاتون نے کہا: ”میری والدہ (رضیہ عرف جیا) اور بھابھی صفدری حاملہ تھیں۔ میرے والد نے میری دادی، والدہ اور بھابھی کو گڈے پر بٹھایا جب کہ ہم سب بہن بھائی قافلہ کے ساتھ پیدل چلے۔ میرے بڑے بھائی اقبال کے ہاتھ میں چھڑی تھی اور وہ ہم سب بہن بھائیوں کو اپنی حفاظت میں لے کر چلے۔ بھائی اقبال ہمارے پیچھے چل رہے تھے۔“ ③

جان محمد عرف جانو فقیر نے کہا: ”سیانہ سے نکلنے لگے تو سب لوگوں نے سامان، جو ساتھ لے جا سکتے تھے، کی گھٹڑیاں باندھ لیں۔ سائیں رحیم بخش نے جو سامان ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے یہ کہہ کر ہربنس لال کے گھر رکھ دیا: 'ہم واپس آئیں گے تو اپنا سامان لے لیں گے۔' سائیں رحیم بخش نے اپنی بیوی سے پوچھا: 'ساتھ لینے والا سامان باندھ لیا ہے؟' اس نے جواب دیا: 'ہاں' اور ساتھ ہی کہا: 'میں نے زیور تاک میں رکھ کر تاک کو لیپ دیا ہے۔ واپس آئیں گے تو نکال لیں گے۔' یہ سن کر ان کے بیٹے نذیر نے دیوار کھود کر زیور نکال لیا۔ ہمارا قافلہ شاہ زید کے مزار کے پاس سے گزر کر گاؤں سے نکلا۔“ ④

شرکاء قافلہ

سیانہ سیداں سے اجڑنے والے مسلمانوں کے قافلہ میں سیّد برادری کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد شامل تھے:

ہاٹو

① کبری بیوہ شبیر حسین ② سجاد حسین ولد شبیر حسین ③ رضیہ فاطمہ عرف جیا زوجہ سجاد حسین ④ اقبال

---

۱ سیّدہ اصغری خاتون دختر سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — یکم ستمبر ۲۰۱۷ء

۲ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۳ سیّدہ اصغری خاتون دختر سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — یکم ستمبر ۲۰۱۷ء

۴ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

حسین ولد سجاد حسین ⑤ جرار حسین ولد سجاد حسین ⑥ حسنین علی ولد سجاد حسین ⑦ اقبال فاطمہ دختر سجاد حسین ⑧اصغری خاتون دختر سجاد حسین ⑨ مشتاق فاطمہ دختر سجاد حسین ⑩ اقبال زہرا دختر سجاد حسین ⑪صفدری زوجہ اقبال حسین ⑫اشفاق حسین ولد اقبال حسین ⑬عذرا بتول دختر اقبال حسین ⑭عابد حسین ولد محمد مسلم (وہ سید کھیڑی کے رہائشی تھے، سیانہ کے پرائمری سکول میں پڑھتے تھے اور اپنی پھوپھی رضیہ زوجہ سجاد حسین کے پاس رہتے تھے)⑮اعجاز علی ولد محبوب علی ⑯سروری بیگم زوجہ اعجاز علی ⑰سیّد علی ولد اعجاز علی ⑱محمد علی ولد اعجاز علی ⑲سیّدہ بیگم دختر اعجاز علی ⑳جمیلہ بیگم دختر اعجاز علی ㉑محمود علی ولد محبوب علی ㉒ذاکری خاتون زوجہ محمود علی ㉓اکرام عباس ولد محمود علی ㉔مختار عباس ولد محمود علی ㉕اختری بیگم دختر محمود علی㉖احمد حسین ولد جمیل الدین ㉗ہاشمی بیگم زوجہ احمد حسین ㉘محمد حسن ولد جمیل الدین ㉙کلثوم عرف ثمی زوجہ محمد حسن ㉚غلام حسن ولد محمد حسن ㉛کبری بیوہ کاظم علی ㉜خورشید علی ولد کاظم علی ㉝کلثوم زوجہ خورشید علی ㉞تصوّر حسین ولد خورشید علی ㉟زاہد حسین ولد خورشید علی ㊱ضیاء دختر خورشید علی ㊲فاطمہ دختر خورشید علی ㊳رضیہ دختر خورشید علی ㊴عالم علی ولد کاظم علی ㊵کنیز زوجہ عالم علی ㊶مظفر حسین ولد عالم علی ㊷انعام فاطمہ دختر عالم علی ㊸اقبال زہرا دختر عالم علی㊹ثریا بیگم دختر عالم علی ㊺ظہور علی ولد علی نواز ㊻رونق علی ولد ظہور علی ㊼منوّر علی ولد ظہور علی ㊽نُور علی ولد ظہور علی ㊾قاضی لطیف ㊿ہاشمی زوجہ قاضی لطیف (۵۱)اصغری دختر قاضی لطیف (۵۲)اکبری دختر قاضی لطیف (۵۳)لطیفن زوجہ قاضی باقر (۵۴)طاہر حسین ولد قاضی باقر (۵۵)زائر حسین ولد قاضی باقر (۵۶) سلمٰی دختر قاضی باقر (۵۷)ثریا دختر قاضی باقر (۵۸)مریم بی بی بیوہ مہدی حسن (۵۹)الفت بیوہ نذر حسین و رشید علی (زوجہ برکت علی)

ہاٹووں کے مندرجہ ذیل افراد قافلہ میں شامل نہیں تھے: (۶۰)محمد زمان ولد سجاد حسین (۶۱)عزیز فاطمہ زوجہ محمد زمان (محمد زمان اپنی زوجہ کے ساتھ اپنے سسرال کے گاؤں گوہلہ میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) (۶۲)غلام عباس ولد محمود علی (وہ اپنے نانکے گاؤں جندھاں میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) (۶۳) نصیبن عرف بروالو زوجہ ثالث احمد حسین (وہ اپنے والدین کے پاس بروالہ میں تھیں اور وہیں سے پاکستان آئیں)۔[1]

چڑے

① دلبر حسین ولد علی حسین ② خاتون زوجہ دلبر حسین ③ اظہر حسین ولد دلبر حسین ④ مصورہ خاتون دختر دلبر حسین ⑤ علمدار حسین ولد رشید علی ⑥ سالم حسین ولد رشید علی ⑦ حرمت دختر رشید علی ⑧ ممتاز فاطمہ عرف منی زوجہ علمدار حسین ⑨ نُور محمد عرف چیچو ولد دلدار علی ⑩بتول عرف بھورو زوجہ نُور محمد ⑪رضا حسین ولد نُور محمد

---

۱ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء
ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۶ جنوری ۲۰۱۱ء
جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

⑫عزادار حسین ولد نُور محمد ⑬مشتاق فاطمہ عرف پھاتی زوجہ رضا حسین ⑭کبریٰ بیوہ علی حسن ⑮بندے علی عرف بندو ولد مہدی حسن ⑯رفیقن زوجہ بندے علی ⑰وحیدہ دختر بندے علی ⑱وصیت حسین عرف مسیتا ولد تابع حسین ⑲مسیتی زوجہ وصیت حسین ⑳دلدار حسین ولد وصیت حسین ㉑زینب بی بی دختر وصیت حسین (وہ گوہلہ بیاہی تھیں اور اپنے والدین کے پاس سیانہ آئی ہوئی تھیں) ㉒بانو دختر وصیت حسین ㉓امجد علی ولد محسن علی ㉔اسد علی ولد محسن علی ㉕زاہد حسین ولد شبیر حسین ㉖مقبول حسین ولد شبیر حسین ㉗منظور علی ولد شبیر حسین ㉘احمد حسین ولد مہدی حسن ㉙اصغر علی ولد کاظم علی (وہ گوہلہ سے آکر سیانہ میں آباد ہوئے۔ ان کی دو بہنیں منتی اور پھاتی چڑوں میں بیاہی تھیں)۔

چڑوں کے مندرجہ ذیل افراد قافلہ میں شامل نہیں تھے: ㉚احمد حسین عرف بابو احمد ولد علی حسین ㉛حیدری بیگم زوجہ اوّل احمد حسین ㉜انعام فاطمہ دختر احمد حسین ㉝بتول فاطمہ عرف بروالو زوجہ ثانی احمد حسین ㉞شاہد حسین ولد احمد حسین (بابو احمد پونڈری میں تعینات تھے۔ ان کی زوجہ اوّل اور بیٹی بھی ان کے ساتھ تھے۔ وہ وہیں سے پاکستان آئے۔ بابو احمد کی زوجہ ثانی اپنے والدین کے پاس بروالہ میں تھیں۔ وہ اپنے چھ دن کے بیٹے شاہد کے ساتھ وہیں سے پاکستان آئیں) ㉟شبیراں بیوہ علی حسین ㊱مہدی حسن ولد علی حسین (مہدی اور ان کی والدہ سِیون میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) ㊲جنت بی بی زوجہ دلدار حسین (وہ اپنے میکہ گاؤں پلاکھا میں تھیں اور وہیں سے پاکستان آئیں) ㊳انور علی ولد محسن علی (وہ گھگر سرائے میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے)۔[1]

سیانہ سے ٹلہیڑی

سیّد سالم حسین نے کہا: "مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو سیانہ سے نکلنے والے مسلمانوں کے قافلہ کی تعداد ۵۰۰ کے لگ بھگ تھی۔ بارش ہو رہی تھی جس کی وجہ سے کچا راستہ کیچڑ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس لیے قافلہ والوں کو آگے بڑھنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ چار میل دور راجپوت مسلمانوں کا گاؤں ٹلہیڑی ہماری منزل تھا۔ ابھی قافلہ سیانہ سے نکلا ہی تھا کہ ٹلہیڑی سے ۵۰ روایتی ہتھیاروں سے مسلح مسلمان پہنچ گئے۔ انہوں نے میر سجاد حسین سے کہا: 'اگر ضرورت ہو تو فوری طور پر اور مسلح افراد بھی قافلہ کی حفاظت کے لیے آ سکتے ہیں۔' سجاد نے اس کی ضرورت محسوس نہ کی۔"[2]

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: "قافلہ کے شرکاء نے جتنا سامان ممکن تھا گڈوں پر رکھ لیا تھا۔ بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح ہم نے اپنے جانور بھی ساتھ لے لیے تھے۔"[3]

---

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۶ جنوری ۲۰۱۱ء
جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء
سیّدہ زینب بی بی دختر وصیت حسین عرف مسیتا (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — ۳ نومبر ۲۰۱۶ء
۲ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء
۳ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

سیّد تصوّر حسین نے کہا: ”جس دن میں گھر پہنچا اس سے اگلی صبح سیانہ اجڑ گیا۔ گاؤں سے نکلنے کے بعد ابھی کچھ فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ گڈے ایک نالہ میں پھنس گئے۔ بہت پریشانی ہوئی۔ فوری طور پر ٹلھیڑی سے خالی گڈے منگوائے اور دو دو گڈوں کا سامان ایک ایک گڈے پر لادا۔ سامان لادنے میں ٹلھیڑی والوں نے بہت مدد کی۔“ [۱]

محمد بشیر نے کہا: ”عصر اور مغرب کے درمیان قافلہ بخیریت ٹلھیڑی پہنچ گیا۔ سجاد اپنے کنبہ کے ساتھ صابر نمبردار کے گھر ٹھہرے۔ باقی شرکاء قافلہ کو بھی ٹلھیڑی کے مسلمانوں نے اپنے گھروں میں جگہ دی۔“ [۲]

سیّد غلام حسن نے کہا: ”جب ہم ٹلھیڑی جا رہے تھے تو ہمارا خیال تھا کہ چند دن میں شور تھم جائے گا اور ہم اپنے گھروں میں واپس چلے جائیں گے۔ ٹلھیڑی میں میر سجاد حسین اور مودی (محمود علی) اپنے کنبوں کے ساتھ صابر نمبردار کے گھر ٹھہرے جب کہ میرے والد (محمد حسن)، اعجاز علی، احمد حسین، خورشید علی اور عالم علی اپنے کنبوں کے ساتھ شاہنواز کے گھر ٹھہرے۔ شاہنواز میرے والد کا بہترین دوست تھا۔“ [۳]

جان محمد عرف جانو فقیر نے کہا: ”ٹلھیڑی میں سائیں رحیم بخش ہم سب گھر والوں کے ساتھ اپنی سالی حسینی کے گھر رہے۔“ [۴]

سیانہ پر حملہ آوروں کا قبضہ

سیّد سالم حسین نے کہا: ”ہم نے صبح چار بجے گاؤں خالی کیا تھا اور حملہ آور صبح آٹھ بجے گوہلہ والے راستہ سے سیانہ آئے جب کہ ہم ٹلھیڑی والے راستہ سے نکلے تھے۔ یہ دونوں راستے ایک دوسرے سے تقریباً مخالف سمت میں ہیں۔ حملہ آوروں نے سیانہ کا محاصرہ کر لیا اور گاؤں پر فائرنگ کی۔ گاؤں سے کوئی جواب نہ آیا۔ جوابی فائرنگ کے خوف کی وجہ سے حملہ آور ایک گھنٹہ گاؤں کے باہر کھڑے وقفہ وقفہ سے فائرنگ کرتے رہے۔ لیکن گاؤں میں مکمل خاموشی رہی۔ ایک گھنٹہ بعد ایک بندوق بردار حملہ آور گھوڑی پر بیٹھ کر گاؤں میں داخل ہوا۔ اس نے گاؤں میں مکانوں پر تالے لگے دیکھے تو اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی۔ حملہ آور گاؤں میں داخل ہو گئے۔ گاؤں میں موجود ہندوؤں کو حملہ آوروں نے دھمکی دی: ’ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ تم نے مسلمانوں کو یہاں سے بھگا دیا ہے۔‘ گاؤں کے ہندوؤں نے جواب دیا: ’تم ہمیں ویسے ہی مارنا چاہتے ہو تو مار دو۔ لیکن مسلمانوں نے ہمیں خبر ہی نہیں ہونے دی۔ وہ خاموشی سے راتوں رات نکل گئے۔‘ یہ سن کر حملہ آور ان کے قتل سے باز رہے اور مسلمانوں کا سامان لوٹنے کے لیے ان کے مکانوں کے تالے توڑ کر ان میں گھس گئے۔“

سیّد سالم حسین نے کہا: ”سجاد کے نوکر جِندا کے ساتھ جانے والا لیاقت علی سیانہ اجڑنے سے ایک دن پہلے پیہوہ کے

---

۱ سیّد تصور حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۵ فروری ۲۰۱۱ء

۲ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء

۳ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ/راولپنڈی — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء، ۲۵ مارچ ۲۰۱۹ء

۴ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

قریب نہر کے کنارے کھیتوں میں لگے ہوئے بلند اور گھنے سرکانوں میں چھپ گیا تھا۔ وہ ساری رات وہیں چھپا رہا۔ اگلے دن کا کچھ حصّہ گزرنے کے بعد وہ سرکانوں سے نکلا، نہر پار کی اور جنگل میں سیانہ کی طرف چل پڑا۔ سیانہ کے حالات سے بے خبر لیاقت اس راستہ سے گاؤں میں داخل ہوا جو سجاد کے دیوان خانہ کی طرف جاتا تھا۔ اس راستہ پر دیوان خانہ سے پہلے چماروں کے کچھ گھر تھے۔ چماروں نے لیاقت کو دیکھا تو اسے فوراً ایک گھر کے اندر لے گئے اور چھپا دیا۔ چماروں نے لیاقت کو بتایا کہ گاؤں میں حملہ آور موجود ہیں، اسے گھر سے باہر نکلنے سے سختی سے منع کیا اور اس سے وعدہ کیا کہ وہ حملہ آوروں کے جاتے ہی اسے سیانہ کے مسلمانوں تک پہنچا دیں گے۔"

اقبال کا مشن

سیّد سالم حسین نے کہا: "سیانہ سے نکلتے وقت میر سجاد حسین اپنی کچھ اہم اشیاء ساتھ لانا بھول گئے تھے۔ یہ اشیاء انہوں نے دیوان خانہ کی دیوار میں چھپائی ہوئی تھیں۔ ٹلہیڑی میں اگلے روز سجاد نے اپنے بیٹے اقبال حسین کو اس جگہ کی نشانی بتائی اور چیزیں نکال کر لانے کے لیے سیانہ بھیجا۔ سجاد نے اقبال کو بندوق دی اور کہا: 'وہاں رکنا نہیں۔ اپنا کام کر کے فوراً واپس آ جاؤ۔' اقبال کے ساتھ ۵۰ روایتی ہتھیاروں سے مسلح افراد، جن میں اکثریت راجپوتوں کی تھی، کو روانہ کیا۔ میں بھی اقبال کے ساتھ سیانہ گیا۔ نتھے والے کنویں کے پاس پہنچ کر ہم رک گئے۔ وہاں سے اقبال نے دو تین فائر کیے جس کے نتیجہ میں حملہ آور ہمارے گھروں سے نکل کر بھاگے۔ انہوں نے اپنی جوتیاں بھی پیچھے چھوڑ دیں۔ گاؤں سے باہر جانے کے چار راستے تھے: ایک پیہوہ کی طرف، دوسرا گوہلہ کی طرف، تیسرا ٹلہیڑی کی طرف اور چوتھا ٹھسکہ کی طرف۔ ایک راستہ پر تو ہم کھڑے تھے جب کہ باقی تین راستوں سے حملہ آور بھاگ کر مکھیوں کی طرح گاؤں سے نکل رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں حملہ آور گاؤں سے نکل کر جنگل میں غائب ہو گئے۔ ہم گاؤں میں داخل ہوئے اور دیوان خانہ میں آ گئے۔ اقبال نے بتائی ہوئی جگہ سے اینٹ اکھیڑی اور چیزیں نکال لیں۔ ابھی ہم دیوان خانہ ہی میں تھے کہ چمار لیاقت کو لے کر پہنچ گئے اور کہا: 'یہ آپ کی امانت ہے۔ اگر آپ یہاں نہ آتے تو ہم کسی نہ کسی طرح اسے آپ تک پہنچاتے۔' چماروں نے حملہ آوروں کے ایک گھنٹہ تک گاؤں کا محاصرہ کرنے اور پھر گاؤں میں داخل ہو کر گاؤں کے ہندوؤں کو دھمکانے کے بارے میں تفصیلات بھی ہمیں بتائیں۔ اقبال کے ساتھ ہم اپنا مشن مکمل کر کے بخیریت واپس ٹلہیڑی پہنچ گئے۔"

ماسٹر یوسف اور سُرمکھ جاٹ

سیّد سالم حسین نے کہا: "ماسٹر یوسف سیانہ سیداں کا رہنے والا تھا اور گوہلہ میں عرضی نویس تھا۔ وہ لوہار تھا جو مغل یا مرزا کہلاتے تھے۔ تقسیم ہند کے اعلان کے بعد ہونے والے فسادات کے دوران وہ اپنے بیٹے شفیع پٹواری کے ساتھ گوہلہ سے سیانہ کے لیے نکلا۔ وہ پہلے برسوئی گئے جہاں ماسٹر یوسف کے سسرال والے تھے۔ پھر انہوں نے شاہ پور میں سُرمکھ جاٹ

کے پاس پناہ لی۔ سُرمکھ ہندو تھا اور زمیندار تھا۔ اس کے سیانہ والوں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ وہ ماسٹر یوسف وغیرہ کو اپنی حفاظت میں ٹلہیڑی چھوڑ گیا جہاں سیانہ کے مسلمان اجڑ کر آ گئے تھے۔" ①

عبدالعزیز نے کہا: "سیانہ والوں کے علاوہ کچھ اور دیہاتوں کے مسلمانوں نے بھی ٹلہیڑی میں پناہ لی جن میں بھور کے سیّد بھی تھے۔ بھور کے سیّدوں میں چند ایک سابق فوجی بھی تھے۔" ②

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: "سیانہ کے لوگ اپنے جانور ساتھ لائے تھے اور انہیں چَرانے کے لیے لے کر جاتے تھے۔ میں بھی اپنے جانور چَرانے کے لیے لے کر جاتا تھا اور پھر سارا دن بچّوں کے ساتھ کھیلتا تھا۔ خراب حالات کی وجہ سے ٹلہیڑی میں بھی سیانہ کی طرح پہرہ دیا جاتا تھا۔" ③

ارنَے کی لڑائی

سیّد سالم حسین نے کہا: "ہمیں ٹلہیڑی آئے ہوئے ۲۲ دن ہوئے تھے کہ صابر نمبردار نے گاؤں کے سرکردہ لوگوں کو بلا کر کہا: 'اطلاع ملی ہے کہ ٹلہیڑی یا نزدیکی گاؤں ارنَے پر رات کو یا صبح سویرے حملہ ہو گا۔ اگر لڑ سکتے ہیں تو بیٹھے رہیں، ورنہ بھاگ جائیں۔'" ④

محمد بشیر نے کہا: "حملہ کی اطلاع کے بعد ٹلہیڑی میں ساری رات لوگ جاگتے رہے اور نوجوان گاؤں کا پہرہ دیتے رہے۔ مسجد میں صبح کی باجماعت نماز کا آغاز ہوا۔ مولوی صاحب نے ابھی نیت ہی باندھی تھی اور تلاوت شروع نہیں کی تھی کہ زبردست فائرنگ کی آواز آئی۔ دہشت کے باعث کچھ دیر مولوی صاحب پر خاموشی طاری رہی، پھر نمازیوں نے نیت توڑ دی اور یہ کہتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے: 'مولوی صاحب ہمیں مروا دیں گے۔ ہمارے گھر والے مارے جائیں گے۔' سب اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے۔ حملہ دراصل نزدیکی گاؤں ارنَے پر ہوا تھا لیکن وہاں سے فائر کی گئی گولیاں ٹلہیڑی تک پہنچ رہی تھیں۔ ٹلہیڑی میں ایک شخص کو گولی لگی اور وہ مر گیا۔" ⑤

سیّد سالم حسین نے کہا: "ارنَے پر حملہ سے پہلے راجپوتوں کے بڑے گاؤں ٹھسکہ میراں جی میں کرفیو لگا دیا گیا تھا تاکہ وہاں سے کوئی ٹلہیڑی اور ارنَے میں مسلمانوں کی مدد کے لیے نہ آ سکے۔ جب بلوائیوں نے ارنَے پر حملہ کیا تو وہاں موجود مسلمانوں میں سے کچھ نے کچھ دیر ان کا مقابلہ کیا اور اسی دوران گاؤں کے مکینوں کو گاؤں سے باہر ٹلہیڑی کی طرف نکال دیا۔ جب گاؤں کے سب لوگ باہر نکل گئے تو دفاع کرنے والے بھی پسپا ہو گئے اور گاؤں سے کچھ فاصلہ پر جا کر مورچہ

---

۱ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳ ستمبر ۲۰۱۱ء

۲ عبدالعزیز ولد محمد صدیق (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۳ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

۴ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

۵ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء

بند ہو گئے۔ حملہ آوروں کی اکثریت مبینہ طور پر سادہ کپڑوں میں پٹیالہ فوج اور پولیس کے اہلکاروں پر مشتمل تھی۔ وہ خالی گاؤں میں داخل ہوئے، ایک مکان کی چھت پر مشین گن نصب کی اور گاؤں سے نکلے ہوئے لوگوں اور ٹلھیڑی پر فائرنگ شروع کر دی۔ ٹلھیڑی میں ایک شخص نے اونچی جگہ پر چڑھ کر ارنئے کا منظر دیکھنے کی کوشش کی تو اسے گولی لگی اور وہ مر گیا۔ ارنئے پر قابض بلوائیوں کی مسلسل فائرنگ کی وجہ سے روایتی ہتھیاروں سے مسلح ٹلھیڑی اور وہاں پناہ گزین سیانہ اور بھور وغیرہ کے مسلمان ارنئے کے مسلمانوں کی مدد کے لیے کوشش کے باوجود آگے نہ بڑھ سکے۔"[1]

محمد بشیر نے کہا: "ایک بندوق اور کارتوسوں کی ایک پیٹی صرف میر سجاد حسین کے پاس تھیں۔ صابر نمبردار نے میر صاحب سے بندوق مانگی۔ میر صاحب نے انکار کیا تو صابر نمبردار نے کہا: 'مسلمان قتل ہو رہے ہیں۔ جب سب مر جائیں گے تو بندوق کا کیا کرو گے۔' میر صاحب نے کہا: 'میں بندوق دے دیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ میری بندوق غفور بلوچ چلائے گا۔' غفور بلوچ، جو سیانہ سیداں کے قریبی گاؤں کا رہنے والا تھا، حملہ آوروں کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا۔"[2]

سیّد سالم حسین نے کہا: "میر سجاد حسین کے پاس جرمنی کی بنی ہوئی ایک بندوق اور کارتوسوں کی دو پیٹیاں تھیں۔ حکومتی اہلکاروں میں ان کے اثر و رسوخ کی وجہ سے انہیں بندوق رکھنے کی اجازت دے دی گئی تھی اور ان سے کہا گیا تھا کہ وہ شاہ آباد کیمپ میں پہنچ کر اسے جمع کروا دیں۔ صابر نمبردار نے سجاد سے بندوق مانگی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا: 'تم بندوق لے جاؤ گے، حملہ آور یہاں آ کر ہمیں مار دیں گے۔' صابر نمبردار کے اصرار پر سجاد نے کہا: 'میری بندوق غفور بلوچ چلائے گا۔' غفور بلوچ میر سجاد حسین کا شکاری تھا۔ اچھے دنوں میں میر صاحب اسے اپنی بندوق اور ایک کارتوس دیتے تھے اور کہتے تھے: 'اگر ہرن کا شکار نہ کیا تو دو کارتوس واپس کرنے پڑیں گے۔' غفور نشانہ باز تھا اور ایک کارتوس سے ہرن شکار کر لاتا تھا۔ غفور بلوچ کو بلایا گیا اور اسے سجاد کی بندوق لے کر حملہ آوروں کے مشین گن چلانے والے نشانچیوں کو ختم کرنے کا کہا گیا۔ غفور بلوچ نے کہا: 'میں مر گیا تو میرے بچّوں کا کون ذِمّہ دار ہے۔' سجاد نے کہا: 'اگر میں زندہ رہا تو جب تک تمہارے بچّے بڑے نہیں ہوتے میں ان کا ذِمّہ دار ہوں۔ اگر میں مر گیا تو ان کو پیدا کرنے والا ان کا وارث ہے۔' سجاد کی یقین دہانی کے بعد غفور خوشی سے دیے گئے مشن کی تکمیل کے لیے تیار ہو گیا اور اس نے کہا: 'ایک آدمی میرے ساتھ دے دیں تاکہ میں مر جاؤں تو وہ بندوق سنبھال لے۔' وہاں موجود لوگوں میں سے ایک شخص غفور کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ غفور اور اس کا ساتھی کہنیوں اور گھٹنوں کے بل ارنئے کی طرف بڑھنے لگے۔ ٹلھیڑی اور وہاں پناہ لیے ہوئے سیانہ اور بھور وغیرہ کے روایتی ہتھیاروں سے مسلح ایک ہزار سے زیادہ مسلمان ارنئے پر حملہ کرنے والوں کے ساتھ لڑنے کے لیے مکمل طور پر تیار تھے۔ غفور اور اس کا ساتھی رینگتے ہوئے ارنئے کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک اونچے مکان پر دو نشانچی بیٹھے مشین گن سے فائرنگ کر رہے ہیں جب کہ روایتی ہتھیاروں سے مسلح سینکڑوں حملہ آور ارنئے میں موجود ہیں۔ غفور نے ایک بنّے کی اوٹ سے فائر کر کے مشین گن چلانے والے دونوں نشانچیوں کو مار گرایا جس کے نتیجہ میں حملہ آوروں کی طرف

---

۱ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — یکم ستمبر ۲۰۱۱ء
۲ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء

سے ہونے والی فائرنگ بالکل رک گئی۔ پھر غفور نے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں سے مسلمانوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔“

سیّد سالم حسین نے کہا: ”غفور بلوچ کا اشارہ دیکھ کر ٹلہیڑی میں موجود روایتی ہتھیاروں سے مسلح مسلمان تین اطراف سے ارنئے کی طرف بڑھے۔ جس طرف سے ہم بڑھے اس طرف ارنئے کے باہر ایک بھٹہ تھا جس سے پہلے ایک بوہڑ کا درخت تھا۔ بھٹہ سے راستہ گاؤں کے اندر جاتا تھا۔ اس بھٹہ میں ۵۰، ۶۰ حملہ آور چھپے ہوئے تھے۔ باقی حملہ آور دوسری اطراف میں مختلف مقامات پر گھات لگائے بیٹھے تھے جب کہ گاؤں کے اندر بھی حملہ آور موجود تھے۔ مسلمانوں کا گھیرا تنگ ہوتے دیکھ کر بھٹہ میں چھپے ہوئے حملہ آور باہر نکلے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک بندوق تھی۔ بندوق بردار حملہ آور آگے بڑھا اور بوہڑ کے درخت کے نیچے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس سمت سے بڑھنے والے مسلمان رک گئے۔ بندوق بردار حملہ آور نے اپنے پیچھے کھڑے ساتھیوں کو لیٹنے کا اشارہ کیا تو وہ سب لیٹ گئے۔ پھر اس نے مسلمانوں کو پکار کر کہا: ’واپس ہو جاؤ، ورنہ دوپہر کو تمہیں سؤر کھلائیں گے اور پھر سب کو بھون دیں گے۔‘ اس کے مخاطب سب مسلمان اپنی جگہ کھڑے رہے۔ مسلمانوں کے تیور دیکھ کر اس نے پیچھے لیٹے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا: ’بھاگ لو۔‘ پھر بندوق بردار حملہ آور نے ایک فائر کیا اور مڑ کر خود بھی بھاگنے لگا۔ ہم بھی ان کے پیچھے بھاگے۔ جب بندوق بردار حملہ آور بھٹہ سے گاؤں جانے والے راستہ پر چڑھ گیا تو اس کے پیچھے میرے ساتھ بھاگتے ہوئے ایک مسلمان لڑکے نے اسے دھمکی دی: ’تمہیں زندہ واپس نہیں جانے دیں گے۔‘ یہ سن کر حملہ آور نے بھاگتے ہوئے اپنی بندوق میں کارتوس ڈالا اور پیچھے مڑ کر فائر کیا جو دھمکی دینے والے لڑکے کے سینے پر لگا۔ وہ لڑکا گر گیا۔ میں نے بیٹھ کر اسے دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔ باقی مسلمان بھی رک گئے تھے۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ مر گیا ہے۔ اسے اب آکر دیکھیں گے۔ ہم آگے بڑھے اور اس سمت سے گاؤں کو گھیر لیا۔ دوسری اطراف میں بھی کچھ بندوق بردار حملہ آوروں نے فائر کیے۔ غفور بلوچ نے بھی جوابی فائر کیے۔“

سیّد سالم حسین نے کہا: ”ارنئے کا محاصرہ کرنے کے کچھ ہی دیر بعد مسلمان گاؤں میں داخل ہو گئے اور حملہ آوروں سے دست بدست خونریز لڑائی شروع ہو گئی۔ دونوں اطراف کے لوگ بیلچوں، بھالوں اور کلہاڑیوں جیسے روایتی ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ میرے پاس بھالا تھا۔ لڑائی کے دوران مسلمانوں کا آگے والا گروپ حملہ آوروں پر ایک ایک وار کرتا اور پھر آگے بڑھ کر حملہ آوروں کے پیچھے والے گروپ پر ایک ایک وار کرتے ہوئے مزید آگے بڑھتا تھا۔ پیچھے سے آنے والا مسلمانوں کا دوسرا گروپ زخمی حملہ آوروں پر ایک ایک وار کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتا تھا۔ اسی طرح مسلمانوں کے پیچھے سے آنے والے دوسرے گروپ کرتے تھے۔ اس حکمت عملی سے مسلمانوں نے حملہ آوروں کے لشکر کو تہس نہس کر دیا۔ ایک بندوق بردار حملہ آور نے کپڑا ہلا کر اپنے ساتھیوں کو بھاگ جانے کا اشارہ دیا۔ غفور بلوچ نے بھی مسلمانوں کو پکار کر کہا: ’انہیں پکڑ لو۔‘ حملہ آور پیہوہ والی نہر کی طرف بھاگے تو مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ زبردست جنگ ہوئی۔ پیہوہ والی نہر کا فاصلہ گاؤں سے دو میل تھا۔ اس ساری جگہ پر حملہ آوروں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ میں ان چند مسلمانوں میں شامل تھا جنہوں نے حملہ آوروں کا تعاقب نہر کے کنارے تک کیا۔ نہر کے کنارے پر میں نے کہا کہ اس سے آگے جانے کا ہمیں حکم نہیں۔ پانچ چھ سو حملہ آور صبح ساڑھے چار بجے ارنئے میں داخل ہوئے تھے۔ دن کے ۱۱ بجے تک ہونے والی لڑائی کے بعد مشکل سے ۱۰،

۱۲ حملہ آور جان بچا کر بھاگ سکے۔ سیانہ کے سب سیّدوں اور دوسرے مسلمانوں نے اس لڑائی میں حصّہ لیا۔"

سیّد سالم حسین نے کہا: "کھیتوں میں پانی کھڑا تھا۔ ارنئے سے پیہوہ والی نہر تک مچھلیوں کی طرح لاشیں ہی لاشیں پڑی دیکھ کر صابر نمبردار گھبرا گیا۔ اتنے حملہ آوروں کا قتل اس کے لیے اور دوسرے مسلمانوں کے لیے ایک بڑی مصیبت کا باعث بن سکتا تھا۔ نمبردار گھوڑی پر بیٹھا، میر سجاد حسین کے پاس گیا، انہیں لڑائی کے نتیجہ میں سینکڑوں حملہ آوروں کے قتل کے بارے میں آگاہ کیا اور ان خدشات کا ذکر کیا جو انہیں حکومت کی کارروائی کے نتیجہ میں بھگتنے پڑ سکتے تھے۔ سجاد حسین اپنی گھوڑی پر بیٹھے اور صابر نمبردار کے ساتھ آکر لڑائی کی جگہ کا معائنہ کیا۔ سجاد نے صابر نمبردار سے کہا: 'رنگڑے! بس یُونہی گھبرا گیا۔' پھر سجاد نے حکم دیا: 'گڈے جوڑو اور لاشوں کو پاتھیوں کے گہواروں میں ڈال کر آگ لگا دو۔ شام سے پہلے ان لاشوں کی راکھ بنا دو۔' لوگ اسی وقت ۲۰، ۳۰ گڈے جوڑ کر لائے اور لاشیں اکٹھی کر کے گڈوں پر لاد دیں۔ گاؤں میں کوٹھوں جتنے اونچے پاتھیوں کے کئی ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ لاشوں کو ان ڈھیروں کے درمیان میں رکھ کر اور پاتھیوں پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی گئی۔ سب لاشیں جل کر راکھ ہو گئیں۔ قتل ہونے والوں کے تمام نشان معدوم ہو گئے اور کسی حملہ آور کے مرنے کا کوئی ثبوت باقی نہ بچا۔" [۱]

سیّد غلام حسن نے کہا: "میرے تایا احمد حسین سابق فوجی تھے اور ارنئے کی لڑائی کے دوران انہوں نے مسلمانوں کی راہنمائی کی۔ دو تین مرتبہ فائرنگ کی وجہ سے کچھ مسلمان پسپا ہوئے تو احمد حسین نے بلند آواز سے لوگوں سے کہا: 'لیٹ جاؤ، مت دوڑو۔'" [۲]

عبدالعزیز نے کہا: "غفور بلوچ کے ساتھ ٹلہیڑی سے ارنئے جانے والا بھور کا فوجی جوان تھا۔ غفور نے اس سے کہا تھا: 'اگر میں مر جاؤں تو بندوق تم قابو کر لینا۔' ارنئے کی لڑائی میں محمد صدیق اور سراج نائی بھی شامل تھے۔ اس لڑائی میں ٹلہیڑی کا ایک آدمی مرا جب کہ حملہ آور تقریباً سب کے سب مارے گئے۔" [۳]

سیّد غلام حسن نے کہا: "ارنئے کی لڑائی ہوئی تو شاہنواز کے بیٹے نے میرے باپ سے کہا: 'میراں! تم لڑائی میں نہ جاؤ۔' میرے باپ کے پاس ایک سوٹی تھی جس پر ہل کا پھل لگا ہوا تھا۔ شاہنواز کے بیٹے نے وہ سوٹی میرے باپ سے لے لی اور لڑائی میں شامل ہونے کے لیے چلا گیا۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد واپس آکر اس نے ہمیں بتایا: 'میں نے سوٹی ایک حملہ آور کے پیٹ پر ماری لیکن اس نے تکڑی والا پلڑا پیٹ پر باندھا ہوا تھا۔' چنوا منیار جو مسلمان سے ہندو ہوا تھا بھی حملہ آوروں میں شامل تھا۔ وہ آٹھ دس آدمیوں کے ساتھ مسجد میں داخل ہو گیا اور کچھ دیر بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے نکل گیا۔ راجپوتوں کو پتہ نہیں لگا کہ یہ حملہ آوروں کے ساتھ تھے۔" [۴]

---

۱ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء، یکم ستمبر ۲۰۱۱ء

۲ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۳ عبدالعزیز ولد محمد صدیق (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۴ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

ٹلہیڑی سے گنگھیڑی

سیّد سالم حسین نے کہا: "ارنئے کی لڑائی کے بعد غفور بلوچ نے سجاد حسین کی بندوق انہیں واپس کی تو انہوں نے حسب عادت بندوق رکھنے سے پہلے کھول کر اس کی صفائی کر دی۔ شام کو پولیس والے ٹلہیڑی پہنچ گئے۔ انہوں نے سجاد سے کہا: 'آپ کی بندوق ارنئے کی لڑائی میں استعمال ہوئی ہے۔' سجاد نے کہا: 'میری بندوق میرے پاس ہے اور یہ کسی لڑائی میں استعمال نہیں ہوئی۔' پولیس والوں نے بندوق چیک کی تو بندوق کے چلنے کا کوئی نشان انہیں نہیں ملا۔ پولیس کے جانے کے بعد سجاد نے کہا: 'ہم سب کو ٹلہیڑی سے نکل جانا چاہیے کیونکہ سینکڑوں حملہ آوروں کے قتل کے بعد ان کے ساتھی بدلہ لینے کے لیے کسی بھی وقت بڑا حملہ کر سکتے ہیں۔' ٹلہیڑی سے قافلہ بنا کر سب مسلمان نکلے۔ ابھی مشکل سے دو کھیت ہی گزرے تھے کہ راجپوت اکڑ گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ وہ ڈر کے بھاگ گئے اور ایسی شہرت ان کے لیے نا قابل برداشت ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سب ٹلہیڑی واپس آ گئے۔ رات کے وقت ارنئے سے ایک ہندو چوڑھا ٹلہیڑی میں صابر نمبردار کے پاس آیا اور کہا: 'اگر عزّتیں بچانی ہیں تو اسی وقت نکل جا۔ فوج اور پولیس والے تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔' پھر رات کو ہی سب نے ٹلہیڑی کو خیر آباد کہا۔ دو میل دور مسلمانوں کا گاؤں گنگھیڑی ہماری منزل تھا۔" [1]

سیّد جرار حسین نے کہا: "میری بھابھی صفدری زوجہ اقبال حسین امید سے تھیں۔ گنگھیڑی سے ایک میل پہلے ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو جنگل ہی میں رک کر ایک جگہ چاروں طرف کپڑا لگا دیا اور گھر کی عورتوں نے صفدری کی تیمارداری کی۔ وہاں بتول زہرا عرف ادی دختر اقبال حسین پیدا ہوئی۔ بچّی کو کپڑے میں لپیٹ کر میرے ہاتھوں میں تھما دیا اور صفدری کو گھر والوں نے اٹھا کر گڈے پر لٹا دیا۔ قافلہ پھر چل پڑا۔" [2]

سیّد غلام عباس نے کہا: "میری والدہ (ذاکری خاتون) کہتی تھیں کہ صفدری کی بیٹی ادی کی پیدائش کے وقت انہوں نے دائی کا کام سر انجام دیا تھا۔" [3]

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: "مسلسل بارش کی وجہ سے ٹلہیڑی سے گنگھیڑی تک دو میل کا فاصلہ ساری رات میں طے ہوا۔ قافلہ والے صبح گنگھیڑی پہنچ گئے۔ سجاد حسین گنگھیڑی کے نمبردار کے گھر ٹھہرے۔ جب وہ نمبردار کے گھر میں داخل ہوئے تو میں نے دیکھا کہ ان کی بڑی بیٹی اقبال فاطمہ عرف بالی نے ان کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ میرے چچا محمود اور دلبر وغیرہ بھی ان کے

---

۱ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ واڑہ ـــ ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ جھنگ ـــ ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۳ سیّد غلام عباس ولد محمود علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ لاہور ـــ ۴ اگست ۲۰۰۷ء

ساتھ تھے۔" [۱]

سیّد سالم حسین نے کہا: "گنگھیڑی میں دن کے وقت سیانہ کے قاضی لطیف کی گھوڑی گاؤں سے کچھ پیچھے چلی گئی۔ ان کی گھوڑی پر ان کا سامان لدا ہوا تھا جس میں چاندی کے روپے بھی تھے۔ قاضی لطیف اپنی گھوڑی ڈھونڈنے گئے۔ ہندوؤں نے انہیں قتل کر دیا۔" [۲]

جان محمد عرف جانو فقیر نے کہا: "قاضی لطیف اپنی گھوڑی ڈھونڈنے نکلے تو سائیں رحیم بخش انہیں ملے۔ سائیں نے پوچھا: 'کہاں جا رہے ہو؟' قاضی لطیف نے کہا: 'میں اپنی گھوڑی لینے جا رہا ہوں۔' سائیں نے انہیں منع کیا اور خطرہ سے آگاہ کیا۔ لیکن قاضی لطیف نہ مانے اور گھوڑی تلاش کرنے چلے گئے۔ ہندوؤں نے انہیں پکڑ لیا اور کیکر کے درخت کے ساتھ باندھ کر شہید کر دیا۔" [۳]

ٹھسکہ کی جانب فرار

سیّد سالم حسین نے کہا: "اگلے روز پولیس گنگھیڑی کی طرف بڑھتی نظر آئی۔ ارنے میں سینکڑوں حملہ آوروں کے غائب ہو جانے کے بعد قانون نافذ کرنے والے ادارے ٹلہیڑی اور وہاں پناہ لینے والے مسلمانوں کے پیچھے لگ گئے تھے اگرچہ حملہ آوروں کی موت کا ثبوت انہیں نہیں ملا تھا۔ جب گنگھیڑی والوں اور وہاں پناہ لیے ہوئے مسلمانوں نے پولیس کو آتے دیکھا تو وہ ٹھسکہ کی جانب بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں نے بھائی علمدار سے کہا: 'چلو۔' وہ چھت پر چڑھ گیا اور دیکھا کہ پولیس گاؤں میں داخل ہو چکی ہے۔ بھائی علمدار نے چھت سے چھلانگ لگائی اور کہا: 'پولیس آ گئی۔' پھر کہا: 'میں گھوڑا لے آؤں۔' وہ گھوڑا لے آیا تو اپنا گنڈاسا بھول آیا۔ پھر اس نے کہا: 'میں گنڈاسا لے آؤں۔' میں نے کہا: 'اب گئے تو واپس نہیں آؤ گے۔' پھر چلے تو بھائی علمدار نے کہا: 'کدھر سے جانا ہے۔' میں نے کہا: 'میرے پیچھے آؤ، مجھے راستہ کا پتہ ہے۔' میں آگے چلا اور ان کو اسماعیل آباد کے ساتھ سے ہوتے ہوئے ٹھسکہ لے آیا۔" [۴]

سیّدہ ثریا بیگم نے کہا: "ہم سیانہ سے اجڑتے ہوئے جو سامان گڈے پر لاد کر لائے تھے اس میں تین ٹرنک ایسے تھے کہ جن میں سے ایک میں سونا، دوسرے میں چاندی اور تیسرے میں نقد رقم تھی۔ کپڑوں کے ٹرنک اور دوسرا سامان ان کے علاوہ تھا۔ ہمارا بڑے پیمانے پر گھی کا کاروبار تھا اور گاؤں میں سب سے زیادہ سونا، چاندی اور پیسے ہمارے پاس تھے۔ جب گنگھیڑی سے بھاگنے لگے تو میری ماں نے میرے والد سے کہا: 'وہ ٹرنک جس پر پیتل کا تالا لگا ہوا ہے اٹھا لو۔' اس ٹرنک میں سونا تھا۔ میرے والد اپنے گڈے پر گئے تو دیکھا کہ دو ٹرنکوں پر پیتل کے تالے لگے ہوئے ہیں۔ میرے والد (عالم علی) سادہ

---

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

۲ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — یکم ستمبر ۲۰۱۱ء

۳ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

۴ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء، ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

انسان تھے۔ کوئی اندازہ لگانے کی کوشش کئے بغیر انہوں نے دو میں سے ایک ٹرنک اٹھا لیا اور ٹھسکہ کی جانب بھاگتے ہوئے لوگوں میں شامل ہو گئے۔“ ①

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: ”سیانہ والے اپنے جانور گنگھیڑی تک ساتھ لائے تھے۔ لیکن وہاں سے بھاگتے ہوئے جانور اور گڈوں پہ لدا ہوا سامان وہیں چھوڑ دیا۔ ہر شخص نے اتنا سامان اٹھایا جسے اٹھا کر وہ بھاگ سکتا تھا۔ میرے والد اپنا زیور ساتھ لے آئے۔ لیکن میری نانی کے میکے والوں (خورشید علی و عالم علی) کا سب کچھ وہیں رہ گیا۔“ ②

سیّد تصوّر حسین نے کہا: ”گنگھیڑی سے بھاگے تو اپنے زیورات، پیسے، مال، اسباب، جانور، گڈے سب کچھ وہیں چھوڑ دیے۔“ ③

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: ”جب گنگھیڑی سے بھاگے تو سیانہ کی مریم بی بی (جو مہدی حسن مرحوم کی بیوہ اور صدیق عرف منگتا مرحوم کی والدہ تھیں) بھاگنے والوں کا ساتھ نہ دے سکیں۔ وہ بہت ضعیف تھیں اور ان کا کوئی بہت قریبی قافلہ میں نہ تھا (جو انہیں اٹھا کر بھاگتا)۔ بعد میں پتہ نہ چل سکا کہ ان کے ساتھ کیا بیتی۔ یہی خیال کیا گیا کہ انہیں ہندو یا سکھ بلوائیوں نے قتل کر دیا ہے۔ کیونکہ جو مسلمان خاتون کسی رحمدل ہندو یا سکھ کو ملی وہ اسے کسی نہ کسی طرح نزدیکی کیمپ میں پہنچا گیا۔“ ④

سجاد کا انخلاء

سیّد جرار حسین نے کہا: ”جب گنگھیڑی کی طرف پولیس آئی اور لوگ ٹھسکہ کی جانب بھاگے تو ہم نمبردار کے گھر میں تھے۔ میرے ابّا جی (سجاد حسین) نے بھائی اقبال کو گھر کی عورتوں کے پاس بٹھا دیا اور انہیں ہدایت کی: 'اگر تم دیکھو کہ ہمیں قتل کر دیا گیا ہے تو سب عورتوں کو قتل کر دینا تاکہ یہ حملہ آوروں کے ہاتھ نہ آئیں۔' ماموں دلبر اور مجھے ابّا جی نے چھت پہ بٹھا دیا۔ دلبر کو انہوں نے اپنی بندوق دے دی تاکہ حملہ کی صورت میں دفاع کر سکیں۔ دو روایتی ہتھیاروں سے مسلح راجپوتوں کو حفاظت کے لیے نیچے بٹھا دیا۔ پولیس والے وہاں پہنچے تو تھانیدار ابّا جی کا دوست نکلا۔ تھانیدار نے ابّا جی سے کہا: 'شاہ صاحب! آپ کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ یہاں سے فوراً نکل جائیں۔' میرے ساتھ چھت پر بیٹھے ہوئے ماموں دلبر کمزور دِل کے مالک تھے۔ ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور انہوں نے بندوق مشکل سے سنبھالی ہوئی تھی۔ پولیس سے گفتگو کے بعد ابّا جی نے ہمیں چھت سے نیچے اترنے کا کہا تو ہم نیچے اترنے لگے۔ ابھی تین سیڑھیاں باقی تھیں کہ دلبر کے کانپتے ہاتھوں سے بندوق گر گئی۔ تھانیدار نے آگے بڑھ کر بندوق اٹھا لی اور ابّا جی سے کہا: 'ہم حملہ آوروں کو یہاں سے آگے نہیں جانے دیں

---

۱ سیّدہ ثریا بیگم دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء
۲ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ لاہور ــــ ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء
۳ سیّد تصور حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ گلاب گرمانی ــــ ۲۹ جنوری ۲۰۱۱ء
۴ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ لاہور ــــ ۱۶ جنوری ۲۰۱۱ء

گے۔ اور اب آپ کو بندوق کی ضرورت نہیں ہو گی۔' یہ کہہ کر پولیس والوں نے ابّا جی کی بندوق ضبط کر لی۔ پولیس والے ہمیں ٹھسکہ چھوڑ گئے۔ گنگھیڑی تک ہم سامان سے لدے ہوئے دو گڈے لائے تھے۔ ٹھسکہ جاتے ہوئے ایک گڈا وہیں چھوڑ دیا۔ جس گڈے کو چھوڑا اس پر وہ ٹرنک بھی تھا جس میں اصل قدیمی شجرہ محفوظ تھا جو نسل در نسل ابّا جی تک پہنچا تھا۔" ①

سیّد سالم حسین نے کہا: "جب ہم گنگھیڑی سے بھاگے تو سجاد حسین کے ساتھ نمبردار کی بیٹھک میں ۴۰ آدمی بیٹھے تھے۔ وہ وہیں بیٹھے رہے جب کہ باقی ہمارے ساتھ بھاگ آئے۔ سجاد کے ساتھ سیانہ کے محمود علی عرف مودی اور دلبر وغیرہ بھی تھے۔ سجاد نے ہمیں بتایا کہ پولیس آئی تو تھانیدار ان کا دوست تھا۔ تھانیدار نے کہا: 'گڈے جوڑو اور نکل جاؤ'۔ سجاد نے کہا: 'راستہ میں حملہ ہوا تو ہم کیا کریں گے۔' تھانیدار نے کہا: 'یہ میری ذِمّہ داری ہے۔' پھر کچھ سپاہیوں کو حفاظت کے لیے سجاد اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ٹھسکہ تک جانے کا حکم دیا۔ سپاہیوں نے کہا: 'اگر انہوں نے ہمیں مار دیا تو؟' تھانیدار نے سجاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: 'یہ اس کی ذِمّہ داری ہے۔' ٹھسکہ کے قریب پہنچ کر سجاد نے پولیس والوں کو واپس بھیج دیا۔" ②

---

۱ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

ٹھسکہ میراں جی کا اجڑنا

ٹھسکہ میراں جی ضلع کرنال کی تحصیل تھانیسر میں راجپوت مسلمانوں کا ایک بڑا قصبہ تھا جہاں ترمذی قاضی سادات سیانہ سیداں سے آکر تقسیم ہند سے ایک سو سال پہلے آباد ہوئے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد مختلف علاقوں سے ہزاروں مسلمانوں نے اس گاؤں میں پناہ لی۔ ان میں سیانہ سیداں کے سادات بھی شامل تھے۔ ٹھسکہ کے مسلمانوں نے بلوائیوں کے خوف سے ہجرت نہیں کی بلکہ ہندوستان کی فوج نے آکر انہیں زبردستی گاؤں سے نکالا۔ ٹھسکہ اور وہاں پناہ لیے ہوئے ہزاروں مسلمان گاؤں کے اجڑنے سے پہلے اور بعد میں جن صعوبتوں سے گزرے اس کی کچھ تفصیل عینی شاہدوں کی زبانی مندرجہ ذیل ہے:

سیّد اصغر مہدی نے کہا: ”ٹھسکہ میں قیام پاکستان کے لیے چلنے والی تحریک کا بہت گہرا اثر تھا۔ سبز کاغذ جس پر چاند ستارہ بنا ہوتا تھا کانوں پر لگا کر بچّے گلیوں میں پاکستان کے حق میں نعرے لگاتے پھرتے تھے۔ مسلم لیگ اور پاکستان کے حق میں مردوں اور عورتوں کے علیحدہ علیحدہ جلسے منعقد ہوتے تھے۔ عورتوں کے جلسوں میں صوفی عبد الحمید کی زوجہ صدارت اور میری ماں (حیدری بیگم) سٹیج سیکریٹری کے فرائض انجام دیتی تھیں۔ میری ماں جلسوں میں نعرے بھی لگواتی تھیں اور انہوں نے صوفی عبد الحمید کی بہن رقیہ کے ساتھ مل کر مسلم لیگ کے لیے کافی پیسے بھی اکٹھے کیے تھے۔ صاحبزادی محمودہ بیگم، جو میری بڑی بہن (بشیری بیگم) کی دوپٹہ بدل بہن بنی ہوئی تھی، نے بھی مسلم لیگ کے لیے چندہ اکٹھا کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔“ [۱]

سیّدہ مشتاق فاطمہ نے کہا: ”میں قیام پاکستان کے لیے منعقد ہونے والے عورتوں کے جلسوں میں تقاریر کرتی تھی۔ یہ تقاریر مجھے میرے باجی (والد) لکھ کر دیتے تھے۔ ایک ایسا ہی جلسہ صوفی عبد الحمید کے گھر میں منعقد ہوا جس میں میری تقریر کو بہت پسند کیا گیا۔ یہاں تک کہ صوفی صاحب کی بیوی نے اپنے خاندان کی تقاریر کرنے والی لڑکیوں سے کہا: 'تم اپنی تقاریر لکھ کر مشتاق فاطمہ سے ٹھیک کروا لیا کرو۔' میں یہ بات سن کر پریشان ہو گئی کیونکہ میں تو صِرف تقریر کا فن جانتی تھی، تحریر کا فن تو میرے باجی (قاضی محمد شفیع) کے پاس تھا۔“ [۲]

اصغر کی ذِمّہ داری

سیّد اصغر مہدی نے کہا: ”تقسیم ہند سے پہلے ملک میں کشیدگی بڑھی تو میرے باجی (والد) کافی پریشان ہو گئے

۱ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — یکم اکتوبر ۲۰۱۵ء

۲ سیّدہ مشتاق فاطمہ دختر قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۷ مارچ ۲۰۰۶ء

کیونکہ میری بڑی بہن (بشیری بیگم زوجہ زین العابدین) اور میرے چاچا سجاد کی بیٹی (صفدری بیگم زوجہ یاور حسین) سید کھیڑی میں رہتی تھیں۔ سید کھیڑی ایک چھوٹا گاؤں تھا اور ریاست پٹیالہ میں تھا جہاں سکھوں کی حکومت تھی۔ اس لیے وہاں کسی وقت بھی حملہ ہو سکتا تھا۔ میرے باجی اس خطرہ کی وجہ سے پریشان تھے۔ میرے بڑے بھائی (محمد مختار) ملازمت کے سلسلہ میں دہلی میں تھے اور میں سکول میں پڑھتا تھا اور کبھی اکیلا گاؤں سے باہر نہیں گیا تھا۔ لیکن میرے باجی نے حالات کی سنگینی کے پیش نظر اپنی بیٹی اور بھتیجی کو لانے کے لیے مجھے سید کھیڑی بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے مجھے شاہ آباد، انبالہ اور راجپورہ میں اپنے تین دوستوں کے نام رقعے لکھ کر دیے۔ ان رقعوں میں انہوں نے اپنے دوستوں کو سید کھیڑی کی جانب سفر میں میری راہنمائی کرنے کے لیے کہا۔ مجھے انہوں نے اپنے تین دوستوں سے ملنے اور رقعے دینے کی ہدایت کی۔ پھر باجی نے مجھے عالم علی راجپوت پٹواری کے ہمراہ شاہ آباد روانہ کیا۔ عالم نے مجھے شاہ آباد پہنچا دیا۔ وہاں میں اپنے باجی کی ہدایت کے مطابق تار بابو معزالدین سے ملا۔ معزالدین نے مجھے مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔ وہ سمجھا میں شاید گھر سے بھاگ کر آیا ہوں۔ تاہم میں نے اسے باجی کا رقعہ دیا۔ رقعہ پڑھنے کے بعد معزالدین نے مجھے انبالہ جانے والی ٹرین میں سوار کروا دیا۔ انبالہ پہنچ کر میں تار بابو نذیر کے پاس گیا اور اسے اپنے باجی کا رقعہ دیا۔ نذیر نے مجھے راجپورہ کے لیے ٹرین میں سوار کروا دیا۔ راجپورہ پہنچ کر میں باجی کی ہدایت کے مطابق کچہری گیا اور ان کا دیا ہوا رقعہ احمد حسین اہلمد کے حوالہ کیا۔ احمد حسین اس وقت چنے کھا رہا تھا۔ اس نے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا، چنے کھلائے اور شام کو سید کھیڑی جاتے ہوئے اپنے ساتھ لے گیا۔ اگلے روز میں آپا بشیری اور آپا صفدری کو لے کر سید کھیڑی سے رخصت ہوا تو آپا شہیدن نے بہت سے بسکٹ مجھے راستہ میں کھانے کے لیے دیے۔ وہ بسکٹ آپا شہیدن نے خود بنائے تھے۔ بھائی زین العابدین ہمیں انبالہ تک چھوڑنے آئے اور وہاں سے ہمیں شاہ آباد کی ٹرین میں سوار کروا دیا۔ شاہ آباد پہنچ کر میں اپنی بہنوں کے ہمراہ اپنے چاچا لطیف کے پاس چلا گیا جو وہاں پٹواری تعینات تھے اور اسٹیشن کے پاس صوفی عبد الحمید کی کوٹھی میں رہتے تھے۔ چاچا لطیف ہمیں لے کر ٹھسکہ پہنچے۔ خیریت سے واپس آنے پر سب نے میری بہت تعریف کی۔ کچھ عرصہ بعد میرے والد اور چاچا سجاد نے گاؤں چھوڑ کر پاکستان جانے کا پروگرام بنایا تو گاؤں والے آ گئے اور کہا: 'ہمیں چھوڑ کر جاؤ گے۔' پھر ہم رک گئے اور اس وقت تک گاؤں میں رہے جب تک فوج نے آ کر سب کو زبردستی نکال باہر نہ کیا۔"

پٹیالہ کا یتیم بچّہ

سیّد اصغر مہدی نے کہا: "پٹیالہ شہر میں مسلمانوں کے قتل عام کے بعد وہاں سے بھاگے ہوئے کچھ لوگ ٹھسکہ بھی پہنچے۔ ان میں ایک تین چار سال کا بچّہ بھی تھا۔ اس بچّے کے والدین کو سکھ بلوائیوں نے قتل کر دیا تھا۔ پٹیالہ سے آنے والوں میں بچّے کا کوئی وارث نہیں تھا۔ بچّے کی حالت خاصی خراب تھی۔ اس کے سارے جسم پر دانے نکلے ہوئے تھے۔ وہ بچّہ پٹیالہ کے لوگوں کے ساتھ میراں شاہ بھیک کے مزار پر پہنچ گیا۔ میں میراں شاہ بھیک کے مزار پر گیا تو میں نے لوگوں کو بچّے کی مظلومیت اور کسمپرسی کے بارے میں گفتگو کرتے اور اظہار افسوس کرتے ہوئے سنا۔ میں بچّے کے پاس گیا اور کچھ دیر اس کے

ساتھ پیار سے باتیں کرتا رہا۔ بچّے نے اپنا نام جابر بتایا۔ میں گھر واپس آنے لگا تو بچّے نے کہا: 'بھائی جان! میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔' میں بچّے کو گھر لے آیا اور اپنی ماں کو بچّے کے بارے میں وہ سب کچھ بتایا جو میں نے میراں شاہ بھیک کے مزار پر لوگوں سے سنا تھا۔ میری ماں نے بچّے کو پیار کیا اور اسے اپنا بیٹا بنا لیا۔" [۱]

سیّد صغیر حسین نے کہا: "پٹیالہ کے بچّے جابر کے آنے سے پہلے میں اپنی ماں (حیدری بیگم) کے ساتھ سوتا تھا۔ جابر آیا تو میری ماں اسے اپنے ساتھ اور مجھے علیحدہ چھوٹی چارپائی پر سلانے لگیں۔ میری ماں نے جابر کو یہی بتایا کہ وہی اس کی ماں ہیں۔ جابر اتنا چھوٹا اور معصوم تھا کہ اس نے میری ماں کو اپنی ماں سمجھنا اور کہنا شروع کر دیا۔ چند دنوں کی دیکھ بھال اور تیمارداری سے بچّے کے جسم پر نکلے ہوئے دانے ٹھیک ہو گئے۔" [۲]

پناہ گزینوں کا ہجوم

سیّد اصغر مہدی نے کہا: "ہندو اور سکھ بلوائیوں کے حملوں میں شدّت آئی تو اردگرد کے علاقوں سے مسلمان پناہ حاصل کرنے کے لیے بڑی تعداد میں ٹھسکہ آنے لگے۔ زیادہ تر لوگ میراں شاہ بھیک کے مزار پر آکر ٹھہرے کیونکہ وہاں ہر روز صبح و شام لنگر (کھانا) تقسیم ہوتا تھا۔ میرے باجی (قاضی محمد شفیع) میراں شاہ بھیک کے مزار کے سجادہ نشین تھے اور لنگر ان کی زیر نگرانی تقسیم ہوتا تھا۔ کچھ ہی دنوں میں ہزاروں مسلمان پناہ گزین ٹھسکہ میں اکٹھے ہو گئے۔میرے باجی نے سب کے لیے اپنا گھر کھول دیا۔ ضرورت مند ان کے گھر میں موجود اشیاء میں سے کوئی بھی شے لے سکتے تھے۔ ہمارا ایک کوٹھا تمباکو کا بھرا ہوا تھا، ایک کوٹھا گڑ کا بھرا ہوا تھا، ہر جنس بہت زیادہ تھی۔ مسلمان اوڈوں (بکریاں چَرانے والوں) کو سب چیزیں اٹھوا دیں۔ روہٹی گاؤں کا زمیندار نرائن سنگھ میرے باجی اور چاچا سجاد کا دوست تھا۔ وہ آیا اور باجی سے کُتّا مانگ لیا۔ باجی نے کُتّا اسے دے دیا۔ نرائن سنگھ باہرلے (سؤر) کا شکار کرتا تھا۔ اور کُتّا شکار کے لیے بہترین تھا۔ روہٹی گاؤں ٹھسکہ سے ایک میل دور ہمارے کنویں کے ساتھ تھا۔" [۳]

سیانہ والوں کی آمد

سیّدہ ثریا بیگم نے کہا: "میرے والد (عالم علی) کنگھیڑی سے بھاگتے ہوئے جو ٹرنک اٹھا کر لائے تھے اسے میری والدہ (کنیز) نے ٹھسکہ پہنچ کر کھولا تو ان کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ انہوں نے اپنے سینہ پر دو ہتھڑ مارا اور گہرے صدمہ میں چلی گئیں کیونکہ جو ٹرنک میرے والد اٹھا لائے تھے اس میں کپڑے تھے اور چاندی کا ایک ہار تھا۔ سونا، چاندی اور نقد رقم سے بھرے

۱ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور/کبیروالا/خانیوال — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء، ۲۰ نومبر ۲۰۰۵ء، ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء، ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

۲ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء

۳ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — خانیوال — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

ہوئے تین علیحدہ علیحدہ ٹرنک گنگھیڑی میں گڈے پر پڑے رہ گئے تھے۔"[۱]

سیّدہ اصغری خاتون نے کہا: "ٹھسکہ میں ہم تمہارے نانا (قاضی محمد شفیع) کے گھر رہے۔ تمہاری نانی (حیدری بیگم) نے ہماری بہت خدمت کی۔ ہمارے علاوہ اور کئی لوگ بھی ان کے گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے۔"[۲]

سیّد جرار حسین نے کہا: "ٹھسکہ میں ہم تمہارے نانا قاضی شفیع کے گھر ٹھہرے۔ وہاں ہم آٹھ دس دن رہے۔"[۳]

سیّدہ انعام فاطمہ نے کہا: "ٹھسکہ میں ہم قاضی عطا حسین کے گھر ٹھہرے کیونکہ ان کے ساتھ ہماری رشتہ داری تھی۔"[۴]

سیّد سالم حسین نے کہا: "ٹھسکہ میں ہم قاضی لطیف حسین کے گھر ٹھہرے۔"[۵]

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: "ٹھسکہ میں ہم قاضی سجاد حسین کے گھر ٹھہرے۔ تاہم تمام مرد اور بچّے رات کو قاضی شفیع کی بیٹھک میں سوتے تھے۔ وہاں قالین بچھا ہوا تھا اور سب نیچے سوتے تھے۔ ٹھسکہ میں چنے بہت تھے۔ ایک بار سب کو پانچ پانچ سیر چنے دیے گئے۔ ٹھسکہ کے راجپوتوں نے اجڑ کر آنے والے مسلمانوں خصوصاً سادات کی بہت مدد کی۔"[۶]

ٹھسکہ کا گھیراؤ اور تلاشی

سیّد سالم حسین نے کہا: "ٹھسکہ آنے کے کوئی ایک ہفتہ بعد سیانہ کے کچھ لوگ قاضی شفیع کی زمین پر کچھ دور تک گئے۔ میں بھی ان میں شامل تھا۔ ہم نے دیکھا کہ ٹھسکہ کو چاروں طرف سے گورکھا ملٹری نے گھیر لیا ہے۔ ہمیں کچھ فاصلہ پر دو گھڑ سوار انگریز افسر نظر آئے۔ انگریز افسروں نے ہمیں دیکھ کر اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ ہم وہاں پہنچے تو انہوں نے کہا: 'گاؤں کے بڑے کو بلا کر لاؤ'۔ ہم سیانہ کے سجاد حسین کے علاوہ کسی بڑے کو نہیں جانتے تھے۔ (ٹھسکہ کے بڑے صوفی عبد الحمید صوبائی وزیر تھے اور ان دنوں لاہور میں تھے۔) ہم گاؤں آئے اور سجاد کو انگریز افسروں کا پیغام دیا اور انہیں بتایا کہ فوج نے گاؤں کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ وہاں موجود ٹھسکہ کے کچھ راجپوت یہ بات سن کر ہنسنے لگے۔ انہوں نے کہا: 'ہمارے گاؤں کا گھیراؤ کس طرح ہو سکتا ہے۔' سجاد حسین انگریز افسروں سے ملنے گئے۔ انگریز افسروں نے سجاد سے کہا: 'فوج ٹھسکہ کی تلاشی لے گی۔ اگر تلاشی دیں تو ٹھیک ہے ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔' سجاد نے کہا: 'ہم تلاشی دینے کے لیے تیار ہیں۔' انگریز افسروں نے کہا: 'آدھے گھنٹے میں گاؤں کے سب لوگ سکول کی عمارت میں اسلحہ جمع کروا دیں۔' گاؤں میں

---

۱ سیّدہ ثریا بیگم دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء

۲ سیّدہ اصغری خاتون دختر سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۱۶ جون ۲۰۱۸ء

۳ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۴ سیّدہ انعام فاطمہ دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لنگر سرائے — یکم جولائی ۲۰۱۸ء

۵ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۶ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

اعلان کر دیا گیا اور لوگوں نے اسلحہ جمع کروانا شروع کر دیا۔ گنڈاسے، بھالے، برچھے، کلہاڑیاں اور کچھ پرانی بندوقیں سکول میں جمع کروا دی گئیں جب کہ اچھی قسم کی بندوقیں لوگوں نے یہ سوچ کر کنوؤں میں پھینک دیں کہ بعد میں نکال لیں گے۔ انگریز افسروں کی جمع شدہ ہتھیاروں کو دیکھ کر تسلّی نہ ہوئی۔ انہوں نے فوج کو گھر گھر تلاشی لینے کا حکم دیا۔ سب گھروں کی تلاشی ہوئی لیکن کوئی قابل اعتراض چیز نہ مل سکی۔ تلاشی کے بعد انگریز افسروں نے سجاد کو دوبارہ بلایا اور کہا: 'کل صبح چھ بجے ہم ٹھسکہ میں جمع سب مسلمانوں کو شاہ آباد کیمپ لے جائیں گے۔ آپ لوگ ۱۰، ۱۵ دن کا راشن ہمراہ لے لیں۔ جو شاہ آباد کیمپ کے لیے روانہ نہیں ہو گا اسے ہم ڈنڈے مار کر لے جائیں گے۔' سجاد نے انگریز افسروں کی توجہ راستہ میں موجود خطرے کی طرف دلائی تو انہوں نے کہا: 'یہ ہماری ذِمّہ داری ہے۔' اگلی صبح ٹھسکہ میں موجود سب مسلمانوں کا قافلہ شاہ آباد کی طرف چل پڑا۔ جنہوں نے جانے میں ہچکچاہٹ دکھائی فوجیوں نے ڈنڈے مار کر انہیں چلنے پر مجبور کیا۔" [۱]

ٹھسکہ سے شاہ آباد

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: "سیانہ سیداں میں ہر شخص اپنے پاس ایک ڈنڈا ضرور رکھتا تھا۔ کوئی ڈنڈا نہ ملنے کی وجہ سے میں نے ہاتھ میں سیرو (چارپائی کا پایہ) پکڑا ہوا تھا۔ ٹھسکہ سے چلے تو پولیس والوں نے مجھ سے وہ بھی لے لیا۔" [۲]

سیّدہ مشتاق فاطمہ نے کہا: "ٹھسکہ سے شاہ آباد جانے کے لیے ہم گھر سے نکلے تو لوگوں کا ہجوم دیکھ کر میری بڑی بہن آپا بشیری بیہوش ہو گئیں۔ انہیں گھر والوں نے سنبھالا۔" [۳]

سیّد اصغر مہدی نے کہا: "میرے نانا عطا حسین نے قافلہ کے ساتھ شاہ آباد جانے سے انکار کر دیا۔ انہیں زبردستی اٹھا کر گڈے پر بٹھایا۔" [۴]

سیّدہ بشیری بیگم نے کہا: "میرے نانا عطا حسین ٹھسکہ چھوڑنے کے لیے ذہنی طور پر بالکل تیار نہیں تھے۔ وہ کہتے تھے: 'بادشاہ بدلتے ہیں، رعایا تو کبھی نہیں بدلتی۔' جب ہمارا قافلہ ان کی زمینوں پر سے گزرا تو انہوں نے کہا: 'ہم نے یہ فصلیں اور باغ سورے ہندوؤں اور سکھوں کے لیے لگائے تھے؟'" [۵]

شرکاء قافلہ

ٹھسکہ سے شاہ آباد جانے والے مسلمانوں کے قافلہ میں قاضی سیّد خاندان کے مندرجہ ذیل افراد شامل تھے:

---

۱ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء

۲ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

۳ سیّدہ مشتاق فاطمہ دختر قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۷ مارچ ۲۰۰۶ء

۴ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء

۵ سیّدہ بشیری بیگم دختر قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ/بالواسطہ سیّد کلب عباس ولد زین العابدین بالمشافہ — بورے والا/راولپنڈی

① عطا حسین ولد نُور محمد ② حمیدن بیوہ محمد حسین ③ محمد شفیع ولد محمد حسین ④ حیدری بیگم زوجہ محمد شفیع ⑤اصغر مہدی ولد محمد شفیع ⑥ صغیر حسین ولد محمد شفیع ⑦ بشیری بیگم دختر محمد شفیع (وہ سید کھیڑی میں بیاہی تھیں اور اپنے والدین کے پاس ٹھسکہ آئی ہوئی تھیں) ⑧ مشتاق فاطمہ دختر محمد شفیع ⑨ اختری بیگم زوجہ محمد مختار ⑩جابر (وہ یتیم بچّہ جو پٹیالہ کے مہاجرین کے ساتھ ٹھسکہ آیا تھا اور جسے حیدری بیگم زوجہ محمد شفیع نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا) ⑪لطیف حسین ولد محمد حسین ⑫حیدری بیگم زوجہ لطیف حسین ⑬محمد اسلم ولد لطیف حسین ⑭رضیہ بیگم دختر لطیف حسین ⑮انعام فاطمہ زوجہ ذوالفقار حسین ⑯ذوالفقار حسین عرف دلدار ولد احمد حسن (وہ سید کھیڑی کے رہنے والے تھے اور اپنی بہن انعام فاطمہ کے پاس ٹھسکہ آئے ہوئے تھے) ⑰فضل الرحمٰن ولد زوّار حسین (وہ گوہلہ کے رہنے والے تھے، ٹھسکہ میں قرآن حفظ کر رہے تھے اور اپنی پھوپھی حیدری بیگم زوجہ لطیف حسین کے پاس رہتے تھے) ⑱جعفری زوجہ اوّل سجاد حسین ⑲خدیجہ خاتون زوجہ ثانی سجاد حسین ⑳مظہر حسین ولد سجاد حسین ㉑ارشد حسین ولد سجاد حسین ㉒صفدری بیگم دختر سجاد حسین (وہ سید کھیڑی میں بیاہی تھیں اور اپنے والدین کے پاس ٹھسکہ آئی ہوئی تھیں) ㉓محمودہ بیگم دختر سجاد حسین ㉔اقبال فاطمہ دختر سجاد حسین

قاضی سیّد خاندان کے مندرجہ ذیل افراد قافلہ میں شامل نہیں تھے:

㉕بتول عرف تولی بیوہ عبد المجید عرف نھتو (وہ اپنے میکے گاؤں گوہلہ میں تھیں اور وہیں سے پاکستان آئیں) ㉖کلثوم بیوہ نذیر حسین (وہ اپنے میکے گاؤں گوہلہ میں تھیں اور وہیں سے پاکستان آئیں) ㉗محمد مختار ولد محمد شفیع (وہ دہلی میں ملازم تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) ㉘ذوالفقار حسین ولد لطیف حسین (وہ دہلی میں ملازم تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) ㉙سجاد حسین ولد محمد حسین (وہ ملازمت کے سلسلہ میں بہاولپور میں تھے) ㉚مظفر ولد سجاد حسین (وہ ٹھسکہ سے باہر تھے) ㉛انوری بیگم دختر سجاد حسین (وہ اپنی نانی حکیمن زوجہ امیر علی کے میکے گاؤں بلاھڈا میں تھیں۔ تلونڈی میں بلاھڈا والوں کا قتل عام ہوا تو انوری بھی وہاں شہید ہو گئیں) ㉜منظور علی عرف منصورا ولد احمد حسین ㉝بتول زوجہ منظور علی ㉞مجید اختر ولد منظور علی ㉟انعام فاطمہ دختر منظور علی ㊱عزیز فاطمہ دختر منظور علی (منصورا اپنی زوجہ اور بچّوں کے ساتھ درڑ میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے)۔[1]

قاضی سیّد خاندان کے علاوہ قافلہ میں ٹھسکہ کے رہائشی میراں مجید کے خاندان کے افراد بھی تھے جو سیّد کہلاتے تھے اور جن کی رشتہ داریاں گوہلہ والوں کے ساتھ تھیں۔[2]

سیّد اصغر مہدی نے کہا: "ٹھسکہ سے شاہ آباد جانے والے قافلہ کے شرکاء کی تعداد دس ہزار سے زائد تھی۔ گڈوں کی تعداد قافلے کے شرکاء کی نسبت کافی کم تھی اس لیے اکثر افراد پیدل چل رہے تھے۔ میرے باجی (قاضی محمد شفیع) اور

---

۱ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ بہاولپور ــــ ۲۷ جون ۲۰۰۵ء

۲ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ بہاولپور ــــ ۲۷ جون ۲۰۰۵ء

سیانہ کے خالو سجاد حسین نے اپنے کنبوں کی عورتوں کو تو گڈوں پر بٹھایا تھا لیکن مرد اور بچّے پیدل ہی چل رہے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ خالو سجاد کی بیٹی اقبال فاطمہ عرف بالی بھی میرے ساتھ پیدل چل رہی تھی۔ قافلہ شام کو بخیریت شاہ آباد پہنچ گیا۔" ①

سیّد صغیر حسین نے کہا: "ٹھسکہ سے قافلہ چلا تو کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد میں اپنے گھر والوں سے بچھڑ گیا اور رونے لگا۔ ایک راجپوت خاندان نے مجھے روتے دیکھ کر اپنے ساتھ لے لیا۔ راجپوت عورتیں باری باری مجھے گود میں اٹھا کر چلتی رہیں۔ انہوں نے مجھے تسلّی دیتے ہوئے کئی بار کہا: 'ہم تمہاری ماسیاں ہیں۔' قافلہ شام کو شاہ آباد پہنچا۔ رات گزر گئی۔ اگلے روز شام کو کِسی جاننے والے نے مجھے پہچان لیا اور میرے گھر والوں کے پاس پہنچا دیا۔" ②

سیّد فضل الرحمٰن نے کہا: "جب ٹھسکہ سے نکلے تو عورتوں اور بچّوں کو گڈوں پر بٹھا دیا اور مرد پیدل چلنے لگے۔ جس گڈے پر ہم بیٹھے اس پر ایک بڑا دیگچہ رکھا ہوا تھا۔ مجھے اور ارشد (ولد سجاد حسین) کو اس دیگچے میں بٹھا دیا۔ میں وہاں بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو میں نے کہا کہ مجھے پیشاب آ رہا ہے۔ یہ کہہ کر میں گڈے سے نیچے اتر گیا اور پیدل چلنے لگا۔ ارشد دیگچے میں بیٹھا رہا اور کچھ نہ بولا۔ کسی نے مجھ سے کہا کہ پیشاب کر لو۔ میں نے کہا کہ پیشاب نہیں کرنا میں پیدل چلوں گا۔ کچھ دور گئے تھے کہ ٹھسکہ کے ڈاکٹر ظہور وہاں سے گزرے۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے اور ان کے گھر والے گڈے پر تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: 'پیدل کیوں چل رہے ہو؟' میں نے کہا: 'میں گڈے پر بیٹھے بیٹھے تھک گیا تھا۔' انہوں نے کہا: 'میرے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔' وہ مجھے شاہ آباد کیمپ تک اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا کر لے گئے اور رات کو بھی مجھے اپنے گھر والوں کے ساتھ رکھا۔ صبح میرے گھر والوں کو ڈھونڈ کر مجھے ان کے حوالے کر دیا۔" ③

شاہ آباد کیمپ کے حالات

سیّدہ بشیری بیگم نے کہا: "میرے نانا عطا حسین کو ٹھسکہ چھوڑنے کا بہت صدمہ تھا۔ شاہ آباد کیمپ میں پہلی رات ہی ان کی طبیعت بہت خراب ہو گئی اور ان کا انتقال ہو گیا۔ انہیں وہیں دفن کر دیا گیا۔" ④

سیّد اصغر مہدی نے کہا: "میرے نانا عطا حسین سارے گاؤں کے تایا تھے۔ وہ شاہ آباد کیمپ میں فوت ہوئے تو سب کہنے لگے تایا جی فوت ہو گئے۔ انہیں مارکنڈا کے کنارے دفن کیا گیا۔" ⑤

سیّدہ ثریا بیگم نے کہا: "شاہ آباد کیمپ میں میرا ایک بھائی پیدا ہوا۔ میری ماں سونے، چاندی اور پیسوں سے بھرے ہوئے تین ٹرنک گنگھیڑی رہ جانے کی وجہ سے پہلے ہی شدید صدمہ میں تھیں۔ زچگی کی تکلیف میں انہیں کوئی مدد بھی نہ مل

۱ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء
۲ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء
۳ سیّد فضل الرحمٰن ولد زوّار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۳۰ دسمبر ۲۰۱۸ء
۴ سیّدہ بشیری بیگم دختر قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بورے والا
۵ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — خانیوال — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

سکی۔ وہ بیٹے کی پیدائش کے بعد فوت ہو گئیں۔ انہیں وہیں دفن کر دیا گیا۔ میرے بھائی کو میری دادی (کبری) نے سنبھالنے کی کوشش کی اور اس کا نام اختر رکھا۔ اختر کو دودھ پلانے کا مسئلہ تھا۔ اس کے ہونٹ خشک ہو گئے اور دس دن کی عمر میں وہ فوت ہو گیا۔ میری ایک بہن راستہ میں فوت ہوئی اور میری تائی کلثوم کی ایک شیر خوار بچّی بھی راستہ میں فوت ہوئی۔"[۱]

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: "شاہ آباد کیمپ میں سیانہ کے میر سجاد حسین اور ٹھسکہ کے قاضی محمد شفیع نے بڑے بڑے علیحدہ خیمے ساتھ ساتھ لگائے اور ان میں اپنے کنبوں کے ساتھ رہنے لگے۔ ان خیموں کے قریب ہی ایک ٹبہ تھا جس پر دری بچھا دیتے تھے اور سجاد، شفیع، لطیف اور سیانہ اور ٹھسکہ کے دوسرے بزرگ دن کا زیادہ حصّہ وہاں بیٹھ کر گزارتے تھے۔ ہر وقت حقہ چلتا تھا اور مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی تھی۔ قاضی لطیف عموماً کہتے تھے: 'پاکستان تو جنّت کا ٹکڑا ہے۔ وہاں اچھے اچھے پھل اور اچھی اچھی فصلیں ہوتی ہیں۔ ہم وہاں جا کر خوب کھائیں پئیں گے اور آرام سے زندگی گزاریں گے۔' لطیف کی باتیں سب دلچسپی سے سنتے تھے اور اس طرح سب کے حوصلے بلند رہتے تھے۔ شاہ آباد کیمپ میں یہ عارضی ڈیرہ ڈیڑھ ماہ تک آباد رہا۔"[۲]

سیّد سالم حسین نے کہا: "شاہ آباد میں مسلمان مہاجرین کا کیمپ مارکنڈا کے کنارے پر تھا۔ چند ہی دنوں میں مارکنڈا کا پانی گندگی سے بھر گیا۔ ہزاروں لوگ رفع حاجت کے لیے مارکنڈا کو استعمال کرتے تھے جس کی وجہ سے انسانی گندگی ہر جگہ پانی میں تیرتی نظر آتی تھی۔ اسی پانی میں لوگ نہانے پر مجبور تھے۔ پھر مارکنڈا کے دونوں طرف کھائیاں کھودی گئیں۔"[۳]

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: "کیمپ کی انتظامیہ نے کھائیاں کھدوائیں اور کھائیوں کے باہر رفع حاجت پر سخت پابندی لگا دی۔ ریٹائرڈ فوجیوں کو ڈنڈے دے کر جگہ جگہ کھڑا کیا گیا جس کے نتیجہ میں لوگ رفع حاجت کے لیے کھائیوں میں ہی جاتے تھے۔ اس طرح مارکنڈا کا پانی صاف ہو گیا۔ لوگ اپنے کپڑے بھی مارکنڈا کے پانی میں دھوتے تھے۔"[۴]

جان محمد عرف جانو فقیر نے کہا: "اگر کوئی شخص کھائیوں سے باہر رفع حاجت کرتے دیکھ لیا جاتا تو کیمپ کی انتظامیہ کے لوگ اسے گندگی اٹھا کر کھائی میں پھینکنے پر مجبور کرتے تھے۔"[۵]

سیّد فضل الرحمٰن نے کہا: "شاہ آباد کیمپ میں سب کے جوئیں پڑ گئی تھیں۔ مارکنڈا کے کنارے پانی میں چار پانچ فٹ تک جوؤں کی تہہ جمی ہوئی تھی کیونکہ لوگ وہاں جوؤں سے بھرے ہوئے کپڑے دھوتے تھے۔ ہم پینے کے لیے پانی جوؤں کی تہہ سے آگے جا کر لیتے تھے۔ کیمپ سے باہر جا کر مارکنڈا کی صاف جگہ سے پانی نہیں لے سکتے تھے کیونکہ ہندوؤں کے علاقے شروع ہو جاتے تھے۔ پانی کو ابال کر اس میں لال دوائی ڈالتے تھے اور پھر پیتے تھے۔ بغیر دوائی ڈالے پانی پینے سے سختی سے منع کر دیا گیا تھا۔ جوؤں کی وجہ سے میرے جسم پر پھنسیاں نکل آئیں اور زخم ہو گئے۔ ٹھسکہ کے ڈاکٹر ظہور کیمپ

---

۱ سیّدہ ثریا بیگم دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء

۲ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

۳ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۴ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۳ جنوری ۲۰۱۱ء

۵ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

کے عارضی ہسپتال میں سرکاری طور پر تعینات تھے۔ وہ آئے اور مجھے ہسپتال لے گئے۔ وہاں میرے کپڑے اتارے، پہلے مجھے نہلایا پھر سارے جسم پر دوائی لگائی اور کھانے کی دوائی بھی دی۔ دو دن مجھے ہسپتال میں رکھا۔ ان کے علاج سے میں ٹھیک ہو گیا۔ کیمپ میں بہت زیادہ لوگ تھے اور جوؤں کا مسئلہ تو سب کے ساتھ تھا۔ سب بیمار لوگ تو ہسپتال نہیں جا سکتے تھے۔ وہاں مریضوں کو بڑے پیمانہ پر داخل کرنے کی سہولت بھی نہیں تھی۔ بہت سے لوگ بیماریوں کی وجہ سے مرے۔" [1]

دیوان منظور الحق نے کہا: "شاہ آباد میں مسلمان مہاجرین کا کیمپ مارکنڈا کے کنارے اور ریلوے لائن کے پاس تھا۔ تھانہ بھی ریلوے لائن کے پاس تھا۔ مسلمان ضرورت کی چیزیں خریدنے کے لیے کیمپ سے شہر جاتے تھے۔ کماد کے کھیتوں کے درمیان سے راستہ شہر جاتا تھا۔ اس راستہ پر جانے والے ایک دوسرے کے پیچھے چلتے تھے۔ کمادوں میں چھپے ہوئے سکھ، ہندو عموماً حملہ کر کے دو چار مسلمانوں کو قتل کرتے اور بھاگ جاتے تھے۔ کبھی کبھار حملہ آوروں کو بھی جان سے ہاتھ دھونا پڑتے تھے۔ ایک دن میں اپنے پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ عورتوں کے کپڑے لینے کے لیے کیمپ سے شہر گیا۔ واپس آتے ہوئے کھیتوں کے درمیان راستہ پر کیمپ جانے والے لوگ ایک دوسرے کے پیچھے چل رہے تھے۔ کسی کے سر پر گٹھڑی، کسی کے بکس اور کسی کے اٹیچی تھا۔ ایک سکھ ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے کماد سے نکلا اور مجھ سے تین آدمی آگے جانے والے مسلمان پر حملہ کر دیا۔ جس شخص پہ حملہ ہوا اس کے پیچھے چلنے والے مسلمان کے ہاتھ میں لکڑی تھی۔ اس نے لکڑی سکھ حملہ آور کے سر پر ماری۔ حملہ آور گر گیا اور مر گیا۔ لکڑی مارنے والے مسلمان نے حملہ آور کی تلوار اٹھائی اور اس کی مدد کو آنے والے تین اور سکھوں کو بھی مار دیا۔"

دیوان منظور الحق نے کہا: "میرے والد کی زمینوں پر کام کرنے والے ہندو کیمپ میں ہمیں آٹا، گھی وغیرہ دے جاتے تھے۔ ان ہندو ملازموں کا خیال تھا کہ ہم لوگ حالات ٹھیک ہونے کے بعد اپنی زمینوں پر واپس آ جائیں گے۔ وہ ہمارے لیے بہت سی دوسری کھانے کی چیزیں بھی لے کر آتے تھے۔ کیمپ کے محافظ وہ چیزیں پہلے انہی کو کھلاتے تھے تاکہ یقین ہو جائے کہ ان میں زہر نہیں ملایا گیا۔" [2]

قاضی سجاد کا ٹرک

سیّد اصغر مہدی نے کہا: "شاہ آباد کیمپ میں آئے ہوئے ابھی دو ہفتے پورے نہیں ہوئے تھے کہ میرے چاچا سجاد حسین جو بہاولپور پولیس میں انسپکٹر تھے لاہور سے ایک ٹرک لے کر پہنچ گئے۔ اس ٹرک میں صوفی عبد الحمید کے کنبہ، چاچا سجاد کے کنبہ اور میرے والد کے کنبہ کے افراد بیٹھ گئے۔ انعام فاطمہ اور اس کا بھائی ذوالفقار بھی ٹرک میں بیٹھ گئے۔ چاچا لطیف حسین اور ان کے کنبہ کی باری آئی تو ٹرک میں جگہ ختم ہو گئی۔ اس وجہ سے میرے باجی (قاضی محمد شفیع) ٹرک سے

---

1 سیّد فضل الرحمٰن ولد زوّار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۳۰ دسمبر ۲۰۱۸ء

2 دیوان منظور الحق ولد سراج الحق (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء

اتر گئے اور اپنے بھائی اور ان کے گھر والوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے وہیں رک گئے۔ انہیں مزید کئی ماہ کیمپ کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔" [1]

سیّد فضل الرحمٰن نے کہا: "میں ماموں سجاد کے ٹرک میں بیٹھ گیا تھا۔ میری پھوپھی (حیدری بیگم زوجہ لطیف حسین) نے کہا: 'میرا بھتیجا میرے ساتھ جائے گا' اور مجھے ٹرک سے نیچے اتار لیا۔" [2]

سیّد ارشد حسین نے کہا: "میرے والد (سجاد حسین) کو اس وقت پنجاب حکومت میں وزیر صوفی عبد الحمید نے ٹرک دے کر بھیجا تھا۔ ان دنوں خطرہ تھا کہ حکومت صوفی عبد الحمید کے گھر والوں کو گرفتار کر لے گی کیونکہ صوفی صاحب ٹھسکہ کے پاکستان حامی معروف سیاستدان تھے۔ میرے والد جو ٹرک لائے اس میں سب سے پہلے صوفی صاحب کے گھر والوں کو بٹھایا گیا۔ اس کے بعد میری والدہ کے عزیزوں کے واقف کار شیخ سجاد اور ان کے گھر والوں کو بٹھایا گیا۔ شیخ سجاد کافی امیر آدمی تھے اور ان کو بھی حکومت کی طرف سے گرفتاری کا خطرہ تھا۔ پھر ہم ٹرک میں بیٹھے۔" [3]

سیّد اصغر مہدی نے کہا: "ہمارا ٹرک ایک کانوائے میں گورکھا فوجیوں کی حفاظت میں روانہ ہوا۔ انبالہ شہر پہنچے تو ہماری ملاقات سیدکھیڑی کے تصدق حسین سے ہوئی۔ چاچا سجاد نے تصدق کو کچھ پیسے بھی دیے۔ پھر کوشش کر کے بھائی زین العابدین کو تلاش کیا اور انہیں ہمارے ساتھ چلنے کا کہا کیونکہ میرے باجی شاہ آباد رہ گئے تھے اور ہمارے ساتھ کوئی بڑا مرد نہیں تھا جو چاچا سجاد پر پڑی ہوئی ذِمّہ داری کا بوجھ بانٹ سکے۔ بھائی زین العابدین ہمارے ساتھ آ گئے۔" [4]

سیّد ارشد حسین نے کہا: "جب ہم انبالہ چھاؤنی پہنچے تو سکھوں نے اپنی ایک پہلے سے مردہ عورت کی لاش کو ٹرک کے آگے ڈال دیا اور شور مچانے لگے کہ ٹرک نے عورت کو کچل دیا۔ سکھ بہانہ بنا کر ہمیں قتل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ہمارا ٹرک چونکہ کانوائے کے ساتھ تھا اور گورکھا فوجیوں کی حفاظت اسے حاصل تھی اس لیے کچھ تُوتُو میں میں کے بعد خطرہ ٹل گیا۔" [5]

سیّد ذوالفقار حسین نے کہا: "ہمارے ٹرک جالندھر پہنچے تو بلوائیوں نے ڈرم رکھ کر راستہ روک دیا تاکہ ٹرکوں پہ سوار لوگوں کو مار دیں۔ ہمارے ٹرکوں پہ گورکھے فوجی بیٹھے تھے۔ وہ نیچے اترے تو بلوائی بھاگ گئے۔ فوجیوں نے ڈرم ہٹا دیے اور ہمارا قافلہ آگے بڑھ گیا۔" [6]

سیّد اصغر مہدی نے کہا: "ہمارا ٹرک بخیریت و عافیت لاہور پہنچ گیا۔ ہم کرشن نگر میں صوفی عبد الحمید کی ۱۲ نمبر کوٹھی میں رہے۔ صوفی صاحب ۳۲- بی گلبرگ میں رہتے تھے۔ بھائی زین العابدین ہمارے سرپرست تھے کیونکہ چاچا سجاد

---

۱ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء
۲ سیّد فضل الرحمٰن ولد زوّار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۹ دسمبر ۲۰۱۸ء
۳ سیّد ارشد حسین ولد قاضی سجاد حسین (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء
۴ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء
۵ سیّد ارشد حسین ولد قاضی سجاد حسین (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء
۶ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — علی پور — ۹ جنوری ۲۰۱۸ء

اپنے بچّوں کو لے کر بہاولپور چلے گئے تھے۔ صوفی صاحب مجھے روزانہ کہتے تھے: 'اپنی امّی سے پوچھنا پیسوں کی ضرورت تو نہیں۔' ہم ایک ماہ صوفی صاحب کے پاس رہے۔ پٹیالہ میں یتیم ہونے والا بچّہ جابر بھی ہمارے ساتھ تھا۔ پھر ہم لاہور میں بھائی احسان علی کے گھر چلے گئے۔ بھائی احسان نے میری ماں سے کہا: 'جابر کو میرے حوالہ کر دیں۔' میری ماں نے سوچا کہ ہم پتہ نہیں کہاں اور کن حالات میں رہیں گے جب کہ احسان عرصہ سے لاہور میں مقیم ہے۔ بچّے کے محفوظ مستقبل کے پیش نظر میری ماں نے جابر کو احسان کے حوالے کر دیا۔ کچھ دن بچّے کی پرورش شہیدن زوجہ احسان علی نے کی۔ پھر احسان کے قریبی دوست معزالدین نے بچّے کو لے لیا اور ان کی بیوی مصطفائی بچّے کی پرورش کرنے لگیں۔ معزالدین نے بچّے کی تصویر اور خبر بھی اخبار میں چھپوائی۔ ایک دن جابر گھر کے سامنے کھیل رہا تھا کہ اس کا ماموں وہاں سے گزرا اور اس نے بچّے کو پہچان لیا۔ دو دن بعد وہ اپنی والدہ کو لے کر معزالدین کے گھر پہنچ گیا۔ معزالدین نے اپنی پوری تسلّی کرنے کے بعد جابر کو اس کی نانی کے حوالے کر دیا۔" ①

شاہ آباد کیمپ پر فائرنگ

سیّد سالم حسین نے کہا: "ٹھسکہ سے شاہ آباد آنے کے ۱۵ روز بعد کیمپ سے کچھ مسلمان سودا لینے کے لیے شہر گئے۔ پولیس نے ۴۰ مسلمانوں کو پکڑ لیا۔ تھانیدار اور پولیس کا دوسرا عملہ ساری رات گرفتار مسلمانوں کو قتل کرنے کی تجویزیں کرتے رہے۔ وہ ڈرتے تھے کہ قیدیوں کو مار دینے پر کیمپ میں موجود ہزاروں مسلمان ان پر حملہ نہ کر دیں۔ اگلے دن پولیس نے کیمپ کی حفاظت پہ مامور گورکھوں کے ساتھ ساز باز کر کے کیمپ پر فائرنگ شروع کر دی۔ گورکھے خندقوں میں گھس گئے اور پولیس کی فائرنگ کا جواب نہ دیا۔ کیمپ میں متعین انگریز افسر اپنے کمرے سے باہر نکلا اور صورت حال کو دیکھ کر چلّایا: 'سب فوجی کہاں مر گئے۔ میں سب کے خلاف ایکشن لوں گا۔' یہ سن کر گورکھے خندقوں سے باہر نکلے اور پولیس کی فائرنگ کا جواب دینا شروع کیا۔ پولیس والے تھانہ کی چھت سے فائرنگ کر رہے تھے۔ کیمپ کی طرف سے جوابی فائرنگ پہ وہ چھت سے اترے اور تھانیدار کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ تھانہ میں قید مسلمان مہاجرین نے تھانیدار کو یہ کہتے ہوئے سنا: 'اگر فائرنگ کا جواب نہ آتا تو ہم آگے بڑھتے۔' اس کے بعد تھانہ کو اندر سے قفل لگا دیا گیا اور سب سپاہی کمروں میں گھس گئے۔"

ایک اور سازش

سیّد سالم حسین نے کہا: "ٹھسکہ کے قافلہ کے شاہ آباد پہنچنے کے ۲۲ روز بعد کیمپ کا انگریز افسر تبدیل ہو گیا اور اس

۱ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بہاولپور/کبیروالا — ۲۷ جون ۲۰۰۵ء، یکم اکتوبر ۲۰۱۵ء

کی جگہ ہندو افسر آ گیا۔ یہ تبدیلی مسلمان مہاجرین کے خلاف سازش کے نتیجہ میں ہوئی۔ اگلے دن صبح ہی ہندو افسر نے کیمپ کو اکھاڑنے کا حکم جاری کر دیا اور کہا کہ سب لوگوں کو انبالہ جانا ہے۔ جن لوگوں نے کیمپ اکھاڑنے میں ہچکچاہٹ دکھائی ان کے خیموں کو گورکھوں نے زبردستی اکھاڑ دیا۔ جن کے خیمے اکھڑتے جاتے انہیں انبالہ لے جانے کے لیے مارکنڈا کے دوسرے کنارے کی طرف دھکیل دیا جاتا۔ یہ کارروائی صبح شروع ہوئی۔ دن کے ۱۲ بجے اچانک پانی پت جانے والی بلوچ رجمنٹ وہاں آ پہنچی۔ انہوں نے جب کیمپ اکھاڑے جانے کا منظر دیکھا تو مہاجرین سے پوچھا: 'کیا معاملہ ہے؟' انہیں نئے ہندو افسر کی آمد اور اس کے حکم کے بارے میں بتایا گیا تو اپنے ہم مذہب اور ہم وطن لوگوں کے خلاف سازش کو بھانپتے ہوئے انہوں نے کیمپ اکھاڑنا رکوا دیا۔ انہوں نے کہا: 'جو مہاجرین بھی یہاں سے انبالہ جائیں گے انہیں ہم لے کر جائیں گے۔' مسلمان مہاجرین کو اندیشہ تھا کہ گورکھے انہیں انبالہ لے جاتے ہوئے قتل کر دیں گے۔ ان گورکھوں نے چند روز پہلے شاہ آباد پولیس کے ساتھ مل کر مہاجرین کے قتل عام کی سازش کی تھی۔ مہاجرین کا خیال تھا کہ نئے ہندو افسر کو بھی کیمپ میں اس لیے متعین کیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کو ختم کرنے کی سازش کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ بلوچ رجمنٹ کی آمد نہتے اور مجبور مہاجرین کے لیے غیبی مدد تھی۔ بلوچ رجمنٹ نے کیمپ میں راشن کی بگڑتی ہوئی صورت حال دیکھی تو راتوں رات کہیں سے آٹے کے ٹرک منگوائے اور مہاجرین میں آٹا تقسیم کیا۔ گورکھے مسلمان مہاجرین کو بیل ذبح نہیں کرنے دیتے تھے۔ بلوچ رجمنٹ نے بیل ذبح کرنے کی اجازت دی جس کے بعد لوگوں نے بیلوں کو ذبح کر کے گوشت پکایا اور کھایا۔"

شاہ آباد سے پاکستان براستہ انبالہ

سیّد سالم حسین نے کہا: "جن لوگوں کو ان کے خیمے اکھاڑنے کے بعد انبالہ لے جانے کے لیے مارکنڈا کے دوسری طرف دھکیل دیا گیا تھا ان میں ہم اور ہمارے کچھ عزیز بھی شامل تھے۔ اگلے دن اکھڑے ہوئے خیموں والے مہاجرین کے ساتھ ہم بلوچ رجمنٹ کی حفاظت میں پیدل انبالہ پہنچے۔ انبالہ جانے کے لیے سیانہ کے سجاد حسین اور باقی لوگوں کی باری ان کے شاہ آباد کیمپ میں پہنچنے کے ڈیڑھ ماہ بعد آئی۔ سیانہ کے جو لوگ ہمارے قافلہ میں آئے ان میں میرے علاوہ بھائی علمدار حسین، رضا حسین، علی نواز، بندے علی، مسیتا اور ان سب کے گھر والے شامل تھے۔ انبالہ کیمپ میں پہلے ہی ہزاروں افراد موجود تھے جو مختلف علاقوں سے آکر وہاں پناہ گزین ہوئے تھے۔ کیمپ میں ضرورت کی اشیاء کا فقدان تھا۔ خصوصاً پینے کے پانی کی کمی بہت شدید تھی۔ بھائی علمدار کیمپ میں اِدھر اُدھر پھرتے رہتے تھے اور مہاجرین کے حالات سے با خبر رہتے تھے۔ ہمارے انبالہ کیمپ میں پہنچنے کے پانچ یا چھ روز بعد اعلان ہوا کہ آج کولی کے مہاجرین کو پاکستان لے جانے کے لیے ٹرین آئے گی۔ اعلان میں یہ بھی کہا گیا کہ کولی والوں کے علاوہ کوئی مہاجر اس گاڑی میں بیٹھنے کے لیے نہ جائے۔ ہم بھائی علمدار کے ساتھ اس پلیٹ فارم پر پہنچ گئے جس پر کولی والوں کے لیے گاڑی لگنی تھی۔ ہمارے سیانہ کے سب عزیز بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ساری رات انتظار کیا۔ گاڑی صبح پہنچی اور پھر اعلان ہوا کہ کولی والوں کے علاوہ کوئی گاڑی میں نہ بیٹھے۔ ہم ایک ڈبے کی چھت پر چڑھ گئے۔ چوبیس گھنٹے گاڑی وہیں کھڑی رہی اور اگلے دن ۹، ۱۰ بجے چلی۔ انبالہ چھاؤنی پہنچی تو دو گھنٹے وہاں

رکی رہی۔ پھر گاڑی انبالہ جنکشن پہنچی جہاں اس میں پانی بھرا گیا۔ وہاں فوجیوں نے مسافروں سے کہا: 'اگر کوئی گاڑی سے اترا اور اپنی مرضی سے پانی پیا تو نتائج کے ذِمّہ دار ہم نہیں ہوں گے۔' جبل پور سے ایک گاڑی بھی وہاں پہنچ گئی جو سب کی سب پاکستانی فوجیوں کی تھی۔ انہوں نے کولی والوں کی گاڑی کے مسافروں کو بسکٹ دیے اور پانی دیا اور کہا: 'جتنا پانی لے سکتے ہیں ہم سے لے لیں اور اپنے برتن بھر لیں کیونکہ راستہ میں کہیں اتر کر پانی نہیں پی سکتے۔' دو گھنٹے بعد گاڑی انبالہ جنکشن سے روانہ ہوئی۔ جالندھر گاڑی ایک گھنٹہ کے لیے رکی۔ انبالہ سے چلنے کے ۲۴ گھنٹے بعد گاڑی امرتسر پہنچی۔ فوجیوں نے مسافروں سے کہا: 'اگر گولی چلے تو چھتوں پہ بیٹھے ہوئے لوگ لیٹ جائیں اور ڈبوں میں بیٹھے ہوئے لوگ کھڑکیاں بند کر لیں۔ اگر لڑائی ہوئی تو ہم دیکھ لیں گے۔ اگر ہم مارے گئے تو آپ بھی مارے جاؤ گے، وگرنہ آپ کو لے جائیں گے۔' گاڑی اٹاری پہنچ کر رکی تو اسے پھر پیچھے کی طرف لے جایا گیا کیونکہ ایک انڈین گاڑی ہندو، سکھ مہاجرین کو لے کر پاکستان کی سرحد پر کھڑی تھی۔ وہ کہتے تھے ہم پہلے جائیں گے اور یہ کہتے تھے ہم پہلے جائیں گے۔ آخر فیصلہ ہوا کہ دونوں گاڑیاں اکٹھی آہستہ آہستہ چلیں اور ایک ساتھ ایک دوسرے کی سرحد سے پار ہو جائیں۔ اور پھر اسی طرح ہوا۔ ہماری گاڑی اگلے روز صبح صادق خانیوال پہنچی۔ ہم دوسرے مہاجرین کے ساتھ ۲۰، ۲۵ دن خانیوال اسٹیشن پر لگے ہوئے کیمپ میں رہے۔ پھر جس کا جدھر منہ ہوا چلا گیا۔" ①

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: "شاہ آباد سے انبالہ کے لیے ہمارا قافلہ جرنیلی سڑک پر گورکھوں کی حفاظت میں چلا۔ اس قافلہ میں ہمارے کنبہ کے علاوہ سیانہ کے سجاد حسین، محمود علی، احمد حسین، خورشید علی، عالم علی، ظہور علی، دلبر حسین، بیوہ قاضی لطیف وغیرہ اور ان کے کنبے شامل تھے۔" ②

سیّدہ اصغری خاتون نے کہا: "شاہ آباد سے قافلہ چلا تو بھائی اقبال نے سامان کی چھوٹی چھوٹی گٹھڑیاں باندھ کر ہم بچّوں کے سروں پر رکھ دیں اور بچّوں کی دیکھ بھال بھی بھائی اقبال نے کی۔" ③

سیّدہ انعام فاطمہ نے کہا: "شاہ آباد سے انبالہ جاتے ہوئے راستہ میں میری بہن اقبال زہرا فوت ہو گئی۔ وہ پانچ سات سال کی تھی۔ اسے دفنایا بھی نہیں۔ بس کپڑے میں لپیٹ کر راستہ کے ایک طرف رکھ دیا اور قافلہ چلتا رہا۔ اس سے پہلے شاہ آباد کیمپ میں میری امّی کنیز فوت ہوئی تھیں۔ میرا ایک بھائی جو شاہ آباد کیمپ میں پیدا ہوا تھا بھی وہیں فوت ہو گیا تھا۔" ④

جان محمد عرف جانو فقیر نے کہا: "شاہ آباد سے انبالہ جاتے ہوئے گورکھے بار بار لوگوں سے تیز چلنے کا کہتے تھے۔ جو آہستہ چلتا تھا گورکھے اسے بید مارتے تھے۔" ⑤

---

۱ سیّد سالم حسین ولد رشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ واڑہ ـــ ۱۸ نومبر ۲۰۰۵ء، ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۲ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ لاہور ـــ ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

۳ سیّدہ اصغری خاتون دختر سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ اسلام آباد ـــ ۱۶ جون ۲۰۱۸ء

۴ سیّدہ انعام فاطمہ دختر عالم علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ لنگر سرائے ـــ یکم جولائی ۲۰۱۸ء

۵ جان محمد عرف جانو فقیر ولد فتح محمد (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ منڈی بہاؤالدین ـــ ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: ”انبالہ پہنچ کر قافلہ والوں نے کیمپ میں قیام کیا۔ وہاں سب سے پہلے تمہارے چاچا اصغر حسین ہم سے آکر ملے۔ اصغر نے ہمیں محفوظن، ان کے بیٹے اور بیٹی کے قتل کی خبر دی تو ٹھسکہ اور سیانہ کے محفوظن کے رشتہ داروں نے غم و اندوہ کا اظہار کیا۔ اصغر نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ رمضان اور منظور اپنے کنبوں کے ساتھ پاکستان جا چکے ہیں۔ بعدازاں سیدکھیڑی کے بزرگ کیمپ میں آکر ہمیں ملے اور سجاد حسین اور ان کے کنبہ کے افراد کو اپنے ساتھ لے گئے۔“ ①

سیّد جرار حسین نے کہا: ”شاہ آباد کیمپ سے انبالہ کیمپ پہنچے تو سیدکھیڑی والے ہمیں اپنے ساتھ شہر میں سالم کے گھر لے گئے۔ وہاں سے ہم سیدکھیڑی والوں کے ساتھ ہی ٹرین کے ذریعہ لاہور پہنچے۔“ ②

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: ”سیانہ کے لوگوں نے سجاد کے کیمپ سے چلے جانے کا برا منایا۔ ان کا کہنا تھا کہ سجاد کو گاؤں کے لوگوں کے ساتھ ہی رہنا چاہیے تھا۔ ساڈھورہ کے زاہد حسین ہمارے ساتھ قافلہ میں آئے ہوئے دلبر حسین اور ان کے کنبہ کو اپنے ساتھ لے گئے کیونکہ زاہد کی زوجہ نواب بیگم دلبر کی بہن تھیں۔ دلبر اور ان کے گھر والے زاہد کے ساتھ پاکستان آئے۔ سیانہ اور ٹھسکہ کے باقی افراد کیمپ میں پہنچنے کے چند روز بعد پاکستان جانے والی ٹرین میں بیٹھنے کے لیے اسٹیشن پر آئے تو باقی لوگوں کی طرح میں نے بھی دُعا کی کہ مسلمان فوجی ہمارے ساتھ ہوں۔ ہماری دُعا قبول ہوئی اور ٹرین مسلمان فوجیوں کی حفاظت میں چلی۔ بلوائیوں کی طرف سے حملہ کے خطرہ کی وجہ سے ٹرین کئی جگہوں پر کافی دیر کھڑی رہی اور اسی لیے انبالہ سے لاہور پہنچنے میں تین دن اور چار راتیں لگیں۔ مورخہ ۲۱ نومبر کو ہم لاہور پہنچے۔ لاہور اسٹیشن پر لگے ہوئے امدادی کیمپوں کے رضاکاروں نے ٹرین میں بیٹھے ہوئے مہاجرین میں روٹیاں تقسیم کیں۔ مہاجرین نے پاکستان زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ پھر ٹرین لاہور سے مظفرگڑھ کے لیے چلی۔ راستہ میں ریت کے ٹبے دیکھے تو حیران ہوئے کہ وہ جنّت کا ٹکڑا کہاں ہے جس کی نوید قاضی لطیف شاہ آباد کیمپ کے عارضی ڈیرہ میں کثرت سے دیتے تھے۔ ٹرین ۲۲ نومبر کو مظفرگڑھ پہنچی۔“ ③

سیّد تصوّر حسین نے کہا: ”میرے والد کی پھوپھی کاظمی جو بیوہ تھیں بھی ہمارے ساتھ تھیں۔ ٹرین مظفرگڑھ آکر رکی تو اسٹیشن پر اترنے سے پہلے وہ سفر کی صعوبتوں کے باعث فوت ہو گئیں۔“ ④

سیّد منوّر علی نے کہا: ”ہم ٹرین میں مظفرگڑھ پہنچنے کے بعد قافلہ کی صورت میں شہر سلطان آئے۔ فوج نے شہر سلطان میں قافلہ کو سڑک پر اتار دیا۔ ہندو اپنے مکان چھوڑ کر جا رہے تھے۔ بعد میں وہ مکان مہاجرین کو الاٹ ہونے تھے۔ قافلہ والے کئی دن سڑک پر ہی پڑے رہے۔ شہر سلطان پہنچنے کے تین دن بعد میرے والد (ظہور علی) سڑک پر ہی فوت ہو گئے۔“ ⑤

---

۱ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء
۲ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء
۳ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء
۴ سیّد تصوّر حسین ولد خورشید علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — گلاب گرمانی — ۲۹ جنوری ۲۰۱۱ء
۵ سیّد منوّر علی ولد ظہور علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — سلانوالی — ۲۱ جولائی ۲۰۱۱ء

سیّد غلام حسن نے کہا: ”شاہ آباد کیمپ میں میرا بہنوئی جو رتن گڑھ کا تھا آیا اور مجھے ساتھ لے گیا۔ پھر وہ میرے والدین کو لینے شاہ آباد کیمپ گیا تو میرے والد نے اس کے ساتھ آنے سے انکار کر دیا۔ لیکن سجاد حسین نے کہا: ’تم جاؤ، ہماری خیر ہے۔ ہم بعد میں آ جائیں گے۔‘ پھر میرے والد آئے۔ میرے بہنوئی کے چاچا امتیاز نے کانوائے کے لیے ۱۰، ۱۲ گاڑیاں منظور کروائی تھیں۔ ہم ان کے ساتھ کانوائے میں لاہور آ گئے۔ ہم مظفرگڑھ نہیں گئے۔ وہاں تو چاچا محمود، اعجاز، میرے تایا احمد اور میرے سسرال والے (عالم و خورشید) گئے تھے۔“ ①

سیّد فضل الرحمٰن نے کہا: ”شاہ آباد کیمپ میں ہمارے لیے کھانے پینے کا انتظام سیانہ سیداں کے مودی (محمود علی) کرتے تھے۔ وہ اپنے کام میں کافی تیز تھے۔ ہم کیمپ میں تین چار ماہ رہے۔ آخری دن ہمیں گوشت کھانے کو ملا۔ گوشت پکا لیا تھا اور آٹا گوندھ لیا تھا کہ کہا گیا پاکستان جانے کے لیے گاڑی پکڑنی ہے، اسٹیشن پر چلو۔ ہم نے آٹا جگ میں ڈالا اور دوسرے سامان کے علاوہ گوشت بھی ساتھ رکھ لیا اور اسٹیشن پر آ گئے۔ گاڑی کا ڈرائیور ہندو تھا۔ چوبیس گھنٹے گاڑی اسٹیشن پر ہی کھڑی رہی۔ ایک شخص اتر کر بڑے توے پر روٹیاں پکانے لگا۔ اور لوگ بھی اس سے روٹیاں پکوانے لگے۔ ہم نے بھی آٹا اسے دے کر روٹیاں پکوائیں اور گوشت کے ساتھ کھائیں۔ اسٹیشن پر دو گاڑیاں اور آکر کھڑی ہوئیں۔ ڈبوں کے درمیان جو خالی جگہ تھی میں وہاں نیچے سے گزر کر ایک گاڑی کے پاس گیا اور ایک ڈبے پر چڑھ کر اندر جھانکا تو اس میں سب کٹی ہوئی لاشیں پڑی تھیں اور ڈبے کے فرش پر خون کی تہہ لگی ہوئی تھی۔ ہوا چل رہی تھی جس سے خون ہل رہا تھا۔ میں اتر گیا اور دوسری گاڑی کے پاس گیا اور ایک ڈبے پر چڑھ کر دیکھا تو وہی منظر سامنے تھا جو پہلی گاڑی میں نظر آیا تھا۔ پھر میں اپنی گاڑی میں آ گیا۔ دو گاڑیوں میں لاشیں اور خون دیکھ کر نتیجہ ظاہر تھا کہ ہماری گاڑی کے ساتھ بھی ایسے ہی ہو گا۔ ہماری گاڑی کی حفاظت کے لیے گورکھا فوجی ساتھ تھے۔ وہ ڈرائیور کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ گاڑی کیوں نہیں چلاتا۔ ان کے دباؤ کی وجہ سے ڈرائیور نے گاڑی چلائی۔ ہم بخیریت لاہور پہنچ گئے۔ لاہور آکر پتہ لگا کہ ٹھسکہ کے پیر جی خاندان والے رائے ونڈ میں ہیں تو ہم رائے ونڈ چلے گئے اور وہاں سے بہاولپور آ گئے کیونکہ ماموں سجاد پہلے سے بہاولپور میں تعینات تھے۔ ایک مہینہ بہاولپور میں رہے۔ شہر میں رہنے کا خرچہ زیادہ تھا اس لیے ہم خیرپور ٹامیوالی آ گئے۔ وہاں میں نے ایک مدرسہ میں نئے سرے سے قرآن حفظ کیا۔ کچھ سال بعد میں کراچی چلا گیا اور ٹیلیفون انڈسٹری آف پاکستان میں ملازمت کر لی۔ باقی گھر والے ۱۹۶۶ء میں کراچی آئے۔“ ②

دہلی اور مختار

سیّد محمد مختار نے کہا: ”تقسیم ہند سے پہلے میں دہلی میں حبیب بینک میں کلرک کی حیثیت سے ملازم تھا اور اپنے پھوپھا

---

۱ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — ۲ فروری ۲۰۱۹ء

۲ سیّد فضل الرحمٰن ولد زوّار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۹-۳۰ دسمبر ۲۰۱۸ء

زوّار حسین کے پاس جامع مسجد کے نزدیک محلہ پنڈت میں رہتا تھا۔ میرے چاچا کا بیٹا ذوالفقار حسین بھی ہمارے ساتھ رہتا تھا۔ ٹائمز آف انڈیا اخبار میں کچھ آسامیاں خالی ہوئیں تو میں نے وہاں نوکری کے لیے درخواست دے دی کیونکہ مجھے بینک کی ملازمت اچھی نہیں لگتی تھی۔ تحریری امتحان میں ۱۸ لڑکے پاس ہوئے جن میں سے مجھے اور ایک اور لڑکے کو نوکری کے لیے منتخب کیا گیا۔ مجھے کاپی ہولڈر کی حیثیت سے منتخب کیا گیا تھا۔ سلیکشن کے بعد اور نوکری شروع کرنے سے پہلے ٹائمز آف انڈیا کے پریس میں ایک مسلمان کو ہندوؤں نے قتل کر دیا۔ میں ڈر گیا اور اخبار میں نوکری کرنے کے خیال کو دِل سے نکال دیا۔"

سیّد محمد مختار نے کہا: "قیامِ پاکستان کے اعلان کے بعد ایک دن میں جامع مسجد سے کچھ فاصلہ پر واقع فتح پوری مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا۔ فتح پوری ایک بڑی مسجد ہے جس میں داخل ہونے کے کئی دروازے ہیں۔ نماز شروع کرنے سے پہلے میرا دِل گھبرانے لگا۔ میں نے صِرف فرض ادا کرنے کا فیصلہ کیا اور سوچا کہ نوافل گھر جا کر پڑھ لوں گا۔ میں فرض ادا کر کے مسجد سے نکلا ہی تھا کہ کسی نے باہر سے مسجد کے اندر بم پھینکا۔ زور دار دھماکہ ہوا اور کئی نمازی شہید ہو گئے۔ مسجد کے اندر موجود نمازیوں نے باہر کی طرف بھاگنا شروع کیا۔ ٹاڈا فورس کے سپاہیوں نے مسجد کے دروازوں پر پوزیشن سنبھال لی اور اندر سے دروازوں کی جانب بھاگ کر آتے ہوئے نمازیوں پر فائرنگ شروع کر دی جس کے نتیجہ میں مزید بہت مسلمان شہید ہو گئے۔"

سیّد محمد مختار نے کہا: "محلہ پنڈت کی جس گلی میں ہم رہتے تھے اس کے دونوں طرف لوہے کے گیٹ لگائے ہوئے تھے اور گلی کے مکین باری باری ۲۴ گھنٹے پہرہ دیتے تھے۔ پھوپھا زوّار، ذوالفقار اور میں بھی اپنی باری آنے پر پہرہ دیتے تھے۔ ہمارے محلہ میں سب مسلمان رہتے تھے۔ جب گلی کی مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تو دوسرے محلہ سے نمازیوں پر فائرنگ ہوتی تھی۔ جن دنوں حالات ٹھیک ہوتے دفتر جاتے تھے اور جب حالات خراب ہوتے گھر بیٹھے رہتے تھے۔ چھٹیوں کے دنوں کی بھی تنخواہ ملتی تھی۔ بینک میں ہم لوگوں کے اکاؤنٹ پاکستان ٹرانسفر کرتے تھے۔ پھوپھا زوّار کا دہلی میں ایک اپنا مکان بھی تھا۔ انہوں نے وہ بیچ دیا۔ جس دن انہیں مکان کے پیسے ملے اس سے اگلے دن حکومت نے مسلمانوں کے مکان بیچنے پر پابندی لگا دی۔"

سیّد محمد مختار نے کہا: "جب (۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو) گاندھی قتل ہوا تو مسلمانوں کا قتلِ عام یکدم رک گیا۔ پھر ہم پاکستان جانے کے لیے نکلے۔ ٹرین میں مسلمان بھیڑ، بکریوں کی طرح بھر گئے۔ دہلی میں عام لوگ کہتے تھے کہ شہر میں ۷۰،۰۰۰ مسلمان قتل ہوئے ہیں۔ ہماری ٹرین جے پور سٹیٹ اور جودھ پور سٹیٹ کے درمیان پھلیرہ اسٹیشن پر رکی تو سکھوں کا ایک گروہ وہاں سے گزرا۔ ان میں سے کچھ نے کہا: 'مُسلے جا رہے ہیں، انہیں مارنا چاہیے۔' لیکن انہی میں سے کسی نے کہا: 'باپو (مہاتما گاندھی) کو مرے ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں۔ ہمیں ان پر حملہ نہیں کرنا چاہیے۔' ہماری ٹرین کھوکھرا پار کی طرف سے پاکستان میں داخل ہوئی۔" [1]

---

۱ سیّد محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۷ اپریل ۲۰۰۶ء، ۲۷ مارچ ۲۰۱۰ء، ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

پونڈری کا اجڑنا

ضلع کرنال کی تحصیل کیتھل کے قصبہ پونڈری میں ترمذی سادات تقسیم ہند سے کوئی چار صدیاں پہلے آباد ہوئے تھے۔ قصبہ میں چونکہ ہندوؤں کی اکثریت تھی اس لیے تقسیم ہند سے پہلے اور بعد میں پائی جانے والی کشیدگی کے دوران وہاں کے مسلمان خطرہ محسوس کرتے تھے۔ جن حالات میں پونڈری کے مسلمانوں نے پاکستان کی طرف ہجرت کی اور جو مصیبتیں انہوں نے برداشت کیں اس کی کچھ تفصیل عینی شاہدوں کی زبانی مندرجہ ذیل ہے:

ہندو۔مسلم کشیدگی

سیّد نجم الحسن نے کہا: ”تقسیم ہند کے وقت میری عمر ۲۰ سال تھی۔ جب (۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو) مسلم لیگ نے قیام پاکستان کے لیے قرارداد پاس کی تو حالات بدلنے لگے تھے۔ پونڈری میں ہندوؤں کے سکولوں میں صبح پڑھائی شروع کرنے سے پہلے جو دُعا ہوتی تھی اس میں علّامہ اقبال کی نظم ’لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنا میری‘ بھی پڑھتے تھے۔ تاہم قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں مسلم لیگ کی قیام پاکستان کے لیے تحریک نے زور پکڑا تو ہندوؤں کے سکولوں میں اس نظم کا پڑھنا ختم کر دیا گیا۔ ہندوؤں کے سکولوں میں پڑھی جانے والی ایک اور دُعا کا آخری مصرعہ یہ تھا: ’اللہ ہو کہ رام مجھے سب کی تلاش ہے۔‘ اس کو بدل دیا گیا۔ اللہ کی بجائے پرماتما پڑھنے لگے۔ قیام پاکستان کی تحریک عروج پر پہنچی اور کشیدگی بڑھی تو پونڈری میں ہندوؤں نے لاٹھی اور گولی چلانے کی تربیت لینی شروع کر دی۔ آریہ سماج والے ہندو مسلمانوں کے بہت خلاف تھے جب کہ سناتم دھرم والے ہندو اتنے خلاف نہیں تھے۔ آریہ سماج والوں نے ان مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک بھی چلائی جن کے آباء ہندو سے مسلمان ہوئے تھے۔ پونڈری میں مسلمانوں کے ایک ایسے ہی خاندان کو انہوں نے راضی بھی کر لیا تھا۔ تقسیم ہند کے فوراً بعد جو عید آئی اس دن سنّی مسلمان مسجد سے نعت پڑھتے ہوئے نکلے جس کا ایک مصرعہ یہ تھا: ’یہ کافر جو ہم پہ ہنستے ہیں، یہ دِل میں کیا سمجھتے ہیں۔‘ ہندوؤں نے کہا: ’تُم نے ہمیں کافر کہا۔‘ اس پر لڑائی کا ماحول بن گیا۔ سناتم دھرم والوں نے مداخلت کر کے صلح کروا دی۔ ہندو انتہا پسندوں نے بہت کوشش کی کہ وہاں فساد ہو جائے۔ لیکن ۱۹۳۲ء کے افضال حسین قتل کیس میں جن ہندوؤں کو کالے پانی کی سزا ہوئی تھی ان کے عزیز و اقارب نہیں مانے۔ انہوں نے کہا: ’ہم مسلمانوں پر حملہ نہیں کرتے۔ تم تو بچ جاؤ گے اور ہمارے لوگ پھر پھنس جائیں گے۔‘ اس لیے وہاں قتل و غارت گری نہیں ہوئی۔ صِرف ایک شخص جو فقیر تھا اور خیرات مانگتا تھا قتل ہوا اور ایک آدمی کا کشیدگی کے باعث ہارٹ فیل ہوا۔ سیّدوں میں سے کِسی کا جانی نقصان پونڈری میں نہیں ہوا۔ ایک مرحلہ پر مسلمانوں سے پوچھا گیا کہ انہوں نے پونڈری میں رہنا ہے یا پاکستان جانا ہے۔ سب سیّدوں نے کہا: ’ہم پاکستان جائیں گے۔‘ کچھ مسلمان کاریگر وغیرہ وہاں رہنا چاہتے تھے اور ہندو بھی انہیں روک رہے

تھے۔ لیکن کچھ دنوں بعد پاکستان سے ہندو، سکھ مہاجرین وہاں آنے شروع ہو گئے۔ پونڈری کا تھانیدار ان مہاجرین کی حمایت کرنے لگا۔ اس نے مسلمانوں سے کہا: 'تم اپنے مکان خالی کرو۔ یہ مکان ہم نے مہاجروں کو دینے ہیں۔' اس کے بعد سب مسلمان پاکستان جانے کے لیے تیار ہو گئے۔" ①

مسلمانوں کے دفاعی اقدام

سیّد علی ظہیر نے کہا: "تقسیم ہند کے وقت میں نویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ حالات خراب ہوئے تو پونڈری میں چونکہ ہندوؤں کی اکثریت تھی اس لیے وہاں کے مسلمان مکین خطرہ محسوس کرتے تھے۔ لیکن کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا اور اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ہندوؤں کو پتہ تھا کہ سیّدوں کے پاس اسلحہ ہے اور اگر ان کو چھیڑا تو نقصان ہندوؤں کا زیادہ ہو گا۔ پونڈری کے کئی سیّد فوج میں ملازم تھے اور ان کا بھی ایک طرح سے دباؤ تھا۔ مزید دباؤ بڑھانے کے لیے ہمارے کچھ نوجوانوں نے پونڈری کے ایک مسلمان لوہار، جو بندوقیں بناتا تھا اور کاریگر آدمی تھا، سے خفیہ طور پر ایک توپ بنوائی اور ایک دن شام کو پانچ ساڑھے پانچ بجے شوکت حسین سیشن جج مرحوم کی حویلی کی چھت پر چڑھ کر اسے ٹیسٹ کیا۔ جو دھماکہ ہوا اس سے ہمارے بزرگ بھی گھبرا گئے اور شہر میں اس کا شور مچ گیا۔ دھماکے کے فوراً بعد ان نوجوانوں نے توپ کے سارے پرزے علیحدہ علیحدہ کر کے اِدھر اُدھر غائب کر دیے۔ اس دھماکے کا ہندوؤں پر بہت اثر ہوا اور انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کے پاس تو مہلک اسلحہ ہے۔ اگر ان کو چھیڑا تو یہ نقصان پہنچائیں گے۔" ②

سیّد عابد حسین نے کہا: "نئی حویلی اور پرانی حویلی کی عمارتیں چونکہ علیحدہ علیحدہ تھیں اس لیے ان پر حملہ کا خطرہ زیادہ تھا۔ ان حویلیوں میں سیّد ولی کی اولاد کے جو افراد رہتے تھے وہ سب محلہ میں منتقل ہو گئے جہاں سیّد محمد کی اولاد کے افراد اور محل والے رہتے تھے تاکہ کسی بھی ممکنہ حملہ کا متحد ہو کر مقابلہ کر سکیں۔ پرانی حویلی کے مکینوں میں سے کچھ افراد نوکریوں کے سلسلہ میں پونڈری سے باہر تعینات تھے۔ ہمارے ماموں نُور الحسن محکمہ ڈاک میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ وہ اس وقت پونڈری سے باہر تعینات تھے۔ ان کے کنبہ کے افراد بھی ان کے ساتھ تھے۔ ڈاکٹر غلام عباس جیل کے محکمہ میں ملازم تھے اور ملتان میں تعینات تھے۔ (تاہم ان کا کنبہ حویلی ہی میں تھا۔) ضامن علی محکمہ ڈاک میں ملازم تھے اور پونڈری سے باہر تعینات تھے۔ ضامن کی تیسری بیوی، جو دہلی والی مشہور تھی، اور ان کے بچّے بھی ان کے ساتھ تھے۔ جو چند ایک خاندان اس وقت پرانی حویلی میں موجود تھے ان میں لطیف حسین کا خاندان، سجاد حسین کا خاندان، مہدی حسن کا خاندان اور ہمارا خاندان شامل تھے۔ ہم اپنا سارا سامان اٹھا کر پرانی حویلی سے محلہ میں آ گئے۔ پونڈری کے بیرونی طرف مسلمان تیلیوں نے لکڑیوں سے جھونپڑی نما مکان بنائے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہاں کوہلو لگائے ہوئے تھے۔ وہ تیل نکالتے تھے اور بیچتے تھے۔

---

۱ سیّد نجم الحسن ولد فیض الحسن (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۳۰ جولائی ۲۰۱۸ء

۲ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

وہ ہمارے بزرگوں کے پاس آئے اور کہا: 'ہمارے مکان لکڑیوں کے ہیں۔ کسی ہندو نے آگ لگا دی تو ہم سب جل کر مر جائیں گے۔ آپ کی حویلیاں خالی ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم سب اپنے بچّوں کو لے کر حویلیوں میں رہ لیں۔' ہمارے بزرگوں نے انہیں اجازت دے دی اور وہ آکر حویلیوں میں رہنے لگے۔" ①

سیّد اسد علی نے کہا: "جب ہمیں پتہ چل گیا کہ پونڈری سے نکلنا پڑے گا تو میں اپنے والد صاحب کے کہنے پر اپنے جانور لے کر سیانہ سیداں گیا اور وہاں کے سفید پوش سجاد حسین سے کہا کہ ہمیں پونڈری چھوڑنا پڑ رہا ہے۔ ہمارے جانور آپ رکھ لیں۔ واپس آئیں گے تو لے لیں گے۔ ہمارا خیال تھا کہ سیانہ والے وہیں رہیں گے۔" ②

سیّد عابد حسین نے کہا: "ہمارے محلہ کے قریب رہنے والے ہندو کہتے تھے: 'تمہیں تمہارے بزرگوں نے بچایا۔ ہم تمہارے بزرگوں کو سبز پگڑیاں باندھے منڈیروں پر پھرتے دیکھتے ہیں۔' پرانی حویلی کے رہائشی ابرار حسین اپنی زوجہ اکبری بیگم کے ہمراہ کسی گاؤں میں گئے۔ انہیں کسی بھی ممکنہ حملہ سے بچانے کے لیے ان کے ہندو میزبان نے چونے سے تین لکیریں ان کی پیشانی پر لگا دیں اور انہیں اور ان کی زوجہ کو کپڑے بھی ہندوؤں والے پہنا دیے۔ اس طرح وہ بخیریت پونڈری واپس آ گئے۔ مغربی پنجاب سے اجڑ کر ہندو، سکھ مہاجر وہاں پہنچے تو کشیدگی میں اضافہ ہوا۔ ورنہ وہاں کے مقامی لوگ ہمارا بڑا خیال رکھتے تھے۔" ③

سیّد یادگار حسین نے کہا: "میرے نانا احمد حسین کانوگو تھے اور پونڈری میں تعینات تھے۔ تقسیم ہند کے وقت میری والدہ، بہن اور میں نانا کے پاس تھے۔ ایک دن میری بہن اور میں گھر سے باہر کھیل رہے تھے کہ ہندوؤں کا ایک مسلح جتھہ وہاں سے گزرا۔ ہمیں ان سے خوف محسوس ہوا اور دروازہ پر کھڑی اپنی والدہ کے کہنے پر ہم نے بھاگ کر اپنے ہونے والے خالو محمود علی کی حویلی میں پناہ لی۔ مسلمانوں نے اپنے گھروں کی کنڈیاں لگا لیں۔ تاہم ہندوؤں کے جتھے نے حملہ نہیں کیا کیونکہ اس وقت ان کی تعداد کم تھی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے پونڈری سے نکلنے میں جلدی کی۔" ④

سونی پت کیمپ اور لیاقت

سیّدہ زرینہ خاتون نے کہا: "تقسیم ہند کے وقت میرے ابّا جی (لیاقت حسین) سونی پت میں نائب تحصیلدار تعینات تھے۔ پاکستان کی طرف ہجرت شروع ہوئی تو وہاں مسلمان مہاجرین کا ایک کیمپ قائم ہوا اور ابّا جی کو اس کیمپ کا انچارج بنایا گیا۔ کیمپ میں موجود مسلمان مہاجرین کی حفاظت ان کی ذِمّہ داری تھی۔ مہاجرین کو وہاں سے پاکستان بھیجا جا رہا تھا۔ ہندو، سکھ بلوائی کیمپ پر حملہ کر کے مہاجرین کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ میرے چچا اظہر حسین بھی میرے ابّا جی کے ساتھ سونی پت میں

---

۱ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء
۲ سیّد اسد علی ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — جنوری ۲۰۰۶ء
۳ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء
۴ سیّد یادگار حسین ولد اختر حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — مظفر گڑھ — ۲۰ فروری ۲۰۱۰ء

تھے۔ چچا اظہر کے مطابق: 'بھائی لیاقت مجھے کہتے تھے کہ جو چیز بھی گھر میں ہے مسلمان مہاجرین کو دے دو۔' ہندو اور سکھ ابّا جی کے مخالف تھے۔ خصوصاً وہ ہندو اور سکھ مہاجرین جو پاکستان سے اجڑ کر وہاں گئے تھے اور جن کے لوگ بھی قتل ہوئے تھے ابّا جی کو قتل کی دھمکیاں دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ لیاقت حسین مسلمانوں کی حمایت کرتا ہے اس لیے اسے قتل کر دو۔ چچا اظہر کہتے تھے: 'ایک دن صبح کا وقت تھا۔ بھائی لیاقت نے نائی کو بلوایا تھا اور وہ شیو کروا رہے تھے کہ ان کا ایک ہندو دوست آیا اور کہنے لگا کہ لیاقت حسین ایک منٹ میں نکل آ۔ تیرے قتل کا منصوبہ بن چکا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا حامی ہے۔ تو میرے ساتھ چل۔ بھائی لیاقت کا وہ ہندو دوست انہیں، نائی کو اور مجھے بھگتی دیوی کے گھر لے گیا۔ بھگتی دیوی نمبردار تھی اور اس کا مکان چار منزلہ تھا۔ پہلی منزل پر ان کے کتّے، دوسری منزل پر ان کے ملازم، تیسری منزل پر وہ خود اور چوتھی منزل پر ہم تھے۔ ہم تین دن ان کی پناہ میں رہے اور دھمکیاں دینے والے لوگ پیچھا کرتے کرتے وہاں تک بھی آئے۔ بھگتی دیوی کہتی تھی کہ وہ ہمیں قتل نہیں ہونے دے گی۔ بھگتی دیوی اور بھائی لیاقت کے ہندو دوست نے ہماری بہت مدد کی۔' ابّا جی کو جب حکومت کی طرف سے انڈیا میں رہنے یا پاکستان جانے کا آپشن دیا گیا تو ابّا جی نے کہا: 'میں پاکستان جاؤں گا۔' بھلوال میں ان کی تعیناتی کا حکم ہوا۔ ابّا جی نے سونی پت میں اپنے ہندو دوست سے کہا کہ وہ انہیں کیتھل پہنچا دے۔ اس ہندو دوست نے انہیں کیتھل پہنچا دیا۔ وہاں جسٹس رحمان، جو میرے دادا کے دوست تھے، نے ابّا جی کو کہا: 'لیاقت حسین تم سیشن جج کے بیٹے ہو۔ میں تمہیں، تمہارے کنبہ اور تمہارے والد کے کنبہ کو جہاز سے بھجوا دیتا ہوں۔' میرے ابّا جی نے اس پیش کش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا: 'لیاقت حسین آخری آدمی ہو گا جو پونڈری سے نکلے گا۔' میرے ابّا جی کی عمر اس وقت ۲۸، ۲۹ سال تھی۔ انہوں نے جو کہا تھا اس پر عمل کیا اور پونڈری کے ہر مسلمان کو اپنے پر مقدم جانا۔"[۱]

مسلمانوں کے انخلاء کا آغاز

سیّد عابد حسین نے کہا: "حسن رضا، جنہیں میر صاحب کہتے تھے اور جن کی بسیں چلتی تھیں، سب سے پہلے پونڈری سے نکلے کیونکہ ان کے سر کی قیمت لگ گئی تھی۔ وہ اپنا سامان لے کر نکلے تو ان کے ایک ہندو دوست نے کہا: 'حسن رضا! تمہیں دولت چاہیے یا جان۔ سامان واپس بھیج دو۔' حسن رضا نے دوست کے کہنے پر سامان واپس بھیج دیا۔ ان کا دوست کرنال میں رہتا تھا اور شراب کا کاروبار کرتا تھا۔ وہ انہیں دہلی لے گیا اور ہوائی جہاز کے ذریعہ پاکستان بھیج دیا۔"[۲]

سیّد نجم الحسن نے کہا: "میرے ماموں حسن مثنیٰ بخاری شاہ آباد میں رہتے تھے اور سنٹرل گورنمنٹ کے ملازم تھے۔ انہوں نے اپنے خاندان کے پاکستان جانے کے لیے آرمی ٹرک کا انتظام کیا تو ہمارا نام بھی دے دیا کیونکہ ان کی بہن یعنی میری والدہ پونڈری میں رہتی تھیں۔ آرمی ٹرک میں ہم ۱۷ آدمی ۱۵ ستمبر کو پونڈری سے نکلے۔ حسن رضا کے بعد سب سے

---

۱ سیّدہ زرینہ خاتون دختر لیاقت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۹ مارچ ۲۰۱۹ء

۲ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۳ جون ۲۰۱۱ء

پہلے ہم پونڈری سے نکلے۔ ہمارے ساتھ سیّد برادری کے جو لوگ تھے ان میں میرے علاوہ میری والدہ انوری بیگم، دو بہنیں عقیلہ اور خدیجہ، تین بھانجے نبی حسن، آل حسن اور اسرار حسین، پھوپھی صغیر النساء زوجہ جرار حسین، مصطفیٰ حسین ولد ہادی حسین، سلطان فاطمہ زوجہ مصطفیٰ حسین، انیس فاطمہ دختر مصطفیٰ حسین اور فضل احمد ولد افضال حسین شامل تھے۔ اور نام مجھے یاد نہیں آ رہے۔ ہم لاہور پہنچے تو فضل احمد ٹرک لے کر دوبارہ پونڈری گئے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو پونڈری کے باقی سب سادات اور مسلمان کیتھل جا چکے تھے۔ فضل احمد پھر کیتھل گئے اور وہاں سے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر ٹرین کے ذریعہ پاکستان پہنچے۔ ہمارے پونڈری سے نکلنے کے بعد باقی لوگ آرمی کی حفاظت میں کیتھل آئے۔ پھر انہیں وہاں سے ٹرین میں بٹھا دیا گیا اور ان کی ٹرین بٹھنڈا کے راستے لاہور پہنچی۔" [۱]

سیّد علی ظہیر نے کہا: "سرکاری ملازم آرمی ٹرک کے ذریعہ یا بذریعہ ٹرین پاکستان آئے۔ سرکاری ملازمین کو لانے کے لیے ہر ضلع میں ٹرک حکومت پاکستان نے بھیجے تھے۔ نجم الحسن کے ماموں سنٹرل گورنمنٹ دہلی کے ملازم تھے۔ انہوں نے سرکاری ملازمین، جنہیں وہ جانتے تھے، کے نام حکومت کو دے دیے تھے۔ ڈاکٹر مطلوب حسین، ضامن علی اور نُور الحسن بھی سرکاری ملازم تھے اور پونڈری سے باہر مختلف علاقوں میں تعینات تھے۔ وہ بھی اپنے کنبوں کے ہمراہ بذریعہ آرمی ٹرک یا ٹرین پاکستان آئے۔" [۲]

سامان اور سیٹھ لشکری مَل

سیّد عابد حسین نے کہا: "ہندو سیٹھ لشکری مَل کی حویلی محلہ کے مرکزی امام بارگاہ کے ساتھ تھی۔ اس نے سیّدوں سے کہا: 'سامان میری حویلی میں رکھ دو، واپس آکر لے لینا۔' سیّدوں نے اپنا سامان لشکری مَل کی حویلی میں رکھ دیا۔ ہم نے بے سرو سامانی کے ساتھ ہجرت کی۔" [۳]

سیّد علی ظہیر نے کہا: "اس وقت لوگوں کا خیال تھا کہ ہم شاید عارضی طور پر جا رہے ہیں، واپس آ جائیں گے۔ رات کو سیّدوں نے سارا سامان خفیہ طور پر سیٹھ لشکری مَل کے گھر پہنچا دیا۔ ہمارے پاکستان آ جانے کے بعد یہ راز افشا ہو گیا۔ پولیس لشکری مَل کے گھر پہنچ گئی اور وہاں سے سامان برآمد کر لیا۔ لشکری مَل کے ساتھ میرے والد کی خط و کتابت رہی۔ ڈاکٹر پورن چند کے ساتھ بھی میرے والد کی خط و کتابت رہی۔ سیٹھ باسدیو کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کا بڑا بیٹا روشن تھا۔ اس کے ساتھ بھی والد صاحب کی خط و کتابت رہی۔ بعدازاں ہندو دوستوں کے ساتھ والد صاحب کی خط و کتابت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔" [۴]

---

۱ سیّد نجم الحسن ولد فیض الحسن (سابق رہائشی پونڈری) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ کراچی ــــ ۳۰ جولائی ۲۰۱۸ء

۲ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ خط ــــ خانیوال ــــ ۸ ستمبر ۲۰۱۸ء

۳ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۲۳ جون ۲۰۱۱ء

۴ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ خانیوال ــــ ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

سیّد محمود علی کہتے تھے: ”میں نے اپنا سامان لشکری مَل کے پاس بطور امانت رکھا۔ اس وقت میرا خیال تھا کہ ہم پونڈری واپس آ جائیں گے اور اپنا سامان لے لیں گے۔ بعدازاں لشکری مَل کا پیغام بھی آیا تھا کہ آپ کا سامان امانت ہے، آکر لے جائیں۔ تاہم میں واپس نہیں گیا۔“ [۱]

پونڈری سے کیتھل

سیّد علی ظہیر نے کہا: ”ہمارے بزرگوں کے حکومتی اہلکاروں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ تقسیم ہند کے بعد مختلف علاقوں میں ہونے والے حملوں کے دوران ہمارے بزرگ حکومتی اہلکاروں کے ساتھ رابطہ میں تھے۔ حکومتی اہلکاروں نے کہا کہ فلاں دن پونڈری خالی کر دو۔ انتظامیہ نے تین بسیں بھیجیں اور پونڈری سے کیتھل جانے والے مسلمانوں کے قافلہ کی حفاظت کے لیے پولیس بھیجی۔“ [۲]

سیّدہ زرینہ خاتون نے کہا: ”میرے ابّا جی (لیاقت حسین) نے پونڈری سے سب مسلمانوں کو بحفاظت نکالنے کا انتظام کیا۔ جس دن ہم پونڈری سے اجڑے اس دن صبح مسلمانوں کے قافلہ کی حفاظت پہ مامور گورکھے ہماری حویلی میں آئے۔ انہوں نے ناشتہ بھی ہماری حویلی میں کیا۔ ہماری حویلی میں ہمارے کئی عزیز رشتہ داروں نے پناہ لے رکھی تھی۔ میری امّی اور پھوپھی کہتی تھیں کہ وہ حویلی خالی کرنے سے پہلے کچھ اچھے کپڑے اور چیزیں ساتھ لے جانے کے لیے رکھنے لگیں تو میرے ابّا جی ان کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے اور کہا: ’میں نے سونی پت کیمپ میں دیکھا کہ چیزوں کی خاطر عورتوں پر ہاتھ پڑ رہا تھا۔ اگر ہم زندہ رہے تو سب چیزیں پھر بن جائیں گی۔ سب کچھ یہیں چھوڑ دو۔‘ گورکھوں نے ہماری حویلی خالی کروائی۔ میرے ابّا نے سب لوگوں کو گاڑیوں میں بٹھایا۔ یہاں تک کہ ہمارے لیے سیکورٹی والی گاڑی میں جگہ بچی۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ میں دادا جرار کی گود میں تھی اور ان کے دوسرے ہاتھ پہ میری پھوپھی سلمیٰ تھی۔ میرے ابّا نے کرفیو لگوا کر خیریت سے سب مسلمانوں کو وہاں سے نکالا۔ انہوں نے اپنی بچت نہیں کی۔ ورنہ وہ ہمیں لے کر جہاز میں بھی آ سکتے تھے جیسا کہ انہیں پیشکش ہوئی تھی۔ انہوں نے سب پونڈری والوں کا خیال رکھا۔“ [۳]

شرکاء قافلہ

پونڈری سے کیتھل جانے والے مسلمانوں کے قافلہ میں ترمذی سادات کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد شامل تھے:

---

۱ سیّد محمود علی ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد انجم علی ولد محمود علی بذریعہ فون — وہاڑی — ۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۳ سیّدہ زرینہ خاتون دختر لیاقت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۹ مارچ ۲۰۱۹ء

اولاد سیّد برخوردار

①صدیق النساء بیوہ محمد رضا ② حیدری بیگم زوجہ حسن رضا ③ یونس علی رضا ولد حسن رضا ④ نسیم علی رضا ولد حسن رضا ⑤ رئیس فاطمہ دختر حسن رضا ⑥ طیّبہ خاتون دختر حسن رضا ⑦ ناظرہ خاتون دختر حسن رضا ⑧ رضوی بیگم بیوہ عاقل حسین ⑨ علی امام ولدعاقل حسین ⑩زمرد خاتون زوجہ علی امام ⑪مجید النساء بیوہ غلام حسنین ⑫مطاہرہ خاتون دختر غلام حسنین ⑬مظاہرہ خاتون دختر غلام حسنین ⑭محمد حسین عرف جھنڈو ولد جلال حسین ⑮صفات النساء زوجہ اوّل محمد حسین عرف جھنڈو ⑯اصغری بیگم زوجہ دوئم محمد حسین عرف جھنڈو

سیّد برخوردار کی اولاد کے مندرجہ ذیل افراد قافلہ میں شامل نہیں تھے: ⑰حسن رضا ولد عبد العزیز ⑱انیس فاطمہ دختر حسن رضا ⑲خیرات علی ولد محمد رضا (حسن رضا، ان کی بیٹی اور بھتیجا قافلہ سے پہلے بذریعہ ہوائی جہاز دہلی سے پاکستان آئے)۔

اولاد سیّد ولی

① اختر حسین ولد ولایت حسین ② ظہور فاطمہ عرف رشیدن زوجہ اختر حسین ③ اسد علی ولد اختر حسین ④علی ظہیر ولد اختر حسین ⑤ مدد علی ولد اختر حسین ⑥ صمد علی ولد اختر حسین ⑦ نسیمہ خاتون دختر اختر حسین ⑧فہمیدہ خاتون دختر اختر حسین ⑨ محمد رضا ولد علمدار حسین ⑩حُسن بانو زوجہ محمد رضا ⑪اعظم حسین ولد محمد رضا ⑫عابد حسین ولد محمد رضا ⑬عزیز فاطمہ دختر محمد رضا ⑭حلیمہ خاتون دختر محمد رضا ⑮امیر فاطمہ دختر محمد رضا ⑯شاہدہ خاتون دختر محمد رضا ⑰مجاہدہ خاتون دختر محمد رضا ⑱ قائم حسین ولد نیاز محمد ⑲صغرا بیگم زوجہ قائم حسین ⑳ مستقیم حیدر ولد قائم حسین ㉑قیوم فاطمہ دختر قائم حسین ㉒لطیف حسین ولد واجد علی ㉓ہادی حسین ولد لطیف حسین ㉔ابرار حسین ولد لطیف حسین ㉕مرتضیٰ حسین ولد ہادی حسین ㉖اکبری بیگم زوجہ ابرار حسین ㉗سائرہ خاتون دختر ابرار حسین ㉘طاہرہ خاتون دختر ابرار حسین ㉙شبنم خاتون دختر ابرار حسین ㉚محمود علی ولد سجاد علی ㉛امیر بانو زوجہ محمود علی ㉜ابو طالب ولد محمود علی ㉝ابو ذر ولد محمود علی ㉞زین العابدین ولد محمود علی ㉟راضیہ بیگم دختر محمود علی ㊱طیّبہ بیگم دختر محمود علی ㊲دانشمند ولد سجاد حسین ㊳بنت زہرہ زوجہ دانشمند ㊴مظہر عباس ولد دانشمند ㊵رئیس عباس ولد دانشمند ㊶بنت عباس دختر دانشمند ㊷کلثوم فاطمہ زوجہ ڈاکٹر غلام عباس ㊸نقی عباس ولد غلام عباس ㊹سبطین فاطمہ دختر غلام عباس ㊺مرتضائی بیگم دختر غلام عباس ㊻شفیع خاتون دختر غلام عباس ㊼اعجاز فاطمہ دختر غلام عباس ㊽مہونہ خاتون دختر ضامن علی ㊾محمد علی ولد مہدی حسن ㊿قدیر النساء زوجہ محمد علی (۵۱)محمد اقبال ولد محمد علی (۵۲)نثار علی ولد مہدی حسن (۵۳)زاہدہ بیگم زوجہ نثار علی (۵۴)انتظار حسین ولد نثار علی (۵۵)محمدی بیگم دختر نثار علی (۵۶)ام حبیبہ دختر نثار علی (۵۷)غفور النساء بیوہ کلب حسین (۵۸)مختار فاطمہ بیوہ طیب حسین (۵۹)بی بی شریفن زوجہ عالم علی (۶۰)محمد ہاشم ولد احمد حسین (۶۱)زوّار حسین ولد کلب حسین (۶۲)شہر بانو زوجہ زوّار حسین (۶۳)زائر حسین ولد زوّار حسین (۶۴)مزور حسین ولد زوّار حسین

⑥۵شبیر فاطمہ دختر زوّار حسین ⑥۶تنویر فاطمہ دختر زوّار حسین ⑥۷انصار فاطمہ دختر زوّار حسین ⑥۸عون محمد ولد نذر حسین ⑥۹خورشید بیگم زوجہ عون محمد ⑦۰محمد حسنین ولد عون محمد ⑦۱محمد سبطین حیدر ولد عون محمد ⑦۲محمد سلطان حیدر ولد عون محمد ⑦۳محمد سردار حیدر ولد عون محمد ⑦۴نجمہ خاتون دختر عون محمد ⑦۵ذکیہ خاتون دختر عون محمد ⑦۶ام لیلیٰ دختر عون محمد ⑦۷محمود الحسن ولد منیر حسین ⑦۸توقیر بانو زوجہ محمود الحسن ⑦۹مسعود الحسن ولد محمود الحسن ⑧۰غلام حسن ولد محمود الحسن ⑧۱ایوب حسن ولد محمود الحسن ⑧۲راغب حسین ولد محمود الحسن ⑧۳شفاعت حسین ولد محمود الحسن ⑧۴فردوس جہاں دختر محمود الحسن ⑧۵گل بانو دختر محمود الحسن ⑧۶توصیف بانو دختر محمود الحسن ⑧۷انعام حسین ولد اعجاز حسین ⑧۸اقبال فاطمہ زوجہ انعام حسین ⑧۹شائق حسین ولد انعام حسین ⑨۰اسلام حسین ولد اعجاز حسین ⑨۱کنیز زہرہ دختر غمخوار حسین

سیّد ولی کی اولاد کے مندرجہ ذیل افراد قافلہ میں شامل نہیں تھے: ⑨۲تجمل حسین ولد ولایت حسین (وہ پونڈری سے باہر تھے)۔ ⑨۳مصطفیٰ حسین ولد ہادی حسین ⑨۴سلطان فاطمہ زوجہ مصطفیٰ حسین ⑨۵انیس فاطمہ دختر مصطفیٰ حسین (مصطفیٰ، ان کی زوجہ اور بیٹی قافلہ سے پہلے بذریعہ آرمی ٹرک پاکستان آئے) ⑨۶ڈاکٹر غلام عباس ولد شبیر حسین (وہ ملتان جیل میں تعینات تھے) ⑨۷حسن عباس ولد ڈاکٹر غلام عباس (وہ اوکاڑہ ملٹری ڈیری فارم میں تعینات تھے) ⑨۸ضامن علی ولد غالب علی ⑨۹نسیم آراء زوجہ ضامن علی ⑩۰محمد عالم ولد ضامن علی ⑩۱محمد عاصم ولد ضامن علی ⑩۲منیزہ خاتون دختر ضامن علی ⑩۳مبارکی بیگم زوجہ محمد نفیس مرحوم (وہ ضامن علی کی ممانی تھیں اور ان کے پاس رہتی تھیں۔ ضامن ڈاک کے محکمہ میں ملازم تھے اور پونڈری سے باہر تعینات تھے۔ وہ اپنے بیوی، بچّوں اور ممانی کے ساتھ وہیں سے پاکستان آئے) ⑩۴احمد حسین ولد کلب حسین (احمد حسین جارچہ میں تھے اور بعدازاں وہیں سے پاکستان آئے)۔

اولاد سیّد محمد

①حسین نواز ولد حکیم جعفر حسین ② طالب حسین ولد حسین نواز ③ مطلوب النساء زوجہ طالب حسین ④نائب حسین ولد طالب حسین ⑤ محبوب حسین ولد کرم حسین ⑥ نذیر فاطمہ زوجہ محبوب حسین ⑦ قمر حسین ولد محبوب حسین⑧ اکرم حسین ولد محبوب حسین ⑨ بدر النساء دختر محبوب حسین ⑩مصطفائی عرف پایاں بیوہ مشتاق حسین ⑪عادل حسین ولد مشتاق حسین ⑫فاطمہ زوجہ عادل حسین ⑬رضوان حسین ولد عادل حسین ⑭راحت حسین ولد عادل حسین ⑮زاہد حسین ولد عادل حسین ⑯سیّدہ دختر عادل حسین ⑰سنجیدہ دختر عادل حسین ⑱سرفراز بیگم زوجہ رضوان حسین ⑲نثار فاطمہ زوجہ راحت حسین ⑳تسکین زہرا دختر راحت حسین ㉑ناظمی بیگم بیوہ سیّد احمد ㉒ظہور احمد ولد سیّد احمد ㉓آمنہ خاتون زوجہ ظہور احمد ㉔محمد رضا ولد باسط علی ㉕امیر بانو زوجہ محمد رضا ㉖محبوب حسین ولد محمد رضا ㉗یعقوب حسین ولد محمد رضا ㉘ایوب حسین ولد محمد رضا ㉙وقار حسین ولد محمد رضا ㉚اقبال بانو دختر محمد رضا ㉛سیّد محمد ولد باسط علی ㉜محمد سعید ولد سیّد محمد ㉝مولود حسین ولد سیّد محمد ㉞حامد حسین ولد سیّد محمد ولد وصیت علی ㉟راضیہ بیگم بیوہ سیّد محمد ㊱شفقت حسین ولد سیّد محمد ㊲نیّر حسین ولد سیّد محمد ㊳نفیسہ دختر سیّد محمد

سیّد محمد کی اولاد کے مندرجہ ذیل افراد قافلہ میں شامل نہیں تھے: ۳۹فضل احمد ولد افضال حسین (وہ قافلہ سے پہلے آرمی ٹرک میں پاکستان آئے) ۴۰تونگر حسین ولد حکیم جعفر حسین ۴۱سراج زبیدہ زوجہ تونگر حسین ۴۲شجاعت علی ولد تونگر حسین ۴۳ہدایت علی ولد تونگر حسین ۴۴ممتاز فاطمہ دختر تونگر حسین ۴۵شبیر فاطمہ زوجہ شجاعت علی ۴۶ضیاء الحسن ولد شجاعت علی (تونگر اپنے کنبہ کے ساتھ پہلے سے شجاع آباد میں مقیم تھے) ۴۷ڈاکٹر مطلوب حسین ولد کرم حسین ۴۸خیر النساء زوجہ مطلوب حسین ۴۹ناصر حسین ولد مطلوب حسین ۵۰طاہر حسین ولد مطلوب حسین ۵۱ناظر حسین ولد مطلوب حسین ۵۲عذرا فاطمہ دختر مطلوب حسین (ڈاکٹر مطلوب نیسنگ میں تعینات تھے اور اپنے کنبہ کے ساتھ وہیں سے پاکستان آئے) ۵۳کیپٹن یعقوب حسین ولد کرم حسین ۵۴مزورہ بیگم زوجہ یعقوب حسین ۵۵یوسف حسین ولد یعقوب حسین ۵۶نادرہ خاتون دختر یعقوب حسین (کیپٹن یعقوب حاضر سروس آرمی آفیسر تھے اور ان کا کنبہ ان کے ساتھ تھا۔ وہ قافلہ سے علیحدہ پاکستان آئے) ۵۷کرم النساء بیوہ محمد نقی ۵۸نُور الحسن ولد محمد نقی ۵۹محمودہ بیگم زوجہ نُور الحسن ۶۰مسرور الحسن ولد نُور الحسن ۶۱مشکور الحسن ولد نُور الحسن ۶۲منصور الحسن ولد نُور الحسن ۶۳انوار فاطمہ دختر نُور الحسن ۶۴شکیلہ خاتون دختر نُور الحسن ۶۵حسنین فاطمہ دختر نُور الحسن ۶۶اللہ دی بیوہ مقبول حسین (نُور الحسن مہم میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ وہ اپنے کنبہ اور عزیزوں کے ہمراہ وہیں سے پاکستان آئے)۔

اولاد سیّد عبد العزیز (خاندان محل)

۱ انیس فاطمہ بیوہ شوکت حسین سیشن جج ۲ لیاقت حسین ولد شوکت حسین ۳ کرار حسین ولد شوکت حسین ۴ اظہر حسین ولد شوکت حسین ۵ مظاہر حسین ولد شوکت حسین ۶ انوری بیگم دختر شوکت حسین ۷ اکبری بیگم دختر شوکت حسین ۸ سلمیٰ خاتون دختر شوکت حسین ۹ جمیلہ خاتون زوجہ لیاقت حسین ۱۰عترت حسین ولد لیاقت حسین ۱۱مسرت حسین ولد لیاقت حسین ۱۲امینہ خاتون دختر لیاقت حسین ۱۳زرینہ خاتون دختر لیاقت حسین ۱۴شاکری بیگم بیوہ محمد رضا ۱۵محمود علی ولد محمد رضا ۱۶جرار حسین ولد کمال الدین ۱۷صغیر حسین ولد علی حسین ۱۸افتخار حسین ولد حیدر حسن ۱۹بشیر فاطمہ عرف بشیرن زوجہ افتخار حسین ۲۰ذوالفقار حسین ولد افتخار حسین ۲۱قیصرہ خاتون دختر افتخار حسین ۲۲وصیہ خاتون دختر افتخار حسین ۲۳سراج الحسن ولد حیدر حسن ۲۴فہمیدہ خاتون زوجہ سراج الحسن ۲۵ظہیر الحسن ولد سراج الحسن ۲۶منتظر فاطمہ دختر سراج الحسن ۲۷دلشاد فاطمہ دختر سراج الحسن ۲۸محمد حسین ولد کاظم حسین ۲۹شاہ بی بی زوجہ محمد حسین ۳۰افضل حسین ولد محمد حسین ۳۱ظفر حسین ولد محمد حسین ۳۲شمشاد حسین ولد محمد حسین ۳۳ظہور فاطمہ دختر محمد حسین ۳۴بی بی سکینہ زوجہ قدرت علی ۳۵زاہد حسین ولد سجاد حسین ۳۶صابر حسین ولد سجاد حسین ۳۷لیاقت حسین ولد اشرف علی ۳۸رفاقت حسین ولد اشرف علی

خاندان محل کے مندرجہ ذیل افراد قافلہ میں شامل نہیں تھے: ۳۹ابن حسن ولد علی حسین (وہ علی گڑھ میں تھے اور وہاں سے اکیلے پاکستان آئے) ۴۰نواب فاطمہ زوجہ ابنِ حسن ۴۱ناصرہ خاتون دختر ابنِ حسن ۴۲نادرہ خاتون دختر ابنِ حسن

(نواب فاطمہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ علی گڑھ سے پاکستان آئیں) ⑬انوری بیگم بیوہ فیض الحسن ⑭نجم الحسن ولد فیض الحسن ⑮عقیلہ خاتون دختر فیض الحسن ⑯خدیجۃ الکبریٰ عرف کاکی زوجہ صغیر حسین ⑰نبی حسن ولد ابنِ حسن ⑱آل حسن ولد ابنِ حسن ⑲اسرار حسین ولد ابنِ حسن ⑳صغیر النساء زوجہ جرار حسین ㉑کلثوم دختر رحمت علی زوجہ ثانی جرار حسین ㉒بی بی رحیمی زوجہ خورشید حسین (نجم الحسن اپنے گھر والوں اور عزیزوں کے ساتھ قافلہ سے پہلے آرمی ٹرک میں پاکستان آئے) ㉓تصدق حسین ولد سجاد حسین (وہ ذہنی مریض تھے اور پاکستان نہیں آئے)۔ [1]

① احمد حسین عرف بابو احمد ولد علی حسین ② حیدری بیگم زوجہ اوّل احمد حسین ③ کنیز فاطمہ دختر احمد حسین ④ انعام فاطمہ دختر احمد حسین ⑤ یادگار حسین ولد اختر حسین ⑥ سنجیدہ دختر اختر حسین (احمد حسین سیانہ سیداں کے سیّدوں میں سے تھے اور پونڈری میں تعینات تھے۔ وہ اپنے کنبہ کے ساتھ پونڈری سے کیتھل جانے والے قافلہ میں شامل تھے)۔ [2]

سیّد علی ظہیر نے کہا: ”قافلہ کے کئی شرکاء کے پاس گڈے تھے اور بہت سے لوگ پیدل تھے۔ آگے بسیں تھیں، پیچھے گڈے تھے اور ان کے پیچھے پیدل چلنے والے تھے۔ عام مسلمانوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے ہمارے کچھ بزرگ پیدل چلنے والوں کے ساتھ شامل تھے تاکہ کوئی یہ نہ سوچے کہ سیّد خود تو بسوں میں بیٹھ کر بھاگ گئے اور ہمیں پیچھے چھوڑ دیا۔ میرے والد (اختر حسین) بھی پیدل چلنے والوں میں شامل تھے۔ وہ لیڈر تھے اور دو دفعہ پونڈری کی کمیٹی کے چیئرمین رہے تھے۔ سب مسلمان انہیں جانتے تھے، پہچانتے تھے اور ان کی عزّت کرتے تھے۔ وہ اور سیّدوں کے کچھ اور بزرگ پیدل چلنے والوں کے ساتھ کیتھل تک آئے۔ انتظامیہ نے پونڈری سے کیتھل تک کرفیو لگا دیا تھا۔“ [3]

سیّد صمد علی نے کہا: ”ہمارے قافلہ میں ریٹائرڈ فوجیوں نے وردی پہنی ہوئی تھی تاکہ ممکنہ حملہ آوروں پر رعب رہے۔“ [4]

سیّدہ تسکین زہرا نے کہا: ”میرے تایا (رضوان حسین) نے فوج میں نوکری کی تھی۔ وہ فوجی وردی پہن کر اور بندوق پکڑ کر قافلہ کے ساتھ تھے۔“ [5]

کیتھل سے پاکستان

سیّد عابد حسین نے کہا: ”کیتھل پہنچ کر پونڈری والوں کا قافلہ دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا۔ آدھے ٹرین میں پاکستان

---

۱ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ خط — خانیوال — ۸ ستمبر ۲۰۱۸ء
سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد یادگار حسین ولد اختر حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — مظفر گڑھ — ۲۰ فروری ۲۰۱۰ء

۳ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۴ سیّد صمد علی ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — راولپنڈی — ۵ اگست ۲۰۱۷ء

۵ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ اگست ۲۰۱۸ء

آئے جب کہ آدھے مختلف اوقات میں بذریعہ ٹرک پاکستان پہنچے۔" [۱]

سیّد علی ظہیر نے کہا: "کیتھل میں ہم مسلمانوں کے محلہ میں ان کے گھروں میں رہے۔ چار دن بعد گاڑی اسٹیشن پر لگی تو کیتھل کے اسسٹنٹ کمشنر اور ڈپٹی کمشنر نے ہمیں گاڑی میں سوار کروا دیا۔" [۲]

سیّد صمد علی نے کہا: "کیتھل سے گاڑی میں بیٹھتے وقت دو بوگیاں پونڈری والوں کے لیے مخصوص تھیں۔ ایک بوگی میں عورتیں اور دوسری میں مرد بیٹھ گئے۔ مرد زیادہ تھے اس لیے بوگی کی چھت پر بھی بیٹھے۔ جن نوجوانوں کے پاس اسلحہ تھا انہیں عورتوں کی بوگی میں بٹھایا تا کہ حملہ کی صورت میں حفاظت کر سکیں۔ کیتھل کا ڈاکٹر پورن چند میرے والد صاحب کا دوست تھا۔ وہ ہمیں چھوڑنے کے لیے اسٹیشن پر آیا۔ وہ ہمارے لیے گھی کا کنستر بھی لایا اور اس نے اس وقت مجھے ۱۰۰ روپے دیے جب کہ مجھے میرے والد صاحب نے گود میں اٹھایا ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میرے والد مال گاڑی کے ڈبے میں بالٹی الٹی کر کے اور اس پر کپڑا رکھ کر بیٹھے تھے اور میں ان کی گود میں تھا۔ میرے والد نے پہلے پونڈری کے دوسرے مسلمانوں خصوصاً چھوٹا موٹا کام کرنے والوں کو گاڑی میں بٹھایا تھا اور پھر خود بیٹھے تھے۔ ہمارے کئی عزیز فوج میں ملازم تھے یا دوسرے سرکاری شعبوں میں کام کرتے تھے اور مختلف علاقوں میں تعینات تھے۔ وہ بذریعہ ٹرک پاکستان آئے۔" [۳]

سیّد عابد حسین نے کہا: "کیپٹن یعقوب کی وجہ سے ہمیں کیتھل سے پاکستان آنے کے لیے ایک کانوائے میں جگہ مل گئی تھی۔ چھ سات ٹرک تھے جو پاکستانی فوجیوں کی حفاظت میں چلے۔ رات کے وقت جہاں فوجی کہتے تھے رک جاؤ یہ جگہ محفوظ ہے وہاں ہم رک جاتے تھے۔ فوجی ساری رات پہرہ دیتے تھے۔ نیسنگ میں ہم ڈاکٹر مطلوب کے گھر بھی ٹھہرے۔ جب ہم نے اٹاری - واہگہ بارڈر کراس کرنا تھا تو شور کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ٹرک پر بیٹھے ہوئے میں نے والد صاحب سے پوچھا: 'کیا بات ہے، شور کیوں ہو رہا ہے؟' والد صاحب نے کہا: 'جو لوگ پاکستان پہنچ گئے ہیں وہ پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا رہے ہیں۔' میں نے کہا: 'کیا ہم بھی نعرے لگائیں گے؟' والد صاحب نے کہا: 'ہم بارڈر کراس کر لیں گے تو ہم بھی نعرے لگائیں گے۔' پھر واہگہ بارڈر کراس کر کے ہم نے پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے۔" [۴]

سیّد ناظر حسین نے کہا: "تقسیم ہند کے وقت میرے والد (ڈاکٹر مطلوب حسین) کی پوسٹنگ پونڈری سے چھ میل دور کیتھل- کرنال روڈ پر نیسنگ ڈسپنسری میں تھی۔ کیتھل سے جو قافلہ پاکستان کے لیے جاتا تھا وہ ہماری ڈسپنسری کے سامنے سڑک پر سے گزرتا تھا۔ پونڈری کے سادات کا ایک قافلہ آیا تو قافلہ والے رات کو میرے والد صاحب کے پاس ٹھہرے۔ میرے والد، والدہ اور ہم سب بہن بھائی پاکستان آنے کے لیے اسی قافلہ میں شامل ہو گئے۔ قافلہ کے ساتھ جو ٹرک تھے ان میں جگہ کم تھی۔ میرے والد سرکاری ڈاکٹر تھے اس لیے انہیں قافلہ کے ہمراہ آنے والے فوجیوں نے اپنے ساتھ گاڑی میں

---

۱ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۳ سیّد صمد علی ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — راولپنڈی — ۵ اگست ۲۰۱۷ء

۴ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء

بٹھا لیا۔ ہم قافلہ کے ساتھ لاہور پہنچے۔ پونڈری کے زیادہ تر سادات بذریعہ ٹرین آئے اور خانیوال جا کر اترے۔" [۱]

سیّد فضل احمد کہتے تھے: "کیتھل کے فیاض حسین کی بیٹی انبالہ کے کرنل مقبول حسین، جس کے نام پر راولپنڈی کا مرکزی امام بارگاہ ہے، کی بیوی تھی۔ کرنل مقبول نے فیاض حسین کے کنبہ کو لانے کے لیے ایک ٹرک بھیجا۔ اس ٹرک میں رشید کاظمی کے کنبہ کے ساتھ عادل حسین کے کنبہ کے افراد بھی آئے کیونکہ عادل کی والدہ رشید کی بہن تھی اور فیاض سے رشید کی قریبی رشتہ داری تھی۔ ڈاکٹر بشیر کا کنبہ بھی اسی ٹرک میں آیا۔" [۲]

سیّدہ تسکین زہرا نے کہا: "ہم کیتھل سے رشید کاظمی کے ساتھ ٹرک میں آئے۔ ڈاکٹر غلام عباس کے کنبہ کے افراد بھی ہمارے ساتھ اسی ٹرک میں تھے۔" [۳]

سیّد زین العابدین نے کہا: "دہلی کی طرف سے پاکستان جانے والے مہاجرین کے قافلے انبالہ سے گزرتے تھے۔ جب بھی کسی قافلہ کے سڑک کے ذریعہ انبالہ پہنچنے کی اطلاع ملتی تو شہر میں پناہ لیے ہوئے مسلمان مہاجرین اس قافلہ کو دیکھنے کے لیے دوڑ کر جاتے تھے کہ شاید اس میں کوئی ان کا جاننے والا ہو اور وہ اس کے ساتھ پاکستان جا سکیں۔ یہ قافلے بسوں اور ٹرکوں میں آتے تھے۔ یہ بسیں اور ٹرک پاکستان سے انہیں لینے کے لیے آتے تھے۔سید کھیڑی والوں کے انبالہ پہنچنے کے بعد پونڈری والوں کا پاکستان جانے والا ایک قافلہ وہاں پہنچا جس میں نثار فاطمہ دختر ذیلدار کاظم حسین اپنے شوہر راحت حسین، بیٹی تسکین زہرا اور سسرالی عزیزوں کے ساتھ شامل تھیں۔ میں ان سے ملا اور اپنے چھوٹے بھائی قربان علی کو نثار فاطمہ کے ساتھ بھیج دیا۔ اس وقت ہماری سوچ یہ تھی کہ جو جس طرح پاکستان پہنچ سکتا ہے پہنچ جائے۔" [۴]

سیّد قربان علی نے کہا: "انبالہ میں نثار فاطمہ میری والدہ (عزیز بانو) سے بھی ملیں اور انہیں ۲۰ یا ۲۵ روپے بھی دیے۔ ان کا قافلہ فوج کی حفاظت میں انبالہ پہنچا تھا جہاں سے انہیں پاکستان جانے کے لیے ٹرین پکڑنی تھی۔ پونڈری والوں کو انبالہ چھاؤنی کے ریلوے اسٹیشن پر بہت زیادہ رش کے باعث پاکستان جانے والی ٹرین پکڑنے میں تین چار دن لگ گئے۔ جس دن گاڑی میں بیٹھے راحت حسین نے بسکٹ خریدے اور میری جیبیں بھر دیں تاکہ راستہ میں اگر کوئی چیز نہ ملے تو مجھے کھانے کی کمی محسوس نہ ہو۔ نثار فاطمہ کو ان کی پھوپھی سلامتی بیگم نے راجگڑھ سے پنجیری بنا کر بھیجی تھی جو وہ اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔ انہوں نے اپنے سسرال والوں کو بتایا کہ یہ پنجیری قربان کی والدہ نے بھیجی ہے۔ وہ سارے راستہ پنجیری مجھے کھلاتی آئیں۔ سفر کے دوران ایک دفعہ ان کے سسرال والوں میں سے کسی نے مجھے کوئی چیز لانے کے لیے کہا جس پر نثار فاطمہ نے برا منایا اور کہا: 'یہ میرے ساتھ نوکر بن کر نہیں آیا۔' نثار فاطمہ چاہتی تھیں کہ پاکستان میں وہ جہاں جائیں مجھے بھی ساتھ لے

---

۱ سیّد ناظر حسین ولد ڈاکٹر مطلوب حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۲۵ اگست ۲۰۱۸ء

۲ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء

۳ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۸ اگست ۲۰۱۸ء

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

جائیں۔ لیکن جب گاڑی لاہور اسٹیشن پر پہنچی تو بھائی زین العابدین مجھے لینے کے لیے وہاں موجود تھے۔ پونڈری کے قافلہ کے ایک دو دن بعد ٹھسکہ والوں کا ایک قافلہ انبالہ آیا جس نے بھائی زین العابدین کو ساتھ لیا اور پونڈری والوں سے پہلے لاہور پہنچ گیا۔" [1]

سیّد علی ظہیر نے کہا: "پونڈری سے آنے کے بعد ہم کچھ عرصہ خانیوال میں رہے۔ پھر سرائے سدھو چلے گئے۔ پاکستان میں پہلا محرم سرائے سدھو میں کیا اور جب سے ہر محرم سرائے سدھو میں ہی کرتے ہیں۔ محرم کے جلوس کا لائسنس میرے بھائی اسد کے نام تھا۔ پھر اسد کے بیٹے کے نام ہو گیا۔" [2]

سیّد عابد حسین نے کہا: "جب ہم واہگہ بارڈر سے پاکستان میں داخل ہوئے تو مغرب کی اذان ہونے والی تھی۔ کانوائے والوں نے ہمیں لاہور اسٹیشن کے باہر اتارا اور چلے گئے۔ جو لوگ بذریعہ ٹرین لاہور پہنچے وہ کہہ رہے تھے: 'بٹھنڈا اسٹیشن کے تین پلیٹ فارموں پر ہم نے مسلمانوں کی لاشیں ہی لاشیں کٹی پڑی دیکھی ہیں۔ سپیشل ٹرینیں کٹی ہیں۔' لاہور اسٹیشن کے باہر شیشم کا ایک پودا تھا۔ اس وقت تو میں اسے درخت ہی کہتا تھا، شیشم کی تو مجھے پہچان نہیں تھی۔ ہم سب گھر والے یعنی میری پانچ بہنیں، ایک بھائی، میں خود، والد صاحب اور والدہ اس درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اسٹیشن کے پاس ایک تانگہ شیڈ تھا۔ آج کل تو وہاں مال گودام بن گیا ہے، پہلے وہاں تانگہ شیڈ تھا۔ وہاں پر لکھا ہوا تھا 'علی بابا ہوٹل، آنے روٹی دال مفت'۔ والد صاحب نے بھائی سے کہا: 'اپنی امّی سے پوچھو کتنی روٹیاں لائیں۔ پیسے لے کر اتنی روٹیاں لے آؤ۔ اور برتن لے جانا، دال بھی لیتے آنا۔' دال جو دیکھی تو وہ پانی مارکہ ہی تھی۔ دال کا تو ٹاواں ٹاواں نام تھا۔ نمکین پانی سے ہم نے بُرکی لگائی، گھونٹ بھری اور کھایا۔ اس درخت کے نیچے ہم نے رات بسر کی۔ اس کے بعد کئی سال تک میں جب بھی لاہور آتا تو اس درخت کے پاس آکر کھڑا ہوتا اور کہتا: 'ہاں بھئی کیا حال ہیں۔ میں نے تیرے نیچے ایک رات گزاری ہے۔ پاکستان میں پہلی رات تیرے نیچے گزاری ہے۔' ایک دفعہ میں آیا تو وہ درخت وہاں نہیں تھا۔ میں کھڑا دیکھتا رہا۔ مجھے اس کے کٹنے کا بہت افسوس ہوا۔" [3]

سیّدہ زرینہ خاتون نے کہا: "ہم کیتھل سے بذریعہ ٹرین پاکستان آئے۔ انجم کی والدہ (انعام فاطمہ دختر احمد حسین) بھی ہمارے ساتھ تھیں۔ کچھ سرکردہ لوگ علیحدہ کانوائے بنا کر بذریعہ ٹرک بھی پاکستان گئے اگرچہ میرے والد چاہتے تھے کہ پونڈری کے سب لوگ اکٹھے پاکستان جائیں۔ ہماری ٹرین میں بہت رش تھا۔ جب گاڑی خانیوال پہنچی تو میری والدہ ڈبے میں راڈ پکڑ کر کھڑی تھیں۔ انہوں نے کہا: 'اب پاکستان آ گیا ہے۔ ہم یہاں اتر جائیں۔' میرے ابّا جی وہاں اترے تو سب لوگ وہاں اتر گئے۔ وہاں مہاجرین کا کیمپ لگا ہوا تھا۔ ابّا جی پھر بھلوال آ گئے کیونکہ ان کی پوسٹنگ وہاں ہوئی تھی۔ کئی عزیز رشتہ دار ان

---

۱ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۷ جولائی ۲۰۰۵ء

۲ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ خانیوال ــــ ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۳ سیّد عابد حسین ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء

کے پاس وہاں آئے۔ کچھ بھیرہ میں مقیم ہو گئے۔ میرے ابّا جی نے جو کچھ دوسروں کے لیے کر سکتے تھے کیا۔"[۱]

سیّد صمد علی نے کہا: "کیتھل سے پاکستان پہنچے تو پہلے ہم رائے ونڈ اترے اور پھر دوسری ٹرین میں بیٹھ کر خانیوال آ گئے۔ ہمارے عزیز میر حسن رضا، جو انڈیا میں ٹرانسپورٹر تھے، سب سے پہلے خانیوال میں آباد ہوئے۔ پھر دوسرے لوگ وہاں آباد ہوئے۔ ان کی وجہ سے خانیوال میں سادات پونڈری کی عزّت تھی۔ انہیں کلیم میں میربڈن شاہ کی ٹرانسپورٹ کمپنی میں ۵۰ فیصد حصّہ ملا تھا۔ انہوں نے تھانہ کچہری کی سیاست کبھی نہیں کی یعنی جھوٹا بیان کبھی نہیں دیا۔"[۲]

سیّد مصطفیٰ حسین کہتے تھے: "لاہور میں ہم کچھ دن کیمپ میں رہے۔ وہاں راشن ملتا تھا۔ پھر ہم خانیوال آ گئے۔ ہمیں زمینیں سرائے سدھو میں الاٹ ہوئیں تو ہم سرائے سدھو چلے گئے۔"[۳]

سیّد علی ظہیر نے کہا: "میرے ماموں احمد حسین تقسیم ہند کے وقت جارچہ میں تھے۔ ان کے بارے میں کسی نے خط بھیج دیا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس وقت انڈیا اور پاکستان میں خط وہی تھے جو تقسیم ہند سے پہلے سے چل رہے تھے۔ پاکستان میں ڈاک کا نیا نظام شروع نہیں ہوا تھا۔ شروع کا زمانہ تھا اور لوگ پریشان حال تھے۔ میرے ماموں کے گھر والے سمجھے کہ خط انڈیا سے آیا ہے۔ یہاں ان کا مرنا، سوئم اور چہلم ہو گیا۔ بعد میں ان کا خط آ گیا۔ کسی طرح سے انہیں پتہ لگا تھا کہ ہم سرائے سدھو میں ہیں۔ میرا ماموں زاد بھائی زائر حسین اور میں انہیں لینے کے لیے حیدرآباد گئے کیونکہ حیدرآباد کے قریب جو انڈیا کا بارڈر ہے وہ وہاں سے پاکستان آ رہے تھے۔ میں نے پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ سفر کے دوران وہ کسی چیز میں پھنسا اور پھٹ گیا۔ حیدرآباد اسٹیشن پر پہنچے تو میں نے سوچا پہلے ماموں کو تلاش کر لوں پھر کپڑے بدل لوں گا۔ بھائی زائر کو پلیٹ فارم پر بیگ کے ساتھ بٹھا کر میں انہیں تلاش کرنے کے لیے نکلا۔ میں نے دیکھا کہ اسٹیشن کے مسافر خانہ میں ایک چائے کی دکان کے پاس وہ کمبل اوڑھے لیٹے ہوئے ہیں۔ میں نے انہیں پہچان لیا، ان کے چہرے سے کمبل اٹھایا اور سلام کیا۔ وہ مزاحیہ طبیعت کے آدمی تھے۔ انہوں نے میری شکل دیکھی اور کہا: 'بابا معاف کرو، ہم تو خود انتظار میں پڑے ہیں۔ کوئی آئے، ہمیں لے جائے۔ ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں۔' چونکہ میرا پاجامہ پھٹا ہوا تھا اس لیے وہ سمجھے کہ میں کوئی مانگنے والا ہوں۔ میں نے کہا: 'آپ کو جن کی تلاش ہے وہ میں ہوں۔' پھر وہ اٹھ کر مجھے ملے۔ میں نے اپنا نام بتایا تو کہنے لگے: 'ٹھیک ہے۔ تم اکیلے آئے؟' میں نے کہا: 'نہیں، بھائی زائر بھی ساتھ ہیں۔ وہ پلیٹ فارم پر بیٹھے ہیں کیونکہ ہمارے پاس ایک بیگ ہے جس میں پیسے بھی ہیں اور کپڑے بھی۔' وہ کہنے لگے: 'پہلے چائے والے کو پیسے دو۔ اس سے ادھار چائے پی ہے اور زر ضمانت کے طور پر میں یہاں لیٹا ہوا ہوں۔' چائے والے سے میں نے حساب کیا اور اس کے جو پیسے بنتے تھے لا کر دیے۔ اس سے پوچھا: 'بھائی! اب یہ فارغ ہیں۔' اس نے کہا: 'ہاں، فارغ ہیں۔' پھر جو ٹرین خانیوال آ رہی تھی اس میں بیٹھ کر ہم خانیوال

---

۱ سیّدہ زرینہ خاتون دختر لیاقت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۹ مارچ ۲۰۱۹ء

۲ سیّد صمد علی ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — راولپنڈی — ۵ اگست ۲۰۱۷ء

۳ سیّد مصطفیٰ حسین ولد ہادی حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّدہ نسرین فاطمہ دختر مصطفیٰ حسین بالمشافہ — بہاولپور — ۲۸ جولائی ۲۰۱۹ء

آ گئے۔" [۱]

سیّد فضل احمد کہتے تھے: "پاکستان آنے کے بعد لیاقت حسین ولد شوکت حسین بھلوال میں نائب تحصیلدار تعینات تھے۔ انہوں نے اپنے کئی عزیز رشتہ داروں جیسے ڈاکٹر مطلوب حسین، محبوب حسین، یعقوب حسین، ظہور احمد وغیرہ کو بھلوال میں آباد کیا۔ افتخار حسین، ظہیر الحسن اور محمود علی بھی بھلوال گئے تھے۔ بعدازاں وہ بھیرہ چلے گئے۔ بھیرہ ہی میں محمود کی شادی انعام فاطمہ دختر احمد حسین سے ہوئی۔ پھر افتخار اور ظہیر میانی چلے گئے اور وہاں پرچون کی ایک دکان بنا لی اور سبزی بھی رکھی۔ انہیں پنجابی نہیں آتی تھی۔ گاہک کہتا وسل لینا ہے تو انہیں سمجھ نہیں آتا تھا کہ پیاز کہہ رہا ہے۔ چناب میں سیلاب آیا تو پانی ان کے گھر میں گھس گیا۔ دکان کا سارا مال بہہ گیا۔ پھر ان کے چوری ہو گئی۔ جو زیور تھا کسی نے چرا لیا۔ مفلوک الحال ہوئے تو افتخار اور ظہیر دونوں خانیوال واپس آ گئے۔ محمود بھی بھیرہ سے خانیوال واپس آ گئے۔ بعدازاں محمود وہاڑی جا کر بس گئے۔" [۲]

لاپتہ افراد

سیّد علی ظہیر نے کہا: "میرے تایا تجمل حسین نُور اللہ شوستری کے مزار پر مجالس سننے کے لیے پونڈری سے آگرہ گئے۔ پونڈری اجڑ گیا اور ہم سب پاکستان آ گئے۔ تایا صاحب کا آج تک پتہ نہیں چل سکا کہ ان کے ساتھ کیا بیتی۔ تصدق حسین، جن کا تعلق خاندان محل سے تھا، ذہنی مریض تھے۔ کوشش کے باوجود وہ پاکستان نہیں آئے۔ پتہ نہیں ان کے ساتھ کیا بیتی۔" [۳]

سیّدہ سنجیدہ خاتون کہتی تھیں: "تقسیم ہند کے بعد جب ہم اجڑے تو میرے خاوند (ڈاکٹر بشیر کاظمی) پونڈری سے باہر تھے۔ وہ پاکستان نہیں پہنچے اور کچھ پتہ نہیں لگا کہ ان کے ساتھ کیا بیتی۔" [۴]

گڑھی کوٹاہہ

سیّد معزالدین کہتے تھے: "تقسیم ہند کے بعد جب مسلمانوں پر حملے ہوئے تو میرے بڑے بھائی وجیہ الدین کو بھی بلوائیوں نے شہید کر دیا۔ ایک شخص، جس نے اس کے قتل کا منظر دیکھا، نے گڑھی کوٹاہہ میں میرے گھر والوں کو بتایا کہ

---

۱ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) ــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــ خانیوال ــ ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد فضل احمد ولد افضال حسین (سابق رہائشی پونڈری) ــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ ــ راولپنڈی ــ ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء

۳ سیّد علی ظہیر ولد اختر حسین (سابق رہائشی پونڈری) ــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــ خانیوال ــ ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء

۴ سیّدہ سنجیدہ خاتون زوجہ ڈاکٹر بشیر کاظمی (سابق رہائشی پونڈری) ــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد قیصر شعیب ولد فضل احمد بالمشافہ ــ راولپنڈی ــ ۲۵ اپریل ۲۰۱۸ء

وجیہ پر حملہ ہوا تو وہ مرنے سے پہلے تین دفعہ گرنے کے بعد کھڑا ہوا۔ میرا چھوٹا بھائی بُدھو ذہنی مریض تھا۔ گڑھی کوٹاہہ اجڑا تو وہ گھر والوں کے ساتھ نہیں آیا۔ دو تین بار اسے ساتھ لانے کی کوشش کی لیکن وہ واپس چلا جاتا تھا۔ بعدازاں پتہ نہیں چلا کہ اس کے ساتھ کیا بیتی۔" ①

سیّدہ کنیز فاطمہ نے کہا: "گڑھی کوٹاہہ سے اجڑ کر آتے ہوئے ایک جوہڑ سے پانی پی کر بہت لوگ شہید ہوئے۔ جوہڑ کے پانی میں ہندوؤں، سکھوں نے زہر ملا دیا تھا۔ قافلہ والوں کو پانی پینے سے منع بھی کیا گیا تھا۔ شہید ہونے والوں میں میرے دادا کے بھائی محمد نقی، ان کی زوجہ ہاشمی بیگم اور چھوٹا بیٹا سرور حسین بھی شامل تھے۔" ②

سیّد محمود علی کہتے تھے: "میرے ماموں ناظم حسین گڑھی کوٹاہہ سے اجڑ کر پاکستان آتے ہوئے پیچھے رہ گئے تھے۔ میری والدہ (شاکری بیگم)، جو پونڈری سے میرے ساتھ پاکستان آئیں، اپنے بھائی کا انتظار کرتی رہیں اور ان کی واپسی کے لیے دعائیں کرتی رہیں۔ کچھ پتہ نہ چلا کہ ان کے ساتھ کیا بیتی۔" ③

---

۱ سیّد معزالدین ولد علی رضا (سابق رہائشی گڑھی کوٹاہہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّدہ رضیہ بیگم دختر معزالدین و سیّد اعظم رضا ولد معزالدین بالمشافہ — بہاولپور — ۲۹ جولائی ۲۰۱۹ء

۲ سیّدہ کنیز فاطمہ دختر لطیف حسین کاظمی (سابق رہائشی گڑھی کوٹاہہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۱۶ مئی ۲۰۱۸ء

۳ سیّد محمود علی ولد محمد رضا (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد انجم علی ولد محمود علی بذریعہ فون — وہاڑی — ۳ جنوری ۲۰۱۸ء

پانچواں باب

گوہلہ کا اجڑنا

گوہلہ تحصیل کیتھل ضلع کرنال میں ترمذی سادات کا ایک گاؤں تھا۔ سادات اس گاؤں میں تقریباً ۹۰۰ سال رہے۔ تقسیم ہند کے کچھ دنوں بعد اردگرد کے دیہاتوں کے سکھ بلوائیوں نے گوہلہ کے مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے لیے گاؤں کا محاصرہ کر لیا۔ گاؤں میں موجود مسلمانوں نے ہندو بننے کا اعلان کر دیا اور اس طرح اپنے آپ کو سکھوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا لیا۔ تاہم گوہلہ کے کچھ سیّد دوسرے علاقوں میں قتل ہوئے اور بھریلی، بلاھڈا (بڑھلاڈا) اور پلاکھا وغیرہ میں گوہلہ والوں کے کئی رشتہ دار بلوائیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ جس خوف و ہراس میں گوہلہ والوں نے تقسیم ہند سے لے کر اجڑنے تک تقریباً دو ماہ کا وقت گزارا اور جن صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے انہوں نے گوہلہ سے اجڑ کر پاکستان تک ہجرت کا سفر کیا اور جن حالات میں ان کے عزیز و اقارب دوسرے علاقوں میں شہید ہوئے اس کی کچھ تفصیل عینی شاہدوں کی زبانی مندرجہ ذیل ہے:

سیّد مہدی حسن نے کہا: "تقسیم ہند کے بعد گوہلہ کے اردگرد دیہاتوں میں رہنے والے مسلمانوں پر حملے شروع ہو گئے۔ کچھ دن بلوائیوں نے گوہلہ کا رخ نہ کیا کیونکہ یہ مشہور تھا کہ گوہلہ کے مسلمانوں کے پاس کافی بندوقیں ہیں۔" [۱]

سیّد منظور حسین نے کہا: "گوہلہ والوں کے پاس تو ایک دو بندوقیں تھیں۔ ایک دو بندوقوں سے کیا بنتا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد سامانا کا جمیل حسین رضوی ذیلداروں (مسلم حسین و اختر حسین) کے پاس آیا تھا۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا تھا کہ وہ انہیں بہت اسلحہ دے گیا ہے۔ یہ افواہ اُڑی تھی۔" [۲]

سیّدہ بشیرن بیگم نے کہا: "گوہلہ والوں کے پاس صِرف دو بندوقیں تھیں۔ ایک گڑھی محلہ کے اختر حسین کے پاس تھی اور دوسری ہمارے محلہ (اکبر کا محلہ) کے افتخار حسین کے پاس تھی۔" [۳]

سیّدہ رضیہ بیگم نے کہا: "گوہلہ کے نزدیکی دیہاتوں پر بلوائیوں نے حملے کئے تو مسلمانوں کی جوان لڑکیوں کو اغوا کر لیا تھا اور بزرگ عورتوں کو مردوں کے ساتھ مار دیا تھا۔ ہماری عزّتوں کو بچانے کے لیے میرا چاچا اختر حسین کہتا تھا: 'اگر حملہ ہوا تو دس دس عورتیں ایک لائن بنا لینا۔ تاکہ ایک گولی دس عورتوں میں سے گزر جائے۔' چاچا اختر کے پاس ایک بندوق تھی۔ وہ ایک بہادر آدمی تھا اور ہندوؤں سے نہیں ڈرتا تھا۔ ہمارے گھر کے پاس ایک کنوئی تھی۔ چاچا اختر نے ہمیں یہ بھی کہا

---

۱ سیّد مہدی حسن ولد علی حیدر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

۲ سیّد منظور حسین ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۴ مارچ 2018ء

۳ سیّدہ بشیرن بیگم زوجہ حسن علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

تھا کہ اگر سکھ آ جائیں تو مکانوں کی چھتوں پر سے گزر کر جانا اور اس کنوئیں میں چھلانگ لگا دینا۔"[①]

گوہلہ کا محاصرہ

سیّد لطیف حسین نے کہا: "جس دن سکھوں نے گوہلہ کا محاصرہ کیا گاؤں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ مرد ذیلداروں کے دیوان خانہ میں اکٹھے ہوئے اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئیں۔ مردوں نے فیصلہ کیا کہ حملہ کی صورت میں ہم پہلے اپنی عورتوں کو قتل کر دیں گے اور پھر حملہ آوروں کے ساتھ مقابلہ کر کے مارے جائیں گے۔ عورتیں بھی اس فیصلہ کی حامی تھیں۔ تعزیے اور عَلم جو امام بارگاہ میں رکھے ہوئے تھے ایک بند کنویں میں دفنا دیے۔ حسن نمبردار کے ڈیرہ پر بھی لوگ اکٹھے ہوئے۔"[②]

سیّد شمیم حیدر نے کہا: "تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں پر حملوں میں اضافہ ہوا تو میں نے اپنی بہنوں کے ساتھ پلا کھا سے آکر گوہلہ میں پناہ لی۔ بعد ازاں سکھ بلوائیوں نے گوہلہ کا محاصرہ کر لیا تو گاؤں میں موجود مسلمان بہت خوفزدہ تھے۔ میں نے دیکھا کہ خوف کی وجہ سے گوہلہ کے سیّد تھر تھر کانپتے تھے۔"[③]

سیّد مہدی حسن نے کہا: "سکھ بلوائیوں نے گوہلہ کا محاصرہ کیا تو وہ مسلم حسین کے بھٹہ تک آئے اور مسلح مزاحمت کے خوف کی وجہ سے گاؤں میں داخل نہیں ہوئے۔"[④]

سیّد منظور حسین نے کہا: "سکھ بلوائی مسلم حسین کے بھٹہ میں چھپ کر قطاریں بنا کر بیٹھے تھے۔"[⑤]

سیّد افتخار حسین کہتے تھے: "جس دن سکھ بلوائیوں نے گوہلہ کا محاصرہ کیا اسی دن میں ملازمت سے چھٹی لے کر گاؤں کی طرف چلا۔ گوہلہ سے کچھ پہلے مجھے اپنے گاؤں کا ایک ہندو ملا۔ اس نے مجھے بتایا: 'گاؤں کو سکھوں نے گھیر لیا ہے۔ وہاں جانے کی کوشش نہ کرو۔' میں نے بہر صورت گاؤں جانے کا اظہار کیا تو وہ میری مدد کرنے پر تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چادر دی اور کہا: 'اسے اوڑھ لو اور تلاشی کے دوران بالکل خاموش رہنا۔' جب ہم گاؤں کے باہر پہنچے تو گھیرا ڈالے ہوئے سکھوں میں سے ایک نے میری طرف اشارہ کر کے ہندو سے پوچھا: 'یہ مُسلا تو نہیں؟' ہندو نے جواب دیا: 'نہیں، نئے تحصیلدار صاحب آئے ہیں، انہیں گاؤں لے کر جا رہا ہوں۔' ہم جونہی گاؤں میں داخل ہوئے تو میں نے بندوق کی نالی جو ٹانگ پہ باندھی ہوئی تھی اور دستہ جو قمیض کے نیچے چھپایا ہوا تھا نکالے اور بندوق جوڑ کر کندھے پر رکھ لی۔ قریب والے سکھ جو بھالوں، ٹوکوں اور ڈنڈوں سے مسلح تھے بندوق دیکھ کر دُور بھاگ گئے۔ میرے گھر پہنچنے کے کچھ دیر بعد پولیس والے آ گئے

---

۱ سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۹ نومبر ۲۰۱۸ء
۲ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء
۳ سیّد شمیم حیدر ولد مہدی حسن (سابق رہائشی پلا کھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سلیمان — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء
۴ سیّد مہدی حسن ولد علی حیدر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء
۵ سیّد منظور حسین ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۴ مارچ ۲۰۱۸ء

کیونکہ انہیں میرے بندوق لہرانے کی اطلاع مل گئی تھی۔ پولیس والوں نے بندوق مانگی تو میں نے توڑے والی بندوق دے کر انہیں ٹرخانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے کارتوس والی بندوق لینے پر اصرار کیا۔ مجھے وہ بندوق انہیں دینی پڑی۔" [1]

رانجھا اور ذوالفقار گاؤں سے فرار

سیّد غلام حیدر عرف رانجھا نے کہا: "ہمارا بچھڑا گاؤں سے باہر نکل گیا تھا۔ میں اسے پکڑنے گیا تو دیکھا کہ سکھوں نے گاؤں کا محاصرہ کر لیا ہے۔ سکھ برچھوں، گنڈاسوں اور کلہاڑیوں سے مسلح تھے۔ گنڈا سنگھ کے پاس میں نے بندوق بھی دیکھی۔ اس نے تحصیلدار کو بتایا کہ وہ صبح گوہلہ پر چڑھائی کریں گے۔ میں نے اپنے باپ کو بتا دیا کہ کل گوہلہ پر چڑھائی ہو گی۔ پھر میں زیور سے بھرے ہوئے دو پاندان اپنی کمر پر باندھ کر گاؤں سے نکل گیا۔ گڑھی محلہ کا ذوالفقار حسین بھی گاؤں سے نکلا۔ ہم دونوں گاؤں سے علیحدہ علیحدہ نکلے لیکن باہر آ کر اکٹھے ہو گئے۔ میرے پاس ایک برچھا تھا اور دو پاندانوں میں گھر کا زیور چھپایا ہوا تھا۔ ذوالفقار کے پاس ایک بید تھا اور ۶۰ روپے نقد تھے۔ گوہلہ سے آدھے میل کے فاصلے پر بوکپور گاؤں ہے جس میں ارائیں مسلمان رہتے تھے۔ ہم بوکپور چلے گئے۔ وہاں ہم نے لاشیں پڑی دیکھیں اور سکھ حملہ آوروں کو گاؤں کے اردگرد اکٹھے ہوتے دیکھا۔ خطرہ محسوس کرتے ہی ہم وہاں سے بھی نکل گئے۔ ابھی کچھ دور گئے تھے کہ تین سکھ ہمارے پیچھے بھاگے۔ ہم بھی جان بچانے کے لیے بھاگے۔ میری کمر پر بندھے ہوئے پاندانوں میں زیور کھڑکنے لگا اور پاندان میری کمر پر لگنے لگے جس کی وجہ سے مجھے بھاگنے میں مشکل پیش آنے لگی۔ میں نے بھاگتے بھاگتے پاندانوں کو کھول کر سنبھالنے کی کوشش کی تو پاندان نیچے گر گئے۔ میں اپنے گھر کی جمع پونجی کو گرتے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں ہمارے پیچھے لگے ہوئے تین حملہ آوروں میں سے ایک میرے قریب پہنچ گیا۔ مجھے خطرہ میں دیکھ کر ذوالفقار بھی رک گیا اور میرے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔ سکھ حملہ آور نے آتے ہی برچھے سے مجھ پر وار کیا۔ میں نے جسم کے اوپر والے آدھے حصّہ کو ایک طرف حرکت دی۔ برچھا میری بائیں ٹانگ کے گھٹنے سے کچھ اوپر لگا اور میں زخمی ہو گیا۔ اس زخم کا نشان اب تک باقی ہے۔ میں نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے برچھا سکھ کی گردن پر مارا تو وہ گر گیا۔ ایک اور وار کر کے میں نے حملہ آور کو ختم کر دیا۔ پھر میں نے ذوالفقار سے کہا: 'سکھ کا برچھا اور میرے پاندان اٹھا لو۔' ذوالفقار نے وہ اٹھا لیے اور ہم دونوں پھر بھاگنے لگے۔ اتنے میں پچھلے دو سکھ حملہ آور بھی وہاں پہنچ گئے اور اپنے ساتھی کو مردہ پانے کے بعد مزید تیزی سے ہمارے پیچھے بھاگنے لگے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم نے دیکھا کہ آگے پانچ آدمی کھڑے ہیں۔ ہم نے بھاگتے بھاگتے رخ کچھ تبدیل کر لیا تاکہ سامنے والے ممکنہ خطرہ سے بچ سکیں۔ ہمارے پیچھے لگے ہوئے دو سکھ حملہ آوروں میں سے ایک نے آگے کھڑے ہوئے پانچ آدمیوں کو پکار کر کہا: 'اِن مُسلوں کو جانے نہ دو۔ یہ اِندر سنگھ کو مار کے آئے ہیں۔' ان پانچوں نے بھی ہماری طرف بھاگنا

---

۱ سیّد افتخار حسین ولد احمد حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد محمد اکبر عرف اشرف ولد افتخار حسین بالمشافہ — کبیر والا — ۲۱ نومبر ۲۰۰۵ء

شروع کر دیا۔ ہم جتنی تیز بھاگ سکتے تھے بھاگنے لگے۔ لیکن آگے والے پانچ آدمی تازہ دم تھے اور ان کا ہم سے فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ ہم نے سمجھا ہماری موت کا وقت آ گیا ہے۔ لیکن جب پانچ آدمیوں کا فاصلہ ہم سے مزید کم ہوا تو ہمیں احساس ہوا کہ وہ ہندو نہیں بلکہ مسلمان ہیں۔ ان میں سے ایک میرا واقف تھا۔ اس نے مجھے آنکھ کا اشارہ کیا۔ ذوالفقار اور میں اطمینان سے رک گئے۔ وہ پانچ آدمی بھی ہمارے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں پیچھے سے آنے والے دو سکھ حملہ آور بھی وہاں پہنچ گئے۔ ان پانچ مسلمانوں نے دونوں سکھ حملہ آوروں کو مار دیا۔''

سیّد غلام حیدر عرف رانجھا نے کہا: ''کچھ دیر کے بعد ذوالفقار اور میں دریائے گھگر کے کنارے پہنچ گئے۔ دریا کے پار اردگرد کے مختلف علاقوں سے مسلمانوں کے قافلے اکٹھے ہو رہے تھے تاکہ ایک بڑا قافلہ بنا کر علاقہ سے بحفاظت نکل سکیں۔ ہم بھی دریا پار کر کے ان سے جا ملے۔ کسی گاؤں کے نمبردار نے ہمیں ایک روٹی دی جسے ہم نے آدھا آدھا کھا لیا۔ شدید بھوک کے باوجود ہمیں کچھ اور کھانے کو نہ مل سکا کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں کی بہت قلت تھی۔ میرے پاس زیور تھا جب کہ ذوالفقار کے پاس پیسے تھے۔ میں نے ذوالفقار سے کہا: 'ہم زیور آدھا آدھا کر لیں گے۔ پیسے مجھے دے دو تاکہ میں کھانے کا انتظام کر سکوں۔' لیکن قافلہ میں کوئی بھی پیسے لے کر کھانا دینے پر تیار نہ ہوا۔ تیلیوں کا ایک لڑکا حقہ پی رہا تھا۔ اس نے ہمیں حقہ پینے کی پیش کش کی۔ ہم دونوں وہاں بیٹھ گئے اور حقہ پینے لگے۔ کچھ دیر کے بعد ایک بکرا وہاں سے گزرا تو ہم نے سوچا کہ ہمیں بھوک لگی ہے اور کھانے کو کچھ میسر بھی نہیں اس لیے بکرا جس کا بھی ہے ہمارے لیے جائز ہے۔ ہم نے بکرے کو پکڑا، حلال کیا اور تیلیوں کے لڑکے کے ساتھ مل کر گوشت پکایا اور کھایا۔''

سیّد غلام حیدر عرف رانجھا نے کہا: ''اسی دن شادی پور نامی گاؤں کے مسلمان اجڑ کر آئے اور قافلہ میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے لوگوں کو بتایا: 'ہم گاؤں میں کھانے پینے کی ہر چیز چھوڑ کر آئے ہیں۔ کچھ لوگ ہمت کریں تو وہاں سے کھانے کے لیے سامان لایا جا سکتا ہے۔' بیس جوان اس گاؤں میں جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ میں بھی ان میں شامل تھا۔ جب ہم شادی پور پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ پانچ سکھ پانچ اونٹ، جن پر گندم لدی ہوئی ہے، لے کر جا رہے ہیں۔ ہم نے ان سکھوں کو للکارا جس پر لڑائی ہوئی اور پانچوں سکھ مارے گئے۔ ہم وہ پانچوں اونٹ اور کھانے کا کچھ اور سامان لے کر واپس قافلہ کی طرف چل پڑے۔ پٹیالہ والی ندی (دریائے گھگر) کے کنارے پہنچ کر ہم نے پہلے اونٹ کو دریا میں اتارا تو وہ پانی میں بیٹھ گیا۔ اس کے بعد ہم کچھ دور کھڑی کشتیاں لے آئے اور اونٹوں کو ان میں بٹھانا شروع کیا تاکہ اونٹوں پر لدی ہوئی گندم صحیح سالم قافلہ تک پہنچ جائے۔ ہم نے ابھی دریا پار کرنا شروع نہیں کیا تھا کہ بہت سے سکھ حملہ آور، جن کے ساتھی شادی پور میں مارے گئے تھے، پہنچ گئے۔ انہوں نے ہم پہ حملہ کیا اور کشتیاں چھین لیں۔ ہمارے واویلا کرنے پر دوسرے کنارے پر موجود قافلہ کے شرکاء میں سے کچھ ہماری مدد کے لیے پہنچ گئے۔ مدد کے لیے آنے والوں میں شتور کا حامد بھی تھا۔ حامد کی پھوپھی سیدن سید کھیڑی میں سیّدوں کے پہلے محلہ کے عنایت حسین کی زوجہ تھیں۔ حامد راجپوت تھا اور اس کے دادا نے اپنی سب بیٹیوں کی شادیاں سیّدوں میں کی تھیں۔ حامد کے پاس ایک بندوق تھی جس میں ۱۱ گولیاں ڈلتی تھیں۔ اس نے فائرنگ کھول دی جس کے نتیجہ میں کچھ سکھ مارے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ قافلہ کا انتظام سنبھالنے کے لیے ایک کمیٹی بنی ہوئی تھی۔

شادی پور سے کھانے پینے کا سامان اور گندم جو ہم لائے تھے وہ کمیٹی نے تقسیم کے لیے اپنے قبضہ میں لے لیے۔ دس سیر گندم ہر ایک کے حصّہ میں آئی۔" ①

ہندو بننے کا اعلان اور مسلم

سیّد حسن رضا نے کہا: "سکھ بلوائیوں نے گوہلہ کا محاصرہ کرنے کے بعد پیغام بھیجا کہ وہ کل گاؤں پر حملہ کریں گے۔ گاؤں کے ہندو مسلم حسین، جو ذیلدار خاندان کا بڑا تھا، کے پاس آئے اور کہا: 'مسلمان اگر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہندو مذہب اپنا لیں۔' مسلم نے کہا: 'ٹھیک ہے، میں باقی لوگوں سے بات کر کے بتاتا ہوں۔' مسلم نے گاؤں کے سرکردہ مسلمانوں کو ذیلداروں کی حویلی میں اکٹھا کیا اور انہیں ہندوؤں کے مطالبہ کے بارے میں بتایا۔ مسلم نے حالات کی نزاکت کا ذکر کرتے ہوئے کہا: 'ہندوؤں کی بات تسلیم نہ کرنے کے نتیجہ میں گاؤں کے سب مسلمانوں کو قتل ہونے کے لیے تیار ہونا ہو گا۔' مسلم کے بھائی اختر حسین کے علاوہ وہاں موجود سب افراد نے جان بچانے کے لیے ہندوؤں کی بات ماننے پر اتفاق کیا۔ اختر نے کہا: 'میں کسی بھی صورت میں ہندو نہیں بنوں گا اور مسلمان ہی رہوں گا۔ مجھ پر حملہ ہوا تو میں پانچ دس کو مار کر ہی مروں گا۔' وہاں موجود کچھ لوگوں نے اختر کے بارے میں کہا: 'یہ اپنے ساتھ ہمیں بھی مروائے گا۔' اختر کے مؤقف کی کسی نے حمایت نہیں کی۔" ②

سیّدہ رضیہ بیگم نے کہا: "ہندوؤں نے کہا تھا کہ اگر ہندو بن جاؤ گے تو چھوڑ دیں گے ورنہ سب کو مار دیں گے۔ اردگرد بہت سارے مسلمان مارے گئے تھے۔ ہمارا خاندان ذیلداروں اور پٹواریوں کا تھا۔ چاچا مسلم نے ہندو بنوایا۔ سب نے میٹنگ کی اور قرآن مجید سے استخارہ کیا تو تقیہ کرنا بہتر آیا۔ سب نے تقیہ کر لیا اور کہا ہم ہندو بن جائیں گے۔" ③

سیّد غلام حیدر عرف رانجھا نے کہا: "مسلم حسین نے میرے باپ سے مشورہ لیا تو میرے باپ نے کہا: 'ان حالات میں تقیہ جائز ہے۔ گاؤں کے مسلمانوں کی طرف سے ہندو بننے کا اعلان کر دو۔' مسلم نے ایسا ہی کیا۔" ④

سؤر کے کباب اور گنگا جل

سیّد حسن رضا نے کہا: "گوہلہ کے مسلمانوں کا ہندو بننے کا اعلان ہونے کے بعد گاؤں کے ہندوؤں نے مسلم حسین سے کہا: 'سابق مسلمانوں کو اکٹھا کریں۔ اظہار تشکر کے طور پر سب کو گنگا جل پلایا جائے گا اور سؤر کے گوشت کے کباب کھلائے جائیں گے۔ اس طرح سارے گاؤں کے ہندو بن جانے کی خوشی منائی جائے گی۔ مسلمانوں کے مذہب تبدیل کرنے کا

---

۱ سیّد غلام حیدر عرف رانجھا ولد یعقوب علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۱ مارچ ۲۰۰۷ء

۳ سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۱۷ جولائی ۲۰۱۸ء

۴ سیّد غلام حیدر عرف رانجھا ولد یعقوب علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

اظہار ہو جائے گا اور سب کو یقین آ جائے گا۔' مسلم نے پھر سرکردہ مسلمانوں کو بلایا اور ہندوؤں کے پروگرام کے بارے میں بتایا۔ مسلم کے بھائی اختر نے کہا: 'میں ہندوؤں کی کوئی چیز کھاؤں گا نہ پیئوں گا۔' اختر نے اس بات پر اپنے بھائی اور دوسرے لوگوں سے جھگڑا بھی کیا۔ وہاں موجود لوگوں نے اختر کو برا بھلا کہا اور زبردستی اسے گھر میں چھپنے پر مجبور کر دیا۔ گڑھی کے چبوترے پر بظاہر خوشی کی تقریب منعقد ہوئی۔ ہندوؤں نے شرکاء تقریب کو گنگا جل پلایا۔ سب کے سامنے سؤر کے گوشت کے کباب تلے اور شرکاء میں تقسیم کر دیے۔ مسلمانوں میں سے پیچھے بیٹھے ہوئے کچھ افراد نے کباب ہاتھوں میں چھپائے رکھے اور منہ چلا کر ظاہر کیا کہ وہ کباب کھا رہے ہیں۔ مردوں کی طرح مسلمان عورتوں میں بھی ہندوؤں کی طرف سے سؤر کے گوشت کے کباب اور گنگا جل تقسیم کیے گئے۔ عورتوں میں بھی کچھ نے کباب نہیں کھائے۔" ①

سیّدہ بشیرن بیگم نے کہا: "ہمیں گڑھی کے امام خانہ میں اکٹھا کیا اور ہندوؤں نے کھانے کے لیے پکوڑے دیے۔ کسی نے کھائے، کسی نے نہیں کھائے۔" ②

سیّدہ رضیہ بیگم نے کہا: "ہمارا گھر چھتی گلی سے باہر کی طرف تھا۔ ہمارے گھر کی عورتیں ہندوؤں کی طرف سے منعقدہ سؤر کے گوشت کے کباب کھلانے والی تقریب میں نہیں گئیں اور گھر میں ہی روتی، پیٹتی اور دعائیں کرتی رہیں۔ تاہم میرے ابّا (غفور حسین) گڑھی چبوترہ پر ہونے والی تقریب میں شریک ہوئے۔ مجمع میں وہ پیچھے کھڑے تھے۔" ③

سیّد حسن رضا نے کہا: "بظاہر خوشی کی تقریب کے کامیاب انعقاد کے بعد ہندوؤں نے گاؤں کا محاصرہ کیے ہوئے سکھوں کو پیغام بھیجا کہ اب گوہلہ میں کوئی مسلمان نہیں ہے اس لیے وہ گاؤں پر حملہ کرنے کا پروگرام منسوخ کر دیں۔ سکھوں نے حملہ کرنے کا جواز ختم ہو جانے کے بعد گوہلہ کا محاصرہ ختم کر دیا۔ اس طرح گاؤں کے مسلمانوں کی جانوں کو فوری خطرہ ٹل گیا۔" ④

محاصرہ ختم ہونے کے بعد کا گوہلہ

سیّد صغیر حسین نے کہا: "ماموں مسلم حسین نے دوسرے دیہاتوں میں اپنے عزیز و اقارب کو خط (کارڈ) بھی لکھے جن میں انہوں نے اپنے ہندو مذہب اختیار کرنے کی اطلاع دی اور اپنے عزیزوں کو بھی ہندو بن جانے کی ترغیب دی۔ میرے باجی (والد) کو بھی ٹھسکہ میں ان کا ایسا ہی ایک پوسٹ کارڈ ملا۔ میرے باجی کہتے تھے کہ مسلم نے یہ اس لیے کیا تاکہ گوہلہ اور گردونواح کے ہندوؤں کو یقین آ جائے کہ انہوں نے دِل سے ہندو مذہب اختیار کر لیا ہے اور وہ (یعنی مسلم) وہاں سے

---

۱ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ واڑہ ـــ ۳۱ مارچ ۲۰۰۷ء
۲ سیّدہ بشیرن بیگم زوجہ حسن علی (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ واڑہ ـــ ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء
۳ سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ کراچی ـــ ۹ نومبر ۲۰۱۸ء
۴ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ واڑہ ـــ ۳۱ مارچ ۲۰۰۷ء

نکلنے کی سبیل کر سکیں۔" [1]

سیّدہ تسکین زہرا نے کہا: "گوہلہ والوں کے ہندو مذہب اختیار کرنے کی اطلاع جب میری والدہ (نثار فاطمہ) کو پونڈری میں ملی تو انہوں نے اسے سچ سمجھا اور بہت تکلیف اور رنج کا اظہار کیا۔ وہ دکھ بھرے لہجہ میں کہتی تھیں: 'میرا بھائی (مہدی اصغر) ہندو بن گیا!' گوہلہ میری والدہ کا میکہ گاؤں تھا۔" [2]

سیّد ابو ثمامہ نے کہا: "گوہلہ کے مسلمانوں کا ہندو بننے کا اعلان ایک سیاسی فیصلہ تھا جو سکھوں کے گاؤں کا گھیراؤ کرنے کے پیش نظر کیا گیا تھا۔ ورنہ گاؤں میں ہندوؤں کا زور نہیں تھا۔" [3]

سیّد منظور حسین نے کہا: "ہندو گڑھی محلہ کی مسجد میں چھینے بجاتے تھے اور گیت گاتے تھے جسے بھجن کہتے تھے۔ یہ ان کی عبادت کا ایک طریقہ تھا۔ تقیہ کیے ہوئے مسلمانوں کے بچّے، جنہیں مذہب کا اتنا پتہ نہیں تھا، بھی شوق میں وہاں چلے جاتے تھے۔" [4]

سیّدہ بشیرن بیگم کہتی تھیں: "ہندو عورتیں ہمارے گھروں میں آتی تھیں اور کسی بزرگ خاتون کو نماز پڑھتے دیکھ کر اپنے مردوں کو جا کر بتا دیتی تھیں۔ ہندو مرد بھائی مسلم سے گلہ کرتے تھے تو بھائی مسلم ان سے کہتے تھے کہ وہ بوڑھی عورت ہے اسے چھوڑیں۔ ہم تو ہندو بن گئے ہیں۔" [5]

سیّد شمیم حیدر نے کہا: "سکھوں کا محاصرہ ختم ہو جانے کے بعد ہم گوہلہ کی گلیوں میں رام رام کرتے پھرتے تھے اور ایک دوسرے کو آنکھ کا اشارہ کرتے تھے کیونکہ ہمیں پتہ تھا کہ ہم یہ نام سنجیدگی سے نہیں لے رہے۔" [6]

سیّد منوّر حسین نے کہا: "ہم نے ہندو مذہب اختیار نہیں کیا تھا۔ ذیلداروں نے دباؤ میں آکر ہندو مذہب اختیار کرنے کا اعلان کیا تھا۔" [7]

سیّدہ بشیرن بیگم نے کہا: "گوہلہ سب تحصیل میں سادھو نامی ہندو عرضی نویس تھا۔ سادھو کے باپ کا نام ماتو اور ماں کا نام درگی تھا۔ وہ میرے تایا امیر علی، جو میرے سسر بھی تھے، کا دوست اور پڑوسی تھا۔ رات کو جب محلّے والے سو جاتے تو سادھو چھپ کر اپنی چھت سے ہماری چھت پر آتا اور سیڑھیاں اتر کر ہمارے گھر آ جاتا تھا۔ وہ تھانہ اور عدالت میں مسلمانوں کے خلاف ہونے والی باتیں میرے تایا کو بتاتا تھا۔ وہ کہتا تھا: 'تم بچو گے نہیں۔ تمہیں مار دیں گے۔ اور اگر مارا نہ بھی

---

۱ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — بہاولپور — ۱۰ نومبر ۲۰۱۸ء

۲ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۸ اگست ۲۰۱۹ء

۳ سیّد ابو ثمامہ ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۰ فروری ۲۰۱۱ء

۴ سیّد منظور حسین ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۴ مارچ ۲۰۱۸ء

۵ سیّدہ بشیرن بیگم زوجہ زوّار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین بالمشافہ — لاہور — ۱۸ اگست ۲۰۱۹ء

۶ سیّد شمیم حیدر ولد مہدی حسن (سابق رہائشی پلاکھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سلیمان — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

۷ سیّد منوّر حسین ولد محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء

تو تمہاری لڑکیوں کو ضرور اٹھا کر لے جائیں گے۔ کسی طرح یہاں سے نکل جاؤ۔' اگرچہ مسلمانوں نے ہندو بننے کا اعلان کر دیا تھا لیکن ہندو آپس میں کہتے تھے کہ مسلمانوں کو ہندو بنوا لیا ہے اور انہیں مار بھی دیں گے۔" ①

سیّد منظور حسین نے کہا: "کئی ہندو ایسے تھے جو مسلمانوں کو بتا دیتے تھے کہ ان کے خلاف کیا ہونے والا ہے۔ وہ ہندو چاہتے تھے کہ مسلمان قتل نہ ہوں۔ ہر طرح کی دنیا ہوتی ہے۔ اِدھر بھی کئی مسلمان ایسے تھے جنہوں نے ہندوؤں کی مدد کی۔ ہر جگہ خدا ترسی کوئی نہ کوئی تو کرتا ہے۔" ②

سیّد مشتاق حسین نے کہا: "چاچا اختر حسین نے ایک دفعہ (نائب) تحصیلدار کو تھپڑ مارا تھا۔ تحصیلدار کو اس بات کا غصہ تھا۔ تقسیم ہند کے بعد وہ کہتا تھا کہ میں گوہلہ کے سب مسلمانوں کو مرواؤں گا۔" ③

سیّد غلام حیدر عرف رانجھا نے کہا: "گوہلہ میں خطرہ ٹل جانے کے بعد میں گاؤں واپس آ گیا۔ مسلم حسین میرے پاس آیا اور قافلہ کے بارے میں پوچھا۔ میں نے سب حالات اسے بتائے۔ مسلم نے مجھ سے کہا: 'تحصیلدار تجھے بلائے گا اور قافلہ کے بارے میں پوچھے گا۔ تم اسے کہنا کہ قافلہ میں شامل مسلمان سرولے سے رتہ کھیڑا تک بیٹھے ہیں۔ قافلہ بہت بڑا ہے، بہت سے مسلمانوں کے پاس اسلحہ ہے اور یہ کہ قافلہ کا پروگرام گوہلہ سے گزر کر جانے کا ہے۔' مسلم نے مجھے یہ بھی کہا: 'تحصیلدار کے سامنے اولی بولی باتیں بھی کرنا۔ سب باتیں سیدھی نہ کرنا تاکہ تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔' تھوڑی دیر کے بعد تحصیلدار کا بلاوا آیا تو میں وہاں گیا۔ مسلم بھی تحصیلدار کے پاس بیٹھا تھا۔ تحصیلدار نے مجھ سے پوچھا: 'تم گاؤں سے باہر کیوں گئے تھے؟' میں نے جواب دیا: 'میں ڈر گیا تھا اور جان بچانے کے لیے بھاگ گیا تھا۔' پھر تحصیلدار نے پوچھا: 'قافلہ کتنا بڑا ہے؟' میں نے کہا: 'بہت بڑا ہے۔ سرولے سے رتہ کھیڑا تک لوگ ہی لوگ بیٹھے ہیں۔' تحصیلدار نے مزید پوچھا: 'قافلہ والوں کے پاس کتنی رائفلیں ہیں؟' میں نے کہا: 'جی۔' تحصیلدار نے پھر رائفلوں کی تعداد پوچھی تو میں نے کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں مسلم کی طرف دیکھا۔ مسلم نے کہا: 'تحصیلدار صاحب بندوقوں کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔' اس پر میں نے کہا: 'صاحب! ان کے پاس ۳۰ سے زیادہ بندوقیں ہیں۔' میں نے ہاتھوں کے اشارے سے بندوق چلانے اور منہ سے گولی کی آواز نکالنے کا مظاہرہ بھی کیا۔ اس وقت گوہلہ کے تھانہ میں پولیس کے پاس سات آٹھ سے زیادہ بندوقیں نہیں تھیں۔ تحصیلدار نے مسلم سے کہا: 'پنڈت جی! اگر قافلہ آ گیا تو ہمارے لیے بہت مشکل ہو جائے گی۔' مسلم نے اعتماد سے جواب دیا: 'پرماتما بھلی کرے گا۔'" ④

سیّد منظور حسین نے کہا: "ہمارے علاقہ میں سکھوں کا جو جتھہ مسلمانوں پر حملے کرتا تھا اس کی قیادت پڑتے کا سردار کرتا تھا۔ مجھے اس کا نام یاد نہیں۔ اسے پڑتے کا سردار کہتے تھے۔ اس کے پاس ایک دو نالی بندوق تھی۔ چیکا، پیلڑہ،

---

۱ سیّدہ بشیرن بیگم زوجہ حسن علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۲ سیّد منظور حسین ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۴ مارچ ۲۰۱۸ء

۳ سیّد مشتاق حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

۴ سیّد غلام حیدر عرف رانجھا ولد یعقوب علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

کھرودی وغیرہ سے روایتی ہتھیاروں سے مسلح سکھ جٹ اس کے پاس اکٹھے ہوتے تھے۔ ہندو اور چوڑھے بھی ان کے ساتھ مل جایا کرتے تھے۔ سارے علاقہ والے اکٹھے ہو جاتے تھے۔ ایک دوسرے کو بلا لیتے تھے۔ پڑتے کے سردار کے زور پر ہی سارے حملہ کرنے جاتے تھے۔ ہمارے ساتھ کے گاؤں بوکپور پہ حملہ ہوا تو وہاں مسلمان تھوڑے تھے اور کمزور تھے۔ کچھ مارے گئے، کچھ بھاگ گئے۔ جب ڈوگراں کی کھیڑی پہ حملہ ہوا تو اس وقت ہم ہندو بننے کا اعلان کر چکے تھے۔ حملہ آور جتھہ گوہلہ سے ہو کر گزرا۔ گوہلہ میں ہندوؤں نے بھٹیاں لگائی ہوئی تھیں اور وہ دانے بھونتے تھے۔ انہیں جھور کہتے تھے۔ انہوں نے دانوں کی بھٹیاں چڑھا دیں کہ حملہ آور واپس آئیں گے تو بھوکے ہوں گے اور وہ انہیں کھانے کے لیے دانے دیں گے۔ مسلمان ڈوگروں نے سب سے پہلے پڑتے کے سردار کو نشانہ بنایا اور اسے مار دیا۔ وہ گھوڑی سے گرا تو حملہ آوروں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ڈوگروں نے روایتی ہتھیاروں سے حملہ آوروں کے بہت آدمی مار دیے جب کہ ڈوگروں کا ایک آدمی بھی نہیں مرا۔ حملہ آور وہاں سے روتے ہوئے واپس آئے۔ پھر کس نے دانے کھانے تھے۔“ ①

سیّد افتخار حسین کہتے تھے: ”سکھوں کے گوہلہ کے محاصرہ کے دن پولیس والے جو بندوق مجھ سے لے گئے تھے چند روز بعد اس کا ایک پرزہ ڈھیلا ہو گیا۔ پولیس والے اسے ٹھیک نہ کر سکے۔ وہ بندوق لے کر میرے پاس آئے اور مجھے اس کی مرمت کرنے کا کہا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ تھوڑی دیر کے بعد آ کر بندوق لے جائیں گے۔ میں نے بندوق کے سب پرزے کھول دیے اور انہیں مٹی لگا کر تیل میں ڈال دیا۔ کچھ دیر بعد جب پولیس والے آئے اور بندوق مانگی تو میں نے کہا: ’بندوق میں بہت مٹی پھنس گئی ہے اور پرزوں کو زنگ لگ گیا ہے۔ میں نے پرزوں کو علیحدہ کر کے تیل میں ڈال رکھا ہے۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔ بندوق کی مرمت میں چند دن لگ جائیں گے۔‘ پولیس والوں کو میری بات کا یقین آ گیا اور وہ چلے گئے۔“ ②

سیّدہ رضیہ بیگم نے کہا: ”میرا بھائی محمد رضا تحصیلدار کا بیٹا بنا ہوا تھا۔ تحصیلدار کا بیٹا میرے بھائی کا دوست تھا اور ہمارے گھر بھی آتا تھا۔ تحصیلدار پنڈت تھا۔ کسی نے اس سے میرے ابّا (غفور حسین) کے بارے میں شکایت کر دی کہ وہ قافلہ والوں سے ملتا ہے اور پاکستان جانے کی بات کرتا ہے۔ تحصیلدار نے ابّا کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ میں تحصیلدار کے گھر گئی اور اس کی بیوی سے بات کی۔ اس کی بیوی نے اسی وقت تحصیلدار کو بتایا کہ جس کی گرفتاری کا حکم دیا ہے وہ محمد رضا کا باپ ہے۔ تحصیلدار نے گرفتاری کا حکم منسوخ کر دیا اور ابّا کو بلایا۔ ابّا وہاں گئے تو تحصیلدار نے ان سے کہا: ’میں آپ کو پاکستان پہنچوا دوں گا۔‘ ابّا نے گھر آ کر یہ بات کی تو سب بچّے ابّا کو چمٹ گئے کیونکہ کچھ دن پہلے چار پانچ ٹرکوں پر مسلمانوں کو ذبح کر دیا گیا تھا۔ پھر ابّا نے کہا کہ ہم اپنی برادری اور گاؤں والوں کے ساتھ ہی جائیں گے۔“ ③

---

۱ سیّد منظور حسین ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۴ مارچ ۲۰۱۸ء

۲ سیّد افتخار حسین ولد احمد حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد محمد اکبر عرف اشرف ولد افتخار حسین بالمشافہ — کبیر والا — ۲۱ نومبر ۲۰۰۵ء

۳ سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۱۷ جولائی ۲۰۱۸ء

مسلمانوں کا انخلاء اور اختر

سیّد محبوب علی نے کہا: ”گوہلہ کا محاصرہ ختم ہونے کے بعد ذیلدار خاندان کا اختر حسین گاؤں سے نکل کر رتہ کھیڑا کے قافلہ میں شامل ہو گیا۔ قافلہ میں مختلف دیہاتوں سے آنے والے بہت سے لوگ اس کے واقف تھے اور اس کا احترام کرتے تھے۔ اختر نے قافلہ کے سرکردہ لوگوں کو گوہلہ کے مسلمانوں کا دباؤ کے تحت مذہب تبدیل کرنے کے اعلان کے بارے میں بتایا اور انہیں گوہلہ کے مسلمانوں کی نجات کے لیے اقدام کرنے پر تیار کیا۔ اختر کی کوششوں کے نتیجہ میں قافلہ کے سرکردہ لوگوں نے قافلہ میں موجود مسلح افراد کو گوہلہ کے مسلمانوں کو نکال کر لانے کے لیے بھیجا۔“ ①

سیّد حسن رضا نے کہا: ”سکھوں کا محاصرہ ختم ہونے کے بعد اختر حسین گوہلہ سے نکل کر رتہ کھیڑا کے قافلہ میں چلا گیا۔ وہ ہر دوسرے یا تیسرے روز خفیہ طور پر گاؤں میں آکر تقیہ کیے ہوئے مسلمانوں کو گاؤں سے نکلنے پر آمادہ کرتا تھا۔ اختر نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے قافلہ کے ذِمّہ داروں کو تیار کیا کہ مسلح افراد کو بھیج کر گوہلہ کے مسلمانوں کو نجات دلائیں۔“ ②

سیّد مشتاق حسین نے کہا: ”گوہلہ کا گھیراؤ ختم ہونے کے بعد چاچا اختر گاؤں سے نکل گیا تھا۔ ہمارا بندو (بندے علی) اور جولاہا سلیمان بھی اس کے ساتھ گاؤں سے نکل گئے تھے۔ چاچا اختر نے رتہ کھیڑا سے آدمی بھیجے جنہوں نے گوہلہ والوں کو نکالا۔“ ③

سیّدہ رضیہ بیگم نے کہا: ”میرا چاچا اختر، جو بہت اچھا انسان تھا، قافلہ میں گیا اور کہا: ’ہندو ہمیں مار دیں گے، ہم نے تقیہ کیا ہوا ہے۔‘ قافلہ والوں نے کہا: ’ہم آرہے ہیں اور سب کو لے جائیں گے۔‘ پھر قافلہ والے آئے اور ہم سب کو لے کر رتہ کھیڑا چلے گئے۔“ ④

سیّد غلام حیدر عرف رانجھا نے کہا: ”مسلم حسین کے کہنے پر قافلہ والوں کو میں لے کر آیا اور مسلم کو قافلہ کی آمد کی پیشگی اطلاع پہنچا دی۔ مسلم نے گاؤں کے مسلمانوں کے گھروں میں پیغام بھجوا دیا کہ آج رات گوہلہ سے نکلنے کی خاموشی سے تیاری کر لیں۔“ ⑤

سیّد منوّر حسین نے کہا: ”شام کے وقت میرا بھائی محمود حسین باڑے میں میرے ماموں کا بیل لینے کے لیے گیا۔

۱　سیّد محبوب علی ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۲　سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۱ مارچ ۲۰۰۷ء

۳　سیّد مشتاق حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

۴　سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۱۷ جولائی ۲۰۱۸ء

۵　سیّد غلام حیدر عرف رانجھا ولد یعقوب علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

جب وہ بیل کھول کر لا رہا تھا تو ایک ہندو اپنے گھر کے سامنے کھڑا تھا۔ اس ہندو نے محمود سے پوچھا: 'اس وقت بیل کہاں لے کر جا رہے ہو؟' محمود نے کہا: 'آج رات اپنی زمین پر ہل چلانا ہے۔' وہ بیل اس لیے لایا تھا تاکہ رات کو گاؤں چھوڑتے وقت جتنا سامان لے جاسکتے ہیں گڈے پر لاد کر لے جائیں۔" ①

سیّد غلام حیدر عرف رانجھا نے کہا: "رتہ کھیڑا کے قافلہ سے ۱۰۰ افراد گوہلہ کے مسلمانوں کو بحفاظت نکالنے کے لیے چلے۔ جب وہ گوہلہ کے قریب پہنچے تو گاؤں والوں کو ان کی چڑھائی کی اطلاع مل گئی۔ رات کے اندھیرے میں ان کی تعداد اصل سے کہیں زیادہ نظر آتی تھی۔ گوہلہ کے پولیس والے تھانہ کا گیٹ مقفل کر کے اندر چھپ گئے۔ یہی حال گوہلہ کے ہندوؤں کا ہوا جو اپنے گھروں میں دبک گئے۔ جب قافلہ والے گاؤں میں داخل ہوئے تو ۱۲ آدمی تھانہ کے گیٹ کے پاس کھڑے ہو گئے تاکہ پولیس کی طرف سے کسی بھی کارروائی کا جواب دے سکیں۔ باقی مسلمانوں کے گھروں کے پاس آ گئے۔ مسلم کے کہنے پر قافلہ کی گاؤں میں آمد کا اعلان کر دیا گیا جسے سن کر مسلمان گھروں سے باہر آ گئے۔" ②

شرکاء قافلہ

گوہلہ کے مسلمانوں کے قافلہ میں سیّد برادری کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد شامل تھے:

گڑھی محلہ

①کلثوم بیوہ نذیر حسین (وہ ٹھسکہ کی رہائشی تھیں اور اپنی بیٹی مسیتی بیوہ ذیلدار کاظم حسین کے پاس گوہلہ آئی ہوئی تھیں) ②اصغری بیگم عرف مسیتی بیوہ ذیلدار کاظم حسین ③مہدی اصغر ولد ذیلدار کاظم حسین ④عزیز فاطمہ زوجہ محمد زمان ⑤محمد زمان ولد سجاد حسین (وہ سیانہ سیداں کے رہائشی تھے اور اپنی زوجہ، جو ذیلدار کاظم حسین کی بیٹی تھیں، کے ساتھ اپنے سسرال کے گاؤں گوہلہ آئے ہوئے تھے) ⑥انعام فاطمہ دختر ذیلدار کاظم حسین ⑦اقبال فاطمہ عرف بالی دختر ذیلدار کاظم حسین ⑧ضمیر فاطمہ دختر ذیلدار کاظم حسین ⑨محمدی بیگم عرف منہدی بیوہ ذیلدار محمد امیر ⑩مسلم حسین ولد ذیلدار محمد امیر ⑪سروری بیگم زوجہ مسلم حسین ⑫مختار حسین عرف احسن ولد مسلم حسین ⑬سخاوت رسول ولد مسلم حسین ⑭حسن امام ولد مسلم حسین ⑮افضال فاطمہ عرف جالو دختر مسلم حسین ⑯اختر حسین ولد ذیلدار محمد امیر ⑰ہاشمی عرف کڑہامو زوجہ ثانی اختر حسین ⑱وقار حسین عرف چھمن ولد اختر حسین ⑲بیگم فاطمہ عرف بیگو بیوہ محمد حسین ⑳زوّار حسین ولد محمد حسین ㉑بشیرن بیگم زوجہ زوّار حسین ㉒زائر حسین ولد زوّار حسین ㉓ذوالفقار حسین ولد محمد حسین ㉔نثار فاطمہ عرف سجادو زوجہ ذوالفقار حسین ㉕خورشید حسن ولد محمد حسین ㉖شہیدن عرف سیداں زوجہ خورشید حسن ㉗بندے علی عرف بندو ولد خورشید حسن ㉘رضا حسین ولد محمد حسین ㉙بشیرن زوجہ رضا حسین ㉚منظور حسین ولد رضا حسین

---

۱ سیّد منوّر حسین ولد محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ واڑہ ـــ ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد غلام حیدر عرف رانجھا ولد یعقوب علی (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ واڑہ ـــ ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۳۱مشتاق حسین ولد رضا حسین ۳۲رستم علی عرف رسا ولد تراب علی ۳۳فضہ بیوہ تابع حسین عرف چیچو ۳۴مقبول حسین ولد تابع حسین ۳۵امیر فاطمہ عرف ماڑو زوجہ مقبول حسین ۳۶شبیر حسین ولد مقبول حسین ۳۷صغیر حسین ولد مقبول حسین ۳۸مصطفیٰ حسین ولد مقبول حسین ۳۹ذاکر حسین ولد مقبول حسین ۴۰زاہد حسین ولد مقبول حسین ۴۱مصطفائی بیگم دختر مقبول حسین ۴۲اصغری بیگم دختر مقبول حسین ۴۳علمدار حسین ولد علی محمد ۴۴زبیدہ بیگم زوجہ علمدار حسین ۴۵بندے علی عرف بندو ولد علی محمد ۴۶ممتاز عرف تاجو زوجہ بندے علی ۴۷غلام عباس عرف باسی لونگڑا ولد غلام حسین ۴۸طالب حسین ولد علی حسین ۴۹حیدری زوجہ طالب حسین ۵۰محمد سبطین ولد طالب حسین ۵۱بلقیس دختر طالب حسین ۵۲شریفن بیوہ مہدی حسن ۵۳لطیف عرف گونگا ولد مہدی حسن ۵۴غفور حسین ولد پرورش علی ۵۵غلام فاطمہ عرف الفت زوجہ غفور حسین ۵۶کربلائی دختر غفور حسین ۵۷بلقیس دختر غفور حسین ۵۸اقبال حسین ولد فدا حسین ۵۹رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین ۶۰ذیشان علی ولد اقبال حسین ۶۱شبیرن بیوہ انتظام علی ۶۲ابو ثمامہ ولد انتظام علی ۶۳سعیدہ زوجہ ابو ثمامہ ۶۴فریاد حسین ولد انتظام علی ۶۵ثریا دختر انتظام علی ۶۶ام لیلیٰ دختر انتظام علی ۶۷حاجرہ بی بی زوجہ مقبول حسین ۶۸نسیم فردوس دختر مقبول حسین

گڑھی محلہ کے مندرجہ ذیل رہائشی قافلہ میں شامل نہیں تھے:

۶۹زینب بی بی زوجہ رستم علی عرف رسا (وہ اپنے والدین کے پاس سیانہ سیداں میں تھیں اور وہیں سے پاکستان آئیں) ۷۰کھنڈو ولد مہدی حسن (وہ گمن کھیڑی میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) ۷۱شوکت حسین ولد غفور حسین ۷۲نخیہ زوجہ دوئم شوکت حسین ۷۳حمیدن زوجہ سوئم شوکت حسین ۷۴حسین احمد ولد شوکت حسین (شوکت اپنی بیگمات اور فرزند کے ساتھ گمن کھیڑی میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) ۷۵محمد رضا ولد غفور حسین (وہ دہلی میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) ۷۶افضال حسین ولد فدا حسین (وہ گمن کھیڑی میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) ۷۷مقبول حسین ولد یعقوب علی (وہ نابھہ میں تعینات تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) ۷۸حسن بی بی بیوہ یعقوب علی ۷۹طفیل حسین ولد یعقوب علی ۸۰تفضل حسین ولد یعقوب علی (حسن بی بی اور ان کے بیٹے طفیل اور تفضل پٹیالہ میں شہید ہوئے)۔[1]

اکبر کا محلہ

۱امیر علی ولد اکبر علی ۲حکیمن زوجہ امیر علی ۳دلبر حسین ولد امیر علی ۴کنیز فاطمہ زوجہ دلبر حسین ۵اختر حسین ولد دلبر حسین ۶افضل حسین ولد دلبر حسین ۷بشیرن بیگم زوجہ حسن علی ۸نصرت دختر حسن علی ۹شمیم حیدر ولد مہدی حسن ۱۰جنّت بی بی دختر مہدی حسن ۱۱سکینہ دختر مہدی حسن(شمیم نے اپنی بہنوں جنّت اور سکینہ کے ہمراہ

---

۱ سیّد منظور حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ کبیر والا ـــ ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء
سیّد ذاکر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ واڑہ ـــ ۱۴ دسمبر ۲۰۱۶ء
سیّد ابو ثمامہ ولد انتظام علی (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ لیہ ـــ ۲۰ فروری ۲۰۱۱ء
سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ کراچی ـــ ۱۷ جولائی ۲۰۱۸ء

پلاکھا سے آکر گوہلہ میں اپنی بہن کنیز زوجہ دلبر کے پاس پناہ لی تھی) ⑫نذیر حسین ولد اکبر علی ⑬اعجاز حسین ولد نذیر حسین ⑭علی حیدر ولد نذیر حسین⑮حسین حیدر ولد نذیر حسین ⑯سلطان حیدر ولد اعجاز حسین⑰اختری دختر اعجاز حسین ⑱سعیدہ دختر اعجاز حسین ⑲رقیہ زوجہ علی حیدر ⑳مہدی حسن ولد علی حیدر ㉑مہدیہ دختر علی حیدر ㉒کبری زوجہ زوّار حسین ㉓کنیز فاطمہ دختر زوّار حسین ㉔بتول عرف تولی بیوہ احمد حسین ㉕افتخار حسین ولد احمد حسین ㉖حمیدہ بیگم عرف مجیدن زوجہ افتخار حسین ㉗نسیم فاطمہ دختر افتخار حسین ㉘محمد امیر ولد اکبر علی ㉙بیگم فاطمہ زوجہ محمد امیر ㉚تجمل حسین ولد محمد امیر ㉛منوّر حسین ولد محمد امیر ㉜محمود حسین ولد محمد امیر ㉝نثار فاطمہ زوجہ تجمل حسین ㉞یعقوب علی ولد اکبر علی ㉟سیدی زوجہ یعقوب علی ㊱شوکت حسین ولد یعقوب علی ㊲غلام حیدر عرف رانجھا ولد یعقوب علی ㊳صفدری بیگم دختر یعقوب علی (وہ پلاکھا بیاہی تھیں اور اپنے والدین کے پاس گوہلہ آئی ہوئی تھیں) ㊴مصطفائی عرف اسرو دختر یعقوب علی ㊵مرتضائی عرف بندی دختر یعقوب علی ㊶ظہیر فاطمہ عرف جیرو دختر یعقوب علی ㊷ہاشمی زوجہ شوکت حسین ㊸صفدر حسین ولد شوکت حسین ㊹لیاقت حسین ولد شوکت حسین ㊺صداقت حسین ولد شوکت حسین ㊻ہاشم حسین ولد مہدی حسن ㊼اختر حسین ولد صادق حسین (ہاشم اور اختر پلاکھا کے رہائشی تھے اور انہوں نے گوہلہ میں ہاشمی زوجہ شوکت حسین، جو ہاشم کی بہن اور اختر کی پھوپھی تھیں، کے پاس پناہ لی تھی) ㊽مطلوب حسین ولد وزیر علی ㊾سیّد حسن نمبردار ولد محمد حسن ㊿صغری بیگم عرف دتالو زوجہ سیّد حسن (۵۱)سجاد حسین ولد سیّد حسن (۵۲)عابد عرف چھجو ولد سیّد حسن (۵۳)اصغری بیگم دختر سیّد حسن (۵۴)کاظمی زوجہ سجاد حسین (۵۵)صغیر حسین ولد علی حسن (۵۶)شبیر حسین ولد علی حسن (۵۷)شبیرن دختر علی حسن (۵۸)حسین بی بی عرف سینا زوجہ صغیر حسین (۵۹)ناصر حسین ولد صغیر حسین (۶۰)یعقوبن زوجہ شبیر حسین (۶۱)حیدری بیگم دختر شبیر حسین (۶۲)علمدار حسین ولد غلام مصطفیٰ (۶۳)بشیرن زوجہ علمدار حسین (۶۴)محبوب علی ولد علمدار حسین (۶۵)منظور حسین ولد علمدار حسین (۶۶)عزیزن زوجہ جعفر حسین (۶۷)رضا حسین ولد جعفر حسین (۶۸)لطیف حسین ولد جعفر حسین (۶۹)سالم حسین ولد کرم حسین (۷۰)صدیقن زوجہ سالم حسین

اکبر کے محلہ کے مندرجہ ذیل رہائشی قافلہ میں شامل نہیں تھے: (۷۱)حسن علی ولد امیر علی (وہ پولیس میں ملازم تھے اور ہارون آباد میں تعینات تھے) (۷۲)حسینہ زوجہ حسین حیدر (وہ اپنے میکہ گاؤں سامانا میں تھیں اور وہیں سے پاکستان آئیں) (۷۳)زوّار حسین ولد احمد حسین (وہ دہلی میں ملازم تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) (۷۴)فضل الرحمٰن ولد زوّار حسین (وہ اپنے نانکے گاؤں ٹھسکہ کے مدرسہ میں قرآن حفظ کر رہے تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) (۷۵)صغیرن زوجہ مطلوب حسین (۷۶)زاہدہ بیگم دختر مطلوب حسین (صغیرن اپنی بیٹی زاہدہ کے ساتھ اپنے میکہ گاؤں ٹھسکہ میں تھیں اور وہیں سے پاکستان آئیں) (۷۷)مقبول حسین ولد وزیر علی (۷۸)اختر حسین ولد مقبول حسین (مقبول گوہلہ کے ڈاکخانہ میں تعینات تھے۔ وہ اپنے بیٹے اختر کے ساتھ قافلہ جانے کے ۱۵ دن بعد گاؤں سے پاکستان جانے کے لیے نکلے) (۷۹)علی حسن ولد محمد حسن (وہ بلاھڈا والوں کے ساتھ تلونڈی میں شہید ہوئے) (۸۰)جعفر حسین ولد علی نواز (وہ ذہنی مریض تھے اور گوہلہ سے باہر تھے۔ معلوم نہیں ہو سکا

کہ ان کے ساتھ کیا بیتی۔ [1]

لیڈری محلہ

①نذیر حسین عرف نھو بلّا ولد ولایت علی ②بتول عرف تولی بیوہ عبد المجید عرف نھو (وہ ٹھسکہ کی رہائشی تھیں اور اپنے میکہ گاؤں گوہلہ آئی ہوئی تھیں) ③بشیرن بی بی زوجہ نذیر حسین ④یاور حسین ولد نذیر حسین ⑤سرور حسین ولد نذیر حسین ⑥حسن رضا ولد نذیر حسین ⑦کاظمی بیگم زوجہ یاور حسین ⑧دلشاد حسین ولد یاور حسین ⑨مشتری بیگم بیوہ اقبال حسین ⑩تقی ولد اقبال حسین ⑪ذوالفقار حسین ولد خورشید حسین ⑫انوری بیگم زوجہ ذوالفقار حسین ⑬افتخار حسین ولد ذوالفقار حسین ⑭صغریٰ بیگم بیوہ رونق علی ⑮کبیر حسین ولد رونق علی ⑯مراتب علی ولد رونق علی ⑰اصغری بیگم دختر رونق علی ⑱بشیرن بیگم دختر رونق علی ⑲انعام فاطمہ دختر رونق علی ⑳عزیز زوجہ کبیر حسین ㉑بانو دختر کبیر حسین ㉒صغیرن بیوہ جمیل حسین ㉓سعیدہ بیگم دختر جمیل حسین ㉔طاہرہ بیگم دختر جمیل حسین ㉕اظہار حسین ولد علی محمد ㉖ہادی حسن ولد چراغ علی ㉗منوّر حسین ولد علی حسن ㉘سروری بیگم زوجہ منوّر حسین ㉙علی اصغر ولد منوّر حسین ㉚امام باندی عرف اللہ ڈوائی دختر منوّر حسین ㉛رفیق حسین ولد دلبر حسین ㉜انور حسین ولد رفیق حسین ㉝عزادار حسین ولد رفیق حسین ㉞کنیز فاطمہ دختر رفیق حسین ㉟سکینہ بیگم بیوہ غلام نقی ㊱شوکت حسین ولد غلام نقی ㊲حیدر حسن ولد محمد حسن ㊳کاظمی بیگم زوجہ حیدر حسن ㊴غلام شبیر ولد حیدر حسن ㊵رضا حسین ولد حیدر حسن ㊶طاہر حسین ولد حیدر حسن ㊷طاہرہ بانو دختر حیدر حسن

لیڈری محلہ کے مندرجہ ذیل افراد قافلہ میں شامل نہیں تھے: ㊸خورشید حسین ولد ولایت علی ㊹اقبال حسین ولد خورشید حسین (خورشید اور اُن کا بیٹا اقبال راجپورہ میں شہید ہوئے)۔ [2]

---

۱ سیّد منوّر حسین ولد محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء
سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء
سیّد لیاقت حسین ولد شوکت حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۱۶ مارچ ۲۰۱۸ء
سیّد محبوب علی ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — ۲۵ فروری ۲۰۱۱ء
سیّد منظور حسین ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۸ء
سیّد مبارک علی ولد منوّر حسین — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — یکم اکتوبر ۲۰۱۷ء

۲ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — حسین آباد (نلکا اڈا) — ۲۹ مارچ ۲۰۱۱ء
سیّدہ امام باندی عرف اللہ ڈوائی دختر منوّر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کلر والا — ۵، ۱۹ مارچ ۲۰۱۸ء

گوہلہ سے رتہ کھیڑا

سیّد منظور حسین نے کہا: ”مسلم حسین نے کہا تھا: 'میں نہیں جاتا۔' ہم اسے لے کر آئے۔“ [۱]

سیّد منوّر حسین نے کہا: ”کراڑوں (ہندوؤں) کا گڈا ہمارے گھر کے سامنے کھڑا تھا۔ ہم نے اس کے ساتھ اپنا بیل باندھا اور کچھ گندم کی بوریاں، ایک گھی کا ٹین اور کھانے پینے کے لیے استعمال ہونے والے چند برتن اس پر رکھ دیے اور قافلہ میں شامل ہو گئے۔“ [۲]

سیّدہ انعام فاطمہ کہتی تھیں: ”ہم نے گوہلہ چھوڑا تو اپنے سب کھلونے کرشنا کماری کو بھجوا دیے۔ کرشنا کماری میری بہن اقبال فاطمہ اور میری سہیلی تھی۔“ [۳]

سیّدہ عزیز فاطمہ کہتی تھیں: ”ہم جب گوہلہ چھوڑنے کے لیے گھروں سے باہر نکلے تو بھول کر سخاوت رسول کو گھر میں ہی چھوڑ دیا۔ دوبارہ گھر جا کر اسے اٹھا کر لائے۔“ [۴]

سیّدہ افضال فاطمہ نے کہا: ”گوہلہ سے قافلہ چلا تو بارش ہو رہی تھی۔ میں نے اپنے چھوٹے بھائی سخاوت رسول کو گود میں اٹھایا ہوا تھا اور ابا جی کے نوکر عبدل کی کمر پر زیور والی کنستری بندھی ہوئی تھی۔“ [۵]

سیّدہ رضیہ بیگم نے کہا: ”جس دن ہم گوہلہ سے نکلے میں ایک دن کی زچہ تھی۔ میرا پہلا بیٹا ذیشان علی پیدا ہوا تھا۔ مجھے سولہواں سال لگا تھا۔ ہم قافلہ کے ساتھ رتہ کھیڑا چلے گئے۔ رتہ کھیڑا کا قافلہ سارے انڈیا میں سب سے بڑا قافلہ تھا۔“ [۶]

سیّد محبوب علی نے کہا: ”ہم گوہلہ سے رات ۱۲ بجے نکلے اور بارش اور کیچڑ میں چار میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد رتہ کھیڑا میں دریائے گھگر کے دوسرے کنارے پر بیٹھے ہوئے ہزاروں لوگوں میں شامل ہو گئے۔“ [۷]

سیّد منظور حسین نے کہا: ”بارش اور کیچڑ کی وجہ سے گوہلہ سے رتہ کھیڑا تک چار میل کا فاصلہ ساری رات میں طے

---

۱ سیّد منظور حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

۲ سیّد منوّر حسین ولد محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — یکم اکتوبر ۲۰۱۷ء

۳ سیّدہ انعام فاطمہ دختر ذیلدار کاظم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد فرخ رضا ولد غلام مرتضیٰ بذریعہ فون — کبیر والا — ۲۱ جون ۲۰۱۹ء

۴ سیّدہ عزیز فاطمہ دختر ذیلدار کاظم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد ارشد زمان انجم ولد محمد زمان بالمشافہ — اسلام آباد — ۶ نومبر ۲۰۱۷ء

۵ سیّدہ افضال فاطمہ دختر مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۳ اکتوبر ۲۰۱۵ء

۶ سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۱۷ جولائی، ۳۱ اکتوبر ۲۰۱۸ء

۷ سیّد محبوب علی ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

ہوا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر جانے کے لیے ہم نے کشتیاں استعمال کیں۔" [۱]

سیّد مشتاق حسین نے کہا: "ہم نے اپنا راشن گڈے پر رکھ لیا۔ جگہ جگہ بارش کا پانی گھٹنوں تک کھڑا تھا۔ گڈے پھنس جاتے تو اتر کر دھکا لگاتے تھے۔ مشکل سے رتہ کھیڑا پہنچے۔" [۲]

سیّد لطیف حسین نے کہا: "گوہلہ سے نکلے تو میری ماں نے پیسے دو کپڑوں میں ڈالے۔ ایک کپڑا اپنی کمر کے ساتھ باندھ لیا اور دوسرا میری کمر کے ساتھ باندھ دیا۔ پنجیری والی کنستری، ایک رضائی اور کچھ برتن بھی ساتھ لے لیے۔" [۳]

سیّد حسن رضا نے کہا: "میری والدہ (بشیرن) اجڑنے کا سن کر اولی بولی ہو گئیں اور گاؤں چھوڑ کر جانے سے صاف انکار کر دیا۔ میرے تایا خورشید کے بیٹے ذوالفقار کو سانپ نے کاٹا تھا جس کی وجہ سے وہ بہت نحیف تھا۔ ذوالفقار کی بیوی انوری بیگم حاملہ تھی۔ تایا خورشید کے دوسرے بیٹے اقبال کی بیوہ مشتری بیگم بھی حاملہ تھی۔ مسلمانوں کے گوہلہ سے نکل جانے کے بعد سکھ تھانیدار، جو میرے والد کا دوست تھا، تھانہ سے باہر نکلا اور گاؤں کا چکر لگایا۔ میرے والد کو دیکھ کر تھانیدار نے کہا: 'یہاں سے فوراً بھاگ جا ورنہ سکھ تمھیں اور تمہارے گھر والوں کو مار دیں گے۔' میرے والد نے کہا: 'میرا بھتیجا چل نہیں سکتا، گھر میں دو خواتین حاملہ ہیں اور میری بیوی کا دماغ بھی الٹ گیا ہے۔' تھانیدار نے کہا: 'گڈے کھڑے ہیں، ان میں بیٹھو اور نکل جاؤ۔' تھانیدار کے اصرار اور تنبیہ پر میرے والد اپنے اور اپنے بھائی کے گھر والوں کو لے کر گوہلہ سے نکلے۔ ہم قافلہ کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے خیریت سے رتہ کھیڑا میں ان سے جا ملے۔" [۴]

عیدو اور رولیا

سیّد محبوب علی اور محمد بشیر نے کہا: "گوہلہ میں عیدو نائی اپنے بال بچّوں کے ساتھ رہتا تھا۔ بچپن میں اس کے والدین فوت ہو گئے تھے۔ اسے ایک ہندو نائی رولیا نے پالا پوسا۔ عیدو جوان ہوا تو رولیا نے ذیلدار کاظم حسین سے کہا کہ اس کی شادی کروا دیں۔ کاظم نے سیانہ سیداں کے سفید پوش میر سجاد حسین سے اس سلسلہ میں بات کی۔ سجاد نے اپنے گاؤں کے ابراہیم نائی کی بیٹی گھسیٹی سے عیدو کی شادی کروا دی۔ جب سکھوں نے گوہلہ کا محاصرہ کیا تو خطرہ کو بھانپتے ہوئے عیدو نے اپنے زیورات اور پیسے رولیا کے پاس رکھوا دیے۔ جب قافلہ والے گوہلہ پہنچے اور مسلمانوں کے گھروں سے نکلنے کا اعلان ہوا تو عیدو اپنے محسن رولیا کے پاس گیا اور اپنے زیورات اور پیسے مانگے تاکہ وہ اپنے گھر والوں کو لے کر قافلہ کے ساتھ گاؤں سے بحفاظت نکل جائے۔ رولیا نے عیدو کی امانت لوٹانے سے انکار کرتے ہوئے کہا: 'میں نے تمھیں پالا پوسا ہے۔ میں تمھیں اور

---

۱ سیّد منظور حسین ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۲ سیّد مشتاق حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

۳ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — یکم دسمبر ۲۰۱۷ء

۴ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نتھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — حسین آباد (نکا اڈا) — ۲۹ مارچ ۲۰۱۱ء

تمہارے گھر والوں کو گوہلہ سے نہیں جانے دوں گا۔' عیدو اور اس کے اہل خانہ پھر مستقل گوہلہ ہی میں رہ گئے۔"[۱]

سیّد منظور حسین نے کہا: "گوہلہ میں ایک اور رولیا نامی شخص تھا جو تیلی تھا اور مسلمان تھا۔ وہ گاؤں میں دانے بھونتا تھا اور گزارہ کرتا تھا۔ وہ بہت بوڑھا تھا۔ وہ بھی گاؤں سے نکلنے والے مسلمانوں کے قافلہ میں شامل نہیں ہوا اور گوہلہ ہی میں رہ گیا۔"[۲]

رتہ کھیڑا میں زندگی

سیّد منوّر حسین نے کہا: "گوہلہ سے ہم جو کھانے پینے کا سامان اور برتن گڈے پر لاد کر لائے تھے وہ رتہ کھیڑا میں بیٹھے ہوئے قافلہ والوں نے لوٹ لیے۔ بعدازاں ہم نے اپنا بیل ذبح کیا اور اس کا گوشت کھا لیا۔"[۳]

سیّد لطیف حسین نے کہا: "جب ہم رتہ کھیڑا میں بیٹھے ہوئے بڑے قافلہ میں شامل ہوئے تو وہاں ڈوگر پہلے سے موجود تھے اور وہ ذیلداروں کے دوست تھے۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے ذیلدار خاندان کو خوش آمدید کہا۔ ان ڈوگروں میں بہت سے چور اور ڈاکو بھی تھے۔"[۴]

سیّدہ بشیرن بیگم کہتی تھیں: "گوہلہ کے تحصیلدار نے رتہ کھیڑا میں بھائی مسلم کو پیغام بھیجا کہ ایک دفعہ اس سے مل لے۔ اس نے کہلوایا تھا کہ بیشک دریا کے دوسرے کنارے پر کھڑا ہو کر ہی اس کی بات سن لے۔ تاہم بھائی مسلم اس سے ملنے نہیں گئے۔ سب نے انہیں جانے سے منع کر دیا تھا کیونکہ ڈر تھا کہ تحصیلدار انہیں گولی نا مار دے۔"[۵]

سیّدہ زبیدہ بیگم نے کہا: "رتہ کھیڑا میں لکڑیوں اور چادروں کی مدد سے خیمے بنا کر پردہ کرنے کی کوشش کی لیکن پردہ برقرار رکھنا بہت مشکل تھا۔ جب تک رتہ کھیڑا بیٹھے رہے دریا کا پانی پیتے رہے۔"[۶]

سیّد محبوب علی نے کہا: "ہمیں رتہ کھیڑا میں ۱۵، ۲۰ دن رہنا پڑا۔ چند دن تو ساتھ لایا ہوا راشن چلا پھر اپنا اور اپنے گھر والوں کا پیٹ بھرنے کے لیے مرد نزدیکی کھیتوں سے گنّے اور چھلیاں توڑ لاتے تھے۔"[۷]

---

۱ سیّد محبوب علی ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء
محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد منظور حسین ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۳ سیّد منوّر حسین ولد محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — یکم اکتوبر ۲۰۱۷ء

۴ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۵ سیّدہ بشیرن بیگم زوجہ زوّار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین بالمشافہ — لاہور — ۱۸ اگست ۲۰۱۹ء

۶ سیّدہ زبیدہ بیگم زوجہ علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۷ سیّد محبوب علی ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

سیّد محمد سبطین نے کہا: ”رتہ کھیڑا میں میرے والد کیمپ کی نگرانی کرنے والوں میں شامل تھے۔ ہماری دیکھ بھال بھی ان کی ذِمّہ داری تھی۔ ایک دن جب میرے والد باہر تھے تو ایک ہندو عورت خنجر لیے ہمارے خیمہ میں داخل ہوئی اور میری والدہ (حیدری) سے کہا: 'جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے میرے حوالہ کر دو۔' میری والدہ نے ابھی کوئی رد عمل نہیں دکھایا تھا کہ میرے والد خیمہ میں داخل ہوئے اور عورت کو خنجر تانے میری والدہ کے سر پر کھڑے دیکھا۔ میرے والد نے بھالا مار کر اس عورت کو قتل کر دیا۔“ ①

سیّد مہدی حسن نے کہا: ”جب ہم رتہ کھیڑا میں بیٹھے تھے تو سامانا ابھی نہیں اجڑا تھا۔ میرے تایا اعجاز حسین اپنی بیٹی سعیدہ کو سامانا لے گئے اور اپنی سالی کے بیٹے جمشید سے اس کی شادی کر دی اور پھر خود رتہ کھیڑا واپس آ گئے۔ قافلہ سے کچھ لوگ سامانا جا کر اپنے کھانے پینے کے لیے سامان بھی لے کر آئے۔“ ②

سیّدہ نسیم فردوس نے کہا: ”میری والدہ اور میں باقی مسلمانوں کے ساتھ گوہلہ سے نکلے اور رتہ کھیڑا کے بڑے قافلہ میں شامل ہو گئے۔ وہاں کسی نے میری والدہ سے سامانا جانے کے لیے کہا تو میری والدہ مجھے لے کر سامانا چلی گئیں۔ سامانا والے سب روضے اور عَلَم دفن کر کے پاکستان آئے۔ ہم بھی ان کے ساتھ آئے۔“ ③

رتہ کھیڑا سے کیتھل

سیّد لطیف حسین نے کہا: ”رتہ کھیڑا سے آدھا قافلہ شاہ آباد اور آدھا کیتھل روانہ ہوا۔ گوہلہ والے قافلہ کے اس حصّہ میں تھے جو کیتھل چلا۔“ ④

سیّد محبوب علی نے کہا: ”پندرہ بیس روز بعد قافلہ والے رتہ کھیڑا سے اٹھ کر راجپوت مسلمانوں کے گاؤں تاراں والی میں جا مقیم ہوئے۔ ایک ہفتہ وہاں رہنے کے بعد قافلہ والے چلے اور راجپوت مسلمانوں کے گاؤں سِیون میں جا ٹھہرے۔ لیکن وہاں ایک دن سے زیادہ نہ رکے اور پھر کیتھل پہنچ گئے۔“ ⑤

سیّد مہدی حسن نے کہا: ”قافلہ رتہ کھیڑا سے پولڑ، وہاں سے سِیون اور پھر وہاں سے کیتھل پہنچا۔“ ⑥

سیّد حسن رضا نے کہا: ”انوری بیگم زوجہ ذوالفقار حاملہ تھی۔ قافلہ گوہلہ سے ۱۵ میل کے فاصلے پر گوہند گاؤں کے قریب پہنچا تو اس کی طبیعت خراب ہو گئی۔ قافلہ کے کچھ افراد کو درخواست کی اور انہیں کچھ دیر کے لیے اس جگہ روک لیا۔

---

۱ سیّد محمد سبطین ولد طالب حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء
۲ سیّد مہدی حسن ولد علی حیدر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء
۳ سیّدہ نسیم فردوس دختر مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء
۴ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء
۵ سیّد محبوب علی ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء
۶ سیّد مہدی حسن ولد علی حیدر (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

بچّہ کی پیدائش کے کچھ منٹ بعد لوگ چل پڑے۔ بچّے کا نام علی امام رکھا۔ علی امام راستہ ہی میں فوت ہو گیا۔" ①

سیّد لیاقت حسین نے کہا: "گوہلہ سے اجڑ کر آتے ہوئے میرے ماموں ہاشم حسین، جو پلاکھا کے رہنے والے تھے اور زخمی تھے، بھی ہمارے ساتھ تھے۔ راستہ میں ایک جگہ کچے مکان میں ٹھہرے۔ میری والدہ نے ماموں کے زخم پر لگانے والی ملہم کی بالٹی دیوار پر لگی ہوئی کیلی پہ ٹانگ دی۔ نیچے میرا چھوٹا بھائی دو-سالہ صداقت حسین سویا ہوا تھا۔ اوپر سے بالٹی گری اور بچّے کی کھوپڑی پر لگی۔ کچھ علاج تو تھا نہیں۔ صداقت کچھ دن کے بعد راستہ ہی میں مر گیا۔" ②

سیّدہ بشیرن بیگم نے کہا: "میں امید سے تھی اور اسی لیے ہارون آباد سے گوہلہ آ گئی تھی۔ گوہلہ اجڑنے کے بعد راستہ میں میرے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ میری چاچی سیدی (زوجہ یعقوب علی) بھی امید سے تھیں۔ ان کا بیٹا محمد علی بھی راستہ میں پیدا ہوا۔" ③

سیّد ذاکر حسین نے کہا: "سیون تک سوٹیاں، بھالے وغیرہ ہمارے پاس تھے۔ سِیون میں فوج نے سب روایتی ہتھیار ہم سے لے لیے۔" ④

کیتھل سے پاکستان

سیّد محبوب علی نے کہا: "کیتھل پہنچنے کے بعد گوہلہ والوں کو حالات نے تین حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ ذیلدار خاندان کے اکثر افراد اپنی واقفیت اور اثر و رسوخ کے باعث فوج کی حفاظت میں کانوائے بنا کر پاکستان کی طرف چلے۔ باقی افراد میں سے آدھے ٹرین میں سوار ہونے میں کامیاب ہوئے اور آدھے پیدل قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔" ⑤

بذریعہ ٹرک

سیّد لطیف حسین نے کہا: "ذیلداروں نے کیتھل سے ٹرک کا انتظام کیا اور ایک دن میں پاکستان پہنچ گئے۔" ⑥

سیّد مشتاق حسین نے کہا: "ملازم پیشہ افراد کو حکومت کی طرف سے گاڑیاں مل گئی تھیں۔ چاچا مسلم اور چاچا اختر وغیرہ ان میں پاکستان آئے۔" ⑦

سیّدہ افضال فاطمہ نے کہا: "کیتھل سے پاکستان کی طرف سفر کے دوران ہمیں سید کھیڑی کی رہائشی خالہ محفوظن،

---

۱ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ)۔ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — حسین آباد (نلکا اڈا) — ۲۹ مارچ ۲۰۱۱ء

۲ سیّد لیاقت حسین ولد شوکت حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۱۶ مارچ ۲۰۱۸ء

۳ سیّدہ بشیرن بیگم زوجہ حسن علی (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۴ سیّد ذاکر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ)۔ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ ستمبر ۲۰۱۷ء

۵ سیّد محبوب علی ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۶ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — یکم دسمبر ۲۰۱۷ء

۷ سیّد مشتاق حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

ان کے فرزند یاور اور بیٹی (شمیم زہرا) کی سکھ بلوائیوں کے ہاتھوں شہادت کی خبر ملی۔ میری اماں جی (سروری بیگم) اپنی بہن اور اس کے بچوں کے قتل کی خبر پر غم میں لوٹ پوٹ ہو گئیں اور کافی دیر روئی پیٹیں۔" ①

سیّد سخاوت رسول نے کہا: "ہم کیتھل سے ٹرک کے ذریعہ پاکستان آئے۔ میرے ابّا جی کے دو تین ہندو دوست بھی ساتھ تھے جو پاکستان کے بارڈر تک ہمیں چھوڑ کر گئے۔" ②

سیّدہ عزیز فاطمہ کہتی تھیں: "ہمارے کانوائے کو فوج کی حفاظت حاصل تھی۔ راستہ میں ہم پر کوئی حملہ نہیں ہوا اور ہم بخیریت پاکستان پہنچ گئے۔" ③

سیّد اصغر مہدی نے کہا: "ذیلدار خاندان کے افراد لاہور میں راجہ غضنفر کی کوٹھی میں ٹھہرے۔ راجہ غضنفر جو سفیر بھی رہا تھا ذیلدار کاظم حسین مرحوم کا دوست تھا۔ حکومت کی طرف سے کچھ لوگوں کو وظائف ملے تو مہدی اصغر کا وظیفہ دوسروں کے مقابلہ میں دوگنا مقرر ہوا تھا کیونکہ صوفی عبدالحمید نے گواہی دی تھی کہ اس کا باپ (ذیلدار کاظم حسین) 'نیلی کا راجہ' تھا۔" ④

بذریعہ ٹرین

سیّد محبوب علی نے کہا: "جب پاکستان جانے کے لیے کیتھل اسٹیشن پر گاڑی لگنے کا اعلان ہوا تو یہ بھی کہا گیا کہ صِرف پونڈری والے گاڑی میں بیٹھیں۔ پونڈری والے زیادہ تر پڑھے لکھے اور ملازمت پیشہ تھے اور پولیس میں ان کی واقفیت بھی تھی۔ تاہم مہاجرین کے ایک جم غفیر نے اسٹیشن کا رخ کیا جس میں گوہلہ والے بھی شامل تھے۔ اسٹیشن پر بے انتہا رش کی وجہ سے پولیس نے کئی بار لاٹھی چارج کیا۔" ⑤

سیّد افتخار حسین کہتے تھے: "کیتھل اسٹیشن پر گاڑی پلیٹ فارم پر لگتے ہی اس میں بیٹھنے کے لیے لوگوں میں دھکم پیل شروع ہو گئی۔ گاڑی پر متعین فوجیوں نے لوگوں کو دھکے دیے اور کچھ کا سامان نیچے پھینک دیا۔ میں نے بستر اٹھایا ہوا تھا۔ مجھے دھکا لگا تو بستر نیچے گر گیا اور اس میں چھپائی ہوئی بندوق ظاہر ہو گئی۔ جب فوجیوں نے بندوق کو دیکھا تو انہوں نے مجھے اور میرے گھر والوں کو گاڑی پر سوار کروا دیا۔ اس وقت پاکستانی فوجیوں کی کوشش تھی کہ جتنا اسلحہ جس طرح بھی پاکستان پہنچ سکتا ہے پہنچ جائے۔" ⑥

---

۱ سیّدہ افضال فاطمہ عرف جالو دختر مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۳ اکتوبر ۲۰۱۵ء

۲ سیّد سخاوت رسول ولد مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ملتان — ۸ دسمبر ۲۰۱۶ء

۳ سیّدہ عزیز فاطمہ دختر ذیلدار کاظم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد ارشد زمان انجم ولد محمد زمان بالمشافہ — اسلام آباد — ۶ نومبر ۲۰۱۷ء

۴ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲ اکتوبر ۲۰۱۵ء

۵ سیّد محبوب علی ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۶ سیّد افتخار حسین ولد احمد حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد محمد اکبر عرف اشرف ولد افتخار حسین بالمشافہ — کبیر والا — ۲۱ نومبر ۲۰۰۵ء

سیّد منوّر حسین نے کہا: ”کیتھل میں گاڑی پر چڑھے تو بہت رش تھا۔ ہم چھ افراد لیٹرین میں چادر بچھا کر بیٹھ گئے۔ گاڑی کے ساتھ جانے والے فوجی ہمیں نیچے نہیں اترنے دیتے تھے۔ پیشاب کرنے اور رفع حاجت کے لیے بھی نیچے نہیں اترنے دیتے تھے۔“ ①

سیّد غلام حیدر عرف رانجھا نے کہا: ”کیتھل سے گاڑی اگلے دن چلی اور تھانیسر پہنچ کر رک گئی۔ وہاں سکھ بلوائی ریلوے لائن پر دھرنا دیے بیٹھے تھے۔ وہ گاڑی پر سوار مسلمانوں کو مار دینے پر بضد تھے۔ گاڑی کے ساتھ بلوچ رجمنٹ کے سپاہی تھے۔ انہوں نے عورتوں کو ڈبوں میں بٹھایا تھا اور مردوں کو ڈبوں کی چھت پہ چڑھا دیا تھا۔ چھت پر موجود لوگوں سے انہوں نے کہا کہ وہ لیٹے رہیں۔ میں نے چھت پر اٹھ کر حالات کا جائزہ لینے کی کوشش کی تو ایک فوجی نے کہا: ’جوان چھپ جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔‘ میں فوراً دوبارہ لیٹ گیا۔ بلوائیوں کے ساتھ مذاکرات ناکام ہونے پر فوجیوں نے فائرنگ شروع کر دی جس کے نتیجہ میں بلوائی بھاگ کھڑے ہوئے اور گاڑی آگے چل دی۔“ ②

سیّد ذاکر حسین نے کہا: ”ہم کیتھل سے ریل گاڑی میں پاکستان آئے۔ سفر میں پانی کی بہت قلت تھی۔ گاڑی راستہ میں ایک جگہ رکی۔“ ③

سیّد مشتاق حسین نے کہا: ”کیتھل سے ہم گاڑی میں بیٹھے تو بہت رش تھا۔ میری عمر ۱۲ سال تھی۔ میں زیادہ تر اپنی والدہ کی گود میں بیٹھا۔ کبھی کھڑا ہو جاتا تھا۔“ ④

سیّدہ کنیز فاطمہ نے کہا: ”گوہلہ اجڑا تو میری والدہ اور میں تنہا تھے۔ میرے والد (زوّار حسین) دہلی میں تھے اور بھائی فضل ٹھسکہ میں تھے۔ ہم کیتھل سے بذریعہ ٹرین پاکستان آئے۔ میرے چچا (افتخار حسین) اور ان کا کنبہ بھی ٹرین میں تھے۔ ہم خانیوال آکر اترے۔“ ⑤

سیّدہ رضیہ بیگم نے کہا: ”ہم کیتھل سے ٹرین میں پاکستان آئے۔ گوہلہ سے نکلنے کے بعد راستہ میں اور کیتھل اسٹیشن پر میرے چاچا زوّار حسین اور چاچا ذوالفقار حسین دونوں بھائیوں نے ہمارا بہت خیال رکھا۔ انہوں نے ہمارے ابّا سے بھی زیادہ ہمارا خیال رکھا۔ چاچا اختر کی طرح میرے چاچا زوّار اور چاچا ذوالفقار بھی بہت اچھے تھے۔ کیتھل اسٹیشن پر ایک بچّہ پھسل کر پلیٹ فارم سے نیچے گر گیا۔ چاچا زوّار کا بیٹا زائر حسین سمجھا کہ میرا بیٹا گرا ہے۔ وہ بھاگ کر گیا اور بچّے کو اٹھا لیا۔ ڈبوں کی چھتوں پر بہت مرد بیٹھے تھے۔ راستہ میں پل آئے اور کتنے افراد گر کر مر گئے۔ ہم لاہور اسٹیشن پر اترے۔ ابّا پہلے بھی لاہور رہے تھے۔ انہوں نے کہا: ’تم یہاں رکو، میں معلومات کرتا ہوں کہ کوئی گھر مل جائے۔‘ ابّا کو میرا چھوٹا بھائی مل گیا اور وہ ہمیں اپنے گھر لے گیا۔ گوہلہ سے نکلے تھے تو میں نے ایک جوڑا پہنا تھا۔ پانچ ماہ تک وہی جوڑا پہنے رکھا۔ بچّہ ٹٹی پیشاب

---

۱ سیّد منوّر حسین ولد محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ واڑہ ــــ یکم اکتوبر ۲۰۱۷ء

۲ سیّد غلام حیدر عرف رانجھا ولد یعقوب علی (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ واڑہ ــــ ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۳ سیّد ذاکر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ واڑہ ــــ ۳۰ ستمبر ۲۰۱۷ء

۴ سیّد مشتاق حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ کبیر والا ــــ ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

۵ سیّدہ کنیز فاطمہ دختر زوّار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ خیر پور ٹامیوالی ــــ ۲۹ اپریل ۲۰۰۶ء

کرتا تھا تو دھو لیتی تھی۔ پاکستان ہم نے بنایا ہے۔“ [۱]

پیدل قافلہ

سیّد محبوب علی اور سیّد منظور حسین دونوں بھائیوں نے کہا: ”کیتھل اسٹیشن سے پاکستان جانے کے لیے گاڑی پکڑنے میں ناکامی کے بعد مختلف نزدیکی علاقوں سے آئے ہوئے مسلمان مہاجرین ایک بہت بڑے قافلہ کی صورت میں پیدل پاکستان کی طرف چلے۔ اس قافلہ میں گوہلہ کے ۱۳، ۱۴ گھرانے بھی شامل تھے جو اسٹیشن پر بہت زیادہ رش اور پولیس کے کئی بار لاٹھی چارج کرنے کی وجہ سے ٹرین میں نہیں بیٹھ سکے تھے۔ حسن نمبردار گاڑی پہ چڑھ گیا تھا جب کہ اس کے گھر والے ہمارے ساتھ پیدل قافلہ میں تھے۔ رضا حسین گاڑی پہ چڑھ گیا تھا جب کہ اس کی ماں عزیزن اور بھائی لطیف حسین ہمارے ساتھ تھے۔ حسن نمبردار کے بھائی علی حسن کا کنبہ بھی ہمارے ساتھ تھا۔ پیدل قافلہ میں عورتوں اور بچّوں کی بہت بڑی تعداد شامل تھی جس کی وجہ سے قافلہ والے روزانہ زیادہ فاصلہ طے نہ کر پاتے تھے۔ قافلہ کی حفاظت کے لیے گورکھا فوجی ساتھ تھے۔“ [۲]

سیّد لطیف حسین نے کہا: ”پیدل قافلہ میں ہمیں پانی کی کمی کا شدّت سے سامنا تھا۔ راستہ میں موجود کنوؤں میں ہندوؤں اور سکھوں نے زہر ملا دیا تھا۔ اس لیے قافلہ کے شرکاء کو کنوؤں کا پانی پینے سے منع کر دیا گیا تھا۔ پہلے فوجی پانی ٹیسٹ کرتے تھے اور اگر پانی ٹھیک ہوتا تو قافلہ والوں کو استعمال کرنے کی اجازت دیتے تھے۔“ [۳]

سیّد محبوب علی نے کہا: ”جب قافلہ رانا پھول کے گاؤں (گمتھلا) کے قریب پہنچا تو وہاں ایک چھپڑ کو دیکھ کر لوگ پانی پینے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ اس چھپڑ میں گاؤں کے جانور نہاتے تھے اور اس کا پانی انسانوں کے پینے کے لیے کسی بھی طرح موزوں نہ تھا۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے چھپڑ کا سارا پانی قافلہ والے پی گئے۔ یہاں تک کہ چھپڑ کی تہہ کا گارا نمایاں ہو گیا۔ قافلہ والوں نے پیہوہ میں قیام کیا۔ وہاں سے چلے تو ایک جگہ مسلح ہندوؤں نے حملہ کر دیا۔ تاہم گورکھا فوجیوں نے جوابی کارروائی کی جس کے نتیجہ میں حملہ آور بھاگ گئے۔“ [۴]

سیّد لطیف حسین نے کہا: ”ہم نے ٹھسکہ کے قریب مارکنڈا کے کنارے پر بھی کچھ دیر قیام کیا۔ قافلہ والے ہر پڑاؤ پر کچھ نہ کچھ سامان، برتن وغیرہ وہیں چھوڑ دیتے تھے کیونکہ سامان اٹھا کر پیدل چلنا بہت مشکل تھا۔ ہم نے جگہ جگہ مسلمان مردوں، عورتوں، بچّوں، بزرگوں اور جوانوں کی لاشیں دیکھیں۔ ہم نے لاشوں میں کیڑے پڑے ہوئے بھی دیکھے اور عورتوں اور بچّوں کی پھولی ہوئی لاشیں بھی دیکھیں۔“ [۵]

---

۱ سیّدہ رضیہ بیگم زوجہ اقبال حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۱۷ جولائی، ۹ نومبر ۲۰۱۸ء، ۶ اگست ۲۰۱۹ء

۲ سیّد محبوب علی ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء
سیّد منظور حسین ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۳ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

۴ سیّد محبوب علی ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۵ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

سیّد منظور حسین نے کہا: ''قافلہ میں شامل کتنے لوگ بھوک اور پیاس کے باعث جان کی بازی ہار بیٹھے۔ کھانے اور پانی کی قلت نے قافلہ کے شرکاء میں بہت سی بیماریوں کو جنم دیا۔ ان بیماریوں نے بہت لوگوں خصوصاً بچّوں اور بوڑھوں کو ہلاک کر دیا۔'' [۱]

سیّد محبوب علی نے کہا: ''جو راشن قافلہ والوں میں تقسیم ہوتا تھا وہ بد انتظامی اور نفسا نفسی کے باعث قافلہ کے سب افراد تک برابر پہنچ نہ پاتا تھا۔ ایک دن میرے گھر والے بھوکے تھے کیونکہ کوشش کے باوجود کوئی راشن ہمیں نہیں مل سکا تھا۔ اچانک ایک ٹرک پر کھڑے راشن تقسیم کرتے ہوئے بوکپور کے ایک واقف نائی نے مجھے پہچان کر چاولوں کے کچھ پیکٹ میری طرف بھی پھینک دیے۔ میں وہ چاول اپنے خیمہ میں لے گیا۔ ہم نے وہ چاول ابالے اور سب گھر والوں نے کھائے۔'' [۲]

سیّد لطیف حسین نے کہا: ''میری ماں نے گوہلہ سے اجڑتے ہوئے پنجیری ساتھ رکھ لی تھی جسے ہم ماں بیٹا راشن نہ ملنے کی صورت میں کھاتے تھے۔ ہمارے پاس ایک رضائی بھی تھی جسے ہم سوتے وقت اوڑھ لیتے تھے۔'' [۳]

سیّد محبوب علی نے کہا: ''ہم لدھیانہ تک پیدل آئے اور وہاں سے ٹرین میں بیٹھے۔ لدھیانہ سے گاڑی چلی اور دریائے ستلج کے کنارے لا کر قافلہ والوں کو اتار دیا۔ وہاں ان مسلمانوں کی بہت زیادہ کٹی ہوئی لاشیں پڑی تھیں جو پاکستان پہنچنے کی کوشش میں بلوائیوں کے حملوں کا شکار ہو گئے تھے۔ قافلہ والے لاشوں کے مناظر دیکھ کر ڈر گئے اور انہیں اپنا خوفناک انجام نظر آنے لگا۔ دریا پر پل کے دونوں طرف سکھ فوجی کھڑے تھے۔ پل کراس کرتے ہی قافلہ والوں نے تکبیر کے نعرے بلند کیے۔'' [۴]

سیّد لطیف حسین نے کہا: ''جب بارڈر کراس کیا تو لوگوں نے کہا: 'آ گیا پاکستان۔' ہم بھاگے۔ میں نے کرتا پہنا ہوا تھا۔ نیچے تہبند تھا نہ کچھا۔ قافلہ والوں کے استقبال کے لیے آئے ہوئے پاکستان کے لیڈر کھڑے تھے۔ میں بھاگتے ہوئے ایک لیڈر کے ساتھ جا ٹکرایا۔ اس لیڈر نے اپنی اچکن اتار کر مجھے پہنا دی۔ اچکن کے بازو لمبے تھے۔ قصور کیمپ میں قیام کے دوران میں نے اچکن کے بازو کاٹ دیے اور اسے پہنتا رہا۔ لوگوں نے بعد میں مجھے کہا تھا کہ تم قائد اعظم کے ساتھ ٹکرائے تھے اور انہوں نے تمہیں اچکن دی تھی۔ مجھے نہیں پتہ تھا۔'' [۵]

سیّد منظور حسین نے کہا: ''پاکستان پہنچ کر ہمارے قافلہ والوں نے قصور کے کیمپ میں قیام کیا۔ قصور پہنچنے تک

---

۱ سیّد منظور حسین ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ واڑہ ــــ ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء
۲ سیّد محبوب علی ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ واڑہ ــــ ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء
۳ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ کبیر والا ــــ ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء
۴ سیّد محبوب علی ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ واڑہ ــــ ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء
۵ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ کبیر والا ــــ ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء

ایک ماہ سے زیادہ عرصہ لگا۔“ [۱]

سیّد لطیف حسین نے کہا: ”قصور کیمپ میں ہم نے ایک ماہ قیام کیا۔ وہاں ہیضہ کی وباء پھیل گئی۔ لوگ مرنے لگے۔ انتظامیہ کے لوگ آکر لاشیں اٹھا کر لے جاتے تھے۔ وہ لاشوں کو ٹرک میں لے کر جاتے تھے اور گڑھے کھود کر ہر ایک گڑھے میں چار پانچ لاشیں پھینک کر مٹی ڈال دیتے تھے۔ کفن میسر نہیں تھے۔ جو کپڑے پہنے ہوں انہی میں دفنا دیتے تھے۔ انتظامیہ والے قریب المرگ لوگوں کو بھی اٹھا کر لے جاتے تھے۔ کیمپ میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ انتظامیہ والے شدید بیمار لوگوں کو لے جا کر بھی دفنا دیتے ہیں۔ مجھے بھی ہیضہ ہو گیا تھا۔ پانی پیتا تھا تو الٹی آ جاتی تھی۔ ایک رات میں ایک بالٹی پانی پی گیا۔ میری شدید بیماری کے دوران جب بھی انتظامیہ کے لوگ آتے تو میری ماں مجھے رضائی میں چھپا دیتی تھی اور انہیں کہتی تھی: ’یہاں کوئی لاش ہے نہ شدید بیمار۔‘ اللہ نے جان بچانی تھی۔ بندے علی عرف بندو ڈاکیا نے میری ماں سے کہا: ’اے عزیزن! تیرا پوت بیمار ہے۔ تیرے پاس دو آنے ہیں تو دے میں دوائی لے کر آؤں۔‘ وہ کیمپ سے پیدل شہر گیا اور میرے لیے دو پیسے کی خوب کلاں، دو پیسے کی الائچی، دو پیسے کا پودینہ اور دو پیسے کی سونف لایا۔“ [۲]

سیّد اختر حسین نے کہا: ”میرے والد (مقبول حسین) گوہلہ کے ڈاکخانہ میں بطور ہرکارہ ڈاک تعینات تھے۔ میرے والد چونکہ سرکاری ملازم تھے اور انہیں گاؤں چھوڑنے سے پہلے باقاعدہ چارج حوالہ کر کے آنا تھا اس لیے وہ گوہلہ سے اجڑنے والے مسلمانوں کے قافلہ میں شامل نہ ہوئے۔ میں بھی اپنے والد کے ساتھ تھا۔ ہم دونوں باپ بیٹا مسلمانوں کے گاؤں خالی کر دینے کے بعد ڈاکخانہ کی عمارت میں رہنے لگے۔ وہاں انبالہ کے عبداللطیف خان بھی رہتے تھے۔ عبداللطیف ڈاکخانہ میں پوسٹ ماسٹر کی حیثیت سے تعینات تھے۔ ان کی بیوی، ایک بیٹا اور ایک بیٹی بھی ان کے ساتھ تھے۔ ان دنوں گوہلہ کا ڈاکخانہ لیڈری والے محلہ کے ایک مکان میں تھا۔ گوہلہ کے تھانہ میں ایک حوالدار اور ایک سپاہی مسلمان تھے۔ ان کا تعلق مغربی پنجاب سے تھا۔ ان میں سے ایک خانیوال کا رہنے والا تھا۔ ان کے ساتھ میرے والد اور عبداللطیف کی دوستی ہو گئی۔ انہوں نے ہمیں ڈاکخانہ میں ہی رہنے کا مشورہ دیا۔ دو ہفتے بعد میرے والد اور عبداللطیف نے چارج دے دیا تو میرے والد، میں، عبداللطیف اور ان کے بیوی بچّے ان دو مسلمان پولیس والوں کی حفاظت میں پہلے کیتھل اور پھر کرنال آئے۔ وہاں سے دونوں پولیس والے پانی پت جا کر وہاں لگے ہوئے کیمپ کی فوجی انتظامیہ سے ملے اور ان سے ہمیں پاکستان بھجوانے کے لیے کیمپ میں داخل کرنے کی بات کی۔ فوجیوں نے پولیس والوں سے کہا: ’انہیں فوراً لے آؤ۔‘ وہ دونوں پولیس والے ہمیں کیمپ میں چھوڑ گئے۔ ہم ۱۵ دن پانی پت کیمپ میں رہے اور پھر ٹرین کے ذریعہ پاکستان پہنچے۔“ [۳]

---

۱ سیّد منظور حسین ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء

۲ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۲۸ اپریل ۲۰۰۶ء، یکم دسمبر ۲۰۱۷ء

۳ سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

بھریلی والوں کا قتل عام

بھریلی میں مسلمانوں کے قتل عام کے عینی گواہ سیّد چمن حسین نے کہا: ”بھریلی ضلع انبالہ کی تحصیل کھیڑ میں زیدی واسطی سیّدوں کا ایک بڑا گاؤں تھا۔ زیدی سادات کا گاؤں سگرانہ اور راجپوتوں کے گاؤں بیڑہ، فتح پور، سنگول اور سروند بھریلی کے قریب تھے جب کہ میرپور چار کوس اور انبالہ ۱۲ کوس کے فاصلے پر تھے۔ ہمارے بزرگ سیّد جلال سب سے پہلے بھریلی آئے۔ تقسیم ہند سے پہلے سیّد جلال کی اولاد کے گاؤں میں چار محلّے تھے۔ ایک نتھو کا محلہ، دوسرا پوستیوں کا محلہ، تیسرا سبزواریوں کا محلہ اور چوتھا پھلے کا محلہ کہلاتے تھے۔ سادات بھریلی لڑنے والے مشہور تھے۔ ایک دفعہ ان کی ہندوؤں سے لڑائی ہوئی تو انہوں نے ۱۲ ہندوؤں کو مار دیا جن میں سے چھ کو میرے والد (مہدی حسن) نے مارا تھا۔ زمین میں گہرا گڑھا کھود کر مرنے والے ہندوؤں کو دبا دیا اور راتوں رات وہاں ایک کمرہ بنا کر اس کے اوپر لیٹرین بنا دی۔ جب پولیس آئی تو انہیں مقتولین کا کوئی نشان نہ ملا جس کے نتیجہ میں انہوں نے ہندوؤں کے قتل کے الزام کو جھوٹ قرار دیا اور کہا کہ مدعیان نے خود اپنے آدمیوں کو چھپا لیا ہے۔ بھریلی میں پانچ امام بارگاہ تھے اور ان سے ملحق مساجد تھیں۔ سب سے پہلے ایک بڑا امام بارگاہ سبزواریوں اور نتھو کے محلوں کے درمیان بنا۔ پھر چاروں محلوں کے مکینوں نے اپنے اپنے محلہ میں علیحدہ امام بارگاہ اور مساجد بنا لیں۔ گاؤں میں تین چار گھر ہندوؤں کے تھے اور ایک گھر سکھوں کا تھا۔ مسلمانوں میں اکثریت سیّدوں کی تھی۔ کچھ چھوٹے موٹے کام کرنے والے لوگوں کے گھر بھی تھے۔ ایک لوہار تھا جو روایتی ہتھیار گنڈاسا، کلہاڑی، چھری وغیرہ بناتا تھا۔ بھریلی میں رہنے والے سکھ سردار بھگونت سنگھ کا پوتا لال جی پٹیالہ میں بیاہا ہوا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد جب حالات خراب ہوئے تو ایک دن ہمیں پتہ چلا کہ کل ہمارے گاؤں پر حملہ ہو گا۔ کچھ لوگ گاؤں سے نکل گئے۔ سادات کے جوان روایتی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔“

سیّد چمن حسین نے کہا: ”ہمارا خیال تھا کہ بلوائی حملہ کریں گے۔ لیکن صبح دیکھا کہ پٹیالہ کے فوجیوں نے گاؤں کا گھیراؤ کر لیا ہے۔ سردار بھگونت سنگھ کا پوتا لال جی فوج لے کر آیا تھا۔ فوجیوں نے مشین گنوں سے فائرنگ کر کے لاشوں کے انبار لگا دیے۔ کچھ لوگ اپنے گھروں میں چھپ گئے۔ زیادہ تر مردوں اور عورتوں نے بڑے امام بارگاہ میں پناہ لی۔ میں بھی ان میں شامل تھا۔ عورتوں نے جو زیور پہنا ہوا تھا اسے اتار کر تعزیوں میں چھپا دیا۔ جو لوگ گھروں میں چھپے تھے انہیں حملہ آوروں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیا۔ پہلے ان کے اعضاء کاٹے پھر انہیں مار دیا۔ ان کے ہاتھ، ٹانگیں اور گردنیں علیحدہ علیحدہ کٹی پڑی تھیں۔ دو آدمی پوستیوں کے محلہ کی مسجد میں صف لپیٹ کر چھپ کے کھڑے ہو گئے۔ حملہ آور فوجیوں نے انہیں صف سے نکال کر قتل کر دیا۔ تقریباً ۵۰۰ افراد بھریلی میں قتل ہوئے۔ اگلے دن صبح کو فوج نے بڑے امام بارگاہ کو گھیر

لیا اور دھمکی دی کہ اگر دروازہ نہ کھولا تو عمارت کو آگ لگا دیں گے۔ ہم نے دروازہ کھول دیا۔ ہمیں وہاں سے نکال کر مسجد میں بٹھا دیا اور جس کے پاس جو کچھ تھا وہ فوجیوں نے لے لیا۔ امام بارگاہ میں چھپایا ہوا عورتوں کا زیور بھی فوجیوں نے نکال لیا۔ پھر ہمیں مسجد سے نکال کر چوڑھوں کے ایک چبوترے پر بٹھا دیا جہاں چوڑھے اپنا اکٹھ کرتے تھے۔ تین چار مشین گنیں ہمارے اردگرد نصب کر دیں۔ ایک مشین گن میں ۲۷ گولیاں ڈلتی تھیں۔ ہم سہمے ہوئے بیٹھے تھے کہ ایک باہمن فوجی افسر آ گیا اور اس نے فوجیوں کی کمان کرنے والے سکھ افسر سے کہا: 'فوجیوں کی کمان مجھے دے دی گئی ہے۔' سکھ افسر نے کہا: 'اِن مُسلوں کو قتل کرنے کے بعد میں چارج تمہارے حوالہ کر دوں گا۔' باہمن افسر نے کہا: 'فوجیوں کی کمان میرے پاس ہے۔ اگر سپاہی تمہاری بات مانتے ہیں تو مار دو۔' باہمن افسر نے بہت نیکی کی۔ وہ ہمیں چوڑھوں کے چبوترے سے اٹھا کر میرپور لے آیا اور ایک باغ کے پاس بٹھا دیا۔"

سیّد چمن حسین نے کہا: "میرپور میں ہمیں ایک دو دن تو تھوڑی سی مقدار میں آٹا ملا پھر کوئی چیز نہ ملی۔ وہاں ہم ۱۹ دن رہے اور درختوں کے پتے توڑ کر کھاتے رہے۔ جس دن وہاں سے چلے تو مولوی سردار علی جو بہت اچھے عالم تھے زخمی تھے اور ان سے چلا نہیں جاتا تھا۔ انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور کچھ پڑھا۔ پھر ہمت کر کے اٹھے اور انبالہ تک چلتے رہے۔ انبالہ سے پہلے تھانہ لال اڑو پہنچے تو بہت زیادہ سکھ ہم پر حملہ کرنے کے لیے آ گئے۔ لیکن اسی اثناء میں گورکھے آ گئے اور ہماری سیکورٹی کا چارج انہوں نے لے لیا۔ انبالہ کیمپ میں ہم ایک ماہ رہے۔ اس دوران ہندوؤں نے آٹے میں سیسہ اور نیلا تھوتھا ملا دیا۔ ایک دن میں ۴۰، ۴۰ آدمی مرے۔ انبالہ کیمپ میں بھریلی کے ۳۰۰ افراد زہریلے آٹے کی وجہ سے شہید ہوئے۔ ان میں تصدق حسین بھی شامل تھا جو پٹواری تھا اور جس نے کبھی ایک دانہ رشوت کا نہیں لیا تھا۔ تصدق کا بیٹا محمد حسنین اس وقت فوج میں جنرل تھا۔ وہ تین چار ٹرک لے کر آیا تاکہ بھریلی کے لوگوں کو پاکستان لے جائے۔ محمد حسنین کی والدہ نے اسے بتایا: 'تیرے باپ کا تو جنازہ بھی کسی نے نہیں پڑھا۔' محمد حسنین کو غصہ آیا اور وہ اپنی والدہ اور بہن کو لے گیا اور باقی سب گاؤں والوں کو وہیں چھوڑ گیا۔ بھریلی پر فوجیوں کے حملہ اور انبالہ میں زہر-ملا آٹا کھانے سے بھریلی کے جو افراد شہید ہوئے ان میں لطیف حسین ولد سردار علی، ہادی ولد سردار علی، ریاض حسین ولد بہادر علی، رجب علی، ذاکر حسین، مشتاق حسین، عطا حسین، نیّر عباس ولد ضیغم عباس اور قدرت علی بھی شامل تھے۔" ①

بھریلی والوں کے قتلِ عام کی عینی گواہ سیّدہ بسم اللہ بیگم کہتی تھیں: "میرے خاوند (ضیغم عباس) پولیس میں ملازم تھے اور انبالہ میں تعینات تھے۔ میرے سسر محمد بشیر حسین زمیندارہ کرتے تھے اور ہم ان کے ساتھ بھریلی میں رہتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد فورسز تقسیم ہوئیں تو میرے خاوند لاہور چلے گئے۔ میں اپنے بیٹا، بیٹی، ساس اور سسر کے ساتھ بھریلی میں تھی۔ بھریلی پر حملہ ہوا اور قتلِ عام ہوا تو ہم سب گھر والے بچ جانے والوں کے ساتھ انبالہ کیمپ میں آ گئے۔ وہاں زہریلا آٹا کھانے سے جو لوگ شہید ہوئے ان میں میرا بیٹا نیّر عباس، بیٹی نرجس فاطمہ، سسر محمد بشیر حسین اور ساس نذیرن بھی شامل

---

۱ سیّد چمن حسین ولد مہدی حسن (سابق رہائشی بھریلی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — بھوآنہ — ۵ مارچ ۲۰۱۸ء

تھے۔ اپنے گھر والوں میں سے صِرف میں بچ گئی۔ مجھے بھی ہیضہ ہوا اور طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی۔ جب بھریلی والے انبالہ سے پاکستان آنے لگے تو میرے بارے میں وہ کہتے تھے: 'یہ نہیں بچے گی۔ یہ مر جائے گی۔ اسے یہیں چھوڑ دو۔' تاہم میں کِسی نہ کِسی طرح باقی لوگوں کے ساتھ پاکستان جانے والی ٹرین میں بیٹھ گئی۔ گاڑی لاہور اسٹیشن پر پہنچی تو میرے خاوند نے مجھے دیکھ لیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔ چار سال تک میری طبیعت خراب رہی۔ میرا بیٹا نیّر عباس اتنا خوبصورت تھا کہ وہ گورکھوں کی بندوق پکڑ لیتا تو گورکھے اسے کچھ نہیں کہتے تھے۔" [1]

سیّد وقار حسین عرف چھمن نے کہا: "میرے نانا محمد کاظم گونڈہ، یو پی، میں کلرک آف کورٹ کی حیثیت سے ملازم تھے۔ تقسیم ہند سے کچھ ماہ پہلے وہ ریٹائر ہو کر اپنے گاؤں بھریلی آ گئے۔ قیام پاکستان کے اعلان کے بعد فسادات کے دوران بھریلی میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا تو میرے نانا بھی وہاں شہید ہو گئے۔ میری نانی حیدری بیگم بچ کر نکلنے والوں کے ساتھ انبالہ کیمپ میں آ گئیں۔ انبالہ میں ہندو دکانداروں نے مسلمان مہاجرین کو بیچے جانے والے آٹے میں سیسہ ملا دیا۔ کیمپ میں جس جس نے آٹے کی روٹیاں کھائیں وہ سب مر گئے۔ میری نانی بھی ان میں شامل تھیں۔ میں اپنی نانی کو قیام پاکستان کے شہداء میں شمار کرتا ہوں۔" [2]

---
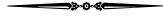
۱ سیّدہ بسم اللہ بیگم زوجہ ضیغم عباس (سابق رہائشی بھریلی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد انیس عباس ولد ضیغم عباس بالمشافہ/بذریعہ فون — بھوآنہ — ۵ مارچ ۲۰۱۸ء، ۲۸ اگست ۲۰۱۹ء

۲ سیّد وقار حسین عرف چھمن ولد اختر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۲ ستمبر ۲۰۱۶ء

بلاھڈا (بڈھلاڈا) والوں کا قتلِ عام

بلاھڈا والوں کے قتلِ عام کی عینی گواہ سیّدہ رزاقن بیگم نے کہا: ”بلاھڈا میں مسلمانوں کی آبادی ہندوؤں اور سکھوں کی مشترکہ آبادی کے برابر تھی۔ مسلمانوں میں سیّدوں، راجپوتوں، ڈوگروں اور قصائیوں کے علیحدہ علیحدہ محلّے تھے۔ چمڑا رنگنے والوں اور دوپٹے رنگنے والوں کی بستی علیحدہ تھی۔ انہیں پچارے کہتے تھے۔ وہ سب مسلمان تھے۔ شہر میں ایک ریلوے اسٹیشن تھا۔ اسٹیشن کے باہر ہندوؤں کے مکان اور دکانیں تھیں۔ آگے ایک لکڑیوں کا ٹال تھا اور پھر غلّہ منڈی تھی۔ منڈی کے نزدیک ایک آٹا، دال اور چنے پیسنے کا کارخانہ تھا۔ ایک بندوقیں بنانے کا کارخانہ تھا۔ ایک برف بنانے کا کارخانہ بھی تھا۔ منڈی کے دروازہ سے باہر چمڑا اور دوپٹے رنگنے والے مسلمانوں کی بستی تھی۔ اس سے آگے ایک بازار تھا جس میں ۱۲ دکانیں تھیں جو سب کی سب ہندوؤں کی تھیں۔ بازار سے آگے مسلمان ڈوگروں کا محلہ تھا۔ اس کے بعد سکھ جاٹوں کا محلہ تھا اور اس کے پیچھے ہندوؤں کا محلہ تھا۔ ہندوؤں کے محلہ کے ساتھ ہی قصائی مسلمانوں کا محلہ تھا۔ اس کے بعد راجپوتوں اور سیّدوں کے محلّے تھے۔ مسلمانوں میں راجپوتوں اور سیّدوں کی اکثریت تھی۔ منڈی کے دروازہ سے باہر کی آبادی کو بلاھڈا جب کہ منڈی سے اسٹیشن تک کی آبادی کو منڈی کہتے تھے۔ تقسیم ہند کے وقت دوسرے علاقوں کی طرح بلاھڈا میں بھی مسلمانوں اور ہندوؤں، سکھوں کے درمیان کشیدگی عروج پر تھی۔ مسلمان اور ہندو، سکھ لڑکے جھنڈے اٹھائے مخالفانہ نعرے بلند کرتے ہوئے علیحدہ علیحدہ جلوس نکالتے تھے۔“

سیّدہ رزاقن بیگم نے کہا: ”اسلحہ بنانے والے کارخانہ کا انچارج مسلمان تھا۔ تقسیم ہند کے بعد سب سے پہلے اس نے اعلان کیا: ’حکم آیا ہے کہ پاکستان چلے جاؤ۔‘ کوئی شخص اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار نہ ہوا۔ وہ خود اپنی کوٹھی کو تالا لگا کر اپنے گھر والوں کے ساتھ بلاھڈا سے نکل گیا۔ بلاھڈا میں اس وقت مسلمان تھانیدار تعینات تھا۔ تین دن بعد مسلمان تھانیدار نے بھی پاکستان جانے کا اعلان کیا اور باقی مسلمانوں کو بھی پاکستان جانے کے لیے کہا۔ ڈوگروں اور قصائیوں کے محلوں سے آدھے مسلمان تھانیدار کے ساتھ چلے گئے۔ سیّدوں کے محلہ سے صرف محمد علی ولد باقر علی اور اس کے گھر والے گئے۔ راجپوتوں کے محلہ اور رنگریزوں کی بستی سے کوئی بھی مسلمان نہیں گیا۔ پھر مساجد سے اعلانات کیے گئے کہ مسلمان یہاں محفوظ نہیں رہ سکتے۔ لوگوں کو ہجرت کی ترغیب دینے کے لیے اعلانات میں یہ بھی کہا گیا کہ مسلمان پاکستان میں پر امن اور اچھی زندگی گزاریں گے اور انہیں وہاں پھل، اناج اور ہر چیز ملے گی جب کہ یہاں رہیں گے تو قتل ہو جائیں گے۔ اس سب کے باوجود سینکڑوں سال سے آباد مسلمان اپنا علاقہ چھوڑنے میں ہچکچاتے رہے اور کسی معجزہ کے منتظر رہے تاکہ انہیں اپنا گھر بار نہ چھوڑنا پڑے۔ مسلمان تھانیدار کے جانے کے بعد بلاھڈا میں ہندو تھانیدار تعینات ہو گیا۔ اسی دوران پاکستان سے ایک

ٹرین بلاھڈا پہنچی جس میں ہندوؤں اور سکھوں کی لاشیں تھیں۔ یہ خبر تیزی سے پھیلی کہ گاڑی کے تین ڈبوں میں زخمی ہندو اور سکھ خواتین ہیں جن میں سے کسی کا ہاتھ، کسی کی چھاتی اور کسی کی ٹانگ کٹی ہوئی ہے۔ یہ کہا گیا کہ پاکستان میں مسلمانوں نے ہندو اور سکھ مہاجرین کی ٹرین پر حملہ کر کے مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں کو زخمی کر کے ہندوستان بھیج دیا۔ سارے علاقہ میں خوف اور سنسنی پھیل گئی اور بلاھڈا کے ارد گرد آبادیوں میں مسلمانوں پر حملے شروع ہو گئے۔"

سیّدہ رزاقن بیگم نے کہا: "ہندو تھانیدار نے مسلمانوں سے کہا: 'پرسوں بلاھڈا پر حملہ ہو گا، اس لیے فوراً یہاں سے نکل جاؤ'۔ بلاھڈا کے مسلمان اسی روز شام کو قافلہ کی صورت میں نواحی گاؤں تلونڈی آ گئے۔ میرے چاچا لطیف بلاھڈا ہی میں رہ گئے۔ تلونڈی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اور وہاں چھوٹے چھوٹے گھر تھے۔ مہاجرین کے آنے کے بعد وہاں ہر گھر میں چار پانچ یا چھ یا اس سے بھی زیادہ کنبے سما گئے۔ تلونڈی میں پناہ لینے والوں کی تعداد چار ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اگلے دن بلاھڈا سے میرے چاچا لطیف آئے اور ہندو تھانیدار کا یہ پیغام دیا کہ کل تلونڈی پر بھی حملہ ہو گا اس لیے یہاں سے بھی نکل جاؤ۔ مسلمانوں کے کچھ سرکردہ لوگوں نے فیصلہ کیا: 'یہاں رسول کا قدم ہے۔ یہاں حملہ نہیں ہو سکتا۔ ہم یہیں رہیں گے۔' تلونڈی کے نمبردار سادی راجپوت نے گاؤں سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ آدھے لوگ تلونڈی سے نکل کر بوہہ چلے گئے اور آدھے لوگوں نے وہیں رہنے پر اصرار کرنے والوں کی پیروی کی۔ سادی راجپوت نے اپنے گھر والوں کو بوہہ جانے والوں کے ساتھ بھیج دیا اور خود تلونڈی ہی میں رہا۔ اس نے کہا: 'میں نمبردار ہوں، میں ان کے ساتھ ہی مروں گا۔' جن کی زندگی تھی وہ بوہہ چلے گئے اور باقی تلونڈی میں رہے۔ ہم بھی تلونڈی میں رہے۔"

سیّدہ رزاقن بیگم نے کہا: "اگلے روز ہندو اور سکھ بلوائیوں نے بلاھڈا میں اسلحہ کے کارخانہ پر حملہ کر کے اسلحہ لوٹ لیا۔ انتظامیہ نے بوہہ میں کرفیو لگا دیا تاکہ کوئی بوہہ کے اندر آ سکے نہ باہر جا سکے۔ تاہم تلونڈی میں موجود مسلمانوں کی حفاظت کے لیے انتظامیہ نے کوئی قدم نہ اٹھایا۔ شام کو ہندو اور سکھ بلوائی مکھیوں کی طرح تلونڈی کے اطراف میں اکٹھے ہو گئے۔ کنوئی جس سے گاؤں والے پانی بھرتے تھے گاؤں سے باہر تھی۔ اس پر حملہ آوروں نے قبضہ کر لیا اور اس طرح مسلمانوں کے لیے پینے کا پانی بند ہو گیا۔ جب بلوائی تلونڈی کے اطراف میں اکٹھا ہونا شروع ہوئے تھے تو کچھ لوگوں نے کہا تھا: 'گاؤں سے نکلنے کا ایک راستہ کھلا ہے۔ وہاں سے نکل چلیں۔' لیکن فیصلہ کرنے والوں نے اس وقت بھی وہاں سے نکلنے کا فیصلہ نہ کیا۔ رات کو حملہ آوروں اور محصور مسلمانوں میں فائرنگ کا تبادلہ ہوا جو کئی گھنٹے جاری رہا۔ رات کے پچھلے پہر مسلمانوں کے پاس گولیاں ختم ہو گئیں۔ شدید بارش کی وجہ سے حملہ آور کچھ دیر گاؤں میں داخل نہ ہو سکے۔ فجر سے پہلے حملہ آوروں نے اپنے نمائندے بلاھڈا بھیجے جنھوں نے وہاں اعلان کیا کہ ہر گھر سے کم از کم ایک شخص تلونڈی پہنچے اور مسلمانوں کے قتل اور لوٹ مار میں حصہ دار بنے۔ فجر کے وقت حملہ آور تلونڈی میں داخل ہوئے تو برچھوں، بھالوں، کلہاڑیوں اور ڈنڈوں کے ساتھ دو بدو لڑائی شروع ہوئی۔ مسلمان حملہ آوروں سے نہ صرف بہت کم تھے بلکہ عورتیں اور بچّے بھی ان کے ساتھ تھے۔ پہلے ایک مسلمان قتل ہوا، پھر دوسرا، پھر تیسرا، پھر چوتھا اور پھر حساب ختم ہو گیا۔ اسی دوران حملہ آوروں کے مزید ساتھی بلاھڈا سے پہنچ گئے۔ جب مزاحمت کرتے ہوئے بہت سے مسلمان شہید ہو گئے اور باقی ماندہ کی موت یقینی ہو گئی

تو مسلمان عورتوں کو اپنی جان سے زیادہ عزّت بچانے کی فکر ہوئی۔ گاؤں کے اندر ایک بے آباد کنواں تھا۔ مسلمان عورتیں اس میں چھلانگیں لگانے لگیں۔ کچھ مردوں نے بھاگنے اور کچھ نے چھپنے کی کوشش کی۔ میرا بھائی اعجاز جس کی شادی کی تاریخ طے تھی بھی بھاگ گیا۔ میرے چاچا کے بیٹے طالب نے اپنی زوجہ سروری جو گوہلہ کی تھی سے کہا: 'اپنی اپنی جان بچاؤ۔' سروری نے کہا: 'میں اپنی جان کیسے بچاؤں۔' طالب اپنے دو-سالہ بیٹے کو اٹھا کر بھاگنے لگا۔ سروری کے ساتھ اس کی تین بیٹیاں تھیں۔ اس نے دیکھا کہ اس کا خاوند انہیں چھوڑ کر بھاگ گیا ہے تو اس نے اپنی تینوں بیٹیوں کے ساتھ کنویں میں چھلانگ لگا دی۔ طالب کو بھاگتے دیکھ کر کچھ حملہ آور اس کے پیچھے بھاگے۔ حملہ آوروں کے ہاتھ آ جانے کے خوف سے طالب نے بھاگتے ہوئے اپنے بیٹے کو کھیت میں پھینک دیا اور مزید تیز بھاگنے لگا۔ حملہ آوروں نے دو-سالہ بچّے کو قتل کر دیا لیکن طالب ان کے ہاتھ نہ آیا۔ طالب کا بھائی جمیل حملہ آوروں کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گیا تو اس کی بیوی نے بھاگ کر کنویں میں چھلانگ لگا دی۔ میرے چاچا اصغر بھی حملہ آوروں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ میرے چاچا لطیف کی بیوی نتھو بیگم نے بھی کنویں میں چھلانگ لگا دی۔ جب ۲۰، ۲۵ مسلمان عورتیں کنویں میں چھلانگ لگا چکیں تو کنویں پر حملہ آوروں کا قبضہ ہو گیا۔ پھر حملہ آوروں نے کسی عورت کو کنویں میں چھلانگ نہیں لگانے دی اور خوبصورت عورتوں کو اغوا اور باقی عورتوں، بچّوں اور بچے کھچے مردوں کو قتل کرنے لگے۔ ایک بوڑھی عورت نے اپنی دو نواسیوں کو قتل کر دیا تاکہ وہ حملہ آوروں کے ہاتھ نہ آئیں۔ جب وہ تیسری کو قتل کرنے لگی تو اس نے چیخ و پکار کی اور کہا: 'مجھے نہ مارو، میں خود ہی مر جاؤں گی۔' اِدھر اُدھر چھپے ہوئے مسلمانوں کو نکال کر قتل کرنے کے لیے حملہ آوروں نے اندر سے بند مکانوں کو آگ لگا دی۔ جب اندر چھپے ہوئے مرد، عورتیں اور بچّے آگ میں جل کر مرنے سے بچنے کے لیے باہر نکلے تو حملہ آوروں نے انہیں بے دردی سے قتل کر دیا۔"

سیّدہ رزاقن بیگم نے کہا: "میرے چاچا حنیف میری چاچی سکینہ، میری والدہ حسین بندی، میرے دو بھائیوں رزاق حسین اور کاظم علی، میری تین بہنوں ارشادن بیگم، سلمٰی بی بی اور ستارہ بی بی، ٹھسکہ کی بچی انوری بیگم (دختر قاضی سجاد حسین)، جسے میری والدہ گوہلہ سے میرے بھائی کی شادی میں شرکت کے لیے لائی تھیں، اور مجھے ساتھ لے کر ایک چوبارے میں چھپ کر بیٹھے تھے۔ حملہ آوروں نے اس چوبارے کی چھت میں سوراخ کر دیا اور آگ لگا دی تو ہم دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ دروازہ کے سامنے ایک چار فٹ اونچی دیوار تھی۔ ہم اس کے ساتھ چپک کر بیٹھ گئے۔ چند ہی لمحوں بعد حملہ آور آ گئے اور ہمیں دونوں طرف سے گھیر لیا۔ دو حملہ آور دیوار پہ کھڑے ہو گئے۔ پہلے ایک حملہ آور نے عورتوں کو حکم دیا کہ سب زیور اتار کر اسے دے دیں۔ ہم ڈرے سہمے بیٹھے تھے۔ فوراً حملہ آور کے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے بعد حملہ آوروں نے ہم سب پر بھالوں سے کاری وار کیے۔ میں گردن کے پاس کمر پر بھالا لگنے کی وجہ سے شدید زخمی ہو کر بیہوش ہو گئی اور حملہ آوروں نے مجھے مردہ سمجھ لیا۔ ہم سے کچھ فاصلہ پر میرے دادا رستم علی کے بھائی فرزند اور اس کے اہل خانہ کو بھی حملہ آوروں نے اسی طرح مارا۔ اس کی چار بیٹیوں میں سے ایک کو حملہ آوروں نے اغوا کر لیا۔ اس کی بیوی اور بیٹا شدید زخمی ہو کر بیہوش ہو گئے اور حملہ آوروں نے ان کو مردہ سمجھا۔ میرے دادا کے بھائی نُور محمد کی بیٹی ہاشمی ایک احاطہ میں توڑی کے ڈھیر میں چھپ گئی تھی۔ اکثر لوگ توڑی کے ڈھیر میں اس لیے نہ چھپے کیونکہ انہیں خوف تھا کہ حملہ آور توڑی کے ڈھیر کو آگ نہ لگا دیں۔

حملہ آوروں نے مکانوں کو تو آگ لگائی لیکن توڑی کے ڈھیر کو آگ لگانے کا خیال انہیں نہیں آیا۔ جب حملہ آوروں کو یقین ہو گیا کہ گاؤں میں موجود سب مسلمان قتل ہو گئے ہیں تو انہوں نے سارا سامان لوٹ لیا اور شام تک لوٹے ہوئے سامان اور اغوا کی گئی مسلمان عورتوں کے ساتھ گاؤں سے نکل گئے۔ حملہ آوروں کے جانے کے بعد ہاشمی توڑی کے ڈھیر سے باہر نکلی۔ اس نے گاؤں میں ہر طرف مسلمان مردوں، عورتوں اور بچّوں کی کٹی ہوئی لاشیں دیکھیں۔ ہاشمی نے ایک چادر اٹھائی اور اسے گیلا کر کے لاشوں کے منہ پر لگانے لگی۔ ہاشمی کے اس عمل سے وہ لوگ جو شدید زخمی ہو کر بیہوش ہو گئے تھے اور جنہیں حملہ آوروں نے مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا ہوش میں آنے لگے۔ میں بھی ہوش میں آ گئی۔ لیکن میری والدہ، تین بہنیں، دو بھائی، چاچا، چاچی اور ٹھسکہ کی بچّی انوری جو حملہ کے وقت میرے ساتھ زندہ تھے ہوش میں نہ آئے کیونکہ وہ سب ہمیشہ کے لیے سو گئے تھے۔ میں بد نصیب تھی جو بچ گئی۔ فرزند کی بیوی اور بیٹا بھی ہوش میں آ گئے۔ لیکن فرزند خود اور اس کی تین بیٹیاں مر چکی تھیں۔ ہاشمی کی کوشش کے نتیجہ میں ۲۵، ۳۰ افراد ہوش میں آ گئے جن میں عورتیں زیادہ اور مرد کم تھے۔“

سیّدہ رزاقن بیگم نے کہا: ”ہوش میں آ جانے کے بعد ہم سب زخمی افراد تلونڈی سے ڈسکہ کی جانب چل پڑے کیونکہ ہمیں پتہ تھا کہ ڈسکہ میں مسلمان قافلے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ ہاشمی نے ہمیں بتایا: ’ڈسکہ کا نواب میرے والد کا مرید ہے۔ اگر ڈسکہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو نواب ضرور ہماری مدد کرے گا۔‘ ہم ساری رات چلتے رہے اور جب سورج طلوع ہوا تو کماد کی فصل میں چھپ گئے اور سارا دن وہیں چھپے بیٹھے رہے۔ رات کا اندھیرا اچھی طرح چھا گیا تو ہم نے پھر سفر کا آغاز کیا۔ عورتوں کے سروں پر چادریں تھیں نہ پیروں میں جوتیاں۔ کچھ زخمی خواتین پیدل سفر کی تکلیف برداشت نہ کر سکیں اور راستہ ہی میں فوت ہو گئیں۔ ہم دو راتیں سفر کرنے کے بعد صبح اذان کے وقت ڈسکہ پہنچ گئے۔ وہاں مسلمانوں کے قافلہ کے شرکاء نے ہمیں بٹھا لیا اور پہننے کے لیے جوتیاں دیں۔ ہاشمی نے نواب کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ نواب صاحب گھوڑے پر بیٹھ کر آتے ہیں اور قافلہ والوں میں کھانے پینے کی چیزیں تقسیم کرتے ہیں۔ جب نواب صاحب آئے تو ہاشمی ان کے پاس گئی۔ ہاشمی کو دیکھ کر نواب نے کہا: ’بیٹا! تم یہاں کیسے؟‘ ہاشمی نے اپنے ساتھ گزرنے والے واقعات کی روداد سنائی۔ نواب صاحب ہاشمی اور اس کے ساتھ بلاھڈا سے آئی ہوئی خواتین کو اپنے ساتھ لے گئے اور چار پانچ دن ہمیں اپنے گھر رکھا۔ ڈسکہ سے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا قافلہ پاکستان کے لیے روانہ ہوا۔ نواب صاحب نے گڈوں پر اپنا کافی سامان رکھ لیا۔ قافلہ اتنا بڑا تھا کہ عموماً چلتے چلتے ایک ہی خاندان کے افراد ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے تو ایک دوسرے کو مشکل ہی سے ڈھونڈ پاتے تھے۔ ایسا اکثر دیکھنے میں آتا تھا کہ کوئی شخص اپنی بہن کا نام پکارتے ہوئے گزرتا اور کہتا جاتا کہ میں اس کا بھائی ہوں۔ اگر اس کی بہن اس کی آواز سن لیتی تو اس کے پاس آ جاتی تھی۔ قافلہ والوں نے قافلہ کے ہمراہ آنے والی پولیس کی مدد سے راستہ میں آنے والے ہندوؤں اور سکھوں کے دیہاتوں سے کچھ اغوا ہونے والی مسلمان عورتوں کو بھی بازیاب کیا۔ ہاشمی راستہ میں پولیس والوں کے ساتھ جا کر تین مسلمان عورتوں کو بازیاب کروا کر لائی۔ پولیس والے باہر کھڑے ہو جاتے تھے اور ہاشمی مشکوک گھر میں داخل ہو کر اغوا شدہ مسلمان عورتوں کا پتہ لگاتی تھی۔ ہاشمی نے جن تین عورتوں کو نجات دلائی ان میں ایک ۱۲ سال کی لڑکی بھی تھی جسے ایک بستر میں بند کر کے کمرہ کے دروازہ پر قفل لگایا گیا تھا۔ وہ لڑکی وقفہ وقفہ سے

اپنی رہائی کے لیے پکار رہی تھی اور اس کی دبی دبی آواز ہاشمی نے سن لی تھی۔ ہاشمی اس گھر میں داخل ہوئی اور آواز کی سمت والے کمرہ کی طرف گئی۔ ہاشمی نے اس گھر کی ہندو عورت کو تالا کھولنے کے لیے کہا۔ ہندو عورت نے جواب دیا: 'چابی میرے بیٹے کے پاس ہے اور وہ زمینوں پر گیا ہوا ہے۔ اس کمرہ میں کوئی بھی نہیں ہے۔' ہاشمی نے باہر کھڑے ہوئے پولیس والے کو مطلع کیا تو اس نے اندر آکر کمرہ کا دروازہ توڑ دیا۔ ایک چارپائی پر رکھے ہوئے بستر کو کھولا تو اس میں وہ مسلمان لڑکی تھی جو زخمی تھی اور جسے اس ہندو گھر والوں نے اغوا کر کے قید کیا ہوا تھا۔ ہمارا قافلہ حصار، گڑگاواں اور رہتک سے گزرا۔ جب قافلہ رہتک میں ٹھہرا ہوا تھا تو کچھ لوگ ایک بس لے کر آئے اور کہا کہ وہ مہاجرین کو بس میں بٹھا کر پاکستان پہنچائیں گے۔ انہوں نے عورتوں سے بس بھر لی۔ جب مردوں نے بس میں چڑھنا چاہا تو بس لانے والوں نے کہا کہ وہ صرف عورتوں کو لے کر جائیں گے۔ ایک مرد نے اپنے گھر کی خواتین کے ساتھ جانے کی ضد کی جس پر جھگڑا ہوا اور لوگوں کو بس لانے والوں پر شک ہو گیا جس کے نتیجہ میں سب عورتوں کو بس سے اتار لیا گیا۔ ہمارا قافلہ ڈسکہ سے چلنے کے ایک ماہ بعد پاکستان پہنچا۔" [۱]

سیّدہ بشیرن بیگم نے کہا: "تقسیم ہند سے کچھ دن پہلے میری تائی اور ساس حکیمن (زوجہ امیر علی) کے بھتیجے اعجاز ولد محمد صدیق کی شادی کی تاریخ طے پائی تھی۔ حکیمن کا میکہ بلاھڈا میں تھا۔ اعجاز کی والدہ حسین بندی گوہلہ آئی اور تائی حکیمن اور مجھے شادی کی تیاری کے لیے بلاھڈا چلنے کا کہا۔ تائی حکیمن نے گھر کی مصروفیت اور میں نے اپنی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے اس کے ساتھ جانے سے معذرت کر لی۔ ٹھسکہ کے قاضی سجاد حسین کی بچّی انوری بیگم اپنے نانا امیر علی کے گھر آئی ہو ئی تھی۔ حسین بندی اس بچّی کو اپنے ساتھ بلاھڈا لے گئی۔ بلاھڈا والوں کا قتل عام ہوا تو انوری بیگم بھی ماری گئی۔" [۲]

سیّد اختر حسین نے کہا: "گوہلہ کا علی حسن ولد محمد حسن مویشیوں کا بیوپار کرتا تھا۔ وہ حسن نمبردار کا بھائی تھا۔ اس کی شادی بلاھڈا میں ہوئی تھی۔ تقسیم ہند کے بعد ہونے والے فسادات کے دوران وہ اپنے کاروبار کے سلسلہ میں بلاھڈا گیا ہوا تھا۔ بلاھڈا والوں کا قتل عام ہوا تو علی حسن بھی مارا گیا۔" [۳]

سیّد حسن رضا نے کہا: "میرے تایا خورشید حسین کی بیٹی سروری بلاھڈا میں اپنے خالہ زاد طالب حسین کے ساتھ بیاہی تھی۔ ان کے چار بچّے تھے۔ بلاھڈا اجڑا تو سروری اپنے سسرال میں تھی۔ بلاھڈا والوں پر حملہ ہوا تو طالب اپنے بیوی بچّوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ سروری اور اس کے بچّے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ قتل ہو گئے۔" [۴]

سیّدہ امام باندی عرف اللہ ڈوائی نے کہا: "جب ہم گوہلہ سے اجڑ کر پاکستان آئے تو میرے والد (منوّر حسین) فوت

---

۱ سیّدہ رزاقن بیگم دختر محمد صدیق (سابق رہائشی بلاھڈا) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون/ بالمشافہ ــــ فیصل آباد/ لاہور ــــ یکم اپریل ۲۰۱۱ء، ۱۸ دسمبر ۲۰۱۱ء

۲ سیّدہ بشیرن بیگم زوجہ حسن علی (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ واڑہ ــــ ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۳ سیّد اختر حسین ولد مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ کبیر والا ــــ ۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

۴ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ حسین آباد (نلکا اڈا) ــــ ۲۹ مارچ ۲۰۱۱ء

ہو گئے۔ میں اس وقت چار سال کی تھی۔ میری ماں (سروری بیگم) نے بلاھڈا کے سابق رہائشی طالب حسین سے شادی کر لی۔ میری ماں کی تیسری اور طالب کی دوسری شادی تھی۔ طالب کی پہلی بیوی گوہلہ کی سروری دختر خورشید حسین تھی جو بلاھڈا والوں کے ساتھ ماری گئی تھی۔ میں اپنے سوتیلے باپ طالب کو ابا کہتی تھی۔ وہ ہمیں بتاتا تھا: 'جب حملہ ہوا تو میری بیوی نے کہا مجھے بچا لے، میں ہندوؤں کا ہاتھ نہیں لگواتی۔ میں نے اسے کہا کہ کنویں میں چھلانگ مار دے۔ اس نے پہلے بیٹے کو کنویں میں پھینکا پھر خود کنویں میں چھلانگ مار دی۔ میں بھاگ گیا۔' طالب کے تین بیٹیاں نہیں تھیں۔ مجھے نہیں پتہ۔ وہ تو صِرف اپنی بیوی اور بیٹے کی بات کرتا تھا۔ میرے ہوش کی بات ہے کہ جب طالب کا دماغ پھرتا تھا تو وہ سوٹا ہاتھ میں لے کر چل پڑتا تھا۔ جب اس سے پوچھتے کہ کہاں جا رہے ہو تو کہتا تھا: 'میری بیگم کا خط آیا ہے کہ مجھے آ کر لے جا۔' اسے پکڑ کر واپس لاتے تھے۔ میرا بھائی علی عباس پیدا ہوا تو وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔" [1]

---

۱ سیّدہ امام باندی عرف اللہ ڈوائی دختر منوّر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کلر والا — ۱۹ مارچ ۲۰۱۸ء
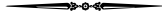
پلا کھا کا اجڑنا

پلا کھا ریاست پٹیالہ میں ترمذی سادات کا ایک بہت چھوٹا گاؤں تھا۔ اس گاؤں کے سادات میں سے ۱۱ افراد ہجرت کے دوران شہید ہوئے جن میں سے ۱۰ کا تعلق ایک خاندان سے تھا۔ جن حالات میں پلا کھا والے اجڑے اور راستہ میں قتل ہوئے اس کی کچھ تفصیل عینی گواہوں کی زبانی مندرجہ ذیل ہے:

سیّد شمیم حیدر نے کہا: "تقسیم ہند کے بعد فسادات شروع ہوئے تو ہمارے گاؤں (پلا کھا) کے ایک نزدیکی گاؤں میں بلوائیوں نے مسلمانوں کے گھروں کو جلا دیا اور مکینوں کو شہید کر دیا۔ ہمارا گاؤں چونکہ بہت چھوٹا تھا اس لیے ہم سب ڈر گئے کہ اب ہماری باری ہے۔ اجتماعی فیصلہ کر کے اکٹھے گاؤں سے نکلنے کی بجائے ہمارے گاؤں والے تقسیم ہو گئے اور انفرادی فیصلے کر کے گاؤں سے نکل گئے۔ میری بہن جنّت زوجہ دلدار علی سیانہ سیداں سے آئی ہوئی تھی۔ میں اپنی بہنوں جنّت اور سکینہ کے ساتھ نکلا تو صادق حسین ولد مہدی حسن نمبردار کا بیٹا اختر بھی ہمارے ساتھ چل پڑا۔ ہم چند گھنٹوں میں پیدل خیریت سے گوہلہ پہنچ گئے۔ اختر اپنی پھوپھی ہاشمی زوجہ شوکت حسین کے گھر اور ہم اپنی بہن کنیز زوجہ دلبر حسین کے گھر چلے گئے۔ اختر کے والدین اور بھائیوں کو بلوائیوں نے قتل کر دیا۔ صرف اختری بچی اور حیدر بچا۔"[1]

ہڑانہ میں قتل عام

ہڑانہ میں مسلمانوں کے قتل عام کی عینی گواہ سیّدہ اختری بیگم نے کہا: "میرے دادا سیّد مہدی حسن نمبردار ولد شیر محمد کے خاندان کے مندرجہ ذیل افراد پلا کھا سے اکٹھے نکلے: میرے والد صادق حسین، میری والدہ امیر بیگم، میرے چار بھائی منظور حسین، مبارک حسین، حیدر حسین، نذر حسین، میں (اختری بیگم)، میرے چاچا ہاشم حسین، میری چاچی اصغری بیگم زوجہ ہاشم حسین، چاچا ہاشم کا بیٹا منوّر حسین، میری چاچی سروری بیوہ کاظم حسین، چاچا کاظم کا بیٹا افضال اور چاچا کاظم کی دو بیٹیاں زبیدہ عرف بُندی اور کبری۔ ہمارے ساتھ ہمارا رشتہ دار چاچا خادم حسین ولد امداد حسین، میرے والد کا نوکر قربان فقیر، گاؤں کا جولاہا غفور اور اس کے گھر والے اور لوہار اور اس کے گھر والے بھی تھے۔ ہمارے گھر میں بہت سامان تھا، سونا تھا، جانور تھے۔ سب کچھ وہیں چھوڑ دیا۔ ہم پلا کھا سے بے سرو سامان نکلے تو پہلے ملک پور گئے اور پھر مسینگن چلے گئے۔ وہاں بہت دنیا تھی۔ میرے ابّا کو پتہ لگا کہ چڑھائی ہو گی تو مبارک، منظور اور چاچا خادم ہمیں وہاں سے اٹھا کر ننگے پیر، بھوکے پیاسے نینیولا گاؤں لے آئے جہاں ہندو اور مسلمان رہتے تھے۔ اس گاؤں کے ہندوؤں کے ساتھ میرے باپ دادا کا دوستانہ تھا۔ جن

---

۱ سیّد شمیم حیدر ولد مہدی حسن (سابق رہائشی پلا کھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سلیمان — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

ہندوؤں کے پاس ہم نے پناہ لی ان کی ایک بڑی حویلی تھی جس میں بھینسیں بھی تھیں اور ہم سب گھر والے بھی وہاں تھے۔ باہر سے انہوں نے تالا لگا دیا اور ہمیں کہا: 'تم کھاتے پیتے رہو۔' وہاں مسلمانوں کے خلاف لگائے جانے والے نعروں کی آوازیں آتی تھیں۔ رات کو کتّوں کی طرح بھونکتے تھے۔ عورتیں کہتی تھیں یہ ہمیں مار دیں گے۔"

سیّدہ اختری بیگم نے کہا: "نینیولا کے قریب مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہڑانہ تھا جہاں ارد گرد سے بہت سارے مسلمان اکٹھے ہوئے تھے۔ انہیں ہندوؤں اور سکھوں نے دھوکہ دے کر وہاں بٹھایا تھا۔ انہیں کہا تھا: 'تمہیں سرکاری گاڑیوں میں پاکستان بھیج دیں گے۔' ہم نے ہڑانہ جانے کا کہا تو میرے باپ کے ہندو دوستوں جگرناتھ بانیا اور اجمیر بٹ نے کہا: 'صادق حسین تو نہ جا۔ تو جہاں کہے گا ہم تمہیں وہاں پہنچا دیں گے اگرچہ جہاز میں بٹھا کر پہنچائیں۔' ہم نے کہا: 'جہاں اتنے مسلمان بیٹھے ہیں ہم بھی ان کے ساتھ بیٹھ جائیں گے۔' ہمیں یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ مریں گے اور ہم بھی ان کے ساتھ مر جائیں گے۔ ہم رات کو نکل کر ہڑانہ آ گئے۔ نینیولا میں ہم دو تین دن رہے۔ وہاں کسی نے ہم سے دھوکہ نہیں کیا۔ خود پیروں سے چل کر مرنے کے لیے ہڑانہ آ گئے۔ ہمیں پتہ نہیں تھا کہ موت ہمیں ہڑانہ بلا رہی ہے۔ ہڑانہ میں ہم کئی دن رہے۔ گاؤں دریا کے قریب تھا۔ دریا کو ندی کہتے تھے۔ جس رات حملہ ہوا اور سب کو مار دیا اس دن کسی نے کہا تھا: 'حملہ ہو گا۔' میرے والد بہت بھولے تھے۔ انہوں نے جا کر کچھ لوگوں سے مشورہ کیا تو لوگوں نے کہا: 'میر صاحب! ہم اتنے بندے ہیں، ہمیں کیسے مار سکتے ہیں۔' شام کو تلواروں سے مسلح سکھ بلوائیوں نے گاؤں کو گھیر لیا اور سب مسلمانوں کو اٹھا کر دریا کے کنارے پر لے گئے اور کہا: 'تھوڑے تھوڑے لوگ پاکستان جانے والی سرکاری گاڑیوں میں بیٹھنے کے لیے ہمارے ساتھ باری باری پل کے پار جائیں گے۔' دریا پر بنے ہوئے پل کو دیوی گڑھ کا پل کہتے تھے۔ چار چار، پانچ پانچ، دس دس کی ٹولیوں میں مسلمانوں کو لے جانے لگے۔ ہماری باری آنے تک ہمیں پتہ نہیں تھا کہ سکھ بلوائی مسلمانوں کو پل کے اوپر لے جا کر قتل کر دیتے ہیں اور دریا میں پھینک دیتے ہیں۔ ہماری باری آئی تو میرے والد نے کہا: 'ہمارا خاندان اکٹھا جائے گا۔' چاچا خادم حسین اور ہمارا نوکر قربان بھی ہمارے خاندان کے ساتھ چلے۔ پل پر پہنچے تو بلوائی ہمارے خاندان کے افراد کو تلواروں سے قتل کر کے دریا میں پھینکنے لگے۔ چاچا ہاشم کا بیٹا منوّر، جو چھ ماہ کا تھا، اپنی ماں کی گود میں تھا۔ حملہ آوروں نے اسے ماں کی گود میں ہی مار دیا۔ میرے والد صادق حسین، والدہ امیر بیگم، بھائی منظور، مبارک، نذر، چاچا کاظم کا بیٹا افضال، جو ۱۴، ۱۵ سال کا تھا، سب شہید ہو گئے۔ چاچا ہاشم کے گلے پر تلوار مار کر اسے بھی دریا میں پھینک دیا۔ میری چاچی اصغری بیگم زوجہ ہاشم حسین اور چاچا کاظم کی بیٹیاں بُندی اور کبری بھی وہیں رہ گئیں۔ کیا بتاؤں؟ دریا میں بہہ گئیں۔ دریا کھا گیا سب کو۔ ہمارا نوکر قربان فقیر بھی مارا گیا۔ بہت سارے لوگ اس طرح پل پر مارے گئے تو باقی ماندہ مسلمانوں کو شک ہو گیا کہ سکھ انہیں دھوکے سے قتل کر رہے ہیں۔ مسلمانوں نے بھاگنے کی کوشش کی تو گھیرا ڈالے ہوئے سکھوں نے تلوار چلائی۔ وہاں کھائیاں تھیں جن میں پانی چل رہا تھا۔ حملہ آور مسلمانوں کو کھینچ کھینچ کر دریا کے کنارے پر لے گئے اور قتل کر کے انہیں دریا میں پھینک دیا۔ کم از کم ایک ہزار آدمی وہاں قتل ہوئے۔ مردوں کو مار کے بلوائیوں نے عورتوں کو پکڑ لیا اور ایک جگہ اکٹھا کر لیا۔"

سیّدہ اختری بیگم نے کہا: ”چاچا خادم حسین تلوار کا وار سہنے کے بعد زخمی حالت میں ہڑانہ سے نکلا اور پلاکھا پہنچ کر مسجد میں پناہ لی۔ چار پانچ دن بعد مسجد میں ہی بھوکا پیاسا مر گیا۔ ہمارے گاؤں کے جولاہا اور لوہار اور ان کے گھر والے پتہ نہیں مارے گئے یا کیا ہوا۔ کیونکہ حملہ ہوا تو اپنی اپنی پڑ گئی تھی۔ پھر جب اعلان ہوا کہ پیچھے رہ جانے والا کوئی مسلمان ہندوستان میں نہیں رہ سکتا تو گاڑیاں نکلیں۔ ایک گاڑی ہمیں لے کر لاہور آئی۔ وہاں گنگا رام ہسپتال کے سکول میں کیمپ تھا جہاں ہم رہے۔ لوگ اللہ واسطے روٹی دے جاتے تھے۔ دو وقت روٹی ملتی تھی۔ ایک آدمی رات کو تالے لگانے اور صبح کھولنے آتا تھا۔ اس نے کہا: 'پٹیالہ والے کون ہیں؟ ان کا خیال رکھنا ہے۔' وہ کہتا تھا: 'میری پھوپھی پٹیالہ بیاہی ہوئی تھی۔' وہ نام لکھ کر لے گیا۔ اس نے اعلان کروا دیا کہ ایک بچّی ہے جس کے دادا کا نام مہدی اور باپ کا نام صادق ہے۔ وہ ریاست پٹیالہ کی ہے۔ ترپڑی والوں نے اعلان سنا تو کہا: 'یہ تو صادق کی بیٹی ہے۔' ان کا ایک بوڑھا تانگہ لے کر کیمپ میں آ گیا۔ اس نے پوچھا: 'اختری بیٹی کون ہے؟' میں نے کہا: 'میں ہوں۔' وہ کہنے لگا: 'میں تانگہ لے کر آیا ہوں، اس میں بیٹھ جا۔' میں ڈر رہی تھی کہ ماں باپ نہیں رہے، کوئی بھی نہیں رہا۔ اس نے کہا: 'میں تمہیں انشاء اللہ گھر پہنچاؤں گا۔' میں لاہور میں ۱۰ دن ان کے پاس رہی۔ اس نے چاچا ہاشم کو اطلاع بھیجی تو وہ لینے آیا۔ لاہور سے فیصل آباد آئے اور چنیوٹ سے ہوتے ہوئے پیدل کلر والا آئے۔ تین دن پیدل چلے۔ میری چاچی سروری بیوہ کاظم حسین بھی انہی دنوں پاکستان پہنچیں۔ میری طرح وہ بھی خاندان کے افراد کے قتل کے وقت دیوی گڑھ کے پل پر موجود تھیں۔ ان کی کل اولاد، ایک بیٹا اور دو بیٹیاں، وہاں قتل ہونے والوں میں شامل تھی۔ پلاکھے میں ہمارے پاس گٹوؤں کے حساب سے سونا تھا۔ جب مر ہی گئے سارے تو کہاں گیا سب کچھ؟“ [۱]

سیّد صفدر حسین کہتے تھے: ”میرے ماموں صادق حسین کے خاندان والے اتنے دولت مند تھے کہ اگر چاہتے تو اپنا جہاز خرید کر پاکستان آ سکتے تھے لیکن انہیں اتنا شعور تھا نہ آگہی۔ سرکاری گاڑیوں کے چکر میں وہاں پڑے رہے اور مارے گئے۔“ [۲]

سیّد لیاقت حسین نے کہا: ”میرے ماموں ہاشم حسین، جو پلاکھا میں رہتے تھے، تلوار کے وار سے زخمی ہوئے تھے۔ سکھوں نے انہیں سب کے ساتھ مار کر گھاگرا دریا میں پھینک دیا تھا۔ ماموں ہاشم کی گردن پر تلوار ماری تھی۔ انہیں کچھ ہوش رہا کیونکہ ان کی شہ رگ کٹنے سے بچ گئی تھی۔ وہ کسی طرح کنارے آ لگے اور چادر پھاڑ کر گلے پر باندھ لی۔ پھر کوئی قافلہ وہاں سے گزرا تو انہوں نے گوہلہ اطلاع بھیجی۔ میرے والد صاحب (شوکت حسین) بیل گاڑی لے کر گئے اور انہیں گوہلہ لے آئے۔ ماموں ہاشم کی سانس کی نالی اور کھانے والا نرگٹ کٹے ہوئے تھے۔ میری والدہ نے ہلدی، گھی وغیرہ

---

۱ سیّدہ اختری بیگم دختر صادق حسین (سابق رہائشی پلاکھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ/ بذریعہ فون — کلر والا — ۵ مارچ، ۲ جولائی ۲۰۱۸ء

۲ سیّد صفدر حسین ولد شوکت حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد مبشر حسین ولد صفدر حسین بالمشافہ — کلر والا — ۵ مارچ ۲۰۱۸ء

ڈال کر ملھم بنائی جسے وہ اپنے بھائی کے گلے کے زخم پر لگاتی تھیں۔ اور تو کوئی علاج میسر نہیں تھا۔ میرے ماموں ہاشم ۱۹۹۳ء میں فوت ہوئے۔" ①

سیّد مبشر حسین نے کہا: "میرے نانا صادق حسین شہید کے بھائی ہاشم حسین کے گلے پر تلوار لگی تھی۔ زخم ٹھیک ہو گیا تھا لیکن سوراخ باقی رہا۔ وہ گلے پر ہر وقت کپڑا باندھ کر رکھتے تھے۔ جب بات کرتے تو گلے پر ہاتھ رکھ لیتے تھے۔ اگر گلے پر ہاتھ نہ رکھا ہوتا تو سانس وہاں سے آتا تھا۔ کھاتے وقت بھی ہاتھ اپنے گلے پر رکھتے تھے۔ ان کے گلے کے سوراخ میں بال نکل آتے تھے جنہیں وہ نائی کو بلا کر کٹواتے تھے۔ میرا نانا ہاشم کے ساتھ بہت پیار تھا۔" ②

حیدر کی کہانی

سیّدہ رزاقن بیگم نے کہا: "پلا کھا کے صادق حسین ولد مہدی حسن نمبردار اور ان کے خاندان والے جس حملہ میں مارے گئے اس کے دوران کئی مسلمان عورتوں نے اپنے بچّوں کے ساتھ دریا میں چھلانگیں لگا دی تھیں۔ باقی عورتوں کو حملہ آوروں نے پکڑ لیا تھا اور اغوا کر کے لے گئے تھے۔ اس حملہ کے دوران صادق کا چار-سالہ بیٹا حیدر حسین دریا کے کنارے پر رہ گیا تھا اور حملہ آوروں کی نظروں سے کسی نہ کسی طرح بچ گیا تھا۔ بعد میں مسلمانوں کا ایک قافلہ وہاں سے گزرا۔ قافلہ میں شریک ایک شخص نے حیدر کو اٹھا لیا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ حیدر نے اس شخص کو اپنا نام بتایا اور اپنے والد اور دادا کے نام بتائے اور یہ بھی بتایا کہ ان کے گھر کے صحن میں پیپل کا ایک درخت تھا۔ وہ شخص حیدر کو لے کر پاکستان آ گیا اور ضلع ملتان میں رہنے لگا۔ اس نے حیدر اور اس کے باپ کے نام بھی تبدیل کر دیے۔ اس شخص کا اپنا بھی ایک بیٹا تھا جو حیدر کا ہم عمر تھا۔ اس نے حیدر کو اپنے بیٹے کے ساتھ بھیک مانگنے پر لگا دیا۔ وہ صبح گھر سے نکلتے، دن بھر اچھی خاصی بھیک اکٹھی کرتے اور شام کو واپس آتے تھے۔ دس سال اسی طرح گزر گئے۔ سردیوں کے موسم میں ایک دن بارش ہو گئی۔ حیدر اور اس کا ساتھی جلد گھر واپس آ گئے۔ وہ چونکہ تھوڑی خیرات لائے تھے اس لیے حیدر کے ساتھی کی ماں نے حیدر کو مزید خیرات مانگ کر لانے کے لیے دوبارہ باہر بھیج دیا جب کہ اپنے بیٹے کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ اپنے ساتھی کی ماں کے اس امتیازی سلوک سے حیدر کے دِل کو ٹھیس پہنچی۔ وہ باہر آ کر سڑک کے کنارے کھڑا ہوا اور رونے لگا۔ کچھ ملنگ وہاں سے گزرے۔ انہوں نے حیدر سے کہا: 'کیا تمہارا کوئی گھر بار نہیں؟ یہاں کھڑے کیوں رو رہے ہو؟' حیدر نے وجہ بتائی تو ملنگ اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ ملنگ گکڑ ہٹہ رہتے تھے۔ انہوں نے حیدر کو ملنگوں والے کپڑے پہنا دیے اور اس کے بال بڑھوا دیے۔ اب حیدر ملنگوں کے ساتھ مل کر مانگنے لگا۔ چار سال مزید گزر گئے۔ ایک دن کبیر والا کا علی حیدر ولد نذیر حسین کپڑا بیچنے کے لئے گکڑ ہٹہ گیا۔ وہاں اس کی ملاقات ملنگوں کے سربراہ سے ہوئی۔ آپس میں گپ شپ ہونے لگی۔ ملنگوں کے سربراہ نے علی حیدر سے پوچھا کہ

---

۱ سیّد لیاقت حسین ولد شوکت حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۱۶ مارچ ۲۰۱۸ء

۲ سیّد مبشر حسین ولد صفدر حسین — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کلر والا — ۵ مارچ ۲۰۱۸ء

وہ انڈیا میں کہاں رہتے تھے۔ علی حیدر نے اپنے گاؤں گوہلہ کا نام لیا تو ملنگوں کے سربراہ نے کہا: 'ہمارے پاس ایک لڑکا ہے جو کہتا ہے کہ گوہلہ میں اس کی پھوپھی رہتی تھی۔' علی حیدر نے پوچھا: 'اس کی پھوپھی کا نام کیا ہے؟' ملنگوں کے سربراہ نے کہا: 'وہ اپنی پھوپھی کا نام ہاشمی اور پھوپھا کا نام شوکت بتاتا ہے۔' علی حیدر نے کہا: 'شوکت تو میرے چاچا کا بیٹا ہے۔' پھر علی حیدر نے بڑے ملنگ سے پوچھا: 'اگر لڑکے کے وارث آ جائیں تو کیا تم اسے ان کے حوالہ کر دو گے؟' ملنگوں کے سربراہ نے کہا: 'وہ لڑکا تو کہتا ہے کہ اس کا کوئی وارث نہیں کیونکہ اس کے سب گھر والے مارے گئے۔' علی حیدر نے کہا: 'اس کا چاچا ہاشم اور بھائی اختر زندہ ہیں۔' ملنگوں کے سربراہ نے کہا: 'اگر وارث لے جانا چاہیں تو لے جا سکتے ہیں۔' علی حیدر نے کبیر والا واپس پہنچ کر واڑہ اطلاع بھیجی کہ صادق کا بیٹا حیدر زندہ ہے۔ اسے آ کر لے جائیں۔ واڑہ سے پیغام کلر والا گیا جہاں شوکت اور ہاشم رہتے تھے۔ شوکت نے ہاشم سے کہا: 'تمہارا بھتیجا ہے، جا کر لے آؤ۔' ہاشم نے معذوری ظاہر کی تو شوکت نے اختر سے کہا: 'تمہارا بھائی ہے، تم جا کر لے آؤ۔' اختر نے بھی انکار کر دیا تو شوکت خود کبیر والا گیا۔ وہاں سے علی حیدر کو لے کر ککڑ ہٹہ پہنچا اور ملنگوں کے سربراہ سے ملاقات کی۔ ملنگوں کے سربراہ نے کہا: 'ملنگ تین ٹولیوں میں مانگنے گئے ہیں۔ واپس آئیں گے تو پہچان کر لے جانا۔' جب پہلی ٹولی واپس آئی تو ملنگوں کے سربراہ نے کہا: 'دیکھو ان میں ہے۔' حیدر ان میں نہیں تھا۔ جب دوسری ٹولی آئی تو حیدر ان میں تھا۔ شوکت نے اسے پہچان لیا لیکن حیدر نے نہیں پہچانا۔ شوکت نے حیدر سے اس کے گھر والوں کے بارے میں کچھ باتیں کیں تو حیدر نے بھی اپنے پھوپھا کو پہچان لیا۔ پھر حیدر کو لے کر علی حیدر اور شوکت کبیر والا آ گئے۔ وہاں حیدر کا ملنگوں والا حلیہ تبدیل کیا، اسے نئے کپڑے پہنائے اور اگلے روز شوکت اسے کلر والا لے آیا۔ گھر پہنچ کر شوکت خود باہر کھڑا ہو گیا اور حیدر کو اندر بھیج دیا۔ حیدر صحن میں داخل ہوا تو گھر کی عورتیں اسے دیکھ کر اپنے اپنے دوپٹے سنبھالنے لگیں اور بولیں: 'یہ کون مرد گھر کے اندر آ گیا۔' ہاشمی کمرے سے باہر آئی تو اس نے اپنے بھتیجے کو پہچان لیا۔ اسی دوران شوکت بھی ہنستا ہوا گھر میں داخل ہوا۔" [①]

پلا کھا کے کم از کم مندرجہ ذیل سیّد مختلف راستوں سے پاکستان پہنچے: ①ہاشم حسین ولد مہدی حسن نمبردار ②اختر حسین ولد صادق حسین ③حیدر حسین ولد صادق حسین ④اختری بیگم دختر صادق حسین ⑤سروری بیوہ کاظم حسین ⑥علمدار حسین ولد عطا حسین نمبردار ⑦زہرا زوجہ علمدار حسین ⑧اظہار حسین ولد علمدار حسین ⑨زوّار حسین ولد علمدار حسین ⑩فرزند ولد علمدار حسین ⑪مشرف دختر علمدار حسین ⑫ہادی حسن ولد عطا حسین نمبردار ⑬بشیرن زوجہ ہادی حسن ⑭شمیم حیدر ولد مہدی حسن ⑮جنّت دختر مہدی حسن (وہ سیانہ سیداں بیاہی تھیں اور اپنے میکہ گاؤں پلا کھا آئی ہوئی تھیں) ⑯سکینہ دختر مہدی حسن ⑰شبیر حسین ولد شہادت علی ⑱بتول زوجہ شبیر حسین ⑲نیاز محمد ولد شبیر حسین ⑳جمیلہ دختر شبیر حسین ㉑نیاجی دختر شبیر حسین ㉒حسن علی

---

۱ سیّدہ رزاقن بیگم زوجہ غلام حیدر عرف رانجھا (سابق رہائشی بلاھڈا) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ لاہور ــــ ۱۸ دسمبر ۲۰۱۱ء

ولد شہادت علی ⑳ عزیزن زوجہ حسن علی ㉔ مقبول حسین ولد حسن علی ㉕ دلبر حسین ولد حسن علی ㉖ سیّد حسن ولد حسن علی ㉗ لطیفن زوجہ مقبول حسین ㉘ انوری زوجہ دلبر حسین ㉙ نذیر حسین ولد نثار علی ㉚ حیدری زوجہ نذیر حسین ㉛ اکبری دختر سردار علی ㉜ رفیقن بیوہ خادم حسین ㉝ عابد حسین ولد خادم حسین (رفیقن اور ان کا بیٹا عابد پلا کھا اجڑتے وقت سامانا میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے)۔[1]

۱ سیّد شمیم حیدر ولد مہدی حسن (سابق رہائشی پلا کھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — سلیمان — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء
سیّدہ اختری بیگم دختر صادق حسین (سابق رہائشی پلا کھا) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ/ بذریعہ فون — کلر والا — ۵ مارچ، ۲ جولائی ۲۰۱۸ء

گمن کھیڑی کا اجڑنا

گمن کھیڑی (سیدپور شہیداں) ضلع کرنال کی تحصیل تھانیسر میں راجپوتوں کا ایک گاؤں تھا جس میں رضوی ترمذی سادات کا ایک محلہ تھا۔ تقسیم ہند کے بعد جن حالات میں سیّدوں اور دوسرے مسلمانوں نے یہ گاؤں چھوڑا، ہجرت کی صعوبتیں برداشت کیں اور پاکستان میں آکر آباد ہوئے اس کا کچھ ذکر عینی شاہدوں کی زبانی مندرجہ ذیل ہے:

گمن کھیڑی سے شاہ آباد

سیّد ذی وقار حسین نے کہا: ”تقسیم ہند کے اعلان کے بعد اردگرد کے علاقوں میں ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں کو نکالنے کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کیا تو ہمارے گاؤں میں کوئی بھی مسلمان اپنا گھر بار چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ تاہم چند دنوں میں حالات مزید بگڑ گئے۔ ہمارے گاؤں میں مسلمان زیادہ تھے اور ہندوؤں کا زور نہیں تھا۔ ہمارے بزرگوں میں سے کِسی کے پاس اسلحہ نہیں تھا۔ صِرف ڈنڈے، کلہاڑیاں وغیرہ تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ میرا رشتہ میں ایک چچا شوکت حسین، جو لاہور میں رہ کر آیا تھا، سریے کی ایک نالی پر کپڑا ڈال کر ہمیں دکھاتا تھا تاکہ ہم سمجھیں کہ اس کے پاس بندوق ہے اور ہم کِسی طرف سے حملہ کا خوف اپنے دِل میں نہ رکھیں۔ ہم پر حملہ ہوا نہ ہندوؤں نے ہمیں کوئی دھمکی دی۔ اردگرد کے حالات بگڑتے دیکھ کر ہم نے خود گاؤں چھوڑ کر شاہ آباد کیمپ میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ گڈوں پر ضرورت کا جو سامان لاد سکتے تھے لاد لیا۔ بزرگوں، عورتوں اور بچّوں کو گڈوں پر بٹھایا اور مرد پیدل چلنے لگے۔“ [۱]

شرکاءِ قافلہ

گمن کھیڑی کے مسلمانوں کے قافلہ میں سادات برادری کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد شامل تھے: (۱) فتح حسین ولد وزیر علی (۲) فضل النساء زوجہ فتح حسین (۳) غلام تقی ولد فتح حسین (۴) لیاقت حسین ولد فتح حسین (۵) شرافت حسین ولد فتح حسین (۶) اقبال حسین ولد فتح حسین (۷) غلام سرور ولد فتح حسین (۸) رضیہ دختر فتح حسین (۹) کنیز طاہرہ زوجہ غلام تقی (۱۰) اختری بیگم زوجہ شرافت حسین (۱۱) مجید حسین ولد امیر علی (۱۲) کنیز فاطمہ زوجہ مجید حسین (۱۳) اختر حسین ولد مجید حسین (۱۴) ذوالفقار حسین ولد مجید حسین (۱۵) انوری بیگم زوجہ ذوالفقار حسین (۱۶) فیاض حسین ولد دلبر حسین (۱۷) صدیقن زوجہ فیاض حسین (۱۸) حسین باندی دختر فیاض حسین (۱۹) ریاض حسین ولد دلبر حسین (۲۰) کنیز فاطمہ زوجہ ریاض حسین (۲۱) ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (۲۲) قیصرہ سلطانہ دختر ریاض حسین (۲۳) رشید علی ولد نُور محمد (۲۴) شبو زوجہ رشید علی (۲۵) نیاز محمد ولد نُور محمد

---

۱ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ لیہ ــــ ۳ فروری ۲۰۱۸ء

(۲۶)مہدی حسن ولد نُور محمد (۲۷)سکینہ بیوہ کرامت علی (۲۸)اختر علی عرف مسیتا ولد کرامت علی (۲۹)سجاد حسین ولد اکبر حسین (۳۰)محفوظن عرف پھوجو زوجہ سجاد حسین (۳۱)افضال حسین عرف جالا ولد فدا حسین (وہ گوہلہ کے رہائشی تھے۔ ان کی پرورش ان کی پھوپھی اللہ دی نے گمن کھیڑی میں کی تھی۔ وہ اپنی پھوپھی کے گھر میں ہی رہتے تھے) (۳۲)شوکت حسین ولد غفور حسین (۳۳)نخیہ زوجہ ثانی شوکت حسین (۳۴)حمیدن زوجہ ثالث شوکت حسین (۳۵)حسین احمد ولد شوکت حسین (شوکت گوہلہ کے رہائشی تھے اور اپنی بیویوں اور بیٹے کے ساتھ گمن کھیڑی میں تھے) (۳۶)کھنڈو ولد مہدی حسن (وہ گوہلہ کے رہائشی تھے اور گمن کھیڑی میں رہتے تھے)۔

گمن کھیڑی کی سیّد برادری کے مندرجہ ذیل افراد قافلہ میں شامل نہیں تھے: (۳۷)کنیز فاطمہ زوجہ اختر حسین (۳۸)یادگار حسین ولد اختر حسین (۳۹)سنجیدہ دختر اختر حسین (کنیز فاطمہ اپنے بچّوں کے ساتھ اپنے والد بابو احمد کے پاس پونڈری میں تھیں اور وہیں سے پاکستان آئیں)۔[۱]

سیّد غلام سرور نے کہا: ”تقسیم ہند کے وقت میری عمر سات آٹھ سال تھی۔ میں ایک دن ٹھسکہ میراں جی کے سکول گیا تھا کہ اجاڑا پڑ گیا۔ جب ہم نے گاؤں چھوڑا تو ہماری زمین کے ۸۰، ۸۵ بیگھوں پر مونگ پھلی لگی ہوئی تھی۔“[۲]

سیّد ذی وقار حسین نے کہا: ”ہمارے قافلہ کو سرکاری حفاظت حاصل نہیں تھی۔ ہم نے ایک نزدیکی مسلمانوں کے گاؤں میں قیام کیا۔ اس گاؤں کا نام مجھے یاد نہیں۔ ہم دو تین دن وہاں رہے۔ ہمارے کچھ لوگ اپنے گاؤں جا کر ضرورت کی چیزیں جیسے دودھ وغیرہ بھی اٹھا کر لائے۔ وہاں سے ہمارے گاؤں کا فاصلہ تین چار میل تھا۔ پھر ہمارا قافلہ شاہ آباد چلا گیا جہاں مارکنڈا کے کنارے کیمپ لگے ہوئے تھے۔ وہاں ہم دو تین ماہ رہے۔ گورکھا رجمنٹ کیمپوں کی حفاظت پر مامور تھی۔ میری چھوٹی بہن وہاں بیمار ہو گئی۔“[۳]

سیّد یادگار حسین نے کہا: ”میرے دادا مجید حسین اپنے کنبہ کے ساتھ گمن کھیڑی کے قافلہ میں شامل تھے۔ وہ کہتے تھے کہ راستہ میں ایک جگہ انہیں ہندوؤں نے گھیر لیا اور ۱۵،۰۰۰ روپے ان سے چھین لیے۔ تاہم ان کی جان بچ گئی۔“[۴]

شاہ آباد سے پاکستان

سیّد ذی وقار حسین نے کہا: ”شاہ آباد سے ہم ٹرین میں بیٹھ کر پاکستان آئے اور شاہ پور، ضلع سرگودھا، میں اترے۔

۱ سیّد یادگار حسین ولد اختر حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — مظفرگڑھ — ۲۰ فروری ۲۰۱۰ء
سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۳ فروری ۲۰۱۸ء
۲ سیّد غلام سرور ولد فتح حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لنگر سرائے — ۲۳ فروری ۲۰۱۸ء
۳ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۳ فروری ۲۰۱۸ء
۴ سیّد یادگار حسین ولد اختر حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — مظفرگڑھ — ۲۰ فروری ۲۰۱۰ء

وہاں میری چھوٹی بہن وفات پا گئی۔“ [۱]

سیّد شرافت حسین کہتے تھے: ”میرے والد (فتح حسین) پاکستان آتے ہوئے ٹرین میں ہی بیمار ہو گئے تھے۔ ۲ محرم کو انہوں نے شاہ پور آکر پہلا قدم رکھا تو دیکھا کہ قریبی امام بارگاہ میں مجلس ہو رہی ہے۔ وہ اپنی تکلیف بھول کر مجلس میں چلے گئے۔ وہاں انہوں نے ماتم بھی کیا۔ شاہ پور میں محرم کرنے کے بعد وہ سرگودھا آ گئے اور وہیں انہوں نے وفات پائی۔“ [۲]

سیّد ذی وقار حسین نے کہا: ”بھیرہ میں ایک چن پیر شاہ تھا جو سیّد تھا۔ اس نے دیکھا کہ ہم سیّد ہیں تو اس نے ہمیں کہا کہ بھیرہ آ جاؤ۔ ہم بھیرہ چلے گئے۔ بھیرہ پرانا شہر تھا اور وہاں عالیشان عمارتیں تھیں جو ہندوؤں کے سامان سے بھری ہوئی تھیں۔ ایک ایک عمارت میں چالیس چالیس چارپائیاں تھیں اور بہت سے پیتل کے برتن تھے۔ کچھ عرصہ پیتل کے برتن بیچ کر گزارہ کیا۔ وہاں آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ پھر حالات ایسے ہو گئے کہ بھوکے مرنے لگے۔ بہت سخت قحط پڑا۔ دو چار روپے من والی گندم ۳۰، ۴۰ روپے من ہو گئی۔ گندم ملتی ہی نہیں تھی۔ مونگ کی دال پیس کر آٹے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ جس مکان میں ہم رہتے تھے وہ تین منزلہ تھا۔ اوپر ہم رہتے تھے اور نیچے راشن کی دکانیں تھیں جو پراچوں کے پاس تھیں۔ مہاجروں کو وہاں سے چاول، گندم وغیرہ ملتے تھے۔ پراچے ڈپو ہولڈر تھے۔ ننگے بھوکے مہاجروں نے وہاں دھاوا بول دیا اور راشن لوٹ لیا۔ پراچے بھی تلواریں لے کر آ گئے اور مہاجروں کو مارا۔ غلام تقی ولد فتح حسین کی کہنی پر تلوار لگی جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۹۴۸ء کا ہے۔ بھیرہ میں ہم تقریباً ایک سال رہے۔ پھر آہستہ آہستہ وہاں سے نکلے اور مراد آباد، ضلع مظفرگڑھ، آ گئے۔ مجید حسین بھیرہ سے اپنے خاندان کے ساتھ جھنگ چلے گئے۔ مہدی حسن بھیرہ ہی میں رہ گیا۔ وہ بچّہ تھا اور ایک زمیندار کے گھر رہتا تھا اور اسی کا کام کاج کرتا تھا۔ پھر اس کی شادی واڑہ میں ہو گئی۔ مراد آباد میں کوئی کاروبار نہیں تھا۔ جھنگ جانے کے لیے ایک سڑک بن رہی تھی۔ ہم اس پر کام کرتے رہے۔ وہاں کوئی عزاداری نہیں تھی۔ ایک سال وہاں رہنے کے بعد ہم اپنے ماموں کے پاس لیہ آ گئے اور دوسرے گمن کھیڑی والے لنگر سرائے جا بسے۔ ۱۹۵۲ء میں ہمیں زمینیں الاٹ ہوئیں۔“ [۳]

---

۱ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۳ فروری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد شرافت حسین ولد فتح حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد مجاہد رضا ولد شرافت حسین بذریعہ فون — لنگر سرائے — ۲۳ فروری ۲۰۱۸ء

۳ سیّد ذی وقار حسین ولد ریاض حسین (سابق رہائشی گمن کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۲ فروری ۲۰۱۸ء

چھٹا باب

سید کھیڑی کا اجڑنا

سید کھیڑی ریاست پٹیالہ کی تحصیل راجپورہ میں ترمذی سادات کا ایک گاؤں تھا جسے سید راجو، جو زندہ پیر کے نام سے مشہور ہیں، نے آباد کیا تھا اور جہاں تقسیم ہند کے وقت سید راجو کی اولاد اور دوسرے سادات آباد تھے۔ ان کے علاوہ مسلمانوں میں ارائیں اور کچھ دوسری ذاتوں کے لوگ بھی تھے۔ نچلی ذات کے ہندو یعنی چوڑھے، چمار بھی وہاں رہتے تھے۔ ریاست پٹیالہ میں چونکہ سکھوں کی حکومت تھی اور سید کھیڑی راجپورہ - پٹیالہ روڈ پر واقع تھا اس لیے اس گاؤں پر حملہ کا خطرہ اور خوف و ہراس بہت زیادہ تھا۔ سید کھیڑی کے مسلمانوں نے ۲۹ اگست ۱۹۴۷ء (۱۱ شوال ۱۳۶۶ھ) کو گاؤں چھوڑا اور براستہ سُروں کھیتوں کی راہ اپناتے ہوئے پاکستان جانے کے لیے انبالہ پہنچے۔ ہجرت کے اس پُر خطر سفر میں سید کھیڑی والوں کے کئی افراد شہید ہوئے اور عورتیں اغوا ہوئیں۔ اس قیامت صغریٰ کی کچھ تفصیل عینی شاہدوں کی زبانی مندرجہ ذیل ہے:

سیّد زین العابدین نے کہا: ”اگرچہ ریاست کا حصّہ ہونے کی وجہ سے پٹیالہ میں شامل علاقوں میں ۱۹۴۶ء کے الیکشن نہیں ہوئے لیکن پٹیالہ شہر میں مسلمانوں نے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک بہت بڑا جلوس نکالا کہ جس کی نظیر شہر کی تاریخ میں نہیں ملتی تھی۔ میں نے ابتدائی تعلیم گوہلہ، تحصیل کیتھل ضلع کرنال، میں حاصل کی تھی اور وہاں میرے رشتہ داروں نے میرا ووٹ بھی درج کروایا تھا۔ میں نے گوہلہ جا کر مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دیا۔“ [1]

سیّد قربان علی نے کہا: ”میں اپنی بہن شہیدن زوجہ احسان علی کے پاس لاہور میں رہتا تھا اور مزنگ سکول میں پڑھتا تھا۔ جب میں چھٹی کلاس میں پہنچا تو تحریک پاکستان عروج پر تھی اور ہندو - مسلم کشیدگی میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ میں اپنے سکول کے ساتھیوں کے ساتھ پاکستان کے حق میں نکلنے والے جلوسوں میں شرکت کرتا تھا اور ہم اس وقت کے پنجاب کے وزیر اعلیٰ خضر حیات کے خلاف ’خضر کُتّا، ہائے ہائے‘ کے نعرے بھی لگاتے تھے۔ ایک دن میں سکول سے چھٹی کے بعد اپنے ایک سکھ ہم جماعت کے گھر چلا گیا۔ میرے سکھ دوست کی والدہ نے مجھے پیار کیا۔ میں نے ان کے گھر کے صحن میں لگے ہوئے درخت سے جامن توڑ کر کھائے اور اپنے سکھ دوست کے ساتھ کچھ دیر کھیلتا بھی رہا۔ جب اپنے گھر پہنچا اور اپنی بہن اور بہنوئی کو دیر سے آنے کی وجہ پوچھنے پر بتایا کہ میں اپنے سکھ دوست کے گھر گیا تھا تو شہر میں پائی جانے والی بے چینی کے باعث انہیں کافی تشویش ہوئی۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے مجھے سید کھیڑی واپس بھیج دیا۔“ [2]

سیّد اسلم حسین نے کہا: ”قیام پاکستان کے اعلان سے پہلے احسان علی جو لاہور میں ملازمت کرتے تھے اپنے گاؤں

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۷ جولائی ۲۰۰۵ء

سید کھیڑی آئے۔ گاؤں سے باہر کھیتوں میں لوگ گندم بیج رہے تھے۔ احسان نے ان سے کہا: 'تم لوگوں نے یہاں نہیں رہنا۔ بہتر ہے کہ تم پہلے ہی اُس طرف (مغربی پنجاب) آ جاؤ۔' باقر حسین بولے: 'تو ہمیں چوغا دیتا ہے۔ راج تو بدل جاتے ہیں، ملک نہیں بدلتے۔' کسی نے احسان کی بات نہیں مانی۔" ①

ڈاکٹر سیّد علی نے کہا: "میرے نانا احمد حسین اپنی گھوڑی پر بیٹھ کر سیانہ سیداں سے سید کھیڑی گئے اور وہاں اپنے رشتہ داروں اور دوسرے سیّدوں کو سید کھیڑی میں خطرہ کے پیش نظر سیانہ آنے کی دعوت دی۔ تاہم کسی نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا اور وہ سیانہ واپس آ گئے۔" ②

سیّد زین العابدین نے کہا: "قیام پاکستان کے اعلان پر سید کھیڑی کے مسلمانوں نے ہندوستان کے باقی مسلمانوں کی طرح خوشی منائی۔ مسجد ناصر علی اور امام بارگاہ ناصر علی کی عمارتوں پر چراغاں کیا گیا۔ خوشی اور تشکر کے ان لمحات میں کسی کو اس بات کا خیال تک بھی نہ آیا کہ چند روز بعد انہیں اپنے گھر بار چھوڑ کر کسمپرسی کی حالت میں پاکستان جانا پڑے گا۔ لیکن اگلے دو تین روز میں ہی حالات اتنے بگڑ گئے کہ جب ہم نے حسب روایت سیّدوں کے پہلے محلہ کے باہر کھلی جگہ پر عید کی نماز ادا کی تو بلوائیوں کے حملہ کے خطرہ کی وجہ سے گاؤں میں رہنے والے نچلی ذات کے ہندوؤں یعنی چوڑھے، چماروں نے رضاکارانہ طور پر دور کھڑے ہو کر ہمارا پہرہ دیا۔" ③

سیّد اسلم حسین نے کہا: "سید کھیڑی میں مسلمان جوانوں نے عید کے روز سے گاؤں کا پہرہ دینا شروع کر دیا۔" ④

پٹیالہ میں قتل عام

سیّد محمد حرمین نے کہا: "میرے والد (رضوان علی)، جو ساڈھورہ کے رہنے والے تھے، پٹیالہ شہر کے تحصیل آفس میں کلرک کی حیثیت سے ملازم تھے اور ہماری رہائش شیرانوالا محلہ میں تھی۔ میری والدہ کا نام رقیہ تھا۔ ہم پانچ بھائی محمد سبطین، محمد حسنین، محمد ثقلین، محمد حرمین، محمد سیدین اور ایک بہن ثریا اپنے والدین کے ساتھ رہتے تھے۔ جب پٹیالہ میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا تو میرے والد، والدہ اور دو بڑے بھائی سبطین اور حسنین بھی شہید ہونے والوں میں شامل تھے۔ جو لوگ پی ایم خلیفہ سعید کے گھر پہنچ گئے وہ محفوظ رہے۔ میرے والد ان کے گھر نہیں گئے۔ پولیس لائنز ایک جگہ تھی جو وہاں پہنچا بہت ظلم کا شکار ہوا۔ ہمارے محلہ کے مسلمانوں نے ایک مسلمان کی حویلی میں پناہ لی اور اس طرح مارنے والوں کا کام آسان کر دیا کہ انہیں ایک ہی جگہ بہت سارے لوگ مل گئے۔ جب حویلی میں پناہ لیے ہوئے مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوا تو بھگدڑ مچ گئی۔ حملہ آور حویلی کے بڑے دروازے بند کر کے وہاں پناہ لیے ہوئے مسلمانوں کو بھالوں اور تلواروں سے

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ فیروز کے ناگرہ ـــ ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

۲ ڈاکٹر سیّد علی ولد اعجاز علی (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ لاہور ـــ ۱۸ نومبر ۲۰۱۰ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ فیروز کے ناگرہ ـــ ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

قتل کرنے لگے۔ سب بچھڑ گئے۔ مجھے یاد ہے کہ میں لاشوں پر پھلانگتا پھر رہا تھا۔ ثقلین بھی بھاگ گیا۔ آخر میں اعلان ہو گیا کہ عورتوں اور بچّوں کو نہ مارو۔ لیکن میری ماں کو اس اعلان سے پہلے شہید کر دیا گیا تھا۔ ہمارے محلہ کی ایک عورت نے میرے چھوٹے بھائی اور بہن کو اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔ میں اپنی بہن اور دو بھائیوں سے کیمپ میں ملا۔ وہاں کسی نے مجھے بتایا کہ تمہارے والدین اور دو بڑے بھائیوں کو قتل کر دیا گیا ہے اور یہ کہ تمہاری ماں تمہارے بھائی پر گر گئی تھی۔ قلعہ مہاجر گڑھ میں ہمیں رکھا۔ خلیفہ سعید بھی وہاں آ گئے۔ پھر کسی طریقہ سے لاہور پہنچ گئے۔ ہماری پرورش اخلاق الحسن اور اکرام الحسن نے کی۔“ [۱]

سیّدہ نثار فاطمہ نے کہا: ”ثریا دختر رضوان علی کہتی تھی کہ جب پٹیالہ میں سکھوں نے راجہ کی سرپرستی میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا تو ہمارے محلہ کے مسلمان دو حویلیوں میں اکٹھے ہو گئے۔ پٹیالہ کے راجہ نے سرکاری حملہ آوروں کو حکم دیا تھا کہ وہ مسلمان بچّوں کو چھوڑ دیں اور بڑوں کو قتل کر دیں۔ جب حملہ ہوا تو مسلمانوں نے کمرے اندر سے بند کر لیے۔ حملہ آوروں نے کمروں کے دروازے توڑ دیے اور پناہ گزینوں کو قتل کرنے لگے۔ جب حملہ آور اس کمرہ میں گھسے جس میں ہم سب گھر والے بھی تھے تو سب سے پہلے انہوں نے کہا: ’جو کچھ تمہارے پاس ہے نکالو۔‘ پیسے اور زیور چھین لینے کے بعد حملہ آوروں نے کمرہ کے اندر لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ مجھے میرے بڑے بھائی سبطین نے گود میں اٹھایا ہوا تھا۔ ایک حملہ آور نے بھائی سے کہا: ’اِسے نیچے اتار دو۔‘ بھائی سبطین نے مجھے نیچے اتارا تو حملہ آور نے بھائی کے سر پر بھالا مارا اور اسے شہید کر دیا۔ پھر میرے والدین اور بھائی حسنین کو بھی حملہ آوروں نے شہید کر دیا۔“ [۲]

سیّدہ نسیم فردوس نے کہا: ”تقسیم ہند سے چند ماہ پہلے تک میں اپنی والدہ کے ساتھ اپنے چاچا طفیل حسین اور تفضل حسین کے پاس پٹیالہ میں رہتی تھی۔ میری دادی حسن بی بی عرف حسنی بھی ہمارے ساتھ تھیں۔ میرے بڑے چاچا طفیل کی شادی ہونی تھی۔ میری والدہ مجھے ساتھ لے کر اپنا مکان بنانے کے لیے گوہلہ آ گئیں۔ مکان مکمل ہو گیا۔ صِرف غسل خانہ اور ٹائلٹ کی تعمیر باقی رہ گئی تھی کہ تقسیم ہند ہو گئی اور فسادات شروع ہو گئے۔ چاچا طفیل، چاچا تفضل، دادی حسنی، دونوں پھوپھیاں بتول اور کلثوم اور ان کے خاوند اور بچّے سب پٹیالہ میں مسلمانوں کے قتل عام کے دوران شہید ہو گئے۔ میرے والد (مقبول حسین) نابھہ سے پاکستان پہنچے تو وہ اپنی والدہ، بھائیوں اور بہنوں کو ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ پٹیالہ سے بچ کر آنے والے کچھ لوگ انہیں ملے اور بتایا: ’تمہارے خاندان والے سب شہید ہو گئے۔‘ انہوں نے میرے والد کو بتایا: ’تمہاری والدہ کو جب یقین ہو گیا کہ مرنا ہے تو وہ چادر اوڑھ کر اور تسبیح لے کر قبرستان کی طرف چل پڑیں تاکہ ان کے بقول ان کی لاش سڑک پر نہ رُلے۔ انہیں راستہ میں بلوائیوں نے شہید کر دیا۔‘ انہوں نے میرے والد سے یہ بھی کہا کہ جب میرے چاچا طفیل شہید ہوئے تو وہ اپنی بہنوں کے ساتھ تھے اور ان کے بچّوں کو سنبھال رہے تھے۔“ [۳]

---

۱ سیّد محمد حرمین ولد رضوان علی (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۲۶ اکتوبر ۲۰۱۲ء

۲ سیّدہ نثار فاطمہ دختر محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۲۴ اکتوبر ۲۰۱۲ء

۳ سیّدہ نسیم فردوس دختر مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

سیّد وزیر حسن کہتے تھے: ”سکھ بلوائیوں نے رسول پور سیداں، ترپڑی، تحصیل و ریاست پٹیالہ میں ہمارے گھر پر حملہ کیا اور میری والدہ (رضیہ خاتون)، جو اس وقت نماز پڑھ رہی تھیں، کو شہید کر دیا۔ وہ مجھے پکڑ کر چوراہے میں لے گئے جہاں اور مسلمانوں کو بھی قتل کرنے کے لیے پکڑ کر لائے تھے۔ وہاں انہوں نے ہمیں بھالوں اور ڈنڈوں سے مارا۔ میں گر گیا اور شدید زخمی حالت میں بے ہوش ہو گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے سنا کہ ایک حملہ آور نے کہا: 'اِس مُسلے کو تو دیکھیں۔' دوسرے حملہ آور کی آواز آئی: 'لڑکا ہی تو ہے، مر گیا ہو گا۔ چلو چلیں۔' سب حملہ آور چلے گئے تو میں اٹھا اور کسی نہ کسی طرح اس جگہ پہنچ گیا جہاں اس علاقہ کے مسلمان اکٹھے ہوئے تھے۔ گیٹ پر ہی کچھ لوگوں نے مجھے پہچان لیا اور کہا کہ یہ تو وزیر حسن ہے۔ پھر وہ مجھے اندر لے گئے۔“ ①

سیّدہ نرجس خاتون نے کہا: ”سید کھیڑی کے قریبی گاؤں کولی پر بلوائیوں نے حملہ کر کے مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگا دی۔ ہم نے اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر کولی سے اٹھتا ہوا دھواں بھی دیکھا۔“ ②

سیّد اسلم حسین نے کہا: ”سید کھیڑی کی تحصیل راجپورہ میں مسلمانوں کے دو مشہور خاندان رہتے تھے۔ ایک کبیر وکیل کا خاندان جو راجپوت تھے اور دوسرا حاجی شورے در کا خاندان جن کی بسکٹوں کی فیکٹری تھی اور وہ شوربہ بھی بناتے تھے۔ راجپورہ کے ہندوؤں نے کبیر وکیل اور ان کے خاندان کو یہ کہہ کر اکٹھا کیا کہ انہیں پاکستان جانے کے لیے کیمپ میں پہنچا آتے ہیں۔ کبیر وکیل اور ان کے خاندان والوں کو ہندو سید کھیڑی کے نزدیکی گاؤں کولی لائے اور سب کو قتل کر دیا۔ اگلے دن حاجی شورے در اور ان کے خاندان کے ساتھ بھی راجپورہ کے ہندوؤں نے ایسے ہی دھوکہ کیا اور انہیں کولی لا کر قتل کر دیا۔“ ③

سیّد حسن رضا نے کہا: ”میرے تایا خورشید حسین راجپورہ میں کسی افسر کی کوٹھی پر ملازم تھے۔ تقسیم ہند کے بعد ہونے والے فسادات کے دنوں میں میرے تایا کا بیٹا اقبال حسین بھی گوہلہ سے ان کے پاس گیا ہوا تھا۔ میرے تایا اور ان کے بیٹے کو سکھوں نے راجپورہ میں قتل کر دیا۔“ ④

پناہ گزین اور خوف و ہراس

سیّد محمد امیر نے کہا: ”اردگرد دیہاتوں کے مسلمان ہمارے گاؤں سید کھیڑی میں آ گئے تھے۔ نیل پور میں ہندوؤں

---

۱ سیّد وزیر حسن ولد غلام عباس (سابق رہائشی رسول پور سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد بشارت علی ولد وزیر حسن — واڑہ — ۳۰ ستمبر ۲۰۱۷ء

۲ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۳ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

۴ سیّد حسن رضا ولد نذیر حسین عرف نھو بلّا (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — حسین آباد (نلکا اڈا) — ۲۹ مارچ ۲۰۱۱ء

اور مسلمانوں کی ملی جلی آبادی تھی۔ وہاں ارائیں مسلمان رہتے تھے۔ وہ سید کھیڑی آ گئے۔ نیل پور کا اسماعیل پٹواری بھی ہمارے گاؤں میں آ گیا۔ خیر پور اور خانپور میں سکھ رہتے تھے۔ وہاں جو چند گھر مسلمانوں کے تھے وہ اٹھ کر سید کھیڑی آ گئے۔" [۱]

سیّد اسلم حسین نے کہا: "سید کھیڑی کے قریبی ہندوؤں اور سکھوں کی اکثریت والے دیہاتوں میں رہنے والے مسلمان ہمارے گاؤں میں آ گئے تھے۔ کولی گاؤں میں ملتانی رہتے تھے۔ وہ سید کھیڑی آ گئے۔ پھگت اور بنواڑی گاؤں میں کمہار اور تیلی رہتے تھے۔ وہ سید کھیڑی آ گئے۔ کوئی ۵۰، ۶۰ مسلمان گھرانے اِدھر اُدھر سے سید کھیڑی آئے۔ بعدازاں سید کھیڑی کے کچھ سیّدوں نے بھی اپنے بزرگوں، عورتوں اور بچّوں کو نزدیکی راجپوتوں کے گاؤں سُروں بھیج دیا تھا۔" [۲]

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: "ہمارے محلہ اور راجپورہ-پٹیالہ روڈ کے درمیان کھیت تھے۔ ہمارے گھر کے صحن کی پچھلی دیوار کے اوپر سے روڈ پر گزرتی ہوئی ٹریفک نظر آتی تھی۔ روڈ پر گزرنے والے مسلمانوں کو سکھ بلوائی حملہ کر کے قتل کرتے تھے اور ان کا سامان لوٹتے تھے۔ ہم اپنے گھر کی دیوار کے اوپر سے قتل و غارت گری کے ان واقعات کو دیکھتے تھے۔ کولی کے مسلمانوں پر حملہ ہوا اور وہ سید کھیڑی آئے تو ان کی ایک عورت اور اس کی بیٹی ہمارے گھر آ گئے تھے۔ جب حملہ ہوا تو انہوں نے کھیتوں میں کھڑی فصلوں میں پناہ لی اور پھر چھپتے چھپاتے سید کھیڑی آ گئے۔ اس دن محلہ کے لوگ ہمارے صحن میں اکٹھے ہوئے تھے۔" [۳]

سیّدہ نرجس خاتون نے کہا: "ہمارے محلہ میں یاور حسین نے ہمارے خاندان کی عورتوں کو خبردار کرتے ہوئے کہا: 'ہم نے کوٹھوں پہ توڑی چھینک دی ہے۔ اگر حملہ ہوا تو ہم خود مکانوں کو آگ لگا دیں گے۔ عورتیں کنویں میں چھلانگ لگا دیں یا گھروں کے اندر رہ کر جل مریں۔ جب کہ ہم (یعنی مرد) حملہ آوروں کا مقابلہ کریں گے اور لڑ کر ہی جان دیں گے۔' گاؤں کے لوگ رات کے وقت اَن دیکھے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنتے تھے۔ گاؤں کے کئی مکینوں کا خیال تھا کہ دادا راجو کے مزار کی برکت کی وجہ سے بلوائی اب تک سید کھیڑی پر چڑھائی نہیں کر سکے۔" [۴]

اجڑنے کا فیصلہ

سیّد زین العابدین نے کہا: "فسادات امرتسر سے شروع ہو کر لاہور پہنچ گئے تھے۔ پھر وہ دن آیا کہ پٹیالہ میں کرفیو لگا کر مسلمانوں کو چن چن کر مارا گیا۔ اس کے بعد ہمیں یقین ہو گیا کہ ہمیں گاؤں چھوڑ کر پاکستان جانا پڑے گا۔ جس دن ہم نے سید کھیڑی چھوڑنے کا فیصلہ کیا اس دن مراثیوں کا ایک لڑکا دادا راجو کے مزار پر گیا اور واپسی پر گاؤں کی گلیوں میں یہ

---

۱ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

۳ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۵ جنوری ۲۰۱۹ء

۴ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

اعلان کرتا ہوا گزرا کہ دادا راجو گاؤں والوں کے گاؤں چھوڑنے پر ناراض ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس دن کسی کو گاؤں چھوڑنے کی ہمت نہ ہوئی۔ غیر یقینی اور خوف کی حالت میں دو دن اور گزر گئے۔ اس دوران فسادات میں مزید اضافہ ہوا۔" ①

سیّدہ نرجس خاتون نے کہا: "ہم نے ۱۱ شوال کو سید کھیڑی چھوڑا۔ نذر کے گھر والے باقر کے گھر آ گئے۔ باقر کے گھر میں کنواں تھا۔ گھر سے نکلنے سے پہلے سب نے اپنے برتن اور کچھ دوسرا سامان یہ سوچ کر کنویں میں پھینک دیئے کہ حالات ٹھیک ہونے پر واپس آکر نکال لیں گے۔ باقر اور نذر دادا راجو کے مزار پر گئے اور ان کی قبر پر پیشانی ٹیک کر بیٹھ گئے۔ جب وہاں سے انہیں اٹھایا گیا تو وہ مسجد میں جا کر بیٹھ گئے اور دعائیں مانگنے لگے۔ وہ آخر وقت تک غیبی امداد کے لیے کوشاں رہے تاکہ انہیں اپنے گھر بار اور گاؤں جہاں ان کے آباؤ اجداد نے صدیاں گزاری تھیں نہ چھوڑنا پڑیں۔ یاور انہیں مسجد سے اٹھا کر لایا۔" ②

سیّدہ عزیز بانو کہتی تھیں: "ہم سید کھیڑی سے اجڑے تو اپنے اچھے برتن باقر کے گھر کی کنوئی میں پھینک دیے اور میٹھی اور دال والی روٹیاں بنا کر راستہ میں کھانے کے لیے اپنے ساتھ رکھ لیں۔ ہم نے دو دو، تین تین جوڑے کپڑوں کے پہن لیے تاکہ سفر کے دوران پھٹ جائیں تو مسئلہ نہ ہو۔ سید کھیڑی سے ہم گڈے پر بیٹھ کر نکلے۔" ③

سیّدہ منورہ فاطمہ نے کہا: "میرے ابّا جی (مظاہر حسین) عید کرنے کے لیے سید کھیڑی آئے تھے۔ ان کا پروگرام تھا کہ وہ میری والدہ، مجھے اور اپنی بہنوں کو ساتھ لے جائیں گے۔ لیکن حالات اتنے خراب ہو گئے کہ پھر سب کے ساتھ ہی گاؤں سے نکلے۔" ④

سیّد قائم حسین نے کہا: "میرے والد نے گھر کے افراد کے اچھے کپڑے اور اچھا گھریلو سامان اپنے کچھ ہندو دوستوں کے حوالہ کر دیئے۔ میرے والد کے یہ دوست نزدیکی گاؤں خیرپور کے رہنے والے تھے۔ میرے والد کا خیال تھا کہ واپس آئیں گے تو یہ چیزیں ان سے لے لیں گے۔" ⑤

سیّد علی نے کہا: "میرے والد (احمد حسین) کو ان کے کچھ سکھ دوستوں نے وہیں رہنے کی پیشکش کی اور انہیں یقین دلایا کہ وہ ان کی حفاظت کے ذِمّہ دار ہیں۔ لیکن میرے والد نے اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ پاکستان جانے کو ترجیح دی۔" ⑥

سیّد زین العابدین نے کہا: "سید کھیڑی چھوڑتے وقت سب افراد نے اپنا زیور، پیسے اور کچھ اشیاء جو وہ اٹھا کر چل سکتے تھے اپنے ساتھ لے لیں۔ جن کے پاس گڈے تھے انہوں نے دوسروں کی نسبت زیادہ سامان ساتھ لے لیا۔ سیّدوں کے پہلے

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۳ سیّدہ عزیز بانو زوجہ محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّدہ واجدہ خاتون دختر احسان علی بذریعہ فون — لاہور — ۱۳ دسمبر ۲۰۱۷ء

۴ سیّدہ منورہ فاطمہ دختر مظاہر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۸ مارچ ۲۰۱۸ء

۵ سیّد قائم حسین ولد سید محمد عرف چھجو (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۶ سیّد علی ولد احمد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۰ فروری ۲۰۱۱ء

محلہ میں تین بزرگوں کے پاس بیل گڈے تھے۔ ایک باقر حسین، دوسرا غلام عباس اور تیسرا محمد عسکری نمبردار کے پاس تھا۔ سب گاؤں والوں کے پاس چھ سات بیل گڈے ہوں گے۔" ①

سیّدہ حاجرہ شمیم نے کہا: "سید کھیڑی سے اجڑے تو میری چھوٹی بہن جانی (رضوانہ خاتون) اور میں اپنی والدہ (ناصری خاتون) کے ساتھ گڈے پر بیٹھے۔ میرے والد نے ہم دونوں بہنوں کے لیے اپنی جیب میں دودھ کی بوتلیں رکھ لیں۔" ②

سیّد محمد محسن کہتے تھے: "میں نے اپنے گڈے پر دو بوریاں گندم کی بھی رکھ لیں۔" ③

سیّدہ نرجس خاتون نے کہا: "ابھی گھروں سے نکل ہی رہے تھے کہ وہاں پر موجود چمار عورتوں نے چھوڑے جانے والے سامان کی آپس میں تقسیم شروع کر دی۔ ایک کہتی میں فلاں چیز لوں گی اور دوسری کہتی کہ میں فلاں چیز۔ لیکن چماروں میں سب کے احساسات ایک جیسے نہ تھے۔ ان میں کئی چہرے گاؤں والوں کو اجڑتا دیکھ کر غمزدہ تھے اور ان کے دِل رو رہے تھے۔ ایک بدھیا چمار تھا جو نذر کا دوست اور بھائی بنا ہوا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی غمی خوشی میں شرکت کرتے تھے اور تحائف کا تبادلہ کرتے رہتے تھے۔ ہمارے سید کھیڑی سے نکلتے وقت بدھیا آیا اور بہت رویا۔ وہ نذر کی بیٹیوں اور بھانجیوں کے سروں پر ہاتھ پھیر کر روتے ہوئے کہنے لگا: 'میں تمہیں کہاں چھپا لوں۔' یعنی مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ تم لوگوں کو یہاں حفاظت سے رکھنے کا انتظام کر سکوں۔" ④

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: "سید کھیڑی سے نکلے تو کلثوم بیگم عرف ثمی زوجہ محمد سالم کے پاس ایک ٹرنک تھا۔ بھائی یاور نے اس سے کہا کہ ٹرنک کا سامان نکال کر گٹھڑی باندھ لو تاکہ اسے اٹھانا آسان ہو جائے۔ ثمی نے یاور کی بات نہیں مانی۔" ⑤

سید کھیڑی سے سُروں

سیّد زین العابدین نے کہا: "پٹیالہ ریاست میں سکھوں کا راج تھا۔ اس لیے ریاست کے تمام علاقوں میں رہنے والے مسلمان ہر وقت اپنی جان خطرے میں محسوس کرتے تھے۔ سید کھیڑی سے اجڑتے وقت ہمارے ذہن میں پٹیالہ ریاست سے جلد از جلد نکلنے کا ہدف تھا۔ پاکستان جانے کے لیے ہماری منزل انبالہ تھی۔ اگرچہ انبالہ دہلی کی طرف تھا نہ کہ لاہور کی طرف لیکن پٹیالہ ریاست سے جلد از جلد نکلنے کا یہی واحد راستہ تھا۔ اگر لدھیانہ کی طرف جاتے تو وہ سکھوں کا گڑھ تھا جب کہ انبالہ

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
۲ سیّدہ حاجرہ شمیم دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۱ اکتوبر ۲۰۱۲ء
۳ سیّد محمد محسن ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — انٹرویو کیسٹ — (گفتگو ہمراہ سیّد امجد علی رضا ولد عبد العلی و سیّد انتظار مہدی ولد محمد حسین بالمشافہ) — جھنگ
۴ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء
۵ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

کمشنری تھا اور انڈین حکومت کے تحت تھا اور توقع تھی کہ وہاں حکومت کی مشینری پٹیالہ کی طرح بلوائیوں کی سرپرستی نہیں کرے گی۔ عام دنوں میں جب بھی سید کھیڑی والوں کو انبالہ جانا ہوتا تو وہ پہلے راجپورہ جاتے اور وہاں سے انبالہ جاتے تھے۔ لیکن اب حالات یکسر بدل گئے تھے۔ راجپورہ ہندوؤں اور سکھوں کا گڑھ تھا۔ اس لیے اس طرف کا رخ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ گاؤں کے سامنے تو راجپورہ- پٹیالہ روڈ تھا جب کہ پیچھے راجپوت مسلمانوں کا گاؤں سُروں تھا۔ سید کھیڑی سے مسلمانوں کا قافلہ سُروں گاؤں کی طرف چل پڑا۔ یہ گاؤں سید کھیڑی سے بڑا تھا اور ایک میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ برسات کے دن تھے اور بارشوں کی وجہ سے کچے راستہ پر بہت کیچڑ تھا۔ بیل گڈوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے سب مرد اور اکثر خواتین اور بچّے کیچڑ زدہ راستہ پر پیدل ہی چل رہے تھے۔ جو بیمار تھے ان کے قریبی گڈے والوں سے درخواست کر کے انہیں گڈے پر بٹھا دیتے تھے۔ شام کو سید کھیڑی سے نکلے تھے۔ جب سُروں پہنچے تو اچھی خاصی رات بیت چکی تھی۔ عام دنوں میں آدھ گھنٹہ کا راستہ عورتوں اور بچّوں کے ساتھ ہونے اور کیچڑ کے باعث کئی گھنٹے میں طے ہوا۔ سُروں پہنچ کر جس کو جس گھر میں جگہ ملی چلے گئے۔" [۱]

سیّدہ حاجرہ شمیم نے کہا: "سُروں میں میرے والد (محمد محسن) اپنی جیب سے دودھ کی بوتل نکالتے اور میری چھوٹی بہن کو اور مجھے دودھ پلاتے تھے۔ دودھ جس کی کمی کبھی محسوس نہیں کی تھی اب کم پڑ گیا تھا۔ لوگ چھوٹے بچّوں کو پلانے کے لیے دودھ ڈھونڈتے پھرتے تھے۔" [۲]

سُروں سے انبالہ

سیّد زین العابدین نے کہا: "سُروں کے نواح میں کچھ سکھوں اور ہندوؤں کے گاؤں تھے۔ ان میں جو تھوڑے بہت مسلمانوں کے گھر تھے وہ بھی اٹھ کر سُروں آ گئے تھے۔ اردگرد کے مسلمانوں کی سُروں میں پناہ لینے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح علاقہ میں پھیل گئی تھی۔ گاؤں میں خوف و ہراس کی فضا تھی۔ کسی کو کھانے کا ہوش تھا نہ سونے کا۔ کسی وقت بھی گاؤں پر حملہ ہو سکتا تھا۔ جیسے تیسے دو راتیں اور ایک دن گزر گئے۔ اگلی صبح (۱۳ شوال) ہوتے ہی گاؤں میں موجود سب مسلمان انبالہ جانے کے لیے کھلی جگہ جمع ہو گئے۔ بیل گڈوں کی لائن لگ گئی جن میں تھوڑا بہت سامان رکھا گیا اور کچھ عورتیں، بچّے بیٹھ گئے۔ قافلہ کے شرکاء کی بہت بڑی اکثریت پیدل تھی۔ قافلہ کچے راستے پر انبالہ جانے والی سڑک کی طرف چل پڑا۔ سُروں سے چلنے والے مسلمانوں کے قافلہ کی تعداد چار ہزار کے لگ بھگ تھی۔" [۳]

سیّدہ نرجس خاتون نے کہا: "قافلہ سُروں سے نکلا ہی تھا کہ میرے والد (نذر حسین) نے دیکھا کہ میری ماں (زہرا) کے پاس وہ پوٹلی نہیں ہے جس میں زیور چھپایا ہوا تھا۔ جب میرے والد نے اس کے بارے میں پوچھا تو میری ماں نے جواب

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ حاجرہ شمیم دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۱ اکتوبر 2012ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

دیا: 'سُروں کے جس گھر میں ہم نے دو راتیں گزاریں اس کی ایک طاق میں پوٹلی رکھ کے طاق کو گارے سے لیپ کر بند کر دیا ہے۔ جب میرا بیٹا (خادم حسین) آئے گا تو لے آئے گا۔' خادم اس وقت سامانا میں تھا۔ میرے والد کو میری ماں کا جواب سن کر بہت تشویش ہوئی۔ انہوں نے اسی وقت اپنے بھانجے یاور کو میری ماں کے ساتھ واپس سُروں بھیجا۔ وہ دونوں تیز قدموں سے گاؤں کی طرف لوٹے، اس گھر میں پہنچ کر زیور کی پوٹلی نکالی اور پھر تیز رفتاری سے چلتے ہوئے قافلہ کے ساتھ مل گئے۔" ①

شرکاء قافلہ

سُروں سے چلنے والے مسلمانوں کے قافلہ میں سید کھیڑی کی سیّد برادری کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد شامل تھے:

سیّدوں کا پہلا محلہ

①محمد عسکری نمبردار عرف نتھو ولد مہربان علی عرف مسیتا ②محمد مسلم ولد محمد عسکری ③محمد اسلم ولد محمد عسکری ④اختر حسین ولد محمد عسکری ⑤شیریں فاطمہ زوجہ محمد مسلم ⑥محمد سبطین ولد محمد مسلم ⑦عادل حسین ولد محمد مسلم ⑧امیر فاطمہ دختر محمد مسلم ⑨وزیر فاطمہ دختر محمد مسلم ⑩کنیز فاطمہ دختر محمد مسلم ⑪اختری زوجہ محمد عالم ⑫تمیلہ دختر محمد عالم ⑬حمیدہ دختر محمد عالم ⑭رضیہ دختر محمد عالم ⑮اکبری بیگم زوجہ محمد اسلم ⑯تسلیم حسین ولد محمد اسلم ⑰اشرف النساء عرف اچھو دختر محمد اسلم ⑱نثار فاطمہ زوجہ اختر حسین ⑲یعقوبن بیوہ طالب حسین ⑳باقر حسین ولد ایزد بخش ㉑ذکیہ خاتون عرف ذکی زوجہ باقر حسین ㉒ناصر حسین ولد باقر حسین ㉓یاور حسین ولد باقر حسین ㉔صابر حسین ولد باقر حسین ㉕یاسر حسین ولد باقر حسین ㉖امامی صغریٰ دختر باقر حسین ㉗سروری زوجہ ناصر حسین ㉘سبط حسن ولد ناصر حسین ㉙طیّبہ دختر ناصر حسین ㉚آسیہ دختر ناصر حسین ㉛مشتاق فاطمہ عرف پھاتی دختر ناصر حسین ㉜سیّدہ خاتون زوجہ یاور حسین ㉝صابرہ خاتون زوجہ صابر حسین ㉞غلام عباس ولد ایزد بخش ㉟محمد محسن ولد غلام عباس ㊱ناصری خاتون زوجہ محمد محسن ㊲حاجرہ شمیم عرف چھمن دختر محمد محسن ㊳رضوانہ خاتون عرف جانی دختر محمد محسن ㊴نذر حسین ولد حسین بخش ㊵امتہ الزہرا زوجہ نذر حسین ㊶حبیبہ دختر نذر حسین ㊷امیر بیگم (وہ زہرا زوجہ نذر حسین کی خالہ تھیں اور اپنی بھانجی کے پاس سید کھیڑی آئی ہوئی تھیں) ㊸محمد یٰسین ولد حسین بخش ㊹عزیز بانو زوجہ محمد یٰسین ㊺زین العابدین ولد محمد یٰسین ㊻عزادار حسین ولد محمد یٰسین ㊼اصغر حسین ولد محمد یٰسین ㊽قربان علی ولد محمد یٰسین ㊾نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین ㊿ابرار حسین ولد عزادار حسین (۵۱)تصدق حسین ولد مہدی حسن (۵۲)ممتاز بیگم عرف منّی زوجہ ثانی تصدق حسین (۵۳)شبیر حسین عرف بندو ولد تصدق حسین (۵۴)انوری بیگم دختر تصدق حسین (۵۵)عزیز فاطمہ دختر تصدق حسین (۵۶)اصغری بیگم دختر تصدق حسین (۵۷)جعفری (وہ ذوالفقار حسین ولد احمد حسن کی

---

۱ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

دادی کی بہن تھیں۔ انہوں نے ذوالفقار کی پرورش کی اور اس مقصد کے لیے تیسرا محلہ چھوڑ کر پہلے محلہ میں رہائش اختیار کی) (۵۸)شہیدن عرف سیدن بیوہ عنایت حسین (۵۹)احمد حسین ولد محمد حسین (۶۰)کاظمی زوجہ احمد حسین (۶۱)ہادی علی ولد احمد حسین (۶۲)ہاشم علی ولد احمد حسین (۶۳)سیّد علی ولد احمد حسین (۶۴)جعفر رضا ولد احمد حسین (۶۵)کنیز دختر احمد حسین (۶۶)انیس دختر احمد حسین (۶۷)ہاشمی دختر احمد حسین (۶۸)محمد سالم ولد مہدی حسین (۶۹)کلثوم بیگم عرف ثمی زوجہ محمد سالم (۷۰)حسنین علی ولد محمد سالم (۷۱)مسیتی دختر محمد سالم (۷۲)جعفر حسین ولد علی حسین (۷۳)فاطمہ زوجہ جعفر حسین (۷۴)اسد علی ولد جعفر حسین (۷۵)محمد سبطین عرف ببر علی ولد جعفر حسین (۷۶)طاہر رضا ولد جعفر حسین (۷۷)افضل علی ولد جعفر حسین

سیّدوں کے پہلے محلہ کے مندرجہ ذیل رہائشی قافلہ میں شریک نہیں تھے: (۷۸)محمد عالم ولد محمد عسکری (وہ سید کھیڑی اجڑنے سے کچھ دن پہلے لاہور آ گئے تھے) (۷۹)عابد حسین ولد محمد مسلم (وہ اپنی پھوپھی کے پاس سیانہ سیداں میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) (۸۰)احسان علی ولد غلام عباس (۸۱)کنیز فضہ عرف شہیدن زوجہ احسان علی (۸۲)واجدہ خاتون دختر احسان علی (احسان لاہور میں ملازم تھے اور ان کی زوجہ اور بیٹی ان کے ساتھ تھیں) (۸۳)خادم حسین ولد نذر حسین (وہ اپنے نانا کے گھر سامانا میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) (۸۴)بشیری بیگم زوجہ زین العابدین (وہ اپنے والدین کے پاس ٹھسکہ میں تھیں اور وہیں سے پاکستان آئیں)(۸۵)ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (وہ اپنی بہن کے پاس ٹھسکہ میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) (۸۶)تفضل حسین ولد تصدق حسین (وہ اپنے نانکے گاؤں سامانا میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) (۸۷)تونگر حسین ولد تصدق حسین (وہ بھی اپنے نانکے گاؤں سامانا میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) (۸۸)بندے علی ولد محمد حسین (وہ پیل میں تھے اور وہاں بلوائیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے)۔[۱]

سیّدوں کا دوسرا محلہ

(۱)راکب حسین نمبردار ولد محمد کاظم (۲)کاظمی زوجہ راکب حسین (۳)اعجاز حسین ولد راکب حسین (۴)مظاہر حسین ولد راکب حسین (۵)طاہر حسین ولد راکب حسین (۶)مظفر حسین ولد راکب حسین (۷)نرجس خاتون دختر راکب حسین (۸)نثار فاطمہ دختر راکب حسین (۹)قیصرہ بیگم دختر راکب حسین (۱۰)مخدومہ فاطمہ عرف دومو زوجہ اعجاز حسین (۱۱)مجاہد علی ولد اعجاز حسین (۱۲)ظہوری بیگم زوجہ مظاہر حسین(۱۳)منورہ فاطمہ دختر مظاہر حسین (۱۴)حشمت علی ولد محمد کاظم (۱۵)کومن زوجہ حشمت علی (۱۶)اقبال حسین ولد حشمت علی (۱۷)خورشید بانو دختر حشمت علی (۱۸)طاہرہ خاتون دختر حشمت علی (۱۹)حسین بی بیوہ امیر حسن (۲۰)مسلم حسین ولد امیر حسن (۲۱)محمد شریف ولد امیر حسن (۲۲)تجمل حسین ولد

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ منڈی بہاؤالدین ــــ ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء
سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ اسلام آباد ــــ ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء
سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ ۳۱ اگست ۲۰۰۶ء
سیّدہ اشرف النساء دختر محمد اسلم (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی

جمال علی ⑬انوری بیگم زوجہ تجمل حسین ⑭خادم حسین ولد تجمل حسین ⑮ثریا دختر تجمل حسین ⑯رضیہ دختر تجمل حسین ⑰جنّت بیوہ محمد مسیتا ⑱محمد سالم ولد محمد مسیتا ⑲شیریں فاطمہ زوجہ محمد سالم ⑳جعفری بیوہ دلاور حسین ㉑منظور حسین ولد دلاور حسین ㉒سلمیٰ زوجہ منظور حسین ㉓انعام حسین ولد منظور حسین ㉔مسلم حسین ولد منظور حسین ㉕جمیل حسین ولد منظور حسین ㉖امامی صغریٰ دختر منظور حسین ㉗انعام بی بی دختر منظور حسین ㉘کاظم حسین ولد محمد مسیتا ㉙حیدری زوجہ کاظم حسین ㉚عاشق حسین ولد کاظم حسین ㉛زاہدہ دختر کاظم حسین ㉜عابدہ دختر کاظم حسین ㉝سعیدہ دختر کاظم حسین ㉞محمودہ بیگم دختر کاظم حسین ㉟محمد تقی ولد مراتب علی ㊱اکبری زوجہ محمد تقی ㊲ذکی ولد محمد تقی ㊳مظاہر ولد محمد تقی ㊴مبارکی بیگم عرف ماکھو بیوہ محمد حسن ㊵سید محمد ولد محمد حسین ㊶بشیرن زوجہ سید محمد ㊷سیّد علی ولد سید محمد ㊸حمیدہ دختر سید محمد ㊹کوثری دختر سید محمد ㊺کنیز دختر سید محمد ㊻انیس دختر سید محمد ㊼مرتضائی دختر سید محمد ㊽مصطفائی دختر سید محمد ㊾شبیر حسین ولد علی حسن ㊿شبیرن زوجہ شبیر حسین (۶۱)محمد امیر ولد شبیر حسین (۶۲)ظہیر فاطمہ دختر شبیر حسین (۶۳)ساجدہ بیگم دختر شبیر حسین (۶۴)صادق حسین ولد سعادت علی (۶۵)مجیدن زوجہ صادق حسین (۶۶)حامد حسین ولد صادق حسین (۶۷)ہادی حسن ولد صادق حسین (۶۸)صغیرن دختر صادق حسین (۶۹)نذیرن دختر صادق حسین (۷۰)اسلم حسین ولد حامد حسین (۷۱)حیدری زوجہ ہادی حسن (۷۲)ابن حسن ولد ہادی حسن (۷۳)مہدی حسین ولد نھو شاہ (۷۴)بشیرن زوجہ مہدی حسین (۷۵)جمیل ولد مہدی حسین (۷۶)رشیدہ دختر مہدی حسین (۷۷)جمیلہ دختر مہدی حسین (۷۸)رمضان (۷۹)سوندھا (۸۰)تفضل حسین (۸۱)مختار حسین ولد تفضل حسین (۸۲)سیّد حسن ولد تفضل حسین (۸۳)ذکیہ زوجہ مختار حسین (۸۴)اقبال حسین ولد مختار حسین

سیّدوں کے دوسرے محلہ کے مندرجہ ذیل افراد قافلہ میں شامل نہیں تھے: (۸۵)اختری زوجہ اقبال حسین (وہ اپنے والدین کے پاس شور میں تھیں اور وہیں سے پاکستان آئیں) (۸۶)ستارہ بیگم زوجہ مسلم حسین (۸۷)تسنیم اختر دختر مسلم حسین (ستارہ بیگم اپنی بیٹی تسنیم اختر کے ساتھ اپنے والدین کے پاس گھگرسرائے میں تھیں اور وہیں سے پاکستان آئیں) (۸۸)حسنین علی ولد شبیر حسین (وہ اپنے نانکے گاؤں سامانا میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے) (۸۹)صغیر حسین ولد مہدی حسین (وہ اپنی پھوپھی کے پاس انبالہ میں تھے اور وہیں سے پاکستان آئے)۔[1]

سیّدوں کا تیسرا محلہ

①محمد رمضان ولد باقر علی نمبردار ②محفوظ النساء عرف محفوظن و پھوجی زوجہ محمد رمضان ③یاور حسین ولد

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء
سیّدہ امام باندی دختر سید محمد (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خیرپور سادات — ۹ اکتوبر ۲۰۱۲ء
سیّد مجاہد علی ولد اعجاز حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۱۴ دسمبر ۲۰۱۸ء
سیّدہ تسنیم اختر دختر مسلم حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۸ دسمبر ۲۰۱۱ء

محمد رمضان ④خادم حسین ولد محمد رمضان ⑤مسلم حسین عرف موچھی ولد محمد رمضان ⑥زائر حسین ولد محمد رمضان ⑦کنیز زہرا دختر محمد رمضان ⑧شمیم زہرا دختر محمد رمضان ⑨تاج بیگم عرف تاجو بیوہ عید محمد عرف عیدو ⑩بندو ولد عید محمد ⑪نھو ولد عید محمد ⑫سید محمد عرف چھجو ولد احسن علی ⑬قائم حسین ولد سید محمد ⑭اکرام حسین ولد سید محمد ⑮تحور حسین ولد ذاکر حسین ⑯فضل النساء زوجہ تحور حسین ⑰خورشیدہ عرف سیدو دختر تحور حسین ⑱اکبری دختر تحور حسین ⑲رقیہ (وہ گھگر سرائے سے اپنی پھوپھی فضل النساء کے پاس آئی ہوئی تھیں) ⑳سجاد حسین ولد ذاکر حسین ㉑شبیرن زوجہ سجاد حسین ㉒راحت حسین ولد سجاد حسین ㉓محمد علی ولد سجاد حسین ㉔مشتاق حسین ولد ذاکر حسین ㉕بتول زوجہ مشتاق حسین ㉖بنت فاطمہ عرف بودھو دختر مشتاق حسین ㉗کنیز فاطمہ دختر مشتاق حسین ㉘توقیر فاطمہ دختر مشتاق حسین ㉙صغیر حسین ولد عابد علی ㉚نذیراں بیگم زوجہ صغیر حسین ㉛خورشید حسین ولد صغیر حسین ㉜حیدری بیوہ محمد حسین عرف نھو نواب کا ㉝اعجاز حسین ولد محمد حسین ㉞مظاہر حسین ولد محمد حسین ㉟محمد رمضان ولد محمد حسین ㊱سرور حسین ولد محمد حسین ㊲ذکیہ دختر محمد حسین ㊳جیا دختر محمد حسین ㊴جعفر حسین ولد خیرات علی ㊵ضمیرہ خاتون زوجہ جعفر حسین ㊶ذاکر حسین ولد جعفر حسین ㊷ناصر علی ولد جعفر حسین ㊸بیوہ صدیقن دختر شیر محمد ㊹اقبال دختر صدیقن

سیّدوں کے تیسرے محلہ کے مندرجہ ذیل افراد قافلہ میں شامل نہیں تھے: ㊺صفدری بیگم زوجہ یاور حسین (وہ اپنے والدین کے پاس ٹھسکہ میں تھیں اور وہیں سے پاکستان آئیں) ㊻زاہد حسین ولد سجاد حسین (وہ سید کھیڑی اجڑنے سے کچھ پہلے لاہور آ گئے تھے)۔[1]

فائرنگ اور افراتفری

سیّد زین العابدین نے کہا: "انبالہ جانے والی سڑک کا فاصلہ سُروں گاؤں سے ایک میل تھا۔ سڑک سے پہلے اور اس کے متوازی ریلوے لائن گزرتی تھی۔ مردوں نے قافلہ کی حفاظت کے لیے ڈنڈے اٹھائے ہوئے تھے۔ قافلہ جب سڑک (اور ریلوے لائن) کے قریب پہنچا تو بہت زیادہ فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ سب یکدم رک گئے۔ ہر کسی کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگی۔ زبردست فائرنگ کی آواز سے چھا جانے والی دہشت کے نتیجہ میں قافلہ کے شرکاء افراتفری کا شکار ہو گئے۔ اس بھگدڑ میں بہت سارے افراد جن میں عورتیں اور بچّے بھی شامل تھے قافلہ سے بچھڑ گئے۔ سڑک پر جگہ جگہ سکھ بلوائیوں کی ٹولیاں گھوم رہی تھیں۔"

(فائرنگ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے انتشار نے قتل، اغوا اور گمشدگی کے کئی واقعات کو جنم دیا۔ لیکن ان کا ذکر

---

۱ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء
سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء
سیّد زاہد حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کوٹلی باوا فقیر چند — ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء

کچھ بعد میں کریں گے۔ پہلے قافلہ کے احوال دیکھ لیں۔)

کھیتوں کی راہ

سیّد زین العابدین نے کہا: ”ایک دو گھنٹے بعد قافلہ کے اکثر شرکاء دوبارہ اکٹھے ہو گئے۔ نئے خطرہ کے پیش نظر نئے فیصلے کیے جانے لگے۔ شرکاء نے فیصلہ کیا کہ بیل گڈے چھوڑ دیے جائیں، سڑک پر نہ چڑھا جائے اور سڑک سے دور ہو کر کھیتوں میں چلتے ہوئے انبالہ پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ قافلہ نے چونکہ سیدھی سڑک کی بجائے کھیتوں کی راہ کو اختیار کیا اس لیے انبالہ ان سے ۱۰ کی بجائے ۱۵ میل دور ہو گیا۔ کھیتوں میں جگہ جگہ بارش کا پانی جمع تھا۔ سب شرکاء قافلہ کے کپڑے، پاؤں اور ٹانگیں کیچڑ میں لت پت تھے۔ مرد تو پیدل چلنے کے عادی تھے لیکن عورتوں اور بچّوں کے ساتھ اتنا لمبا سفر ہمیشہ بیل گاڑیوں میں ہی طے ہوتا تھا۔ لیکن اب سب کو ہی پیدل چلنا پڑ رہا تھا اور وہ بھی بارشوں کے موسم میں۔ تاہم بارشیں بھاگتے ہوئے مسلمانوں کے لیے رحمت ثابت ہوئیں کیونکہ یہ بلوائیوں کے حملہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھیں۔ حملہ کرنے والے اپنے بچ نکلنے کی راہ حملہ کرنے سے پہلے تلاش کرتے ہیں۔ کھیتوں میں کیچڑ زدہ زمین پر آکر حملہ کرنا اور پھر بھاگنا خاصا مشکل کام تھا۔“ [۱]

سیّد قربان علی نے کہا: ”ناصر حسین کی زوجہ سروری امید سے تھیں۔ پیدل چلتے ہوئے ان کی ہمت یکسر جواب دے گئی۔ وہ رک گئیں اور ناصر سے کہا کہ مسلسل درد کے باعث وہ اب ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتیں۔ انہوں نے ناصر سے کہا کہ وہ بچّوں کو لے کر قافلہ کے ساتھ چلتے رہیں ورنہ شاید کوئی بھی نہ بچ سکے۔“ [۲]

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: ”میرے بھائی ناصر جب سروری کو چھوڑ کر چلے تو ان کا فرزند سبط حسن ان کے کندھوں پر تھا اور ان کی بیٹیاں طیّبہ، آسیہ اور پھاتی ان کے ساتھ پیدل چل رہی تھیں۔“ [۳]

سیّد قائم حسین نے کہا: ”میں اپنے والد سے بچھڑ گیا اور چلتے چلتے اپنی بہن سروری سے جا ملا۔ وہ ایک جوار کے کھیت کے کنارے بیٹھی تھیں اور درد میں مبتلا تھیں۔ اچانک ان کو ہونے والے درد میں شدید اضافہ ہو گیا اور وہ اٹھ کر کھیت میں چلی گئیں۔ مجھے کچھ دور سے بچّوں کے رونے کی آواز آئی تو میں انہیں دیکھنے ادھر چلا گیا۔“ [۴]

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: ”سروری نے کھیت میں ایک بچّی کو جنم دیا۔ اسی وقت چند ہندو اس کھیت کے پاس سے گزرے جہاں سروری اپنی نوزائیدہ بچّی کے ساتھ پناہ گزین تھی۔ بچّی کے رونے کی آواز سن کر ہندو کھیت میں داخل ہوئے تو

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۷ جولائی ۲۰۰۵ء

۳ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۱۱ جولائی ۲۰۰۸ء

۴ سیّد قائم حسین ولد سید محمد عرف چھجو (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

زچہ اور بچّہ کو دیکھ کر حیران ہوئے۔ انہیں سروری پر ترس آیا اور اسے اپنے ساتھ اپنے گاؤں لے گئے۔" ①

سیّد قائم حسین نے کہا: "میں نے دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے چھ سات بچّے لیٹے رو رہے تھے۔ ان بچّوں کو ان کے ورثا نے چھوڑ دیا تھا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ان میں میرا چھ (آٹھ) ماہ کا بھائی اکرام بھی تھا۔ اسے میرے والد وہاں چھوڑ کر مجھے ڈھونڈنے لگے تھے۔ میں نے اپنے بھائی کو اٹھا لیا اور واپس اپنی بہن کی طرف آیا لیکن مجھے بہن نظر نہ آئی۔ میں نے اپنی بہن کو کئی آوازیں دیں۔ کوئی جواب نہ ملنے پر میں اپنے بھائی کو اٹھائے ہوئے قافلہ کے پیچھے چل پڑا اور کچھ دیر بعد قافلہ سے جا ملا۔" ②

سیّدہ منورہ فاطمہ نے کہا: "میری والدہ (ظہوری بیگم) کہتی تھیں کہ قافلہ کے ساتھ پیدل چلتے ہوئے انہوں نے دو دفعہ مجھے گود سے اتار کر پیچھے چھوڑ دیا کیونکہ وہ مجھے اٹھا کر پیدل چلتے ہوئے بہت زیادہ تھک گئی تھیں۔ ایک دفعہ میرے ابّا جی (مظاہر حسین) واپس آکر مجھے اٹھا کر لے گئے اور دوسری دفعہ میرے دادا جی (بابو راکب) واپس آکر مجھے اٹھا کر لے گئے۔" ③

سیّدہ نرجس خاتون نے کہا: "میری نانی کی بہن امیر بیگم قافلہ میں ہمارے ساتھ تھیں۔ امیر بیگم کے دو بچّے ہوئے تھے جو فوت ہو گئے تھے۔ بعدازاں ان کے خاوند بھی فوت ہو گئے تھے۔ تقسیم ہند سے کچھ پہلے وہ میری والدہ کے پاس آکر رہنے لگی تھیں۔ جب قافلہ والوں نے گڈے چھوڑ دیے اور سب پیدل چلنے لگے تو امیر بیگم کے پاؤں سوج گئے اور ان کی حالت خراب ہو گئی۔ انہوں نے کھانا پہلے ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ نازک حالت میں ایک کھیت میں لیٹ گئیں۔ ان پر سفید چادر ڈال کر انہیں وہیں چھوڑ دیا اگرچہ اس وقت وہ زندہ تھیں۔ بعد میں امیر بیگم کے بارے میں کچھ پتہ نہ چل سکا کہ ان کے ساتھ کیا بیتی۔" ④

سیّد محمد امیر نے کہا: "پیپل منگھولی گاؤں کے پاس گولی چلی تو ہم نے گڈے وہیں چھوڑ دیے۔ دانا، پھکا، پیسے، بھرے بھرائے گڈے سب کچھ وہیں رہ گیا۔ کولی والوں کے پاس اونٹ تھے۔ وہ آگے چلے اور ہم ان کے پیچھے پیچھے۔ ہم نے کہا کہ اونٹوں کا پیچھا نہ چھوڑنا۔" ⑤

سیّد زین العابدین نے کہا: "کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ میرا چھوٹا بھائی قربان علی اور میں چلتے چلتے قافلہ سے بچھڑ گئے۔ ہماری تعداد چونکہ کافی کم تھی اس لیے ہم پہ بلوائیوں کے حملہ کا زیادہ خطرہ تھا۔ قافلہ میں بہت سے لوگ تو کافی آگے نکل گئے تھے اور بہت سے پیچھے رہ گئے تھے اور کچھ درمیان میں تھے۔ قافلہ کے مختلف دھڑوں میں زیادہ فاصلہ ہونے اور کھیتوں میں کھڑی فصلوں کے باعث ہم لوگ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ بہرحال کچھ دیر بعد ہم قافلہ سے جا

---

۱ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۱۱ جولائی ۲۰۰۸ء
۲ سیّد قائم حسین ولد سید محمد عرف چھجو (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء
۳ سیّدہ منورہ فاطمہ دختر مظاہر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۸ مارچ ۲۰۱۸ء
۴ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء
۵ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

ملے اور سب کی جان میں جان آئی۔" [1]

سیّدہ نرجس خاتون نے کہا: "ایک جگہ قافلہ سانس لینے کے لیے رکا تو میری اور حبیبہ کی وہاں آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو قافلہ آگے بڑھ چکا تھا۔ ہم دور سے قافلہ کے جانے کی آواز ہی سن سکتے تھے۔ ہم قافلہ کی طرف بھاگنے لگے۔ ہمارا گزر ایک گردوارہ کے قریب سے بھی ہوا۔ لیکن کسی کی نظر ہم پہ نہ پڑی۔ جب ہم قافلہ سے جا ملے تو ہمارے والد کی جان میں جان آئی۔ ہمارے والد نے کہا: 'میں یہ دعا کرتا رہا کہ میری بیٹیاں عزّت سے آ جائیں یا ماری جائیں۔ اللہ نے میری دُعا قبول کر لی۔'" [2]

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: "قافلہ والوں کے لیے مارے جانے سے زیادہ خوف اس بات کا تھا کہ کہیں ان کی عورتیں سکھوں کے ہاتھ نہ آ جائیں۔ میرے والد نے میرے بھائی ناصر کی فوجیوں والی برساتی مجھے پہنا دی اور میرے سر پر کپڑا باندھ دیا تاکہ میں لڑکا نظر آؤں۔" [3]

سیّد اسلم حسین نے کہا: "بابو راکب نے ایک گٹھڑی جس میں زیور اور پیسے تھے اپنے کندھے پر رکھی ہوئی تھی۔ راکب کے بیٹے اعجاز حسین کا سکھ دوست بکنا رام انہیں ملا۔ اس نے راکب سے گٹھڑی لے کر اپنے کندھے پر رکھ لی۔ کچھ دیر بعد بکنا رام گٹھڑی لے کر بھاگ گیا۔ بکنا رام مہیواں گاؤں کا رہنے والا تھا اور عموماً سید کھیڑی میں راکب کے پاس سیمنٹ لے کر آتا تھا۔" [4]

سیّد محمد شریف نے کہا: "قافلہ کے ساتھ انبالہ جاتے ہوئے بابو راکب کے بیٹے مظاہر حسین نے ہماری راہنمائی کی۔ وہ کہتا تھا کہ فلاں جگہ بیٹھو اور فلاں جگہ نہ بیٹھو۔" [5]

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: "راستہ میں چلتے چلتے ماموں نذر حسین گر گئے۔ بھائی زین العابدین اور بھائی صابر نے مل کر انہیں اٹھایا۔" [6]

سیّد زین العابدین نے کہا: "انبالہ کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں جسے جو چیز ملی اس نے اسے کھا لیا۔ بھوک سے بدحال لوگوں نے مکئی کے کھیتوں سے چھلیاں توڑ کر کچی ہی کھا لیں۔ کماد کے کھیت آئے تو گنّے توڑ کر چوس لیے۔" [7]

سیّدہ نرجس خاتون نے کہا: "میرے والد (نذر حسین) کا گلا سوج گیا۔ ان سے کچھ کھایا نہ جاتا تھا۔ راستہ میں ایک

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۳ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

۴ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

۵ سیّد محمد شریف ولد امیر حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۱۸ دسمبر ۲۰۱۱ء

۶ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

۷ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

گاؤں اجڑ رہا تھا۔ حبیبہ اور میں اس گاؤں میں گئے اور کسی سے کچھ روٹیاں مانگ کر لے آئے۔ لیکن میرے والد سے روٹی کھائی نہ گئی۔ پھر بھائی یاور کہیں سے کچھ چنے لے آیا جو میرے والد نے بھی کھائے۔" [۱]

سیّد قربان علی نے کہا: "میں نے اپنے بڑے بھائی زین العابدین کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے پیاس لگ رہی ہے۔ بھائی زین العابدین نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ دور دور تک کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی جہاں سے پینے کا پانی مل سکتا ہو۔ کھیتوں میں جگہ جگہ بارش کا پانی کھڑا تھا۔ بھائی زین العابدین نے کھیت میں کھڑے پانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: 'اگر پیاس برداشت نہیں کر سکتے تو اسے پی لو۔ اس وقت تو یہی مل سکتا ہے۔' تاہم میں نے جبر کرتے ہوئے پیاس برداشت کی۔" [۲]

سیّدہ حاجرہ شمیم نے کہا: "مجھے یاد ہے کہ میرے والد کی جیب میں روٹی کے ٹکڑے تھے۔ وہ کچھ دیر بعد روٹی کا ایک ٹکڑا کھانے اور بہلانے کے لیے مجھے دے دیتے تھے جب کہ میں ان کے کندھوں پر بیٹھی تھی۔" [۳]

دریائے گھگر

سیّد زین العابدین نے کہا: "قافلہ آہستہ آہستہ انبالہ کی طرف گامزن تھا۔ کھیتوں میں جگہ جگہ بارش کے پانی کی موجودگی اور عورتوں اور بچّوں کا ساتھ قافلہ کی سست رفتاری کا باعث تھے۔ سارا دن گزر گیا اور پھر رات بھی کھیتوں میں چلتے ہوئے بیت گئی۔ صبح ہوئی تو قافلہ والوں کا سامنا دریائے گھگر سے ہوا جس میں پانی ٹھاٹھیں مارتا ہوا بہہ رہا تھا۔ برسات کا موسم تھا اور اسی موسم میں یہ دریا بھرا ہوا چلتا تھا۔" [۴]

سیّد عادل حسین نے کہا: "قافلہ جب دریا کے کنارے پہنچا تو میرے والد (محمد مسلم) بہت تھک چکے تھے۔ انہوں نے سارے راستہ مجھے گود میں اٹھایا تھا۔ دریا کے کنارے پر انہوں نے میری ماں (شیریں فاطمہ) سے کہا: 'عادل کو دریا میں پھینک دیتے ہیں۔' میری ماں نے کہا: 'پھر میں بھی اس کے ساتھ مروں گی۔' میری ماں کا جواب سن کر میرے والد نے مجھے دریا میں نہیں پھینکا۔" [۵]

سیّد زین العابدین نے کہا: "دریا میں پانی جوان مردوں کے گلے تک گہرا تھا اور اس کا بہاؤ بھی بہت تیز تھا۔ عورتوں، بچّوں اور بوڑھوں کے علاوہ تیراکی سے نابلد جوان مردوں کے لیے بھی اپنا توازن قائم رکھتے ہوئے دریا پار کرنا ناممکن تھا۔ قافلہ میں جو لوگ تیرنا جانتے تھے وہ اپنے گھر والوں اور عزیزوں کو دریا پار کروانے لگے۔ مجھے بھی تیرنا آتا تھا۔ میں نے

---

۱ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ منڈی بہاؤالدین ـــ ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۲ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ منڈی بہاؤالدین ـــ ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء

۳ سیّدہ حاجرہ شمیم دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ ملتان ـــ ۲۴ مئی ۲۰۱۰ء

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۵ سیّد عادل حسین ولد محمد مسلم (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ راولپنڈی ـــ ۱۸ جون ۲۰۰۶ء

تیرنا اپنے گاؤں کے چھپڑ میں سیکھا تھا۔ میں نے دریا کے ۱۵، ۱۶ چکر لگائے اور اپنے گھر والوں اور عزیزوں کو دوسرے کنارے پر پہنچایا۔ یاور نے بھی اپنی اونٹنی پکڑ کر دریا کے چار پانچ چکر لگائے اور اپنے گھر والوں اور عزیزوں کو دوسرے کنارے پر پہنچایا۔" ①

سیّدہ نرجس خاتون نے کہا: "باقر کی اونٹنی ابھی تک ان کے ساتھ تھی۔ اس اونٹنی پر خاندان کی عورتوں کو بٹھا کر یاور نے دریا پار کروایا۔ اونٹنی کی پیٹھ پر تین خواتین بیٹھتی تھیں۔ جب میں نے دریا پار کیا تو میرے ساتھ ناصری زوجہ محسن اور سعیدہ زوجہ ہادی اونٹنی پر بیٹھیں۔" ②

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: "کچھ عورتیں اونٹنی پر بیٹھنے سے ڈرتی تھیں۔ انہوں نے اونٹنی کی پونچھ پکڑ کر دریا پار کیا۔ میں نے بھی اونٹنی کی پونچھ پکڑ کر دریا پار کیا۔" ③

سیّد علی نے کہا: "میرے والد (احمد حسین)، بہن کنیز اور میں نے باقر کی اونٹنی کے ساتھ باندھے گئے رسّوں کو پکڑ کر دریا پار کیا۔ پانی کا بہاؤ اتنا تیز تھا کہ اونٹنی جہاں سے دریا میں داخل ہوتی وہاں سے پانی کے بہاؤ کی طرف ایک میل دور جا کر دوسرے کنارے پر پہنچتی تھی۔ جو لوگ دریا پار کر لیتے وہ دوسرے کنارے پر قافلہ کے باقی افراد کے دریا پار کرنے کا انتظار کرتے تھے۔ اس طرح انہیں کچھ آرام کرنے کا موقع مل گیا۔ سُروں کے راجپوتوں کے پاس بھی کچھ اونٹ تھے۔ انہوں نے بھی قافلہ والوں کی دریا پار کرنے میں بہت مدد کی۔" ④

سیّد اسلم حسین نے کہا: "مظاہر حسین ولد بابو راکب عید کرنے سیدکھیڑی آیا تھا اور قافلہ کے ساتھ تھا۔ اس نے دریا پار کرنے میں اپنے خاندان والوں اور عزیزوں کی مدد کی۔ اس نے عورتوں سے کہا: 'پردہ تو ویسے ہی ختم ہو گیا ہے، اپنے دوپٹے مجھے دو۔' عورتوں نے دوپٹے اسے دے دیے۔ اس نے دوپٹوں کو باندھ کر ایک لمبا رسہ بنایا اور کہا: 'اِس کو پکڑ کر دریا میں اترنا ہے۔ جو بہہ گیا اسے بہنے دو۔ اسے بچانے کی کوشش کوئی نہ کرے۔' مظاہر پہلے دریا میں اترتا پھر باقی دوپٹے پکڑ کر دریا میں اترتے۔ اس طرح ہم نے دریا پار کیا۔" ⑤

سیّدہ نرجس خاتون نے کہا: "دریا پار کرتے ہوئے سیدکھیڑی والوں کو اطلاع ملی کہ ان کے گھروں کو ہندوؤں نے لوٹ لیا ہے۔ لوگوں نے اپنے گھروں پہ لگائے ہوئے تالوں کی چابیاں دریا میں پھینک دیں۔" ⑥

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۲-۲۷ جولائی ۲۰۰۸ء

۳ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

۴ سیّد علی ولد احمد حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۰ فروری ۲۰۱۱ء

۵ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۲۰ جولائی ۲۰۱۷ء

۶ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

نواحی انبالہ

سیّد زین العابدین نے کہا: ”سارے قافلہ والوں کو دریا پار کرنے میں پورا دن لگ گیا۔ قافلہ کے سب شرکاء نے بحفاظت دریا پار کر لیا۔ سارا دن پانی میں رہنے کی وجہ سے میرے پیروں کی نیچے والی جلد سکڑ گئی اور مزید سفر کافی تکلیف کا باعث بنا۔ ہزاروں افراد سُروں گاؤں سے انبالہ کے لیے چلے تھے۔ قافلہ کے سفر کی خبر اردگرد کے علاقوں میں سرعت سے پھیل گئی تھی۔ قافلہ والوں نے دریا کے پار چند مسلمانوں کو اپنا منتظر پایا۔ یہ مسلمان انبالہ کے دو نواحی دیہاتوں سارنگ پور اور نصیر پور کے رہنے والے تھے۔ وہ قافلہ والوں کو اپنے ساتھ لینے آئے تھے۔ انہوں نے قافلہ کے شرکاء کو بتایا کہ صبح فوج ان کے گاؤں میں آئے گی اور سب اس کی حفاظت میں انبالہ جائیں گے۔ دونوں گاؤں ایک دوسرے سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع تھے۔ آدھے قافلہ والے ایک گاؤں اور آدھے دوسرے گاؤں میں چلے گئے۔ سارنگ پور سیّدوں کا گاؤں تھا۔ قافلہ والے سُروں سے صبح چلے اور اگلے روز رات کو انبالہ کے نواح میں پہنچے تھے۔ سید کھیڑی کے مسلمانوں کو بے گھر ہوئے تو تین راتیں اور تین دن گزر گئے تھے۔ اس عرصہ میں کسی نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ سارنگ پور اور نصیر پور میں بھی ہزاروں افراد کے لیے بدامنی کے حالات میں مناسب کھانے کا انتظام کرنا کسی کے بس میں نہیں تھا۔ خوف و ہراس کے عالم میں ہر کنبے یا خاندان کے قریبی افراد ہی مشکل سے اکٹھے رہ سکے۔ باقی سب علیحدہ علیحدہ ہو گئے اور جس کو جہاں جگہ ملی رات گزارنے کے لیے پڑاؤ ڈال دیا۔ کھلے آسمان تلے اس رات بھی کوئی مشکل ہی سے سو سکا۔“ [۱]

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: ”سارے راستہ بارش ہوتی رہی۔ ایک گھڑی کے لیے بھی بند نہیں ہوئی۔ کپڑے اتنے گل گئے تھے کہ ہاتھ لگتا تو پھٹ جاتے تھے۔ راستہ میں ایک گاؤں میں ٹھہرے۔ بھوک کے مارے جان نکل رہی تھی۔ گاؤں والوں نے ہمیں ایک پرات آٹے کی دے دی۔ بھائی عزادار اور صابر نے کپڑے دھونے والے تسلے میں آٹا گوندھا۔ پھر تسلے کو الٹا کر کے اس پر بڑی اور موٹی روٹیاں پکائیں۔ سب کو ایک ہاتھ جتنا ٹکڑا حصّہ میں ملا جسے روکھا کھایا۔ دال تھی نہ پانی۔ تین دن بعد روٹی کا ٹکڑا کھانے کو ملا تھا۔“ [۲]

سیّدہ عزیز بانو کہتی تھیں: ”راستہ میں ایک جگہ ہم نے روٹیاں پکائیں تو کسی نے آدھی روٹی چھپا لی۔ اس آدھی روٹی پر لڑائی ہوئی۔ بہت مصیبت کا وقت تھا۔“ [۳]

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۸ اپریل ۲۰۱۸ء

۳ سیّدہ عزیز بانو زوجہ محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّدہ واجدہ خاتون دختر احسان علی بذریعہ فون — لاہور — ۱۳ دسمبر ۲۰۱۷ء

انبالہ آمد

سیّد زین العابدین نے کہا: ”اگلی صبح فوج آ گئی اور سب انبالہ کی طرف چل پڑے۔ قافلہ کی تعداد اب دوگنی سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ دو گھنٹے میں قافلہ انبالہ شہر کے باہر پہنچ گیا۔ شہر میں داخل ہونے سے پہلے فوجیوں نے سب مردوں سے حفاظت کے لیے پکڑے ہوئے ڈنڈے لے لیے۔ قافلہ والے نہتے انبالہ شہر میں داخل ہوئے۔ مہاجرین کا کیمپ شہر کی دوسری طرف لگا ہوا تھا۔ وہاں پہنچنے کے لیے قافلہ کو شہر سے گزر کے جانا تھا۔ انبالہ شہر کے شیعہ محلہ میں سیدکھیڑی کے سیّدوں کے دوسرے محلہ کے رہائشی محمد سالم کا گھر تھا۔ یہ گھر دراصل سالم کی پہلی بیوی کا تھا جو وفات پا چکی تھی۔ سیدکھیڑی کے سیّد قافلہ کے ساتھ کیمپ میں جانے کی بجائے سالم کے گھر چلے گئے۔ عورتوں کو گھر میں ٹھہرا دیا اور مرد اسی محلہ میں قریب ہی واقع امام بارگاہ میں ٹھہر گئے۔ سیدکھیڑی کا کوئی سیّد ہی قافلہ کے ساتھ کیمپ میں گیا ہو گا۔“ [۱]

سیّد قائم حسین نے کہا: ”انبالہ شہر میں داخل ہونے لگے تو میں نے دیکھا کہ ۱۰ ہندوؤں کا ایک گروہ آ رہا ہے۔ ان میں سے ایک ہندو مجھے بھالا مارنے لگا تو اس کے ایک ساتھی نے اس سے کہا: ’مارنا ہے تو کسی بڑے کو مار۔‘ اس طرح میری جان بچ گئی۔“ [۲]

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: ”میرے والد (باقر حسین)، چاچا (غلام عباس)، دونوں ماموں (نذر حسین و محمد یٰسین) اور ان کے کنبے سیدکھیڑی سے اجڑنے کے بعد انبالہ پہنچنے تک قافلہ کے سفر میں اکٹھے رہے۔“ [۳]

قتل، اغوا اور گمشدگیاں

قافلہ کے سُروں سے چلنے کے بعد انبالہ جانے والی سڑک کے قریب فائرنگ کی خوفناک آواز کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے انتشار نے قتل، اغوا اور بچھڑنے کے کم از کم مندرجہ ذیل واقعات کو جنم دیا:

قتل عام

حاجی محمد اسماعیل راجپوت نے کہا: ”قافلہ کے سُروں سے کچھ دور جانے کے بعد ہونے والی فائرنگ کے نتیجہ میں بھگدڑ مچی تو قافلہ کے پچھلے حصّہ سے تقریباً ایک ہزار افراد علیحدہ ہو کر واپس چل پڑے۔ میں بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ ان میں شامل تھا۔ ہم پہلے گپال گاؤں گئے جہاں سے مسلمان اجڑ رہے تھے۔ گپال کے مسلمانوں کو ساتھ لے کر ہم نے ایک

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّد قائم حسین ولد سید محمد عرف چھجو (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء

۳ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سیدکھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۸ اپریل ۲۰۱۸ء

اور مسلمانوں کے گاؤں میں پناہ لی۔ اس گاؤں کا نام مجھے یاد تھا۔ اب ذہن میں نہیں آ رہا۔ شاید جنیہڑی تھا۔ رات کو بلوائیوں نے اس گاؤں پر حملہ کر دیا۔ حملہ آوروں نے گاؤں کے مکانوں کو آگ لگا دی۔ مسلمان مرد، عورتیں اور بچّے جان بچانے کے لیے مکانوں سے باہر نکلے تو حملہ آوروں نے بھالوں، تلواروں اور نیزوں سے ان کا بے دریغ قتل عام کیا۔ خاندان کے خاندان ختم ہو گئے۔ تقریباً دو ہزار مسلمان اس گاؤں میں شہید ہوئے جن میں میرے گھر کے افراد بھی شامل تھے۔ مجھ سمیت گنتی کے چند افراد ہی بچ کر نکلے۔ ہم نے قریبی جنگل میں پناہ لی۔ قافلہ سے علیحدہ ہونے والے بد قسمت افراد کی بڑی اکثریت کا تعلق ہمارے گاؤں سُروں سے تھا۔ سید کھیڑی کا کوئی فرد اس میں شامل نہیں تھا۔ میں نے جنگل سے نکل کر ایک سکھ سے کہا: 'میرے گھر والے زیور لے کر انبالہ کیمپ میں گئے ہیں۔ اگر تم مجھے انبالہ کیمپ پہنچا دو تو میں وہ زیور تمہیں دے دوں گا۔' اس سکھ نے زیور کے لالچ میں مجھے انبالہ کیمپ پہنچا دیا۔ کیمپ کے باہر پہنچ کر اس نے مجھے کہا: 'جاؤ زیور لے آؤ۔' میں کیمپ میں داخل ہوا اور اس کی بھول بھلیوں میں غائب ہو گیا کیونکہ میرے گھر والے کیمپ میں تھے نہ ان کے پاس کوئی زیور تھا۔ دو تین دن کے بعد پاکستان جانے والی ٹرین کا اعلان ہوا تو میں اسٹیشن پر پہنچ گیا اور بہت زیادہ رش کے باوجود ٹرین کے ایک ڈبے کی چھت پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ بھوک پیاس برداشت کرتے ہوئے خوف و ہراس کی فضا میں پاکستان پہنچ گیا۔" [1]

محفوظن اور ان کے بچّوں کا قتل

سیّد خادم حسین نے کہا: "فائرنگ کے نتیجہ میں ہونے والی افراتفری کے بعد جب قافلہ کے شرکاء دوبارہ اکٹھے ہو رہے تھے تو میرے والد (محمد رمضان) کو ان کا ایک سکھ دوست چھہوڑ سنگھ ملا۔ چھہوڑ خیر پور گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اس نے میرے والد سے کہا: 'میں تمہارے بیوی بچّوں کو انبالہ پہنچا دیتا ہوں۔' میرے والد نے میری والدہ (محفوظن)، بھائیوں یاور و زائر اور بہنوں کنیز و شمیم کو چھہوڑ کے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کر لیا جب کہ میرے بھائی مسلم اور مجھے اپنے ساتھ قافلہ ہی میں رکھا۔ میرے والد کا خیال تھا کہ قافلہ پر تو کسی وقت بھی حملہ ہو سکتا ہے، کم از کم ان کی بیوی اور چار بچّے ہی خیریت سے نکل جائیں۔" [2]

سیّد قربان علی نے کہا: "میں اپنے والد (محمد یلیسین)، والدہ (عزیز بانو) اور بھائیوں (زین العابدین، عزادار حسین اور اصغر حسین) کے ساتھ کھڑا تھا کہ خالہ محفوظن میری والدہ کے پاس آئیں اور اپنی بہن سے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ خالہ محفوظن نے کہا: 'چھہوڑ ہمیں انبالہ پہنچا دے گا۔' میری والدہ نے کہا: 'میری تو ساری اولاد ہی یہاں ہے۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔' تاہم سید کھیڑی میں سیّدوں کے دوسرے محلہ کے رہائشی منظور حسین کی بیوی (سلمیٰ) اور بیٹی (امامی صغریٰ)

---

۱ حاجی محمد اسماعیل ولد محمد صوبہ راجپوت (سابق رہائشی سُروں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

۲ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

خالہ محفوظن کے ساتھ چلی گئیں۔“ ①

سیّد خادم حسین نے کہا: ”میری والدہ اور ان کے ساتھ جانے والے افراد چھوڑ کی حفاظت میں چل پڑے۔ یہ لوگ ابھی کچھ دور ہی گئے تھے کہ نچلی ذات کے کچھ ہندوؤں سے ان کا سامنا ہوا۔ ان ہندوؤں نے یاور پر حملہ کر دیا۔ چھوڑ نے حملہ آوروں کو ڈرایا دھمکایا جس کے نتیجہ میں وہ بھاگ گئے۔ لیکن اس حملہ میں یاور زخمی ہو گیا۔ چھوڑ نے زخمی یاور اور عورتوں اور بچّوں کے ساتھ ایک نزدیکی گاؤں میں اپنے ایک دوست کے ہاں پناہ لی۔ لیکن ان کی وہاں موجودگی کی خبر زیادہ دیر چھپ نہ سکی۔ اگلے روز صبح کے وقت سکھ بلوائیوں نے چھوڑ کے دوست کے گھر کو گھیر لیا۔ انہوں نے چھوڑ اور اس کے دوست کو باہر بلایا اور ان سے کہا: ’جو بھی مسلمان مرد تمہارے گھر میں ہیں انہیں ہمارے حوالہ کر دو تاکہ ہم انہیں قتل کر دیں۔‘ چھوڑ اور اس کے دوست نے بلوائیوں سے کہا: ’ہمارے پاس کوئی بھی مسلمان مرد نہیں ہے۔ ایک لڑکا ہے جو بہت شریف اور معصوم ہے اور تمہیں چاہیے کہ اس کی موجودگی کو نظر انداز کر دو۔‘ بلوائیوں نے کہا: ’ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ کوئی مسلمان مرد ہندوستان میں نہیں رہ سکتا۔ اس لڑکے کو ہمارے حوالہ کر دو۔ ہم اسے قتل نہیں کریں گے بلکہ دریا پار کروا دیں گے تاکہ وہ انبالہ کیمپ میں چلا جائے جہاں پاکستان جانے والے مسلمان اس علاقہ سے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ اگر تم ہماری بات نہیں مانتے تو ہم تمہیں بھی قتل کر دیں گے اور اسے بھی۔‘ بلوائیوں کی یہ باتیں سن کر چھوڑ اور اس کے دوست نے یاور کو ان کے حوالہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ گھر کے اندر آئے اور میری والدہ کو حالات سے آگاہ کیا اور یاور کو دریا پار کرنے کے لیے بلوائیوں کے ساتھ جانے کے لیے کہا۔ میری والدہ نے بھائی یاور سے جدا ہونے سے انکار کر دیا۔ ایک دن پہلے ان کے بیٹے کو ان کے سامنے زخمی کر دیا گیا تھا۔ انہیں یاور کے خیریت سے انبالہ پہنچنے کا یقین نہیں تھا۔ طرح طرح کے اندیشے ان کے دِل میں گھر کیے ہوئے تھے۔ جب یاور کے ساتھ میری والدہ اپنی کمسن بیٹی شمیم زہرا کو گود میں لیے ہوئے گھر سے باہر آئیں تو بلوائیوں نے کہا: ’عورتوں کو دریا پار نہیں کرنے دیا جائے گا۔‘ میری ماں نے کہا: ’جب میرا بیٹا دریا پار کر لے گا تو میں دریا کے کنارے سے واپس آ جاؤں گی۔ لیکن دریا تک اپنے بیٹے کے ساتھ ضرور جاؤں گی۔‘ میری ماں کی ضد کے باعث بلوائیوں نے انہیں یاور کے ساتھ آنے دیا۔ یاور چونکہ زخمی تھا اور پیدل نہیں چل سکتا تھا اس لیے اسے گھوڑے پر بٹھا دیا گیا جب کہ میری والدہ میری بہن کو اٹھائے ہوئے پیدل چلنے لگیں۔ بلوائیوں نے جھوٹ بول کر یاور کو گھر سے نکالا تھا۔ ان کا ارادہ یاور کو دریا پار کروانے کا ہر گز نہ تھا۔ جونہی وہ دریا کے کنارے پہنچے تو انہوں نے یاور کو کھینچ کر گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ یاور کو قتل کرنے کے لیے وار کرتے میری والدہ میری بہن کو اٹھائے ہوئے یاور پر گر گئیں۔ بلوائیوں نے کہا: ’مائی تو ہٹ جا ورنہ ہم تجھے بھی مار دیں گے۔‘ لیکن میری ماں یاور سے چمٹی رہیں اور رحم کی کچھ اپیلیں بھی کیں۔ حملہ آور بھالوں، کلہاڑیوں اور کرپانوں سے وار کرنے لگے۔ میری والدہ، بھائی اور کمسن بہن کی چیخ و پکار نے کسی کے دِل پر ذرّہ برابر بھی اثر نہ کیا اور سفاک قاتلوں نے انہیں شہید کر کے ان کی لاشیں دریائے گھگر میں بہا دیں۔“ ②

---

١ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ٧ جولائی ٢٠٠٥ء

٢ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ١٩ نومبر ٢٠٠٥ء

سیّد زائر حسین نے کہا: "مجھے اتنا یاد ہے کہ حملہ آوروں میں سے ایک نے بھائی یاور کے پیٹ میں بھالا مارا۔ میری ماں، بہن اور بھائی کو شہید کر کے دریا میں بہا دیا۔ میری عمر اس وقت چھ سال تھی اور میں اپنے والد کے دوست چمہوڑ جٹ کے کندھوں پر بیٹھا تھا۔ چمہوڑ جٹ مجھے لے کر دوڑ پڑا۔ اس نے اپنے گھر آ کر میری ٹنڈ کروا دی اور بودی بنوا دی۔ چمہوڑ کے دو لڑکے تھے۔ ایک لڑکا سردار سنگھ میرا ہم عمر تھا۔ میں اس کے ساتھ کھیلتا تھا اور جانور چَرانے بھی چلا جاتا تھا۔ چمہوڑ نے اپنے بیٹوں سے میرے بارے میں کہا تھا کہ اس کا خیال رکھنا ہے اور انہوں نے میرا خیال رکھا۔ میں نے وہاں حرام گوشت نہیں کھایا۔" [۱]

سیّد خادم حسین نے کہا: "چمہوڑ سنگھ زائر کو لے کر نکل گیا تھا۔ اس نے زائر کے سر پر بودی بنوائی تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ وہ مسلمان بچّہ ہے۔ پھر موقع پا کر زائر اور میرے والد کے بیگ کو لے کر انبالہ آیا اور انہیں میرے والد کے حوالہ کیا اور میری والدہ، بھائی اور بہن کے قتل کے بارے میں تفصیل سے ہمیں آگاہ کیا۔" [۲]

سیّد زین العابدین نے کہا: "خالہ محفوظن، ان کے بیٹے اور بیٹی کے شہید ہونے کی اطلاع قافلہ والوں کو انبالہ پہنچنے سے پہلے مل گئی تھی۔ اس سانحہ نے ہم سب کو افسردہ کر دیا تھا۔" [۳]

شبیر اور دوسرے افراد کا قتل

سیّد اسلم حسین نے کہا: "سید کھیڑی میں سیّدوں کے دوسرے محلہ کا مکین شبیر حسین فائرنگ کے بعد بھگدڑ کے دوران قافلہ سے بچھڑ گیا۔ سکھ بلوائیوں نے اسے قتل کر دیا۔ اس کی بیوی اور بچّے قافلہ والوں کے ساتھ انبالہ پہنچے۔ سید کھیڑی کا غلام محمد کمہار، اس کا بیٹا رمضان، زوجہ رمضان اور ان کے دو چھوٹے بچّے قافلہ سے علیحدہ ہو کر سکھ بلوائیوں کے ہاتھ چڑھ گئے۔ بلوائیوں نے ان سب کو قتل کر دیا۔ کولی کے ملتانیوں کا اونٹ گارے میں پھنس گیا۔ اس پر سامان لدا ہوا تھا۔ سید کھیڑی کا پھوڑا فقیر سامان اٹھانے کے لیے وہاں گیا۔ بلوائیوں نے اسے قتل کر دیا۔" [۴]

سیّد محمد امیر نے کہا: "جب گولی چلی اور کچھ لوگ قافلہ سے بچھڑ گئے تو میرے ابّا جی (شبیر حسین) بھی ہم سے بچھڑ گئے۔ وہ انبالہ آئے نہ پاکستان۔ وہ ہمارے سامنے قتل نہیں ہوئے۔ بس ہم نے اندازہ لگایا کہ وہ شہید ہو گئے۔" [۵]

سیّد اسلم حسین نے کہا: "فائرنگ کے بعد جب قافلہ دوبارہ چلا تو سید کھیڑی میں سیّدوں کے دوسرے محلہ کی مکین مبارکی بیگم عرف ماکھو پیچھے رہ گئی۔ ماکھو ضعیف اور نابینا تھی۔ اس کے بارے میں پتہ نہیں چل سکا کہ اس کے ساتھ کیا

---

۱ سیّد زائر حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ لاہور ــــ ۲۴ جون ۲۰۱۹ء
۲ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ کبیر والا ــــ ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء
۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء
۴ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ فیروز کے ناگرہ ــــ ۵ جولائی ۲۰۱۱ء
۵ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ لیہ ــــ ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

بیتی۔“ ①

عورتوں، بچّوں کا اغوا اور بازیابی

سیّد خادم حسین نے کہا: ”جب میری والدہ، بھائی اور بہن کو شہید کیا گیا تو میری بہن کنیز، سلمٰی زوجہ منظور حسین اور ان کی بیٹی صغریٰ چمہوڑ سنگھ کے دوست کے گھر میں پناہ گزین تھیں۔ شام کو پولیس گاؤں میں آئی اور جن مسلمان عورتوں، بچّوں نے وہاں پناہ لے رکھی تھی انہیں پکڑ کر لے گئی۔ پولیس نے جن مسلمان عورتوں کو پکڑ رکھا تھا ان میں سے جو سکھ مذہب اختیار کرنے اور کسی سکھ کے ساتھ زندگی گزارنے پر آمادہ ہوتی اسے رہا کر دیا جاتا تھا۔ انبالہ پہنچنے کے فوراً بعد منظور نے اپنی بیوی، بیٹی اور میری بہن کی بازیابی کی کوششیں شروع کر دیں۔ گنڈا سنگھ اور چمہوڑ سنگھ کا تعاون اسے حاصل تھا۔ منظور کے کہنے پر گنڈا سنگھ تھانہ جا کر سلمٰی سے ملا اور کہا: 'مجھے منظور نے بھیجا ہے۔ تم سکھ مذہب اختیار کرنے اور میرے ساتھ رہنے پر آمادگی کا بیان دو۔ میں تمہیں اور بچیوں کو منظور کے پاس پہنچا دوں گا۔' سلمٰی نے انکار کر دیا۔ گنڈا سنگھ نے واہ گرو کی قسم کھا کر اپنی بات کا یقین دلانے کی کوشش کی۔ سلمٰی پھر بھی تیار نہ ہوئی۔ میری والدہ، بھائی اور بہن کا قتل سلمٰی کے سامنے تھا۔ وہ کسی پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ گنڈا سنگھ نے واپس آکر منظور کو بتایا کہ سلمٰی اس پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس پر منظور نے سلمٰی کے نام ایک خط لکھا کہ گنڈا سنگھ اس کا با اعتماد دوست ہے اور یہ کہ سلمٰی اس کے ساتھ رہنے پر آمادگی کا بیان دے۔ تاکہ گنڈا سنگھ ان تینوں یعنی سلمٰی، صغریٰ اور کنیز کو وہاں سے نکال سکے۔ منظور نے یہ بھی لکھا: 'بعدازاں میں خود تمہیں لینے پہنچ جاؤں گا۔' یہ خط منظور نے گنڈا سنگھ کے حوالہ کیا اور اسے دوبارہ سلمٰی کے پاس بھیجا۔ سلمٰی نے جب منظور کا خط دیکھا اور تحریر پہچانی تو بچیوں کے ساتھ گنڈا سنگھ کے ہمراہ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ سلمٰی کے بیان کے بعد گنڈا سنگھ ان تینوں کو لے کر تھانہ سے باہر آیا جہاں اس کے کچھ اور سکھ دوست بھی موجود تھے۔ گنڈا سنگھ اور اس کے دوست سلمٰی اور دونوں بچیوں کو چمہوڑ سنگھ کے گھر لے آئے، انہیں ایک کمرہ میں چھپا دیا اور ان سے کہہ دیا کہ وہ اونچی آواز سے نہ بولیں تاکہ اردگرد کے رہنے والوں کو ان کی خبر نہ ہو۔ اس وقت کسی مسلمان کو پناہ دینا ایسا 'جرم' تھا کہ جس کی پاداش میں پناہ گزین کے ساتھ پناہ دینے والے کو بھی قتل کر دیا جاتا تھا۔ پھر گنڈا سنگھ منظور کو لینے کے لیے انبالہ آیا۔ منظور نے سکھوں کا بھیس بدلا اور گنڈا سنگھ کے ساتھ آدھی رات کے وقت چمہوڑ سنگھ کے گھر پہنچا۔ صبح سویرے ایک گڈے پر چارہ لاد کر عورتوں کو اس میں چھپا دیا۔ اس طرح منظور اپنے با اعتماد سکھ ساتھیوں کے ساتھ اپنی خواتین کو لے کر واپس انبالہ پہنچا۔“ ②

سیّدہ کنیز زہرا نے کہا: ”میری والدہ، بھائی اور بہن کو سکھوں نے شہید کر دیا تھا۔ اس وقت ہم ان کے ساتھ نہیں تھے۔ میرے ابّا جی کے سکھ دوست چمہوڑ سنگھ نے ہمیں ان کے قتل کے بارے میں بتایا۔ بعدازاں چمہوڑ سنگھ ہی ہمیں چڑی

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

۲ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

میں چھپا کر گڈے پر انبالہ چھوڑ گیا۔" ①

سیّد اسلم حسین نے کہا: "فائرنگ کے بعد لوگ بھاگے تو کئی عورتیں اور بچّے قافلہ سے علیحدہ ہو گئے اور انہیں ہندوؤں اور سکھوں نے پکڑ لیا۔ ان میں دومو زوجہ اعجاز اور ان کا چار-سالہ بیٹا مجاہد بھی شامل تھے۔ دومو کا بھائی مسلم اپنی بہن اور بھانجے کو چھڑوا کر لے آیا۔ مسلم ہمیں بتاتا تھا کہ وہ کڑا پہن کر (بھیس بدل کر) رات کو سید کھیڑی میں روڈو چمار کے پاس گیا اور اسے کہا: 'نیل پور کے چھجو نمبردار کو بلا کر لا۔' سکھ نمبردار آیا تو مسلم کو دیکھ کر ایک دفعہ تو اسے پسینہ آ گیا۔ اس نے کہا: 'تو یہاں کیوں آیا ہے۔' مسلم نے کہا: 'مجھ پہ وقت پڑا ہے۔ وڈ (کاٹ) دے یا بچا لے۔' پھر کہا: 'میری بہن رہ گئی ہے۔' نمبردار نے کہا: 'نہیں! میں تیری مدد کروں گا۔' وہ مسلم کو اپنے گھر لے گیا اور اس گاؤں کا پتہ لگایا جس میں دومو اور دوسری عورتوں کو ایک گردوارہ میں بند کر کے رکھا ہوا تھا۔ مسلم اس گاؤں کا نام بھی بتاتا تھا۔ مجھے یاد نہیں رہا۔ مسلم کہتا تھا: 'میں نے گردوارہ کی حفاظت پر مامور گورکھوں کو چار شراب کی بوتلیں، کپڑا اور کچھ پیسے دیے۔ رات کو جب نکلنا تھا تو جن گورکھوں کو رشوت دی تھی وہ تبدیل ہو گئے اور دوسری پارٹی آ گئی۔ جب انہیں بتایا کہ دن والوں سے بات طے ہو گئی تھی تو انہوں نے کہا کہ ہمیں بھی مال دو۔ میں نے کہا کہ تمہیں کل دے دوں گا تو انہوں نے کہا کہ پھر کل ہی آنا۔' انبالہ کیمپ میں کرنال کا ایک رنگڑ تھا جس کے پاس لال ڈبی گھوڑی تھی۔ وہ رات کو گھوڑی پر بیٹھ کر کیمپ سے نکلتا اور انبالہ کے نواح میں اِکا دُکا سکھ ملتے تو انہیں کاٹ دیتا تھا۔ اس پر بھی کافی طوفان اٹھا تھا۔ مسلم نے اس رنگڑ سے بات کی اور ایک اور رنگڑ کو ساتھ لیا۔ پھر گئے تو راستہ بھول گئے۔ ستارے دیکھ کر سمت کا تعین کیا اور اس گاؤں میں پہنچ گئے۔ مسلم گردوارہ کے اندر گیا تو وہاں کئی عورتیں تھیں۔ مسلم نے دومو کو آواز دی اور دومو نے جواب دیا۔ مسلم نے ہاتھ کے اشارے سے دومو کو خاموش رہنے کا کہا۔ پھر اپنی بہن اور بھانجے کو نکال کر لے آیا۔ ہمارے گاؤں کے لوگ کہتے تھے کہ اپنی بہن کو لانے کے لیے مسلم نے جس طرح خطرات کی پرواہ نہیں کی ایسا عمل کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔" ②

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: "ہمارے قافلہ کے انبالہ پہنچنے کے بعد مسلم نے اپنے اوپر کھانا پینا حرام کر لیا تھا جب تک کہ وہ اپنی بہن کو اپنے دوستوں کی مدد کے ساتھ لے نہیں آیا۔" ③

سیّد اسلم حسین نے کہا: "انوری زوجہ تجمل، اس کی دو بیٹیاں ثریا اور رضیہ، بیٹا خادم، انوری کی بہنیں سیدو اور اکبری دختران تحور اور گھگر سرائے سے ان کے ہاں مہمان آئی ہوئی ایک لڑکی بھی پیچھے رہ جانے والوں میں شامل تھیں جنہیں سکھوں نے اغوا کر لیا تھا۔ انوری، اس کے تین بچّوں اور سیدو کو پٹیالہ کا سابق وزیر سیّد حسن ایک سال بعد واپس لایا۔ پاکستان اور ہندوستان کی حکومتوں میں پیچھے رہ جانے والی عورتوں اور بچّوں کی واپسی کے معاہدہ کے بعد سیّد حسن ٹرک لے کر جاتا تھا

---

۱ سیّدہ کنیز زہرا دختر محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲۷ اپریل ۲۰۰۶ء

۲ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۲۰ جولائی ۲۰۱۷ء

۳ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد

اور مسلمان عورتوں اور بچّوں کو واپس لاتا تھا۔ وہ بہت عورتوں کو واپس لے کر آیا لیکن اکبری اور گھگر سرائے سے آئی ہوئی مہمان لڑکی نہیں ملیں اور آج تک پتہ نہ چل سکا کہ ان کے ساتھ کیا بیتی۔" [۱]

سیّدہ تسنیم اختر نے کہا: "انوری، سیدو اور اکبری کے ساتھ پیچھے رہ جانے والی گھگر سرائے سے آئی ہوئی مہمان لڑکی ان کے ماموں کی بیٹی رقیہ تھی۔" [۲]

سیّدہ نرجس خاتون نے کہا: "فائرنگ کے بعد جب بہت سے لوگوں نے کھیتوں میں اُگی ہوئی فصلوں میں پناہ لی تو میرے والد کو کماد کے ایک کھیت سے کلثوم عرف بھورو زوجہ محمد سالم کی اپنے بچّوں کے ساتھ بولنے کی آواز آئی۔ میرے والد اُدھر گئے تو دیکھا کہ بھورو اپنے دونوں بچّوں، حسنین اور مسیتی، اور ٹرنک کے ساتھ کماد میں پناہ لیے بیٹھی ہے۔ میرے والد (نذر حسین) نے اسے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ بھورو نے کہا: 'میرے ماموں ٹھسکہ سے آئیں گے، ان کے ساتھ جاؤں گی۔' میرے والد نے کہا: 'اِس وقت کوئی کسی کا نہیں۔ تم قافلہ کے ساتھ چلو۔ اگر قافلہ والے مارے گئے تو ہم بھی مارے جائیں گے۔ اگر وہ بچ گئے تو ہم بھی بچ جائیں گے۔' بھورو نے کہا: 'اِس ٹرنک کا کیا کروں۔' میرے والد نے کہا: 'قیمتی چیزوں اور کپڑوں کی گٹھڑی باندھ لو۔'" [۳]

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: "جب ساڈھورہ کا محمد زاہد اپنے ساتھیوں کے ساتھ کلثوم عرف ثمی (بھورو) کو لینے گیا تو ثمی نے کہا: 'میرے پاس ایک ٹرنک تھا اور اس میں زیور تھا۔ مجھے وہ بھی واپس دلایا جائے۔' سکھوں نے زیور کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ زاہد نے دباؤ ڈالا تو تلافی کے طور پر سکھوں نے ایک سو روپے اکٹھے کر کے دیے۔ میرے بھائی ناصر کی بیوی سروری کو بھی میرے والد کے کہنے پر زاہد ہی لے کر آیا۔ زاہد نے عورتوں کی بازیابی کے سلسلہ میں بہت مدد کی۔ وہ ساڈھورہ کا رئیس تھا اور پولیس اور دوسرے سرکاری محکموں میں اثر رکھتا تھا۔ وہ اغوا کرنے والے سکھوں تک اپنی دھمکیاں پہنچاتا تھا کہ اگر انہوں نے اس کے عزیز و اقارب کو نہ چھوڑا تو وہ ان کو نہیں چھوڑے گا۔" [۴]

سیّدہ نرجس خاتون نے کہا: "سالم کی بیوی کلثوم عرف بھورو اپنی بیٹی مسیتی اور بیٹے حسنین کے ساتھ قافلہ سے علیحدہ ہو گئی تو اسے کچھ سکھ ملے جن کا تعلق بھور سے تھا اور انہیں وہ ماما کہتی تھی۔ بھورو کے پاس ایک ٹرنک تھا جس میں کپڑوں کے علاوہ پیسے اور زیور بھی تھے۔ وہ ٹرنک سکھوں نے اس سے لے لیا اور واپس نہ کیا۔ جب بھورو اور اس کے بچّے انبالہ پہنچے تو انہوں نے سکھوں والا لباس پہنا ہوا تھا۔" [۵]

سیّد اسلم حسین نے کہا: "جب قافلہ والوں نے خطرے کے پیش نظر گڈے چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو منظور کی والدہ

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ فیروز کے ناگرہ ـــ ۲۰ جولائی ۲۰۱۷ء

۲ سیّدہ تسنیم اختر دختر مسلم حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ لاہور ـــ ۱۸ دسمبر ۲۰۱۱ء

۳ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ منڈی بہاؤالدین ـــ ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء

۴ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ اسلام آباد ـــ ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

۵ سیّدہ نرجس خاتون زوجہ عزادار حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ منڈی بہاؤالدین ـــ ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

گڈے پر بیٹھی رہ گئی اور قافلہ چلا گیا۔ قافلہ جانے کے بعد قریب گھومنے والے سکھوں نے آکر گڈوں پر موجود سامان لوٹ لیا اور گڈوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ایک سکھ نے منظور کی والدہ کو پہچان لیا اور اسے منظور کے دوست گنڈا سنگھ کے پاس پہنچا دیا۔ گنڈا سنگھ نے منظور کی والدہ کو انبالہ پہنچا دیا۔" [1]

بچھڑنے کے واقعات

سیّد قربان علی نے کہا: "جب فائرنگ کی آواز کے نتیجہ میں قافلہ کے شرکاء افراتفری کا شکار ہوئے تو میں نے اپنی والدہ (عزیز بانو) کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ ایک کھیت کے گرد کانٹوں والی باڑ لگی ہوئی تھی۔ بھگدڑ کے دوران کانٹوں والی باڑ کراس کرتے ہوئے میری والدہ کا ہاتھ مجھ سے چھوٹ گیا اور ہجوم کے باعث میں اپنے گھر والوں سے بچھڑ گیا۔ لوگ خوفزدہ حالت میں بھاگ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد مجھے اپنے تایا نذر حسین مل گئے۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لے لیا۔" [2]

سیّد زین العابدین نے کہا: "میرے چھوٹے بھائی قربان کا گم ہونا ہم سب گھر والوں کے لیے بہت پریشانی کا باعث بنا۔ میرے بھائی عزادار، اصغر اور میں مختلف سمتوں میں جا کر اسے ڈھونڈتے رہے اور بلند آواز سے اس کا نام لے کر پکارتے رہے لیکن ہماری یہ کوششیں کامیاب نہ ہوئیں۔" [3]

سیّد قربان علی نے کہا: "میری گمشدگی کے دوران سید کھیڑی کے سیّدوں کے دوسرے محلہ کے رہائشی صادق نابینا نے میرے بھائیوں سے کہا: 'تم سے اپنا چھوٹا بھائی بھی نہ سنبھالا گیا۔' یہ سن کر بھائی اصغر نے رونا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد میں اپنے تایا کے ساتھ اپنے گھر والوں سے آ ملا۔ اس واقعہ کے بعد بھائی زین العابدین نے میری ذِمّہ داری لی، میرا ہاتھ پکڑ لیا اور انبالہ تک مجھے اپنے ساتھ رکھا۔" [4]

سیّد علی نے کہا: "فائرنگ کے بعد ہونے والی افراتفری کے دوران میری والدہ (کاظمی)، بھائی ہاشم اور جعفر اور بہنیں انیس اور ہاشمی ہم سے بچھڑ گئے۔ میں اپنے والد (احمد حسین) کے ساتھ تھا۔ میری بہن کنیز، بھائی ہادی اور ان کی زوجہ سعیدہ بھی ہمارے ساتھ تھیں۔ میرے والد اور ہم سب میری والدہ اور بہن بھائیوں کے بچھڑنے کی وجہ سے سخت پریشان تھے۔ بہرحال قافلہ چلا تو ہم قافلہ کے ساتھ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ قافلہ دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ دریا پار کرنے کے بعد جب قافلہ چلا تو میری والدہ اور بہن بھائی ہمیں مل گئے۔ میری والدہ اور ان کے ساتھ میری بہنوں اور بھائیوں نے سُروں والوں کے اونٹوں کے ذریعہ دریا پار کیا۔" [5]

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۵ جولائی ۲۰۱۱ء

۲ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۴ سیّد قربان علی ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — منڈی بہاؤالدین — ۲۱ اپریل ۲۰۱۱ء

5 سیّد علی ولد احمد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۰ فروری ۲۰۱۱ء

سیّد اسلم حسین نے کہا: ”میرے دادا (صادق حسین)، جو نابینا تھے، نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ میرے باپ (حامد حسین) کے گلے میں بنیان تھی اور اس نے دھوتی باندھی ہوئی تھی۔ میرے باپ نے میری پھوپھی صغیرن کو کمر پہ اٹھایا ہوا تھا کیونکہ وہ بیمار تھی۔ میری پھوپھی کے دس دن پہلے ایک بیٹی ہوئی تھی۔ وہ بیٹی کی پیدائش سے پہلے سید کھیڑی آ گئی تھی اس لیے قافلہ میں ہمارے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے بعد جب لوگ بھاگنے لگے تو میرے باپ نے میرے دادا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے کہا: 'اگر تو نے اسے چھوڑا تو میں تجھے مُکا (ختم کر) دوں گا۔' میرا چاچا ہادی اپنے بیٹے ابن کو لے کر نکل گیا۔ ہم سب بچھڑ گئے۔ اس افراتفری کے دوران میرے دادا نے کہا: 'مجھے گڈے کے پاس لے چل۔' میں نے کہا: 'سکھ ہمیں مار دیں گے۔' دادا نے کہا: 'اب تو اور میں رہ گئے ہیں۔ مار دیں گے تو مار دیں۔ تو گڈے کے پاس چل۔' میں خوف کی وجہ سے کھڑا رہا۔ پھر دادا کے بار بار کہنے پر گڈے کی طرف چلا۔ دادا نے میری قمیض کا کالر پکڑ لیا۔ ہم گڈے کے پاس پہنچے تو دادا نے مجھے گڈے کے ایک پہیہ کے ساتھ لٹا دیا اور خود گڈے پر چڑھ گیا۔ اس نے سامان میں سے زیور اور پیسے نکالے۔ مبلغ ۱۸۰۰ یا ۱۹۰۰ روپے تھے۔ پھر تین کھیس نکالے۔ زیور، پیسے اور کچھ کپڑے کھیسوں میں لپیٹ کر گٹھڑی باندھ لی اور اپنی کمر پر رکھ لی۔ پھر وہ نیچے اتر آیا۔ دادا اور میں قافلہ سے بچھڑ گئے۔ سارا دن چلتے رہے۔ ہم راستہ میں چھلیاں توڑ کر کھاتے تھے۔ ایک جگہ میں نے ایک گاؤں کو اجڑتے ہوئے دیکھا۔ آگے گئے تو میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو ایک عورت اور دو بچّوں کے ساتھ جا رہا تھا۔ میں دادا کو لے کر اس طرف گیا۔ نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ وہ آدمی سکھ ہے۔ ہم چری میں چھپ گئے۔ میں پودے ہٹا کر جھانک کر دیکھتا تھا۔ دادا اور میں رات کو بھی چلتے رہے۔ صبح ہمیں قافلہ مل گیا اور میرا باپ بھی مل گیا۔ میرا چاچا اور اس کے گھر والے ہمیں انبالہ میں ملے۔“ [1]

سیّد زین العابدین نے کہا: ”وہ فائرنگ جس کی خوفناک آواز نے قافلہ والوں کو دہشت زدہ اور درہم برہم کر دیا تھا ان فوجیوں نے کی تھی جو مسلمان مہاجرین سے بھری ہوئی ایک ٹرین کو پاکستان لے کر جا رہے تھے۔ ٹرین کی پٹڑی سڑک کے متوازی اور قریب سے گزرتی تھی۔ (قافلہ والوں نے ریلوے لائن کراس کر کے سڑک پر چڑھنا تھا۔) جب قافلہ ریلوے لائن اور سڑک کے قریب پہنچا تو اسی وقت مسلمان مہاجرین کی انبالہ سے پاکستان جانے والی ٹرین بھی وہاں سے گزری۔ سڑک پر جگہ جگہ سکھ بلوائی گھوم رہے تھے۔ بلوائیوں نے ٹرین روک کر اس پر حملہ کرنا چاہا۔ ٹرین کی حفاظت پر مامور فوجیوں نے زبردست فائرنگ کی جس کے نتیجہ میں بلوائی بھاگ گئے اور ٹرین خیریت سے گزر گئی۔ کیونکہ قافلہ بھی عین اس وقت دوسری سمت سے ٹرین کی پٹڑی کے قریب پہنچ گیا تھا اس لیے قافلہ والے سمجھے کہ سکھ بلوائیوں نے ان پر حملہ کر دیا ہے۔“ [2]

اگر فائرنگ کا واقعہ ظہور پذیر نہ ہوتا تو قافلہ انبالہ جانے کے لیے سڑک کا راستہ اختیار کرتا۔ سڑک پر بلوائی موجود تھے اور ان کے لیے سڑک پر جاتے ہوئے قافلہ کو گھیر کر حملہ کرنا آسان تھا۔ جو بلوائی ٹرین پر حملہ کرنے کی کوشش کر سکتے

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۲۰ جولائی ۲۰۱۷ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

تھے وہ سڑک پر جانے والے مسلمانوں کے قافلہ کو کیسے جانے دیتے۔ سڑک پر حملہ ہونے کی صورت میں قافلہ والوں میں سے شاید ہی کوئی بچ کر نکل پاتا۔

انبالہ میں زندگی

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: ''انبالہ میں سالم کے گھر میں قیام کے دوران کھانے کے وقت ہر ایک سے پوچھ لیا جاتا تھا کہ اس نے کتنی روٹیاں کھانی ہیں تاکہ آٹا اتنا ہی گوندھا جائے جتنی ضرورت ہے۔ حالات ایسے تھے کہ تھوڑے سے آٹے کے ضائع ہونے کا متحمل نہیں ہوا جا سکتا تھا۔ ہر فرد عموماً دو روٹیاں کھانے کی خواہش ظاہر کرتا تھا۔'' [۱]

سیّد زین العابدین نے کہا: ''سید کھیڑی سے نکلتے وقت ہر کنبہ کے افراد گھر میں موجود زیور اور پیسے ساتھ لے آئے تھے۔ وہ انبالہ میں ان کے کھانے پینے کے کام آئے۔ ہر کنبہ یا خاندان نے اپنا کھانے کا انتظام کیا۔'' [۲]

سیّد محمد محسن نے کہا: ''انبالہ شہر میں آٹے کی کمی تھی اور یہ عموماً ڈپوؤں پر راشن کارڈ دکھا کر محدود مقدار میں ملتا تھا۔ میرا ایک دوست پریتم سنگھ انبالہ کے محکمہ جرائم پیشہ میں کام کرتا تھا۔ اس نے مجھے تین راشن کارڈ دیے۔ یہ راشن کارڈ ان مسلمانوں کے تھے جو انبالہ کے رہنے والے تھے اور ہجرت کر کے لاہور جا چکے تھے۔ میں یہ راشن کارڈ دکھا کر آٹا، کھانڈ اور چاول وغیرہ لے آتا تھا۔ میرے ذِمّہ پانی اور لکڑیاں لانا بھی تھا۔'' [۳]

سیّد اسلم حسین نے کہا: ''میں نے انبالہ میں دیکھا کہ زین العابدین اور ہادی اپنے خاندان والوں کے لیے راشن لے کر آتے تھے۔'' [۴]

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: ''انبالہ شہر میں پانی کی کمی تھی۔ کچھ ہی دنوں میں مردوں اور عورتوں کے سر جوؤں سے بھر گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مرد جب وضو کرنے کے لیے قمیض کی کفیں الٹتے تو نیچے سے جوئیں نکلتی تھیں۔ عورتیں جب آٹا گوندھتیں یا گوندھے ہوئے آٹے کا پیڑہ بناتیں تو ان کے سروں اور کپڑوں میں موجود ہزاروں جوؤں میں سے کتنی ہی آٹے میں گر جاتی تھیں۔ جو نظر آتیں نکال دیتے تھے، جو نظر نہ آتیں وہ روٹی کا حصّہ بن کر کھانے والوں کے پیٹ میں چلی جاتی تھیں۔'' [۵]

---

۱ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

۲ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۳ سیّد محمد محسن ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — انٹرویو کیسٹ — (گفتگو ہمراہ سیّد امجد علی رضا ولد عبد العلی و سیّد انتظار مہدی ولد محمد حسین بالمشافہ) — جھنگ

۴ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۲۰ جولائی ۲۰۱۷ء

۵ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء

سیّد زین العابدین نے کہا: ”اگرچہ حالات کافی ابتر تھے پھر بھی کیمپ کی نسبت سالم کے گھر اور نزدیکی امام بارگاہ میں زندگی کچھ کم تکلیف دہ انداز میں گزر رہی تھی۔ کیمپ میں تو بیت الخلاء نہ ہونے کی وجہ سے خیموں کے باہر جگہ جگہ انسانی گندگی اتنی تھی کہ چلنا اور سانس لینا بھی مشکل تھا۔“ ①

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: ”سالم کے جس گھر میں سید کھیڑی کے سیّدوں کی خواتین کو ٹھہرایا گیا وہ دو منزلہ تھا اور اس میں کئی کمرے تھے۔ مرد جو اسی محلہ کی امام بارگاہ میں ٹھہرے تھے کھانا کھانے کے لیے یا ضروری اشیاء پہنچانے کے لیے ہی عورتوں کی رہائش گاہ میں آتے تھے۔ الٰہی بخش خاندان کی عورتوں کو اوپر کی منزل کے دو کمرے دیے گئے تھے۔ ہم سب نیچے فرش پر لیٹتے تھے۔ اپنے خاندان کے لیے عموماً حبیبہ اور میں پیڑے بناتی تھیں اور سیّدہ اور صابرہ روٹی پکاتی تھیں۔ جعفر کی بیوی (فاطمہ) بھی پہلے اوپر کی منزل پر تھی لیکن بعد میں نچلے حصّہ میں چلی گئی تھی۔ وہ عموماً اپنے حصّہ کی خوراک اپنے چار بیٹوں کو کھلا دیتی تھی۔ میری والدہ (ذکی) اور مامی (عزیز بانو) دو روٹیاں نہیں کھا سکتی تھیں لیکن وہ اپنے لیے دو دو روٹیاں بنواتی تھیں اور اپنے حصّہ میں سے بچا کر جعفر کی بیوی کے پاس بھیج دیتی تھیں۔ تاہم کم خوراکی کے باعث جعفر کی بیوی چند ہی دنوں میں بہت کمزور ہو گئی اور اس کی حالت تیزی سے بگڑ گئی۔ بہت جلد اس کی زندگی کا آخری دن بھی آ پہنچا۔ اس دن اسے کچھ کھلانے کی کوشش کی گئی لیکن وہ کھا سکی نہ پانی اس کے گلے سے نیچے اترا۔ وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملی۔ اس کا انتقال صبح کے وقت ہوا۔ سب نے مل جل کر اس کے لیے کفن کا انتظام کیا۔“ ②

سیّد علی نے کہا: ”میری والدہ نے جعفر کی زوجہ فاطمہ کو غسل دیا اور سالم کی زوجہ شیریں نے اسے کفن پہنایا۔“ ③

سیّد زین العابدین نے کہا: ”شام کو کرفیو میں وقفہ کے دوران جعفر حسین کی زوجہ کی میّت کو لے جا کر جلدی سے دفن کر دیا۔ کرفیو کا وقفہ ختم ہونے سے پہلے سب واپس آ گئے۔“ ④

سیّد زائر حسین نے کہا: ”منظور کی والدہ جعفری کا انتقال بھی سید کھیڑی والوں کے انبالہ میں قیام کے دوران ہوا۔“ ⑤

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: ”یاور، صابر، محسن، عزادار اور زین العابدین ڈپو سے آٹا لے کر آتے تھے جو دو وقت چلتا تھا۔ پھر چاچا غلام عباس اپنے کنبہ کو لے کر علیحدہ مکان میں رہنے لگے۔ وہاں ۱۵ دن بعد عبد العلی پیدا ہوا۔ ہمارا کنبہ، ماموں

---

۱ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۲ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء، ۸ جون ۲۰۰۸ء، ۸ اپریل ۲۰۱۸ء

۳ سیّد علی ولد احمد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۷ مارچ ۲۰۱۱ء

۴ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

۵ سیّد زائر حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۴ جون ۲۰۱۹ء

یٰسین اور ماموں نذری کے کنبے سالم کے گھر میں ہی رہے جہاں اور بھی کئی کنبے رہتے تھے۔“ [1]

سیّدہ رضوانہ خاتون نے کہا: ”میرے دادا (غلام عباس) کا جاننے والا ایک کمبوہ تھا جس کا گھر انبالہ میں تھا۔ اس نے کہا کہ اس کے گھر میں رہو تو میرے دادا ہمیں لے کر اس کے گھر میں رہنے لگے کیونکہ جہاں دادا باقر رہتے تھے وہاں تو بہت رش تھا۔ ہماری پھوپھیاں (سیّدہ خاتون و صابرہ خاتون) بھی ہمارے ساتھ تھیں۔ پھر ہمارا بھائی عبد العلی پیدا ہوا تو دادا بہت خوش ہوئے۔ کسی کو بلا کر اس کی حجامت کروائی۔ دادا نے پیسے دیے تو حجامت کرنے والے نے کہا: ’مجھے تھوڑے پیسے دیے ہیں۔ میں تو یہ بال رکھ لوں گا۔ دیوالی آنے والی ہے، وہاں بیچ دوں گا۔ وہ تو بڑے شوق سے لیں گے۔‘ میرے دادا خوب اونچے لمبے تھے۔ انہوں نے اٹھ کر اس کی جیبوں کی تلاشی لی۔ پھر اسے کچھ اور پیسے دیے۔“ [2]

سیّد محمد محسن نے کہا: ”انبالہ میں میرا بیٹا عبد العلی پیدا ہوا۔ اس کی ماں (ناصری خاتون) کو ہیضہ ہو گیا۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ اسے شربت پلایا۔ بہرحال وہ ٹھیک ہو گئی۔“ [3]

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: ”میرا بھائی یاور اپنی اونٹنی ساتھ لے کر آیا تھا جسے اس نے انبالہ شہر میں ایک سو روپے کے عوض بیچ دیا۔“ [4]

سیّد خادم حسین نے کہا: ”انبالہ میں ایک نُور محمد راجپوت رہتا تھا جو منظور کا دوست تھا۔ نُور کا بیٹا میرے بھائی یاور کا ہم جماعت تھا۔ نُور کو جب سید کھیڑی کے سیّدوں کے انبالہ پہنچنے کی اطلاع ملی تو وہ سالم کے گھر آیا اور ہمیں (منظور، رمضان اور ان کے کنبوں کو) اپنے ساتھ لے گیا۔ ایک دن تو ہم ایک چھوٹے سے گھر میں رہے۔ اگلے دن نُور نے ہمارے لیے بڑے گھر کا انتظام کر دیا۔ انبالہ میں بینک آف انڈیا (اشتمال اراضی) کرنال کا دفتر تھا جس میں یاور مرحوم ملازم تھا اور وہیں اس کی رہائش تھی۔ بد قسمتی سے وہ سید کھیڑی کے اجڑتے وقت انبالہ کی بجائے گاؤں میں تھا۔ میں اپنے مرحوم بھائی یاور کی رہائش گاہ پر گیا اور وہاں سے اس کے کپڑے، بستر، بیگ اور کوٹ وغیرہ لیے۔ وہاں مجھے بینک کا ہندو چپڑاسی پوربیا ملا اور بہت رویا۔ اس نے کہا: ’یاور مجھے اپنا باپ سمجھتا تھا۔‘ اس نے یاور کے قتل پر گہرے دکھ کا اظہار کیا اور مرحوم کی بہت تعریف کی۔“ [5]

سیّد محمد امیر نے کہا: ”انبالہ میں ہم کیمپ میں رہے تھے۔ میری خالہ (بشیرن) اور خالو (سید محمد) اور ان کے بچے بھی ہمارے ساتھ کیمپ میں تھے۔ میرا رشتہ میں ایک ماما تسلیم ولد ٹنڈو انبالہ میں رہتا تھا۔ وہ کوئی کاروبار کرتا تھا۔ میں کیمپ

---

۱ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد/راولپنڈی — ۲۴ مئی ۲۰۰۷ء، ۱۱ جولائی ۲۰۰۸ء

۲ سیّدہ رضوانہ خاتون دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۹ جولائی ۲۰۱۸ء

۳ سیّد محمد محسن ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — انٹرویو کیسٹ — (گفتگو ہمراہ سیّد امجد علی رضا ولد عبد العلی و سیّد انتظار مہدی ولد محمد حسین بالمشافہ) — جھنگ

۴ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۱۱ جولائی ۲۰۰۸ء

۵ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

سے چھپ کر اس کے گھر گیا۔ دیکھا تو وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ کسی سے پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ چلے گئے ہیں۔ میں پھر کیمپ میں واپس آ گیا۔ پاکستان آکر ماما تسلیم ہمیں نہیں ملا۔ پتہ نہیں مر گیا یا زندہ ہے۔" [۱]

سیّد اسلم حسین نے کہا: "ہم انبالہ کے اس محلہ میں نہیں ٹھہرے جس میں سالم کا گھر تھا اور جہاں سید کھیڑی کے باقی سیّد ٹھہرے تھے۔ ہم دوسرے محلہ میں ٹھہرے جس کا نام مجھے اب یاد نہیں۔ وہاں میری دادی کی بہن حمیدن رہتی تھی جس کے خاوند کا نام اعجاز تھا جو سید کھیڑی کے سیّدوں کے دوسرے محلہ کے نمبردار محمد کاظم کا خالہ زاد تھا۔" [۲]

انبالہ سے پاکستان

سیّد زین العابدین نے کہا: "اردگرد کے علاقوں سے مسلمان بہت بڑی تعداد میں انبالہ شہر میں پناہ گزین تھے۔ مہاجرین کی اکثریت تو کیمپ میں تھی جب کہ شہر کے مختلف علاقوں میں اپنے جاننے والوں کے ہاں بھی لوگوں نے پناہ لے رکھی تھی۔ انبالہ کے ہندو ڈپٹی کمشنر نے مہاجرین کی حفاظت کے لیے اکثر کرفیو لگائے رکھا اور آہستہ آہستہ مسلمانوں کو وہاں سے پاکستان بھیجا۔ اکثر خاندانوں کے افراد ریل گاڑیوں کے ذریعے جسے جب موقع ملا پاکستان پہنچے۔ ان ٹرینوں میں لوگ جانوروں کی طرح بھرے ہوتے تھے اور قدم رکھنے کی جگہ بھی نہ بچتی تھی۔ ریل گاڑی کے ڈبوں کی چھتوں اور دو ڈبوں کے اتصال کی جگہ پر بھی پاکستان جانے والے مہاجرین کا ہجوم ہوتا تھا۔ ٹرین سکھوں کی اکثریت والے علاقوں یعنی راجپورہ، لدھیانہ، جالندھر اور امرتسر سے گزرتی تھی اور اس پر ہر وقت بلوائیوں کے حملہ کا خطرہ رہتا تھا۔ کچھ ٹرینوں پر بلوائیوں نے حملہ کر کے مسلمان مہاجرین کو ذبح کر دیا تھا۔ اس کے رد عمل میں پاکستان سے ہندوستان جانے والی ٹرینوں پر بھی مسلمان بلوائیوں نے حملے کر کے ہندو، سکھ مہاجرین کو ذبح کیا تھا جس کے بعد یہ سلسلہ بند ہوا۔ اگرچہ ٹرین کا سفر بہت خطرناک، خوفناک اور تکلیف دہ تھا لیکن مہاجرین مجبور تھے کیونکہ اکثر لوگوں کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ کچھ لوگ بسوں اور ٹرکوں کے ذریعہ اور بہت سے لوگ پیدل بھی پاکستان پہنچے۔ سڑک کے راستہ جانے والے قافلوں پر بھی حملہ کا اتنا ہی خطرہ تھا جتنا کہ ٹرین کے ذریعے جانے والے قافلوں پر تھا۔ اور ان قافلوں پر حملے ہوئے اور بہت سارے لوگ مارے گئے۔ موت اتنی عام تھی کہ کسی کا مرنا دِلوں پر ویسے اثر نہیں کرتا تھا جیسا کہ عام دنوں میں کرتا تھا۔ جو سکھ بدمعاش مشہور تھے انہوں نے عموماً بے کس مسلمانوں کی مدد کی۔ وہ کہتے تھے کہ یہ تو پہلے ہی مصیبت زدہ ہیں انہیں کیا مارنا۔ جب کہ وہ سکھ جو عام حالات میں شریف مشہور تھے انہوں نے قتل و غارت گری، عورتوں کے اغوا اور لوٹ مار میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔" [۳]

سیّد اسلم حسین نے کہا: "مظاہر حسین سب سے پہلے پاکستان آیا کیونکہ وہ پولیس میں ملازم تھا۔ اس کے خاندان

---

۱ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۲۰ جولائی ۲۰۱۷ء

۳ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

والے بعد میں پاکستان آئے۔" [1]

سیّدہ منورہ فاطمہ نے کہا: "میری والدہ (ظہوری بیگم) کہتی تھیں کہ انبالہ سے پاکستان جاتے ہوئے میرے والد (مظاہر حسین) میری والدہ اور مجھے اسٹیشن کے ایک پلیٹ فارم پر بٹھا کر ٹرین دیکھنے کے لیے گئے۔ ایک سکھ آیا اور تلوار نکال کر میری والدہ اور مجھے قتل کرنا چاہا۔ اس سے پہلے کہ وہ وار کرتا میرے والد صاحب آ گئے اور حملہ آور سکھ بھاگ گیا۔" [2]

سیّد خادم حسین نے کہا: "انبالہ سے جب کوئی ٹرین پاکستان جاتی تو اس کا اعلان پہلے کر دیا جاتا تھا۔ مہاجرین کی بڑی تعداد پلیٹ فارم پر جمع ہو جاتی تھی۔ پھر جتنے لوگ ٹرین کے ڈبوں کے اندر اور اوپر چڑھ سکتے چڑھ جاتے تھے۔ ہمیں انبالہ میں رہتے ہوئے دو ہفتے گزرے تھے کہ اعلان ہوا کہ کل ٹرین پاکستان جائے گی۔ لوگوں کا ایک جم غفیر اسی دن پلیٹ فارم پر اکٹھا ہو گیا۔ ہم سب گھر والے اور منظور اور ان کے سب گھر والے بھی اس جم غفیر میں شامل تھے۔ ہم نے سفر میں کھانے پینے کے لیے بھنے ہوئے چنے اور پانی کے ٹین خرید لیے۔ اس وقت پانی کا ایک ٹین چار آنے کا آتا تھا۔ جب گاڑی پلیٹ فارم پر لگی تو ہم نے دیکھا کہ مال گاڑی والے ڈبے زیادہ اور سواری والے ڈبے کم ہیں۔ زبردست دھکم پیل کے دوران ہم اپنی خواتین کو سواری والے ڈبے میں بٹھانے میں کامیاب ہو گئے اور مرد ڈبے کی چھت پر چڑھ گئے۔ ہر ڈبے کی چھت پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے اردگرد رسیاں باندھ لی تھیں تاکہ گرنے سے محفوظ رہیں۔ جب راستہ میں آنے والے شہروں سے پہلے اور بعد میں پل آتے تو ڈبوں کی چھتوں پر بیٹھے ہوئے لوگ لیٹ جاتے تھے۔ ٹرین میں دو ڈبے فوجیوں کے تھے۔ ایک ڈبے میں پاکستانی فوجی اور دوسرے میں گورکھے تھے۔ جہاں ٹرین رکتی فوجی اتر کر ٹرین کو گھیر لیتے تھے تاکہ بلوائی حملہ نہ کر سکیں۔ فوجی کسی کو نیچے نہیں اترنے دیتے تھے۔ تاہم کچھ لوگ چھپ کر پیشاب کرنے کے لیے نیچے اتر جاتے تھے۔ گاڑی ۲۴ گھنٹے بعد لاہور پہنچی۔ زاہد اور مظاہر ہمیں لینے کے لیے اسٹیشن پر موجود تھے۔" [3]

سیّد اسلم حسین نے کہا: "انبالہ میں میرے تین ماموں رزاق حسین، کاظم حسین اور جمیل حسین میرے باپ سے ملے اور کہا: 'گڈا لے لے اور ہمارے ساتھ چل۔' میرے باپ نے کہا: 'میں گڈے کے پیسے کہاں سے اتاروں گا۔ تم اسے یعنی مجھے ساتھ لے جاؤ۔' میں اپنے ماموؤں کے ساتھ پاکستان آنے کے لیے انبالہ سے ایک بہت بڑے پیدل قافلہ میں شامل ہو گیا۔ قافلہ کوئی ۱۰ میل لمبا تھا اور اس کی حفاظت کے لیے گورکھے ساتھ تھے۔ قافلہ راجپورہ، سرہند بسی، کھنہ اور لدھیانہ سے ہوتے ہوئے اور مختلف جگہوں پر قیام کرتے ہوئے فیروز پور پہنچا۔ وہاں سے قافلہ والوں نے دو گھنٹے میں پاکستان پہنچ جانا تھا۔ دن کے دو، اڑھائی بجے تھے کہ گورکھوں نے سیٹی بجائی۔ جب گورکھے سیٹی بجاتے تو قافلہ والے رک جاتے تھے۔ کوئی

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۲۰ جولائی ۲۰۱۷ء

۲ سیّدہ منورہ فاطمہ دختر مظاہر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — لاہور — ۸ مارچ 2018ء

۳ سیّد خادم حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

ایک قدم بھی نہیں اٹھاتا تھا۔ کچھ ہی دیر میں سکھوں کا ایک جتھہ آ گیا اور گورکھے غائب ہو گئے۔ ایک پتلا لمبا سکھ نوجوان تھا جس نے کالی پگڑی پہنی ہوئی تھی۔ وہ حملہ آوروں کا لیڈر لگتا تھا۔ قافلہ میں شامل رنگڑوں نے سکھ حملہ آوروں کو آتے دیکھ کر گڈوں سے سامان اتارا اور گڈوں میں لگے ہوئے سریے نکال لیے اور لائن بنا کر کھڑے ہو گئے۔ کالی پگڑی والا نوجوان حملہ کرنے والوں میں سب سے آگے تھا۔ ایک رنگڑ نے اس کے سر پر سریا مارا جس سے اس کے سر کے دو حصّے ہو گئے۔ قافلہ والوں نے حملہ آوروں کو سریے مار مار کے کاٹ دیا اور پھر سریے لے کر فیروز پور پر چڑھائی کر دی۔ اتنے میں پاکستان سے رضا کاروں کے دو ٹرک آ گئے۔ انہوں نے قافلہ والوں کو واپس بلایا۔ رضا کاروں کی حفاظت میں قافلہ والے رات وہیں رہے اور اگلی صبح پاکستان پہنچے۔ ہم انبالہ سے چلنے کے بعد چودھویں دن قصور پہنچے۔" [۱]

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: "ہمارا خاندان (الٰہی بخش کا خاندان)، سیانہ سیداں کے سجاد حسین اور ان کا کنبہ اور سید کھیڑی کے کچھ دوسرے سیّد پاکستان جانے کے لیے اکٹھے انبالہ اسٹیشن پر گئے۔ میں نے اور ہمارے ساتھ کئی دوسری خواتین نے ٹرین پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ جب ٹرین پلیٹ فارم پر آئی تو ہم حیران، پریشان ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنے لگے۔ انبالہ سے پاکستان ٹرین کے سفر میں ہمارے ساتھ میرے بھائی ناصر کی زوجہ سروری بھی تھی جو کافی بیمار تھی۔ سروری نے سید کھیڑی سے انبالہ آتے ہوئے مشکل حالات میں ایک بچّی کو جنم دیا تھا۔ جو ہندو ترس کھا کر اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے وہ اسے اچھوت سمجھتے تھے۔ اس سے گندم پسواتے اور کچھ کھانے کے لیے دے دیتے تھے۔ ہندوؤں کی عورتیں اس بات کا خیال رکھتی تھیں کہ سروری کو ان کا ہاتھ نہ لگے اور وہ 'ناپاک' نہ ہو جائیں۔ ٹرین یکم محرم کو لاہور کے قریب پہنچی تو سروری نے دم توڑ دیا۔" [۲]

سیّد جرار حسین نے کہا: "لاہور اسٹیشن سے عورتوں کو بھائی احسان کے گھر بھیج کر مرد سروری کی میّت کو سیدھے قبرستان لے گئے جہاں تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کے بعد اسے سُپرد خاک کر دیا گیا۔" [۳]

سیّدہ رضوانہ خاتون نے کہا: "عبد العلی جب ۱۰ دن کا ہوا تو ہم انبالہ سے پاکستان کے لیے چلے۔ راستہ میں ایک جگہ میری ماں کی آنکھ لگ گئی۔ عبد العلی ان کے پاس لیٹا ہوا ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ میرے دادا نے بچّے کو گود میں اٹھا لیا۔ میری ماں اٹھی تو بچّے کو غائب پا کر پریشان ہو گئی۔ پھر میرے دادا نے کہا: 'یہ میرے پاس ہے۔' لاہور اسٹیشن پر اترے تو تایا احسان کھڑے تھے۔ تانگوں میں بیٹھے اور چوبرجی کوارٹرز میں ان کے گھر پہنچ گئے۔" [۴]

سیّد احسان علی کہتے تھے: "تقسیم ہند کے بعد ہندوستان سے اجڑ کر آنے والے میرے اکثر عزیز و اقارب لاہور

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ فیروز کے ناگرہ ــــ ۲۰ جولائی ۲۰۱۷ء

۲ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ راولپنڈی ــــ یکم جولائی ۲۰۰۷ء

۳ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ــــ جھنگ ــــ ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء

۴ سیّدہ رضوانہ خاتون دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ کراچی ــــ ۹ جولائی ۲۰۱۸ء

پہنچتے تو میرے گھر آ جاتے تھے اور ہفتہ، ۱۰ دن یا ۱۵ دن قیام کے بعد آگے چلے جاتے تھے۔ مہمانوں کی تعداد بعض اوقات ۲۰، ۲۵ سے بھی تجاوز کر جاتی تھی۔ میرے اتنے وسائل نہیں تھے کہ سب کے لیے روزانہ دو تین وقت کے کھانے کا انتظام کر سکوں۔ ان دنوں لاہور سے ہندو اور سکھ اپنی دکانوں اور مکانوں کو تالے لگا کر ہندوستان جا رہے تھے۔ عالم اور میں رات کے وقت کسی ہندو کی متروکہ دکان کا تالہ توڑ کر راشن اٹھا لاتے تھے تاکہ اپنے مہاجر مہمانوں کا پیٹ بھر سکیں۔" [۱]

الٰہی بخش خاندان کے اکثر افراد اڑھائی ماہ انبالہ میں رہے۔ لیکن زین العابدین ولد محمد یٰسین ٹھسکہ کے قافلہ کے ساتھ اور قربان علی ولد محمد یٰسین پونڈری کے قافلہ کے ساتھ اپنے خاندان والوں سے پہلے پاکستان پہنچ گئے تھے۔ ٹھسکہ اور پونڈری کے کچھ قافلے بہت سے دوسرے قافلوں کی طرح پاکستان جاتے ہوئے انبالہ سے گزرے تھے۔ ان قافلوں کی سرگزشت چوتھے باب میں ہے۔

سیّد محمد امیر نے کہا: "ہم ایک ماہ انبالہ کیمپ میں رہے۔ پھر دو بسیں بھر کر امرتسر آ گئے۔ وہاں ایک رات فوجیوں کی چھاؤنی میں رہے۔ دوسرے دن لاہور کیمپ میں آ گئے۔ سامانا کا جمیل حسین لاہور میں وکیل تھا۔ وہ پتہ کرتا تھا کہ بسوں میں کون کون آیا ہے۔ میرے نانا (فضل حسین عرف فضلا) نے لیہ سے اسے خط بھیجا تھا کہ میری لڑکی اور نواسہ آئیں گے۔ وہ ہمیں کیمپ سے اپنے گھر لے گیا۔ پھر ماما علی امام گیا اور ہمیں لیہ لے آیا۔ میرے نانا جی ہم سے پہلے پاکستان آ گئے تھے۔ ان کو 'بادشاہ' (راجہ پٹیالہ) نے باحفاظت پہنچا دیا تھا۔ سامانا والوں کے پاس چار توپیں تھیں جو سامانا کے چاروں کونوں پر لگی ہوئی تھیں۔ 'بادشاہ' نے وعدہ کر لیا تھا: 'توپیں دے دو تو میں تمہیں پاکستان پہنچا دوں گا۔' سامانا والے پہلے ٹرین میں آ گئے تھے، ہم بعد میں آئے۔" [۲]

سیّد علی نے کہا: "ہم پاکستان پہنچے تو بھائی ہادی کوٹ ادو چلے گئے۔ میرے والد (احمد حسین) پہلے بورے والا گئے اور بعدازاں وہ بھی کوٹ ادو آ گئے۔ وہ وہیں فوت ہوئے۔ بھائی ہادی بھی وہیں فوت ہوئے۔" [۳]

کوٹلی اور فیروز کے ناگرہ

سیّد اسلم حسین نے کہا: "سید کھیڑی کے زاہد حسین، محمد عالم اور مظاہر حسین سب سے پہلے فیروز کے ناگرہ آئے۔ ان کے بعد تصدق حسین اور پھر محمد یٰسین آئے (محمد یٰسین تین چار ماہ بعد واڑہ جا کر آباد ہو گئے)۔ زاہد، عالم اور مظاہر

۱ سیّد احسان علی ولد غلام عباس (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد فرمان علی ولد احسان علی بالمشافہ — واڑہ — یکم ستمبر ۲۰۱۱ء

۲ سیّد محمد امیر ولد شبیر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لیہ — ۲۱ فروری ۲۰۱۸ء

۳ سیّد علی ولد احمد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۰ فروری ۲۰۱۱ء

برادری کے باقی لوگوں کو فیروز کے ناگرہ لے کر آئے۔“ ①

سیّد مجاہد علی نے کہا: ”میرے دادا (راکب حسین) اور نانا (محمد عسکری) کے خاندان کے افراد انبالہ سے اکٹھے بذریعہ ٹرین پاکستان آئے۔ سید کھیڑی کے کئی ارائیں، نائی اور فقیر بھی ہمارے ساتھ آئے۔ میرے چاچا مظاہر حسین ریلوے پولیس میں ملازم تھے اور لاہور میں تعینات تھے۔ انہیں پتہ لگا کہ ضلع سیالکوٹ میں سکھوں کے گاؤں کوٹلی باوا فقیر چند اور فیروز کے ناگرہ خالی ہیں۔ یہ دونوں گاؤں ایک دوسرے سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ ہمارے بزرگ پہلے کوٹلی اور پھر فیروز کے ناگرہ آ گئے۔ سیّدوں کی زمینیں تھیں اور وہ زیادہ تر فیروز کے ناگرہ میں آباد ہوئے۔ سید کھیڑی کے ارائیں، جو سیّدوں کی زمینوں پر مضارع کی حیثیت سے کام کرتے تھے، کوٹلی میں آباد ہوئے۔ نائی اور فقیر جو ہمارے ساتھ آئے تھے بھی کوٹلی میں آباد ہوئے۔ سید کھیڑی کے سیّدوں میں منظور کی زمین سب سے زیادہ تھی۔ وہ اور کچھ دوسرے سیّد بھی کوٹلی میں آباد ہوئے۔ فیروز کے ناگرہ میں سید کھیڑی کے صِرف سیّد آباد ہوئے جب کہ کوٹلی میں سیّدوں کے ساتھ سید کھیڑی کے دوسرے مسلمان بھی آباد ہوئے۔ فیروز کے ناگرہ اور کوٹلی تقسیم ہند سے پہلے سکھوں کے گڑھ تھے اور وہاں گردوارے بنے ہوئے تھے۔ کوٹلی کے گردوارہ کی زیارت کے لیے تقسیم ہند کے بعد بھی سکھ آتے رہے۔“ ②

سیّد محمد سبطین کہتے تھے: ”ہم انبالہ سے لاہور آئے تو وہاں سید کھیڑی کے مظاہر حسین اور احسان علی تھے۔ مظاہر پولیس میں تعینات تھے۔ ان کے دفتر کے ساتھیوں میں ایک سپاہی میتلہ گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اس نے مظاہر کو بتایا کہ اس کے گاؤں کے نزدیک ایک گاؤں (فیروز کے ناگرہ) میں خالی گھر پڑے ہیں کیونکہ وہاں کے سکھ رہائشی ہجرت کر کے ہندوستان چلے گئے ہیں۔ سپاہی کی فیروز کے ناگرہ میں رشتہ داری تھی۔ مظاہر اور ہمارے دو تین اور بزرگ سپاہی کے ساتھ فیروز کے ناگرہ گئے۔ وہاں ایک سیّد رہتا تھا جس کا نام غلام علی تھا۔ سپاہی نے ہمارے بزرگوں کو غلام علی سے ملوایا۔ غلام علی نے ہمارے بزرگوں سے کہا کہ آپ کے ۵۰۰ کنبے اس گاؤں میں آ کر بس سکتے ہیں۔ اس طرح ہم فیروز کے ناگرہ، تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ، میں آ گئے۔ میرے دادا محمد عسکری، راکب حسین، حشمت علی، جعفر حسین، محمد سالم اور مہدی حسین اپنے کنبوں کے ساتھ فیروز کے ناگرہ میں آباد ہوئے۔ جب کہ صادق حسین، منظور حسین، محمد تقی، اولاد ذاکر حسین، صغیر حسین اور اولاد محمد حسین عرف نھتو نواب کا اپنے کنبوں کے ساتھ کوٹلی میں آباد ہوئے۔ صادق حسین دو تین سال بعد کوٹلی چھوڑ کر فیروز کے ناگرہ میں آ بسے۔“ ③

سیّد زائر حسین نے کہا: ”انبالہ سے لاہور آنے کے بعد ہم کوٹلی چلے گئے۔ وہاں ہمیں ایک چوبارہ نما مکان مل گیا۔

---

۱ سیّد اسلم حسین ولد حامد حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — فیروز کے ناگرہ — ۲۰ جولائی ۲۰۱۷ء

۲ سیّد مجاہد علی ولد اعجاز حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۶ ستمبر ۲۰۱۹ء

۳ سیّد محمد سبطین ولد محمد مسلم (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد عامر رضا ولد محمد سبطین بذریعہ فون — فیروز کے ناگرہ — ۱۹ ستمبر ۲۰۱۹ء

بھائی خادم نے گوجرانوالہ میں نوکری کر لی۔ بندو اور نھو، جو سید کھیڑی میں ہمارے نوکر تھے اور ہماری زمین کاشت کرتے تھے، پاکستان میں آکر سیّد بن گئے۔ وہ کوٹلی میں منظور کے پاس آئے اور کہا: 'ہمیں رمضان نے تھوڑی زمین دی ہے۔ ہماری اور زمین بھی بنتی ہے۔' بھائی منظور نے کہا: 'جاؤ جا کر مقدمہ کر دو۔ پھر دیکھ لیں گے۔'"" [۱]

سیّد ناصر علی نے کہا: "انبالہ سے ہم ٹرین میں پاکستان آئے۔ میری بہن، بہنوئی اور ان کے سب گھر والے بھی ہمارے ساتھ تھے۔ محمد سالم اور محمد مسلم بھی ہمارے ساتھ ٹرین میں تھے۔ عورتوں کو ڈبے میں بٹھایا اور مرد ڈبے کی چھت پر بیٹھے۔ لاہور پہنچے تو ہم اپنی بہن کے گھر رہے۔ پھر مظاہر حسین ہمیں فیروز کے ناگرہ لے گیا۔ میرے پھوپھی زاد بھائی فقیر حسین لاہور عجائب گھر میں ملازم تھے۔ انہوں نے ہمیں کوٹلی میں زمین الاٹ کروا دی۔ بندو اور نھو بھی کوٹلی میں آکر رہے تھے۔ جس گھر میں وہ رہے اس میں انہیں کافی سونا مل گیا۔ پھر وہ گجرات میں بیگی بانیہ کوئی جگہ ہے وہاں چلے گئے۔" [۲]

سیّد ذوالفقار حسین نے کہا: "میں ٹھسکہ والوں کے ساتھ ٹرک میں پاکستان پہنچا۔ لاہور میں بھائی احسان کے گھر سے عسکری نمبردار کا بیٹا مسلم مجھے فیروز کے ناگرہ لے گیا۔ وہاں عارضی طور پر پانچ کلے زمین مجھے مل گئی اور ایک کچا مکان بھی مل گیا۔ ایک گائے بھی مجھے ملی۔ کچھ دنوں بعد میں کچا مکان چھوڑ کر عسکری کے بیٹے اختر کے ساتھ رہنے لگا۔ میری دادی کی بہن جعفری، جس نے میری پرورش کی تھی، بھی میرے ساتھ تھی۔ دو تین سال بعد میں اپنی بہن انعام فاطمہ کو ملنے خیر پور ٹامیوالی گیا۔ کچھ دن بعد عید آ گئی۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ وہاں شیعہ عید کی نماز کہاں پڑھتے ہیں۔ خالو زوّار حسین مجھے اپنے ساتھ سنّیوں کی عید گاہ میں لے گئے۔ وہ نماز پڑھانے کے لیے آگے کھڑے ہو گئے۔ میرا دِل بے چین ہوا تو میں اگلی صف سے پچھلی صف میں آ گیا اور پھر پیچھے آتے آتے نماز شروع ہونے سے پہلے عید گاہ سے باہر نکل گیا۔ گھر میں آکر میں نے اپنی بہن سے کہا: 'میں آج ہی علی پور جاؤں گا۔' میں اسٹیشن پر آ گیا اور گاڑی آئی تو اس میں بیٹھ گیا۔ میرے ماموں لطیف مجھے ڈھونڈنے اسٹیشن پر آئے۔ میں چھپ گیا اور وہ مجھے گاڑی میں ڈھونڈ نہ سکے۔ بہاولپور پہنچ کر گاڑی سے اترا تو مجھے ماموں سجاد ملے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: 'کہاں جا رہا ہے؟' میں نے کہا: 'کبیر والا۔' انہوں نے مجھے کچھ پیسے دیے۔ بہاولپور سے علی پور ایک نزدیکی راستہ بھی تھا جس کا مجھے اس وقت پتہ نہیں تھا۔ میں ٹرین میں بیٹھ کر خانیوال پہنچا اور وہاں سے کبیر والا اپنے ماموں قاضی شفیع کے گھر آ گیا۔ ماموں لطیف مجھے ڈھونڈنے پہلے علی پور گئے پھر کبیر والا آ گئے۔ انہوں نے مجھے خیر پور واپس جانے کے لیے کہا۔ میں نے انکار کر دیا۔ وہ میرے کپڑے ساتھ لائے تھے جو انہوں نے مجھے دے دیے۔ پھر میں کبیر والا سے تونگر کے پاس علی پور آ گیا اور وہیں اپنا کلیم داخل کیا تو مجھے زمین مل گئی اور مکان بھی مل گیا۔" [۳]

سیّدہ امتہ الزہرا کہتی تھیں: "پاکستان میں پہلے ہم فیروز کے ناگرہ چلے گئے تھے۔ وہاں ہمیں رہنے کے لیے ایک

---

۱ سیّد زائر حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۴ جون ۲۰۱۹ء

۲ سیّد ناصر علی ولد جعفر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۱۶ اپریل ۲۰۱۹ء

۳ سیّد ذوالفقار حسین ولد احمد حسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — علی پور — ۹ جنوری ۲۰۱۸ء

چوبارہ مل گیا تھا۔ کھانے پینے اور پیسے کی بہت تنگی تھی۔ ایک دن امرود بیچنے والا آیا اور اس نے نیچے سے آواز لگائی تو میرے ڈھائی-سالہ نواسے ابرار حسین (ولد عزادار حسین) نے امرود لینے کی ضد کی۔ تاہم ابرار کے نانا (نذر حسین) اسے امرود لے کر نہ دے سکے کیونکہ ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔ کچھ دن بعد ابرار فوت ہو گیا اور اس سے اگلے روز نذر کے کلیم کے کاغذات آ گئے تو وہ بہت روئے۔ میرے میکہ کے رشتہ دار (سامانا والے) منڈی بہاؤالدین چلے گئے تھے۔ انہوں نے ہمیں منڈی بلایا تو ہم وہاں جا کر رہنے لگے۔ نذر حسین جب تک زندہ رہے انہوں نے کبھی امرود نہیں کھائے کیونکہ وہ غربت اور بے بسی کا وہ وقت کبھی بھلا نہ سکے کہ جب اپنے مرحوم نواسے کی فرمائش پوری نہ کر سکے تھے۔" [1]

---
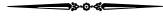
۱ سیّدہ امتہ الزہرا زوجہ نذر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّدہ کنیز بانو دختر عزادار حسین بالمشافہ — اسلام آباد — ۸ مارچ ۲۰۲۰ء

ساڈھورہ کا اجڑنا

تقسیم ہند سے پہلے ساڈھورہ ضلع انبالہ میں ایک قصبہ تھا جہاں ترمذی سادات کے ایک بزرگ شاہ نظام الدین سیانہ سیداں سے آکر پندرہویں صدی عیسوی کے آغاز میں آباد ہوئے تھے۔ ساڈھورہ شاہ نظام الدین کی جاگیر کا ایک حصّہ تھا۔ اس قصبہ میں ترمذی، زیدی اور گیلانی سادات کے علاوہ دوسری ذاتوں کے مسلمان اور ہندو، سکھ بھی آباد تھے۔ شاہ نظام الدین کی نسل سے ایک بزرگ پیر بدھو (وجیہ الدین عرف بدر الدین) نے سکھوں کے دسویں گرو گوبند سنگھ کی ہندو راجاؤں کے خلاف ۱۶۸۶ء کی جنگ میں مدد کی تھی۔[1] اس تاریخی پس منظر میں ساڈھورہ کے ترمذی سادات سکھوں کے نزدیک صاحب عزّت و وقار تھے اور یہی وجہ تھی کہ تقسیم ہند کے بعد فسادات کی آگ بھڑکی تو ساڈھورہ کے مسلمانوں کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ اگر ترمذی سادات ساڈھورہ میں رہنے کا فیصلہ کرتے تو سکھوں کی طرف سے انہیں مکمل حفاظت کی یقین دہانی کروائی گئی تھی۔ تاہم ترمذی سادات نے پاکستان آنے کا فیصلہ کیا۔ جن حالات میں ساڈھورہ کے مسلمانوں نے ہجرت کی اس کا کچھ ذکر عینی گواہوں کی زبانی مندرجہ ذیل ہے:

سیّد محمد ضیاء الحق نے کہا: ”میرے والد (محمد مسلم) مسلم لیگ انبالہ ضلع کے سالار اعلیٰ تھے۔ انہوں نے مسلم لیگ کی الیکشن مہم میں بھرپور حصّہ لیا۔ سردار شوکت حیات مسلم لیگ کے امیدوار تھے۔ ساڈھورہ میں ہمارا گھر ان کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ علاقہ میں مسلم ووٹرز کی تعداد کم ہونے کے باعث وہ الیکشن ہار گئے تھے۔“ [2]

سیّد اکرام الحسن کہتے تھے: ”میرے بڑے بھائی اخلاق الحسن ساڈھورہ مسلم لیگ کے صدر تھے۔ انہوں نے انبالہ میں مسلم لیگ کے امیدوار سردار شوکت حیات کی ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں مہم چلائی۔ اس تحریک کے دوران بھائی اخلاق جیل میں بھی رہے۔“ [3]

سیّد محمد ضیاء الحق نے کہا: ”تقسیم ہند کے بعد ہونے والے فسادات کے دوران ایک سکھ تھانیدار نے مسلمانوں کو تنگ کیا تو حکومت نے اس کا سختی سے نوٹس لیا۔ اس تھانیدار کو سزا کے طور پر باندھ کر ساڈھورہ کی گلیوں میں پھرایا گیا۔ وہ ترمذی سادات کی منتیں کرتا تھا کہ اس کی مدد کریں جس طرح پیر بدھو نے گرو کی مدد کی تھی۔ ساڈھورہ کے ترمذی سادات جن میں پیر بدھو کی نسل کے افراد بھی شامل تھے کو سکھوں نے کہا کہ ان کی مرضی ہے یہاں رہیں یا پاکستان چلے جائیں۔

۱　مسند حسین اصغر رضی اللہ عنہ — ص ۲۷۶-۲۷۷، ۲۹۱

۲　سیّد محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء

۳　سیّد اکرام الحسن ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد احترام الحسن ولد اکرام الحسن بالمشافہ — لاہور — ۷ مارچ ۲۰۱۸ء

اگر وہ یہاں رہنے کا فیصلہ کریں تو انہیں مکمل تحفّظ فراہم کیا جائے گا اور اگر پاکستان جانا چاہیں تو حفاظت سے سرحد تک پہنچایا جائے گا۔ ترمذی سادات نے باقی مسلمانوں کے ساتھ پاکستان آنے کا فیصلہ کیا۔ جب ساڈھورہ کے مسلمانوں کا قافلہ مختلف شہروں خصوصاً امرتسر سے گزرا تو وہاں کے سکھوں نے قافلے کی پذیرائی کی۔ وہ بہت سی کھانے پینے کی چیزیں قافلہ والوں کے لیے لے کر آئے۔" ①

سیّد اکرام الحسن کہتے تھے: "پاکستان بننے کے بعد سکھ ہمارے بزرگوں کو ساڈھورہ سے آنے نہیں دیتے تھے۔ تایا زین العابدین اور دوسرے بزرگ بھی ساڈھورہ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ وہاں مسلمانوں کے خلاف کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔ میرے بڑے بھائی اخلاق الحسن لاہور آئے اور وہاں سے آٹھ دس بسوں کا کانوائے لے کر گئے۔ دو فوجی ٹرک بھی ساتھ تھے۔ ساڈھورہ کے سب شیعہ سادات پاکستان آ گئے۔ تاہم شاہ قمیص کی اولاد کے افراد، جو گیلانی سیّد اور سنّی ہیں، وہیں رہ گئے۔ ان کے گدی نشین سے بعدازاں ہمارے بزرگوں کی خط و کتابت بھی رہی۔" ②

سیّدہ نثار فاطمہ نے کہا: "میرے والد (محمد مسلم) اور اخلاق الحسن مسلم لیگ اور قائد اعظم کی حمایت میں اپنے علاقہ میں سرگرم تھے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے متعدد بار جلوس نکالے۔ تقسیم ہند کے بعد فسادات شروع ہوئے تو میرے تایا محمد زاہد کے بیوی بچّے گنور سے ساڈھورہ آ گئے۔ میرے والد بھی ہم سب گھر والوں کو لے کر پنجلاسہ سے ساڈھورہ آ گئے۔ جب مسلمانوں کے خلاف حملوں میں تیزی آئی تو تایا زاہد کو ان کے سکھ دوست گنور سے انبالہ چھوڑ گئے۔ تایا زاہد کچھ روز کیمپ میں رہے اور پھر ایک مکان کرایہ پر لے کر اس میں منتقل ہو گئے۔ ساڈھورہ سے ہم اگرچہ آرام سے آئے لیکن اپنا سب سامان نہ لا سکے۔ ہر کنبہ ایک بستر اور ایک سوٹ کیس ہی ساتھ لا سکا۔" ③

سیّدہ منورہ خاتون نے کہا: "ساڈھورہ سے ہم بسوں میں پاکستان آئے۔ ان بسوں کو اخلاق الحسن جو وکیل تھے لاہور سے لے کر گئے تھے۔ میرے تایا زاہد گنور میں تھے۔ وہ وہاں سے انبالہ آئے اور بعد میں پاکستان پہنچے۔ میرے دادا زین العابدین نے ساڈھورہ میں ایک سکول بنوایا تھا اور ایک مربع زمین بھی سکول کے نام لگوائی تھی۔ انہوں نے پاکستان آکر جھنگ میں بھی سکول بنوایا۔ بعدازاں سکول حکومت نے لے لیا تو زمین بھی حکومت نے لے لی۔" ④

سیّد اکرام الحسن کہتے تھے: "ہم ساڈھورہ سے ہجرت کر کے آئے تو لاہور کیمپ میں رہے۔ سردار شوکت حیات اس وقت وزیر بن چکے تھے۔ انہوں نے بھائی اخلاق الحسن سے کہا: 'چوبرجی گراؤنڈ کے سامنے سات کوٹھیاں خالی ہیں۔ وہ ہم آپ کو الاٹ کروا دیتے ہیں۔ آپ لاہور میں رہیں۔' لیکن بھائی مسلم اور بھائی اخلاق نے کہا: 'ہم بڑے شہر میں نہیں رہنا چاہتے،

---

۱ سیّد محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء

۲ سیّد اکرام الحسن ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد احترام الحسن ولد اکرام الحسن بالمشافہ — لاہور — ۷ مارچ ۲۰۱۸ء

۳ سیّدہ نثار فاطمہ دختر محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۲۴ اکتوبر ۲۰۱۲ء

۴ سیّدہ منورہ خاتون دختر محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۲۹ جون ۲۰۱۴ء

چھوٹے شہر میں رہنا چاہتے ہیں۔' پھر ہم جھنگ شہر میں آ گئے۔ بھائی اخلاق ڈسٹرکٹ کسٹوڈین تعینات ہو گئے اور محمد ظفر اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ کسٹوڈین تعینات ہو گئے۔ جھنگ میں ہم سب کو مکان الاٹ ہو گئے۔" ①

سیّدہ رشیدہ خاتون نے کہا: "ساڈھورہ سے ہم اپنی ترمذی برادری کے ساتھ نہیں آئے۔ ہمیں انہوں نے نہیں پوچھا۔ ہماری والدہ (ذکیہ خاتون) نے زیور اور اسلحہ، بھالے وغیرہ، گھر میں گڑھا کھود کر چھپا دیے۔ میرا بھائی رضی گھر سے باہر تھا۔ والدہ نے مجھ سے کہا: 'بھائی کو ڈھونڈ کر لاؤ۔' میں رضی کو ڈھونڈ کر لائی۔ میرے بھائی ذوالفقار نے کہا: 'میں بعد میں سامان لے کر آؤں گا،' میری والدہ نے کہا: 'ہمیں سامان نہیں چاہیے۔' ہم اپنے والدین کے ساتھ نکلے۔ مجھے یاد ہے کہ ہم بازار سے گزرے۔ میری والدہ نے چھوٹے بھائی نجم کو گود میں اٹھایا ہوا تھا۔ ہم بیل گاڑی کے پیچھے چل رہے تھے۔ پھر ہم پاکستان کے لیے ٹرین میں بیٹھے۔ میری بہن (نرجس خاتون) نے کہا: 'مجھے پیاس لگی ہے۔' بھائی نے کہا: 'میں پانی کہاں سے لاؤں۔' انجن کے ڈرائیور سے پانی لیا اور پیا تو منہ میں چھالے پڑ گئے۔ پاکستان میں ہم مظفر گڑھ آ کر اترے۔ چار دن بعد ہمارے والد (دلدار حسین) فوت ہو گئے۔ مجھے وہ منظر یاد ہے کہ ہماری والدہ ہمارے بھائی کے ساتھ مل کر ہمارے والد کی میّت کو غسل دے رہی تھیں۔ ہم کوٹ ادو آ کر رہے۔ میری والدہ، ماموں ہادی اور نانا احمد کی قبریں کوٹ ادو میں ہیں۔" ②

سیّد شفاعت عباس نے کہا: "تقسیم ہند کے وقت میری عمر چھ ماہ تھی۔ اپنے والد (جمیل عباس) اور والدہ (ظہور فاطمہ) سے میں نے سنا ہے کہ میرے دادا (علمدار حسین) ساڈھورہ میں رہ گئے تھے۔ وہ ہمارے آنے کے چھ ماہ بعد پاکستان آئے۔ وہ ایک ٹرک لے کر چلے لیکن ٹرک راستہ ہی میں رہ گیا۔ تقسیم ہند کے بعد میرے والد میری والدہ اور مجھے لے کر کیتھل آ گئے۔ وہاں ہمارا خاندان اکٹھا ہو گیا۔ کرنل مقبول حسین، جن کے نام پر راولپنڈی میں امام بارگاہ ہے، انبالہ میں رہتے تھے۔ وہ کیتھل کے بڑے زمیندار میر فیاض حسین کے داماد تھے۔ میر فیاض کے چھوٹے بھائی ممتاز حسین میرے سگے پھوپھا تھے۔ کرنل مقبول کی وساطت سے ہم بذریعہ ٹرین لاہور پہنچے۔ لاہور سے ہم ڈاکٹر غلام عباس، جو میرے نانا تھے، کے پاس ملتان چلے گئے۔ وہ تقسیم ہند سے پہلے ہی سنٹرل جیل ملتان میں ڈاکٹر تعینات تھے۔ ہم چھ ماہ ان کے پاس رہے اور پھر اوکاڑہ آ گئے۔ میرے ماموں حسن عباس، جو پونڈری کے رہنے والے تھے، تقسیم ہند سے پہلے سے اوکاڑہ ملٹری ڈیری فارم میں ہیڈ کلرک تعینات تھے۔ میرے والد صاحب کو بھی ملٹری ڈیری فارم میں کلرک کی حیثیت سے نوکری مل گئی۔ اس وقت سے اب تک ہم اوکاڑہ ہی میں ہیں۔" ③

سیّد محمد ضیاء الحق کہتے تھے: "جھنگ آنے کے بعد ایک دفعہ میرے والد بیمار ہو گئے۔ وہ چونکہ انبالہ میں مسلم لیگ کے سالار اعلیٰ تھے اس لیے لاہور سے مسلم لیگ کا ایک وفد ان کی عیادت کے لیے آیا۔ میرے والد نے ان سے کہا: 'ایک

---

۱ سیّد اکرام الحسن ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد احترام الحسن ولد اکرام الحسن بالمشافہ — لاہور — ۷ مارچ ۲۰۱۸ء

۲ سیّدہ رشیدہ خاتون دختر دلدار حسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ڈیرہ اسماعیل خان

۳ سیّد شفاعت عباس ولد جمیل عباس (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ خط/ فون — ۱۰، ۱۱ اگست ۲۰۱۹ء

برادری کے مہاجرین کو ایک جگہ نہیں بسایا گیا۔ وہ سب بکھر گئے ہیں۔ یہ ظلم ہے اور آپ حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کروائیں۔' مسلم لیگ کے وفد نے میرے والد کو بتایا کہ مسلم لیگی راہنما ممتاز دولتانہ کے مطابق: 'مشرقی پنجاب سے آنے والے مہاجرین پڑھے لکھے ہیں اور ان کا سیاسی شعور مغربی پنجاب والوں سے زیادہ ہے۔ اگر ان کی برادریوں کو ایک جگہ بٹھا دیا گیا جیسا کہ وہ ہندوستان میں بیٹھے تھے تو وہ یہاں کے سیاسی افق پر چھا جائیں گے اور ہمارے لیے نقصان دہ ہونگے۔' دولتانہ کے کہنے پر ہی مہاجرین کو جان بوجھ کر مختلف علاقوں میں منتشر کیا گیا ہے۔" ①

ساڈھورہ کی ترمذی سادات برادری کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد مختلف اوقات میں مختلف راستوں سے پاکستان پہنچے:

① محمد زین العابدین ولد محمد ظہور الحق ② صغریٰ عرف بھورو زوجہ محمد زین العابدین ③ محمد زاہد ولد محمد زین العابدین ④ محمد مسلم ولد محمد زین العابدین ⑤ نواب بیگم زوجہ محمد زاہد ⑥ مجاہد حسین ولد محمد زاہد ⑦ ساجد حسین ولد محمد زاہد ⑧ مواحد حسین ولد محمد زاہد ⑨ مشاہد حسین ولد محمد زاہد ⑩ مرتضائی دختر محمد زاہد ⑪ شہر بانو زوجہ مجاہد حسین ⑫ حامد حسین ولد مجاہد حسین ⑬ صغیر بانو زوجہ ساجد حسین ⑭ عابد حسین ولد ساجد حسین ⑮ کنیز آمنہ زوجہ محمد مسلم ⑯ محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم ⑰ مفتاح الحق ولد محمد مسلم ⑱ نثار فاطمہ دختر محمد مسلم ⑲ منورہ خاتون دختر محمد مسلم ⑳ ممتاز فاطمہ دختر محمد مسلم ㉑ اخلاق الحسن ولد محمد یٰسین ㉒ بتول زوجہ اخلاق الحسن ㉓ انوار الحسن ولد اخلاق الحسن ㉔ انصار الحسن ولد اخلاق الحسن ㉕ اکرام الحسن ولد محمد یٰسین ㉖ بتول فاطمہ زوجہ اکرام الحسن ㉗ منظور حسین عرف محمد طیب ولد محمد طاہر ㉘ کندن زوجہ منظور حسین ㉙ غلام سیدین ولد منظور حسین ㉚ غلام حسنین ولد منظور حسین ㉛ غلام ثقلین ولد منظور حسین ㉜ سعیدہ دختر منظور حسین ㉝ اختر حسین عرف محمد ظفر ولد محمد طاہر ㉞ طاہرہ زوجہ اختر حسین ㉟ علمدار حسین ولد قطب حسین ㊱ جمیل عباس ولد علمدار حسین ㊲ ظہور فاطمہ زوجہ جمیل عباس ㊳ شفاعت عباس ولد جمیل عباس ㊴ دلدار حسین ولد قطب حسین ㊵ ذکیہ خاتون زوجہ دلدار حسین ㊶ ذوالفقار حسین ولد دلدار حسین ㊷ محمد رضی ولد دلدار حسین ㊸ نجم الحسن ولد دلدار حسین ㊹ نرجس خاتون دختر دلدار حسین ㊺ رشیدہ خاتون دختر دلدار حسین ㊻ معصوم علی ولد غلام مصطفیٰ ㊼ محمودہ زوجہ معصوم علی ㊽ فضل علی ولد معصوم علی ㊾ سجاد حسین ولد معصوم علی ㊿ اعجاز حسین ولد معصوم علی (۵۱) حیدری دختر معصوم علی (۵۲) محمد ثقلین ولد رضوان علی (۵۳) محمد حرمین ولد رضوان علی (۵۴) محمد سیدین ولد رضوان علی (۵۵) ثریا خاتون دختر رضوان علی (۵۶) رضا حسین ولد غلام حسین (۵۷) سکینہ زوجہ رضا حسین (۵۸) بختیار حسین ولد رضا حسین (۵۹) مختار حسین ولد رضا حسین (۶۰) اسجد علی ولد رضا حسین (۶۱) واجد علی ولد رضا حسین (۶۲) ساجد علی ولد رضا حسین (۶۳) ام لیلیٰ دختر رضا حسین (۶۴) غلام زہرا دختر رضا حسین (۶۵) عابدہ زوجہ بختیار حسین (۶۶) مبارک علی ولد بختیار حسین (۶۷) ساجدہ دختر بختیار حسین (۶۸) طاہرہ زوجہ مختار حسین (۶۹) سالار حسین ولد مختار حسین

---

۱ سیّد محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد نثار علی ولد صابر حسین بالمشافہ — راولپنڈی

⑦⓪حاجا بی بی بیوہ حامد علی ⑦①نثار عباس ولد حامد علی ⑦②بشیر النساء بیوہ آل حسن ⑦③نذر عباس ولد آل حسن ⑦④ظفر عباس ولد آل حسن⑦⑤کوثر عباس ولد آل حسن ⑦⑥جوہر عباس ولد آل حسن ⑦⑦گوہر عباس ولد آل حسن ⑦⑧افتخار حسین ولد عاشق حسین ⑦⑨اقبال فاطمہ زوجہ افتخار حسین ⑧⓪اقتدار حسین ولد افتخار حسین ⑧①امیر حیدر ولد افتخار حسین ⑧②انیس حیدر ولد افتخار حسین ⑧③محبوب حیدر ولد افتخار حسین ⑧④محمد عسکری ولد نادر علی ⑧⑤کرار حسین ولد محمد عسکری ⑧⑥شجاع حسین ولد محمد عسکری۔[1]

مندرجہ بالا بزرگوں کے علاوہ ساڈھورہ کی ترمذی سادات برادری کے اور بھی کئی افراد تقسیم ہند کے بعد پاکستان آئے جن میں پیر بدھو کی اولاد کے بزرگ بھی شامل ہیں۔ مؤلف کو ان کے بارے میں معلومات نہیں مل سکیں۔ پیر بدھو کی اولاد کے اکثر افراد پاکستان سے امریکہ جا بسے۔
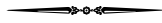
---

۱ سیّد اکرام الحسن ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد احترام الحسن ولد اکرام الحسن بالمشافہ — لاہور — ۷ مارچ ۲۰۱۸ء
سیّد محمد ضیاء الحق ولد محمد مسلم (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — جھنگ — ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء
سیّدہ رشیدہ خاتون دختر دلدار حسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ڈیرہ اسماعیل خان
سیّدہ ام لیلیٰ دختر رضا حسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون/بالواسطہ سیّد گلزار علی ولد محمد سبطین بذریعہ فون — لاہور — ۲۷ مارچ ۲۰۱۱ء، ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۹ء
سیّد ظفر عباس ولد آل حسن (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد مظہر عباس ولد ظفر عباس بذریعہ فون — سرگودھا — ۲ فروری ۲۰۱۹ء
سیّد محبوب حیدر ولد افتخار حسین (سابق رہائشی ساڈھورہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۱۱ اگست ۲۰۱۹ء
شجرہ نسب ترمذی سادات

راجگڑھ کا اجڑنا

تقسیم ہند سے پہلے راجگڑھ ریاست پٹیالہ کی تحصیل راجپورہ میں ترمذی سادات کا ایک گاؤں تھا جہاں سیّد مراد علی ولد محمد بخش زیدی ترمذی کی اولاد اور دوسرے سیّد رہتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد ریاست پٹیالہ میں ہونے کی وجہ سے اس گاؤں پہ حملہ کا خطرہ زیادہ تھا اور خوف و ہراس کی فضا تھی۔ اس گاؤں کے ایک سیّد نمبردار کو ایک نزدیکی گاؤں کے ہندو بلوائیوں نے قتل کر دیا تھا۔ راجگڑھ کے مسلمان ایک سکھ سردار، جو ان کے گاؤں کے ایک مرحوم سیّد کا دوست تھا اور ایک قریبی گاؤں کا رہنے والا تھا، کی پناہ میں انبالہ جانے کے لیے اپنے گاؤں سے نکلے۔ جس خوف و ہراس کا سامنا راجگڑھ کے مسلمانوں نے کیا اور جو مصائب انہوں نے برداشت کئے اس کی کچھ تفصیل عینی شاہدوں کی زبانی مندرجہ ذیل ہے:

سیّد غلام مرتضیٰ نے کہا: ”تقسیم ہند سے پہلے میں مسلم ہائی سکول انبالہ میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ قیام پاکستان سے دو تین ماہ پہلے سکول میں چھٹیاں ہوئیں تو میں نے سیانہ سیداں جانے کی ضد کی۔ وہاں میرے خالو سجاد حسین کا گھر تھا۔ میرے والد نے بگڑتے ہوئے ملکی حالات کے پیش نظر مجھے سیانہ جانے سے روکا لیکن میرے مسلسل اصرار کے بعد انہوں نے مجھے اجازت دے دی۔ میرے والد نے مجھے پیہوہ جانے والی بس میں بٹھا دیا اور کہا: ’اگر پیہوہ دیر سے پہنچو تو نذیر حسین کے گھر چلے جانا، رات وہاں گزارنا اور صبح سیانہ جانا۔‘ میرے والد نے یہ بھی کہا: ’آتے ہوئے چینی لیتے آنا۔‘ سیانہ میں میرے خالہ زاد بھائی اقبال حسین کے پاس چینی کا ایک ڈپو تھا۔ میں مغرب سے کچھ ہی دیر پہلے پیہوہ پہنچا۔ والد صاحب کی نصیحت کے مطابق نذیر حسین کے گھر جانے کی بجائے میں سیانہ کی طرف چل پڑا۔ سیانہ پہنچنے کے لیے مجھے جنگل پار کرنا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد راستہ دو شاخہ ہو گیا۔ میں اندازے سے ایک راستہ پر آگے بڑھنے لگا۔ رات چھا جانے کی وجہ سے جنگل میں اکیلے جاتے ہوئے مجھے خوف محسوس ہوا۔ کچھ دور جانے کے بعد میں سمجھ گیا کہ میں راستہ بھٹک گیا ہوں۔ کبھی اِدھر جاتا کبھی اُدھر لیکن پھر اپنے آپ کو اسی جگہ پاتا جہاں سے چلا تھا۔ مجھے والد صاحب کی نصیحت پر عمل نہ کرنے کا بہت افسوس تھا۔ سیانہ کے لوگ آدھی رات کے بعد جنگل میں مویشی چَرانے کے لیے آتے تھے۔ میں نے جانوروں کے گلوں میں باندھی ہوئی گھنٹیوں کی آوازیں سنیں اور ان آوازوں کا پیچھا بھی کیا لیکن مجھے مویشی نظر آئے نہ ان کے چَرانے والے۔ سحری کے وقت میں نڈھال ہو کر سہمے ہوئے ایک جگہ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ایک آدمی میرے پاس آیا اور پوچھا: ’تو کون ہے اور کہاں جانا ہے؟‘ میں نے کہا: ’مجھے سیانہ جانا ہے۔‘ اس نے کہا: ’سیانہ تو قریب ہی ہے۔ کس کے گھر جانا ہے؟‘ میں نے خالو سجاد کا نام لیا تو وہ آدمی مجھے گھر تک چھوڑنے آیا۔ خالو سجاد نے دروازہ کھولا اور مجھے اس وقت وہاں دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ انہوں نے مجھے دیوان خانہ ہی میں سلا دیا تاکہ گھر والے مجھے اس وقت دیکھ کر پریشان نہ ہوں۔ صبح اقبال حسین نے مجھ سے کہا: ’تم کیوں آئے ہو؟ تمہیں پتہ نہیں کہ ملک میں آگ لگی ہوئی ہے۔‘ میں نے کہا: ’میں چینی لینے آیا ہوں۔‘ اقبال کو اور غصہ آیا

اور اس نے کہا: ’چینی نہیں ہے۔‘ تین دن بعد اقبال نے مجھے پیہوہ سے بس میں بٹھا دیا اور ہدایت کی کہ سیدھے گھر جانا۔“ [1]

گھگر کے پل پر قتل عام

سیّد ہادی حسین نے کہا: ”قیام پاکستان کا اعلان ہوا تو کٹ مار شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے پٹیالہ کے سکھوں میں جو شیطان تھے انہوں نے شراب پی کر تلواریں اٹھا لیں اور مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ ہم اپنے گاؤں کے چاروں طرف پہرہ دینے لگے۔ ہمارے گاؤں کے نزدیک راجپورہ - انبالہ روڈ تھا اور دریائے گھگر پر پل بنا ہوا تھا۔ ریاست پٹیالہ کے دیہاتوں سے اجڑ کر آنے والے مسلمانوں کے قافلے اس پل پر سے گزر کر انبالہ جاتے تھے کیونکہ گھگر میں پانچ چھ فٹ گہرا پانی تھا۔ سکھ بلوائی پل کے قریب فصلوں میں چھپ جاتے تھے اور جونہی کوئی قافلہ پل پر پہنچتا تو اسے گھیر لیتے تھے اور شرکاء کو قتل کر کے دریا میں پھینک دیتے تھے اور ان کا سامان لوٹ لیتے تھے۔ مسلمانوں کے کئی قافلے گھگر کے پل پر قتل ہوئے اور لوٹے گئے۔ پل کے ساتھ کھیتوں میں جوار، مکئی اور چری کی فصلیں کھڑی تھیں۔ خربوزے بھی لگے ہوئے تھے۔ ہم وہاں عموماً پٹھے کاٹنے کے لیے جاتے تھے۔ کبھی جانوروں کو بھی وہاں لے جاتے تھے۔ وہ ساری ہماری زمینیں تھیں۔ ہمارے اجڑنے سے دس دن پہلے میں اُدھر گیا تو دیکھا کہ گھگر کے پل پر سکھ بلوائی مسلمانوں کے ایک قافلہ کو قتل کر رہے تھے۔ میں جوار کی فصل میں چھپ گیا۔ سڑک پر گھگر کا پل کئی فٹ اونچا تھا اور کھیتوں سے صاف نظر آتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ بلوائیوں نے عورتوں کو ننگا کر کے ان کی چھاتیاں کاٹ کر پھینک دیں۔ پھر ان کی لاشیں دریا میں یہ کہتے ہوئے پھینک دیں: ’جاؤ پاکستان۔‘ بلوائی مردوں کی گردنیں تلوار سے کاٹ کر ان کی لاشیں دریا میں پھینک دیتے اور کہتے: ’جاؤ پاکستان۔‘ مسلمانوں کی دریا میں پھینکی ہوئی لاشوں کو دیکھ کر بلوائی کہتے: ’یہ پاکستان جا رہے ہیں۔‘ اس طرح ذلیل کر کے مارتے تھے۔ یہ میں نے خود دیکھا۔ میں ڈر گیا۔ مجھے راستوں کا پتہ تھا۔ میں گاؤں واپس آ گیا اور پھر دوبارہ ادھر نہیں گیا۔“ [2]

علمدار نمبردار کا قتل

سیّد ذاکر حسین نے کہا: ”میرے والد (علمدار حسین نمبردار) بھینسیں چرانے کے لیے دریائے گھگر کے پار جاتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں پر ہونے والے حملوں کے دوران ایک دن میرے والد بھینسیں لے کر جانے لگے تو میں نے کہا: ’ابّا جی! آج گھگر کے پار نہ جاؤ۔‘ تاہم میرے والد بھینسیں لے کر دریا پار چلے گئے۔ وہاں ہندو بلوائیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ میرے والد بڑے جوان تھے۔ انہوں نے کچھ دیر حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ حملہ آور تعداد میں زیادہ تھے۔ انہوں نے

---

۱ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۲۱ جنوری، ۸ فروری ۲۰۱۸ء

میرے والد کو شہید کر دیا۔ راجگڑھ کے لوگوں کو پتہ چلا تو وہ اکٹھے ہو کر گئے اور میرے والد کی لاش اٹھا لائے۔ میری دادی جنّت جو نابینا تھیں کو اپنے بیٹے کے حوالہ سے کچھ سُن گُن ملی تو انہوں نے میرا بازو پکڑ لیا اور کہنے لگیں: 'مجھے بتا میرے پوت کو کیا ہوا۔' میں نے کہا: 'کیا پوچھیں! ابّا کو مار دیا۔' یہ سن کر میری دادی وہیں گر گئیں اور ان کا کولہا ٹوٹ گیا۔ میرے والد کی لاش کو رات بھر رکھا اور اگلے دن صبح دفن کیا۔" [1]

سیّد حیدر حسین نے کہا: "میرا بڑا بھائی ذاکر ڈنگر لے کر جانے لگا تو میرے باپ (علمدار حسین نمبردار) نے کہا: 'بیٹا چاروں طرف حملے ہو رہے ہیں۔ تو بچّہ ہے۔ تو گھر رہ اور نوکر کو ساتھ لے کر پٹھے کاٹ۔ شاکر اور میں جانور چَرا لاتے ہیں۔' شاکر میرا بھائی تھا جو مجھ سے بڑا اور ذاکر سے چھوٹا تھا۔ ذاکر گھر آ گیا۔ میرے باپ کے ساتھ شاکر کے علاوہ ابراہیم کا بیٹا نیّر، مشتاق کا بھائی تاقو اور میرا ماموں انور بھی گئے۔ دریا پار حملہ آوروں نے میرے باپ کو گھیر لیا تو اس کے ساتھی بھاگ گئے۔ میرا باپ طاقتور تھا۔ وہ بھی دوڑ سکتا تھا۔ لیکن جو وقت اللہ نے مقرر کیا ہوا تھا اس پر موت تو آنی تھی۔ اگر بڑھی ہوتی تو اُدھر کیا لینے جانا تھا۔ حملہ آوروں نے میرے باپ کی لاش کو گھسیٹ کر گنوار کی پیلی میں ڈال دیا تھا۔ اس کے سارے جسم پر زخموں کے نشان تھے۔" [2]

سیّد ہادی حسین نے کہا: "راجگڑھ کے اردگرد قتل و غارت گری کے واقعات میں اضافہ ہوا تو ہم نے کام کاج چھوڑ دیا۔ زراعت کرتے تھے نہ جانوروں کو چَرانے کے لیے لے کر جاتے تھے۔ علمدار حسین اپنے والد نھو کی وفات کے بعد نمبردار بن گیا تھا اور اس کا رعب بھی تھا۔ اگرچہ سب کو منع کیا گیا تھا لیکن وہ اپنے جانور لے کر دریا پار چڑھتی طرف چلا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ کوئی اس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ دو تین بندے اور بھی تھے۔ دریا پار امرودوں کا ایک باغ تھا جو کسی مسلمان کا تھا لیکن ہندوؤں کو ٹھیکہ پر دیا ہوا تھا۔ علمدار نے باغ میں کام کرنے والے ہندوؤں سے کہا: 'امرود لاؤ۔' انہوں نے کہا: 'میر صاحب! بیٹھو، ابھی امرود لاتے ہیں۔' ہندوؤں نے ایک بندے کو نون گروں کے ایک قریبی گاؤں میں یہ پیغام دے کر بھیج دیا: 'شکار پھنسا ہوا ہے، آ جاؤ۔' پھر امرود لے آئے۔ علمدار وغیرہ امرود کھانے لگے۔ اتنے میں دس بارہ چھبیوں سے مسلح ہندو نون گر آ گئے۔ انہوں نے علمدار کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور چھبیاں مار مار کے اس کے جسم کے ٹکڑے کر دیے اور اسے شہید کر دیا۔ علمدار کے ساتھ جو گئے تھے وہ بھاگ آئے۔ انہوں نے گاؤں میں آکر ہمیں علمدار کے قتل کی خبر دی۔ گاؤں کے لوگ علمدار کی لاش اٹھانے گئے تو میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ نون گر اپنا گاؤں چھوڑ کر انبالہ چلے گئے۔ انہیں پتہ تھا کہ سیّدوں کا بندہ قتل ہوا ہے، اب وہ حملہ کریں گے۔ ہم گئے تو دیکھا کہ سارا گاؤں خالی تھا۔ اس وقت بے بسی تھی۔ کوئی حکومت نہیں تھی۔ پھر ہم نے علمدار کی لاش ڈھونڈی۔ میں نے دیکھا کہ گنوار کے کھیت میں تقریباً پانچ مرلہ جگہ پر خون ہی خون تھا۔ لاش جگہ جگہ سے پھاڑی ہوئی تھی۔ ہم لاش اٹھا کر لائے۔

---

١ سیّد ذاکر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۴ اپریل ۲۰۱۱ء

۲ سیّد حیدر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — نوشہرہ ورکاں — ۶ مارچ ۲۰۱۸ء

میّت کو بڑی مشکل سے نہلایا کیونکہ جسم پر ہر جگہ زخم تھے۔“ [۱]

سیّد غلام مرتضیٰ نے کہا: ”ہندوؤں نے علمدار حسین کی لاش کے ٹکڑے کر دیے تھے۔ راجگڑھ والے اس کی لاش اٹھا کے لائے۔ دو دن اس کی لاش گاؤں میں پڑی رہی اور لوگ اختلاف کرتے رہے۔ کوئی کہتا تھانہ میں رپٹ درج کروائی جائے، کوئی کہتا اس قتل پر احتجاج کیا جائے اور کوئی کہتا حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے لاش کو دفن کر دیا جائے۔ میرے والد (محمد رضا حسین) گاؤں کے نمبردار تھے۔ میں نے ان سے کہا: ’اگر آپ رپٹ درج کروانے کے لیے تھانہ گئے تو بے عزّتی ہو گی۔ پولیس آپ کو ہی پکڑ لے گی۔‘ بالآخر علمدار کو دفن کر دیا گیا اور تھانہ جا کر رپٹ درج کروانے یا احتجاج کرنے کی تجاویز پر عمل نہیں کیا گیا۔“ [۲]

ابنِ کا سکھ دوست اور انبالہ روانگی

سیّد ہادی حسین نے کہا: ”علمدار کے قتل کے بعد ہمیں پتہ لگ گیا کہ اب ہم راجگڑھ میں نہیں رہ سکتے۔ چاچا محمد رضا ہمارا نمبردار تو تھا لیکن تقسیم ہند کے بعد ہونے والے حملوں کے نتیجہ میں ہم مجبور ہو گئے تھے۔ چوڑھے، چمار اور کمّی بھی ہم پر رعب ڈالتے تھے۔ کوئی حکومت نہیں تھی۔ ان حالات میں ہم نے انبالہ جانے کا فیصلہ کیا تو چاچا ابنِ حسن مرحوم کے بیٹے دلبر کو مدد حاصل کرنے کے لیے نواں گاؤں بھیجا۔ نواں گاؤں کے سردار کے ساتھ ابنِ کی دوستی تھی۔ سردار کا نام مجھے یاد نہیں۔ اس کی شراب کی بھٹیاں تھیں اور وہ شراب بیچتے تھے۔ سکھ بہت شراب پیتے تھے۔ ہم میں سے جن میں ایمان کی کمی تھی وہ بھی ان کے ساتھ پیتے تھے۔ دلبر نے اپنے مرحوم والد کے دوست سکھ سردار سے کہا: ’ہمارا راجگڑھ میں رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ اپنی ڈبل نالی رائفل لے کر آ جاؤ اور ہمیں انبالہ چھوڑ آؤ۔‘ سردار نے کہا: ’ٹھیک ہے، چلو۔‘ سردار کا ایک سالا تھا جو بہت خبیث تھا۔ اس نے کہا: ’میں انہیں چھوڑ کر آتا ہوں۔‘ سردار نے کہا: ’چل دفع ہو۔ ہر وقت ان کی مخالفت کرتا ہے، اب چھوڑنے کا کہتا ہے۔ تو انہیں مار دے گا۔ میرے دوست ہیں، میں انہیں چھوڑ کر آؤں گا۔‘ سالے نے کہا: ’وہ مسلمان ہیں۔‘ سردار نے کہا: ’مسلمان ہیں تو کیا ہوا، رَب نے پیدا نہیں کیے؟‘ اس طرح کی دوستیاں تھیں۔ سردار مسلح ہو کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ راجگڑھ آ گیا اور مسلمانوں سے کہا: ’گاؤں کے باہر اکٹھے ہو جاؤ۔‘ ہم اپنا تھوڑا تھوڑا سامان گڈوں پر لاد کر باہر نکل آئے۔ بھرے گھر اور سب جانور وہیں چھوڑ دیے۔“

شرکاء قافلہ

راجگڑھ کے مسلمانوں کے قافلہ میں سیّد برادری کے کم از کم مندرجہ ذیل افراد شامل تھے:

---

۱ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۲۶ دسمبر ۲۰۱۷ء، ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

سیّدوں کا پہلا محلہ

① محمد رضا حسین نمبردار ولد علی حسین ② سلامتی بیگم زوجہ محمد رضا حسین ③ غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین ④ انعام فاطمہ دختر محمد رضا حسین (وہ انبالہ بیاہی تھیں اور اپنے والدین کے پاس راجگڑھ آئی ہوئی تھیں) ⑤ مرتضائی بیگم دختر محمد رضا حسین ⑥ تصوّر حسین ولد علی گوہر ⑦ منوّر حسین ولد تصوّر حسین ⑧ ہادی حسین ولد تصوّر حسین ⑨ دولت امام ولد تصوّر حسین ⑩ افضل حسین ولد تصوّر حسین ⑪ اصغر علی ولد تصوّر حسین ⑫ ممتاز فاطمہ دختر تصوّر حسین ⑬ آمنہ خاتون زوجہ منوّر حسین ⑭ علی امام ولد منوّر حسین ⑮ سنجیدہ دختر منوّر حسین ⑯ علی رضا ولد علی گوہر ⑰ حمیدن زوجہ علی رضا ⑱ یاور حسین ولد علی رضا ⑲ اصغری دختر علی رضا ⑳ عون محمد ولد تفضل حسین ㉑ جعفری بیگم زوجہ عون محمد ㉒ صغیری فاطمہ بیوہ ابنِ حسن ㉓ دلبر حسین ولد ابنِ حسن ㉔ عزادار حسین ولد ابنِ حسن ㉕ اخلاق حسین ولد ابنِ حسن ㉖ اکرام حسین ولد ابنِ حسن ㉗ اقرار حسین ولد ابنِ حسن ㉘ عزیز فاطمہ دختر ابنِ حسن ㉙ صغیر حسین ولد امیر علی ㉚ کاظمی بیگم زوجہ صغیر حسین ㉛ منیر حسین ولد صغیر حسین ㉜ زاہد حسین ولد صغیر حسین ㉝ حسن رضا ولد صغیر حسین ㉞ ظفر رضا ولد صغیر حسین ㉟ کنیز فاطمہ دختر صغیر حسین ㊱ رضیہ بیگم دختر صغیر حسین[1]

سیّدوں کا دوسرا محلہ

① جنّت بیوہ نھو نمبردار ② اقبال بانو بیوہ علمدار حسین نمبردار ③ ذاکر حسین ولد علمدار حسین ④ شاکر حسین ولد علمدار حسین ⑤ حیدر حسین ولد علمدار حسین ⑥ شاکری دختر علمدار حسین ⑦ رفیقن دختر علمدار حسین ⑧ مسیتے شاہ ولد نیامت علی ⑨ منظور حسین ولد مسیتے شاہ ⑩ نذر عباس ولد مسیتے شاہ ⑪ نذیر حسین ولد مسیتے شاہ ⑫ حیدری بیگم دختر مسیتے شاہ ⑬ مصطفائی بیگم دختر مسیتے شاہ ⑭ زوجہ منظور حسین ⑮ تصوّر حسین (وہ تینھوڑی کے رہنے والے تھے اور شادی کے بعد راجگڑھ میں رہنے لگے تھے) ⑯ کاظمی بیگم زوجہ تصوّر حسین ⑰ قربان علی ولد سبحان علی ⑱ بانو زوجہ قربان علی ⑲ نذر عباس ولد قربان علی ⑳ سادو دختر قربان علی ㉑ چھیم دختر قربان علی ㉒ کرامت علی ㉓ سروری عرف سبی زوجہ کرامت علی ㉔ انور ولد کرامت علی ㉕ سرور ولد کرامت علی ㉖ تصدق ولد کرامت علی ㉗ تفضل حسین ولد کرامت علی ㉘ کوثری دختر کرامت علی ㉙ محمد صدیق ㉚ انوری زوجہ محمد صدیق ㉛ ناظم حسین ولد محمد صدیق ㉜ کاظم حسین ولد محمد صدیق ㉝ رفیق حسین ولد محمد صدیق ㉞ کاظمی دختر محمد صدیق ㉟ فدا حسین ولد باقر علی ㊱ اختری زوجہ اوّل فدا حسین ㊲ اقبال فاطمہ عرف بالی زوجہ دوئم فدا حسین ㊳ صابر حسین ولد باقر علی ㊴ زوجہ صابر حسین ㊵ رشید

---

۱ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۲۶ دسمبر ۲۰۱۷ء، ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء
سیّد حسن رضا ولد صغیر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۱۸ فروری ۲۰۲۰ء

ولد شبیر حسین ㊶خورشید ولد شبیر حسین[1]

سیّدوں کا تیسرا محلہ

①محمد نقی ولد غلام بھیک ②اکبری بیگم زوجہ دوئم محمد نقی ③جعفری بیگم زوجہ سوئم محمد نقی ④رضا حسین ولد محمد نقی ⑤شوکت علی ولد محمد نقی ⑥اقبال حسین ولد محمد نقی ⑦رزاق حسین ولد محمد نقی ⑧زاہد حسین ولد محمد نقی ⑨محمد ذکی ولد محمد نقی ⑩محمد حسنین ولد محمد نقی ⑪محمد ثقلین ولد محمد نقی ⑫محمد اسحاق ولد محمد نقی ⑬ہاشمی بیگم دختر محمد نقی ⑭عقیلہ دختر محمد نقی ⑮صدیقن زوجہ رضا حسین ⑯دلدار حسین ولد رضا حسین ⑰ابرار حسین ولد رضا حسین ⑱آمنہ بیگم دختر رضا حسین ⑲صغریٰ بی بی زوجہ شوکت علی ⑳فاطمہ زوجہ اقبال حسین ㉑سید محمد ㉒مناسب بی بی زوجہ سید محمد ㉓حامد حسین ولد سید محمد ㉔عباس علی ولد سید محمد ㉕فیض حسین ولد سید محمد ㉖فضل امام ولد سید محمد ㉗ذوالفقار ولد سید محمد ㉘زوّار حسین ولد سید محمد ㉙غلام عباس ولد سید محمد ㉚میر حسن ولد سید محمد ㉛حیدری بیگم دختر سید محمد ㉜بانو زوجہ حامد حسین ㉝سروری زوجہ عباس علی ㉞سروری زوجہ فیض حسین ㉟کلثوم زوجہ ذوالفقار ㊱اللہ دیا ㊲محمدی زوجہ اللہ دیا ㊳مشتاق حسین ولد اللہ دیا ㊴اشتیاق حسین ولد اللہ دیا ㊵مختار حسین ولد اللہ دیا ㊶سجاد حسین ولد اللہ دیا ㊷اعجاز حسین ولد اللہ دیا ㊸ارشاد حسین ولد اللہ دیا ㊹صابری دختر اللہ دیا ㊺کنیز زوجہ مشتاق حسین ㊻صابر ولد مشتاق حسین ㊼زبیدہ زوجہ مختار حسین ㊽زمرد ولد مختار حسین ㊾علی حسن عرف سینا ㊿زوجہ علی حسن (۵۱)محمد حسین ولد علی حسن (۵۲)احمد حسین ولد علی حسن (۵۳)اختر حسین ولد علی حسن (۵۴)بھوری زوجہ محمد حسین (۵۵)دلبر حسین ولد محمد حسین (۵۶)سلامت علی (۵۷)فاطمہ زوجہ سلامت علی (۵۸)محمد منگتا ولد سلامت علی (۵۹)سلامتی بیگم دختر سلامت علی (۶۰)شبیر ولد مہدی حسن (۶۱)شریفن زوجہ شبیر (۶۲)توقیر شاہ ولد شبیر (۶۳)مسیتی بیگم دختر شبیر (۶۴)مسیتا (۶۵)زوجہ اوّل مسیتا (۶۶)اقبال بیگم زوجہ دوئم مسیتا (۶۷)جرار شاہ ولد مسیتا (۶۸)سبطین شاہ ولد مسیتا (۶۹)جمیلہ دختر مسیتا۔[2]

سیّد ہادی حسین نے کہا: ”ہمارا قافلہ سکھ سردار اور اس کے ساتھیوں کی حفاظت میں دہلی-لاہور روڈ پر چڑھ گیا۔ قافلہ کے آگے اور پیچھے حفاظت کے لیے سردار کے سکھ ساتھی تھے۔ ہم نے گھگر کا پل کراس کیا تو پیچھے سے بلوچ رجمنٹ کی گاڑیاں آ گئیں۔ فوجیوں نے ہم سے پوچھا: ’کہاں جا رہے ہو؟‘ ہمارے بزرگوں نے کہا: ’انبالہ جا رہے ہیں۔‘ انہوں نے کہا: ’سکھ کیوں ساتھ ہیں؟‘ ہمارے بزرگوں نے کہا: ’یہ ہماری حفاظت کے لیے ہیں۔‘ فوجیوں نے سکھ سردار سے کہا: ’اب تم واپس چلے جاؤ۔ ہمیں پاکستان نے مسلمان مہاجرین کی حفاظت کے لیے بھیجا ہے۔ ہم انہیں انبالہ پہنچائیں گے۔‘ سکھ سردار اور اس کے ساتھی واپس چلے گئے۔ فوجیوں نے ایک گاڑی قافلہ کے آگے اور ایک پیچھے لگا دی۔ ہمارے اجڑنے کی خبر اردگرد کے

---

۱ سیّد حیدر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — نوشہرہ ورکاں — ۶ مارچ ۲۰۱۸ء

۲ سیّد محمد ثقلین ولد محمد نقی (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — ببر — ۶ مارچ ۲۰۱۸ء

سیّد محمد ذکی ولد محمد نقی (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — ببر — ۲۰ مارچ ۲۰۱۸ء

علاقوں میں پھیل گئی تھی۔ ڈیڑھ دو کلو میٹر آگے گئے تو سڑک کے ساتھ فصلوں میں چھپے ہوئے سکھ بلوائی ہم پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ فوجیوں نے گاڑی پر لگی ہوئی برین گن سے برسٹ مارا تو سب حملہ آور بھاگ گئے۔ اگر بلوچ رجمنٹ کے فوجی ہمیں نہ ملتے تو نواں گاؤں کے سکھ سردار نے بھی بلوائیوں کو حملہ نہیں کرنے دینا تھا۔ وہ سردار علاقہ میں بہت بااثر تھا۔ ہم فوجیوں کی حفاظت میں بخیریت انبالہ پہنچ گئے۔“ ①

سیّد ذاکر حسین نے کہا: ”میرے والد کے قتل کے بعد راجگڑھ والوں نے گاؤں چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور پروگرام بنایا کہ سگرانہ بھریلی، جو سیّدوں کا گڑھ تھا، جائیں۔ لیکن نواں گاؤں کا سردار سنگھ جو ابنِ کا دوست تھا اپنے ساتھیوں کے ساتھ راجگڑھ آیا اور کہا: ’سیّدو! کل تمہارا جو جوان مرا اس جیسا راجگڑھ میں کوئی جوان نہ تھا۔ میں اس لیے آیا ہوں کہ میرا دوست ابنِ (مرحوم) یہ نہ کہے کہ او سردار! تو سکھ ہی رہا نا۔ میرے عزیزوں پر مصیبت پڑی اور تو نے مدد نہ کی۔ گڈے جوڑو، میں تمہیں انبالہ چھوڑ آتا ہوں۔‘ راجگڑھ کے مسلمانوں کا قافلہ سردار سنگھ اور اس کے ساتھیوں کی حفاظت میں چل پڑا۔ قافلہ سڑک پہ چڑھا تو سردار سنگھ گھوڑی پر سوار کبھی قافلہ کے آگے اور کبھی پیچھے جاتا تھا۔ اس نے قافلہ کے پیچھے راجپورہ سے انبالہ آنے والی ٹریفک اور آگے انبالہ سے راجپورہ جانے والی ٹریفک کو بھی روک دیا تھا۔ ہمارا قافلہ بخیریت انبالہ پہنچ گیا۔“ ②

سیّد غلام مرتضیٰ نے کہا: ”میرے والد نے گاؤں چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو لوگوں کو بتایا کہ کل وہ گاؤں چھوڑ کر انبالہ چلے جائیں گے۔ راجگڑھ والے گاؤں چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ایک قریبی سکھوں کے گاؤں میں میرے والد کا دوستانہ تھا۔ میرے والد نے اپنے دوستوں سے مدد مانگی جس کے نتیجہ میں اگلے روز کچھ مسلح سکھ ہمارے گاؤں آ گئے۔ جب ہم نکلنے لگے تو گاؤں کے لوگ میرے والد کے پاس آئے اور کہا: ’محمد رضا! دو گھنٹے ٹھہر جاؤ، ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔‘ میرے والد نے ان کی بات مان لی۔ دو گھنٹے بعد راجگڑھ کے سب مسلمان قافلہ کی صورت میں انبالہ جانے کے لیے چل پڑے۔ چار میل کا فاصلہ بخیریت طے پا گیا۔“ ③

سیّد حیدر حسین نے کہا: ”ہم اپنے والد کو دفنا کر بیٹھے تھے۔ نواں گاؤں کا سردار جو ابنِ کا دوست تھا گھوڑی پر بیٹھ کر آیا۔ مجھے اس کے نام کا پتہ نہیں۔ سردار، سردار کہتے تھے۔ اس نے کہا: ’سکھ میرے ترلے کرتے ہیں کہ حکم دو، ہم نے راجگڑھ کو آگ لگانی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ میرے یار کا گاؤں ہے۔ یہ کام میں نے نہیں ہونے دینا۔ میرا یار مر گیا۔ وہ کیا کہے گا، تو چنگا یار ہے، میرے گاؤں پر حملہ کروا دیا۔ میں نے بھی تو مرنا ہے۔ تم گڈے جوڑو، میں تمہیں انبالہ چھوڑ آتا ہوں۔ میں اپنے یار سے سرخرو ہو جاؤں گا۔‘ سب گاؤں والوں نے گڈے جوڑ لیے۔ ایک ہمارا گھر رہ گیا اور ایک دلبر کا جس کا باپ سردار کا یار دوست تھا۔ سردار نے میرے نانا ذوالفقار سے کہا: ’شاہ جی! تُسی گڈا نہیں جوڑیا۔‘ میرے نانا نے کہا: ’مجھے پتہ نہیں گڈا کیسے جوڑتے ہیں۔‘ میرے نانا انبالہ میں رہتے تھے اور میرے والد کے قتل کی خبر سن کر چھپتے چھپاتے راجگڑھ پہنچے

---

۱ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء

۲ سیّد ذاکر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۴ اپریل ۲۰۱۱ء

۳ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

تھے۔ سردار نے کہا: 'نمبردار نے بندہ رکھا ہوا تھا، اسے بلاؤ۔' میرے نانا نے کہا: 'مجھے تو پتہ نہیں۔' پھر سردار نے میرے بڑے بھائی ذاکر سے کہا: 'جا بیٹا اس چوڑھے کو بلا کر لا جسے نمبردار نے رکھا ہوا تھا۔' ذاکر اسے بلا کر لایا اور اس نے گڈا جوڑا۔ سردار نے ذاکر سے کہا: 'دانے وغیرہ جو رکھنے ہیں رکھ لو، کیمپوں میں پتہ نہیں مہینہ لگتا ہے، دو مہینے یا تین مہینے۔ دانے پسوا کر کھا تو لیا کرو گے۔' ہمارے گھر میں گندم، چنوں اور مَسری کی بوریاں رکھی تھیں۔ جلدی میں گندم کی بوریاں رکھیں نہ چنوں کی، مَسری کی بوریاں گڈے پر رکھ دیں۔ سردار اور اس کے ساتھیوں میں سے چار کے پاس بندوقیں تھیں۔ وہ ہمارے گڈوں کے ساتھ چلے۔ سردار گھوڑی پر سوار کبھی آگے اور کبھی پیچھے جاتا تھا۔ آگے سے سکھ آتے تو انہیں سڑک سے نیچے اتار دیتا تھا اور جو پیچھے سے آتے انہیں پیچھے بھیج دیتا تھا۔ سردار کا بڑا نام تھا۔ سب اس کو مانتے تھے۔ میرے نانا کا گھر انبالہ میں تھا۔ ہم وہاں چلے گئے۔ میرے دادا قربان علی اور دادا کرامت بھی وہاں آ گئے۔ وہاں کئی مکان خالی پڑے تھے کیونکہ دنیا آ جا رہی تھی۔" ①

سیّدہ انعام فاطمہ کہتی تھیں: "تقسیم ہند سے پہلے کشیدگی بڑھی تو میرے والد (محمد رضا حسین نمبردار) نے مجھے انبالہ سے راجگڑھ بلا لیا تھا۔ راجگڑھ اجڑا تو میں اپنے والدین کے ساتھ پہلے انبالہ اور پھر پاکستان آئی۔" ②

سیّد حسن رضا نے کہا: "ہم گڈے پر بیٹھ کر راجگڑھ سے انبالہ کے لیے نکلے۔ قافلہ کے انبالہ پہنچنے سے پہلے میری والدہ گڈے پر ہی انتقال کر گئیں۔" ③

انبالہ میں قیام

سیّد ہادی حسین نے کہا: "انبالہ کے ہاشمی محلہ میں ہمارے ایک رشتہ دار کا گھر خالی پڑا تھا۔ وہ سب چیزیں چھوڑ کر پاکستان جا چکے تھے۔ ضرورت کی ہر چیز گھر میں موجود تھی۔ ہم اس مکان میں جا ٹھہرے۔ چاچا علی رضا راجگڑھ میں رہ گئے تھے۔ دوبارہ گاؤں جا کر انہیں لے کر آئے۔" ④

سیّد غلام مرتضیٰ نے کہا: "انبالہ میں ہم نے محلہ ہاشمی سادات میں قیام کیا جب کہ گاؤں کے لوگ کیمپ میں چلے گئے۔ چار دن بعد کیمپ میں مقیم راجگڑھ کے کچھ لوگ دوبارہ اپنے گاؤں گئے تاکہ کچھ سامان لائیں۔ وہاں ان پر حملہ ہو گیا۔ وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر انبالہ واپس پہنچے۔" ⑤

---

۱ سیّد حیدر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — نوشہرہ ورکاں — ۶ مارچ ۲۰۱۸ء

۲ سیّدہ انعام فاطمہ دختر محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد انجم رضا ولد غلام مرتضیٰ بذریعہ فون — لاہور — ۱۵ مئی ۲۰۲۰ء

۳ سیّد حسن رضا ولد صغیر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۱۸ فروری ۲۰۲۰ء

۴ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۲۱ جنوری ۲۰۱۸ء

۵ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

سیّد ذاکر حسین نے کہا: ”انبالہ میں ہم اپنی والدہ کے ساتھ اپنے نانا کے گھر چلے گئے۔ میرے والد کے عزیزوں نے ہمیں چھوڑ دیا تھا۔ میری والدہ سے بچّوں کی بھوک برداشت نہیں ہوتی تھی۔ انہوں نے میرے نانا سے کہا: ’میرے گھر میں سب کچھ تھا۔ اب میرے بچّے بھوک کی وجہ سے دیواروں کو چاٹتے ہیں۔ مجھے میرے بچّوں کے ساتھ تانگے پر چڑھا دے۔ میں ہندو بن جاتی ہوں تاکہ میرے بچّوں کو پیٹ بھر کے کھانا تو ملے۔‘ تاہم میرے نانا مشکل حالات کے باوجود میری والدہ کو اور ہمیں پاکستان لے کر آئے۔“ [۱]

سیّد ہادی حسین نے کہا: ”اردگرد کے علاقوں سے مسلمانوں کے قافلے گڈے جوڑ کر انبالہ آتے تھے۔ پھر شہر میں رہنے کی جگہ نہیں رہی تو لائن کے پاس اور کسولی والی سڑک کے پاس کیمپ لگ گئے۔ ہمیں تو گھر مل گیا تھا، کیمپوں میں بہت خجل خواری ہوئی۔ ہندو آٹا بیچتے تھے۔ انہوں نے کانچ پیس کر آٹے میں ملا دیا۔ جو کھاتے گئے انہیں ٹٹیاں لگتی گئیں اور وہ مرتے گئے۔ ایک کو دبا کر آتے تو دوسرا مر جاتا۔ دوسرے کو دبا کر آتے تو تیسرا مر جاتا۔ پھر چوتھا اور پانچواں۔ اس طرح مرنے والوں کا نمبر ہی لگا رہتا تھا۔ گورکھے فوجی جو ہندو تھے انبالہ کیمپ میں حفاظت پر تعینات تھے۔ انہوں نے وہاں حرامزدگی کی۔ وہ مسلمان لڑکیوں کو اغوا کر لیتے تھے اور مہاجرین کو گولی بھی مار دیتے تھے۔ وہاں بہت مشکل حالات تھے۔ خوراک نہیں ملتی تھی۔ پیچش، جلاب وغیرہ کی بیماریاں پھیلیں۔ کوئی علاج نہیں تھا۔ بہت بربادی ہوئی۔“ [۲]

سیّد رزاق حسین کہتے تھے: ”راجگڑھ کے سلامت علی بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو انبالہ کیمپ میں کانچ-ملا آٹا کھانے کی وجہ سے مارے گئے۔ تاہم ان کی بیوہ، بیٹا اور بیٹی قافلہ والوں کے ساتھ پاکستان پہنچ گئے۔“ [۳]

سیّد ہادی حسین نے کہا: ”انبالہ میں کرفیو، بارہ بارہ، چودہ چودہ گھنٹے مسلسل رہتا تھا۔ کرفیو میں کوئی باہر نکلتا تو فوجی اسے گولی مار دیتے تھے۔ پانی ملتا تھا نہ کھانے پینے کی کوئی اور چیز۔ ہم نے سوچا ہاشمی محلہ سے کسی ایسی جگہ جائیں جہاں کرفیو ہلکا ہو۔ انبالہ میں ایک چھوٹا سا مفتیوں کا محلہ تھا۔ میری دادی جو علی گوہر کی زوجہ تھیں اس محلہ کی تھیں۔ وہ تقسیم ہند سے پہلے وفات پا چکی تھیں۔ ایک دن کرفیو میں وقفہ کے دوران ہم مفتیوں کے محلہ کے حالات دیکھنے کے لیے گئے۔ جس مکان میں ہم گئے وہ بالکل خالی پڑا تھا۔ صرف کتابوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ باقی لوگ واپس چلے گئے اور دلبر اور مجھے کہا: ’تم بعد میں آ جانا۔‘ جب ہم جانے کے لیے نکلنے لگے تو وسل بج گئی جس کے بعد کوئی باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ ہم باہر نکلتے تو فوجیوں نے گولی مار دینی تھی۔ ہمیں وہاں ۱۲ گھنٹے بھوکے، پیاسے رہنا پڑا۔“ [۴]

سیّد غلام مرتضیٰ نے کہا: ”انبالہ میں کسی نے مجھے بتایا کہ ماسٹر بشیر حسین سرٹیفکیٹ دے رہے ہیں۔ میں ماسٹر

---

۱ سیّد ذاکر حسین ولد علمدار حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — ۲۴ اپریل ۲۰۱۱ء

۲ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۸ فروری ۲۰۱۸ء

۳ سیّد رزاق حسین ولد محمد نقی (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد محمد زمان ولد رزاق حسین بالمشافہ — ببر — ۶ مارچ ۲۰۱۸ء

۴ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — نوشہرہ ورکاں — ۸ فروری ۲۰۱۸ء

صاحب کے گھر پہنچ گیا اور اپنے آنے کی اطلاع بھجوائی۔ ماسٹر صاحب نے مجھے اگلے دن صبح بلایا۔ جب میں اگلے دن صبح پہنچا تو ماسٹر صاحب نے پوچھا: 'کیسے آئے ہو؟' میں نے کہا: 'نویں جماعت کا سرٹیفکیٹ چاہیے۔' سرٹیفکیٹ کا نام سنتے ہی ماسٹر صاحب کا پارہ چڑھ گیا۔ انہوں نے کہا: 'میں تمہیں سرٹیفکیٹ دے دوں۔ پھر تم جا کر دوسروں کو بتاؤ اور سب میرے گھر پر دھاوا بول دیں۔ چلو بھاگ جاؤ، میرے پاس کوئی سرٹیفکیٹ نہیں ہے۔' میں خاموشی سے واپس آ گیا۔" [۱]

انبالہ سے پاکستان

سیّد ہادی حسین نے کہا: "کرنل مقبول حسین، جن کے نام پر راولپنڈی میں امام بارگاہ ہے، ہمارے جدی تھے۔ وہ پڑھے لکھے تھے اور راجگڑھ چھوڑ کر انبالہ میں رہنے لگے تھے۔ کرنل مقبول حسین اس وقت انبالہ میں ڈیوٹی پر تھے۔ میرے ابا جی اور چاچا جی نے پاکستان جانے کے لیے ان سے مدد مانگی تو انہوں نے کہا: 'جب وقت آئے گا تو میں بتاؤں گا۔' ہم انبالہ میں کوئی ۱۵ دن رہے۔ پھر ایک دن کرنل مقبول نے کہا: 'اپنا سامان اٹھا کر اسٹیشن پر آ جاؤ۔' ہم سامان اٹھا لائے اور ریلوے لائن کے ساتھ پلیٹ فارم پر رکھ دیا۔ کرنل مقبول نے ہمارے لیے پورا ڈبہ ریزرو کروا دیا تھا۔ گاڑی پلیٹ فارم پر آئی تو ہم کرنل مقبول کی مدد سے ڈبے کے اندر بیٹھ گئے اور دروازے اندر سے بند کر لیے۔ کرنل صاحب کے وسیلہ سے ہم بڑے آرام سے ڈبے کے اندر بیٹھ کر آئے۔ بہت سے آدمی ڈبوں کی چھتوں پر بیٹھ گئے۔ ٹرین کے ڈبے کی چھت بس کی چھت کی طرح نہیں ہوتی بلکہ درمیان سے اونچی اور اطراف سے نیچی ہوتی ہے۔ بلوائیوں نے کئی جگہ ریلوے لائن کے اوپر تاریں لگا دی تھیں جن کی وجہ سے اوپر بیٹھے ہوئے کئی آدمی نیچے گر گئے اور سامان بھی نیچے گر گیا۔" [۲]

سیّد غلام مرتضیٰ نے کہا: "انبالہ آنے کے ۲۰، ۲۲ روز بعد ہم اپنے والد کے ہمراہ پاکستان آنے کے لیے اسپیشل ٹرین میں سوار ہوئے۔ اس ٹرین میں مال گاڑی والے کھلے ڈبے لگے ہوئے تھے۔ مسلمان مہاجرین کی حفاظت کے لیے ساتھ آنے والے فوجیوں نے لوگوں کو کسی بھی اسٹیشن پر نیچے اترنے سے منع کیا تھا۔ لدھیانہ اسٹیشن پر ایک شخص ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود نیچے اتر گیا۔ بلوائیوں نے اسے سب کی آنکھوں کے سامنے ذبح کر دیا۔" [۳]

سیّد ہادی حسین نے کہا: "جب ہم اٹاری کراس کر کے پاکستان میں داخل ہوئے تو سجدہ شکر کیا۔ ہمارے بزرگوں نے فیصلہ کیا کہ گوجرانوالہ چلتے ہیں کیونکہ راجگڑھ کے سید محمد نے پہلے ہی وہاں آ کر جین مندر کے پاس ایک دکان کر لی تھی۔ اوپر ایک چوبارہ تھا جو اس نے قابو کر لیا تھا۔ گوجرانوالہ پہنچ کر میرے والد نے سید محمد سے کہا: 'ہم تیرے پاس آئے ہیں۔ ہم نے سوچا چلو سید محمد وہاں ہے۔' سید محمد کہنے لگا: 'جین مندر میں جگہ نہیں ہے۔' حالانکہ گوجرانوالہ سارا خالی پڑا تھا۔ میرے والد نے کہا: 'ہمیں مندر میں قیام کرنے دے۔' سید محمد نے کہا: 'یہ تو میرے واسطے ہے۔' میرے والد نے کہا: 'ایک رات تو

---

۱ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ کبیروالا ـــ ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۲ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ نوشہرہ ورکاں ـــ ۸ فروری ۲۰۱۸ء

۳ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ کبیروالا ـــ ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

ہمیں رہنے دے۔' اگلے دن صبح ہم تانگے کروا کے نوشہرہ ورکاں آ گئے۔ اسے نوشہرہ اس لیے کہتے ہیں کہ نو سڑکیں یہاں سے چلتی ہیں اور ورکاں اس لیے کہ تقسیم ہند سے پہلے ورک برادری کے سکھ یہاں رہتے تھے۔ ہم یہاں آئے تو ہائی سکول کی عمارت میں قیام کیا۔ یہاں کے تھانیدار نے بندے بھیجے کہ پتہ کر کے آؤ یہ لوگ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے کہا: 'ہم انڈیا سے آئے ہیں اور سادات برادری سے ہیں۔' تھانیدار نے ہمارے سیانے بندوں کو اکٹھا کیا اور پوچھا: 'تمہارا کیا ارادہ ہے۔' ہمارے بزرگوں نے کہا: 'ہمیں ببر جانا ہے۔ وہاں ہمارے رشتہ دار ہیں۔' تھانیدار نے کہا: 'وہاں بالکل نہیں جانا۔ میں وہاں نہیں جانے دوں گا۔ وہاں کچی سڑک ہے۔ بارش ہوتی ہے تو گزرنے کا راستہ نہیں ہوتا۔ تم یہیں رہو۔' تھانیدار بہت زبردست آدمی تھا۔ اس نے تقسیم ہند کے بعد لوکل لوگوں کو ہندوستان جانے والے سکھ، ہندو مہاجرین کا مال لوٹنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ تھانہ میں اس وقت بوہڑ کا ایک درخت تھا جس پر ایک رسہ لٹکا ہوا تھا۔ اگر کوئی لوٹ مار کرتا تو تھانیدار کے حکم پر پولیس والے اسے پکڑ کر بوہڑ کے ساتھ الٹا لٹکا دیتے تھے۔ پھر سوٹیاں مارتے تو لوٹ مار کرنے والا سب کچھ بتا دیتا تھا۔ تھانیدار نے لوکل لوگوں کی کمیٹیاں بنائی ہوئی تھیں اور ان کمیٹیوں کے ارکان کے ذِمّہ ہندوستان جانے والے مہاجرین کے سامان کی حفاظت تھی۔ تھانیدار نے کمیٹیوں کے ارکان کو ہمارے بارے میں کہا: 'اِن کے لیے گھروں کے تالے کھول دو۔ جو کچھ ہے ان کا ہے۔ خبردار! اگر کسی نے ایک چمچہ بھی اٹھایا۔' اس طرح ہمیں گھر مل گئے۔ تھانیدار نے ہمارے ساتھ بڑی رعایت کی۔ پھر محرم آ گیا۔ ہم نے تھانیدار سے مجالس کے لیے جگہ مانگی تو اس نے ہمارے گھروں کے پاس گردوارہ ہمیں دے دیا۔ اس گردوارہ کی جگہ امام بارگاہ بنا جو آج بھی آباد ہے۔" ①

سیّد حسن رضا نے کہا: "پاکستان میں ہم نوشہرہ ورکاں پہنچے تو میرا چھوٹا بھائی ظفر رضا فوت ہو گیا۔ اس کی عمر ایک سال تھی۔ ہماری والدہ پہلے ہی راجگڑھ سے انبالہ آتے ہوئے وفات پا گئی تھیں۔" ②

سیّد غلام مرتضیٰ نے کہا: "ہم لاہور پہنچے تو مجھے پتہ چلا کہ ماسٹر بشیر حسین بھی وہاں آ گئے ہیں اور اچھرہ، شاہ جمال روڈ پر مقیم ہیں۔ میں ان سے ملنے گیا۔ ماسٹر صاحب سے انبالہ میں سرٹیفکیٹ کی بابت ہونے والی بات میں بھول چکا تھا۔ لیکن ماسٹر صاحب اسے نہیں بھولے تھے۔ ماسٹر صاحب سے ملاقات کے بعد میں نے جانے کی اجازت مانگی تو انہوں نے مجھے بیٹھے رہنے کے لیے کہا اور خود اندر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد وہ تشریف لائے تو ان کے ہاتھ میں انبالہ سکول کا لیٹر پیڈ تھا۔ ماسٹر صاحب نے اسی وقت مجھے نویں جماعت کا سرٹیفکیٹ بنا کر دیا۔" ③

---

۱ سیّد ہادی حسین ولد تصوّر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — نوشہرہ ورکاں — ۶ مارچ ۲۰۱۸ء

۲ سیّد حسن رضا ولد صغیر حسین (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — جھنگ — ۱۸ فروری ۲۰۲۰ء

۳ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

واڑہ اور سادات

موضع واڑہ تقسیم ہند سے پہلے تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ میں ہندوؤں کا ایک گاؤں تھا۔ اس کا ڈاکخانہ ٹھٹھہ محمد شاہ تھا۔ تقسیم ہند کے بعد اس علاقہ میں ہندوؤں پر حملے شروع ہو گئے۔ واڑہ کے نزدیکی گاؤں موضع سلیمان پر مسلمان بلوائیوں نے حملہ کر دیا اور وہاں مندر میں پناہ لینے والے سب ہندوؤں کو قتل کر دیا۔ ٹھٹھہ محمد شاہ میں ایک ہندو نے بلوائیوں کے حملہ کے خوف سے عورتوں اور بچّوں سمیت اپنے خاندان کے ۴۰ افراد کو ذبح کر دیا۔ واڑہ میں خوف و ہراس کی فضا تھی جس کے نتیجہ میں وہاں کے ایک ہندو رہائشی نے خود سوزی کا ارتکاب کیا جس میں اس کے ساتھ اس کی بیوی اور تین بیٹیاں جل کر مر گئیں۔ تاہم ٹھٹھہ محمد شاہ کے ایک بڑے زمیندار کی حفاظت کی وجہ سے واڑہ پر بلوائیوں کا حملہ نہیں ہوا۔ بعدازاں واڑہ کے ہندوؤں نے مسلمان بننے کا اعلان کر دیا اور جونہی موقع ملا تو سب ہندو ما سوا ایک کے ہندوستان چلے گئے۔ جس خوف و ہراس اور قتل و غارت گری کا سامنا واڑہ اور اس کے قرب و جوار کے ہندوؤں نے کیا اور جس طرح ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے ترمذی سادات وہاں آکر آباد ہوئے اس کا کچھ احوال عینی گواہوں کی زبانی مندرجہ ذیل ہے:

واڑہ کے قدیم رہائشی محمد بخش نے کہا: ”ہمارے گاؤں واڑہ کی تاریخ قدیم ہے۔ اپنے بزرگوں سے مجھ تک یہ معلومات پہنچی ہیں کہ ہمارے علاقہ میں پہلے نواب حکومت کرتے تھے جو سیال تھے اور جھنگ میں رہتے تھے۔ ان کے بعد یہاں ٹڈل خاندان حکمران رہا۔ انہوں نے یہاں قاضی مقرر کیے ہوئے تھے جو فیصلے کرتے تھے۔ ان کے دور میں واڑہ ایک قلعہ تھا جس کے چاروں طرف برج بنے ہوئے تھے۔ ان برجوں میں ریت کی بوریاں بھر کے رکھتے تھے جن کے اوپر ایک آدمی بیٹھتا تھا۔ وہ آدمی دور سے آنے والے گھوڑے کے سُموں کی آواز سن لیتا تھا اور خبردار کر دیتا تھا۔ اسی دور میں ماہنی سیال بھی اس علاقہ میں آباد تھے۔ وہ کھیوے کے مالک تھے۔ چنیوٹ کے علاقہ میں ایک ٹڈل نے ایک حویلی بنایا ہوا تھا جس میں وہ صبح کے وقت ہاتھی سے گھوڑے کو شکار کرواتا تھا اور پھر ناشتہ کرتا تھا۔ ایک ماہنی گھوڑے پر بیٹھ کر وہاں آیا تو ٹڈل کے نوکروں نے اسے پکڑ لیا اور پھر ٹڈلوں نے اسے مار دیا۔ اس کے بعد ٹڈل اور ماہنی ایک دوسرے کے آدمی مارتے رہے۔ آخر کار صلح کی بات چلی اور آپس میں معاہدہ کے لیے دونوں قوموں کے سردار اکٹھے ہوئے۔ علاقوں کی تقسیم پر دونوں کا معاہدہ ہو گیا۔ ساتھ ہی مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا اور دونوں قوموں کے سردار نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ ماہنیوں کے پیٹ میں کالا تھا۔ انہوں نے ٹڈلوں کو کہا: 'تم بڑے ہو اس لیے اگلی صف میں کھڑے ہو۔ ہم پچھلی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔' تلوار ہر ایک کے پاس تھی۔ جب سجدے میں گئے تو پچھلی صف والوں نے اٹھ کر اگلی صف والوں کے سر کاٹ دیے۔ ٹڈلوں کی حکمرانی ختم ہو گئی اور ماہنیوں کا دور شروع ہوا۔ ٹڈل پڑھے لکھے تھے جب کہ ماہنی جاہل تھے۔ جب مرزا، صاحباں کا معاملہ ہوا تو کھرل سنڈوں پہ چڑھ کے آئے اور کھیوے کو فتح کر کے ماہنیوں کا اقتدار ختم کر دیا۔ پنجاب میں جب سکھوں کی حکومت تھی تو واڑہ میں پھانسی گھاٹ

بنا ہوا تھا جو ۴۰ سال تک قائم رہا۔ انگریز دور حکومت آیا تو ملتان سے کتھیال اور بِھنبڑ ذاتوں کے ہندو واڑہ آئے اور ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند تک وہ یہاں چھائے رہے۔ رام لال کتھیال ملتان سے آیا تھا۔ فلک شیر (برکت رام) جو ۱۹۴۷ء میں مسلمان ہوا اور واڑہ ہی میں رہا بِھنبڑ تھا۔ واڑہ میں باقاعدہ کچہری لگتی تھی۔ ایک کھوئی اس جگہ تھی جہاں بعد میں سیّدوں (میر سجاد حسین) کا ڈیرہ بنا اور ایک کھوئی اس جگہ تھی جہاں بعد میں مسجد بنی۔ قبولے کی کھوئی کے پاس ہندو دوسہرہ کا تہوار مناتے تھے جس میں شرکت کے لیے لائلپور (فیصل آباد) تک سے ہندو آتے تھے۔ واڑہ میں ہندو سب زمیندار تھے اور ان میں کچھ سنارے بھی تھے۔ مسلمان چھوٹے موٹے کام کرتے تھے۔ تاہم قریبی گاؤں ٹھٹھہ محمد شاہ میں ہندو اور مسلمان سیّد دونوں بڑے زمیندار تھے۔ سیّد زیادہ بڑے زمیندار تھے۔ آبادی کے لحاظ سے ٹھٹھہ بڑا تھا لیکن کاروبار کے لحاظ سے واڑہ بڑا تھا۔ واڑہ میں کراڑوں نے مارکیٹ بنائی ہوئی تھی جسے نواں شہر کہتے تھے۔ اردگرد اور دور دراز کے علاقوں سے لوگ یہاں سودا خریدنے آتے تھے۔ شادی بیاہ کا سامان خریدنے کے لیے بھی لوگ واڑہ کی مارکیٹ میں آتے تھے۔ واڑہ کی طرح قریبی گاؤں سلیمان بھی ہندوؤں کا تھا۔ وہاں کے ہندو مالدار تھے اور انہیں لکھو شاہ کہتے تھے۔ انہوں نے گھوڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ شاہ جیونہ کے میلہ میں پگڑیاں باندھ کے اور ہار سنگار کر کے جاتے تھے۔ انہوں نے سلیمان کے مندر میں بہت قیمتی پتھر لگائے ہوئے تھے۔"

محمد بخش نے کہا: "تقسیم ہند کے وقت میں جوان تھا۔ جب فسادات کی آگ بھڑکی تو ہمارے علاقہ میں مسلمان بلوائی جتھہ بنا کر ہندوؤں پر حملہ کرتے تھے اور ان کا قتل عام اور لوٹ مار کرتے تھے۔ ٹھٹھہ محمد شاہ کے سیّدوں میں شریف حسین بلوائیوں کی قیادت کرتا تھا۔ اس کے پاس ایک بندوق تھی۔ ٹھٹھہ کے سیّدوں میں ہی حاجی ریاض حسین شاہ حملہ آوروں کا مخالف تھا۔ اس نے ہندوؤں کو پناہ دی۔ سلیمان کے کئی ہندو تو حملہ ہونے سے پہلے گاؤں سے نکل گئے اور باقیوں نے مندر میں پناہ لی۔ مسلمان بلوائیوں نے مندر میں پناہ لیے ہوئے سب ہندوؤں کو قتل کر دیا۔ مقتولین میں ایک ہندو عورت بہت خوبصورت تھی۔ اس پر حملہ آوروں میں جھگڑا ہوا تھا۔ ایک کہتا تھا: 'یہ میں نے لینی ہے۔' دوسرا کہتا تھا: 'یہ میں نے لینی ہے۔' شریف حسین آیا اور اس عورت سے کہا: 'کلمہ پڑھو گی؟' اس عورت نے اپنا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔ شریف حسین نے اپنے ساتھی حملہ آوروں سے کہا: 'اِس کے لیے لڑ کر مرتے ہو' اور اس عورت کو گولی مار دی۔"

محمد بخش نے کہا: "ٹھٹھہ میں ماہلا بگڑا ایک ہندو تھا۔ ماہلا اس کا نام تھا اور بگڑا ذات تھی۔ جب اردگرد کے دیہاتوں میں ہندوؤں پر حملے ہونے لگے تو اس نے اپنے خاندان والوں کو اپنی حویلی میں اکٹھا کر لیا اور ان سے کہا: 'مسلمانوں نے ہمیں مار دینا ہے اور ہماری عورتوں کو چھین لینا ہے۔ تم کیا کہتے ہو؟' اس کے دو بھتیجے تھے۔ انہوں نے کہا: 'جو فیصلہ تم کرو ہمیں منظور ہے۔' ماہلا اور اس کے دو بھتیجوں نے اپنے خاندان کے ۴۰ افراد کو کاٹ دیا۔ خون نالی میں بہہ کر باہر گیا تو کسی نے حاجی ریاض حسین شاہ کو اطلاع دی۔ حاجی ریاض نے کہا: 'ماہلا نے بہت برا کام کیا۔' دریا (چناب) قریب تھا اور دن ڈھل گیا تھا۔ ماہلا نے اپنے بھتیجوں سے پوچھا کہ اب کیا کریں۔ ایک بھتیجے نے کہا: 'میرے ہاتھ پیر باندھ کر دریا میں دھکا دے دے۔' ماہلا نے ایسے ہی کیا۔ بھتیجے نے دریا میں دو دفعہ جسم ہلایا اور ڈوب گیا۔ دوسرے بھتیجے نے کہا: 'میں لیٹتا ہوں، تو میری گردن کاٹ دے۔' ماہلا نے کلہاڑی سے اسے مار دیا۔ پھر ماہلا نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ جب ڈوبنے لگا تو ہاتھ پیر مارنے اور تیرنے لگا۔ حاجی ریاض نے دو

آدمیوں کو ماہلا کے پیچھے بھیجا کہ اس نے قتل عام کیا ہے، کہیں اور نقصان نہ کرے۔ ایک آدمی اس کے پیچھے دریا میں گیا تو ماہلا نے اس کا ہتھیار چھین لیا اور ڈبکی لگا کر دور جا نکلا۔ رات کو ایک جگہ پانی سے نکل کر بیٹھ گیا۔ صبح بھوکا پیاسا پھر دریا میں کود گیا اور بہتا بہتا اس جگہ نکلا جو 'مڈیاں سپریواں دی' کہلاتی ہے۔ وہاں لوگوں سے کہا: 'میں تمہیں مارتا ہوں یا تم مجھے مار دو۔' لوگوں نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے مار دیا۔ ٹھٹھہ کے مسلمانوں نے اپنے گاؤں کے ہندوؤں کو نہیں مارا بلکہ ہندوؤں نے اپنے دھرم اور عزّتوں کو خطرہ میں دیکھتے ہوئے خود فیصلہ کر کے اپنا جو قتل عام کیا اسے بھی حاجی ریاض نے پسند نہیں کیا۔" ①

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: "فلک شیر کی بیوی ہمیں بتاتی تھی کہ واڑہ میں جو گھر سجاد حسین کو الاٹ ہوا اس میں تقسیم ہند سے پہلے جو ہندو رہتا تھا وہ سنارے کا کام کرتا تھا۔ اس کی تین بیٹیاں تھیں۔ تقسیم ہند کے بعد ہندوؤں پہ حملے شروع ہوئے تو اس نے اپنی بیوی اور بیٹیوں کے ساتھ گھر کے ایک کمرہ میں تیل چھڑک کر آگ لگا دی تاکہ کوئی اس کی عورتوں کو ہاتھ نہ لگا سکے۔ سارا کنبہ جل کر مر گیا۔" ②

ہندوؤں کا انخلاء

محمد بخش نے کہا: "تقسیم ہند کے بعد ہونے والے فسادات کے دوران واڑہ کے ہندوؤں پر کسی نے حملہ نہیں کیا۔ ان کو ٹھٹھہ کے بڑے زمیندار حاجی ریاض حسین شاہ کی حفاظت حاصل تھی۔ جب فوجیوں نے مختلف علاقوں میں جا کر ہندوؤں اور سکھوں کو نکالنا شروع کیا تو حاجی ریاض نے واڑہ کے ہندوؤں سے کہا کہ اب وہ ہندو کی حیثیت سے یہاں نہیں رہ سکتے۔ اگر یہاں رہنا چاہتے ہیں تو مسلمان بن جائیں۔ ہندوؤں نے اسلام قبول کرنے پر 'رضامندی' کا اظہار کیا۔ وہ جگہ جہاں بعد میں جرار شاہ کا ڈیرہ تھا وہاں اس وقت ایک کھوئی تھی۔ گاؤں کے سب ہندوؤں کو اس کھوئی کے پاس اکٹھا کیا اور ایک مولوی صاحب نے ان سب کو کلمہ پڑھوایا۔ پھر ایک گائے ذبح کی اور اس کا گوشت پکا کر ان سب کو کھلایا۔ میں نے خود دیکھا کہ ان میں سے ایک نے جب کھانے کے لیے بوٹی لی تو اسے جھرجھری آ گئی اور اس کا منہ کھنچ گیا۔ کچھ دنوں کے بعد فوجی واڑہ آئے اور ہندوؤں سے ہندوستان جانے کے لیے کہا تو وہ سب فوج کی حفاظت میں ہندوستان چلے گئے ماسِوا ایک فلک شیر کے جو ان کے ساتھ نہیں گیا۔ وہ اپنے کنبہ کے ساتھ واڑہ ہی میں رہا اور مسلمان ہی رہا۔ بعدازاں یہاں ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمان (سیّد) آباد ہو گئے۔" ③

سیّد غلام حسن اور سیّد منظور حسین نے کہا: "فلک شیر کی بیوی اور بچّے بھی مسلمان ہو گئے تھے لیکن اس کی والدہ نے ہندو مذہب نہیں چھوڑا تھا۔ جب فلک شیر کی والدہ فوت ہوئی تو اس کی لاش کو اس کی وصیت کے مطابق دریا بُرد کر دیا

۱ محمد بخش ولد جلّا قوم ساہو آنہ سیال (قدیم رہائشی واڑہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۴ مارچ ۲۰۱۸ء

۲ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۲۵ جنوری ۲۰۱۹ء

۳ محمد بخش ولد جلّا قوم ساہو آنہ سیال (قدیم رہائشی واڑہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۴ مارچ ۲۰۱۸ء

گیا تھا۔" [۱]

سادات کی آمد

سیّد صغیر حسین نے کہا: "ٹھسکہ سے لاہور پہنچنے کے بعد ہم صوفی عبد الحمید، جو وزیر تھے، کی کوٹھی میں رہے۔ کچھ عرصہ بعد بھائی احسان علی ہمیں اپنے گھر لے گئے۔ ان کے گھر میں اس وقت سیانہ کے خالو سجاد حسین اور کچھ دوسرے بزرگ بھی اپنے کنبوں کے ہمراہ ہندوستان سے آکر ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہی دنوں میں گوہلہ کے ماموں مسلم حسین اور ماموں اختر حسین بھی اپنے خاندان کے ساتھ لاہور آ گئے۔ یہ سب بزرگ اکٹھے ہو کر لاہور سے نکلنے کا پروگرام بناتے تھے اور کہتے تھے کہ احسان پر کب تک بوجھ ڈالیں گے۔" [۲]

سیّد سخاوت رسول نے کہا: "گوہلہ سے ہم لاہور پہنچے تو ہمارے بزرگ جمیل حسین رضوی، جو ان کا پہلے سے واقف تھا، سے ملے۔ راجہ غضنفر اس وقت قائد اعظم کی کابینہ میں وزیر تھا۔ وہ تایا کاظم کا دوست تھا۔ میں تو اس وقت چھوٹا تھا لیکن ابّا جی (مسلم حسین)، چاچا اختر اور سارے بزرگ کہتے تھے کہ راجہ غضنفر ہمیں لاہور سے لائلپور (فیصل آباد) لے کر گیا۔ راجہ حامد علی وہاں تھانیدار تھا۔ اس نے ہمارے لیے مکان اور بھری بھرائی دکانیں کھول دیں۔ لیکن چاچا اختر نے کہا: 'ہم زمیندار ہیں اور ہم نے الیکشن لڑنے ہیں۔ ہم تو کسی گاؤں میں رہیں گے۔' پھر ٹھٹھہ کے سیّد حاجی ریاض، حاجی حیدر شاہ وغیرہ مل گئے تو ساتھ آنے والے وزیر سے ہمارے بزرگوں نے کہا: 'راجہ صاحب اب آپ جائیں، ہمارے لوگ مل گئے ہیں۔' ٹھٹھہ کے سیّد چاچا اختر کے لکھنؤ جیل میں دوست بنے تھے۔ انہوں نے ہمیں واڑہ جا بسایا اور چھ ماہ تک کھانا پکا کر بھیجتے رہے۔ انہوں نے بہت ساری چارپائیاں اور بستر بھی دیے۔ انہوں نے ہماری بہت مدد کی۔" [۳]

سیّد اصغر مہدی نے کہا: "صوفی عبدالحمید، جو میرے والد کے دوست تھے، نے میری والدہ سے کہا تھا کہ وہ شفیع یعنی میرے والد کے پاکستان آنے تک ان کے پاس لاہور ہی میں رہیں۔ لیکن ماموں مسلم اور ماموں اختر نے کہا: 'یہ ہماری بہن ہے اور ہم تو اپنی بہن کو ساتھ لے کر جائیں گے۔' گوہلہ والے راجہ غضنفر کی کوٹھی میں ٹھہرے تھے۔ ہم کرشن نگر میں صوفی عبدالحمید کی ۱۲ نمبر کوٹھی سے بھائی احسان کے گھر آ گئے۔ ان دنوں لاہور سے لائلپور (فیصل آباد) ٹرین ہفتہ میں ایک دن جاتی تھی۔ بھائی احسان نے پورا ڈبہ ریزرو کروا دیا۔ لائلپور پہنچے تو پولیس انسپکٹر چوہدری حامد علی نے ہمارے لیے گھنٹہ گھر کے پاس مکان کھلوا دیے۔ اس نے ہماری بہت خدمت کی۔ آٹے کی بوریاں اور کھانے پینے کا سامان بھجوا دیا۔ لیکن وہ جگہ

---

۱ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۰ ستمبر ۲۰۱۹ء
سیّد منظور حسین ولد علمدار حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۱۰ ستمبر ۲۰۱۹ء

۲ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — بہاولپور — ۱۹، ۲۳ جنوری ۲۰۱۹ء

۳ سیّد سخاوت رسول ولد مسلم حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ/بذریعہ فون — اسلام آباد/ملتان — ۱۰ مارچ ۲۰۰۹ء، ۲ فروری ۲۰۱۹ء

رہائش کے لیے ہمارے بزرگوں کی سمجھ میں نہ آئی۔ چوہدری حامد علی پر ذیلدار کاظم حسین مرحوم نے کچھ احسان کیے تھے۔ اس نے بہت زور لگایا اور کہا: 'یہاں اتنے مکان اور دکانیں خالی پڑی ہیں۔ آپ جہاں چاہتے ہیں رہیں۔' ہمارے بزرگ کسی طور نہ مانے اور کہا: 'ہم زمیندار ہیں۔ ہم تو گاؤں میں اپنی زمین کے پاس رہیں گے۔ شہر میں نہیں رہیں گے۔' ہمارے بزرگوں کے مسلسل انکار نے چوہدری حامد علی کو افسردہ کیا اور اس نے کہا: 'اچھا ٹھیک ہے۔ میں آپ کو منڈی تاندلیانوالہ میں ایک ایک مکان اور ایک ایک دکان دلوا دیتا ہوں۔ ساری منڈی خالی پڑی ہے۔' ہمارے بزرگ منڈی تاندلیانوالہ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ گندے نالے کے پاس ایک ٹرک آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس میں سارا سامان رکھ دیا۔ اسی دوران ٹھٹھہ کا حاجی ریاض حسین شاہ اپنی کار میں وہاں سے گزرا۔ وہ گوہلہ والوں کا پہلے سے واقف تھا۔ اس نے ماموں مسلم اور ماموں اختر کو دیکھ لیا۔ وہ رک گیا اور اپنی گاڑی سے اتر کر ماموں مسلم اور ماموں اختر سے جپھیاں ڈال ڈال کر ملا۔ اسے پتہ لگا کہ ہم منڈی تاندلیانوالہ جا رہے ہیں تو اس نے کہا: 'سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں آپ کو وہاں نہیں جانے دوں گا۔ ہمارے ساتھ کا گاؤں واڑہ خالی ہے وہاں چل کر رہو۔' ہم حاجی ریاض کے ساتھ واڑہ چل دیے لیکن جب وہاں پہنچے تو سب حیران رہ گئے کہ کہاں جنگل بیابان میں آ گئے۔ وہاں ریت کے بے شمار ٹبے تھے۔ تاہم ٹھٹھہ والوں نے ہماری بہت خدمت کی۔ کئی مہینے تک دو وقت کا کھانا بھیجا۔ بھیڑیں، بکریاں کٹوا کر گوشت بنا کر بھیجتے تھے۔ ہمارے ساتھ واڑہ آنے والوں میں نانی کلثوم، خالہ مسیتی، خالہ سلامتی اور ہمارے سارے نانکے رشتہ دار تھے۔ لیکن ہمارے والد اور خالو رمضان بعد میں آئے۔ وہ دونوں چنیوٹ میں آ کر مل گئے تھے۔ پھر واڑہ آئے۔" [1]

سیّد غلام مرتضیٰ نے کہا: "راجگڑھ سے لاہور پہنچے تو ہم بھائی احسان کے گھر ٹھہرے۔ آپا شہیدن ہندوستان سے اجڑ کر آنے والے مہمانوں کی بہت خدمت کرتی تھیں۔ ایسا بھی ہوا کہ گھر میں جگہ کم ہونے کے باعث وہ خود چولہا جلا کر ساری رات بیٹھی رہیں اور اپنے بستر پر مہمانوں کو سُلا دیا۔ چوبرجی میں ان کے پاس دو کمروں کا مکان تھا۔ لائلپور میں ہم کسی ہندو کی ایک بڑی متروکہ حویلی میں ٹھہرے۔ رات کو ہم جس کمرے میں سوئے اس میں ایک بجلی سے چلنے والا پنکھا تھا جو ساری رات چلتا رہا اور ہم سردی میں ٹھٹھرتے رہے۔ ہم میں سے کسی کو پتہ نہیں تھا کہ پنکھے کو کیسے بند کرتے ہیں۔ صبح ہوئی تو کسی کو بلایا اور اس نے آ کر بٹن دبایا جس سے پنکھا بند ہو گیا۔" [2]

سیّد جرار حسین کہتے تھے: "لائلپور میں تھانیدار نے ہمارے لیے مکان کھول دیے تھے اور کہا تھا: 'میں آپ سب کو ایک ایک مکان اور ایک ایک دکان دیتا ہوں۔' تاہم ہمارے بزرگ نہیں مانے۔ پھر ٹھٹھہ کا حاجی ریاض مل گیا۔ اس نے کہا: 'ہمارے ساتھ ایک گاؤں (واڑہ) خالی ہے۔ وہاں کے ہندوؤں کی بہت زمینیں پڑی ہیں۔ آپ کی زمینوں کے یونٹ وہاں پورے ہو جائیں گے۔ وہاں سب شیعہ ہیں۔ آپ کو عزاداری کی آزادی ہو گی۔' ہمارے بزرگوں نے حاجی ریاض کی بات مان لی

---

۱ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ــــ خانیوال ــــ ۲۲-۲۳ جنوری ۲۰۱۹ء

۲ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) ــــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ/بالواسطہ سیّد انجم رضا ولد غلام مرتضیٰ بذریعہ فون ــــ کبیر والا/لاہور ــــ ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء، ۱۵ مئی ۲۰۲۰ء

اور ہم سب واڑہ آ گئے۔" ①

سیّد غلام حسن نے کہا: "ہم ہندوستان سے پاکستان پہنچے تو کچھ دن لاہور میں رہے۔ وہاں سے ہم فیصل آباد (لائلپور) آ گئے۔ ساتھ والے گھر سے کھانسنے کی آواز آئی تو میرے والد (محمد حسن) نے کہا: 'یہ تو سجاد کے کھانسنے کی آواز ہے۔' جا کر دیکھا تو وہاں سجاد، مسلم، اختر، رضا راجگڑھیا، ذوالفقار وغیرہ سب تھے۔ ہم بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب ملا کر ۸۵ افراد تھے۔ فیصل آباد میں چوہدری حامد علی تھانیدار تعینات تھا۔ وہ پہیوہ میں بھی تھانیدار تعینات رہا تھا۔ اس نے کہا: 'میں بھری بھرائی دکانیں دیتا ہوں۔ یہاں آباد ہو جاؤ۔' میر صاحب (سجاد حسین) نے کہا: 'یہاں میری زمین پوری نہیں ہو گی۔' پھر حاجی ریاض مل گیا اور وہ ہمیں واڑہ لے آیا۔ میرا خیال ہے ہم فیصل آباد سے جھنگ تک ٹرک میں آئے اور مجھے یاد ہے کہ وہاں عورتوں اور بچّوں کو بس میں بٹھا دیا اور مردوں سے کہا کہ وہ ریلوے پھاٹک تک پیدل آئیں۔ پھاٹک پر پہنچ کر مرد بس کی چھت پر بیٹھ گئے اور نلکا اڈا پر آ کر اتر گئے۔" ②

سیّد رضا حسین نمبردار نے لکھا: "ہم بذریعہ اسپیشل ٹرین ۳ محرم کو لاہور پہنچے۔ لائلپور میں ہم چار دن ٹھہرے۔ یکم دسمبر ۱۹۴۷ء کو موضع واڑہ ٹھٹھہ محمد شاہ تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ میں آئے اور وہاں مقیم ہوئے۔" ③

سیّد غلام مرتضیٰ نے کہا: "ہم اپنے ماموں صاحبان (مسلم حسین اور اختر حسین) کے ساتھ واڑہ چلے گئے اور پھر کبیر والا آ کر آباد ہو گئے۔" ④

سیّد زین العابدین نے کہا: "سید کھیڑی سے پاکستان پہنچے تو لاہور میں آپا شہیدن کے گھر کچھ عرصہ رہنے کے بعد ہم بورے والا فارمز چلے گئے۔ وہاں ہم نے سوچا کہ ہم سرکاری زمین پر بیٹھے ہیں اور حکومت جب چاہے ہمیں اٹھا سکتی ہے۔ چار پانچ دن بعد ہم وہاں سے فیروز کے ناگرہ چلے گئے۔ تین چار ماہ بعد واڑہ سے میر سجاد حسین کا بھیجا ہوا ایک آدمی آیا اور اس نے میرے والد کو سجاد کا پیغام دیا کہ واڑہ آ کر رہیں تو ہم واڑہ جا بسے۔ میر سجاد حسین سیانہ سیداں کے بڑے زمیندار تھے۔ واڑہ میں بھی انہیں سب سے زیادہ زمین الاٹ ہوئی۔ انہیں رئیس واڑہ کہتے تھے۔" ⑤

سیّد وقار حسین عرف چھمن نے کہا: "واڑہ سے ایک ہندو ڈسٹرکٹ بورڈ جھنگ کا ممبر تھا جو تقسیم ہند کے بعد ہندوستان چلا گیا۔ اس کی جگہ میرے ابّا جی (اختر حسین) کو ڈسٹرکٹ بورڈ جھنگ کا ممبر نامزد کر دیا گیا کیونکہ وہ تقسیم ہند سے پہلے گوہلہ سے ڈسٹرکٹ بورڈ کرنال کے ممبر تھے۔ میں نے پہلی اور دوسری جماعت ٹھٹھہ سکول میں پڑھی۔ وہاں واڑہ کا ماسٹر

---

۱ سیّد جرار حسین ولد سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالواسطہ سیّد انوار علی ولد احسان علی بالمشافہ — راولپنڈی — ۳۱ جنوری ۲۰۱۹ء

۲ سیّد غلام حسن ولد محمد حسن (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — واڑہ — ۲ فروری ۲۰۱۹ء

۳ یادداشتیں سیّد محمد رضا حسین ولد علی حسین نمبردار — قلمی نسخہ — کبیر والا

۴ سیّد غلام مرتضیٰ ولد محمد رضا حسین نمبردار (سابق رہائشی راجگڑھ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء

۵ سیّد زین العابدین ولد محمد یٰسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — راولپنڈی — یکم جنوری-۲۲ فروری ۲۰۰۵ء

یوسف لوہار پڑھاتا تھا۔ اسے میرے ابّا جی نے ٹیچر لگوایا تھا۔ آپ کے ماموں اصغر، خالہ مشتاق اور میرا خیال ہے کہ آپ کے چاچا اصغر کو بھی میرے ابّا جی نے ٹیچر لگوایا تھا۔ اور بھی کئی لوگوں کو ابّا جی نے نوکریاں دلوائیں۔ میرے ابّا جی کی کرنل عابد حسین سے بہت دوستی تھی۔ ٹھٹھہ کے حاجی ریاض حسین شاہ اور رجوعہ کے سردار غلام عباس سے ابّا جی کی دوستی لکھنؤ ایجی ٹیشن کے دوران جیل میں ہوئی تھی۔ وہ تایا کاظم کے پاس گوہلہ بھی آتے تھے۔ ایک دفعہ واڑہ کے قریبی گاؤں حویلی کا بڑا زمیندار حاجی حیدر شاہ گھوڑے پر سوار واڑہ سے گزرنے لگا تو ابّا جی نے اسے روک دیا اور کہا: 'ہمارے گھر چھوٹے ہیں۔ تو گھوڑے پر بیٹھا ہے، یہاں بے پردگی ہو گی۔' وہ گھوڑے سے نہیں اترا۔ ابّا جی، بھائی حامد اور ایک اور شخص نے اسے گاؤں میں سے نہیں گزرنے دیا اور باہر نکال دیا۔ بعدازاں اس نے بہت کوشش کی لیکن جب اسے پتہ لگا کہ حاجی ریاض ان کی پشت پر ہے تو وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ حاجی ریاض کا علاقہ میں بہت اثر تھا۔ سب اسے سلام کرتے تھے۔" [۱]

سیّد صغیر حسین نے کہا: "واڑہ میں ہمیں ایک مکان مل گیا جو خاصا کھلا تھا اور بازار سے ہٹ کر اونچی جگہ کے پاس ایک گلی میں تھا۔ میں نے ٹھٹھہ کے سکول میں تیسری جماعت میں داخلہ لیا اور چوتھی جماعت بھی اسی سکول سے پاس کی۔ وہاں غلام حسن میرا ہم جماعت تھا۔ ہم پیدل ٹھٹھہ سکول پڑھنے جاتے تھے جو زیادہ دور نہیں تھا۔ واڑہ کے قریب حویلی حیدر شاہ، جو حیدر شاہ کی ملکیت تھی، میں بہت اچھی مجالس ہوتی تھیں۔ وہاں ایک قبر تھی جس کے بارے میں کہتے تھے کہ یہاں حاجی حیدر شاہ کے بیٹے کو امانتاً دفن کیا گیا ہے اور اسے کربلا لے جا کر دفن کریں گے۔ حاجی حیدر شاہ کے بارے میں کہتے تھے کہ اس نے کربلا میں ایک سرائے بنوائی ہے جہاں یہاں سے زائرین جا کر ٹھہرتے ہیں۔ حاجی حیدر شاہ نمازی، پرہیز گار اور بہت اچھا آدمی تھا۔ حاجی ریاض بھی بہت نیک اور اچھا آدمی تھا۔ بس یہ دو نام اس وقت اس علاقہ میں مشہور تھے۔" [۲]

سیّد لطیف حسین نے کہا: "گوہلہ سے پاکستان آنے کے بعد قصور کیمپ سے ہم لاہور کیمپ میں آ گئے۔ وہاں ٹھٹھہ محمد شاہ کا حاجی ریاض بس لے کر آیا اور ہمیں واڑہ لے گیا۔ سیانہ سیداں کے سجاد حسین اور گوہلہ کے ذیلدار خاندان والے پہلے ہی وہاں پہنچ گئے تھے اور انہوں نے بڑے مکانوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہم گئے تو ہمیں کہا کہ ایک چھوٹے سے کچے مکان میں گھس جاؤ۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اس مکان میں رہنے لگے۔ تمہارے والد (زین العابدین) مجھے ٹھٹھہ کے سکول میں لے گئے اور دوسری کلاس میں داخل کروا دیا۔ میرا قد بڑا تھا اور میرے سکول کے داخلہ پر اعتراض کیا گیا۔ یہ کہا گیا کہ یہ نہیں پڑھ سکتا۔ بھائی زین العابدین نے کہا: 'اسے ہم پڑھائیں گے۔' ان کے اصرار پر مجھے داخلہ مل گیا۔ تمہارے والد کو ہمارے ساتھ ہمدردی تھی۔ ان کی وجہ سے میں پڑھنے لکھنے کے قابل بن گیا۔ حاجی ریاض نے واڑہ کے سادات سے کہا: 'میں بڑوں کے بارے میں نہیں کہتا تاکہ یہ نہ کہیں کہ انہیں فقیر بنا دیا لیکن تمہارے بچّے جو ٹھٹھہ کے سکول میں پڑھیں گے ان کی رہائش اور کھانا میرے ذِمّہ ہے۔' پھر حاجی ریاض نے ٹھٹھہ کے سادات سے کہا: 'چار چار پانچ پانچ بچّے اپنے گھروں میں رکھو ورنہ بچّے میرے ڈیرہ پر رہیں گے۔' ہم ٹھٹھہ کے سادات کے گھروں میں اپنے گھروں کی طرح رہے۔ پھر گوہلہ کے مسلم

---

۱ سیّد وقار حسین عرف چھمن ولد اختر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۳ اکتوبر ۲۰۱۸ء

۲ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — بہاولپور — ۱۹ جنوری ۲۰۱۹ء

حسین اور بعدازاں اختر حسین اور دوسرے لوگ کبیروالا آئے تو وہ ہمیں بھی ساتھ لے آئے۔" [۱]

سیّد مشتاق حسین نے کہا: "ہم گوہلہ سے پاکستان پہنچے تو خانیوال اسٹیشن پر اترے۔ اسٹیشن پر لگے ہوئے کیمپ میں ایک ماہ تک رہے۔ میرے والد اور کچھ دوسرے لوگ واڑہ گئے تو مسلم حسین نے کہا: 'ہم یہاں آ گئے ہیں، تم بھی یہاں آ جاؤ۔' میرے والد آکر ہمیں واڑہ لے گئے۔ وہاں رہنے کے لیے ہمیں ایک مکان مل گیا۔ پھر چاچا مسلم کبیروالا میں پٹواری لگ گیا۔ اس کے بلانے پر ہم کبیروالا آ گئے۔" [۲]

سیّد زائر حسین نے کہا: "سید کھیڑی سے پاکستان پہنچنے کے بعد ہم کوٹلی چلے گئے تھے۔ پھر خالہ سروری کے بلانے پر ہم واڑہ آ گئے۔ ماموں اختر کی بیوی کڑہامو (ہاشمی) نوشہرہ ورکاں میں تھیں۔ ماموں اختر انہیں لینے آئے تو خالو مسلم نے ان سے کہا محفوظن کے بچّوں کو بھی واڑہ لے آنا۔ آپا کنیز، بھائی موچھی (مسلم حسین) اور میں ماموں اختر اور ان کی زوجہ کے ساتھ واڑہ آ گئے۔ بھائی خادم گوجرانوالہ میں نوکری کرتے تھے اس لیے ہمارے ساتھ نہیں آئے۔ ابّا جی کا مجھے یاد نہیں ہمارے ساتھ آئے یا بعد میں آئے۔ واڑہ میں امام بارگاہ کے ساتھ جو مکان تھا اس میں ہم اپنی خالہ سروری کے ساتھ رہے۔ احسن، سخاوت اور میری تینوں کی ختنہ اسی گھر میں ہوئی۔ میں نے ٹھٹھہ کے سکول میں پہلی کلاس میں داخلہ لیا تھا۔ ابھی امتحان نہیں دیا تھا کہ خالو مسلم کبیروالا کے نزدیک الہ آباد میں پٹواری تعینات ہو گئے۔ پھر ان کا تبادلہ شمس آباد اور پھر کبیروالا ہو گیا۔ جہاں جہاں خالو مسلم کے تبادلے ہوتے رہے ہم ان کے ساتھ ہی رہے۔ خالہ نے ہمیں علیحدہ نہیں ہونے دیا۔ میں نے ٹھٹھہ کے بعد الہ آباد، پھر شمس آباد اور پھر کبیروالا میں نئے سرے سے پہلی کلاس میں داخلہ لیا۔ کبیروالا میں نانا خورشید مجھے انگلی پکڑوا کر سکول لے گئے اور داخل کروایا۔ خورشید پہلے سے کبیروالا میں تھے اور ان کے پاس ایک مکان بھی تھا۔ وہ منظور اور مشتاق کے تایا تھے اور بندو ان کا بیٹا تھا۔ خالو مسلم کا لکھت پڑھت والا کام میرے ابّا جی گھر میں بیٹھ کر کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مسلم نے ہمارا اتنا کیا۔ اس لیے خالو مسلم کے لیے کام کرتے تھے۔ خالو مسلم بہت اچھے تھے۔ خالہ سے تو کبھی ہماری (اَن بَن) ہو جاتی تھی لیکن خالو کے ساتھ کبھی نہیں ہوئی۔ کبیروالا سے میں نے آٹھ جماعتیں پاس کیں اور مزید تعلیم خانیوال، ملتان اور لاہور میں حاصل کی۔" [۳]

سیّدہ کنیز زہرا نے کہا: "ہمارے نوکر بندو اور نتھو واڑہ تک ہمارے ساتھ آئے اور وہاں ہمارے گھر سے سونا چُرا کر وہ بھاگ گئے۔" [۴]

سیّدہ تسکین زہرا نے کہا: "پونڈری سے پاکستان آنے کے بعد پہلے ہم شجاع آباد گئے جہاں میری دادی کے چاچا تونگر حسین رہتے تھے۔ بعدازاں میری والدہ کے چاچا مسلم حسین کے کہنے پر میرے دادا اپنے کنبہ کے ساتھ واڑہ چلے گئے۔ وہاں

---

۱ سیّد لطیف حسین ولد جعفر حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — یکم دسمبر ۲۰۱۷ء

۲ سیّد مشتاق حسین ولد رضا حسین (سابق رہائشی گوہلہ) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

۳ سیّد زائر حسین ولد محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — لاہور — ۲۴ جون ۲۰۱۹ء

۴ سیّدہ کنیز زہرا دختر محمد رمضان (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیروالا — ۲۷ اپریل ۲۰۰۶ء

میری والدہ (نثار فاطمہ) نے بطور سکول ٹیچر ملازمت بھی کی۔ پھر نانا مسلم اور بعد ازاں نانا اختر کبیر والا آ گئے تو ہم بھی ان کے ساتھ کبیر والا آ کر آباد ہو گئے۔" ①

سیّد منوّر حسین نے کہا: "کیتھل سے گاڑی چلی تو ڈیڑھ دن بعد پاکستان پہنچی۔ ہم خانیوال اترے اور کچھ دن وہاں کیمپ میں رہے۔ پھر سجاد حسین کے بلانے پر ہم واڑہ آ کر بس گئے۔" ②

سیّد لیاقت حسین نے کہا: "گوہلہ سے پاکستان آتے آتے ایک مہینہ لگ گیا تھا۔ پاکستان میں ہم پہلے خانیوال آئے، پھر کبیر والا چلے گئے۔ کبیر والا میں ہم تھوڑے دن رہے۔ ہمارے پھوپھا نیاز محمد ضلع جھنگ میں آئے اور زمینیں دیکھ کر گئے۔ انہوں نے آ کر ہمیں بتایا کہ وہاں تو بہت اچھی زمینیں ہیں۔ وہ سلیمان آ گئے اور ہم واڑہ آ گئے۔ یونٹوں کے حساب سے ہمارے ماموں کی زمین دو اڑھائی مربعے بنی جب کہ ہمارے دونوں گھروں یعنی چاچا منوّر کی اور ہماری ۱۵، ۱۵ ایکڑ بنی۔ پھر میرے والد صاحب (شوکت حسین) نے کلر والا میں زمینیں دیکھیں اور ہم وہاں آباد ہو گئے۔" ③

سیّدہ نسیم فردوس نے کہا: "ہم ساماناوالوں کے ساتھ پاکستان آئے اور ان کے ساتھ ہی منڈی بہاؤالدین چلے گئے۔ وہاں سالم حسین نے کہا کہ واڑہ میں راشن زیادہ ملتا ہے تو ہم واڑہ آ گئے۔" ④

سید محمد مختار نے کہا: "دہلی سے پھوپھا زوّار حسین، میرا چاچا زاد بھائی ذوالفقار حسین اور میں پاکستان پہنچے تو پہلے خیر پور ٹامیوالی گئے کیونکہ چاچا لطیف وغیرہ وہاں پہنچ چکے تھے۔ خیر پور اسٹیشن سے گھر تک ہم خچروں پر بیٹھ کر گئے۔ دہلی سے میری ٹرانسفر حبیب بینک راولپنڈی میں ہوئی تھی۔ میں خیر پور سے راولپنڈی گیا۔ وہاں دفتر والوں نے کہا: 'جو پریشان ہیں اور جن کے گھر والے انہیں نہیں ملے وہ بیشک ۱۵ دن کی چھٹی لے کر چلے جائیں۔' میرے گھر والے ٹھسکہ سے لاہور آنے کے بعد واڑہ چلے گئے تھے۔ میں نے چھٹی لی اور اپنے گھر والوں سے ملنے کے لیے واڑہ چلا۔ جھنگ اسٹیشن پر مجھے ایک بندہ ملا جو کلکتہ میں کسی محکمہ میں کلرک تھا۔ اس کے گھر والے ہندوستان سے آنے کے بعد واڑہ سے آٹھ میل پہلے ایک گاؤں میں چلے گئے تھے۔ وہ اپنے گھر والوں کے لیے پیسے لایا تھا۔ میں بھی اپنے گھر والوں کے لیے پیسے لایا تھا۔ وہ پنجابی بولتا تھا اور میں اُردو بولتا تھا۔ مجھے اس کی بات اچھی طرح سمجھ نہیں آتی تھی۔ ہم دونوں نے جھنگ سے اس کے گاؤں تک جانے کے لیے ایک اونٹ کرایہ پر لیا۔ کجاوہ میں ایک طرف وہ بیٹھ گیا اور دوسری طرف میں بیٹھ گیا۔ اس نے پہلے کبھی اونٹ پر سفر نہیں کیا تھا لیکن میں نے کیا تھا۔ وہ راستہ میں ڈرتا رہا۔ اس کے گاؤں پہنچے تو دیکھا کہ اس کی بہن مانگتی پھر رہی تھی۔ اس نے اپنی بہن سے پوچھا: 'کیوں مانگ رہی ہو؟' اس کی بہن نے کہا: 'کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔' اس نے اپنی بہن سے کہا: 'فکر نہ کر، میں پیسے لے کر آیا ہوں۔' مجھے بخار تھا اور پروگرام یہ تھا کہ رات اپنے ساتھی کے گاؤں میں بسر کر کے صبح واڑہ جاؤں گا۔

---

۱ سیّدہ تسکین زہرا دختر راحت حسین (سابق رہائشی پونڈری) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ لاہور ـــ ۲۶ دسمبر ۲۰۱۷ء

۲ سیّد منوّر حسین ولد محمد امیر (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ واڑہ ـــ یکم اکتوبر ۲۰۱۷ء

۳ سیّد لیاقت حسین ولد شوکت حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون ـــ جھنگ ـــ ۱۶ مارچ ۲۰۱۸ء

۴ سیّدہ نسیم فردوس دختر مقبول حسین (سابق رہائشی گوہلہ) ـــ گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ ـــ واڑہ ـــ ۲۹ ستمبر ۲۰۱۷ء

لیکن اپنے ساتھی کی بہن کو مانگتے دیکھ کر میں ڈر گیا کہ پتہ نہیں میرے گھر والوں کا کیا حال ہو گا۔ میں اسی وقت واڑہ کے لیے پیدل چل پڑا۔ میرے ساتھی نے گاؤں سے ایک بندہ میرے ساتھ کر دیا جو مجھے واڑہ تک چھوڑ گیا۔ چند سال بعد میرے گھر والے واڑہ سے کبیر والا آ گئے۔ حبیب بینک کی ملازمت کے دوران میرا تبادلہ لائلپور (فیصل آباد) اور پھر خانیوال ہو گیا۔ وہاں میں نے بینک کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور کبیر والا کمیٹی میں نوکری کر لی۔ کبیر والا میں ہم نے زمین اور مکان کے لیے کلیم داخل کیا۔ ہمیں سارا رقبہ نہیں ملا۔ میں ساری جائیداد کا کلیم بھی نہیں کر سکا۔ میرے باجی (والد) نے کہا: 'بھٹہ لکھانہ باغ۔' اور چیزیں بھی رہ گئیں۔ تاہم میں نے کوشش کر کے مکان الاٹ کروا لیا۔" [۱]

محمد بشیر نے کہا: "سیانہ سیداں سے پاکستان آنے کے بعد ہم ضلع مظفر گڑھ کے گاؤں گلاب گرمانی چلے گئے تھے۔ عالم اور سیدا (خورشید علی) بھی وہیں تھے۔ چاچا محمود، اعجاز اور احمد نَفِٹ عجب والا، جو گلاب گرمانی سے ایک میل دور ہے، چلے گئے تھے۔ دو سال بعد محمود کی دعوت پر میر سجاد حسین اور رضا راجگڑھیا آم کھانے کے لیے آئے تو سجاد نے ہم سب کو واڑہ آنے کے لیے کہا۔ سجاد کے کہنے پر ہم واڑہ آ گئے۔ ہمارے بعد چاچا محمود، اعجاز اور احمد نَفِٹ بھی واڑہ آ گئے۔ گوہلہ کا مسلم ہمارے آنے سے پہلے واڑہ سے چلا گیا تھا۔ آپ کا نانا شفیع، رمضان، گوہلہ کا اختر، رضا راجگڑھیا، منوّر، حسن نمبردار، صغیر، شبیر، مطلوب وغیرہ ہمارے آنے کے بعد گئے۔ عادل، راحت بھی واڑہ سے گئے۔ کوئی ۵۰، ۶۰ گھر ہمارے آنے کے بعد واڑہ سے گئے۔" [۲]

سیّدہ امامی صغریٰ نے کہا: "سید کھیڑی سے لاہور آنے کے بعد بھائی احسان نے ہمیں (باقر حسین، غلام عباس اور محمد یٰسین اور ان کے کنبوں کو) بورے والا بھیج دیا۔ ماموں یٰسین تو چند دن بعد فیروز کے ناگرہ چلے گئے۔ مزید کچھ دنوں بعد بھائی صابر بھیرہ چلا گیا اور چار پانچ ماہ بعد آ کر ہمیں لے گیا۔ بھیرہ میں وہ غلام پنجتن کے ساتھ مل کر آڑھت کرتا تھا۔ وہ بولی دیتا تھا۔ بعدازاں بھائی صابر نے بھلوال میں ڈاکٹر مطلوب کے ساتھ کمپاؤڈر کی حیثیت سے کام کیا۔ وہ روزانہ صبح بھلوال جاتا اور شام کو بھیرہ واپس آ جاتا تھا۔ جب ہم بورے والا میں تھے تو میرے چاچا جی اپنی بیٹیوں سیّدہ (زوجہ یاور حسین) اور صابرہ (زوجہ صابر حسین) کو اپنے گھر لے گئے تھے۔ سات سال بعد چاچا جی انہیں ہمارے گھر چھوڑ گئے۔ واڑہ آنے سے پہلے بھیرہ میں ہم پانچ چھ سال رہے۔ میرے بھائی یاسر کی اقبال فاطمہ عرف بالی دختر سجاد حسین سے شادی ہوئی تو بارات بھیرہ سے شاہ جیونہ گئی اور وہاں سے پیدل واڑہ گئی۔ بھیرہ سے واڑہ پہلے ہم آئے پھر بھائی ناصر آیا۔ چاچا غلام عباس بورے والا سے واڑہ آئے تو آپا صفدری کے پاس رہتے تھے۔ بھائی محسن بعد میں واڑہ آیا۔ بھائی محسن کو ٹی بی ہوئی تو بھائی صابر اور صابرہ نے اس کی مقدور بھر مدد کی۔ صابرہ نے اپنا سونے کا ہار بیچ کر پیسے اپنے بھائی محسن کو علاج کے لیے دے دیے۔" [۳]

سیّدہ رضوانہ خاتون نے کہا: "تایا احسان نے ہمیں بورے والا فارمز بھیج دیا۔ وہاں ہمیں کھانے پینے، برتن بھانڈے

---

۱ سیّد محمد مختار ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — کبیر والا — ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء

۲ محمد بشیر ولد محمد اسماعیل (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون/ بالمشافہ — واڑہ — یکم جولائی ۲۰۱۸ء، ۱۱ ستمبر ۲۰۱۹ء

۳ سیّدہ امامی صغریٰ دختر باقر حسین (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد/واڑہ — ۸ اپریل ۲۰۱۸ء، ۲۵ جنوری، ۸ ستمبر ۲۰۱۹ء

کی تنگی ہوئی۔ رضائیاں ہندوؤں کی تھیں۔ میری ماں کہتی تھی کہ وہ ہم نے ایسے اوپر نہیں لیں۔ پاؤں پر لے کر لیٹتے تھے۔ سردی گئی تو ہم نے ان کو ادھیڑا، دھویا اور روئی پنوائی۔ چرخے کاتے اور کھیس بنائے۔ ہماری پھوپھیاں ہمارے ساتھ تھیں۔ دادا باقر نے انہیں بھیج دیا تھا۔ ہماری پھوپھی کا لڑکا وہیں پیدا ہوا۔ پانچ سال بعد دادا باقر ہماری پھوپھیوں کو لے کر گئے۔ ہمارے دو بھائی بھی بورے والا فارمز میں پیدا ہوئے۔ حامد ۱۹۵۰ء میں ہوا۔ ایک اور بھائی جو شمشاد سے بڑا تھا وہیں ہوا۔ اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ تمہارا بڑا بھائی (کلب عباس) وہیں پیدا ہوا۔ میری بڑی بہن (حاجرہ شمیم) کہتی تھی کہ وہ بہت مَنّتوں کے بعد ہوا تھا۔ اس کی مَنّت کا عَلم چپکے چپکے نکالا۔ بورے والا فارمز میں ہم چھ سات سال رہے۔ دادا کو کچھ زمین الاٹ ہو گئی تھی۔ میرے ابّا (محمد محسن) کی وہاں نوکری تھی۔ وہ ہیڈکوارٹر میں ملازمت کرتے تھے۔ وہاں لاہور سے قیدیوں کو لاتے تھے۔ ہم ایک کوارٹر میں رہتے تھے۔ میرے ابّا اتنے پڑھے لکھے نہیں تھے۔ تمہارے ابّا شاید زیادہ پڑھے لکھے تھے، آٹھ یا دس جماعتیں۔ جہاں میرے ابّا ملازم تھے وہاں تایا (زین العابدین) کی اچھی نوکری تھی۔ میرے ابّا کو لیبر کا کام کرتے ہوئے شرم آتی تھی۔ میرے ابّا پھر مِل (بورے والا ٹیکسٹائل ملز) میں ملازم ہو گئے۔ میرے دادا نے (کلیم کی) زمین واڑہ میں لی۔ انہوں نے کہا: 'واڑہ میں شیعہ لوگ ہیں، سیّد ہیں، گوہلہ اور سیانہ والے بیٹھے ہیں۔ وہاں مرنا جینا اچھا ہو گا۔' میرے ابّا نے مِل میں ایک ماہ ملازمت کی ہو گی کہ ہم واڑہ آ گئے۔ وہاں ہمارا بھائی شمشاد (۱۹۵۴ء میں) پیدا ہوا۔ میرا خیال ہے ہم اسی سال واڑہ آئے۔ جب ہم واڑہ آئے تو میرے ابّا کو کھانسی تھی۔ پہلے ٹھٹھہ محمد شاہ سے دوائی لیتے رہے پھر لاہور چلے گئے۔ لاہور میں دکھایا تو انہیں ٹی بی کا بتایا۔ اس وقت ٹی بی ٹھیک نہیں ہوتی تھی۔ بڑا خوفناک مرض تھا جیسے آج کل کینسر خوفناک مرض ہے۔ میرے ابّا پانچ سال گھر نہیں آئے۔ لاہور والوں نے انہیں علاج کے لیے مری بھیج دیا۔ وہاں ٹی بی ہسپتال میں رہے۔ وہاں مکمل علاج ہوا اور وہ بالکل ٹھیک ہو گئے۔ پھر واڑہ آئے۔" [1]

سیّد صغیر حسین نے کہا: "ٹھٹھہ محمد شاہ سے چار جماعتیں پاس کرنے کے بعد میں نے جھنگ کے ساڈھورہ مسلم ہائی سکول میں چھٹی کلاس میں داخلہ لیا۔ میں نے پانچویں جماعت نہیں پڑھی تھی جب کہ قربان علی، جو سید کھیڑی میں چھٹی کلاس میں تھا، کو بھائی زین العابدین نے ساڈھورہ مسلم ہائی سکول میں پانچویں کلاس میں داخل کروایا تھا تاکہ وہ پڑھائی میں ہوشیار ہو جائے۔ بھائی زین العابدین نے کہا: 'میں نے قربان کو ایک کلاس پیچھے داخل کروایا جب کہ صغیر ایک کلاس آگے داخل ہوا۔ یہ تو پڑھائی میں کمزور رہ جائے گا۔' پھر ہوا بھی وہی جو انہوں نے کہا تھا۔ قربان کی لکھائی بھی مجھ سے بہت اچھی تھی اور میٹرک میں اس کے نمبر بھی مجھ سے بہت اچھے تھے۔ تاہم جب میں نویں کلاس میں تھا تو ضلع بھر کے سکولوں کا آپس میں تقریری مقابلہ ہوا تھا اور میں نے اس میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔ میرا نام بھی اس بورڈ پر لکھا گیا تھا جس پر مختلف امتحانوں اور مقابلوں میں امتیازی پوزیشن حاصل کرنے والے ہمارے سکول کے طلباء کے نام لکھے ہوئے تھے۔ میں جب بھی اس بورڈ پر اپنا نام دیکھتا تھا تو خوش ہوتا تھا۔ ہمارے سکول میں واڑہ کے کئی لڑکے پڑھتے تھے اور اکٹھے رہتے تھے۔ میاں جی

۱ سیّدہ رضوانہ خاتون دختر محمد محسن (سابق رہائشی سید کھیڑی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — کراچی — ۹ جولائی ۲۰۱۸ء

(حسنین علی) بھی وہاں پڑھتا تھا۔ جرار نے بھی وہاں سے میٹرک کیا۔ ایک لڑکا شفیع تھا جو مجھ سے ایک سال پیچھے تھا۔ اس وقت مجھے سوتے ہوئے اٹھ کر چلنے کی عادت تھی۔ بھائی زین العابدین نے قربان سے کہا تھا کہ اس کا یعنی میرا خیال رکھنا۔ کافی عرصہ قربان مجھے اپنے ساتھ سلاتا رہا۔ پھر اس کی چارپائی میرے ساتھ ہوتی تھی۔ جھنگ میں ہم حویلی کے حاجی حیدر شاہ کی کوٹھی میں رہے۔ کسی اور کی کوٹھی میں بھی رہے۔ سکول کا ہاسٹل نہیں تھا لیکن کھانا ہم سکول میں جا کر ہی کھاتے تھے۔ تھوڑا عرصہ سکول کے ایک ٹوٹے پھوٹے کمرہ میں بھی رہے۔ جب دو تین دن کی چھٹیاں ہوتیں تو میں قربان کے ساتھ خالہ بانو کے پاس واڑہ جاتا تھا اور زیادہ چھٹیاں ہوتیں تو اپنے والدین کے پاس کبیر والا جاتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ واڑہ میں خالہ ذکی مجھ سے کہتی تھیں: 'جس طرح بانو تمہاری خالہ ہے میں بھی تمہاری خالہ ہوں۔ میرے پاس آیا کرو اور ملا کرو۔' میرے والدین کے کبیر والا چلے جانے کے بعد ہمارے واڑہ کے گھر میں ماسٹر اعجاز رہتا تھا۔" [1]

سیّد اصغر مہدی نے کہا: "میں چھ سال واڑہ میں رہا۔ گاؤں سے دو میل دور نکا اڈا تھا۔ سارے راستہ میں ریت کے ٹبے تھے۔ ہم پیدل جاتے تھے اور تھک جاتے تھے۔ بہت پسینہ آتا تھا۔ ساڑھورہ مسلم ہائی سکول جھنگ میں ایک ماسٹر طیب تھا۔ میں جب اس سکول میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا تو میں نے ماسٹر طیب کے بارے میں چند شعر کہے جو اس وقت طلباء میں بہت مقبول ہوئے۔ وہ شعر یہ ہیں:

طیب صاحب کو دیکھ کر طبیعت علیل ہے
پوچھو مہاجروں سے یہ سچی دلیل ہے
اپنا سمجھ کے اس لیے آئے یہاں پہ ہم
آ کر پتہ چلا کہ محبّت قلیل ہے
اصغر کو کیا ہوا میری تقدیر نے کہا
جاؤ یہاں سے تم یہاں ہونا ذلیل ہے

جب میں نے نویں جماعت پاس کر لی تو ماموں اختر نے مجھے نوکری دلوائی۔ اس وقت کرنل عابد جھنگ بلدیہ کا چیئرمین تھا اور ماموں اختر وائس چیئرمین تھے۔ ماموں اختر نے مجھے بستی جبو والی کے پرائمری سکول میں ان ٹرینڈ ٹیچر لگوا دیا۔ ایک سال بعد میرا تبادلہ لالیاں ہو گیا۔" [2]

سرفراز خان نے کہا: "میں دادا احسان علی شاہ کے پاس پڑھتا تھا۔ ایک دن میں پڑھنے گیا تو دادا احسان شاہ کے پاس اور لوگ بھی بیٹھے تھے جن میں فلک شیر بھی تھا۔ فلک شیر واڑہ کے ہندوؤں میں بڑا زمیندار تھا۔ وہ ۱۹۴۷ء میں مسلمان ہوا اور بعدازاں واڑہ ہی میں رہا۔ میرے سامنے دادا احسان شاہ وغیرہ نے اس سے سوال کیا کہ آپ کیسے اتنے پکے مسلمان ہوئے کہ باقی سب ہندو ہندوستان چلے گئے لیکن آپ نہیں گئے۔ فلک شیر نے کہا: 'ہندو ایک مذہبی رسم ادا کرتے تھے۔ وہ اونچی

---

۱ سیّد صغیر حسین ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — بہاولپور — ۱۹، ۲۳ جنوری ۲۰۱۹ء

۲ سیّد اصغر مہدی ولد قاضی محمد شفیع (سابق رہائشی ٹھسکہ میراں جی) — گفتگو ہمراہ مؤلف بذریعہ فون — خانیوال — ۲۲-۲۳ جنوری ۲۰۱۹ء

جگہ پر چڑھ کر سورج کی طرف پانی پھینکتے تھے۔ جب میری باری آئی تو میں گیا اور سورج کی طرف پانی چھڑکا۔ میرا دِل مطمئن نہیں ہوا۔ میں نے سوچا سورج کہاں اور اس کی طرف پانی چھڑک کر کیا اثر ہونا ہے۔ اس سے میں باغی ہو گیا کہ یہ تو کوئی مذہب نہیں۔ میرا رجحان مسلمانوں کی طرف ہو گیا۔ پھر اللہ کی رحمت ہو گئی اور ۱۹۴۷ء میں سب کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔' فلک شیر چونکہ پہلے سے ہندو مذہب سے دور ہو گیا تھا اس لیے وہ دِل سے مسلمان ہوا اور باقی سب چلے گئے تو وہ واڑہ ہی میں رہا۔ ان دنوں ہمارے علاقہ میں سردار چارپائی پر بیٹھتا تھا اور باقی لوگ نیچے بیٹھتے تھے۔ قربان علی شاہ کہتا تھا: 'سب کو ایک جگہ بیٹھنا چاہیے۔ یہ سرداری نظام نہیں رہے گا۔' قربان شاہ یہ بات اس وقت کہتا تھا جب سرداری نظام یہاں مؤثر طور پر رائج تھا۔" [۱]

سیّدہ اصغری خاتون نے کہا: "ہمارے واڑہ آنے کے بعد میرا بھائی توقیر پیدا ہوا۔ تنویر اس کے بعد پیدا ہوا۔ توقیر چار سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ پہلے بھائی اقبال کا بیٹا اشفاق فوت ہوا پھر توقیر فوت ہوا۔ میری ماں نے اشفاق کے فوت ہونے کا بہت افسوس کیا تھا۔ جب میری دادی (کبری) فوت ہوئیں تو ان کے چہلم کے دن میرے والد (میر سجاد حسین) نے گاؤں والوں کو گُڑ کے چاول کھلائے۔ میرے والد نے کہا: 'میں اچھا کھانا بھی کھلا سکتا ہوں، لیکن گاؤں کے لوگ اپنے مرحومین کے لیے اچھا کھانا نہیں کھلا سکتے۔' اس لیے میرے والد نے سب کو گُڑ کے چاول کھلائے تھے۔" [۲]

۱ سرفراز خان ولد محمد بخش ولد جلّا — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — واڑہ — ۴ مارچ ۲۰۱۸ء

۲ سیّدہ اصغری خاتون دختر سجاد حسین (سابق رہائشی سیانہ سیداں) — گفتگو ہمراہ مؤلف بالمشافہ — اسلام آباد — ۱۶ جون ۲۰۱۸ء